ہیں لٹیرے پاسباں، قزاق ہیں عالم پناہ — بھیڑیے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں سونے کی ک

خون سے تر ہے تمدن کی سنہری آستیں — دیکھوں کن آنکھوں سے یہ جشنِ تباہی ہم نش

(فضا ابن فیضی)

بابری مسجد کی شہادت

عدل وانصاف اور جمہوریت وسیکولرازم کا مدفن

دار التألیف والترجمة بنارس الهند

جلد سلسل ۱۲۰، ۱۲۱ ● رجب، شعبان ۱۴۱۳ ● جنوری، فروری ۱۹۹۳

125679

ماہنامہ محدث بنارس
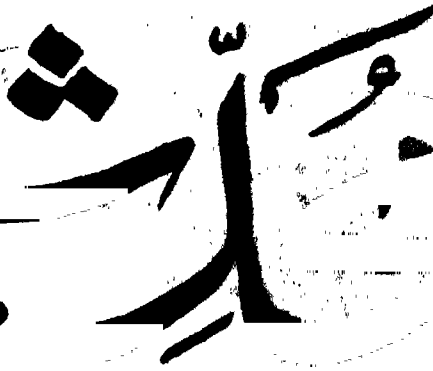
شمارہ ۱، ۲ | جنوری، فروری ۱۹۹۳ء | رجب، شعبان ۱۴۱۳ھ | جلد ۱۱

اس شمارہ میں

	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱۔	درسِ قرآن	مولانا اصغر علی السلفی	۲
۲۔	درسِ حدیث	؍؍ ؍؍ ؍؍	۴
۳۔	افتتاحیہ	مدیر	۹
۴۔	آزاد ہندوستان کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ	ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری	۲
۵۔	اجودھیا میں رام مندر کے وجود کی تردید	مولانا محمد رئیس ندوی	۶
۶۔	پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک اہم مکتوب		۱
۷۔	نقد و احتساب میں اعتدال کی ضرورت	ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری	۷
	● نمازوں کے بعد دعا سے متعلق چند متوازن تحریریں ●		
۸۔	نماز کے بعد ذکر یا دعا کے متعلق شیخ الاسلامؒ کا نقطۂ نظر	مولانا عبدالوہاب حجازی	۵
۹۔	مولانا محمد مستقیم سلفی کے مضمون کا جائزہ	شیخ مسرور عالم بستوی سلفی	۵
۱۰۔	نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت	شیخ عبدالرؤف عبدالحنان	۰
۱۱۔	باب الفتاویٰ	مولانا اصغر علی سلفی	۸
۱۲۔	باپ ماں کے ساتھ حسن سلوک "نظم"	مولانا عبدالقدوس نسیم مدنپوروہ	۰
۱۳۔	ایک اور گمنام خادم کی رحلت		۱۷
۱۴۔	حالاتِ حاضرہ پر ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ کا پروگرام		۱۹

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۵۴ روپئے فی پرچہ ۴ روپئے

اس شمارہ کی قیمت ۸ روپیہ

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

درسِ قرآن

دُعا کے فضائل و آداب

اُدعوا ربکم تضرعا وخفیة انہ لا یحب المعتدین ۔ اپنے رب سے ہی گڑگڑا کر چپکے چپکے مانگا کرو خدا حد سے گذرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ (الأعراف)

کتاب وسنت میں دعاء کی بڑی فضیلت واہمیت بتائی گئی ہے اور اس کی بہت تاکید کی گئی ہے، دعاء مؤمن کے اہم ذرائع نصر وفتح میں سے ایک مہتم بالشان ذریعہ ہے، مومن کا طاقت ور اسلحہ ہے جس سے اس کو دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ انسان جس چیز کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ مقصدیت اس سے بدرجۂ اتم حاصل ہوتی ہے "الدعاء هو العبادة" دعا ہی حقیقی عبادت ہے جیسے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کی فضیلت واہمیت عیاں ہے اور اس سے انسان کے مقصد تخلیق کا پورا ہونا اظہر من الشمس ہے۔ "وما خلقت الجن والانس إلا لیعبدون"، اور کیوں نہ ہو جب کہ دعاء و پکار التماس و التجاء اور سوال وطلب کے وقت بندہ پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کریم کے سامنے موجود ہوتا ہے، اپنے تمام حرکات وسکنات اور جذبات کو پوری عاجزی، کمال انکساری، انتہائی خشوع وخضوع اور ہر طرح کی بے کسی و بے بسی کے عالم میں ہر قسم کی انانیت، تفوق، غرور نفس سے پاک ہو کر دست سوال دراز کرتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ پورے طور پر ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور اس کی بیچارگی اور بے خودی کا یہ عالم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا طالب ہے اس کے علاوہ اس کو نہ کوئی سہارا مل سکتا ہے اور نہ ہی وہ لمحہ بھر اس کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے گویا وہ بزبان مسلم زبان حال سے تضرع کر رہا ہے۔

دردر سے ٹھکرا کر کے سر رکھا تیری درگاہ پر ۔ تو بھی نہ کر در سے بدر تجھ بن نہیں کوئی میرا

بندہ وفور شوق وطلب میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر حقیقی داتا و مولیٰ کے حضور جھکتا ہے تو پھر رحمت الٰہی جوش میں آجاتی ہے اور بندے کی حاجت برآری ہو جاتی ہے بشرطیکہ بندہ اسکو قاضی الحاجات، روحانی وجسمانی تسلیم کرے۔ اور اپنے اخلاص پر مبنی نیکیوں کے حوالہ سے طلب کرے۔ اور غیر اللہ کے تمام علائق سے الگ ہو جائے کسی اور ذات کو وسیلہ نہ بنائے کہ وہ بلا واسطہ سب کی باتیں سب فریادیں اور دعائیں اور التجائیں سنتا ہے۔ "فاذا سألك عبادی عنی فانی

قریب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بندے میرے سلسلے میں پوچھتے ہیں تو آپ بتا دیجئے کہ میں قریب ہوں، اور حقیقت ہے کہ دعاء میں غیر اللہ کو بیچ میں لانا دعاء کے روح کے خلاف ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالے نے مؤمنین کو آہ و زاری اور خشوع و خضوع، مسکنت و تضرع اور پوشیدہ طور دعاء کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیوں کہ پوشیدہ طور پر دعاء کرنے سے ریاء و نمود کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور یہ اخلاص میں آڑے آنے وا امور کو ختم کرنے والی چیز ہے۔ اور اللہ تعالے حد سے تجاوز کرنے والے لوگوں کو پسند نہیں کرتا خواہ یہ تجاوز ایسی چیز کو ماً کر ہو جو انسان کے شایانِ شان نہیں، جیسے وہ نبوت و رسالت کا طالب ہو کیوں کہ واللہ یجعل رسالتہ حیث یشاء یا ایسی چیز کے متعلق دعاء کرے جو اس کے لیے مناسب نہ ہو جیسے دنیا ہی میں ہمیشگی کی زندگی طلب یا دعاء میں زور زور سے چیخنا، کوئی بھی محال چیز کا سوال کرنا، یا دعاء کا ایسا طریقہ اپنانا اور اس پر مداومت کرنا جس کا ثبوت کتاب و سنت سے ہو بلکہ بدعت ہو جیسے قبر کی جانب ہاتھ پھیلا کر دعاء کرنا، اولیاء اللہ کو وسیلہ بنا کر دعاء کرنا، کسی مؤمن پر بد دعا کرنا، اور ا کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے دست دعاء دراز کرنا کسی مخصوص مکان و زمان میں جہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ سے خاص ہیئت کے ساتھ۔ دعاء کرنا منقول و ماثور نہ ہو وہاں بالالتزام انفرادی یا اجتماعی دعاء کرنا جیسے فرض نما کے بعد اجتماعی طور پر دعاء مانگنا مسنون قرار دیا گیا ہے اور اس کا ایسا التزام ہے کہ نماز کا گویا جزء ہے بہت سے جاہل تو یہ تک کہتے ہیں کہ جب دعاء اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر نہ کی گئی تو پھر نماز پڑھنے سے کیا فائدہ؟ یہ در اصل حد سے تجاوز کر کا نتیجہ ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے اللہ کو بھی نہیں بھاتے۔ اس لیے جہاں مؤمنین کے لئے دعاء رحمت ہے۔ اسوۂ نبو اور تعلیم ربانی کے مطابق نہ ہو تو پھر وبال جان بھی ہے بدعت اور احداث فی الدین ہونے کی وجہ سے یہ دعاء چہ جا۔ شرف قبولیت سے نوازی جائے رب کریم کے دربار میں بار یاب بھی نہ ہو سکے گی۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندہ دعاء کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کسی خاص چیز کا طالب ہوتا ہے مگر وہ چیز اسکو نہ ملتی تو کہنے لگتا ہے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے کہ بندو! تم مجھے پکارو میں تمہا دعا قبول کرونگا، اور جو لوگ دعا نہیں کرتے ان کو متکبر قرار دیتے ہوئے جہنم کی دھمکی دیتا ہے، ارشاد ربانی ہے؛ قال ربکم ادعونی استجب ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین (الآیۃ)۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی دعا کو قبول کرتا اسی مطلوبہ چیز کو دنیا ہی میں بعجلت یا بدیر عطا کر کے یا دنیا میں نہ دیکر آخرت میں اسکے لئے ذخیرہ کر دیتا ہے یا اسکی مقدار ا گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس پر آنیوالی کوئی بلا و مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔

درسِ حدیث

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

نماز کے بعد دعا پڑھنے کا مسئلہ

کتب المغیرة إلى معاویة بن ابی سفیان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلاة اذا سلم : لا إلٰہ إلا اللہ وحدہ لاشریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد ، وھو علی کل شئ قدیر ، اللّٰھم لامانع لما أعطیت ولامعطی لما منعت ولاینفع ذاالجد منک الجد . (البخاری مع الفتح ۱۱/۱۳۳) -

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد سلام پھیر کر یہ دعا پڑھتے تھے "لا إلٰہ إلا اللہ" یعنی نہیں ہے کوئی معبود حقیقی مگر صرف اللہ تعالیٰ جس کا کوئی شریک نہیں ہے ، اسی کے لئے ملک ہے اور ہر طرح کی تعریف اسی کے لئے خاص ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اے اللہ جو کچھ تو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز کو تو روک دے کوئی دینے والا نہیں ہے ، کسی کی عظمت اسکے لئے نفع بخش نہیں ، عظمت تیری ہی طرف سے ہے ۔

نماز جو ایک اہم عبادت ہے وہ عربی کے لفظ صلوٰۃ کا ترجمہ ہے اور صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہوتے ہیں گویا پوری نماز کو دعاء سے معنون کیا گیا ہے جب کہ سب کو معلوم ہے کہ نماز چند ایسے ارکان افعال واقوال پر مشتمل عبادت ہے جس میں خاص دعا کا صرف خالص ایک حصہ ہی ہے اس سے مفہوم و معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں دعا کی بڑی اہمیت اور عظیم درجہ ہے اسی لئے اسے شریعت نے نماز کے اندر اور باہر دونوں طور پر مشروع قرار دیا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افعال واقوال سے اندرون نماز متعدد دعائیں پڑھنے کی تعلیم دی ہے ، آپ جب تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہوتے اس کے فوراً بعد اللّٰھم باعد بینی وبین خطایای الخ جیسی مشہور دعا ثور اور جامع دعا پڑھتے پھر بسم اللہ اور أعوذ باللہ پڑھتے اور سورۃ الدعا . جو سورۃ الفاتحہ کے نام سے مشہور ہے کی تلاوت فرماتے یہ سورہ ایک ایسی جامع دعاء وآداب دعا پر مشتمل ہے جس کو مانگ کر گویا بندہ دنیا وآخرت کی نعمتوں کا طالب ہوتا ہے اور انسان کے لئے سب سے بری چیز سے بچنے کی التجا کرتا ہے اس لئے نماز میں سورہ کی تلاوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کر دیا ہے خواہ امام ہو یا مقتدی سری نماز میں ہو یا جہری میں نفلی میں ہو یا فرض میں ، قسمت الصلاة بینی وبین عبدی نصفین ، الحدیث ، پھر اس کے بعد جو آیات اور سورہ بندہ تلاوت کرتا ہے وہ بھی دعا ومناجات اور قصص واقوال ماضیہ کے عبرت آموز احوال اور ثواب وعقاب اور وعدہ وعید پر مشتمل ہوتی ہے ، اس وقت جب آیت رحمت وعذاب کی تلاوت کرتا ہے تو رحمت کا طالب ہوتا ہے اور عذاب سے پناہ مانگتا ہے ، جب آیت ربنا آتنا علینا حسابھم

جیسی آیتوں کو پڑھتا ہے تو دعا کرتا کہ "اللّٰھم حاسبنی حسابا یسیرا"۔ اسی طرح رکوع و سجود اور دونوں کے درمیان و مابین السجدتین نیز تشہد وغیرہ میں دعا پڑھنے کی تعلیم ہے بلکہ سجدہ میں خاص طور پر دعا کرنے کا حکم ہے اور رب کریم سے سب سے زیادہ قربت کا موقع اور ساعت اجابت ہے: "اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا من الدعاء" نماز کے آخری حصہ میں جس دعا ماثور "اللّٰھم انی ظلمت نفسی" کی تعلیم دی گئی وہ ایک جامع دعا ہے اور جن کلمات طیبات کو ادا کر کے نماز سے فارغ ہوتا ہے وہ کلام بھی دعائیہ ہے، اس طرح گویا پوری نماز دعا سے معنون ہے۔

مگر اس کے علاوہ نماز سے فراغت کے بعد بھی دعائیں پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر سب سے پہلے زور سے اللہ اکبر کہتے اور تین مرتبہ استغفر اللہ کہتے اور اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام" پڑھتے اور پڑھنے کے بعد مقتدیوں کے طرف مڑ جاتے یہی مطلب ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مذکورہ دعا کے بقدر ثابت رہتے، جس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ صرف اس دعا کے بقدر ہی بیٹھتے تھے، پھر آپ مقتدیوں کے طرف موڑ کر درس حدیث میں مذکور دعائیں پڑھتے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی کو مخاطب کر کے فرمایا میں تم سے محبت کرتا ہوں تم ہر نماز کے وقت "ربّ انی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک" پڑھا کرو اور حضرت صہیب رضی کے روایت میں ہے کہ آپ نماز کے بعد "اللّٰھم اصلح لی دینی" پڑھتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی فرماتے ہیں کہ آپ نے نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کی تعلیم دی۔ نیز لا حول ولا قوۃ الا باللہ لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن، لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔ یہ اور اسی جیسی دوسری دعائیں پڑھتے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے بعد ادعیہ و اذکار مسنونہ کا پڑھنا ماثور اور مسنون ہے امام بخاریؒ نے درس کی حدیث اور تسبیح وتحمید و تکبیر والی احادیث کا ذکر نماز کے بعد دعا کرنے کے باب میں کیا ہے البتہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر ان دعاؤں کو پڑھنے کا کسی بھی حدیث میں ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی مشروعیت ثابت ہے جب کہ بہت سے احادیث میں متعدد مواقع سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ کا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا منقول ہے اس قسم کی احادیث کی تعداد تقریبا ایک صد ہے سب کی سب اگرچہ متواتر نہیں لیکن مجموعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی بات تواتر کے حد کو پہونچی ہوئی ہے، اگر فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ثبوت ہوتا تو صحیح احادیث میں ضرور منقول ہوتا۔

اللہ ہمیں شاہراہ سنت پر گامزن ہونے کی توفیق دے اور عموم کے پھندے میں آکر کسی بدعت میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھے۔

افتتاحیہ

اور بابری مسجد مسمار کردی گئی

سرِ بازار ملا جھوٹ کو سچ کا عنوان

۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کی تاریخ آنے والی صدیوں میں برابر یاد رکھی جائے گی کہ اس دن جارحیت پسند اور مجرم نام نہاد رام بھگتوں نے اجودھیا کی بابری مسجد کو منہدم کرکے سچے مذہب ودھرم اور اس کی عالمگیر صداقتوں کو بھارت کی سرزمین میں اپنے ہاتھوں سے دفن کردیا، ان وحشیوں نے تاریخ وتمدن کی ایک عظیم امانت اور ہندوستان میں اسلام کے ایک عظیم شعار کو بیخ وبن سے مٹاکر ساری انسانیت اور تمام اہلِ ہند کو رسوا کردیا، اس کے سبب خصوصیت سے مسلمان ناقابلِ بیان جسمانی، قلبی اور روحانی اذیت میں مبتلا ہوگئے۔ مذکورہ تاریخ سے کئی دن پہلے مرکزی حکومت کی طرف سے آئی ہوئی سو کمپنی فوج اجودھیا سے پچیس کلومیٹر کے فاصلہ پر رام کی اجودھیا کی سرحدوں کی پیمائش کرتی رہ گئی، اور سو کمپنی صوبائی پولیس فورس کے سمع وبصر کے سامنے پونے بارہ بجے دن سے لے کر شام سوا چھ بجے تک مسجد مکمل مسمار کردی گئی، پھر مخصوص انجینئر کی مدد سے پانچ فٹ اونچی دیوار اٹھاکر اس میں رام کا بت نصب کردیا گیا، چھتیس گھنٹے کے بعد فوج ظفر موج جائے حادثہ پر پہونچی جب بابری مسجد ملبوں میں تبدیل ہوچکی تھی، اس کی جگہ ایک عارضی مندر مع اپنے بت کے ان کا استقبال کررہا تھا، اور کارسیوک گرد جھاڑ کر نہیں بلکہ دنیا اور آخرت کی حقیقی رسوائیوں کی سیاہی اپنے جسم اور روح پر مل کر خصوصی ٹرینوں سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے، فوج کو اس عذر سے چھٹی مل گئی کہ اسے کارروائی کا آرڈر نہیں ملا، مرکزی حکومت نے یہ کہہ کر دامن جھاڑ لیا کہ مسجد کا تحفظ صوبائی حکومت کی ذمہ داری تھی جب کہ قومی یک جہتی کونسل اور پارلیامنٹ نے مرکزی حکومت کو مسجد کی حفاظت کا پورا اختیار دے دیا تھا، سوا چھ بجے جب مسجد بالکل مسمار کردی گئی تو کلیان سنگھ سرکار نے یہ کہہ کر استعفا پیش کردیا کہ ڈیڑھ لاکھ کارسیوکوں کے سامنے اس کی فورس بے بس ہوگئی اس لئے سپریم کورٹ میں داخل کئے گئے بیان حلفی کے مطابق مسجد کی حفاظت نہ کرسکنے پر وہ مستعفی ہوتی ہے، بعد کے ایام میں اخبارات میں کلیان سنگھ کے بیانات شائع ہوئے کہ انھیں

مسجد مسمار کئے جانے پر کوئی افسوس نہیں ہے، ۲۰ر دسمبر کو بھاجپا کی طرف سے کانگریس کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کے موقع پر وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے لوک سبھا میں اپنے بیان میں کہا تھا کہ: اجودھیا میں ۶ر دسمبر کو جو کچھ ہوا وہ اتفاقی واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک منظم سازش تھی، انہوں نے بابری مسجد منہدم کئے جانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان کی غلطی صرف یہ ہے کہ انہوں نے بھاجپا کی کلیان سرکار پر بھروسہ کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وزیر اعظم نے جسے عدم غلطی باور کرانے کی کوشش کی ہے وہ غلطیٔ اعظم ہے۔ کلیان سرکار نے تو موبائی کابینہ تشکیل دینے کے فوراً بعد اجودھیا کی بابری مسجد میں جاکر اس بات کی قسم کھائی تھی کہ وہ مندر وہیں بنائے گی ۔ وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے بیان میں مزید کہا تھا کہ اتر پردیس کے گورنر نے ۶ر دسمبر سے تین روز پہلے ہی مرکز کو رپورٹ بھیجی تھی کہ ریاست میں صدر راج نافذ کردیا جائے ورنہ بابری مسجد کو بچایا نہیں جاسکتا، لیکن ہم نے دفعہ ۳۵۶ استعمال نہ کرنے کا ایک تجربہ کیا تھا جو ناکام رہا، انہوں نے مزید کہا تھا کہ اس دفعہ کے متعلق نظر ثانی کرنی پڑے گی کہ آئین کے مطابق حکومت نہ چل پانے کے اندیشہ کی بنیاد پر صدر راج نافذ کرنے کی گنجائش پیدا کی جائے۔ وزیر اعظم آئندہ اس دفعہ پر نظر ثانی اور اس کی اصلاح کر بھی لیں مگر مسمار بابری مسجد صدیوں انھیں اور ان جیسے لوگوں کو مخاطب کر کے کہتی رہے گی ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

وزیر اعظم بننے کے بعد موصوف نے ایک بار کہا تھا کہ بابری مسجد رام جنم بھومی قضیہ حل ہوجائے تو میں گنگا نہالوں اب راؤ صاحب ہی کیا سیکڑوں راون کو بھی اس کار کے لئے ان کی معیت کا شرف حاصل ہوگا، ویسے جہاں تک لال قلعہ پر بہر قیمت مسجد بابری کے تحفظ کے متعلق ان کے وعدہ کا مسئلہ ہے تو اس کے متعلق موصوف کو خود علم ہے کہ مسلمان قوم کانگریسی وعدوں پر بھروسہ کے لئے بڑی وسیع الظرف ہے، مسلمان تو زبان حال سے یہی کہتا ہے۔

اس کے وعدوں سے اتنا تو ثابت ہوا اس کو تھوڑا سا پاس تعلق تو ہے
یہ الگ بات ہے وہ ہے وعدہ شکن یہ بھی کچھ کم نہیں اس نے وعدے کئے

وزیر اعظم سے متعلق ایک اور واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، پارلیامنٹ میں ممبران نے وزیر اعظم سے سوال کیا کہ بابری مسجد مسمار کئے جانے کے بعد آپ نے کابینہ کی میٹنگ کیوں نہیں بلائی تو موصوف نے جواب دیا کہ میں بابری مسجد کے تحفظ کی فکر میں تھا اس پر پورے پارلیامنٹ نے بے ساختہ قہقہہ بلند کیا۔ بابری مسجد کے انہدام کے بعد ابھی ایک ماہ کا بھی عرصہ نہیں گذرا ہے کہ اتر پردیس ہائی کورٹ نے مسمار بابری مسجد کی زمین پر بنائے گئے عارضی مندر کے بہت کے پجاو

ورشن کی اجازت دے دی ہے اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کو اپنا موقف بیان کرنے اور حلف نامہ داخل کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی ہے، فیصلہ میں ججوں کی دراز نفسی اور جانبداری کا یہ حال ہے کہ انہوں نے پجاری اور بتوں کو جاڑا گرمی اور برسات سے محفوظ رکھنے کی بھی تاکید کر ڈالی ہے، اس فیصلہ کو سننے کے بعد نہایت شدت کے ساتھ اس بات کا احساس ہوا کہ سپریم کورٹ کی طرف سے ۶ر دسمبر کو کارسیوا نہ کرنے یا صرف بھجن کیرتن کرنے کا جو آرڈر جاری ہوا تھا اگر اس میں کارسیوکوں کو اجودھیا پہونچنے سے روکنے یا ان کی تعداد بالکل محدود کرنے کا آرڈر بھی شامل کر دیا جاتا تو بابری مسجد کے لئے کوئی مسئلہ نہ پیدا ہوتا اور ٹھنڈے اعذار کا یہ بے تکا سلسلہ وجود میں آنے سے پہلے ختم ہو جاتا، مگر بعد کے بعض واقعات سے اندازہ ہوا کہ سپریم کورٹ کا نظام بھی خاصا اختلال کا شکار ہے، چنانچہ اس کے لئے صرف ایک واقعہ کا ذکر کافی ہوگا، اخباری رپورٹ کے مطابق ۲۴ر دسمبر کو کلیان سنگھ سمیت گیارہ افراد کو توہین عدالت کا نوٹس جاری کر کے سپریم کورٹ نے کہا تھا کہ ۱۶ر جنوری کو ذاتی طور پر عدالت میں حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کریں، لیکن ۲۵ر دسمبر کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ سپریم کورٹ نے دوسرا نوٹس جاری کر کے توہین عدالت والا نوٹس واپس لے لیا ہے۔ دوسرے نوٹس میں کہا گیا ہے کہ سپریم کورٹ نے غلطی سے یہ نوٹس جاری کر دیا تھا، عدالت نے ایسا کوئی حکم جاری نہیں کیا ہے۔

بابری مسجد کے انہدام کا واقعہ آزاد ہندستان کا سب سے بڑا المناک حادثہ ہے، اس کی دیواروں اور گنبدوں پر برسائے جانے والے ہتھوڑوں کی صدائیں صدائے گنبد کی طرح کرۂ ارض کے گوشے گوشے میں سنی گئیں، انسانی ضمیر نے چیخ چیخ کر اسے شرمناک، مجرمانہ اور وحشیانہ فعل قرار دیا، کچھ مسلمان اور اپوزیشن لیڈر جب مسجد کے انہدام کی خبر لے کر صدر جمہوریہ ڈاکٹر شنکر دیال شرما کے پاس گئے تو وہ بلک بلک کر رونے لگے اور روتے ہوئے کہنے لگے: ہائے رام ہندو دھرم بدنام اور رسوا ہو گیا، خبروں کے مطابق وہ اس پر بھی خفا ہوئے کہ وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے بابری مسجد کے تحفظ کے لئے بروقت کارروائی کیوں نہیں کی، ایک مشہور سینئر بھاجپائی لیڈر اٹل بہاری باجپائی نے غالباً ضمیر کی صدائے حق سے مجبور ہو کر کہا تھا کہ: بابری مسجد کا انہدام بڑی بدقسمتی ۔ دربھاگیہ ۔ ہے، ایک بزرگ کرنل گرداس بنرجی نے کہا: ہندو دھرم ہماری ماتا ہے اور مسجد توڑ کر ہم نے اپنی ماتا کو برسرعام ننگا کر دیا ہے۔ مذہب کی صداقتوں اور انسانیت سے سچا لگاؤ رکھنے والوں کی بڑی تعداد نے اس المناک سانحہ پر اپنے رنج و کرب کا اظہار کیا، ملک کی تمام سیکولر پارٹیوں اور ان کے قائدین نے مسجد کے انہدام کو سیکولرزم، عدلیہ، جمہوریت اور پارلیامنٹ کے قتل و انہدام کے مترادف قرار دیا۔ عالم اسلام جو اس وقت مختلف زخموں سے چور ہے اس نے سانحۂ بابری مسجد کو اپنے جسم پر ایک رستے ہوئے بڑے زخم کی طرح سجا لیا ہے،

پاکستان، بنگلہ دیش اور برطانیہ وغیرہ ممالک میں انہدام مسجد پر زبردست رد عمل ہوا اور اس کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے، یہ رد عمل اگر پُرامن ہو تو فطری چیز ہے، اور ہم اس کی توقع رکھتے ہیں، لیکن اگر یہ رد عمل پر تشدد ہو جائے جیسا کہ بنگلہ دیش، پاکستان اور امارات میں ہوا تو یہ بھی ایک متوقع امر ہے، لیکن چونکہ پر تشدد رد عمل اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اس لئے ہم بابری مسجد سے متعلق مسلمانوں کی طرف سے ایسے کسی رد عمل سے متفق نہیں ہیں۔

ہندستانی مسلمانوں کے غم واندوہ کا حال بیان سے باہر ہے، بابری مسجد گویا ان کے سینوں پر ڈھادی گئی ہے، ۶ دسمبر کی رات گیارہ بجے جب بی بی سی نے مسمار کئے جانے کے دہشت ناک مناظر کی فلم ٹی وی پر دکھائی تو سارے ملک میں کہرام مچ گیا، جمہوری ہندستان کی تاریخ میں پہلی بار ڈیڑھ سو مقامات پر بے مدت کا کرفیو لگانا پڑا، فوج اور پولیس کی اندھا دھند فائرنگ سے بارہ سو سے زائد افراد لقمۂ اجل بن گئے، آتش زنی، گھروں اور جائدادوں کی بے اندازہ تباہی وبربادی اور لوٹ کھسوٹ اس پر مستزاد ہے۔ مرنے والوں کی تھوڑی تعداد کو چھوڑ کر بقیہ سب مسلمان ہیں، بابری مسجد جو مسلمانوں کے دور عروج کی عظیم تاریخی یادگار اور اسلامی شعار تھی اسے ظالمانہ طور پر مسمار کرکے انھیں ان کے ماضی سے محروم کر دیا گیا ہے، جان ومال کی تباہی کا سلسلہ یوں تو ملک کی آزادی کے بعد ہی سے جاری ہے اور وہ صاف طور پر یہ محسوس کرنے لگے کہ اس ملک میں اللہ کے علاوہ اب ان کا کوئی سہارا نہیں، لیکن اب جبکہ ان کی مسجدوں کو مسمار کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے ان کے درد وکرب اور غم والم کی تصویر کشی کسی انسانی قلم کے بس سے باہر ہے۔

صحرا صحرا غم کے بگولے، بستی بستی درد کی آگ
جینے کا ماحول نہیں ہے لیکن پھر بھی جیتے ہیں
ساغر ساغر زہر گھلا ہے قطرہ قطرہ قاتل ہے
یہ سب کچھ معلوم ہے لیکن پیاس لگی ہے پیتے ہیں

دامن دامن داغ لہو ہے، چتون چتون خون کی پیاس
چہرہ چہرہ بول رہا ہے معصوموں کا شہر ہے یہ
کوچہ کوچہ طوق وسلاسل، منزل منزل دار وصلیب
اب میں ہی کیا منہ سے بولوں مظلوموں کا شہر ہے یہ

بابری مسجد کے انہدام اور اس کے بعد مسلمانوں کے جان ومال کی بے دریغ تباہی کے دوہرے ظلم کے نتیجہ میں پہلی

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اس پر بحث ہوئی اور یہ قرارداد منظور کی گئی کہ تمام حکومتیں مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں کے یقینی تحفظ کی سعی کریں اور تمام لوگوں کے عبادت اور مذہبی تقریب و اجتماع کے حق کو تسلیم کریں اور ان کے لئے مکمل امن وامان قائم کریں، ظاہر ہے کہ بابری مسجد کے سانحۂ انہدام اور مسلمانوں کے جان ومال کے بے دریغ ضیاع کے تعلق سے ہندوستان اس قرارداد کا اولین مخاطب ہے، یہاں کی سیکولر اور جمہوریت نواز طاقتوں کا تعاون لے کر مرکزی حکومت مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے کس قدر جدوجہد کرتی ہے یہ آنے والا دور بتائے گا، وزیر اعظم نرسمہاراؤ نے انہدام مسجد کے معاً بعد اسی مقام پر اس کی تعمیر جدید کا وعدہ کیا تھا مرکزی حکومت نے مسجد سمیت ۷۷ ر۶۷ ایکڑ زمین کو اپنی تحویل میں لے لیا ہے، اور اب وہ سپریم کورٹ سے یہ فیصلہ لینا چاہتی ہے کہ منہدم بابری مسجد کی جگہ پہلے سے کوئی مندر تھا یا نہیں یا یہ کہ مسمار بابری مسجد کی زمین سے کچھ ہٹ کر نئی مسجد کہاں تعمیر کی جائے، ویسے آثار قدیمہ، وید اور تاریخ کے ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ عیسیٰ مسیح سے سات صدی پیشتر موجودہ اجودھیا اور اس خطہ میں آبادی کا نام ونشان نہ تھا اور رام کی پیدائش کا زمانہ مسیح سے دو ہزار سال پہلے ہے، اس لئے وہاں کسی مندر کے ہونے اور رام کے پیدا ہونے کا مفروضہ بالکل غلط ہے، ۲۴ر دسمبر کو اخبارات میں ہندوستان کے ستر سے زائد ممتاز مؤرخین اور ماہرین آثار قدیمہ کا بیان شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ: انھیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ اجودھیا میں جس جگہ بابری مسجد ہے وہاں مسجد سے پہلے رام یا وشنو کا کوئی مندر نہیں تھا، اور وہاں مسجد سے پہلے مندر بتانا ان لوگوں کے لئے بہت آسان بات ہے جنہوں نے بابری مسجد کے بارے میں اب تک کا سب سے بڑا جھوٹ بول کر پورے ملک کو آگ کے حوالے کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اس سال جولائی میں پتھر کے جن ٹکڑوں کو نئی دریافت۔ تازہ ثبوت۔ بتایا گیا تھا ان کو بطور ثبوت کے عدالت میں پیش کرنے کی وشو ہندو پریشد نے ہمت کیوں نہیں کی، انہوں نے سوال کیا کہ کیا ہم ایسے لوگوں کے آرکیولاجیکل ثبوت پر یقین کر سکتے ہیں جنہوں نے ہندوستان کی ہم عصر تاریخ کے ساتھ اب تک کی سب سے بڑی غداری کا ارتکاب کیا ہے، انہوں نے منہدم بابری مسجد کے شکستہ ٹکڑوں کو فی الفور سیل مہر کر دینے کی بھی حکومت سے درخواست کی ہے تاکہ باطل مفروضوں کے لئے ان سے غلط طریقوں سے ثبوت مہیا کرنے کی راہ مسدود ہو جائے۔

بابری مسجد کا انہدام سیکولرزم، جمہوریت، عدالت، پارلیامنٹ اور آئین وقانون ہی کا مقتل ومدفن نہیں بلکہ سچے مذہب کی عالمگیر صداقتوں کا بھی مقتل ومدفن ہے۔ ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو رات میں چوری سے بابری مسجد کے اندر رام کی مورتی رکھی گئی، رام جیسے شریف اور اعلیٰ کردار کے انسان کے تعلق سے یہ عمل غایت درجہ گھٹیا ہے، مزید برآں دنیا کا کوئی

مذہب اس فعل کو درست قرار نہیں دے سکتا، خود ہندو مذہب بھی اس فعل کو باطل قرار دے گا، اس چوری سے لے کر سینہ زوری تک یعنی مسجد کا تالا کھلوانے، اس کی زمین پر رام مندر کا شیلا نیاس کرانے پھر عدالت اور پوری قوم کے ساتھ کلیان سنگھ کی بے مثال بدعہدی اور غداری کے ساتھ بابری مسجد مسمار کردیئے جانے، پھر مسجد کی زمین پر عارضی مندر بنا کر رام کے بت کی درشن پوجا کی اجازت دیئے جانے تک پورے عمل کو صرف مذہبی عالمگیر صداقتوں کے ترازو پر جانچ کر دیکھ جائیے، مسجد کی جگہ پر رام مندر کی تعمیر کی داستان چوری، سازش، بدعہدی وغداری اور ظلم وزیادتی سے بھری ہوئی ہے، دنیا کا کوئی زندہ اور سچا مذہب ان کاموں کو درست نہیں قرار دے سکتا، خود ہندو مذہب میں صداقت کی رمق اگر باقی ہے تو وہ اس پورے سلسلۂ عمل کو فرد جرم ہی قرار دے گا، ان بنیادوں پر تعمیر کئے گئے رام مندر سے روشنی اور سچائی کا پھیلنا ناممکن اور محال ہے۔ مسجد کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس کے مقام پر رام مندر تعمیر کرنا سچے مذہب اور عالمگیر مذہبی صداقتوں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کردینا ہے، ایسا کرنے کے بعد یقین مانئے یہ ملک اس کی ہندو اکثریت اور اس کی اقلیات جن راستوں پر چل کھڑی ہوں گی ان کے نتائج نہایت خطرناک اور تباہ کن ہوں گے، الا ما رحم ربی۔ جو لوگ ایسا کرنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت اقتدار اور اپنے مفادات کے بھوکے ہیں، انھیں نہ اس ملک کا اتحاد وترقی عزیز ہے اور نہ یہاں کے بسنے والوں سے پیار اور رحم وشفقت ہے۔

یہ چشم بے مروّت یہ جبین پر شکن ساقی	یہی ہے کیا جوابِ اعتماد وحسنِ ظن ساقی
ترے خوان کرم کے ریزہ چیں کتنی صفائی نے	مجھے میرے وطن میں کہہ رہے ہیں بے وطن ساقی
یہ ہم جیسے تہی دستوں کی قبریں کھودنے والے	اگر بس چل گیا سی دیں گے تیرا بھی کفن ساقی
جنہیں پی کر بہکنے کے سوا کچھ بھی نہیں آتا	وہ بادہ خوار بن بیٹھے ہیں تیرے نورتن ساقی

۵/۱/۱۹۹۳ء
۱/۷/۱۴۱۳ھ

آزاد ہندوستان کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

اجودھیا میں بابری مسجد کی شہادت کا جو واقعہ پیش آیا ہے اس کی تصویر کشی سے قلم عاجز اور دماغ ماؤف ہے۔ اس سانحہ سے صرف ہندوستان اور دنیا کے مسلمان ہی متأثر نہیں ہیں، بلکہ ہر منصف مزاج اور باہوش انسان سکتے میں ہے۔ کثرتِ تعداد کے نشہ میں سرشار ہو کر فتنہ پرور عناصر نے صرف جمہوریت وانصاف کا خون ہی نہیں کیا ہے، بلکہ مسلم حکمرانوں نے اپنے طویل عہد حکومت میں اس ملک کی سرزمین اور یہاں کے باشندوں کی فلاح وبہبود کے لئے جو قربانیاں دی تھیں ان کی ناقدری واحسان فراموشی کی بدترین مثال قائم کی ہے۔

اہل سیاست کی بازی گری سے ملک کی عظیم تہذیبی روایت، باہمی اعتماد وتعاون کی فضا اور جنگ آزادی کے دوران ہندو مسلم فرقوں کی مشترکہ کوششوں کا زریں باب بری طرح داغدار ہو گیا ہے۔

ہندوستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے، مختلف مذاہب اور گوں ناگوں ثقافتوں کے امتزاج سے یہاں جس تہذیب وتمدن کا وجود ہوا تھا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت کے دشمن اب اس رنگا رنگ تہذیب کو ملیامیٹ کر دیں گے!

کوتاہ نظر سمجھتے ہوں گے کہ کسی ایک فرقہ کی عبادت گاہ یا مقدس مقام کو نقصان پہنچا کر وہ اس فرقہ کی معنوی طاقت کو ختم کر دیں گے، لیکن یہ تصور بالکل غلط ہے، اور مسلمانوں کے سلسلہ میں تو اس نوعیت کی آزمائش ہمت شکنی اور ناامیدی کے بجائے ان کے اندر ایمان وعزیمت پیدا کرتی ہے، البتہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس نوعیت کے مجرمانہ اقدامات سے اس ملک کا مادی ومعنوی فائدہ ہوگا یا نقصان؟ اور ملک کی پیشانی پر کلنک کا جو ٹیکہ لگے گا اسے دھونے کی کیا سبیل ہوگی؟

ایک عرصہ سے ہندوستان کے ذمہ دار پوری دنیا میں اپنی سیکولر پرستی وجمہوریت نوازی کا چرچا کر رہے تھے، لیکن بابری مسجد کے انہدام سے ان کے اس دعوے کو دنیا والے کس نظر سے دیکھیں گے؟

بات صرف مسلمانوں کی کسی مسجد کو منہدم کرنے تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس مجرمانہ اقدام سے ملک کے دستور، نظام

وقانون اور سپریم کورٹ کے باوقار فیصلہ کی دھجیاں بھی بکھر گئی ہیں۔

آج تک ہم علیحدگی پسند عناصر کو دستور وقانون کی خلاف ورزی کا طعنہ دیتے تھے، اب سوال یہ ہے کہ آر ایس ایس وشو ہندو پریشد اور بی جے پی کے "مخلص وطن پرستوں" نے کون سا کارنامہ انجام دیا ہے؟ کیا ان کے اقدام سے بڑھ کر وطن دشمنی اور دستور کی خلاف ورزی کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

ملک کے جن عناصر نے بابری مسجد کو گرایا ہے، اور جن لوگوں نے اس مجرمانہ اقدام کی حمایت کی ہے وہ اکثر ویدک دھرم اور ویدک تہذیب کی وسعت ورواداری کی بات کرتے ہیں، اور آج کے دور میں اس کی پیروی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ذہنیت اور کردار کا مظاہرہ بابری مسجد کو منہدم کرکے کیا گیا ہے وہ اس ملک کی قدیم تہذیب اور رواداری وبھائی چارہ کی روایت سے کہاں تک میل کھاتا ہے؟ تاریخ کے جس عہد کو نمونہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اس میں یا کسی بھی دوسرے عہد میں اس فاشزم اور ظلم وجارحیت کی مثال نظر نہیں آتی جس کی تلقین آج ملک کی فرقہ پرست طاقتیں کر رہی ہیں۔

ہندوستان میں جس مذہب کے ماننے والوں کے خلاف نفرت کا بیج بویا جا رہا ہے اور ان کے حقوق کی پامالی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اُن کی اِس ملک میں اور اس ملک سے باہر دنیا کے دوسرے حصوں میں حکمرانی وفرماں روائی کی ایک تاریخ ہے، اگر اس تاریخ کا صحیح ومعتبر مآخذ کی مدد سے مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ وہ کبھی اتنی نیچی سطح پر نہیں اترے تھے جس کا مظاہرہ ہندوستان میں آزادی کے بعد دیکھنے میں آیا ہے، اور جس کی سب سے گھناؤنی مثال بابری مسجد کی شہادت کا حادثہ ہے، بلکہ انہوں نے دنیا کو جس کا اکثر حصہ تہذیب وتمدن، عدل ومساوات اور اصول جہاں بانی ورعایا پروری سے واقف نہیں تھا، ان اوصاف کی تعلیم دی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانی بنیادوں پر یکجہتی ورواداری کا سبق سکھایا، اور ان کے سامنے اس کی عملی تصویر پیش کی۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں جس جمہوریت اور سیکولرازم کے قیام کی بات کی جاتی ہے وہ مسلمانوں کے سلسلہ میں اکثر اوقات صحیح ثابت نہ ہو سکی۔ خود اسی موقع کو دیکھیے کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کی خلاف ورزی کرکے بابری مسجد کو منہدم کیا گیا اور مرکزی حکومت نے اعتراف بھی کیا کہ صوبائی حکومت نے غلط بیانی کرکے اسے دھوکہ میں رکھا۔ اس کے باوجود اس مجرمانہ اقدام کے خلاف مرکزی حکومت کی طرف سے بروقت کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا اور مسجد پورے طور پر شہید کر دی گئی۔ لیکن جب ردعمل کے طور پر مسلمانوں نے ملک کے مختلف حصوں میں مسجد کی شہادت کے خلاف آواز بلند کی تو امن وقانون کے تحفظ کے نام

پران پر گولیاں چلائی گئیں۔ یہی جمہوریت کا دوہرا معیار ہے، اور اسی وجہ سے اس ملک میں شرپسند عناصر کو برابر شہ مل رہی ہے۔

ارباب اقتدار مسائل اور ان کے عواقب و مضمرات کو سمجھنے کا دعوی رکھتے ہیں، اور عوام کو ان سے اسی بات کی توقع بھی ہے، اور یہی بصیرت و دور رسی ان کو اقتدار کی کرسی کا حقدار بناتی ہے، لیکن موجودہ حکومت کے ذمہ دار اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری قطعا نباہ نہ سکے، زبردستی مسجد گرانے کے عواقب سے وہ یا تو غافل تھے یا دانستہ انہوں نے اس سے صرف نظر کیا ورنہ پریس میں اس اقدام کے ناخوشگوار نتائج کی طرف اشارہ کا تذکرہ آچکا تھا، معاصر افکار ملی اپنی نومبر ۹۲ء کی اشاعت کے ایک مضمون میں لکھتا ہے:

"آج بابری مسجد کا مسئلہ ملک کے لئے ایک چیلنج بن چکا ہے، مسجد کی واگذاری انصاف اور قانون کا بنیادی تقاضہ ہے، لیکن ہندو تہذیبی برتری اور غلبہ کی تحریک اور اس سے وابستہ تنظیموں نے بے بنیاد پروپیگنڈہ سے جو مذہبی جذباتی فضا پورے ملک میں بنا دی ہے، اس نے بابری مسجد کی واگذاری کو ایک سنگین اور نازک جذباتی مسئلہ میں تبدیل کر دیا ہے، اسی مصنوعی مسئلہ نے آج ایک طرف تو دستوری قانون نیز ملک کی جمہوری اور سیکولر روایات کو انتہائی نازک آزمائش اور چیلنج سے دوچار کر دیا ہے، اور دوسری طرف ملک کی صدیوں پرانی امن و آشتی نیز اتحاد و اخوت کی فضا کو ایک انتہائی نازک موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے، ایک ایسی آزمائش اور ایک ایسے موڑ پر کہ جہاں ذرا سی غفلت اور ذرا سی نادانی پورے ملک کو آگ و خون سے دوچار کر سکتی ہے، اور اپنی انتہائی شکل میں ملک کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کر سکتی ہے۔"

(افکار ملی ص ۴۴)

ملک جب سے آزاد ہوا ہے مسلمانوں کو متعدد حوصلہ شکن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے، اور انہوں نے غور و خوض کے بعد اپنے لئے راہ عمل کا انتخاب کیا ہے۔ ۶ دسمبر ۹۲ء کو ان کے سامنے اور پورے ملک کے سامنے فرقہ پرست عناصر کی طرف سے جس کردار کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس کے بعد یہاں کے مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر اپنے مستقبل کے متعلق سوچنا ضروری ہو گیا ہے، اور اس غور و فکر میں انھیں چند امور کا لحاظ رکھنا مناسب و مفید ہے:

۱ — ۴۵ سال کی مدت میں ملت اسلامیہ نے سیاسی جماعتوں کی بازی گری اور طفل تسلی کا تجربہ کر لیا ہے، اس لئے کسی مسئلہ کے حل کے لئے کسی سیاسی جماعت سے کسی طرح کی امید وابستہ کرنا موجب ندامت ہے۔

۲ــــ ملت کے افراد یقیناً اقلیت میں ہیں، لیکن اس وجہ سے اپنے اندر کسی طرح کا احساسِ کمتری پیدا کرنا غلط ہے، مسلمان اپنی قلت کے باوجود اپنی قابلیت وصلاحیت کے مالک ہیں کہ ملک کی تعمیر میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

۳ــــ برادرانِ وطن میں ایک معتدبہ تعداد ایسے افراد کی ہے جو عقل وضمیر کے مالک ہیں اور ان کے اندر انصاف پرستی کا جوہر موجود ہے، ایسے لوگوں کے سامنے اپنے موقف کی وضاحت کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

۴ــــ ہماری کامیابی کا اصل راز اسلام کی صحیح اور سچی پیروی میں مضمر ہے، حالات کی ناہمواری اور مسائل کے ہجوم میں اگر ہم اپنے دین سے دور ہو گئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی ہمیں فلاح وکامرانی سے ہمکنار نہیں بنا سکتی۔

۵ــــ قرآن کریم نے گزشتہ اقوام کی جو تاریخ ہمارے سامنے پیش کی ہے، اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، طاقت کے نشہ میں چور ہو کر جن قوموں نے ظلم وجارحیت کی راہ اختیار کی ان کا انجام خراب ہوا، آج بھی اگر کسی فرقہ کو ایسا غرور ہے تو یقیناً اس کا انجام عبرتناک ہوگا، کیونکہ سنتِ الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

۶ــــ ہندوستانی مسلمان اس وقت جس صدمہ سے دوچار ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے، زہر کے جس پودے کی کاشت پچھلے ۴۵ برسوں سے کی جارہی تھی اس کے برگ وبار اب سامنے آرہے ہیں، ہمیں اس نازک موڑ پر صبر وبصیرت سے کام لینے کی ضرورت ہے، ہم حق پر ہیں، اور اس ملک کی تعمیر وترقی میں ہمارا حصہ ہے، اس سرزمین کو دوسروں کی جس قدر ضرورت ہے اس سے زیادہ ہماری ضرورت ہے، ہم یہ عزم رکھتے ہیں کہ یہاں کی بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست دکھائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور اپنی قوت بازو سے اپنے وجود وحقوق کا تحفظ کریں گے، اور یہاں کی سرزمین اور یہاں کے عوام کے تئیں اپنی ذمہ داریاں ادا کریں گے، اور رواداری وبھائی چارہ کی جو تعلیم ہمیں اسلام نے دی ہے اور ہمارے بزرگوں نے اس سلسلہ میں جو روایت قائم کی ہے اس کی پابندی کریں گے ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر یقین ہے کہ دین ودنیا میں سرخروئی وغلبہ سچے مسلمانوں ہی کا مقدر ہے، اور اسی کے ہاتھ میں عزت وذلت ہے۔

بابری مسجد کے تئیں اربابِ اقتدار نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے سلسلہ میں جس غفلت، بے توجہی اور تعصب وجانبداری کا مظاہرہ کیا ہے اسکے بعد ان سے کچھ کہنا فضول معلوم ہوتا ہے، پھر بھی دستورِ ہند کی یقین دہانیوں کی بناء پر ہم مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ بابری مسجد کی از سر نو تعمیر کرے، اس سلسلہ میں بابری مسجد ایکشن کمیٹی نے اپنے بیان میں جو کچھ کہا ہم اسکی تائید کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مسلم اقلیت کو انکے دستوری حقوق سے محروم کرنے کی سازشوں کا قلع قمع کرے نیز کسی طرح کی تاخیر وتامل سے کام نہ لے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صبر وضبط کی توفیق بخشے اور اسلام کی پابندی کیلئے استقامت عطا فرمائے، آمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ہندو مذہب کے اصول، مصلحین کے اقدامات اور تاریخی شواہد سے

اجودھیا میں

رام مندر کے وجود کی تردید

تاریخ اسلام میں پیش آنے والے ہوش ربا المناک وہولناک حوادث میں سے بابری مسجد کی شہادت کا واقعہ ایک بہت بڑا حادثہ فاجعہ ہے۔ مسجد کی شہادت کا یہ سانحہ اتوار ۶ر دسمبر، ۱۰ر جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء کو پیش آیا، یہ گھناؤنا کام دھرم کے نام پر انسان نما وحشی درندوں نے ۶ر دسمبر دن میں گیارہ بج کر پچاس منٹ پر شروع کیا اور پانچ بجتے بجتے پورا کرلیا یعنی اس کام میں صرف پانچ چھ گھنٹے لگے، یہ کام اگرچہ پانچ چھ گھنٹوں میں پورا ہوگیا مگر واقف کار اہل نظر پر مخفی نہیں کہ اس کے لئے تیاری وتحریک تقریباً دو سو سال پہلے شروع ہوگئی تھی، اس تیاری وتحریک کی ابتدا ہندوستان پر قائم ہونے والی انگریزی حکومت کی سازش کے مطابق لوگوں میں جھوٹی افواہوں اور خانہ ساز افسانوی اڑتی پڑتی بے سر وپیر والی باتوں کے ذریعہ کی گئی۔ اس منظم سازش کو زیادہ سے زیادہ موثر وفعال بنانے کے لئے اختیار کردہ وسائل وذرائع کی تاثیر بتدریج مرور زمانہ کے ساتھ بڑھتی اور پھیلتی رہی، اور انگریزوں کی یہ سازش ہندوستان سے انگریزی حکومت کے ختم ہونے کے بعد زیادہ تیزی کے ساتھ اپنے برگ وبار دینے لگی حتی کہ رب العالمین کی عبادت کے لئے بنائی گئی یہ مسجد مسمار ومنہدم کرکے زمین بوس کردی گئی۔ سازشوں کے ذریعہ جھوٹی افواہوں اور خانہ ساز افسانوی حکایتوں کے زور پر فرعون ونمرود اور اس طرح کے بہت سارے افراد کو معبود ودیوتا قرار دے کر ان کی مورتوں اور بتوں کو بنائے گئے ہوئے مندروں میں نصب کرکے دھوم دھام سے صدہا سال پوجا کیا جاتا رہا پھر اگر اسی طرح کے ذرائع کا استعمال کرکے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ اس مسجد کی تعمیر سے پہلے اس کی جگہ پر اللہ کے علاوہ کسی دیوتا کا مندر تھا جسے مسلم حکمراں ظہیر الدین محمد بابر نے توڑ دیا، پھر ۹۳۵ھ/۱۵۲۸ء میں اس جگہ پر مسجد بنوادی جو اسی شاہ بابر کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے بابری مسجد کہلائی تو یہ دنیا میں لمبے زمانہ

سے رائج شدہ دستور کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ ہم یہ چاہتے کہ بابری مسجد کی تعمیر سے پہلے اس کی جگہ پر رام مندر موجود ہونے کے دعوی کو جس ہندو مذہب کا عقیدہ و نظریہ بتلایا جاتا ہے اس کی حقیقت ہندو مذہب ہی کے بعض محقق اہل علم کی تصریحات کی روشنی میں واضح کردیں۔

ایک مشہور ہندو محقق چیدانند داس گپتا نے کہا :

" ویدوں اور دسرتھ جاتکا میں لکھا ہے کہ شری رام چندر جی اور ان کے باپ مہاراجہ دسرتھ بنارس کے راجہ تھے۔ شری رام چندر، سیتا اور لچھمن کے قصے جس بالمیکی رامائن میں مذکور ہیں اس میں مہاتما بدھ (بدھ مذہب کے بانی) کا ذکر ہے، اس زمانہ میں کوشل سلطنت کی راجدھانی کا نام ایودھیا نہیں بلکہ سروستی تھا جو ایودھیا سے مختلف دوسرا شہر تھا اور بالمیکی رامائن میں اس سلطنت کا نام کوشل بتلایا گیا ہے جس پر شری رام چندر جی اور ان کے باپ دسرتھ راج کرتے تھے۔"

(ملخص از السٹرٹیڈ ویکلی آف انڈیا مورخہ ۱۵ر تا ۲۱ر جون ۱۹۸۶ء و ہندوستان کا شاندار ماضی از اے، ایل ہاشم ناشر ترقی اردو بیورو نئی دھلی ۱۹۸۲ء ص ۶۷/۶۸ و بابری مسجد تاریخی پس منظر از سید صباح الدین ۱۹۸۶ء اعظم گڈھ ص ۱۵۴ تا ص ۱۵۶)

ایک دوسرے ہندو محقق ڈاکٹر آر، ایل شکلا لکھتے ہیں کہ :

" شری رام چندر اور سیتا و لچھمن کی پوری کہانی جس رامائن بالمیکی میں مذکور ہے وہ شروع میں چھ ہزار اشلوک پر مشتمل تھی پھر بذریعہ الحاق و اضافہ بعد میں ایک زمانہ کے بعد اسے بارہ ہزار اشلوک پر مشتمل بنایا گیا پھر اس میں بتدریج ترقی ہوتے ہوتے چوبیس ۲۴ ہزار اشلوک ہوگئے، رامائن والی کوشل سلطنت کی راجدھانی سرجو ندی کے ساحل سے ساڑھے تیرہ میل دور واقع تھی جب کہ موجودہ ایودھیا سرجو کے بالکل ساحل پر ہے۔ رامائن میں مذکور ہے کہ سرجو ندی پچھم کی جانب بہتی ہے جب کہ آج کل یہ ندی مشرق کی جانب بہتی ہے۔" (ایک سنواد ماہ نومبر ۱۹۸۴ء ص ۱۲/۱۳ و رام کی نگری سچ یا جھوٹ از ڈاکٹر آر، ایل شکلا و بابری مسجد ایودھیا حقائق اور افسانے از مولینا حبیب الرحمن قاسمی ص ۱۴/۱۵)

ایک تیسرے ہندو محقق ڈاکٹر ایس، آر شیل ضلع منتری ارجک سنگھ وارانسی نے لکھا کہ :

" موجودہ ایودھیا کو رام چندر جی کا جنم استھان اور دارالسلطنت کہنا بالکل افسانوی اور من گھڑت

بات ہے بلکہ رام اور ان سے متعلق ایودھیا کی کہانی بھی افسانوی و فرضی ہے۔ (روزنامہ سوتنتر بھارت وارانسی ہ ۳۰ دسمبر ۱۹۹۱ء ص۶ بعنوان چھٹی پتری رام کی سیتا کو جنو تی)

ایک چوتھے ہندو لیڈر پنڈت لوک پتی ترپاٹھی بنارس نے کہا کہ :

"شری رام چندر جی کے زمانہ والا ایودھیا دریائے سرجو و گھا گھرا میں ڈوب کر بہت زمانہ پہلے ختم ہو گیا تھا موجودہ ایودھیا اودھ کے نوابوں کا آباد کردہ ہے۔" (بابری مسجد از صباح الدین ص۳ مقدمہ)

ہم اس وقت صرف انھیں نقول پر اکتفا کر رہے ہیں، تفصیل ایک مستقل زیر تصنیف کتاب میں پیش کی جارہی ہے۔

ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ موجودہ شہر ایودھیا شری رام چندر جی والا شہر ایودھیا نہیں بلکہ جغرافیائی اعتبار سے اس کا محل وقوع موجودہ ایودھیا سے مختلف ہے تو موجودہ ایودھیا میں شری رام چندر جی کا پیدا ہونا اور ان کے جنم استھان پر کسی قسم کے رام مندر کا ہونا بھی مستبعد ہے بنا بریں لازم آتا ہے کہ موجودہ ایودھیا میں رام جنم بھومی مندر کا کسی بھی زمانہ میں کوئی وجود نہیں تھا لہذا موجودہ ایودھیا میں کسی بھی زمانہ میں رام جنم بھومی مندر ہونے کا وہم و گمان کسی بھی ہوشمند آدمی کو نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کے مفروضہ معاملہ اور وہم و گمان کو عقیدہ کا درجہ دے دینا بھیانک قسم کی اوہام پرستی ہے اور اس میں شک نہیں کہ تمام کی تمام بت پرست و مشرک اقوام کے مذہب و ملت کی بنیاد مفروضہ باتوں اور اوہام پرستی پر قائم ہے حتی کہ ہندوستان کی بت پرست ہندو قوم کے مشہور مذہبی محقق سوامی دیانند جی نے بھی بت پرستی و بت سازی و مندر سازی جیسے کاموں کو ہندو دھرم کے خلاف بتلایا ہے۔ موصوف سوامی دیانند جی فرماتے ہیں :

"پہلے زمانہ کے سچے پکے آریوں یعنی ہندوؤں میں بت پرستی و بت سازی و مندر سازی کا رواج اور تیرتھ استھانوں کا وجود نہیں تھا نہ اس کی اجازت معتبر و مستند کتب ہنود میں ہے بلکہ اس کی ممانعت کی گئی ہے ہندوؤں میں سے بعض لوگوں میں مورتی پوجا و بت سازی جین دھرم اور بدھ مذہب والوں کے ذریعہ تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے رائج ہوئی۔" (ستیارتھ پرکاش طبع سوم ۱۹۰۸ء باب ۱۱ ص۲۴۴ و باب ۱۲ ص ۵۵۲/۵۵۳) ۔ مورتی پوجا سے شری رام چندر و کرشن جی وغیرہ جیسے عظیم لوگوں کی مذمت و ہجو ہوتی ہے اور یہ چیز ان لوگوں کے طور و طریق کے بھی خلاف ہے جو معبود واحد کو چھوڑ کر کسی بھی قسم کی مورتی پوجا و بت سازی و مندر سازی کرتا ہے وہ نادان و جاہل اور رچو پایہ جانور کی طرح ہے وہ سچے ہندو مذہب کا ہرگز متبع و پیرو نہیں۔ (خلاصہ رگوید آدی بھاشیہ بھومکا طبع سوم ص۲۵۱ بحوالہ شت پتھ براہمن ۱۴/۱/۴ و منوسمرتی ۱۲:۱۱ و ستیارتھ پرکاش ص۳۲۴) ہندوؤں اور ہندوستان کا زوال و تنزل بت پرستی جیسے گناہ عظیم کے نتیجہ میں نازل ہونے والا عذاب ہے (ستیارتھ پرکاش ص۳۴۲) ہندوستان میں

میں تین سو برس جین اور بدھ مذہب والوں کا رواج رہا، انہوں نے ویدوں پر پابندی لگائی اور بت پرستی
و بت سازی و مندر سازی کو رواج دیا اور بت پرستی نہ کرنے والے سچے ہندوؤں پر مظالم ڈھائے ان کی
سچی کتابیں وید وغیرہ تلف و تباہ کردیئے۔ پھر عیسیٰ مسیح سے کچھ پہلے شنکراچاریہ کی تحریک کے نتیجہ میں راجہ
سدھنوا کے زمانہ میں بت پرستی کے خلاف مہم چلی اور بہت سارے بت و بت خانے و مندر توڑ کر ختم کردیئے
گئے، آج کل زمین سے جو بت اور مندر کے ٹکڑے وغیرہ نکلتے ہیں وہ اسی زمانہ کے ہیں (سیتارتھ پرکاش ص۴۲۵)
بت پرستی کی ترویج کے لئے بدھ اور جین مذہب والوں نے کتابیں لکھ کر ہندو مذہب کی کتابوں میں شامل کرایا،
بعد میں اس طرح کی کتابیں لکھنے والوں کے ہاتھ راجہ بھوج نے کٹوا دیئے (سیتارتھ پرکاش ص۳۹۰ تا
ص۴۴۲ کا خلاصۃ الخلاصہ) راجہ بھوج کے ڈیڑھ سو برس بعد کچھ بھنگیوں، مہتروں اور کنجڑوں نے
وشنو مذہب ایجاد کیا جو بت پرستی و بت سازی و مندر سازی کی تعلیم دیتا ہے (سیتارتھ پرکاش ص۴۰۵)
بالکل جھوٹ گھڑ کر شری رام چندر جی کی طرف منسوب کردیا کہ انہوں نے رامشیو والے مندر کو بنوایا اور اس میں
مورتی نصب کی یہ محض افتراء ہے (سیتارتھ پرکاش ص۴۱۹/۴۴۲)

ان تفاصیل کا حاصل یہ ہے کہ مندر و بت بنانے سے شری رام چندر جی اور ہندو دھرم کی ساری مستند کتابوں نے
ممانعت کر رکھی ہے اسی وجہ سے رام چندر کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی طویل زمانہ تک ہندو لوگ نہ بت پوجتے تھے نہ بت بنا کر
انھیں مندروں میں نصب کرتے تھے اس لئے یہ مستبعد و محال ہے کہ رام چندر کے جنم استھان پر ان کے زمانہ میں اور ان کے
بعد جب تک ان کی تعلیم پر ہندو قوم کاربند رہی کوئی مندر رام جنم بھومی مندر کے نام سے بنایا گیا ہو۔ ہاں یہ بعید نہیں کہ رام
چندر کے سیکڑوں سال بعد رام چندر کے مذہب سے منحرف ہوجانے والے گمراہ ہندوؤں نے رام جنم بھومی کے نام سے کوئی مندر بنا
لیا ہو، مگر اولاً کسی مستند و معتبر ہندو یا غیر ہندو ماخذ سے ثابت نہیں کہ ہندوستان میں فاتحین اسلام کے داخل ہونے سے پہلے
موجودہ اجودھیا میں کوئی رام جنم بھومی مندر موجود تھا۔ ثانیاً اگر شری رام چندر کی تعلیمات سے بغاوت کرکے کسی جگہ رام جنم بھومی
مندر بنا لیا گیا تھا تو بتصریح سوامی دیانند اسے ہندو مذہب کے مطابق توڑ کر ختم کردینا ضروری تھا، اگر یہ کام ہندو لوگوں نے
نہیں کیا بلکہ کسی فاتح مسلمان حکمران نے کیا تو اس نے ویدوں اور ہندو مذہب کے مطابق کیا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ بالفرض
ثابت ہو کہ موجودہ اجودھیا میں رام جنم ہوا اور وہاں رام جنم بھومی مندر بنا ہوا اس وقت موجود تھا جسے توڑ کر کسی مسلم حکمران نے
اس کی جگہ پر کوئی مسجد بنائی جو بابری مسجد کے نام سے مشہور ہوئی، ثالثاً اسلامی روایات کے مطابق انسان کے مورث اعلیٰ

حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہندوستان میں آباد ہوئے تھے ان کے پہلے کوئی بھی آدمی ہندوستان میں یا کسی بھی خطۂ ارضی پر نہیں تھا (تاریخ طبری ج ا ص۶ وعام کتب تاریخ وتفسیر) حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صاحب زادے شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر موجودہ ایودھیا میں موجود ہونے کی روایات بھی ہیں جس کی تفصیل ہماری زیر تصنیف کتاب میں ہے اپنی عادت کے مطابق ہندوؤں نے انھیں شیث علیہ السلام کو اپنا ایک معروف دیوتا بنالیا اور ان کے نام سے بھی ایک مندر موجودہ ایودھیا میں ہے، بعض روایات میں شیث کے علاوہ حضرت ایوب و نوح کا بھی ایودھیا میں رہنا ثابت ہے پھر کیا بات ہے کہ حضرت آدم و شیث و ایوب نیز ہندوؤں کے سچے مذہب توحید پر کاربند رہنے والے مسلمانوں کے برخلاف بت پرستی کا طور وطریق اختیار کرنے والوں کی یہ بےبنیاد بات تو صحیح مانی جائے کہ موجودہ ایودھیا میں رام کا جنم ہوا اور وہاں رام جنم بھومی مندر بنا جسے بابر شاہ تیموری نے توڑ کر اس کی جگہ پر بابری مسجد بنائی مگر یہ نہ مانا جائے کہ حضرت آدم و شیث و ایوب و نوح نے ایودھیا میں کوئی مسجد عبادت کے لئے بنائی جسے سچے ہندو دھرم سے منحرف وباغی ہونے والے گمراہ ہندوؤں نے اپنے زمانہ عروج میں مندر میں تبدیل کرکے رام جنم بھومی کے نام سے موسوم کرلیا پھر اسے راجہ سدھنوا کے زمانہ میں سچے ہندوؤں ہی نے ہندوستان میں مسلم فاتحین کے داخل ہونے سے بہت پہلے مسمار ومنہدم کردیا جس کے ٹکڑے اس کے ملبے کے نیچے دب چھپ گئے اور ایودھیا شہر ویران ہوگیا بعد میں جب وہاں آبادی قائم ہوئی مندر مذکور والے ویرانہ نیز مندر کا کوئی نشان ظاہر نہیں تھا وہاں ویران جگہ دیکھ کر بابر نے یا کسی بھی مسلم حکمراں یا غیر حکمراں نے مسجد بنادی اور کھودنے سے اس جگہ ہندوؤں کا مسمار کردہ مندر کے بعض نشانات ظاہر ہوئے دریں صورت کسی بھی مسلم حکمراں خصوصاً بابر پر یہ الزام بیجا ہے کہ اس نے ایودھیا میں پہلے سے موجود کسی رام جنم بھومی مندر کو منہدم کرکے اسکی جگہ پر بابری مسجد بنائی یہ عجیب بات ہے کہ ہندو دھرم کی پیروی کے دعویداروں نے موجودہ ایودھیا میں صدیوں سے موجود بابری مسجد کو کسی معتبر دلیل کے بغیر رام جنم مندر قرار دیکر ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو زمین بوس کردیا اور صرف یہی نہیں بلکہ وہاں رام چندر وغیرہ کی مورتی نصب کردی، اور مندر بنادیا حالانکہ بتصریح سوامی دیانند ہندو مذہب کی تمام مستند ومعتبر کتابوں میں رام چندر یا کسی بھی دیوی دیوتا کی مورتی بنانے اور اسے پوجنے اور اس کے لئے مندر بناکر اس میں اسے نصب کرنے سے منع کیا گیا ہے، جس طرح بقول سوامی دیانند ہندو مذہب کی صحیح تعلیمات کو بگاڑنے کے لئے خود ساختہ کتابیں لکھ کر ہندو مذہب کی طرف منسوب کی گئیں، اسی طرح کی خود ساختہ روایات کے ذریعہ یہ دعویٰ کیا گیا کہ بابری مسجد کی جگہ پر بابری مسجد کی تعمیر سے پہلے رام مندر تھا جسے بابر نے توڑ کر بابری مسجد بنائی پھر اس خانہ ساز دعویٰ کو ہندو مذہب کا عقیدہ قرار دے کر پوری دنیا سے منوانے کی جد وجہد کی گئی، مگر ہر قسم کے جملہ اصول وضوابط کو بالائے طاق رکھ کر محض طاقت وحکومت کے بل بوتے پر دھرم کے نام پر وہ سب کیا جارہا ہے جس سے انسانیت

سرپیٹ کر رہ جائے۔

ایک طرف ہندو مذہب کے خلاف جنون و دیوانگی کی حد تک نہایت غیر معتدل طریق عمل اختیار کر کے ایک ایسی مسجد کے بارے میں انگریزوں کی سازش کا شکار ہو کر محض جھوٹی و افسانوی روایات اور افواہوں کی بنیاد پر کہا گیا کہ یہ مسجد یہاں پر پہلے سے موجود رام جنم بھومی مندر کو توڑ کر بنائی گئی۔ دوسری طرف جنون و دیوانگی کے شکار انھیں لوگوں نے بے سروسامان نہتے مسلمانوں کو اپنی درندگی اور وحشت و بربریت کا نشانہ بنایا، مسلمانوں کی آبادیاں، عبادگاہیں اور افراد و اشخاص، مرد، عورت، بچے، جوان و بوڑھوں کو بڑے پیمانے پر نذر آتش اور تباہ و برباد کیا اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ تیسری طرف اپنی فتح مندی کے جشن، مظاہرے، جلوس و جلسے بہت دھوم دھام سے ہو رہے ہیں جس سے اہل اسلام کو مزید در مزید اذیت پہونچ رہی ہے۔

یہ ساری بربریت محض اس خود ساختہ بات کی بنیاد پر اختیار کی جا رہی ہے کہ شاہ بابر نے اجودھیا میں قائم و موجود رام جنم بھومی مندر کو توڑ کر وہاں بابری مسجد بنائی تھی۔ معتبر و مستند ثبوت و دلائل کے بغیر کسی بھی شخص کے اوپر لگائے گئے الزام کو پوری دنیا کے تمام ممالک و مذاہب و اقوام و ملل، عدالتیں اور کورٹ رد و باطل قرار دینے پر متفق ہیں اور اس پر بھی متفق ہیں کہ اس طرح کے الزامات جس پر لگائے جائیں اسے یا اسے ان الزامات سے بری ماننے والوں کو صفائی کا موقع دیا جائے، اور جو لوگ خود ساختہ عقیدہ میں اپنے کو پھنسا کر اس وحشت و بربریت پر آمادہ ہوئے ہیں وہ اپنے کو دھرم اور اصول و ضابطے کا پیرو و پابند بتاتے ہیں، مگر ان کی عدالتوں، حکومتوں، اور ان کے دماغوں اور [illegible] کس چیز کا پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے قلوب و اذہان پر کس طرح کی مہر لگی ہوئی ہے کہ ایک ناکردہ گناہ کے الزام سے شاہ بابر کو متہم کر کے اس کی وفات کے صدیوں بعد اس کے ہم مذہب توحید پرست لوگوں کو اور ان کی عبادتگاہوں اور آبادیوں کو اور خود بابر کی طرف منسوب مسجد کو تباہ و برباد، ویران و خراب و نذر آتش کیا جا رہا ہے اور اس بے جا و غلط الزام سے صفائی کا موقع تک نہیں دیا جاتا۔

جو بابر ۹۳۵ھ/۱۵۲۸ء میں اپنے بیٹے کو یہ وصیت نامہ لکھ کر گیا کہ غیر مسلموں کے مندروں اور معبدوں کی [illegible] کسی جگہ پر کوئی مسجد بنانے [illegible] کے لئے مسجد بنانے کے لئے کوئی ایسی زمین دستیاب [illegible] کے تجلب [illegible] کر کے محض دھاندلی

بازی کی بنیاد پر اس با اختیار حکمران پر اس طرح کا الزام بے جا لگانے والے پھر اتنے بڑے پیمانے پر درندگی و بربریت
کرنے والے کس قسم کا ذہن و دماغ اور قلب و دل رکھتے ہیں ؟ جس ایودھیا میں بابری مسجد موجود ہے اسی ایودھیا کے
مندر دنت کنڈ مندر کو بابر شاہ نے پانچ سو بیگھ زمین بطور عطیہ دے رکھی ہے اس کے کاغذات اب بھی اس مندر کے مہ
کے پاس موجود ہیں۔ (ہفت روزہ نئی دنیا دھلی ۲۵ر نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۸۶ء) ۔

ہم نے اس دعوی کی حقیقت کا تحقیقی جائزہ ایک مستقل کتاب میں لیا ہے کہ مذکورہ بالا وصیت نامہ لکھنے والے شا
پر یہ بے بنیاد الزام کیا معنی رکھتا ہے کہ اس نے اجودھیا کے رام جنم بھومی مندر کو توڑ کر وہاں بابری مسجد بنائی۔ با
دائرہ سلطنت میں اجودھیا کے داخل ہونے سے صدیوں پہلے ایودھیا مسلمان حکمرانوں کے حدود سلطنت میں شامل تھا
وقت ایودھیا بابر کے حدود سلطنت میں داخل ہوا وہاں مسلمانوں کی آبادی موجود تھی اور وہاں ان کی مسجدیں بھی مو
تھیں، آخر بابر سے پہلے وہاں ایودھیا میں پہونچنے والے مسلمان فاتحین نے رام جنم بھومی کو کیوں مسمار و منہدم کرنے
محفوظ رکھا اور اسے قائم و باقی رہنے دیا، ان فاتحین سابقین نے اس سعادت سے خود کو محروم رکھتے ہوئے پندرہویں
عیسوی کے بابر کے لئے یہ کار خیر چھوڑ رکھا جبکہ آج کل مسجد شکن درندہ صفت انسان اس بات کے مدعی ہیں کہ تمام
تمام مسلم فاتحین ہندوستان میں اپنی فتوحات کے مواقع پر اپنی مفتوحہ زمینوں میں پائے جانے والے مندروں کو مس
کرکے وہاں مسجدیں بنا دیتے تھے، اس قسم کی افواہ منصوبہ بند سازش کے ذریعہ انگریز نے پھیلائی لیکن حقیقت
کہ موجودہ بابری مسجد سے پچاس میٹر کے فاصلہ پر رام جنم بھومی سولھویں صدی عیسوی میں موجود تھا اور آج بھی ہے ا
کے بجائے بابری مسجد کو رام جنم بھومی کہنا کیا معنی رکھتا ہے ؟ ۔

نشہ اقتدار و نشہ اکثریت میں بدمست لوگوں نے انگریزی سازش کے ذریعہ پھیلائی گئی اس جھوٹی افواہ کو بڑ
دے کر لوگوں میں اشتعال و شر انگیزی پیدا کرنے کی مہم چلا رکھی ہے کہ بابر اپنے بچپن میں اپنے وطن ترکستان کی ریا
فرمانے فقیری کا لباس پہن کر ہندوستان آیا ہوا تھا اور اسی سفر میں وہ ایودھیا پہونچا اس وقت ایودھیا سلطا
سکندر لودھی کے حدود سلطنت میں تھا، اس زمانہ میں ایودھیا میں دو بزرگ شاہ جلال و موسی عاشقان رہا کرتے تھ
دونوں سے بابر نے یہ دعا کرنے کی درخواست کی کہ ایودھیا سمیت ہندوستان پر اس کی حکومت قائم ہونے کے لئے اللہ
کریں ان دونوں بزرگوں نے اس شرط پر دعا کی کہ ایودھیا پر قبضہ ہونے کے بعد بابر وہاں کے رام جنم بھومی مندر کو ڈھ
کی جگہ پر مسجد تعمیر کرا دے گا، پھر بابر نے سکندر لودھی سے جب حکومت چھینی تو اس نے ایودھیا کی رام مندر توڑ کر اس کی

وعدہ کے مطابق بابری مسجد بنوادی ، یہ بات ہینڈبل ، پمفلٹ و کتابچہ کی شکل میں نیز اخبارات و جرائد کے ذریعہ لوگو
میں پھیلانے کی بھرپور کوشش کی گئی ۔ اس مکذوب بات کے گھڑنے والوں کو یہ نہیں معلوم کہ ۸۸۸ھ میں پیدا ہونے والا
بابر فقط بارہ سال کی عمر میں یعنی ۸۹۹ھ میں تخت شاہی پر متمکن ہو چکا تھا یعنی بچپن ہی میں وہ حکمرانی و جہاں بانی
فرائض کا مکلف بن چکا تھا ، مگر وہ سکندر لودھی سے تخت دھلی چھین کر تخت دھلی پر نہیں قابض ہوا تھا بلکہ ہندوستا
پر اس کے فتوحات کا آغاز سکندر لودھی کی وفات کے دو سال بعد ۹۲۵ھ میں شروع ہوا اسی سے اس شرانگیز اقوال کی
کافی طور پر ہوتی ہے ۔

فسانہ عبرت نامی کتاب مصنفہ رجب علی سرور میں مذکور ہے کہ بابری مسجد ۹۲۳ھ میں باہتمام سید میر ماشق بنی
اس کا مطلب یہ ہوا کہ تخت دھلی پر بابری قبضے سے دو سال پہلے یہ مسجد شاہ سکندر کے د ی حکومت میں بنی تھی بلکہ ہماد
نزدیک صحیح یہ ہے کہ سید میر ماشق نے ۹۲۳ھ میں صرف تجدید تعمیر کی تھی ورنہ اس سے پہلے یہ مسجد موجود تھی جس پر تفصیل
بحث ہماری زیر تصنیف کتاب میں ملے گی ۔

اس زمانے میں ہندوستان پر سکندر لودھی بن بہلول لودھی سلطان عادل نظام خاں کی حکومت تھی ، ا
۸۹۴ھ میں دھلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا اور ۹۲۳ھ تک حکمراں رہا وہ بابر سے کہیں زیادہ دیندار و اولوالعزم اور ب
وسیع اختیارات والا بادشاہ تھا اس کے زمانے میں جلال شاہ و موسی عاشقان موجود تھے آخر ان دونوں حضرات کو ا
کا رام مندر توڑنا اور اس کی جگہ مسجد کی تعمیر کرانا اگر مقصود تھا تو انہوں نے اس دیندار و اولوالعزم بادشاہ سکندر لو
سے کہہ کر یہ کام کیوں نہیں کرایا ؟ اور ہندوستان میں بابر کے فاتح بن کر آنے کا انتظار کرتے رہے ؟ بلکہ سکندر لو
سے بھی پہلے کسی مسلم حکمراں کے ذریعہ یہ کام کرا لینا چاہئے تھا ۔

یہ معروف بات ہے کہ سکندر لودھی کے دھلی پر تخت نشین ہونے سے پہلے اس کے باپ بہلول لودھی نے اپنی صوبائی
اودھ کا گورنر و حاکم اپنے بڑے بیٹے بابرک کو بنا رکھا تھا اس وقت اودھ شہر سلطنت شرقیہ کے حدود میں دا
تھا ، بہلول ۸۵۵ھ میں تخت دھلی پر رونق افروز ہوا اور ۸۹۴ھ میں فوت ہوا ۔ یہ بھی اولوالعزم فاتح اور بہادر و دین
حکمراں تھا آخر اسی بہلول لودھی نے بھی اجودھیا والے رام مندر کو توڑ کر کیوں مسجد نہیں بنایا ؟ آخر یہ الزام بابر تیموری
کے سر کیوں تھوپا گیا ؟ بعض اہل قلم کا کہنا ہے کہ بابری مسجد سلطان بہلول کے بڑے لڑکے بابرک نے اودھ پر ا
گورنری کے زمانے میں [illegible] بابری کی تعمیر ہے اسی بابرک کی طرف منسوب ہو کر یہ مسجد بابری مس

نام سے موسوم و مشہور ہوئی۔ اس پر تفصیلی بحث ہماری زیر تصنیف کتاب میں ملے گی۔ اس سے لازم آتا ہے کہ بابر کی ولادت سے بہت پہلے بابری مسجد ایودھیا میں بابرک شاہ لودھی نے اپنے زمانہ گورنری میں بنوائی، پھر بابر تیموری پر یہ الزام کیا معنی رکھتا ہے؟ جبکہ بابر تیموری کا ایودھیا شہر میں آنا تک ثابت نہیں۔ بابری مسجد میں لگے ہوئے کتبات سے جو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسجد عہد بابری میں ۹۳۵ھ میں (یعنی وفات بابر کے دو سال پہلے) بابر کی طرف سے صوبہ ایودھیا کے مقرر کردہ گورنر و حاکم میر باقی نے بنوائی تو اس کا مطلب ہمارے نزدیک صرف اتنا ہے کہ ۹۳۵ھ میں میر باقی نے اس مسجد کی جدید تعمیر کی تھی ورنہ اس تعمیر جدید سے پہلے اس جگہ بہت زمانہ پیشتر سے یہ مسجد موجود تھی۔ بہر حال اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ بابرک یا بابر نے اس جگہ پہلے سے موجود کسی رام جنم بھومی مندر کو توڑ کر بابری مسجد بنوائی۔

انگریزی سازش کی بدولت مغلیہ حکومت کے زوال کے زمانے میں پہلے پہل ہندوؤں میں یہ بات مشہور کی جانے لگی کہ بابری مسجد کے پاس ہی مسجد کے باہر کسی مقام پر رام چندر جی کا جنم ہوا تھا تو وہ لوگ بابری مسجد کے پاس مسجد کے احاطہ سے باہر رام جنم استھان کی کوئی رکوئی یادگار بنانے کے لئے کوشاں ہوئے حالانکہ ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط سے پہلے مغل دور حکومت میں یا اس کے پہلے اس قسم کا کوئی واہمہ یا خیال نہ ہندوؤں میں نہ مسلمانوں میں پایا جاتا تھا کہ بابری مسجد کے پاس کسی جگہ رام چندر جی پیدا ہوئے تھے اور جب اس طرح کا کوئی خیال و وہم و گمان بھی ہندو قوم میں نہیں تھا تو وہاں پر رام جنم کی کوئی یادگار قائم کرنے کا خیال و گمان کیوں کر ہوتا یہی وجہ ہے کہ اس جگہ رام جنم کی کسی یادگار یا علامت و نشان کا کوئی معتبر ثبوت کتب تواریخ میں نہیں۔ مگر بعد والے زمانہ میں انگریزوں کی سازش کے نتیجہ میں ہندوؤں کی طرف سے یہ کوشش کی گئی کہ بابری مسجد کے پاس مسجد کے باہر مفروضہ رام جنم بھومی پر کسی قسم کی یادگار و نشان بنایا جائے۔ پھر بھی اس وقت ہندوؤں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ بابری مسجد کے اندر ہی کسی مقام پر رام کا جنم ہوا تھا۔ البتہ انگریزوں نے جب دیکھا کہ بابری مسجد کے پاس بابری مسجد سے خارج کسی جگہ رام جنم بھومی ہونے کا پروپیگنڈہ انگریزی مقصد و نشانہ کے لئے زیادہ مفید و کارآمد نہیں ہو سکا ہے تو ایک بدمست نجومی سے بذریعہ ساز باز و سازش زائچہ بنوا کر یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا کہ بابری مسجد کے اندر ہی شری رام چندر جی کا جنم ہوا تھا اور اس میں سیتا جی کی رسوئی (زوجہ رام کا باورچی خانہ) بھی تھی۔ (بابری مسجد ایودھیا، حقائق اور افسانے، از مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی ص ۱۶-۱۷)۔

انگریزی سازش کا شکار سر پھرے مشتعل و بے قابو ہندوؤں کو جوش میں ہوش کھو دینے کے سبب اتنا بھی پاس و لحاظ نہ ہوا کہ انگریزوں کی بات میں آکر ایک بار جو ہم ایک مدت تک یہ کہتے رہے کہ بابری مسجد کے باہر بابری مسجد کے پاس رام جنم بھومی ہے تو اب یہ دعویٰ منطق و دانش کے [illegible] باطل ہے کہ بابری مسجد کے اندر ہی رام جنم بھومی اور سیتا رسوئی ہے۔

اس وقت ہندوستان حکومت کی طرف سے یہ نہیں کہا گیا تھا اور نہ اس کا پروپیگنڈہ ہی شروع ہوا تھا کہ مفروضہ طور پر بابری مسجد کے پاس رام جنم استھان اور سیتا کا باورچی خانہ قرار دیئے ہوئے مقام پر کوئی رام مندر بھی ہندوؤں کا بنوایا ہوا موجود تھا جسے توڑ کر بابر تیموری یا کسی مسلم حکمراں نے اس کی جگہ پر بابری مسجد بنوائی، آخر موجودہ صدی نیز اس کے پہلے بیسویں صدی میں ہندو قوم کے بہت سارے لیڈروں کی مثلاً گاندھی، جواہر لال نہرو، امبیڈکر، لال بہادر شاستری وغیرہ کی مورتیاں بنا کر مختلف مقامات پر نصب کر دی گئیں مگر ان کے جنم استھان پر نہ مورتی بنا کر نصب کی گئی نہ کوئی اور یادگار قائم کی گئی ہے، مرور زمانہ کے ساتھ بہر حال یہ ایک دن ہونا ہے کہ ہندو قوم انھیں بھی اپنے بھگوان و دیوتا و ٔں کی مورتیاں اور مندر قرار دے کر پوجنا شروع کر دے گی، کیونکہ بت پرستی کی تاریخ ہی یہی بات بتلاتی ہے، ہندوؤں کی معتبر مذہبی کتابوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ بھگوان و دیوتا قرار دیئے ہوئے اپنے معبودوں رام، کرشن و شیو وغیرہ کے جنم استھان پر مندر بنا کر بت نصب کر کے پوجا جاتا رہا ہے، انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی ہندو قوم میں اپنے بھگوان قرار دیئے ہوئے انسانوں کے جنم استھان پر مندریں بنانے کا رجحان و میلان اور رواج نہیں تھا۔ انگریزوں کی سازش کی بدولت اسلامی اقتدار کے زوال اور مسلمانوں کی حرماں نصیبی کے زمانہ سے رام جنم بھومی مندر کے بارے میں ہندوؤں میں اس قسم کے مندر کو وجود میں لانے کا رجحان ہوا، اور البتہ انگریزوں کی پلاننگ کے مطابق ۱۸۵۵ء میں ان لوگوں نے بابری مسجد کے علاوہ اجودھیا کی بعض مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کر دینے والی اپنی شرانگیز مہم اور نہایت غیر معتدل نیز فتنہ و شورش کے زمانہ میں جولائی اگست ۱۸۵۵ء میں بابری مسجد کی بھی بے حرمتی کی پھر بعد میں ترقی کر کے مزید شرارت کی، مسجد کے اندر و باہر شیطنت کا مظاہرہ کیا اور انتہائی درجہ کی بدعنوانی کرتے ہوئے بابری مسجد سے باہر ایک معمولی اونچائی والا چبوترہ اکیس فٹ لمبا اور سترہ فٹ چوڑا بنا کر اس پر صرف ایک بالشت لمبا اور چوڑا و اونچا مندر نصب کر کے پوجا پاٹ شروع کر دی اس شرانگیزی و شرارت کے خلاف اس شرانگیزی و شرارت کو ابھارنے والے انگریزوں ہی کی عدالت میں مجبور و مقہور و مغلوب مسلمانان اجودھیا ہی کی طرف سے ۳۰ نومبر ۱۸۵۸ء کو بابری مسجد کے امام و خطیب مولانا محمد اصغر صاحب نے چارہ جوئی کے لئے اسی طرح سے درخواست دی، جس طرح اگست ۱۹۴۷ء میں انگریزی اقتدار کے بعد ہندو اقتدار بنام کانگریسی اقتدار قائم ہونے کے بعد سے مسلمان اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف ناکام چارہ جوئی کے لئے کانگریسی حکومت اور اس کی قائم کردہ عدالتوں کی طرف رجوع کرنے پر مجبور رہیں مگر نہ انھیں انگریزی دور میں داد مل سکی نہ کانگریسی دور میں ہی۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا۔ ۳۰ نومبر ۱۸۵۸ء کو انگریزی سرکار کی بارگاہ میں

بابری مسجد کے امام وخطیب مولانا محمد اصغر صاحب نے جو درخواست تحریر کی تھی اس کا حاصل معنی یہ ہے کہ :

" انگریزی حکومت کے ایک سرکاری ملازم بیگ سنگھ نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر بابری مسجد کے اندر منبر ومحراب کے پاس سوا گز کا ایک چبوترہ بنا کر اس پر بت نصب کر دیا اور چبوترہ کے پاس ہی ایک گڈھا کھود کر آگ جلا کر اس میں ہون اور پوجا پاٹ شروع کر دیا، مسجد سے باہر والے میدان میں جس مقام کو ہندو لوگ رام جنم بھومی کہتے ہیں وہ زمین صدہا سال سے خالی پڑی تھی اس پر بلوہ کے بعد (یعنی جولائی ۱۸۵۵ء والے بلوہ جو بابری مسجد کے علاوہ بعض دوسری مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کرنے کے لئے ہندوؤں کی طرف سے انگریزی سازش کے مطابق کیا گیا تھا)۔ ایودھیا کے تھانے دار نبی غلام (یہ نام کا مسلمان آج کے زمانے کے سکندر بخت نائب صدر بھاجپا وعباس نقوی جیسا تھا) کی سازش سے اس خالی میدان میں ہندوؤں نے راتوں رات ایک بالشت اونچائی والا جو چبوترہ رام جنم استھان یا رام جنم بھومی کے نام سے تیار کیا تھا اس وقت مسلمانوں کی دادطلبی پر انگریز سرکار نے تھانے دار نبی غلام کو معطل اور مہنتوں پر جرمانہ عائد کیا تھا، اسی طرح مسجد کے اندر والے ہندوؤں کے بنائے ہوئے اس چبوترہ وبت کے معاملہ میں کوتوال شہر تفضل خان سے موقع کا معائنہ کروا کے چبوترہ کو کھود کر پھینکوائے اور ہندوؤں پر وہاں پوجا کرنے کی پابندی لگائے اور مسجد سے باہر والے چبوترہ کو ہندو لوگ جو بڑھاتے چلے جا رہے ہیں اس پر کارروائی کرے "

اس مقدمہ کی سماعت پہلی بار انگریزی سرکار کی عدالت میں ۱۵ ردسمبر ۱۸۵۸ء کو ہوئی تھی، فیصلے کی تفصیل واضح نہیں البتہ اتنی بات واضح ہے کہ مسجد کے اندر وباہر والے چبوترے بحکم سرکار کھود کر پھینک دیئے گئے تھے۔ مگر مسلمانوں کی طرف سے یکم نومبر ۱۸۶۰ء کو پھر اس وقت بابری مسجد کے امام وخطیب میر رجب علی کو انصاف ودادطلب کرنے کیلئے انگریزی سرکار والی عدالت میں درخواست دینی پڑی، اس دادطلبی والی درخواست کا حاصل معنی یہ ہے کہ :

" مدعی علیہ اقبال سنگھ نے بابری مسجد کے پاس بیس دن پہلے زبردستی ایک نیا چبوترہ بنا لیا ہے اور روز بروز اس میں اضافہ بھی کرتا ہے اور منع کرنے سے باز نہیں آتا، اس نے مسجد کے قریب ایک جھنڈا بھی برائے فساد نصب کر دیا تھا جسے بحکم کوتوال اکھاڑ دیا گیا، اسی طرح آج سے ڈیڑھ سال پہلے یعنی مئی ۱۸۵۷ء میں ہری داس مہنت بابری مسجد سے متصل بابری مسجد کی خالی زمین پر اپنا مکان بنانا چاہا تھا مگر سرکاری مداخلت سے اسے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکی، مگر مدعا علیہ سرکاری کارروائی کے باوجود شرارت سے باز نہیں آتا ہے بوقت اذان مسجد کے پاس سنکھ بجاتا ہے ہماری درخواست ہے کہ اس نئے چبوترہ کو بھی اکھاڑ پھینکا جائے اور سنکھ بجانے پر پابندی لگائی جائے "

اس درخواست کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان ایودھیا کی طرف سے ۳۰ رنومبر ۱۸۵۸ء والی درخواست کے جواب میں انگریزی حکومت کی سرکاری وعدالتی کارروائی کے نتیجہ میں بابری مسجد کے اندر و باہر شرپسند ہندوؤں کے ذریعہ بنائے گئے چبوترے اور دوسرے نشانات اگرچہ کھود کر پھینک دیئے گئے تھے اور ہری داس مہنت کی طرف سے تعمیر کی کوشش کو ناکام کر دیا گیا تھا مگر انگریزی حکومت کی منصوبہ بند سازش کے مطابق مندر کے اندر تو نہیں مگر باہر دوبارہ پھر اکتوبر ۱۸۶۰ء میں نیا چبوترہ ہندوؤں نے بنالیا۔

مسلمانوں کی طرف سے دی گئی اس درخواست پر انگریزی سرکار والی عدالت نے معاملہ کی تحقیقات کرکے رپورٹ پیش کرنے کا حکم جاری کیا اس پر عمل کرتے ہوئے سرکاری طور پر جو رپورٹ تیار کی گئی وہ انگریزی سازش و شرارت کا آئینہ دار ہے، اس رپورٹ کا حاصل یہ ہے کہ:

"اس جگہ کوئی نیا چبوترہ نہیں بنا ہے اور وہاں ایک جھونپڑی چار مہینہ پہلے بنی ہے جس میں مدعا علیہ اقبال سنگھ رہتا ہے، اقبال سنگھ کو فہمائش کر دی گئی ہے کہ کوئی جدید تعمیری کام نہ کرے نہ چبوترہ بڑھائے نہ بنائے ورنہ اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے گا اور اس کی کٹیا کو بھی وہاں نہیں رہنے دیا جائے گا۔"

یہ رپورٹ ۱۹ ردسمبر ۱۸۶۰ء کو پیش ہوئی اس رپورٹ سے صاف عیاں ہے کہ رپورٹ تیار کرنے میں انگریزی ہندو سازش کا پورا دخل ہے، مسلمانوں کی درخواست میں ظاہر کیا گیا تھا کہ ۱۸۵۵ء میں ہندوؤں کی شورش کے بعد جو چبوترہ بابری مسجد کے باہر بابری مسجد کے پاس بنالیا گیا تھا وہ ۱۵ ردسمبر ۱۸۵۸ء والے سرکاری حکم کے مطابق کھود کر ختم کر دیا گیا تھا جس کے بعد دوبارہ سرکاری حکم کے خلاف پھر ۱۰ راکتوبر کو بابری مسجد کے باہر بابری مسجد کے پاس ہندوؤں کی طرف سے نیا چبوترہ بنالیا گیا ہے مگر تیار شدہ رپورٹ میں اس حقیقت کو حسب عادت نہیں حسب سازش جو انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد سے اب تک بھارتی عدالتوں اور سرکاروں کا بھی شیوہ وشعار ہے) نظر انداز کر کے کہہ دیا گیا کہ یہاں کوئی نیا چبوترہ نہیں بنا ہے بلکہ جس چبوترہ کو مسلمانوں کی طرف سے دی گئی درخواست میں نیا چبوترہ کہا گیا ہے وہ پرانے زمانہ سے موجود و برقرار ہے اس طرح مسلمانوں کی حقیقت بیانی کی تکذیب دیدہ ودانستہ کی گئی جیسا کہ آج کل بھی مسلمانوں کے عام معاملہ خصوصاً بابری مسجد کے سلسلے میں انگریزوں کی روحانی شاگرد بھارتی سرکاروں اور عدالتوں اور ان کے کارکنوں کا شیوہ وشعار ہے اور کاروبار بھی۔ مسلمانوں کی طرف سے دی گئی درخواست میں اگرچہ وہاں کسی جھونپڑی (کٹیا) کی موجودگی کا کوئی ذکر نہیں تھا مگر رپورٹروں نے انگریزی سازش کے مطابق رپورٹ میں

ظاہر کیا کہ وہاں اقبال سنگھ مدعا علیہ کے رہنے کے لئے بطور مسکن ایک کٹیا موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کٹیا مسلمانوں کی اس درخواست کے بعد رپورٹ تیار کرنے کا حکم صادر کرنے کے وقت بنائی گئی جس کی بابت رپورٹ میں حسب سازش وحسب عادت کہہ دیا گیا کہ یہ کٹیا چار مہینے پہلے سے بنی ہوئی ہے۔

جعل سازی وعیاری وانگریزی سازش والی اس رپورٹ کے بعد مسلمانوں کی مذکورہ درخواست پر انگریز کی سرکاری عدالت کی طرف سے جو کارروائی ہوئی وہ جن الفاظ میں سرکاری وعدالتی طور پر لکھی گئی اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

"مسلمانوں کی درخواست مذکورہ اور اس سلسلے میں مطلوبہ رپورٹ پر غور کر کے یہ حکم صادر کیا جارہا ہے کہ تھانیدار سے تحریری طور پر معلوم کیا جائے کہ مدعی علیہ نے چار مہینہ پہلے جو کٹیا وہاں بنائی ہے اس کے لئے اس نے سرکاری اجازت لی تھی یا نہیں؟ اگر بلا سرکاری اجازت یہ کٹیا بنائی گئی ہے تو اسے اکھڑوا کر پھینک دیں۔"

انگریزی عدالت کے اس حکم نامہ میں چبوترہ سے متعلق کوئی بھی حکم نہیں صادر کیا گیا لہذا وہ جبراً وقہراً برقرار رکھا گیا اور آئے دن مسلمان انگریزوں کی سازش سے ہندوؤں کی کھڑی کردہ پریشانیوں کے شکار ہوتے رہے جس کی تفصیل ہماری زیر تصنیف کتاب میں ہے۔ انگریزوں کی سازش سے ہندوؤں کے تعمیر کردہ اس چبوترہ کو جنم استھان قرار دیا جاتا رہا اس پر یا اس کے آس پاس کوئی ہندو عمارت نہیں تھی تاآنکہ انگریزی سازش ہی کے مطابق ایودھیا کے مہنت رگھوبیر داس کے ذریعہ ۲۹ر جنوری ۱۸۸۵ء کو سرکاری عدالت میں اس مضمون کی درخواست دلائی گئی کہ اس چبوترہ پر کوئی عمارت نہ ہونے کے باعث سردی وگرمی وبرسات میں پجاریوں اور یاتریوں کو اذیت ہوتی ہے اس لئے اس چبوترہ پر مندر کی تعمیر کی اجازت دی جائے۔ (مسلم انڈیا اردو مئی ۱۹۸۶ء)

انگریزی حکومت وعدالت اندرونی طور پر ہندوؤں سے سارے اقدامات کرانے کے باوجود اس بات پر راضی نہیں ہوئی کہ اس چبوترہ پر ہندوؤں کو مندر بنانے کی اجازت دے اس مقدمہ کو فیصل کرنے کے لئے انگریزی حکومت کی طرف سے ایک ہندو جج ہری کشن مقرر کئے گئے تھے جنہوں نے کہا کہ جنم استھان کہے جانے والا چبوترہ چونکہ بابری مسجد کے پاس واقع ہے اس لئے اس چبوترہ پر مندر بننے سے ہندو مسلم فساد کا خطرہ ہے لہذا اس پر مندر بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

الغرض اسی طرح کے بکھیڑے انگریزی حکومت کے خاتمہ تک چلتے رہے جن کی کسی قدر تفصیل ہماری زیر تصنیف کتاب میں ہے یہاں تک کہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ملک ہندوستان انگریزوں سے آزاد ہوا، مگر یہ ملک دو حصوں پاکستان وبھارت میں منقسم ہوگیا، بھارت پر کہنے کو سیکولر وجمہوری سرکار کی حکومت رہی مگر حقیقت میں اس پر ایسے غیر جمہوری وغیر سیکولر

حکمرانوں کی گرفت مضبوط رہی جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بے پناہ جذبات رکھتے ہیں چنانچہ آزاد ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کی سیکڑوں مسجدوں کو تباہ و برباد کرایا گیا اور بہت ساری مساجد کو مندروں میں تبدیل کیا گیا اور لاکھوں مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کے سبب ہلاک کیا گیا ان پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے خصوصاً پولیس و فوج کے محکموں کے دروازے بند کئے گئے اور ان کی معیشت تباہ کی گئی ان کی زبان و تہذیب کو مٹانے اور بدلنے کی کوشش مسلسل جاری ہے، پھر ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد شہید کرنے کے بعد مسلمانوں کا قتل عام، لوٹ کھسوٹ، معیشت و مکانات کو تباہ و بہت سارے مسلمانوں اور ان کے مکانات کو نذر آتش کیا گیا اور اب اعلان کیا جا رہا ہے کہ دہلی کی جامع مسجد، کاشی (بنارس) کی مسجد گیان واپی و متھرا کی عیدگاہ اور ہزاروں دوسری مساجد کو بھی تباہ کر کے ان کی جگہ پر مندر تعمیر کئے جائیں گے اور سیکولر حکومت نہایت اطمینان سے ہمیشہ یہ الاپ کا بند ستاتی ہے کہ ہم پوری طرح مسلمانوں ان کی عبادت گاہوں اور دوسرے امور کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ حدیث نبوی میں ہے کہ حکمراں طبقہ کا جھوٹ بولنا سب سے زیادہ مذموم ہے مگر مسلمانوں اور ان کی قیمتی چیزوں کے دعویٰ تحفظ کرنے والا انگریز کا جانشین ہندوستانی حکومت کا حکمراں طبقہ بہت ہی زیادہ جھوٹ بولتا ہے اور موجودہ ہندوستانی وزیر اعظم کے بارے میں سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ نے علی الاعلان کہا کہ اس سے بڑا جھوٹا و فریب کار ہم نے کبھی اور کہیں نہ سنا اور نہ دیکھا۔

(۶ر دسمبر کے بعد والے عام اخبارات میں یہ بات دیکھی جا سکتی ہے) باخبر لوگ مثلاً سابق وزیر اعلیٰ اترپردیش مسٹر ملائم سنگھ یادو اور ان جیسے لوگ بابری مسجد کی شہادت سے پہلے علی الاعلان کہہ رہے تھے کہ بابری مسجد کے خلاف اترپردیش بھاجپا سرکار اور مرکزی کانگریس سرکار میں سانٹھ گانٹھ اور عہد و معاہدہ ہو چکا ہے مگر دوسری طرف مرکزی سرکار جھوٹ بولتے ہوئے یہ راگ الاپ رہی تھی کہ بہر قیمت بابری مسجد کی حفاظت کی جائے گی۔ اترپردیش کی ریاستی سرکار و مرکزی سرکار نے یہ ڈھونگ بھی رچایا کہ سپریم کورٹ کے ذریعہ ریاستی حکومت سے بابری مسجد کے تحفظ کا حلف نامہ محض شعبدہ بازی اور دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے داخل کیا کرایا اور کام اس کے برعکس کیا، پھر مسجد منہدم ہونے پر اسی طرح کی شعبدہ بازی کرتے ہوئے کہہ دیا گیا کہ اترپردیش کی بھاجپا سرکار نے وشواش گھات کیا لیکن مرکزی حکومت نے جو وشواش گھات پوری دنیا کے ساتھ کیا اسے یہ حکومت اپنی سادہ لوحی کہتی پھرتی ہے، پھر اسی طرح کا ایک وعدہ حکومت نے بابری مسجد کی نئی تعمیر کے سلسلے میں کیا اور پوری دنیا کو دھوکہ دے دیا۔ اس مسجد کی تعمیر کے بجائے اب وہاں مندر تعمیر کرنے کی کھلم کھلا سازش ہو رہی ہے اور مسجد کی

موقوفہ املاک کو اپنے تصرف میں لے لیا گیا ہے۔

افسوس اس طرح کی سیکولر حکومت سے زیادہ مسلمانوں پر ہے کہ پینتالیس سالوں کی مدت میں روز بروز معاملہ واضح سے واضح تر ہوتا جارہا ہے مگر وہ اسلامی اصول کے مطابق متحد ہو کر صورت حال سے نپٹنے کے لئے کسی قسم کی بات نہیں سوچتے اپنی تباہی و بربادی پر صرف بے معنی قسم کی چیخ و پکار، آہ و فغاں، نعرہ بازی، اشک ریزی کرتے ہیں۔ جو کام پوری امت کو متحد ہو کر کرنا ہے اس سے سبھی لوگ غافل ہیں۔

اللّٰہم اھدِ قومی فإنہم لا یعلمون۔

اللہ تعالیٰ ہماری حالت زار پر رحم فرمائے،

(آمین)

انتقال پُر ملال

نہایت حزن و ملال کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ جناب حکیم مولانا عبدالشکور صاحب شاکر گیاوی مورخہ ۱۰؍جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ بمطابق ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء بروز اتوار بوقت ۳ ½ بجے شب دار فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے ان کی لغزشوں کو معاف کرے حسنات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ آمین! ناظرین سے دعائے مغفرت و نماز جنازہ غائبانہ ادا کرنے کی درخواست ہے، اللہ سے دعاء ہے کہ پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

غمزدہ: حسن منظور حسن

چالیس برس پہلے پنڈت نہرو کی نگاہ میں ہندستانی مسلمان

۱۹۵۳ء میں ھند کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواھر لال نہرو نے وزرائے اعلیٰ کو ایک خط لکھا تھا جس میں انہوں نے ھندوستانی مسلمانوں کے مسائل اور ان کے متعلق اندیشوں کا کھل کر اظہار کیا ھے۔ یہ خط جوں کا توں ھم یہاں قارئین کی خدمت میں پیش کر رھے ھیں۔ (ادارہ)

نئی دھلی، ۲۰ ستمبر ۱۹۵۳ء

مائی ڈیر چیف منسٹر!

میرے ساتھی وزیر داخلہ، ڈاکٹر کاٹجو آپ کو الگ سے ایک نوٹ بھیج رہے ہیں جو ہندستان میں عدالتی نظام کی اصلاح کے بارے میں ہے، یہ نوٹ اس مسئلے کو حل کرنے کی ایک ابتدائی کوشش کی ہے اور اس پر تفصیل سے غور و خوض کرنے سے قبل ہم آپ کی رائے جاننا چاہتے ہیں، عدلیہ کے ذمہ داروں اور دوسرے متعلقہ افراد سے بھی ہم صلاح و مشورہ کریں گے، تاہم مشاورت کے کسی طویل عمل سے گذرنے کی خواہش نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں بہت تاخیر ہو جائے گی، اور ہم جلد اس کو کرنا چاہتے ہیں آئندہ نومبر کے پارلیمنٹ کے سیشن میں اس سلسلے میں ایک بل پیش کرنے کی ہم ہر ممکن کوشش کریں گے۔

میرے دل میں جو چند اندیشے سر ابھار رہے ہیں ان میں آپ کو بھی شریک کرنا چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ اقلیتوں سے

متعلق ہندوستان میں صورت حال کئی لحاظ سے بگڑ رہی ہے اس میں شبہ نہیں کہ ہمارا آئین اچھا ہے اور ہم اپنے قوانین وضوابط میں کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کرتے، مگر انتظامیہ کے طریق کار افسروں کے طرز عمل سے دبے پاؤں ایسی تبدیلیاں آرہی ہیں جو ان قوانین وضوابط پر اثر انداز ہوتی ہیں، اکثر یہ تبدیلیاں جان بوجھ کر نہیں کی جاتیں، مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔

جہاں تک سرکاری ملازمتوں کا تعلق ہے عام طور پر اقلیتوں کی نمائندگی کا تناسب کم ہے اور کچھ جگہوں پر دراصل کچھ زیادہ ہی کم ہے، یہ درست ہے کہ ملک کے بعض ممتاز عہدوں پر اقلیتی طبقوں کے لوگ فائز ہیں، اور ان ہی میں سے خارجہ مشن میں کچھ اعلا مناصب پر کام کر رہے ہیں لیکن جہاں تک مرکزی حکومت اور بعض دوسری جگہوں کے اعداد وشمار کا تعلق ہے مجھے یہ جان کر مایوسی ہوئی ہے کہ اقلیتوں کی حالت بہت خراب ہے خصوصاً مسلمانوں کی اور بعض جگہ دوسروں کی بھی۔

ہماری دفاعی خدمات میں بہ مشکل کوئی مسلمان باقی رہ گیا ہے۔ دہلی کے اتنے بڑے سنٹرل سکرٹریٹ میں معدودے چند مسلمان ہیں، شاید صوبوں میں صورت حال کسی قدر بہتر ہو، مگر بہت زیادہ نہیں جس چیز کا مجھے زیادہ احساس ہے وہ یہ ہے کہ اس صورت حال کو سدھارنے کی کوئی کوشش نہیں کی جارہی ہے، اگر اس صورت حال کو روکا نہیں گیا تو اور زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

ہمارے لئے یہ کہنا بہت آسان ہے کہ تقررات کے سلسلے میں ہم کسی فرقہ وارانہ اور ایسے ہی دوسرے احساسات سے بالکل کام نہیں لیتے ہیں، فرقہ پرستی اور اس کے طریق کار کا میں حامی نہیں ہوں، اور میرے نزدیک ہندوستان میں یہ انتہائی خطرناک ذہنیت ہے جس کا ہر محاذ پر مقابلہ کرنا چاہئے، اسی کے ساتھ ہمیں یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ ہندستان جیسے وسیع اور مخلوط آبادی کے ملک کے تمام علاقوں اور تمام فرقوں میں توازن کا احساس، نیز منصفانہ سلوک اور خوش آئند مستقبل کی ضمانت دی جاہئے، اگر کسی بھی توازن کو بگاڑنے کا رجحان ہو، یا ایک پہلو کو دوسرے کے عوض ابھارا جائے تو اس کا نتیجہ مختلف بڑے گروہ کے درمیان توازن کی کمی بے اطمینانی اور مایوسی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

بالکل ایسا ہی ہو رہا ہے، اور یہ اچھی بات نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ جہاں تک سرکاری ملازمتوں کا تعلق ہے ہمیں اس غلط رجحان کو روکنے کے لئے خصوصی کوشش کرنی چاہئے، اگرچہ سرکاری ملازمین ہندستان کے نظام کا ایک اہم جزو ہیں مگر جس صورت حال سے ہم دوچار ہیں وہ سرکاری ملازمتوں سے بھی زیادہ اہم اور وسیع ہے، ہمارا فرض ہے کہ ملک کے ہر فرد اور ہر طبقے میں یہ احساس پیدا کردیں کہ وہ ایک دوسرے کے شریک کار ہیں، نیز وہ فوائد اور مواقع میں بھی مکمل طور پر حصہ دار ہیں، سب اسی وقت ممکن ہے جبکہ صحیح ذہنی رویہ پیدا کریں گے۔ مجھے اس سے زیادہ بیجا بات اور کوئی نہیں معلوم ہوتی کہ ہم دوسروں کو وفاداری کا سبق دیں " وفاداری " کے لفظ سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص ہمارے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے۔ یہ بالکل دہری رویہ ہے۔

دنیا کے ایک حصے میں کمیونسٹوں نے اختیار کیا ہے، اور دوسرے حصے میں امریکیوں نے، دونوں ہی اپنے اپنے نظریۂ زندگی کے مطابق یکسانیت اور فرماں برداری کا مطالبہ کرتے ہیں، اس کی وجہ سے بین اقوامی فضا میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے، یہی طرز نظر قومی پیمانے پر بھی، لازمی طور پر ٹکراؤ کا باعث ہوگا۔ اس سے قطع نظر فی نفسہ یہ غلط بات ہے۔

اوپر میں نے مسلمانوں کا حوالہ دیا ہے مگر اس کا اطلاق عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں پر بھی ہوتا ہے، بدقسمتی سے ہمارے وطن میں عیسائی مردوں اور عورتوں کی بہت بڑی تعداد میں تشویش کا احساس پایا جاتا ہے اور ان میں سے اکثر سوچتے ہیں کہ ہندستان میں ان کا مستقبل غیر یقینی ہے، ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندستان ایک مخلوط ملک ہے۔ "مخلوط" بہت سے معنوں میں، مذہب، رسم ورواج، زبان، طرزِ زندگی وغیرہ۔ اکثریتی فرقے کی دوسروں پر اپنے آپ کو مسلط کرنے کی کوشش محض اندرونی کشاکش کو دعوت دینا ہے جو کہ اتنی ہی بری ہے جتنی کہ بیرونی۔ ہمارے لئے آج ہندوستان میں بنیادی مسئلہ، حقیقی اور معنوی لحاظ سے، ہندوستان کی تعمیر کا ہے، یعنی ہماری قوم کی نفسیاتی یکجہتی کا۔

میں سمجھتا ہوں کہ زبان سے متعلق رویہ اکثر بہت زیادہ خوش کن نہیں ہوتا، اگرچہ میرے خیال میں کچھ عرصے سے اس میں کچھ بہتری آئی ہے، ہم ہندی کو قومی زبان بنانا چاہتے ہیں اور میرے نزدیک ایسا ہونا بہت ضروری ہے، اس کے لئے ہمیں کام کرنا چاہئے لیکن اس کا طریقہ بہت اہمیت رکھتا ہے اگر یہ طریقہ درست نہ ہوگا تو ہم اپنے مقصد سے اور زیادہ دور ہو جائیں گے، زبان کا معاملہ جذبات سے بہت گہرا تعلق رکھتا ہے اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، جس نے بھی یوروپ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، اسے معلوم ہے کہ وہاں زبان کے اختلاف نے دوسرے تمام مسائل سے زیادہ مشکلات پیدا کی ہیں ایسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ کسی زبان کو کچلنے کا نتیجہ ہمیشہ الٹا نکلا ہے، اس تجربے کے بعد اہل یوروپ کشاکش یا دباؤ کے کسی قسم کے اظہار سے بچنے کے لئے متعدد اور متنوع زبانیں تک قبول کرنے کا میلان رکھتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ملکوں نے بھی سرکاری طور پر کئی زبانوں اور بعض اوقات ایک سے زائد رسم الخط کو اختیار کیا ہے۔

اردو کے مسئلے سے جس طرح ہندوستان کے مختلف حصوں میں عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی جا رہی ہے، اس سے مجھے بہت دکھ پہونچا ہے، یہ سب محض تہذیبی وجوہ کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ سیاسی اسباب کی بنا پر ہے۔ میں اس سوال کی خوبیوں میں جا سکتا تھا، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ خوبیاں بہت وسیع ہیں، لیکن ایسے معاملات میں محض خوبیاں ہی اہم نہیں ہوتیں بلکہ وہ نفسیات اور ذہنی ردعمل بھی اہمیت رکھتے ہیں جو اس کے ساتھ لوگوں کی بڑی تعداد کے اندر پیدا ہوتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد اردو بولتی اور لکھتی ہے، پنجاب، دہلی اور شمالی یوپی میں

ایسے لوگ کافی ہیں، ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی ایسے لوگوں کی خاصی تعداد ہے، خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں درحقیقت ایسے گروہ پورے ہی ہندستان میں موجود ہیں اور بعض اوقات ان کی تعداد بھی خاصی بڑی ہوتی ہے، جنوب میں اردو لکھنے اور بولنے والوں کی تعداد دیکھ کر مجھے تعجب ہوا خاص طور پر حیدرآباد اور آندھرا پردیش کے سرحدی علاقوں میں جب بھی وہاں جاتا ہوں تو اکثر لوگ میری زبان آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔

یہ حقیقت بہت اہم ہے کہ ہندوستان میں اردو ایک خاص قوت کی حامل ہے اور یہ تاثر دینا کہ ہم اس کے خلاف ہیں بہت بڑی تعداد کی دل آزاری کا باعث ہوگا اور ان میں یہ احساس پیدا کرے گا کہ ہم اس چیز کے خلاف ہیں جو ان کو بہت زیادہ عزیز ہے، دوسرے معاملات کی طرح اس کو اس طرح نہیں دیکھا جاسکتا کہ ہم اس کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں بلکہ یہ کہ متعلقہ افراد کیا محسوس کرتے ہیں یہ نہیں کہ اکثریت کیا سوچتی ہے بلکہ یہ کہ اقلیت کا ردعمل کیا ہے، اس لئے کہ ہمارا مقصد ہمیشہ اقلیت کے ذہن میں تکمیل آرزو کا احساس پیدا کرنا رہا ہے۔

جب میں اردو کی بات کرتا ہوں تو میرا مطلب اردو کے ساتھ فارسی رسم خط بھی ہوتا ہے، یہ زبان کسی تاریخی نقطۂ نظر سے ہمارے لئے غیر ملکی ہوسکتی ہے، مگر ہندستان میں اس کا استعمال صدیوں سے قابل لحاظ پیمانے پر ہوتا آرہا ہے۔ وسط ایشیا کے کچھ علاقوں اور مغربی ایشیا اور ہندستان کے درمیان یہ رابطے کی کڑی رہی ہے، اور اب بھی ہے، اس کی وجہ سے ان ملکوں سے جن کی دوستی ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے، سیاسی اور دوسرے قسم کے تعلقات قائم اور استوار ہوئے ہیں۔

تہذیبی طور پر اردو ان رجحانات کی حامل رہی ہے جن سے ماضی میں ہندی کو تقویت ملی ہے اور یہ بات مستقبل میں بھی ہوسکتی ہے، یہ یقیناً ہندی کی حریف نہیں ہے، اور یہ ممکن بھی نہیں ہے، یہ تو ہوسکتا ہے کہ اس کی اہمیت ہندستان میں آہستہ آہستہ کم ہوتی جائے اور یہ ایک تاریخی ارتقاء ہوگا، ہندی اور اردو اپنی ساخت اور اسلوب کے لحاظ سے بتدریج ایک دوسرے کے نزدیک آسکتی ہیں۔ اور ایسا ہونا ہی چاہیے، ناگری رسم خط کا پھیلاؤ لازمی ہے، لیکن ایسا کرتے وقت اردو اور اس کے رسم خط کو دبانے کا تاثر پیدا کرنا ایک غلط پالیسی ہے، اور ہمارے تہذیبی نظریئے کو محدود کرنا ہے، اور ہمارے آئینی منصوبے کے خلاف ہے۔

لیکن میں لوگوں کی بڑی تعداد پر مرتب ہونے والے اثرات کے بارے میں زیادہ فکرمند ہوں، خواہ یہ تاثر ہمیں ناواجب نظر آئے، تاہم اس حقیقت کو سیاسی اور تہذیبی دونوں نقطۂ نظر سے تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ ہمیں اس صورت حال کا دانشمندی سے سامنا کرنا ہوگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو اور اس کے رسم الخط سے متعلق موجودہ پالیسیوں کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں

میں بلکہ خاصی حد تک ہندوؤں اور دوسروں میں بھی محرومی اور نا امیدی کا گہرا احساس پایا جاتا ہے، کچھ صوبوں میں حکومت اردو کی حوصلہ شکنی کے لئے واضح اقدامات کئے ہیں اور ایسے اسکولوں کی مالی امداد روک دی ہے جہاں اردو پڑھائی جاتی ہے، سے بچے اور ان کے والدین جو اردو پڑھنے کے خواہشمند تھے اب اس سے محروم ہیں، بہت سی جگہوں پر اردو کے خلاف تیز اور تحریکیں چلائی جارہی ہیں گویا اردو ہماری کوئی خطرناک دشمن ہے، اگر ایسا ہی ہے تو ہم انھیں جو اس کو چاہتے ہیں نہ صرف کریں گے بلکہ لڑائی پر اکسائیں گے بھی ۔ میں اس موضوع پر بہت متفکر ہوں، اس لئے کہ ایسا کرنے سے میرے تمام تہذیبی متاثر ہوتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ ہندستان کی یک جہتی کا مستقبل بھی مجھے بگڑتا ہوا نظر آتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ ہم میں زیادہ تر اس دانشمندی کو فراموش کر چکے ہیں جس کا گاندھی جی نے اس ملک کے بعض اہم مسئلوں کو سلجھانے کے سلسلے میں کیا تھا۔ ایسا ہی اہم مسئلہ زبان کا بھی تھا اور انہوں نے اردو کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے ہم پر زور ڈالا تھا، اس وقت مقابلہ میں اب صورت حال بدل چکی ہے اور غالباً ہم اب وہاں تک نہیں جاسکتے جہاں تک اس سلسلہ میں گاندھی جی لے جانا چاہتے تھے تاہم بنیادی فکر اب بھی ویسی ہی ہونا چاہئے اور وہ دن تو بہت ہی برا دن ہوگا جب عوامی ہنگامے اور ناجائز کی وجہ سے اس مسئلے پر یا کسی بھی اور مسئلے پر ہتھیار ڈال دیں گے۔

قومیت کا جذبہ کسی بھی فرد یا قوم کے لئے (ذہنی طور پر) وسعت اور پھیلاؤ کا تجربہ ہے خصوصاً ایک ایسے ملک جو غیر ملکی قبضے میں ہو، قوم پروری ایک جوڑنے والی اور متحد کرنے والی قوت ہوتی ہے، لیکن ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے اس اثر کا دائرۂ کار بہت سکڑ کر رہ جائے۔ بعض اوقات جیسا کہ یورپ میں ہوا، یہ جذبہ جارحانہ اور جنگجویانہ ہو جاتا خود کو دوسرے لوگوں پر مسلط کرنا چاہتا ہے۔ ہر قوم اس عجیب دھوکہ کا شکار ہوتی ہے کہ وہ دوسروں سے ممتاز اور برتر ہے، وہ جب طاقت ور اور مضبوط ہو جاتی ہے تو خود کو اور اپنے طور طریقوں کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ اپنی اس کو میں کبھی نہ کبھی وہ بہت آگے بڑھ جاتی ہے، اور لڑکھڑا کر گر پڑتی ہے، جرمنی اور جاپان کی انتہا پسند قوم پروری کا معا ٹھیک ایسا ہی تھا۔

لیکن قوم پروری کی ایک غیر محسوس شکل ذہنوں کی وہ تنگ نظری ہے جو ملک میں اس وقت پھیلتی ہے جب ا فرقہ خود کو ہی پوری قوم سمجھتا ہے اور اقلیت کو خود میں جذب کرنے کی کوشش میں دراصل اسے اور زیادہ الگ کر دیتا ہے ہمیں میں ذات پات کے نظام اور علاحدگی پسندانہ طور طریقوں کی وجہ سے خاص طور پر محتاط رہنے کی ضرورت ہے، ہمارے اندر چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہو کر اپنی وسیع تر یک جہتی کو بھول جانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

فرقہ پرست تنظیمیں شدید تنگ نظری کی ایسی واضح مثالیں ہیں جو قوم پرستی کے بھیس میں ابھر کر سامنے آرہی ہیں، اتحاد کے نام پر وہ تقسیم کرتی ہیں اور تباہ کر ڈالتی ہیں، سماجیاتی اصلاح کے مطابق وہ بدترین ردعمل کا مظاہرہ کرتی ہیں، ہمیں ایسی فرقہ پرست تنظیموں کی ملامت کرنی چاہئے مگر بہت سے دوسرے لوگ بھی اس تنگ نظری سے آزاد نہیں۔ یہ بہت ہی عجیب بات ہے کہ ہندوستان کی وسعت، جو اپنے میں ایک پوری دنیا ہے، اپنے اندر رہنے والوں کو نہ صرف بے فکر بناتی ہے بلکہ باقی دنیا کے معاملات کے تئیں ناواقف اور تنگ نظر بھی بناتی ہے۔ ہمیں ان تمام قوتوں کے خلاف صف آرا ہونا ہے۔

کشمیر کے حالیہ واقعات سے بہت سے لوگوں کو خوشی ہوئی ہے جو شاید یہ نہیں جانتے کہ ایسا کر کے انہوں نے مستقبل میں ہمارے لئے مزید دشواریاں پیدا کر دی ہیں یہ تبدیلیاں ناگزیر تھیں اور ان کا تجزیہ کرنے پر ہم ایک بہت بڑے سبب تک پہنچ سکتے ہیں یعنی ہندستان کے بہت سے لوگوں کی تنگ نظری اور متعصبانہ نقطۂ نظر کا کشمیریوں پر ردعمل میں محض جن سنگھ اور پرجا پریشد کا حوالہ نہیں دے رہا ہوں گو انہوں نے اس سلسلے میں اہم رول ادا کیا ہے اگر ہندستان کو واقعی ایسا عظیم ہونا ہے جیسا کہ ہم سب کی خواہش ہے تو اسے اندرونی یا بیرونی طور پر کسی ایک ہی کا ہو کر نہیں رہنا ہوگا اسے ایسی ہر چیز کو ترک کرنا پڑے گا جو ذہنوں کی ترقی اور سماجی زندگی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہو۔

ایسا ہی ایک مسئلہ اور ہے جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، یہ عورتوں سے متعلق ہے گذشتہ عام انتخابات میں میں نے خاتون امیدواروں پر زیادہ اصرار کیا تھا، میری کوششوں کے باوجود معدودے چند عورتوں کو ہی امیدوار بنایا گیا یا منتخب کیا گیا، آج ہماری سیاسی تنظیم میں بہت کم عورتیں کام کر رہی ہیں، اگرچہ ہندستانی عورت کا معیار کافی بلند ہے اور دنیا میں مردوں کی بہ نسبت عورتوں نے ہمیں زیادہ متاثر کیا ہے، کوئی بھی قوم عورتوں کو ساتھ لئے بغیر بہت آگے تک نہیں جا سکتی۔ چینی انقلاب مختلف اعتبار سے بہت اہم ہے لیکن اس کا ایک اہم پہلو جس کے بارے میں زیادہ نہیں معلوم ہے وہ عورتوں کی حیثیت میں ہونے والی تبدیلی ہے اور اصل انقلاب تھا۔

ان وجوہات کے علاوہ ایک خالص سیاسی وجہ یہ ہے کہ ووٹ دینے والوں کی کل تعداد کا تقریباً نصف عورتوں پر مشتمل ہے، انھیں ووٹ کا حق دینے کے بعد ہمیں اپنے عمل کی پیروی میں ان کیلئے کچھ اور دروازے بھی کھولنا ضروری ہوں گے، اگر ہم ان کو یہ مواقع مہیا نہیں کرتے تو ہم گویا دو شہروں کی آدھی تعداد کو نظر انداز کرتے ہیں اور یہ انتہائی غیر دانشمندانہ فعل ہوگا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والے کچھ خیالات بے تکلفی سے آپکو لکھنے کی جسارت کی ہے، میری خواہش ہے کہ آپ ان پر غور و فکر کریں۔ یہ اہم معاملات ہیں اور ہمارے مستقبل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ معمول کے مطابق ہر پندرہ روز پر خط بھیجنے میں میں کسی قدر غافل رہا، یہ خصوصی خط ہے اور پندرہ روزہ خط کے علاوہ ہے جس کے بارے میں مجھے امید ہے کہ اس کا سلسلہ جلد شروع ہو جائے گا۔

آپ کا مخلص

جواہر لال نہرو

(آواز ملک - ۱۷/۱۲/۱۹۶۲)

نقد و احتساب میں اعتدال و توازن کی ضرورت

بقلم: ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری / ریکٹر جامعہ سلفیہ، بنارس

بابری مسجد اور رام مندر کا مسئلہ اٹھا کر بی جے پی نے اکثریت کا ووٹ حاصل کرنے اور اس ذریعے اقتدار پر قبضہ کرنے کی اسکیم سوچی تھی، اس پر اس نے عمل کر کے اپنے کچھ مقاصد حاصل کر لئے ہیں، اور کچھ کا ابھی انتظار ہے۔

کانگریس پارٹی نے یہ محسوس کیا کہ اگر بی جے پی کو اپنے منصوبہ کے مطابق آگے بڑھنے دیا گیا تو اکثریت کے ووٹ اس کے قبضہ میں چلے جائیں گے، اور اقتدار کی وہ تنہا مالک بن بیٹھے گی۔ لہٰذا کانگریس نے اس مسئلے سے خود فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا، اور اس کے لئے اپنی عملی مہم کا آغاز فروری ۱۹۸۶ء میں کر دیا۔

بابری مسجد ۶ ردسمبر ۹۲ء کو جب فرقہ پرستوں کے ہاتھوں شہید کر دی گئی تو کانگریس کو اس بات کا احساس ہوا کہ گیند اس کے قبضہ سے باہر جا رہی ہے، چنانچہ اس نے فسادات کو روکنے اور سیکولرازم کا تحفظ کرنے کے نام پر متعدد ایسے اقدامات کئے جن سے بی جے پی وغیرہ کو مسجد مندر سیاست کا کوئی فائدہ نہ حاصل ہو، اور خود کانگریس اکثریت کی ہمدردیاں اور ان کے ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

آج مورخہ ۲۸ ردسمبر ۹۲ء کو حکومت کی جس پالیسی کا اعلان کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت مختلف حیلوں سے وہی کام کرے گی جسے بی جے پی علی الاعلان کرنے کی بات کہہ رہی تھی۔ متنازعہ زمین کو مرکزی حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے، اور ریاستی حکومت نے مسجد کے ملبہ پر رکھی ہوئی مورتی کے درشن اور پوجا کی اجازت دیدی ہے۔ مرکزی وزیر شری پوار صاحب نے بی بی سی کے ایک سوال کے جواب میں کہہ دیا ہے کہ حکومت نے دوبارہ مسجد تعمیر کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس میں اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ مسجد اسی جگہ تعمیر کی جائے گی جہاں پہلے موجود تھی۔ اس تصریح سے اب یہ بات صاف ہو گئی کہ کانگریس خود مندر تعمیر کرے گی، اور اکثریت کی مرضی کے مطابق تعمیر کرے گی تاکہ ووٹ کا فائدہ بی جے پی کے بجائے خود اس کو حاصل ہو۔

اس پورے معاملہ میں مذہب کے نام پر سیاست کی کارفرمائی ہے، اور اقتدار کا حصول ہی وہ بنیادی مقصد

جس کے لئے عدل وانصاف، اخلاق وضمیر، سیکولرازم وجمہوریت، عدلیہ وانتظامیہ اور انسانیت وآدمیت ہر چیز کو پامال کیا جارہا ہے۔ اس بھیانک صورت حال میں جو کچھ کرنا ہے اسے کسی ایک تحریر میں سمیٹنا مشکل ہے، فی الحال صرف بعض گوشوں کی جانب اشارہ مقصود ہے، آئندہ : "یار زندہ صحبت باقی"۔

۵۵ بابری مسجد کی شہادت اسلامیانِ ہند کی تاریخ کا بڑا دل دوز وجگر خراش سانحہ ہے، اس المیہ پر جس قدر اظہار افسوس کیا جائے کم ہے۔ یہاں کی ملتِ اسلامیہ کو آزادی کے بعد سے ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات اور مختلف میدانوں میں ارباب اقتدار کے غیر منصفانہ رویئے نے پہلے ہی سے نڈھال و دل برداشتہ کر دیا تھا، اور اب اس نئی جارحیت وبزدلانہ تعدی نے اسے غیر معمولی طور پر کرب و بے چینی اور اندیشہ وتفکر میں مبتلا کر دیا ہے۔

یہ امر فطری ہے کہ انسان جب کسی سخت آزمائش ومصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، اور حالات اس کے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں، نیز اسے مصیبت کے صحیح اسباب وعوامل کا علم نہیں ہو پاتا تو خود کو وہ ذمہ داری سے بری کر کے دوسروں میں اس کے اسباب تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کی نظر میں جو بھی ذمہ دار ٹھہرتا ہے اسے سخت سست کہتا ہے۔

بابری مسجد کے المیہ کے بعد کچھ اسی طرح کی صورت حال سے ہندوستانی مسلمان دوچار ہے، جب تک غم کا احساس زیادہ سخت تھا، اس طرف ذہن نہیں گیا تھا، لیکن آہستہ آہستہ اب امت کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو موردِ الزام ٹھہرانے لگا ہے، اور اس عظیم آزمائش میں اپنے بجائے دوسرے کو قصوروار بتا رہا ہے۔ جو لوگ ایسا کر رہے ہیں ہمیں ان کے اخلاص پر شبہ نہیں، بلکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ ملت کا درد اور اس پر نازل ہونے والی مصیبت کی چوٹ ہی انھیں ایسا کرنے پر آمادہ کر رہی ہے، لیکن ہماری گذارش ہے کہ اسلام نے ہمیں محاسبۂ نفس اور احتسابِ عمل کی جو تعلیم دی ہے اس سے مذکورہ رویہ میل نہیں کھاتا، جب ہم دوسرے کو اس مصیبت میں قصوروار مانتے ہیں تو خود اپنے اوپر بھی غور کرنا چاہئے کہ ہم کسی مرحلہ میں قصوروار ہیں یا نہیں؟ یہ بات کہنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہو رہی ہے کہ مستقبل میں ہمیں جس حکمت عملی ومنصوبہ بندی کی ضرورت ہے اس کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم الزام تراشی وطعنہ زنی کا ماحول پیدا کرنے کے بجائے مفاہمت تعاون اور باہمی خود اعتمادی کی فضا پیدا کریں تاکہ اپنی غلطیوں کو سمجھ کر ان کا ازالہ کریں، اور آئندہ کے لئے صحیح راہ منتخب کریں۔

یہ بات گویا انسان کی طبیعت میں داخل ہے کہ وہ خرابی کے لئے دوسرے کو قصوروار ٹھہراتا ہے، ہم اصلاحی تحریروں اور ڈراموں میں یہ عنوان دیکھتے ہوں گے کہ "وہ قصور کس کا ہے" ایسی تحریروں میں انسان کے مذکورہ مزاج ہی کی عکاسی

ہوتی ہے، یعنی ہر انسان خرابی کے لئے دوسرے کو قصوروار ٹھہراتا ہے، اور اس کی دلیل بھی پیش کرتا ہے۔ تحریر ختم ہو جاتی ہے، اور فیصلہ نہیں ہو پاتا کہ قصور کس کا ہے، لیکن ہمیں سوچنا چاہیے کہ اگر اس کا فیصلہ بھی ہو جائے تو کیا فائدہ ہوگا؟ میدان ہمارے سامنے ہے، ہم اگر سمجھتے ہیں کہ ملت کا کوئی متعین طبقہ اس کی صحیح رہنمائی نہیں کر پا رہا ہے تو خود آگے بڑھ کر یا مناسب آدمی کو آگے بڑھا کر اس کام انجام دینا چاہیے، امت کے لئے اخلاص کا تقاضہ یہی ہے کہ جس جگہ خرابی ہو اسے دور کیا جائے، نہ یہ کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو مطعون کرے۔

زبان خلق سے محفوظ رہنا مشکل ہے، اس پر بہت سے محاورے اور ضرب الامثال ہیں، شیخ سعدیؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ عذر و توبہ کر کے انسان اللہ کے عذاب سے بچ سکتا ہے، لیکن لوگوں کی زبان سے بچنا دشوار ہے۔

اس بات سے میرا مدعا یہ نہیں کہ تنقید، اصلاح اور احتساب کا عمل بند کر دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ موقع سے اور مخلصانہ طور پر اصلاح کی نیت سے تنقید کی جائے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج جس طبقہ کو برسر غلط کہا جا رہا ہے وہ پلٹ کر پوچھ سکتا ہے کہ آپ نے ہماری سرگرمی دیکھی تھی، اس وقت اس پر تنقید کیوں نہ کی، اور ہمیں وہ ترکیب کیوں نہ بتائی جس سے بابری مسجد اور ملت کے دوسرے مسائل حل کر لئے جاتے، وعلی ھذا القیاس۔ لہذا میری گذارش ہے کہ اس غیر مفید سلسلہ کو ترک کر کے ہمیں کوئی مثبت و مفید راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

امت اسلامیہ کو آزاد ہندوستان میں تصادم و مقابلہ کی جس صورت حال کا سامنا ہے اس سے نمٹنے کے لیے کاغذی تجویز اور کلامی معرکہ آرائی کافی نہیں، اور کسی لیڈر یا عالم کے ہاتھ میں ایسا کوئی صور اسرافیل ہے جسے پھونک کر امت کو بیدار کر دیا جائے اور وہ راہ راست پر چل پڑے، ہمیں ایک ٹھوس، دوررس اور ہمہ جہت منصوبہ کی ضرورت ہے جس میں ملت کے تمام افراد اپنی اپنی بساط کے مطابق اخلاص و سرگرمی سے کام کریں، اور جہاں کہیں کوئی خلا نظر آئے اسے پر کرنے کے لئے دوسرے کا انتظار کئے بغیر خود آگے بڑھیں۔

اس وقت امت اسلامیہ کو جس شکست و پسپائی کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا سبب کسی متعین طبقہ کو قرار دینا بہت زیادہ قرین عقل نہیں۔ اسباب زوال امت پر لوگوں نے عرق ریزی سے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس گتھی کو اب تک شاید کوئی سلجھا نہیں سکا ہے ورنہ امت اب تک زوال کے دور سے نکل چکی ہوتی۔ امت اسلامیہ اور دیگر امتوں کی تاریخ میں ہمیں شکست و پسپائی کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، ہمارا یہ فرض ضرور ہے کہ ان مثالوں سے سبق سیکھیں، اور ایسی کسی پسپائی سے بچنے کی تدبیر کریں، لیکن اگر ہم نے آپس میں ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرا کر یہ سمجھ لیا کہ ہماری ذمہ داری ادا

ہوگئی تو یہ رویہ مناسب نہ ہوگا۔

۵۵ بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی طرف سے بالعموم صبر وضبط اور نماز و دعا وغیرہ کی تلقین کی گئی، بعض حلقوں نے کسی مخصوص دن میں روزہ رکھنے کی بھی اپیل کی۔ مجھے روزہ سے متعلق کوئی صریح دلیل نہیں ملی، لیکن مصیبت میں صبر ونماز کا حکم اور دعا و استغفار کی تلقین تو واضح طور پر قرآن وحدیث میں موجود ہے، اور اسلامی تاریخ میں اس پر تعامل بھی موجود ہے۔ لیکن اس اپیل پر بعض حلقوں نے یہ سمجھ کر سخت الفاظ میں اعتراض کیا ہے کہ صرف نماز و دعا سے کیا ہوگا؟ میری نظر میں اس طرح کا اعتراض مناسب نہیں، جو حکم اسلام میں ثابت ہے اس پر کسی بھی طرح کی ناگواری ایمانی شان کے خلاف ہے، اگر کسی شخص کے پاس اس سے اچھی تجویز ہو تو اسے پیش کرنا چاہیئے، لیکن کسی تجویز پر ناراضگی کے اظہار سے پہلے یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اخبار میں اور عام مجلسوں میں تو اسی طرح کے امور کی تلقین کی جاسکتی ہے نہ کہ ان چیزوں کی جنہیں جذبات سے مغلوب افراد چاہتے ہیں۔ قرآن مجید میں جس صبر ونماز کا حکم ہے، اور مصیبت میں ان سے مدد حاصل کرنے کی جو تلقین ہے اسے مصائب میں گھری ہوئی ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کرنے میں کوئی قباحت نہیں جو لوگ صبر، نماز اور دعا کی تلقین کرتے ہیں ان کا مقصود ہرگز نہیں کہ مسلمان صرف اسی چیز پر اکتفا کرلیں، بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ موجودہ بحرانی حالت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھ کر ان مؤثر ومثبت اقدامات کو عمل میں لایا جائے جن کا حکم اسلام نے جان ومال کے تحفظ کے لئے دیا ہے۔

غزوۂ احد میں صحابہ کی ایک جماعت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک متعین مقام پر مقرر فرماکر فتح وشکست دونوں حالتوں میں وہیں ڈٹے رہنے کا حکم فرمایا تھا، ان لوگوں نے فتح کے بعد وہ مقام چھوڑ دیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک جنگی حکمت عملی کی کچھ لوگوں کی طرف سے مخالفت کی وجہ سے یہ نازک صورت حال پیش آئی تھی، اس سے مسلمان بہت غمگین و دل شکستہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی صبر وضبط کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر موجودہ مصیبت میں صبر کی تلقین کی جارہی ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اس تلقین پر اعتراض کے بجائے دوسری مفید تجویزیں استدلال کے ساتھ پیش کرنا چاہیئے۔

اس موقع پر اگر ہم مسلمانوں کے کسی طبقہ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر شرپسند عناصر کا پنجہ مروڑ دے، اور کسی طبقہ کو یہ طعنہ دیتے ہیں کہ وہ بلو فلمیں دیکھتا ہے اور آرام و راحت کو ملی مفادات پر ترجیح دیتا ہے تو میرے ناقص خیال میں یہ مناسب توقع اور معتدل انداز بیان نہیں ہے۔

۵۵ بابری مسجد کے مسئلہ سے لیڈروں اور عالموں کا براہ راست تعلق تھا، اس لحاظ سے ہم ان کو قصور وار قرار دے سکتے ہیں، لیکن ملت کی سربلندی و تقویت کے لئے عمل کی ذمہ داری تنہا مذکورہ دونوں طبقوں ہی پر نہیں ڈالی جاسکتی بلکہ اس کے لئے دوسرے طبقات بھی ذمہ دار ہیں، یہ بات ہم سب مانتے ہیں کہ ملت کو اپنی سرخروئی کے لئے اسلامی احکام سے قریب آنا ضروری ہے، اسلام کی تعلیمات پر عمل کئے بغیر اگر ہم اپنی قوت و سربلندی کا کوئی تصور رکھتے ہیں تو یہ سخت قسم کی غلطی ہے۔ اس پس منظر میں اگر آپ مسلم عوام کا جائزہ لیں تو حالات کی بڑی مایوس کن تصویر نظر آئے گی۔ امت کی اکثریت بدعملی و بد اخلاقی، منافرت و بددیانتی اور شرک و بدعت وغیرہ امراض میں مبتلا ہے، اس کے مظاہر کسی بھی جگہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ کیا اس ناگفتہ بہ عملی انحطاط کا ہماری الجھنوں اور مصیبتوں سے کوئی تعلق نہیں ؟ ہم جب اپنے ادبار و تنزل کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح کے کسی مسئلہ کا ذکر نہ کر کے کسی مخصوص طبقہ اور گروہ کو نشانہ بناتے ہیں، اور عام افراد کی حالت سے نظریں پھیر لیتے ہیں۔ لیڈروں اور عالموں کی طرح امت کا ایک ممتاز طبقہ مالداروں کا اور دوسرا تعلیم یافتہ دانشوروں کا بھی ہے، ظاہر ہے کہ ہمارے موجودہ بحران میں یہ دونوں طبقے بھی مؤثر کردار ادا کرسکتے ہیں، لیکن ہمارے احتساب کا رخ ان طبقوں کی طرف کم ہوتا ہے، یا کم از کم موجودہ بحران میں ان پر کسی خاص طرح کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے۔ ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنا تجزیہ منصفانہ رکھیں، اور ہمہ گیر نگاہ ڈال کر اپنی کمزوریوں کو سمجھیں، اور اپنے دین کی روشنی میں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ آزمائش کی اس نازک گھڑی میں ملت کے افراد اگر اپنا باہمی اعتماد اور خیرخواہی کا جذبہ کھودیں گے تو حالات کے مقابلہ کے لئے انھیں مزید سخت قسم کی دشواریوں کا سامنا ہوگا۔

مؤقر روزنامہ آواز ملک نے اس دوران امت کی رہنمائی کے سلسلہ میں عام طور پر معتدل و متوازن تحریریں شائع کی ہیں، اس کے لئے ادارہ ہمارے شکریہ اور مبارکباد کا مستحق ہے، نیز اس کا تعاون ہمارا فرض ہے، اور ایک فرض یہ بھی ہے کہ اس طرح کی تحریروں پر عمل کریں اور انھیں دوسروں تک پہنچائیں۔

پھر بھی بعض باتیں قابل توجہ ہیں جن کا تذکرہ ذیل میں کر رہا ہوں :

بابری مسجد کی شہادت کے بعد مختلف نوعیت کے تاثرات اور تحریروں سے ایک بات یہ سامنے آئی کہ ہم میں سے بعض لوگ دوسروں کو قصوروار ٹھہرانے کے ساتھ ہی ایک طرح کے فکری انتشار و تضاد کا بھی شکار ہیں۔ اس کی مثال کے طور پر ذیل دو تحریروں کو ملاحظہ فرمائیے :

۱ــ "کل تک ان کی (یعنی قائدین و علماء کی) زبان پر بابری مسجد کے تحفظ کی بات تھی تو آج اس کی تعمیر جدید کا میٹر انھیں حاصل ہو چکا ہے، ہر حال میں ان کا حلوہ مانڈا اسلامت۔"

۲ــ "لہذا صرف دلاسہ اور تسلی سے مسلمانوں کو بہلانا بیکار ہے، بلکہ فوراً ہی اس (بابری مسجد) کی دوبارہ تعمیر کی مانگ بھی ہونی چاہیے۔"

اسی انتشار و تضاد کی عکاسی ان مختلف مشوروں سے بھی ہوتی ہے جو اس موقع پر امت کو دیئے جا رہے ہیں، بعض لکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کانگریس پارٹی کا ساتھ دینا چاہیے، اور اسی کے پلیٹ فارم سے اپنے مسائل کو حل کرنے اور فرقہ پرستوں کو زیر کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جبکہ بعض دوسرے لوگ یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ کانگریس سے قطع تعلق کر کے جنتا پارٹی سے تعلقات استوار کرنا چاہیے۔ بعض لوگ کمیونسٹ پارٹی کی طرف رجحان رکھتے ہیں۔

ان میں سے ہر ایک اپنے مشورہ کی صحت کے سلسلہ میں دلیل بھی پیش کرتا ہے۔ ان مختلف مشوروں کی موجودگی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آزادی کے بعد تقریباً نصف صدی گذرنے پر بھی سیاسی پارٹیوں کے سلسلہ میں ملت کے ذمہ دار حضرات کوئی متحدہ موقف اختیار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں، اور سیاسی پارٹیوں کے سلسلہ میں مجموعی طور پر ان کا حسنِ ظن قائم ہے۔

اسی طرح ان تاثرات میں بھی کوئی یکسانیت نہیں ہے جو بابری مسجد کی شہادت کے بعد کانگریس کے ذریعہ عمل میں لائے جانے والے اقدامات سے متعلق ظاہر کئے گئے ہیں۔ مسلمانوں میں بعض لوگ ان اقدامات سے قدرے مطمئن نظر آتے ہیں جبکہ بعض دوسرے لوگ ان پر تنقید کرتے ہیں اور انھیں دکھاوے کے اقدامات کا نام دیتے ہیں۔

صورت حال کی سنگینی اس انتشار کا سبب ہے، امت کو اربابِ اقتدار اور برادرانِ وطن سے جو سخت صدمہ پہنچا ہے اسی کے نتیجہ میں فکری پراگندگی پیدا ہوئی ہے۔ جو لوگ صائب رائے اور دور رس نگاہ رکھتے ہیں انھیں اس بات کی کوشش کرنا چاہیے کہ امت کے افراد کی طرف سے منتشر افکار اور متضاد خیالات کے بجائے معقول اور منضبط باتیں سامنے آئیں، اور آزمائش کے اس مرحلہ میں ہمارے قلب و ذہن کا توازن برقرار رہے۔ ....

نمازوں کے بعد

دُعا سے متعلق

چند متوازن

تحریریں

محدث میں اس سے قبل ہم نے ایک تحریر دعا سے متعلق شائع کرکے یہ اعلان کیا تھا کہ اب اس موضوع پر مزید کوئی تحریر شائع نہیں کی جائے گی کیونکہ طرفین کے دلائل کا بڑا حصہ قارئین کے سامنے آچکا ہے، اب وہ جس رائے کو مناسب سمجھیں اس پر عمل کریں، اس اعلان سے یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ محدث میں ان دوسرے اہم مسائل پر توجہ مبذول کی جائے جو اس وقت سطح پر زیادہ نمایاں ہیں، اور امت کو ان کے بارے میں کتاب وسنت کی رہنمائی کا انتظار ہے۔

لیکن بیرون ہند سے بعض احباب کے مضامین اس اصرار کے ساتھ موصول ہوئے کہ ان کی اشاعت ضروری ہے، اسی کے پیش نظر ہم نے اپنا فیصلہ بدل کر محدث کا قدرے طویل یہ مشترک شمارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔

نماز کے بعد دعا سے متعلق مضامین سے قبل چند مضامین بابری مسجد کی شہادت اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال سے متعلق ہیں، یہ مسئلہ اب تحریر وتقریر کے دائرہ سے نکل کر کسی اور مرحلہ میں داخل ہوگیا ہے، لہذا امت کو اب ایک دوسرے رخ پر سوچنے کی ضرورت ہے، ہم جو مضامین شائع کررہے ہیں ان میں اس نوعیت کا اشارہ موجود ہے، آئندہ مزید عرض کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ!۔

ادارہ

نماز کے بعد ذکر یا دعاء کے متعلق
شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ
کا
نقطہ نظر

تلخیص و ترتیب / مولانا عبدالوہاب حجازیؒ

اس موضوع پر شیخ الاسلام کی متعدد و متفرق تحریروں کا یہ ملخص ہے جسے میں نے اپنے طور پر مرتب کیا ہے، اس سے مقصد یہ ہے کہ قارئین کے لئے اس مسئلہ کا فہم و ادراک سہل ہو جائے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ: کتب صحاح، سنن اور مسانید کی معروف احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے آخری حصہ میں نماز سے نکلنے سے پہلے دعا فرماتے تھے اور اپنے اصحابؓ کو اس کا حکم دیتے تھے اور انھیں اسے سکھاتے تھے۔ کسی نے یہ روایت نہیں کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے نماز سے نکلنے کے بعد آپؐ اور مقتدی سب ملکر دعا کرتے تھے نہ فجر میں اور نہ عصر میں اور نہ ان کے علاوہ دوسری نمازوں میں، بلکہ آپؐ سے یہ ثابت ہے کہ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوتے اور اللہ کا ذکر کرتے، اور نماز سے نکلنے کے بعد اللہ کا ذکر انھیں بھی سکھاتے، کتب صحاح و سنن و مسانید میں فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ منقول ہے وہ معروف ذکر ہے، امام اور مقتدی سب کا ملکر نماز کے بعد دعا کرنا بدعت ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا، آپؐ کی دعا نماز کے اندر ہوتی تھی، اس لئے کہ نماز پڑھنے والا اپنے رب سے مناجات اور سرگوشی کرتا ہے اس لئے جب وہ مناجات کی حالت میں دعا کرتا ہے تو یہی مناسب حال ہوتا ہے، مناجات اور خطاب سے نکلنے اور فارغ ہونے کے بعد دعا مناسب نہیں ہے۔

نماز کے بعد تہلیل، تکبیر اور تحمید پر مشتمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ذکر مسنون ہے، اس میں اعتباری مناسبت ظاہر ہے، نمازی جب تک نماز میں ہے اس سے نکلا نہیں وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اس وقت دعا اس کے مناسب حال ہے، لیکن جب اللہ کی مناجات اور سرگوشی سے لوگوں کی طرف پھر گیا تو اس کے لئے مناجات و سرگوشی اور دعا کے لئے کوئی مقام باقی نہیں رہا، اب اس کے لئے ذکر اور ثنا، کا مقام ہے، مناجات اور دعا، نماز میں اس کی طرف رخ کرنے اور متوجہ ہونے کے وقت ہے، اس سے نکلنے کے بعد ثنا اور ذکر اولیٰ ہے، صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام سے پہلے نماز کے آخری حصہ میں دعا فرماتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے، سلام پھیرنے کے بعد مصلّی حالتِ مناجات سے نکل جاتا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ سائل کا سوال اپنے رب سے اس کی مناجات اور سرگوشی کے حال ہی میں مناسب ہے نہ کہ مصلی اس وقت سوال کرے جب وہ مناجات و سرگوشی سے نکل چکا ہو جس طرح کوئی شخص بادشاہ یا کسی اور کو مخاطب کرے تو اس کا سوال اس وقت اولیٰ ہے جب وہ اس سے خطاب پر متوجہ ہو نہ کہ اس کی طرف سے پھر جانے کے بعد، نماز سے نکلنے اور سلام کرکے پھر جانے کے بعد جو ذکر مسنون ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ: ذکر کی مثال ایسی ہے جیسے آئینہ کو صیقل کرنے کے بعد اسے مسح اور صاف کرنا، بے شبہ نماز نور ہے، یہ دل کو صیقل کرتی ہے جیسے آئینہ کو صیقل کیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد ذکر آئینہ کو صاف کرنے کے منزلہ میں ہے۔

صحیح میں ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ سے مقتدیوں کی طرف پھیرنے سے پہلے آپؐ اللہ اکبر کہتے اور تین بار استغفر اللہ کہتے تھے پھر فرماتے: "اللّٰهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام" امام کے لئے سلام کے بعد قبلہ رخ ہو کر بیٹھنا اتنی ہی دیر تک مناسب ہے جب تک یہ کلمات ادا کرے، نماز کے بعد تسبیح و تکبیر مستحب ہے واجب نہیں ہے، اس سے پہلے اگر کوئی اٹھنا چاہے تو اٹھ سکتا ہے اسے منع نہیں کیا جائے گا، اور جو فعل مستحب انجام دینا چاہے اسے چھوڑنا نہیں چاہئے، البتہ مقتدی کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اس وقت اٹھے جب امام قبلہ سے پھر جائے، پھر جانے کے بعد جو چاہے اٹھ جائے اور جو چاہے کہ اللہ کا ذکر کرے وہ بیٹھا رہے، صحیحین میں مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر ادا فرماتے تھے: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شئ قدير، اللّٰهم لا مانع لما اعطيت، ولا معطى لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد"

اور صحیح میں ابن الزبیر کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات سے تہلیل کرتے تھے: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شئ قدير، لا حول ولا قوة إلا بالله، لا إله إلا الله

ونعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن، لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔"

اور صحیح میں ابن عباس سے مروی ہے: "ان رفع الناس اصواتھم بالذکر کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" وفی لفظ "کنا نعرف انقضاء صلوتہ بالتکبیر" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ذکر کے ساتھ لوگوں کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، "اور ایک روایت میں ہے "تکبیر کے ذریعہ ہم آپ کی نماز ختم ہونے کو جانتے تھے۔

نماز کے بعد جو اذکار نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو سکھاتے تھے وہ چھ قسم کے تھے:

۱۔ صحیح میں ہے آپ نے فرمایا: "من سبح دبر کل صلوٰۃ ثلاثا وثلاثین، وحمد ثلاثا وثلثین، وکبر ثلاثا وثلثین فتلک تسع وتسعون، وقال: تمام المائۃ: لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک، ولہ الحمد، وھو علی کل شئی قدیر: غفرت ذنوبہ ولو کانت مثل زبد البحر۔"

۲، ۳۔ صحیح میں یہ بھی مروی ہے: "سبحان اللہ، والحمد للہ، واللہ اکبر، ثلاثا وثلاثین" اس کی دو صورتیں ہیں: ۱۔ ہر کلمہ کو تینتیس بار کہے جس کا مجموعہ ننانوے ہوگا۔ ۲۔ ہر کلمہ کو گیارہ بار کہے جس کا مجموعہ تینتیس ہوگا۔

۴۔ ان کلمات کو دس دس بار کہا جائے جس کا مجموعہ تیس ہوگا۔

۵۔ تکبیر چونتیس بار کہے اس سے بھی مجموعہ سو ہوگا۔

۶۔ کلمات اربع یعنی کلمۂ توحید تمام کو لے کر ہر ایک کو پچیس پچیس بار کہے اس کا مجموعہ سو ہوگا۔ ذکر کے یہ تمام انواع ماثور ومسنون ہیں۔

نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کے متعلق جو روایت ہے اس کی سند اتنی ضعیف ہے کہ اس سے کسی سنت کا اثبات ممکن نہیں ہے، اسی لئے معتمد کتابوں کے مؤلف ائمہ نے اسے روایت نہیں کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور آپ کے خلفاء نماز کے بعد جہر کے ساتھ آیت الکرسی یا اس کے علاوہ قرآن نہیں پڑھتے تھے، اس لئے امام اور مقتدی کا اسے جہر سے پڑھنا اور اس پر مداومت کرنا بے شبہ بدعت مکروہہ ہے، یہ ایک شعار کی ایجاد ہے جیسے کوئی یہ امر ایجاد کرے کہ امام اور مقتدی ہمیشہ سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھیں، یا خواتیم سورہ بقرہ، یا اول سورہ حدید یا آخر سورۂ حشر وغیرہ، یا فرض کے بعد

---

* اس کا ایک قوی شاہد سنن کبریٰ نسائی میں بعد ایت الکرسی موجود ہے، انظر مشکوۃ ۱/۳۰۸ تحقیق البانی۔ (ع، ح)

امام اور مقتدی ہمیشہ دو رکعت نماز پر مداومت کریں، اس طرح کے امور لاریب بدعت ہیں ہاں اگر امام آیت الکرسی
اپنے دل میں پڑھے یا مقتدیوں میں سے کوئی پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اس کا پڑھنا عمل صالح ہے، اور
اس میں اسلامی شعائر کی تبدیلی نہیں ہے، جیسے کسی کو نماز کے بعد قرآن کے کسی حصہ اور کسی دعا اور ذکر کے ورد کا شغل ہو۔

پانچوں نمازوں کے بعد دعا نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور نہ آپ کے مقتدی، جس طرح کہ بعض لوگ فجر اور عصر
کے بعد کرتے ہیں، نہ ہی یہ کسی سے منقول ہے، اور نہ ائمہ میں سے کسی نے اسے مستحب کہا ہے، اور جس نے امام شافعی کے متعلق
یہ نقل کیا کہ وہ اسے مستحب مانتے تھے اس نے ان کے متعلق غلط نسبت کی، ان کی کتابوں میں جو الفاظ موجود ہیں وہ اس
کی نفی کرتے ہیں، اسی طرح احمدؒ وغیرہ ائمہ نے اسے مستحب نہیں ٹھہرایا ہے، البتہ امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ
وغیرہ کے اصحاب کے ایک گروہ نے فجر اور عصر کے بعد دعا کو مستحب قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں چونکہ ان دونوں نمازوں کے
بعد کوئی نماز نہیں ہے، اس لئے نماز کے عوض دعا کو مقرر کیا گیا، اس مسئلہ میں ان کے ساتھ سنت نہیں ہے جس سے یہ حجت
پکڑیں بلکہ قیاس ہے، اصحاب شافعی وغیرہ میں سے ایک گروہ نے پانچوں نمازوں کے بعد دعا کو مستحب مانا ہے، ان کے
ساتھ بھی سنت نہیں ہے، ان کا غایت تمسک "دبر الصلوٰۃ" کا لفظ مجمل ہے اور یہ معلوم ہے کہ صحیح، ثابت اور صریح
بلکہ متواتر سنت کی موجودگی میں لفظ مجمل اور قیاس کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ عام ماثورہ دعائیں نماز میں اور نماز
کے آخری حصہ میں ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ ایک مجمل لفظ سے ایسی سنت مشروع قرار دی جائے جو صریح الفاظ سے
ثابت متواتر سنت کے خلاف ہو، مگر یہ اصحاب شافعی وغیرہ اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص دعا نہ کرے اسے منع نہیں
کیا جائے گا، اور جو شخص اسے روکے گا باتفاق علماء وہ خطاکار ہے کیونکہ اس مقام پر ایجاب اور استحباب کسی طور پر اس
کا حکم نہیں دیا گیا ہے، دعا نہ کرنے والا اس سے زیادہ منع کرنے کا حق دار ہے، ایسے کام پر مداومت کرنا جس پر پانچوں
نمازوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مداومت نہیں کرتے تھے وہ مشروع نہیں بلکہ مکروہ کام ہے، جیسے نمازوں میں داخل
ہونے سے پہلے دعا پر مداومت کرے یا پہلی رکعت میں یا پانچوں نمازوں میں قنوت پر مداومت کرے، یا ہر نماز میں دعا
استفتاح جہر سے پڑھنے پر مداومت کرے یقیناً یہ مکروہ ہے، اگرچہ پانچوں نمازوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی
قنوت کی ہے اور عمرؓ کبھی کبھی دعاء استفتاح جہر سے پڑھتے تھے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک آدمی نے جہر
سے پڑھی تو آپ نے اسے اس پر ثابت رکھا، لہذا وہ تمام امور جن کا کبھی کبھی کرنا مشروع قرار دیا جائے، ان پر مداومت
مشروع قرار نہیں دی جاسکتی، اگر امام اور مقتدی کبھی کبھی کسی امر عارض کے سبب نماز کے بعد دعا کریں تو اسے سنت کے

مخالف نہیں سمجھا جائے گا جیسے کہ مداومت کرنے والے کو سمجھا جائے گا، اور صحیح حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام سے پہلے نماز کے آخری حصہ میں جسے احادیث میں " دبر الصلوٰۃ " سے تعبیر کیا گیا ہے دعا فرماتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے۔ اصحاب شافعی وغیرہ میں سے جو لوگ تمام نمازوں کے بعد دعا کے استحباب کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دعا جہر سے نہیں کی جائے گی الایہ کہ تعلیم کا قصد ہو ان کے ساتھ سنت نہیں ہے صرف یہ ہے کہ دعا مشروع ہے، اور نمازوں کے بعد اقرب الی الاجابۃ ہوگی حالانکہ شارع نے اسے نماز کے اندر مشروع کیا ہے، نماز سے نکلنے سے پہلے اس کے آخری حصہ میں دعا، سنت متواترہ سے مسنون و مشروع ہے، اور مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے، بلکہ سلف اور خلف کے ایک گروہ کا یہ بھی مسلک ہے کہ نماز کے آخری حصہ میں دعا واجب ہے، انہوں نے اس دعا کو واجب قرار دیا ہے جسے آخر نماز میں پڑھنے کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، آپ فرماتے ہیں: " اذا تشهد احدکم فلیستعذ باللّٰه من اربع: من عذاب جهنم، ومن عذاب القبر ومن فتنة المحيا والممات ومن فتنة المسيح الدجال." (مسلم وغیرہ) اور امام طاؤس حکم دیتے تھے کہ جو شخص اس دعا کو نہ پڑھے اسے نماز لوٹانی چاہیے، بعض اصحاب احمدؒ کا بھی یہی قول ہے، اس مقام پر اور دعاؤں کے لئے بہت سی احادیث ہیں، اس سلسلہ میں اصحاب مالکؒ میں سے بعض علماء نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر امام کے بیٹھنے کے قائل نہیں ہیں نہ ذکر کے ساتھ نہ دعا کے ساتھ نہ کسی اور کام کے ساتھ، ان کی دلیل سلف سے متعلق یہ روایت ہے کہ وہ سلام کے بعد امام کے لئے قبلہ کے رخ پر بیٹھے رہنے کو مکروہ سمجھتے تھے، اس سے انہوں نے گمان کیا کہ یہ امر امام کو اس کی جگہ سے کھڑے ہو جانے کو واجب قرار دیتا ہے، انھیں یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ امام کے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے سے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے، یہ تفریط اور ضیاع کا راستہ ہے، یہ لوگ نماز کے بعد مشروع قعود کو بھی مستحب نہیں گردانتے اور نہ ذکر ماثور کو عمل میں لاتے ہیں بلکہ اسے مکروہ بھی گردانتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں، انھیں کے مقابل علماء کا ایک گروہ ایسا ہے جو نماز کے بعد اس طرح دعا کو مستحب گردانتا ہے جو سنت میں وارد نہیں، یہ لوگ امر غیر مشروع کے ساتھ افراط، زیادتی اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، اور دین تو مشروع کے حکم دینے کا نام ہے نہ کہ غیر مشروع کا۔ ساتھ ہی یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہاتھوں کے اٹھانے کے متعلق بہت سی صحیح احادیث آئی ہیں، لیکن دعا کے بعد آپ کے اپنے چہرہ پر اپنے ہاتھوں کے پھیرنے کے متعلق ایک یا دو حدیثیں آئی ہیں جو ضعف کے سبب اس قابل نہیں کہ ان سے کسی امر شرعی کے لئے حجت قائم ہو۔

غرض نماز کے بعد امام اور مقتدی سب کا ملکر دعا کرنا لاریب اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے، آپ ماثورہ اذکار پڑھتے تھے، اگر آپؐ ایسا کرتے تو آپ کے اصحابؓ اسے ضرور نقل کرتے پھر تابعین پھر علماء اسے بیان کرتے جس طرح دوسرے امور انہوں نے نقل کئے ہیں، دعاؤں سے متعلق احادیث میں جو " دبر الصلوۃ " کا لفظ آیا ہے جس میں دعائیں کرنے کا حکم آیا ہے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس طرح " دبر الانسان " اس کے آخری جزء کو کہتے ہیں یا لفظ " عقب " سے مراد کسی چیز کا جزء مؤخر ہے جیسے انسان کی ایڑی، اور کبھی وہ بھی مراد ہوتا ہے جو اس سے قریب ہو اسی طرح " دبر الصلوۃ " سے مراد اس کا آخری جزء ہے اور کبھی آخری جزء سے جو قریب حصہ ہے وہ مراد ہوتا ہے، لہذا " دبر الصلوۃ " کے مقام پر جو دعا مذکور ہے اس سے نماز کا آخری جزء مراد لیا جائے تاکہ بقیہ احادیث کے موافق ہو جائے، یا اس سے نماز کے آخری جزء سے قریب کا حصہ مراد لیا جائے اور یہ تشہد کے بعد کا حصہ ہے اسے نماز کی تکمیل اور اس سے فراغت کا نام بھی دیا جاتا ہے جہاں نماز کے منافی صرف سلام ہی باقی رہ جاتا ہے، یا یہ کہ یہ لفظ مطلق یا مجمل ہو، بہر حال یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے مابعد السلام کی تخصیص کی جائے، اس لئے کہ عام ماثورہ دعائیں سلام سے پہلے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ ایک مجمل لفظ سے ایک ایسی سنت مشروع قرار دی جائے جو صریح الفاظ سے ثابت سنت متواترہ کے خلاف ہو۔

مسلمانوں کے مابین اس امر میں کوئی نزاع نہیں کہ نماز میں دعا کی جاتی ہے، صحیح میں یہ ثابت ہے کہ دعاء استفتاح میں آپؐ " اللّٰھم باعد بینی وبین خطایای الخ " پڑھتے تھے، صحیح میں یہ بھی ثابت ہے کہ رکوع سے سر اٹھانے پر آپ دعاء پڑھتے تھے اور رکوع وسجود میں بھی دعا پڑھنا آپؐ سے ثابت ہے خواہ نفل ہو یا فرض ہو، اور آخر نماز میں دعا تواتر کے ساتھ آپ سے ثابت ہے۔ صحیحین میں ہے ابو بکر صدیقؓ نے کہا:

یارسول اللہ علمنی دعاء ادعو بہ فی صلاتی فقال، قل، اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا فاغفرلی
اے اللہ کے رسولؐ مجھے ایسی دعا سکھا دیجیے جسے میں اپنی نماز میں پڑھوں تو آپؐ نے فرمایا یہ کہو۔ الخ

لہذا جب دعا نماز میں مشروع ہے خاص طور پر نماز کے آخری حصہ میں تو اللہ تعالیٰ کے فرمان " فإذا فرغت فانصب وإلی ربك فارغب " کا یہ معنی بیان کرنے سے کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں جٹ جاؤ نماز کے اخیر حصہ میں دعا ممنوع ہو جائے گی، حالانکہ وہ نماز میں دعا ہی کے لئے کوشاں تھا نہ کہ اس سے فارغ تھا پھر کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ نماز کے اندر کی دعا کے مقابل نماز سے نکلنے کے بعد کی دعا زیادہ مضبوط اور قوی ہوتی ہے لہذا اس آیۃ

یا صحیح معنی یہی ہے کہ جب اشغال دنیا سے فارغ ہو جاؤ تو عبادت میں جٹ جاؤ، قاضی شریح عید کے روز بھکڑوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے جو کھیل کود رہے تھے، انہوں نے کہا: تم لوگ کیوں کھیل کود رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم فرصت وفراغت پاچکے ہیں، قاضی شریح نے کہا: کیا فرصت وفراغت پانے والے کو اسی کا حکم دیا گیا ہے، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: " فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب " یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مشابہ ہے: "یاایها المزمل، قم اللیل إلا قلیلا " الی قوله " ان ناشئة اللیل ھی أشد وطئا واقوم قیلا، ان لك فی النھار سبحا طویلا " یعنی دن میں آنے جانے کا شغل ہوتا ہے، اور رات میں تم فارغ ہوتے ہو۔ پہلی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ اپنے اشغال سے فارغ ہونے کے بعد عبادت کی کوشش کرو۔ دوم یہ کہ تمہاری رغبت تمہارے رب کی طرف ہو نہ کہ اس کے غیر کی طرف جیسے کہ: " إیاك نعبد، وإیاك نستعین " میں ایاك نعبد، فانصب کے موافق ہے اور ایاك نستعین " والی ربك فارغب " کے موافق ہے۔

" دبر الصلوة " کے لفظ کے ساتھ جو احادیث آئی ہیں ان میں بخاری میں مروی وہ روایت ہے جو سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو یہ کلمات سکھاتے تھے، جیسے معلم بچوں کو لکھنا سکھاتا ہے اور کہتے تھے: أن رسول اللہ کان یتعوذ بھن دبر الصلوة: اللّٰھم إنی أعوذ بك من البخل، وأعوذ بك من الجبن، وأعوذ بك أن أرد إلی ارذل العمر، واعوذ بک من فتنة الدنیا، واعوذ بك من عذاب القبر" اور نسائی میں ابو بکرہؓ سے مروی ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر الصلوة: اللّٰھم انی أعوذ بك من الکفر والفقر، وعذاب القبر" اور نسائی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں: دخلت علی امرأة من الیھود، فقالت: إن عذاب القبر من البول، فقلت: کذبتِ فقالت: بلی، إنا لنقرض منه الجلد والثوب، فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إلی الصلوة وقد ارتفعت أصواتنا، فقال: ما ھذا؟ فاخبرته بما قالت: قال: صدقت، فما صلی بعد یومئذ إلا قال فی دبر الصلوة: اللّٰھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل أجرنی من حر النار، وعذاب القبر" شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بعض مصنفین کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ظاہر یہ ہے کہ ان احادیث میں " دبر الصلوة " سے مراد قبل السلام ہے، اس سے ان احادیث کے ساتھ توفیق و تطبیق

ہوجاتی ہے جو عائشہؓ، ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ صحابہ سے مروی ہیں، شیخ الاسلامؒ کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس مصنف نے جو کہا ہے وہی صحیح ہے چنانچہ یہودی عورت سے متعلق عائشہؓ کی حدیث صحیح میں آئی ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا اور ان سے کہا کہ اللہ تمہیں عذاب قبر سے پناہ میں رکھے، چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ہاں عذاب قبر حق ہے، عائشہؓ کہتی ہیں: "فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلوۃ إلا تعوذ من عذاب القبر" میں نے دیکھا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو عذاب قبر سے پناہ مانگتے، اس باب کی احادیث ایک دوسرے کے موافق و مطابق ہیں، اور صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعو فی الصلوۃ: اللّٰھم إنی اعوذبک من فتنۃ المحیا والممات، اللّٰھم إنی اعوذ بک من المغرم والمأثم. الخ. اور مسلم وغیرہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے: "أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلمھم ھذا الدعاء کما یعلمھم السورۃ من القرآن یقول: اللّٰھم إنی أعوذبک من عذاب جھنم واعوذبک من عذاب القبر واعوذبک من فتنۃ المحیا والممات، واعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال" اور مسلم وسنن ثلاثہ میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إذا فرغ احدکم من التشھد الأخیر فلیتعوذ باللہ من أربع: من عذاب جھنم، ومن عذاب القبر، ومن فتنۃ المحیا والممات، ومن فتنۃ المسیح الدجال." اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں ملتے جلتے معانی پر مشتمل دعائیں مذکور ہیں، وہ سب ماقبل السلام پر محمول ہیں۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ "دبر الصلوۃ" کا لفظ جو احادیث میں وارد ہے اس سے کبھی نماز کا آخری جزء مراد لیا جاتا ہے جیسے کہ "دبر الشیئ" سے اس کا جزء مؤخر مراد لیا جاتا ہے اور کبھی مابعد السلام مراد لیا جاتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ومن اللیل فسبحہ وادبار السجود-(ق/۴۰)" اور کبھی دونوں کا مجموع مراد لیا جاتا ہے حاصل یہ کہ یہاں دو امر ہیں (۱) منفرد مصلی کی دعا جیسے صلوۃ استخارہ پڑھنے والے مصلی کی دعا نیز اس کے علاوہ دیگر نمازیں اور مصلی کا تنہا دعا کرنا خواہ امام ہو یا مقتدی اس سے متعلق حدیث ابو امامہ: "قیل یا رسول اللہ أی الدعاء اسمع؟ قال جوف اللیل الأخیر، ودبر الصلوات المکتوبۃ"[1] کے ذیل میں شیخ الاسلام نے لکھا ہے کہ واجب ہے کہ اسے مابعد السلام کے ساتھ خاص نہ کیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ ماقبل السلام کو شامل ہو اور اگر کہا جائے کہ یہ

---

[1] ابوداؤد، یہ روایت ... ضعیف ہے۔ (۲/۶۰)

ما قبل السلام اور مابعدہ کو عام ہے، لیکن یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ سلام کے بعد امام اور مقتدی کی اجتماعی دعا سنت ٹھہرے جیسے کہ اس کے مثل ما قبل السلام میں لازم نہیں ہے، بلکہ جب ہر ایک تنہا سلام کے بعد دعا کرے تو یہ سنت کے مخالف نہیں ہے۔ (۲) امام اور مقتدی سب مل کے دعا کریں اس دوسری صورت کو لاریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نمازوں کے بعد نہیں کیا ہے، جس طرح کہ ماثورہ اذکار آپؐ کیا کرتے تھے اس لئے کہ اگر آپؐ نے ایسا کیا ہوتا تو آپ کے صحابہؓ اسے آپ سے ضرور نقل کرتے، پھر تابعین اور پھر علماء، جس طرح انہوں نے اس کے علاوہ دوسرے امور آپ سے نقل کئے۔

تسبیح کا انگلیوں پر گننا سنت ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا: "سبحن واعقدن بالأصابع فانهن مسئولات مستنطقات"، گٹھلیوں اور کنکریوں وغیرہ پر گننا بھی اچھا ہے، ابو ہریرہؓ اور بعض امہات المومنین ایسا کرتی تھیں، البتہ دانے دار تسبیح کی مالائیں اگر بے ضرورت اور اظہار کے لئے ہوں تو یا تو یہ ریاء ہے اور یہ حرام ہے یا بے ضرورت ریاکاروں سے مشابہت ہے اور یہ کم سے کم مکروہ ہے عبادات مختصہ جیسے نماز، روزہ، ذکر اور قرأت قرآن میں ریاء اعظم ذنوب میں سے ہے۔

اذکار اور دعوات افضل عبادات میں سے ہیں اور عبادات کی بنا توقیف اور اتباع پر ہے نہ کہ ھویٰ اور ابتداع پر، اس لئے ذکر و دعا کے قصد کرنے والے کیلئے سب سے افضل ادعیہ و اذکار نبویہ ہی ہیں، یہ امن و سلامتی کا راستہ ہے ان سے جو فوائد و نتائج حاصل ہوتے ہیں کوئی زبان نہ اسکی تعبیر کر سکتی ہے نہ کوئی انسان اس کا احاطہ کر سکتا ہے، ان کے ماسوا اذکار کبھی حرام ہوتے ہیں، کبھی مکروہ ہوتے ہیں، اور کبھی ان میں ایسا شرک ہوتا ہے کہ اکثر لوگ اسے نہیں جان پاتے لہذا کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ لوگوں کے لئے غیر مسنون اذکار و ادعیہ ایجاد کرے اور اسے ایسی عبادت راتبہ بنا دے کہ لوگ اس پر اس طرح مواظبت کریں جیسے پانچوں نمازوں پر کرتے ہیں بلکہ یہ ایسے دین کی ایجاد ہے کہ جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے بخلاف اس کے کہ کوئی آدمی کبھی کوئی دعا کر لیتا ہے بغیر اس کے کہ اسے لوگوں کے لئے سنت بنائے، ایسی دعا کے متعلق اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام معنی پر مشتمل ہے تو اس کی تحریم پر جزم جائز نہیں لیکن کبھی اس میں یہ چیز ہوتی ہے اور آدمی کو اس کا شعور نہیں ہوتا، یہ اور ضرورت کے وقت انسان کی زبان پر جاری ہونے والی دعائیں ایک دوسرے کے قریب ہیں البتہ غیر شرعی ورد اور غیر شرعی ذکر کو مسنون بنا لینا ممنوع امور میں سے ہے۔

اللہ کے ذکر کے لئے اجتماع، کتاب اللہ کا استماع اور دعا عمل صالح ہیں، لیکن مناسب ہے کہ کبھی کبھی بعض اوقات

اور مقامات میں ہو، کسی بھی امر کو سنت راتبہ نہیں بنایا جا سکتا کہ اس کی محافظت کی جائے مگر وہ امور جن پر مداومت کو جماعات کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا ہے جیسے پانچوں نمازیں جماعات کے ساتھ اور جمعہ اور عیدین وغیرہ۔

ہاں نماز، قرأت قرآن، ذکر اور صبح و شام اوراد وغیرہ کو دعا جیسے اپنے اوراد پر انسان کی محافظت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دور قدیم و جدید میں اللہ کے بندوں میں سے صالحین کی سنت رہی ہے لہٰذا جن امور کو اجتماعی صورت میں مسنون قرار دیا گیا ہے جیسے فرض نمازیں تو اسے ایسا ہی کیا جائے گا اور جن اوراد پر مداومت انفرادی صورت میں مسنون قرار دی گئی ہے ان پر ایسا ہی عمل ہوگا جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی کبھی اکٹھا ہوتے کسی ایک کو حکم دیتے وہ پڑھتا اور باقی لوگ سنتے، اور عمرؓ بن خطاب کہتے تھے: "یا أبا موسیٰ ذکرنا ربنا" چنانچہ وہ پڑھتے اور سب سنتے، اور بعض صحابہؓ کہتے: "اجلسوا بنا نؤمن ساعة" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار اپنے اصحابؓ کے ساتھ جماعت سے نفلی نمازیں پڑھیں، آپؐ اصحابؓ صفہ کے پاس تشریف لے گئے ان میں ایک قاری تھے جو پڑھتے تھے آپؐ ان کے ساتھ بیٹھے اور سنتے رہے۔

اور سماعِ مشروع جو اس امت کے خیار و صالحین کا سماع ہے اور جو رب کے لئے وسیلہ بنتا ہے وہ کتاب اللہ کا سماع ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لیس منا من لم یتغن بالقرآن" نیز فرمایا: "زینوا القرآن بأصواتکم" کتاب و سنت میں یہی سماع ممدوح ہے، لیکن جب امت کا ایک گروہ اس سماع سے غافل ہو گیا تو ان میں عداوت و بغض ڈال دیا گیا پھر ایک جماعت نے قصائد، تالی اور غناء کے سماع کی ایجاد کی اور اللہ نے جس تالی اور سیٹی کی مذمت کی تھی اس کی مشابہت کرنے لگے، اور نصاریٰ کی بدعات کی مشابہت اختیار کر لی، انھیں کے مقابل ایک جماعت ہے جس کے دل اللہ کے ذکر کے لئے سخت ہو گئے، یہ پتھر بلکہ ان سے بھی سخت ہیں، اس امر میں یہ یہود کی سنگدلی کے عیب کی مشابہت کرتے ہیں۔ دین وسط وہی ہے جس پر قدیم و جدید دور میں اس امت کے خیار و صلحاء قائم رہے ہیں۔

مولانا محمد مستقیم سلفی صاحب

کے مضمون کا ایک جائزہ

از مولوی سرور عالم سلفی
(متحدہ عرب امارات)

موقر ماہنامہ محدث جب ہاتھ میں آتا ہے تو بڑی مسرت ہوتی ہے، متنوع موضوعات
معیاری مضامین اور فکر انگیز مقالے اس مجلہ کی زینت ہوتے ہیں، اور یہی علمی حلقہ
ں توقع بھی ہے کیونکہ یہ مجلہ خالص کتاب وسنت کی طرف دعوت دینے والے ہندوستان
کے سب سے بڑے اور مرکزی ادارے کا ترجمان ہے۔ لیکن اگست وستمبر ۹۲ء کے
شماروں میں "نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے
ولانا محمد مستقیم صاحب کا جو مضمون شائع ہوا ہے اس سے علمی حلقوں میں قدرے بے اطمینانی
پیدا ہو گئی ہے۔ مذکورہ مضمون کی سرخی پر جب نظر پڑی تو اشتیاق ہوا کہ پڑھ کر دیکھا
جائے ممکن ہے کوئی نئی تحقیق ہو، مگر مندرجات پر عابرانہ نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہو گیا کہ
صاحب مضمون نے کوئی تحقیق پیش کرنے کے بجائے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کو
شروع و مستحب قرار دینے والے حلقہ کی نمائندگی و تائید کی ہے۔ محدث میں کسی ادارتی
نوٹ کے بغیر ایسا مضمون شائع کرنے سے بہت سے لوگوں کو تعجب ہوا، بعض لوگوں نے اسے
مجلہ کے معیار کے خلاف تصور کیا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ مذکورہ مضمون کا جائزہ لے کر

دوسرے نقطۂ نظر کو بھی واضح کردوں، اور دلائل کی روشنی میں جو بات صحیح سمجھتا ہوں اسے پیش کردوں۔

کسی مضمون میں جب ایسے کسی شرعی مسئلہ پر قلم اٹھایا جائے جس میں علماء کا نقطۂ نظر مختلف ہو تو بڑی دقت واحتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، اور علم حدیث سے متعلق مصطلحات وقواعد کی چھان بین کرنا پڑتی ہے، ساتھ ہی فریق مخالف کے نقطۂ نظر اور دلائل پر غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ سلسلۂ کلام میں الجھاؤ نہ پیدا ہو اور قلم سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو مبحث کے شایان شان نہ ہو۔

شریعت کے جن مسائل کے سلسلہ میں علماء کا اتفاق ہے یا جن مسائل سے متعلق واضح نصوص موجود ہیں ان پر اظہار خیال کا معاملہ زیادہ مشکل نہیں ہے، لیکن جب کوئی مسئلہ استنباطی واجتہادی ہو اور اس کے سلسلہ میں بہت زیادہ واضح اور قطعی نصوص موجود نہ ہوں تو ایسی صورت میں ہمارے علماء نے احتیاط کی راہ اختیار کی ہے، اور آج بھی اسی کو اختیار کرنا مناسب ہے، اختلافی مسائل پر قلم اٹھاتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر کو واضح اور مدلل کرنے کے ساتھ ہی مخالف نقطۂ نظر کو ذہن میں رکھنے اور اس کے دلائل پر تبصرہ کرنے کی بھی ضرورت ہے تاکہ پڑھنے والا مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کوئی رائے قائم کرسکے۔

قارئین کرام! اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں اور مولانا سلفی صاحب کے ان اوہام کا ذکر کرتے ہیں جو مذکورہ مضمون میں واقع ہوئے ہیں۔ موصوف نے آغاز مضمون میں جو تمہید لکھی ہے اس میں پانچ عدد حدیثیں مذکور ہیں، ان میں سے تین کے متعلق موصوف سے جو غلطیاں ہوئی ہیں وہ پیش خدمت ہیں:

۱۔ حدیث: "الدعاء مخ العبادة" دعاء عبادت کا مغز ہے۔

ضعیف حدیث ہے، اس کے بارے میں میں دو باتیں عرض کرنا چاہوں گا:

ا۔ پہلی بات تو یہ کہ موصوف کو اس حدیث کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس کے بعد والی حدیث

کافی تھی، یعنی "الدعاء هو العبادة"۔

ب۔ دوسری بات یہ کہ اگر اس حدیث کا ذکر کرنا جناب کے نزدیک ضروری ہی تھا تو بالجزم نہیں بصیغۂ تمریض ذکر کر دیتے یا اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہی کر دیتے۔

۱۔ حدیث ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ:

"قيل يارسول الله اى الدعاء اسمع ؟ قال جوف الليل الأخير ودبر الصلوات المكتوبات"

(کہا گیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرضی نمازوں کے بعد)۔

اس کو ترمذی" (۳۴۹۹) اور نسائی نے " عمل اليوم والليلة " (۱۰۸) میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ اس کی سند یوں ہے:

"ابن جريج عن ابن سابط عن أبي امامة رضى الله تعالىٰ منه"

اس میں تین علتیں ہیں:

۔ ابن جریج مدلس ہیں، بلکہ دارقطنی نے کہا ہے کہ سب سے بری تدلیس ابن جریج کی تدلیس ہے، کیونکہ وہ کسی حدیث میں اسی وقت تدلیس کرتے ہیں جب انہوں نے وہ حدیث کسی مجروح راوی سے سنی ہو۔ ملاحظہ ہو: "تہذیب التہذیب" ۳۵۹/۶، طبقات المدلسین۔

اور ابن جریج نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے۔

ب۔ اس سند میں انقطاع بھی ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن سابط کا ابوامامہؓ سے سماع نہیں، جیسا کہ ابن معین نے کہا ہے۔

ج۔ اس حدیث میں "دبر الصلوات المكتوبات" کا اضافہ شاذ ہے، کیونکہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی دیگر پانچ سندیں بھی ہیں مگر ان میں یہ اضافہ نہیں ہے بلکہ ان میں اس حدیث کا صرف پہلا ہی ٹکڑا ہے یعنی "جوف الليل الآخر" (الفتوحات الربانية (۳۰/۳) نقلا عن تعليقات الأخ الفاضل الشيخ عبدالرؤف على كتاب صلاة الرسول ح رقم ۴۳۵ - الطبعة الجديدة)۔

۲۔ حدیث: إن الله يستحي أن يبسط إليه عبده يده يسأله بهما خيرا فيردهما خائبتين۔

(مصنف ابن ابی شیبة ۲۴۰/۱۰)

یہ حدیث ،الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ابو داؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ ، مسند احمد بن حنبل اور مستدرک حاکم میں مرفوعاً صحیح سند کے ساتھ موجود ہے ، موصوف اس حدیث کے لیے صرف "مصنف ابن ابی شیبہ" کا حوالہ دیکر دو بڑی اہم علمی غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔

ا ___ مولانا نے حدیث مذکور کے لئے صرف "مصنف ابن ابی شیبہ" کا حوالہ دیا ہے اور مذکورہ کتب حدیث کو جو کہ "مصنف" سے رتبے کے اعتبار سے اعلیٰ وارفع ، مشہور اور مستند ہیں چھوڑ دیا ہے ، اور یہ قاعدے کے لحاظ سے بہت بڑی بات ہے۔

ب ___ "مصنف" والی روایت موقوف ہے ، جب کہ مذکورہ کتب حدیث میں یہ روایت مرفوعاً صحیح سند کے ساتھ ہے ، اور مرفوع صحیح روایت کو چھوڑ کر موقوف کو بطور حجت پیش کرنا دانائی ودانش مندی کی بات نہیں۔

تمہید : کے بعد موصوف اصل مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اب رہا یہ مسئلہ کہ نماز وغیرہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا جاسکتا ہے (کذا) یا نہیں ؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ نماز فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے"

قلت : یہ محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ، چنانچہ اگلے صفحات میں آپ کو ان شاء اللہ اس کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا ، اور موصوف کے دعوے کی حقیقت سامنے آجائے گی ___ آگے فرماتے ہیں :

"البتہ جن روایتوں میں صراحت کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ذکر آیا ہے ان میں سے ہر ایک پر محدثین کرام نے کلام کیا ہے ، لیکن وہ کلام ایسا نہیں کہ جس سے ان احادیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جائے بلکہ تمام روایتیں ایک دوسرے کو تقویت دے کر حسن لغیرہ کے درجے میں پہونچ جاتی ہیں لہذا ان روایتوں سے جواز یا استحباب ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں"

___ میں کہتا ہوں : جی ہاں ! کیوں نہیں ؟ حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ جسے آپ نے پہلی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے ، اسے موضوع کہنے میں کوئی باک نہیں ، کیونکہ اس کی سند میں ایک متہم راوی ہے ، رہیں بقیہ تینوں روایتیں تو ان پر موضوع ہونے کا حکم تو نہیں لگایا جاسکتا ہے مگر وہ اس حال میں بھی نہیں ہیں کہ کسی مسئلے کے اثبات میں کسی کی دستگیری کر سکیں ، کیوں کہ وہ ایسی علتوں اور امراض سے دوچار ہیں کہ ان میں خود اپنے قدم وساق پر کھڑے ہونے کی سکت نہیں ، چہ جائے کہ وہ کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے لاٹھی کا کام کر سکیں۔

رہا موصوف کا یہ کہنا کہ "یہ تمام روایتیں ایک دوسرے کو تقویت دیکر حسن لغیرہ کے درجہ میں پہونچ جاتی ہیں"

"تو یہ محض خام خیالی ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ولتعلمن نبأہ بعد حین۔

— موصوف رقمطراز ہیں:

"اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنے کی ممانعت یا آپ کے لئے خصوصیت کسی طرح ثابت نہیں، اس لئے امام و مقتدی دونوں اجتماعی و انفرادی حیثیت سے نماز کے بعد دعا مانگیں تو کوئی حرج نہیں ہے"

— مولانا کی یہ بات بہت افسوسناک اور انتہائی درجے کی خطرناک بھی ہے، اگر ہمارے سلفی علماء بھی اس قسم کی باتیں کرنے لگیں تو پھر ــــ سلفیت کا اللہ ہی حافظ ہے، بس تو ہمیں یہی دعا کرنی چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے، اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ موصوف کا اگر یہ مذکورہ قاعدہ استعمال میں لایا جائے تو نتیجہ بہت برا ہوگا، بدعات و خرافات کا ایک اتنا بڑا دروازہ کھل جائے گا کہ جس کا بند کرنا محال ہوگا، دین میں اختراع و ابتداع کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا صرف اسی بنیاد پر کہ اس بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ممانعت نہیں آئی ہے، یہاں امارات میں کئی بار ایسا اتفاق ہوا کہ سلفیت کے دعویدار موصوف جیسے سیدھے سادے لوگوں سے بحث و نقاش کے مواقع آئے تو ان بھولے بھالے مولویوں سے یہی غیر اصولی جواب سننے کو ملا، میں کہتا ہوں کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر ہمارے اور محرفین و مبتدعین، رضاخانی و چشتی بریلوی فرقہ ضالہ کے اسلوب فہم و فقہ، منہج فکر و نظر اور عقیدہ و ایمان میں کیا فرق؟ چھوڑ دیجئے پھر اتباع کتاب و سنت و اقتدائے سلف کے بلند بانگ دعوے! ترک کر دیجئے یہ کہنا کہ "مری نظر کو چاہیے وہی چراغ دور کا!" کہ آپ کے منہ سے یہ کچھ بھلا نہیں لگتا۔

موصوف کے اس اصول بے اصل اور قاعدۂ بے بنیاد کو لے کر تو ایک معمولی بدعتی بھی موصوف جیسے سلفیوں کی چند منٹ میں چھٹی کر دے گا، اور بے شمار ایسی بدعتیں کہ جنھیں موصوف بھی سنت و مستحب کہنے کے لیے تیار نہ ہوں گے، مگر مجبوراً اپنے اس مذکورہ اصول کی رو سے انھیں سنت و استحباب کا درجہ دینا پڑے گا، مثال کے طور پر:

۱ــــ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے بارے میں حکم فرمایا ہے کہ اس کے فضائل میں بے شمار حدیثیں وارد ہوئی ہیں، یہاں تک کہ اس کے احکام و فضائل میں ہمارے علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، ملاحظہ فرمائیں: جلاء الأفہام لابن القیمؒ، القول البدیع للسخاویؒ، فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاسماعیل القاضیؒ وغیرہ۔

اب ایک آدمی اذان سے پہلے اور بعد میں درود و سلام زور زور سے پڑھتا ہے اور کہتا کہ یہ سنت ہے۔

کیوں کہ اس کی فضیلت بہت ہے اور ایسا کرنے سے ممانعت کسی طرح ثابت نہیں، موصوف کا قاعدہ بھی یہی کہتا ہے تو کیا مولانا خود بھی اسے سنت کہنے کے لئے تیار ہیں ؟ اگر نہیں تو کیوں ؟ جب کہ یہ آپ کے اصول کے عین مطابق ہے۔

۲۔ ایک شخص عیدین اور خسوف وکسوف کے لیے اذان دیتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اذان بڑی فضیلتوں کی حامل ہے، اور موذن اللہ کی طرف دعوت دینے والا ہے (ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا) اور یہ کہ اس کے بارے میں ممانعت کسی طرح ثابت نہیں، کیا آپ اسے بھی سنت کہیں گے ؟ کہ یہ بھی آپ کے اصول کے موافق ہے۔

۳۔ دعاء کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں چنانچہ ایک خطیب خطبہ کے لئے اٹھتا ہے اور منبر پر چڑھنے سے پہلے منبر کے قریب کھڑا ہو کر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعاء کرتا ہے، شریعت سے اس کے بارے میں ممانعت کسی طرح ثابت نہیں، آپ کے متعین کردہ اصول کے بالکل مطابق ہے، لہذا اسے بھی سنت کا درجہ دیدیجئے یہ اور اس قسم کی بہت سی بدعتیں ہیں[1] جنھیں نہ چاہتے ہوئے بھی مولانا موصوف کو اپنے بنائے قاعدے کی پاداش میں سنن ومستحبات کے خانے میں ڈالنا پڑے گا، اور اس کا رد وانکار کرنا یا جواب دینا موصوف کے بس کی بات نہیں ہوگی۔

ہاں اللہ تعالی نے جنھیں فہم وبصیرت سے نوازا ہے، جو شریعت کے اصول وفروع پر گہری نظر رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس ان تمام چیزوں کا جواب موجود ہے بلکہ ممانعت کی شرعی دلیلیں بھی ہم رکھتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :

۱۔ اللہ تعالی فرماتا ہے : فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ امر پر زیادتی آپ کی صریح مخالفت ہے۔ اسی لیے جب ایک آدمی امام مالک رحمہ اللہ تعالی کے پاس آیا اور کہا کہ میں احرام کہاں سے باندھوں؟ تو حضرت امام نے جواب دیا : اس میقات سے جس کی تعیین نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور جہاں سے آپ نے خود احرام باندھا۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر میں اور پہلے سے باندھوں تو ؟ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا : میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ کی ناپسندیدگی کا سبب کیا ہے ؟ تو امام صاحب نے جواب دیا کہ میں تمہارے لئے فتنے کو ناپسند

---

(۱) یہ سب بدعتِ اضافیہ کے تحت آتی ہیں۔

کرتا ہوں، اس آدمی نے کہا کہ بھلا زیادتی خیر میں کون سا فتنہ؟ امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم۔
اور اس سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے جب تم یہ سمجھنے لگو کہ تم ایسی فضیلت سے شرف یاب ہوئے جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم محروم رہے۔

اور ایک روایت میں ہے: کہ اس سے بڑا فتنہ اور کون سا ہو سکتا ہے جب تم یہ سوچنے لگو کہ تمہاری پسند اللہ اور اس کے رسول کی پسند سے بہتر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (الباعث على انكار البدع والحوادث ص ۱۹، الاعتصام للشاطبي ۱/۱۰۰، اشراقة الشرعة ص ۹۶)۔

ج ــــ إياكم ومحدثات الأمور، فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة۔ (الارواء ۲۴۵۵)
اور جس بات سے بچنے کا حکم دیا گیا ہو، جو بدعت اور ضلالت ہو اس کا کرنا یقیناً ممنوع ہوگا۔

ح ــــ من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ وفي رواية: من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد۔ وفي رواية: من صنع أمرا على غير أمرنا۔ وورد أيضا بلفظ: كل عمل ليس عليه أمرنا۔ بخاری، مسلم، ابوداود، ابن ماجه، احمد، دارقطنی وغیرہ۔ (الارواء ۱/۱۲۸)
اور جو عمل مردود ہو اس کے کرنے کا جواز بھلا کیوں کر ہوگا۔

یہ اور اس قسم کی متعدد ممانعت کی شرعی دلیلیں ہیں لیکن اختصار کی خاطر انہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

د ــــ امور عبادات میں موصوف کو یہ کہنے کا کوئی جواز ہی نہیں کہ فلاں امر میں ممانعت کسی طرح ثابت نہیں، لہٰذا ایسا کرنا صحیح ہے کیوں کہ امور عبادات توقیفی ہیں اور ان میں اصل ممانعت ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے اور جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ:

امور دو قسم کے ہیں: امورِ عادات اور امور عبادات۔

ــ امور عادات کے جواز اور ان کو استعمال میں لانے کے لئے بس یہی بات کافی ہے کہ شریعت میں ان کے بارے میں نہی نہ آئی ہو، فقہا کے قول " الأصل في الأشياء الاباحة " یعنی اشیاء میں اصل اباحت اور جواز ہے، سے یہی مراد ہے۔

ــ رہے امور عبادات تو ان کے جواز اور مشروعیت کے لیے یہ کافی نہیں ہوگا کہ شارع حکیم نے ان سے منع

نہیں کیا ہے جیسا کہ بہت سے لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں بلکہ ایسے نص شرعی کا ثبوت ضروری اور لازمی ہے جو ان کی مشروعیت واستحباب کا مستلزم ہو کیوں کہ یہ اللہ تعالی کی قربت حاصل کرنے کی چیزیں ہیں اور قربت کے ثبوت کے لیے صرف یہ بات کافی نہیں کہ شریعت میں ان کے متعلق نہی وممانعت نہیں آئی ہے بلکہ اللہ تعالی کی قربت حاصل کرنا صرف اور صرف اسی چیز سے جائز ہے جس کی مشروعیت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو کیوں کہ ہماری عقلیں بغیر شریعت کی مدد کے یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کون سی چیز قربت ہے اور کون سی قربت نہیں ہے اور نہ ہی انسانی عقول کی طرف اس بات کی تفویض کی گئی ہے۔ یہ تو شارع حکیم کا حق ہے کسی انسان کی کیا مجال کہ اس بارے میں وہ ٹانگ اڑائے۔ بہرحال کسی بھی عبادت کی مشروعیت کے لئے ایسے نص شرعی کا ثبوت ضروری ہے جو اس کی مشروعیت کا مستلزم ہو صرف یہ بات دلیل نہیں ہو سکتی کہ شریعت میں اس کے متعلق ممانعت نہیں آئی ہے، اسی لیے بعض سلف نے کہا ہے کہ: "كل عبادة لم يتعبد ها أصحاب رسول الله صلى الله عليه فلا تتعبدوها" اور یہ قاعدہ ان احادیث سے ماخوذ ہے جو دین میں ابتداع واختراع سے منع کرتی ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنا پر کہا ہے: الأصل في العبادات المنع الا لنص وفي العادات الإباحة الا لنص۔

توقع ہے کہ مولانا اپنی غلط فہمی کو ان دلائل کی روشنی میں قولاً وعملاً دور کرلیں گے اور قاعدۂ مذکور کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں گے کہ یہ حق کی پہچان میں آپ کا بڑا مددگار ثابت ہوگا۔

رہی موصوف کی یہ بات کہ "آپ کے لیے خصوصیت ثابت نہیں" تو یہ سچ ہے کیونکہ خصوصیت کیلئے دلیل ضروری ہے مگر جناب خصوصیت کا دعویٰ کون کر رہا ہے؟ پہلے آپ یہ تو ثابت کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ أثبت العرش ۔۔۔۔۔

مولانا نے مسئلۂ زیر بحث کے لیے چار روایتوں کو بطور دلیل پیش کیا ہے، آیئے اب ہم بالترتیب ان کا جائزہ لیتے ہیں:

پہلی دلیل

حدثني احمد بن الحسن ادیبوية ثنا ابو يعقوب اسحاق بن خالد بن يزيد البالسي ثنا عبد العزيز بن عبد الرحمن البالسي القرشي عن خصيف عن انس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه [illegible] كفيه دبر كل صلاة ثم يقول اللهم الٰهي واله ابراهيم واسحاق ويعقوب واله جبريل وميكائيل

سرافیل أسألك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر.... الا کان حقا علی اللہ عزوجل ألا
یرد یدیہ خائبتین۔

یہ انتہائی کمزور حدیث ہے بلکہ موضوع کہنا چاہیئے، اس کی سند میں درج ذیل چار علتیں ہیں اگرچہ مولانا
موصوف کو صرف دو ہی نظر آئی ہیں۔

ا۔ اسحاق بن خالد ضعیف ہے، اس کے بارے میں ابن عدی نے کہا ہے کہ اس نے متعدد منکر احادیث روایت کی
ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ کامل ۱/۳۴۷، میزان ۱/۱۹۰۔

۲۔ عبدالعزیز بن عبدالرحمن کی احادیث جھوٹی اور من گھڑت ہیں، جیساکہ امام احمد بن حنبل نے کہا ہے۔
عبداللہ بن احمد اور ابن عدی کا کہنا ہے کہ اس کی خصیف سے بیان کردہ روایات باطل ہیں۔ ملاحظہ ہو
"ضعفاء عقیلی" (۳/۵۔۶) "کامل ابن عدی" (۳/۹۴۲۔ ترجمہ خصیف، ۵/۱۹۲۷۔ ترجمہ عبدالعزیز)
حافظ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ثقات سے بہت سی مقلوب اور اثبات سے غلط منسوب احادیث روایت کرتا ہے۔
آگے چل کر کہتے ہیں کہ اس سے کسی بھی صورت میں حجت لینا جائز نہیں۔ "مجروحین" (۲/۱۳۸)
"میزان" میں ہے: إتهمه الإمام احمد ... وقال ابن حبان: کتبنا عن عمر بن سنان، عن
اسحاق بن خالد البالسی، عنه نسخة شبیها بمائةِ حدیث مقلوبة، منها مالا أصل
له، ومنها ما هو ملزق بإنسان، لا یحل الاحتجاج به بحال۔" میزان" (۲/۶۳۱)۔
وقال النسائی وغیره لیس بثقة وضرب أحمد بن حنبل علی حدیثه۔" میزان "
(۲/۶۳۱)۔

تنبیہ: راوی مذکور (عبدالعزیز) کے بارے میں "میزان" کی یہ عبارت بھی شیخ الحدیث مبارکپوری صاحب حفظہ اللہ
کے فتوے میں مذکور ہے مگر مضمون نگار مولانا محمد مستقیم سلفی صاحب نے پتہ نہیں کیوں یہ عبارت چھوڑ دی حالانکہ
مذکورہ فتوے سے موصوف نے کئی چیزیں نقل کی ہیں، عربی میں بھی اور اردو میں بھی۔

۳۔ خصیف بن عبدالرحمن "سیئ الحفظ" ہے، جیساکہ حافظ ذہبی نے "کاشف" میں اور حافظ ابن حجر نے
"تقریب" میں کہا ہے۔ ذہبی نے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے، اور حافظ ابن حجر نے یہ اضافہ
بھی کیا ہے کہ آخر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔

د ـــ خصیف اور انس رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، کیوں کہ خصیف کی انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہے اور نہ ہی سماع ہے اس کی خصیف نے خود صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: "کامل ابن عدی" (۳/ ۹۴۱، ۹۴۲) اور "تہذیب الکمال" (۸/ ۲۶۰)

حافظ ابن حجر نے خصیف کے ترجمے میں کہا کہ عبدالعزیز نے ان کے واسطے سے انس رضی اللہ عنہ سے ایک منکر حدیث روایت کی ہے اور ان کا (خصیف کا) انس رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں۔ "تہذیب التہذیب (۳/ ۱۴۴) کیا پتہ کہ حافظ صاحب کی "منکر حدیث" سے مراد مذکورہ حدیث ہی ہو۔ واللہ اعلم۔ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ "ھذا الحدیث واہ" یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔ "تہذیب تاریخ دمشق" لابن ملان (۵/ ۱۴۳) بحوالہ الجامع الکبیر للسیوطی (من تعلیقات الأخ الفاضل عبدالروف علی کتاب صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ح رقم (۴۲۵)

دوسری دلیل

" قال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا ابو معمر المقرئ حدثنی عبد الوارث حدثنا علی بن زید عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدہ بعد ما سلم وھو مستقبل القبلۃ، فقال: اللھم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعہ وسلمۃ بن ھشام .... "

اس کو ابن ابی حاتم نے "تفسیر" میں روایت کیا ہے، دیکھیں "تفسیر ابن کثیر" (۱/ ۵۵۵) آیت ۹۸ تفسیر ابن جریر (۴/ ۲۳۶) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

مذکورہ حدیث سے درج ذیل وجوہ کی بنا پر مسئلہ زیر بحث پر استدلال کرنا باطل ہے:

ا ـــ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں علی بن زید بن جدعان ہیں جو ضعیف ہیں، جیسا کہ "تقریب" (۲/ ۳۷) میں ہے۔

ب ـــ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی سند میں اختلاف بھی ہے، ابن ابی حاتم کے یہاں علی بن زید نے اس حدیث کو سعید بن مسیب کے واسطے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب کہ ابن جریر کے یہاں انھوں نے اس کو سعید کی بجائے عبداللہ یا ابراہیم بن عبداللہ کے واسطے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ج ـــ علی بن زید نے تو اس حدیث کو یوں بیان کیا ہے جب کہ امام زہری نے ـ جو کہ ثقہ و حافظ ـ ہیں، اس حدیث

کو سعید بن مسیب سے یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد اس دعا کو مانگا کرتے تھے۔
اس حدیث کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سعید بن مسیب کے علاوہ دیگر تین سندیں بھی ہیں، ان تمام اسانید میں بھی اس دعا کو رکوع کے بعد ہی پڑھنے کا ذکر ہے۔
ان مختلف سندوں سے اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوعوانہ، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، احمد، ابن جارود، ابن خزیمہ، طحاوی، ابن حبان، دارقطنی، ابن حزم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔
ان تمام کتب میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو رکوع کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ علی بن زید کی جو روایت ہے اس میں انہیں وہم ہوا ہے اور چونکہ اس میں ثقات کی مخالفت ہے اس وجہ سے منکر قرار پائی ہے۔
د ـ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ یہ دعا، قنوت نازلہ کی دعا تھی یعنی ایک خاص سبب کی بنا پر تھی۔ لہذا اس سے عام حالات کی دعا پر دلیل لینا قطعاً صحیح نہیں۔ (تخریج وتعلیق "صلاۃ الرسول" ص رقم ۴۲۵، الطبعۃ الجدیدۃ)

تنبیہ: موصوف اس حدیث اور اس کے راوی بن جدعان کے متعلق محدثین کے کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "یہ بات مسلم ہے کہ ایسے مختلف فیہ راوی کی حدیث کو ضعیف تو کہا جاسکتا ہے لیکن ناقابل اعتبار واستشہاد کا حکم لگانا کسی طرح صحیح نہیں ہے"۔
ـ میں کہتا ہوں: صحیح فرمایا آپ نے، ایسے راوی کی حدیث شواہد میں حسن درجے کی ہے، بشرطیکہ کوئی اور دوسری علت نہ ہو مگر یہاں تو معاملہ ہی دیگر ہے اس راوی کا اس حدیث میں وہم ثابت ہوچکا ہے اور یہ کہ یہ روایت ثقات کی مخالفت کی وجہ سے منکر ہے، اور منکر روایت پر قابل اعتبار واستشہاد کا حکم لگانا کسی طرح صحیح نہیں۔

تیسری دلیل عن محمد بن ابی یحیی الأسلمی قال رأیت عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما ورأی رجلا رافعاً یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منہا قال إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلاتہ۔ قال الهیثمی: رواہ الطبرانی وترجم لہ فقال محمد بن ابی یحیی الأسلمی عن عبد اللہ بن الزبیر۔ ورجالہ ثقات۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۹)۔
مولانا موصوف یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "محمد بن ابی یحیی مذکور، ابوداؤد، ترمذی فی الشمائل،

نسائی، ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں، ان کو حافظ نے "صدوق" کہا ہے، اور عجلی نے لکھا ہے "ثقہ" اور ابن شاہین کہتے ہیں "فیہ لین" اور خلیلی نے کہا "ثقہ" (تہذیب التہذیب۔ ۹/۵۲۲)

اور پھر اپنا فیصلہ یوں صادر فرماتے ہیں: واضح ہو کہ یہ روایت حسن سے کم درجہ کی نہیں۔"

میں کہتا ہوں: کہ زیر بحث مسئلہ پر اس حدیث سے بھی استدلال کرنا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں۔

ا۔ طبرانی کبیر کا مطبوعہ نسخہ کچھ ناقص ہے اور مطبوعہ نسخے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی احادیث نہیں ہیں لہٰذا اس حدیث کی سند کے بارے میں اس وقت تک جب تک کہ سند سامنے نہ آجائے کچھ کہنا بہت بڑی جسارت ہوگی جس کا ارتکاب مولانا موصوف جیسا "محقق" ہی کر سکتا ہے، میں موصوف سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ اس سند کے رجال کون ہیں؟ اور اگر آپ کو نہیں معلوم (اور یقیناً نہیں معلوم) تو پھر آپ نے اس سند کے حسن ہونے کا حکم صادر کیسے فرمایا؟

ب۔ کسی حدیث کے بارے میں بعض محدثین کا یہ کہنا کہ "رجالہ ثقات" ان کے قول "اسنادہ صحیح" کے مساوی نہیں، اس لئے کہ یہ "اخیر" جملہ شروط صحت کے وجود کو ثابت کرتا ہے جن میں سے تمام علل سے سلامتی بھی ہے۔ بخلاف پہلے قول کے کہ وہ صرف ایک شرط کو ثابت کرتا ہے اور وہ ہے رجال کی عدالت اور ان کی ثقاہت، اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے صحت ثابت نہیں ہوتی" (تمام المنۃ للمحدث الألبانی: ص ۲۶)

یا بالفاظ دیگر: کسی حدیث کے راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث یا اس کی سند صحیح ہو، کیونکہ ممکن ہے اس سند میں انقطاع ہو یا اس میں کوئی راوی مدلس ہو، اور اس نے تحدیث یا سماع کی صراحت نہ کی ہو (۱) لہٰذا وہ حضرات جو کسی حدیث کی سند کے راویوں کے ثقہ ہونے کی بنا پر اس کو صحیح تصور کرتے ہیں وہ انتہائی غلطی پر ہیں۔

ج۔ حافظ ہیثمی کے بارے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ حافظ ابن حبان کی توثیق پر اعتماد کرتے ہیں، اور حافظ ابن حبان کی توثیق کے بارے میں بہت ہی احتیاط اور تحفظ کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ مجاہیل کو بھی ثقہ گردانتے ہیں طبرانی کے مشائخ کے بارے میں تو حافظ ہیثمی کا عجیب ہی قاعدہ ہے، چنانچہ وہ "مجمع الزوائد" (۱/۱۲) کے

---

(۱) اس کی سند اور متن میں اس کے علاوہ اور علتیں بھی ہو سکتی ہیں، کما لا یخفی علی المشتغلین بہذا الفن الشریف۔ سرورعالم۔

[مقدمہ] میں لکھتے ہیں "طبرانی کے وہ مشائخ جن کا ذکر "میزان" میں ہے ان کے ضعف پر میں تنبیہ کر دی ہے مگر جو اس میں نہیں ہیں ان کو میں نے ثقات میں شمار کیا ہے"

اب آپ ہی بتلائیے کہ جب صورت حال یہ ہے تو بھلا بغیر سند دیکھے ہوئے کوئی فیصلہ کیسے کر دیا جائے؟

(ملاحظہ فرمائیں: تخریج وتعلیق الأخ الفاضل حافظ عبد الرؤف علی کتاب "صلاۃ الرسول" حدیث رقم ۴۲۵)

(نیز ابن حبان کی توثیق کے بارے میں دیکھیں: تمام المنۃ ص ۲۵، التنکیل ۱/۴۵۰، ۴۵۱ کلاھما للألبانی)

تنبیہ (۱): محمد بن ابی یحیی الاسلمی درحقیقت "ابن شاہین" کے نزدیک بھی ثقہ ہیں۔ اپنی کتاب "تاریخ اسماء الثقات" میں ابن شاہین نے راوی مذکور کو ذکر کیا ہے۔ پتہ نہیں حافظ صاحب نے کہاں سے "تہذیب" میں ان کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ: قال ابن شاہین: "فیہ لین" دیکھیں "تاریخ اسماء الثقات" لابن شاہین (ص ۲۸۶ - ترجمہ رقم ۱۱۷۳)

تنبیہ (۲): موصوف نے محمد بن ابی یحیی کے بارے میں مندرجہ بالا ائمہ حدیث کے اقوال ذکر کیے ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ حافظ ابن حجر نے انہیں "صدوق" کہا ہے اور ان تمام باتوں کے لیے "تہذیب التہذیب" کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حافظ صاحب کا مذکورہ قول "تہذیب" میں ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ بات تو حافظ صاحب نے "تقریب" میں کہی ہے۔ دیکھیں "تقریب" (۲/۲۱۸)۔

چوتھی دلیل

"عن فضل بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الصلوٰۃ مثنی مثنی تشہد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن و تقنع یدیك یقول ترفعهما الی ربك مستقبلا ببطونهما وجهك وتقول یارب یارب ومن لم یفعل ذلك فقال فیه قولا شدیدا۔ الجامع للترمذی: (۱/۵۰) باب ما جاء فی التخشع فی الصلاۃ"

اس حدیث کو عبداللہ بن مبارک نے "مسند" (۵۳) اور "زہد" (۱۱۵۲) میں، احمد (۱/۲۱۱، ۴/۱۶۷) ترمذی (۳۸۵) ابو یعلی (۱۱/۷۸) ابن خزیمہ (۱۲۱۳) عقیلی (۳۱۰/۲، ۳۱۱) طبرانی (۵۱۸، ۲۹) اور بیہقی (۲/۴۸۷-۴۸۸) نے لیث بن سعد کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس کو طیالسی (۱/۱۱۷، ۱۱۸) احمد (۴/۱۶۷) ابوداؤد (۱۲۹۶) ابن ماجہ (۱۳۲۵) ابن خزیمہ (۱۲۱۲) عقیلی اور بیہقی نے شعبہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے مگر شعبہ سے اس سند میں متعدد غلطیاں ہوئی ہیں جیسا کہ امام بخاری نے کہا ہے۔

تفصیل ترمذی میں دیکھی جائے۔

یہ حدیث بھی مسئلہ زیر بحث کے لیے دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ :

ا — یہ حدیث بھی ضعیف ہے، اس کی سند میں عبداللہ بن نافع بن ابی العمیاء ہے جو کہ مجہول ہے، اس کو امام علی بن مدینی نے مجہول کہا ہے، دیکھیں "تہذیب" (۴۶/۶)، حافظ ابن حجر نے اس کو خود بھی "تقریب" (۴۵۶/۱) میں مجہول کہا ہے۔

امام بخاری نے کہا کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہے یعنی مذکورہ حدیث، ملاحظہ ہو: "تاریخ کبیر" (۲۱۳/۵) اور "کامل ابن عدی" (۱۵۴/۴)۔

امام ابن خزیمہ نے بھی اس کی عدم صحت کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ آپ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں" فإن ثبت الخبر "۔

حافظ عقیلی اس کو مذکورہ دونوں سندوں سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "فی الاسنادین جمیعا نظر"۔

رہا حافظ ابن حبان کا اس کو "ثقات" میں ذکر کرنا تو اس کا اعتبار نہیں، کیونکہ وہ مجاہیل کو بھی ثقہ شمار کرتے ہیں۔ کمامر۔

ب — اس حدیث میں "مثنی مثنی" کے الفاظ واضح اور بیّن ثبوت ہیں اس بات پر کہ اس کا تعلق نفلی نماز سے ہے فرضی نماز سے نہیں، کیونکہ فرضی نماز تو تین اور چار رکعت بھی ہے، امام ابوحاتم نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو "علل ابن ابی حاتم" (۱/۱۳۳)۔ امام ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بیہقی نے اس حدیث کو "باب صلوۃ اللیل والنہار مثنی مثنی" کے تحت ذکر کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے بھی اسے نوافل ہی سے متعلق سمجھا ہے جب کہ امام ترمذی اسے "باب ما جاء فی التخشع فی الصلاۃ" کے تحت لائے ہیں مگر ان ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث سے فرضوں کے بعد اجتماعی دعا پر استدلال نہیں کیا۔ وہ اس سے یہ استدلال بھلا کر بھی کیسے سکتے تھے؟ اس کی توفیق تو آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب کی ہے۔

ج — موصوف کو مسئلہ مذکورہ پر اگر اس حیثیت سے استدلال کرنا ہے تو انھیں اس دعا کو واجب یا فرض کہنا ہوگا نیز جو اس کے قائل نہیں ہیں یا تو انھیں گنہگار تصور کرنا ہوگا یا ان کی نمازوں کو باطل قرار دینا ہوگا کیونکہ اس حدیث کی بعض روایات کے مطابق اس میں مذکورہ امور نہ کرنیوالے کو ایسا اور ایسا کہا گیا ہے اور بعض روایات

میں ایسی نماز کو یعنی جسمیں مذکورہ امور نہ ہوں خداج (ناقص) کہا گیا ہے۔ نقلا عن تعلیقات صلاۃ الرسول (ج ۲۳۵) بتصرف یسیر۔

اور ظاہر ہے کہ مولانا اس کے خلاف ہیں بلکہ اگر کوئی فرض یا نفل نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا واجب اور ضروری سمجھتا ہو تو موصوف اس کی غلط فہمی کو قولاً وعملاً دور کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اب آپ یا تو اس سے استدلال کرنا چھوڑ دیں یا پھر وجوب کے قائل ہو جائیں ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں　　لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

تنبیہ (۱): ترمذی کی روایت میں "فقال فیہ قولاً شدیداً" کے الفاظ نہیں ہیں جیسا کہ مولانا نے ذکر لیا ہے۔ بلکہ یہ الفاظ مسند احمد بن حنبل کے ہیں۔ ترمذی میں ہے " فہو کذا وکذا "

تنبیہ (۲): اس روایت کے راوی "عبداللہ بن نافع بن ابی العمیاء" کے سلسلے میں حافظ کا قول "مجہول من الثالثۃ" میں ثالثہ کی تشریح صاحب مضمون نے "من أفرد بصفۃ کثقۃ أو متقن أو ثبت أو عدل" سے کر دی تھی جو ایک فاش اور بہت ہی انوکھی غلطی تھی۔ موصوف نے چونکہ اعتذار پیش کر کے اس کی تصحیح بھی کر لی ہے لہذا اس پر مولانا کو ملامت کرنا صحیح نہیں، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ مولانا کی یہ غلطی اتنی عجیب و غریب تھی کہ اب تک میں حیرت و استعجاب میں غرق ہوں اور باوجود کوشش بسیار اس غلطی کی کوئی معقول وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک ہی راوی جس کی حالت کا پتہ بھی نہ ہو (مجہول ہو) اور وہی ثقہ، متقن، ثبت اور عدل بھی ہو۔ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں ایک وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ مولانا نے زیر نظر مضمون لکھتے وقت اپنے ذہن و دماغ کی حاضری کو مناسب نہیں سمجھا اور یہ جرم عظیم کر بیٹھے۔ موصوف نے اگر دماغ پر ذرا سا بھی زور دیا ہوتا تو ایسی بھیانک غلطی میں نہ پڑتے، بالخصوص جبکہ اس غلطی سے بچانے والی کم از کم تین چیزیں موصوف کی نقل کردہ عبارت میں موجود ہیں۔

تنبیہ (۳): موصوف لکھتے ہیں کہ "اور امام بخاری فرماتے ہیں: لایصح حدیثہ وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔"
اس عبارت میں دو امور قابل گرفت ہیں:

(۱) موصوف نے کہا کہ امام بخاری فرماتے ہیں: لایصح حدیثہ جبکہ امام صاحب کا قول ہے لم یصح حدیثہ۔
(۲) موصوف کی نقل کردہ عبارت سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے امام بخاریؒ خود ہی کہہ رہے ہوں کہ " وذکرہ ابن حبان فی الثقات "

مولانا اس کے بعد رقمطراز ہیں:

"مذکورہ چاروں روایات پر محدثین کرام کے جرح و تعدیل پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان روایات کے اندر اگرچہ ضعف ہے لیکن چونکہ یہ متعدد طرق سے مروی ہیں اس لیے یہ روایتیں بلاشبہ حسن کے درجہ کو پہونچ جاتی ہیں، لہذا ان روایتوں کی بنیاد پر فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اجتماعی و انفرادی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ: مذکورہ چاروں روایات پر محدثین کرام کے کلام پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان روایات کے اندر کچھ ایسے امور ہیں جو ایک دوسری کو تقویت دینے سے مانع ہیں لہذا حسن لغیرہ کے درجے میں ہرگز نہیں پہونچ سکتی ہیں۔

رہا موصوف کا یہ کہنا کہ "یہ متعدد طرق سے مروی ہیں" اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک متعدد طرق سے مروی ہے تو حقیقت سے اس بات کا کوئی تعلق نہیں، محض مرعوب کرنے کے لیے یہ بارعب جملہ چسپاں کر دیا گیا ہے۔

اور اگر اس سے ان کی مراد اس کے علاوہ ہے تو پھر رد کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کا مردود ہونا بالکل مشکوف ہے۔

پہلی روایت جس کو مولانا نے اصل بنا کر پیش کیا وہ انتہائی درجہ کی گھٹیا بلکہ موضوع ہے۔ دوسری شاذ بلکہ منکر ہے۔ تیسری کی سند کی حالت کا پتہ ہی نہیں ہے چوتھی کی سند میں ایک مجہول اور مفہوم کے اعتبار سے سب سے جداگانہ کہ یہ وجوب کی مقتضی ہے اور اس کا تعلق نفلی نماز سے ہے۔ اب موصوف خود ہی بتلائیں کہ کس کو کس سے تقویت دیں گے اور کس کو کس کے لیے شاہد بنائیں گے؟

میں تو کہتا ہوں کہ یہ تو نماز کے بعد انفرادی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی مشروعیت کے اثبات سے بھی عاجز ہیں چہ جائے کہ انھیں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کے لیے بطور دلیل پیش کریں، ان احادیث میں اجتماعی دعا کا تو کوئی ذکر ہی نہیں، موصوف خواہ مخواہ اجتماعی دعا کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔

محدثین کرام کے کلام پر غور کرنے سے یہ بھی پتہ چلا کہ موصوف ان بنیادی صفات سے بھی محروم ہیں جو ایک باحث کے اندر ہونی چاہئیں جیسے کہ نقل میں امانت داری، محنت و لگن، حق تک پہونچنے کا جذبہ وغیرہ جس کی بعض مثالیں آپ کے سامنے آچکی ہیں اور کچھ آگے آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہاں اب لوگوں کے ذہنوں میں یہاں ایک سوال اٹھتا ہوگا کہ آخر اس مسئلے میں صحیح کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ بلا امر عارض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا صحیح نہیں، ہاں اگر کوئی امر عارض ہے جیسے کہ کوئی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ فلاں شخص مریض ہے اس کی شفا کے لئے آپ لوگ دعا کر دیجیے وغیرہ وغیرہ، تو ایسی صورت میں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کر لینے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح انفرادی دعا بھی کبھی کبھار کی جاسکتی ہے مگر التزام نہیں ہونا چاہئے بلا امر عارض بالالتزام اجتماعی وانفرادی دعا کے بارے میں اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء بالسعودية سے ایک فتوی جاری ہوا تھا، بہتر سمجھتا ہوں کہ یہاں نقل کر دوں۔ ملاحظہ فرمائیے: ليس الدعاء بعد الفرائض بسنة اذا كان ذلك برفع الأيدى سواء كان من الامام وحده أو المأموم وحده أو منهما جميعا بل ذالك بدعة لأنه لم ينقل عن النبى صلى الله عليه وسلم ولا عن أصحابه (رض) اما الدعاء بدون ذلك فلا بأس به لورود بعض الأحاديث فى ذلك" اور شیخ ابن باز حفظہ اللہ فرماتے ہیں: لم يصح عن النبى صلى الله عليه وسلم انه كان يرفع يديه بعد صلاة الفريضة ولم يصح ذلك ايضا عن أصحابه (رض) فيما نعلم وما يفعله بعض الناس من رفع أيديهم بعد صلاة الفريضة بدعة لا أصل لها لقول النبى صلى الله عليه وسلم من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد۔ وقوله (ص) من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ " فتاوىٰ اسلامية " (۲۹۲،۲۹۰/۱)

مولانا موصوف اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ایک اور طریقہ سے استدلال کر رہے ہیں، آئیے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے موصوف کا عجیب وغریب طریقۂ استدلال! اور دیکھئے کہ جناب کس طرح نادانستگی میں اسی شاخ کی جڑ کو کاٹ رہے جس پر وہ خود تشریف فرما ہیں۔

— فرماتے ہیں: "ان روایات کے علاوہ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت کے لئے وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں جن میں بلا وقت کی تعیین کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مذکور ہیں (کذا) یا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی فضیلت میں آئی ہیں" پھر اس معنی کی پانچ چھ حدیثیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"مذکورہ بالا احادیث سے مطلقاً "ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت ظاہر ہے اس لیے کہ ان میں وقت کی تعیین نہیں کی گئی ہے"

موصوف کی یہ گفتگو بے مہار بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ ایک آدمی یہ کہے کہ خطیب کا خطبہ کے لئے منبر پر چڑھنے سے پہلے قبلہ رو کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرنا سنت و مستحب ہے اور اس کے ثبوت کے لئے وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں جن میں بلا وقت کی تعیین کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مذکور ہے یا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی فضیلت میں آئی ہیں۔

یا ایک آدمی یہ کہے کہ عیدین، کسوفین اور تراویح کے لئے بھی اذان دینا سنت و مستحب ہے اور اس کے ثبوت کے لئے وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں جو اذان کی فضیلت میں آئی ہیں اور اس لئے بھی کہ اذان ذکر ہے اور اللہ تعالی کی طرف دعوت دینا ہے اور اللہ تعالی فرماتا ہے: (اذکروا اللہ ذکرا کثیرا) . ویقول: (ومن أحسن قولا ممن دعا إلی اللہ وعمل صالحا) -

یا یہ کہے کہ نماز کے قیام، رکوع، اعتدال اور سجود میں درود و سلام پڑھنا سنت و مستحب ہے اور اس کے ثبوت کے لئے وہ آیات و احادیث کافی ہیں جن میں بلا وقت کی تعیین کے درود و سلام پڑھنے کا حکم آیا ہے یا جو درود و سلام کی فضیلت میں آئی ہیں۔

یا یہ کہے کہ اثناء نماز میں بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے اور سنت کے مطابق ہے اور اس کے ثبوت کے لیے وہ احادیث کافی ہیں جن میں بلا وقت کی تعیین کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مذکور ہے یا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی فضیلت میں آئی ہیں، وغیرہ وغیرہ ...... ـ

کیا آپ ان تمام باتوں کو سنت یا استحباب جیسے مرتبہ بلند سے نوازیں گے؟ ہونا تو یہی چاہیئے کہ یہ آپ کے اصول کے عین مطابق ہے، اور اگر آپ انھیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث " صلوا کما رأیتمونی أصلی " کے خلاف ہیں لہذا مردود ہیں، تو پھر میں بھی یہی کہوں گا کہ زیر بحث مسئلہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور یہ " صلوا کما رأیتمونی أصلی " کے خلاف ہے لہذا اس کا قائل فاعل مرتکب بدعت ہے اور شارع حکیم پر استدراک جیسے فعل شنیع کا ارتکاب کر رہا ہے اور یہ جرم عظیم ہے فافہم۔ آگے فرماتے ہیں کہ:

" جب اللہ کے رسول ؐ سے مطلقا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہو گیا تو ہر وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا جا سکتا ہے وکذا چاہے وہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے بعد، نفل ہو یا فرض " موصوف کے اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ دعاء اجتماعی و انفرادی چاہے نماز سے قبل ہو یا بعد، نفل ہو یا فرض، موصوف کے نزدیک سنیت و استحباب میں یہ ساری صورتیں

برابر ہیں، کیونکہ وہ احادیث جن میں مطلقاً بلا تعیین وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مذکور ہے یا اس کی فضیلت میں آئی ہیں ان میں سے بعض بعض کے درمیان تفریق نہیں کرتیں۔ تو کیا موصوف نے فرض نماز کے بعد والی صورت کے علاوہ جو دیگر صورتیں ہیں ان پر بھی کبھی اجتماعی شکل میں عمل کیا ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ جب ساری ہی صورتیں ثبوت کے اعتبار سے مساوی ہیں تو پھر ایک ہی پر جمود کیوں؟ ذرا سب پر عمل کر کے دکھایئے تب ہم مانیں گے کہ آپ شارع کے حکم مطلق کو عموم پر محمول کر رہے ہیں۔ اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنے دعوے میں سچے نہیں ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شارع کے حکم مطلق کے عموم کی اپنے عمل سے تخصیص کر رہے ہیں اور یہ جرم عظیم ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ:

"شارع علیہ السلام کی جانب سے جب کوئی حکم مطلق ہوتا ہے تو اس کا اطلاق عموم پر ہوتا ہے اس لئے کہ صحابہ کرام نے اور خود شارع علیہ السلام نے حکم مطلق کو ہمیشہ عموم پر محمول کیا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ آپ بجا فرما رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا صحابۂ کرام اور خود شارع علیہ السلام حکم مطلق کو ہمیشہ عموم پر صرف محمول ہی کرتے تھے، یا کہ عموم پر محمول کر کے اس پر عمل بھی کرتے تھے؟ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ صرف عموم پر محمول کریں اور اس پر عمل نہ کریں، دعا کا حکم مطلق ہے جس کا مطلب ہے عموم، شارع علیہ السلام اور صحابہ کرام نے بھی لازماً اسی پر محمول کیا ہوگا، یہ حضرات کرام بھی ہماری طرح دعا کے ضرورت مند تھے۔ اسی لئے مختلف مواقع پر دعا مانگنا ان سے ثابت ہے مگر فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا ثابت نہیں جبکہ یہ بہت اہم وقت ہے، آخر ایسا کیوں؟ آپ جیسا عموم و شمول یہ کیوں نہیں سمجھے؟ کیا ہم ان سے زیادہ افقہ ہیں؟ اور پھر عموم و شمول، تخصیص و تقیید سمجھنے کا طریقہ کیا ہے؟ شارع کا قول و عمل ہی تو۔ فرض کیجئے کہ ایک حکم مطلق آیا، شارع نے کئی مقام پر اس کے عموم پر عمل کیا مگر ایک مقام ایسا ہے جہاں پر اس عموم کے مطابق عمل نہیں کیا حالانکہ مانع معدوم اور مقتضی موجود ہے، آپ کا کیا خیال ہے، کیا ایسی جگہ کو بھی عموم میں داخل کر کے خلاف شرع عمل کریں گے اور اسے سنت کہیں گے؟ حضرات اسی کو کہتے ہیں "استدراک علی الشارع" یعنی زبان قال سے نہیں مگر زبان حال سے آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ فعل خیر تھا مگر شارع نے چھوڑ دیا، اور یہ کھلی گمراہی ہے۔

ایک اور بات سنئے! کہ یہ امر مذکور خالص بدنی عبادات کے امور میں سے ہے، اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں واقع نہیں ہوا اس کے چند اسباب ہو سکتے ہیں: یا تو اس کی حاجت نہیں تھی، یا کوئی مانع موجود تھا،

یا غفلت عدم تنبیہ کی بنا پر، یا سستی اور تکاسل کی بنا پر یا کراہت اور عدم مشروعیت کی وجہ سے۔
پہلے دو اسباب نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالی کے تقرب کی حاجت منقطع ہونے والی چیز نہیں ہمیشہ رہتی ہے اور رہے گی۔ اور اس امر سے کوئی چیز مانع بھی نہیں تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عدم تنبہ اور تکاسل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کفر تک پہونچانے والی چیز ہے۔ تو اب باقی صرف یہ رہا کہ یہ مکروہ ہے غیر مشروع ہے۔
واللہ اعلم ــــــ ایک اور جگہ فرماتے ہیں :
"اور شارع علیہ السلام کے حکم کی عمومیت کسی امتی کے قول سے تخصیص کرنا جرم عظیم ہے۔ فافہم۔"
میں کہتا ہوں کہ زیر بحث مسئلہ میں شارع کے حکم کی عمومیت کو کسی امتی کے قول سے مخصوص کرنے کی کوئی بات ہی نہیں، یہاں پر تو صرف یہ بات ہے کہ جو لوگ نماز کے بعد بلا کسی امر عارض ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کے قائل نہیں وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترکیہ پر عامل ہیں اور یہ ایک بہت ہی اہم اور عالی مرتبت قاعدہ ہے جس تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ :
سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسمیں ہیں : (۱) سنت فعلیہ (۲) سنت ترکیہ۔
یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع جسطرح فعل سے کی جاتی ہے اسی طرح ترک سے بھی کی جاتی ہے، پس جیسے اللہ تعالی نے ہمیں اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی آپ کے اس فعل میں کریں جسے آپ نے بطور قربت وعبادت کیا ہے۔ بشرطیکہ وہ باب خصوصیات میں سے نہ ہو، اسی طرح ہم سے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ ہم آپ کی اتباع آپ کے ترک میں بھی کریں، یعنی جو کام آپ نے نہیں کیا ہے وہ ہم بھی نہ کریں۔ تو یہ ترک بھی سنت ہے جیسے کہ فعل سنت ہے۔ اور جس طرح ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالی کی قربت اس فعل کو ترک کر کے حاصل کریں جسے آپ نے کیا ہے اسی طرح ہمارے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالی کا تقرب اس شے کو کر کے حاصل کریں جسے آپ نے نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہیں کیا ہے اس کا کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے وہ آدمی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا تارک ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔
امام قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :
"وترکہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ کما أن فعلہ سنۃ، فلیس لنا أن نسوی بین فعلہ وترکہ، فنأتی من القول فی الموضع الذی ترکہ بنظیر ما أتی بہ فی الموضع

الذی فعلہ ۔ (اصول فی البدع والسنن ص ۷۳) ۔

اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

" اما نقلهم لتركه صلى الله عليه وسلم فهو نوعان وكلاهما سنة :
أحدهما : تصريحهم بأنه ترك كذا وكذا ولم يفعله، كقوله (الضمير للراوي و الناقل) في شهداء أحد، ولم يغسلهم ولم يصل عليهم ، الخ ۔
والثاني : عدم نقلهم لما لو فعله لتوفرت هممهم ودواعيهم أو أكثرهم أو واحد منهم على نقله ، فحيث لم ينقله واحد منهم ألبتة ، ولا حدث به في مجمع أبداً علم أنه لم يكن ، وهذا كتركه التلفظ بالنية عند دخوله في الصلاة ، وتركه الدعاء بعد الصلاة مستقبل المأمومين ...... إلى أن قال...... ومن ههنا يعلم أن القول باستحباب ذلك خلاف السنة فإن تركه صلى الله عليه وسلم سنة كما أن فعله سنة ، فإذا استحببنا فعل ما تركه ، كان نظير استحبابنا ترك ما فعله ، ولا فرق ۔ (أصول في البدع والسنن ص ۷۵ ۔ ۷۶)

اس اصل کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں : الاعتصام للامام الشاطبی ، اعلام الموقعین للإمام ابن قیم الجوزیۃ ، المواہب اللدنیۃ للامام القسطلانی ، الفتاوی الکبری لابن حجر الہیتمی الشافعی ، غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی ، أحسن الکلام للشیخ بخیت الحنفی ، الابداع فی مضار الابتداع للشیخ علی محفوظ ۔

الحتصر یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شئی کو چھوڑ دیا یا جو کام نہیں کیا حالانکہ فعل کا مقتضی موجود اور مانع معدوم تھا تو اس کا چھوڑ دینا ہی سنت ہے اور اس کا کرنا بدعت مذمومہ ہے ۔

مولانا اس کے آگے فرماتے ہیں :

" مزید اطمینان کے لیے چند علمائے کبار کے اقوال ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں "

— میں کہتا ہوں کہ آپ کا یہ مضمون جو کوئی پڑھے گا وہ مزید بے اطمینانی میں مبتلا ہو جائے گا کیوں کہ یہ اس قدر پریشان فکری کا شکار ہے کہ کسی حتمی نتیجے پر پہونچنا بہت دشوار ہے " لگتا ہے کہ موصوف نے اپنے ذہن

وہ ملاحظ کو ذرا سی بھی تکلیف دینے کی زحمت نہیں فرمائی ہے، اسی لئے تو آپ کی باتوں میں بے انتہا تضاد ہے، دعویٰ کچھ دلیلیں کچھ، مضمون کا اول کچھ کہہ رہا ہے تو آخر کوئی اور ہی نکتہ پیش کر رہا ہے، ایسی ایسی غیر اصولی باتیں جن کا فساد بالکل واضح، اقوال و نصوص کے معانی و مفاہیم موصوف کے دعوے سے بالکل مختلف بلکہ ان میں رد کا سامان مگر موصوف اپنے مدعا کے لئے دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

محترم قارئین : آیئے آپ بھی اس کے چند نمونے دیکھ لیجئے۔

موصوف نے ان حضرات کے اطمینان کے لئے جو موصوف کے مذکورہ طویل وعریض دعوے کی موافقت میں نہیں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے :

" قلت القول الراجح عندی أن رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلاۃ جائز لوفعلہ أحد لابأس علیہ إن شاء اللہ تعالیٰ "

یعنی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا میرے نزدیک جائز ہے اگر کوئی ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں۔

اب آپ ہی بتلایئے کہ کیا اس کلام سے صاحب مضمون کے اس لمبے چوڑے دعوے کی تائید ہوتی ہے جو آغاز مضمون میں کر کے آئے ہیں ؟ اس میں تو صرف یہ ہے کہ " اگر کوئی ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں " یعنی انفرادی طور پر۔

موصوف مزید اطمینان کے لئے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی درمیان میں لے آئے ہیں مگر افسوس کہ بہت تلخ تجربہ ہوا کیونکہ علامہ صاحب کا موقف موصوف کے موقف سے یکسر مختلف ہے۔ آیئے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف لکھتے ہیں :

" علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے قائل نہیں خصوصاً فرض نماز کے بعد۔ الخ ..... "

یہ موصوف کی محض مبالغہ آرائی ہے، شاید زیب داستان کے لئے۔ ورنہ ایسے " بعض " کا وجود جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہوں " کہ وہ مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے قائل نہیں " موصوف کے عالم خیال کے سوا شاید اور کہیں نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تو خود ہی اعلان فرما رہے ہیں کہ : واما رفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ فی الدعاء فقد جاء فیہ احادیث کثیرۃ صحیحۃ "

صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اس بارے میں بہت سی صحیح حدیثیں آئی ہیں)۔" مجموع فتاوی ابن تیمیہ: (۲۲/۹
ہاں فرض نمازوں کے بعد" بلا کسی امر عارض" ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے
علامہ ابن تیمیہ اس کے قائل نہیں، اور لوگوں کا یہ خیال بجا ہے، بلکہ علامہ موصوف نے تو اسے بدعت کہا ہے. فرماتے
" الحمد للہ أما دعاء الامام والمأمومین جمیعا عقیب الصلاۃ بدعۃ " (مجموع
فتاوی ابن تیمیہ : ۲۲/۵۱۹)

یعنی امام اور مقتدی کا اجتماعی طور پر فرض نماز کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے۔

رہا موصوف کا امام ابن تیمیہ کے اس کلام میں "بلا التزام" کی قید کا اضافہ کرنا اور اس کا مفہوم یوں بتانا
کہ " اگر بالالتزام ایسا نہ کریں تو امام و مقتدی کا اجتماعی و انفرادی طور پر فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا
سنت کے مطابق ہے"، تو یہ سراسر غلط، اور پھر اپنے اس دعوے پر امام ابن تیمیہ کا یہ قول: " ولو دعا الإمام
والمأموم احیاناً عقیب الصلاۃ لأمر عارض لم یعد ھذا مخالفا للسنۃ کالذی یداوم علی
ذلک " دلیل کے طور پر پیش کرنا ستم بالائے ستم ہے۔

موصوف اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھے اور زہر کھا بیٹھے، اور اسی نافہمی کی بنا پر خود اپنے خلاف
دلیل دے بیٹھے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ تو فرما رہے ہیں کہ " اگر امام اور مقتدی نماز کے بعد کبھی کسی عارضی امر کی بنا
پر (کسی سبب یا عارضہ کی بنا پر مثلاً کوئی آدمی آکر یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص مریض ہے اس کی شفاء کے لیے آپ لوگ دعا
کر دیجئے وغیرہ وغیرہ) دعا کریں تو یہ سنت کے خلاف نہیں ہوگا۔ جیسے کہ وہ جو اس پر مداومت کرتا ہے (یعنی جو بغیر سبب
خاص کے ہمیشہ اس پر عمل کرتا ہے)

مفہوم اس کا یہ ہوا کہ " اگر کوئی " امر عارض " یا سبب خاص نہیں ہے بلکہ یوں ہی فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا
مانگیں تو یہ سنت کے خلاف ہوگا، چاہے بالالتزام ہو یا بغیر التزام" اور ظاہر ہے کہ یہ موصوف کے دعوے کے بالکل خلاف
اور موصوف کے مخالفین کے لیے دلیل ہے۔

رہا امام ابن تیمیہ کے قول کے آخر میں لفظ "یداوم" کا وارد ہونا تو اولاً کلام پر موثر نہیں اور نہ ہی
اس سے مسئلے کی توضیح میں کوئی فرق آتا ہے، ہاں اس سے تو صرف اس فعل و عمل کی حکایت مقصود ہے جو امام ابن تیمیہ

کے زمانے میں لوگوں کے درمیان جاری وساری تھا۔

اور اگر موصوف اس بات پر بضد ہیں کہ امام ابن تیمیہ کے کلام مذکور کا معنی ومفہوم جو موصوف نے سمجھا ہے۔ وہی صحیح ہے تو پھر یہ بتلائیں کہ امام ابن تیمیہ کے کلام مذکور میں جو "لأمر عارض" کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ومطلب کیا ہوگا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ موصوف نے امام ابن تیمیہ کا یہ قول کس کے اطمینان کے لئے ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ اس سے ان کے مذہب کی تائید کیسے ہوتی ہے؛ جبکہ مولانا موصوف کے دعوے اور امام ابن تیمیہ کے قول کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے موصوف کا دعوی یہ ہے کہ امام ومقتدی دونوں کا اجتماعی وانفرادی حیثیت سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا درست بلکہ مستحب ومسنون ہے چاہے بالالتزام ہو یا بلا التزام[1]۔ اور امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ "کبھی کسی امر عارض ہی کی بنا پر فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کرسکتے ہیں" (وشتان بین ھذا وذاك)۔ امام صاحب کی بات سے تو کسی کو انکار نہیں۔ پھر اس کے ذریعے مطمئن کس کو کیا جارہا ہے؟

---

(۱) چونکہ موصوف نے اپنے دعوے میں اس قسم کی کوئی قید وشرط نہیں لگائی ہے لہذا عموم ہی پر محمول کیا جائے گا۔ بلکہ موصوف نے تو ایسا طویل وعریض دعوی کیا ہے کہ آج تک کسی نے نہیں کیا تھا۔ فرماتے ہیں: "اب رہا یہ مسئلہ کہ نماز وغیرہ (اس وغیرہ) میں بہت سارے امور آسکتے ہیں جیسے کہ اذان کے بعد، اقامت کے بعد) کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعا مانگی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ نماز فرائض کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے" (اس "بھی" سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے اور ساری جگہوں میں "مثلاً اذان واقامت کے بعد" ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا ثابت ہے بس نماز کے بعد والی صورت ہی ثابت کرنے کو رہ گئی ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "جب اللہ کے رسول سے مطلقاً ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا ثابت ہوگیا تو ہر وقت ہاتھ اٹھاکر دعا مانگی جاسکتی ہے چاہے وہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے بعد، چاہے نماز نفل ہو یا فرض (اب اسی میں یہ بھی اضافہ کردیا جائے کہ چاہے اجتماعی طور پر ہو یا انفرادی کیونکہ موصوف کے نزدیک ان تمام امور کے درمیان کوئی فرق نہیں) اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے جب کوئی حکم مطلق ہوتا ہے تو اس کا اطلاق عموم پر ہوتا ہے اس لئے کہ صحابہ کرام نے اور خود شارع علیہ السلام نے ہمیشہ حکم مطلق کو عموم پر محمول کیا ہے۔" سبحان اللہ!

دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کی شرعی حیثیت

اس مسئلے کی مشروعیت پر موصوف نے تین حدیثوں سے استدلال کیا ہے، آیئے لگے ہاتھوں ان کی بھی راج پرسی کرلیں :

— " حدثنا ابوموسی محمد بن المثنیٰ وابراھیم بن یعقوب وغیر واحد قالوا حدثنا حماد بن عیسی الجھنی عن حنظلة ابن أبی سفیان الجمحی عن سالم بن عبد اللہ عن أبیه عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھه ۔"

اس کو "ترمذی" (۲/۲۴۴) اور " ابن عساکر " (۷/۱۲/۲) نے روایت کیا ہے، دیکھیں (الارواء: ۲/۱۷۸) موصوف اس حدیث کی سند پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: " اس حدیث کے سلسلہ سند میں ایک راوی حماد بن عیسیٰ ہیں جنہیں یحیی بن معین نے "شیخ صالح " کہا ہے۔" (تہذیب ج ۳ ص ۱۸) ۔

مولانا موصوف نے " تہذیب التہذیب " سے صرف یہی ایک کلمہ نقل کیا ہے اور باقی سے آنکھیں بند کر کے " یمرون مرالکرام " کے وصف شریفانہ سے متصف ہو کر اس انداز سے گذر گئے ہیں کہ نقل کلام میں غیر امانتداری سے کام لیا گیا ہے اس کا کسی کو احساس تک نہ ہو۔ پچ ہے " حبك الشئ یعمی ویصم " (۱) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ " علی المرء أن یبحث قبل أن یعتقد "

قارئین کرام ! آیئے اب ہم اس راوی کے بارے میں " تہذیب التہذیب " میں جو کلام ہے وہ ذکر کرتے ہیں تاکہ اس راوی کی حقیقت اور مولانا موصوف کی علمی امانت داری کی اصلیت آپ کے سامنے کھل کر آجائے :

مرفوعاً بھی اس کی روایت کی گئی ہے مگر صحیح نہیں ہے دیکھیں۔ "سلسلة الاحادیث الضعیفة " (۴/۳۴۸ - ۳۴۹)

" قال ابن معين: شيخ صالح، وقال ابوحاتم ضعيف الحديث، وقال ابوداود ضعيف روى احاديث مناكير، وقال الحاكم والنقاش: يروى عن ابن جريج وجعفر الصادق أحاديث موضوعة وضعفه الدارقطني، وقال ابن حبان: يروى عن ابن جريج وعبد العزيز بن عمر بن عبد العزيز أشياء مقلوبة يتخايل إلى من هذا الشأن صناعته أنها معمولة لا يجوز الاحتجاج به وقال ابن ماكولا: ضعفوا أحاديثه" "تهذيب التهذيب" (۳/۱۶-۱۷)

علامہ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ " الإرواء " (۲/۱۷۸) میں یہ پورا کلام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" قلت: فمثله ضعيف جداً، فلا يحسن حديثه فضلاً عن أن يصحح "

یعنی " میں کہتا ہوں کہ ایسا راوی جس کی یہ حالت ہو وہ سخت ضعیف ہوگا لہٰذا اسکی بیان کردہ حدیث کو حسن بھی نہیں کہا جائے گا چہ جائیکہ اس پر صحت کا حکم لگایا جائے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں: والحاكم مع تساهله لما أخرجه في " المستدرك " (۱/۵۳۶) سكت عليه ولم يصححه، وتبعه الذهبي "

حافظ ابن حجر نے "تقریب" (۱/۱۹۷) میں بھی حماد بن عیسیٰ کو ضعیف کہا ہے۔

حافظ ذہبی "میزان" (۱/۵۹۸) میں فرماتے ہیں:

" حماد بن عيسى الجهني غريق الجحفة، عن جعفر الصادق وابن جريج بطامات "

تھوڑا اور آگے چل کر فرماتے ہیں: ضعفه ابوداود، وابوحاتم، والدارقطني ولم يتركه۔

یہ ہے اس راوی کی حالت جس کی بنا پر یہ حدیث علی الاقل ضعیف جداً ہوگی، امام ابوزرعہ نے اس حدیث کے بارے میں تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "حدیث منکر" أخاف أن لا يكون له أصل۔ دیکھیں: سلسلہ صحیحہ (۲/۱۴۶) مشکوٰۃ (ح ۲۲۴۵ تحقیق الألبانی)۔

ہاں مولانا نے البتہ دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔

تنبیہ: موصوف نے "تحفہ" سے "میزان" کی جو عبادت نقل کی ہے کہ " ضعفه ابوداود، وابوحاتم، والدارقطني لم يتركه " اس میں ایک غلطی واقع ہوئی ہے جس کی وجہ سے معنی میں تھوڑی سی تبدیلی بھی ہوگئی ہے، اصل عبارت ہے " ضعفه ابوداود وابوحاتم والدارقطني ولم يتركه " مولانا نے " لم يتركه " سے پہلے

"داد چھوڑ دیا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے "یعنی امام ابو داود اور ابو حاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے لیکن امام دارقطنی ان کی روایت کردہ احادیث کو نہیں ترک کرتے ہیں" مولانا کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے امام دارقطنی، راوی مذکور کو ضعیف کہتے ہی نہیں ہیں۔ اور یہ سراسر غلط ہے

موصوف اس کے بعد رقمطراز ہیں کہ :

"حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کی تائید میں دیگر بہت سی روایتیں آئی ہیں جن میں سے ابو داؤد کی روایت بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے اور ان تمام روایتوں کا مجموعہ اس بات پر غماز ہیں (کذا) کہ یہ حدیث حسن کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے۔"

کسی کے کلام کا ترجمہ کرنا بڑی ہی ذمہ داری اور احتیاط کا کام ہے مگر موصوف اس بارے میں بھی خاصے غیر محتاط واقع ہوئے ہیں، مثال آپ کے سامنے ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت " ولہ شواہد " کا ترجمہ موصوف نے "اس حدیث کی تائید میں دیگر بہت سی روایتیں آئی ہیں" سے کیا ہے۔ غور کیجئے! "دیگر بہت سی روایتیں" کیا یہ ترجمہ صحیح ہے؟ کاش کہ موصوف نے کچھ مطالعہ کیا ہوتا، محنت و مشقت کی ہوتی، ذہن و دماغ پر کچھ زور ڈالا ہوتا تو یہ پتہ چل جاتا کہ اس مسئلے میں صرف یہی تین روایتیں وارد ہوئی ہیں اور بس، اور حافظ صاحبؒ نے انہی تینوں میں سے ایک کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے " ولہ شواہد " تو پھر اس کا ترجمہ "دیگر بہت سی روایتیں" کیسے صحیح ہوگا؟

فافہم وتدبر ولا تکن من الغافلین ۔

قارئین کرام ! آئیے اب اس حدیث ابو داؤد کو بھی دیکھ لیتے ہیں جس کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے اور جس کو مولانا موصوف نے نمبر (۲) کے تحت ذکر کیا ہے :

— حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ نا عبد الملک بن محمد بن أیمن عن عبد اللہ بن یعقوب بن اسحاق عن من حدثہ عن محمد بن کعب القرظی حدثنی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورہا فإذا فرغتم فامسحوا بہا وجوہکم۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد (۱۴۸۵) نے اور ان سے بیہقی (۲/۲۱۲) نے روایت کیا ہے۔ نیز اس حدیث کو ابن ماجہ (۱۱۸۱، ۳۸۶۶) نے ابن نصر نے "قیام اللیل" (ص ۱۳۷) میں طبرانی نے معجم کبیر (۱/۹۹/۳)

میں اور حاکم (۵۳۶/۱) نے صالح بن حسان عن محمد بن کعب عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق سے بھی روایت کیا ہے۔ (الارواء ۱۷۹/۲) ان کے الفاظ یہ ہیں: "إذا دعوت اللہ فادع ببطون کفیك ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بهما وجهك"۔

اولاً:— ابن ماجہ، ابن نصر، طبرانی اور حاکم کا طریق:۔

یہ سند سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی "صالح بن حسان" ہے جو منکر الحدیث ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے کہا ہے۔ نسائی نے کہا ہے کہ یہ "متروک الحدیث" ہے، ابو حاتم نے کہا ہے منکر الحدیث ضعیف" ابن حبان نے کہا ہے: "کان صاحب قینات وسماع وکان یروی الموضوعات عن الأثبات۔" ابو نعیم اصبہانی نے کہا ہے "منکر الحدیث متروک" ابن ابی حاتم "العلل" (۳۵۱/۲) میں لکھتے ہیں کہ: میں نے اپنے باپ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ حدیث "منکر" ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: "میزان" (۲۹۱/۲) "تہذیب" (۳۳۶/۴-۳۳۷) "تقریب" (۳۵۸/۱- رقم ۸) "الضعفاء للبخاری" (رقم الترجمة ۱۶۶) "الضعفاء للنسائی" (رقم الترجمة ۲۹۶) "إرواء الغلیل" (۱۷۹/۲)۔

ہاں "ابن نصر" کی "قیام اللیل" میں اس حدیث کا ایک طریق اور بھی ہے جس میں "عیسی بن میمون" نے محمد بن کعب سے روایت کرتے ہوئے صالح بن حسان کی متابعت کی ہے مگر یہ متابعت بھی کسی کام کی نہیں کیونکہ "ابن میمونؒ" کا حال بھی "ابن حسان" ہی کے مثل ہے۔ امام بخاری نے اس کے بارے میں کہا ہے: منکر الحدیث۔ ابن حبان نے کہا ہے: "یروی أحادیث کلها موضوعات" فلاس نے کہا ہے "متروک"، ابن عدی نے کہا ہے: "عامة ما یرویه لایتابعه علیه أحد" نسائی نے کہا ہے "لیس بثقة" دیکھیں: "میزان" (۳۲۵/۳-۳۲۶) "التہذیب" (۲۳۶/۸- حاشیة) "الضعفاء للبخاری" (رقم ۲۶۶) وغیرہ۔

ابن نصر ان دونوں ہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ "عیسی بن میمون جس نے حدیث ابن عباس کی روایت کی ہے وہ ایسے لوگوں میں سے نہیں ہے جن کی احادیث سے حجت پکڑی جائے اور اسی طرح صالح بن حسان بھی ہے" (ارواء الغلیل۔ ۱۸۱/۲)۔

اس حدیث (یعنی: إذا دعوت اللہ.....الخ) کے طرق کی تخریج امام حاکم (۲۷۰/۴) نے محمد بن معاویة ثنا مصادف بن زیاد المدینی قال سمعت محمد بن کعب ... کے طریق سے بھی کی ہے، مگر ذہبی نے

ان کا تعاقب کیا ہے کہ " محمد بن معاویہ " کو دارقطنی نے کذاب کہا ہے، فبطل الحدیث۔[1] " الإرواء " (۱۸۰/۲)۔

محمد بن معاویہ کے بارے میں دیکھیں:

" میزان " (۴۴/۴) " تہذیب " (۴۰۹/۹-۴۱۰) " تقریب " (۲۰۹/۲) " الضعفاء للنسائی " (رقم ۵۳۹) وغیرہ۔

ثانیاً: — ابوداؤد کا طریق: حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ نا عبد الملک بن محمد بن أیمن عن عبداللہ بن یعقوب عن من حدثه عن محمد بن کعب۔

یہ سند بھی سخت ضعیف ہے اس میں مندرجہ ذیل تین علتیں ہیں، ہاں موصوف کو صرف ایک ہی نظر آئی ہے۔

ا — " عبد الملک بن محمد بن أیمن " مجہول ہیں، حافظ ابن حجر نے ان کو " تقریب " میں مجہول کہا ہے اور " تہذیب " میں ابوالحسن بن القطان سے نقل کیا ہے کہ یہ مجہول الحال ہیں — دیکھیں:

" تہذیب " (۳۷۰/۶-۳۷۱) " تقریب " (۵۲۲/۱) " الإرواء " للعلامہ الالبانی (۱۸۰/۲)

ب — " عبداللہ بن یعقوب بن اسحاق " حافظ ابن حجر ان کے بارے میں " تقریب " (۴۶۲/۱) میں فرماتے ہیں کہ یہ مجہول الحال ہیں۔ " تہذیب " (۸۱/۶) میں بھی ان کے کلام سے اسی بات کا اظہار ہوتا ہے۔ حافظ ذہبی " میزان " (۵۲۷/۲) میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ " لا أعرفه "۔

ج — عبداللہ ابن یعقوب کا شیخ جس کی طرف کلمۂ " عمن حدثه " سے اشارہ کیا گیا ہے اس سے کون مراد ہے علماء کے اقوال اس بارے میں کچھ مختلف ہیں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ " مبہمات۔ التہذیب " (۳۹۸/۱۲) میں لکھتے ہیں: عبداللہ بن یعقوب بن اسحاق عمن حدثه عن محمد بن کعب القرظی عن ابن عباس الحدیث مشہور بروایۃ ابی المقدام هشام بن زیاد عن محمد بن کعب۔

اور " باب المبہمات۔ التقریب " (۵۷۸/۲) میں فرماتے ہیں: عبداللہ بن یعقوب عمن حدثه عن محمد بن کعب، یقال هو ابو المقدام هشام بن زیاد۔

(۱) قلت: اس میں معاویہ بن زیاد المدینی بھی ہے جو متروک ہے جیسا کہ عقیلی (۷۰/۱) اور ذہبی (المغنی ۴۵۹/۲) نے کہا ہے، یا مجہول ہے جیسا کہ " الجرح والتعدیل " (۴۱۴/۸) میں ہے۔

یہاں یہ خیال رہے کہ "تہذیب" میں حافظ صاحب کا انداز یقینی ہے جبکہ "تقریب" میں غیر یقینی، صیغۂ تمریض "یقال" اسی بات کی طرف غماز ہے۔

شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے "إرواء الغلیل" (۲/۱۸۰) میں اس سند پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس میں عبداللہ بن یعقوب کا شیخ ہے جس کا نام نہیں لیا گیا ہے لہذا وہ مجہول ہے اور احتمال ہے کہ وہ "ابن حسان" ہو جو پہلے طریق میں ہے" (یعنی ابن ماجہ، ابن نصر، طبرانی اور حاکم کا طریق) یا "ابن میمون" ہو جو دوسرے طریق میں ہے" (یعنی ابن نصر والا طریق) "الارواء" (۲/۱۸۰)۔

قلت : اور یہ دونوں کے دونوں ہی متروک الحدیث اور منکر الحدیث ہیں، کما مرّ۔

لیکن "سلسلة الأحاديث الصحيحة" (۲/۱۴۶) میں بالجزم "صالح بن حسان" کا ذکر کیا ہے اور اس بات کو ابن ماجہ وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہتے ہیں: " قلت : وعلته الرجل الذی لم یسمّ، وقد سماه ابن ماجه وغيره صالح بن حسان، كما بينته في تعليقي على "المشكوٰة" (۲۲۴۳)۔

بہر حال .... "عمن حدثه" سے مراد چاہے صالح بن حسان یا ابن میمون ہو یا کہ ہشام بن زیاد ہو بات پھر بھی نہیں بنتی اور یہ سند ضعیف جداً کی ضعیف جداً ہی رہ جاتی ہے کیونکہ ابن حسان، ابن میمون اور ابو المقدام ہشام ابن زیاد ان تینوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اول الذکر دونوں راویوں کے احوال تو آپ معلوم کر چکے ہیں، آئیے اب ابو المقدام ہشام ابن زیاد کا حال بھی دیکھ لیں۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: "ضعفه أحمد وغيره، وقال النسائی: متروک، وقال ابن حبان: يروی الموضوعات عن الثقات، وقال ابوداود: كان غير ثقة، وقال البخاری: يتكلمون فيه"۔ حافظ ابن حجرؒ کی "تہذیب" میں ہے: "قال عبدالله بن أحمد وابوزرعة ضعيف الحديث، وقال الدوری عن ابن معين ليس بثقة وقال في موضع آخر ضعيف ليس بشیء، وقال البخاری: يتكلمون فيه وقال ابوداود غير ثقة، وقال الترمذی يضعف، وقال النسائی وعلی بن الجنيد الأزدی متروك الحديث، وقال النسائی أيضاً ضعيف، وقال أيضا ليس بثقة ومرة ليس بشیء۔ وقال أبوحاتم ضعيف الحديث ليس بالقوی..... إلى أن قال..... قلت: وقال ابن حبان يروی الموضوعات عن الثقات لا يجوز الاحتجاج به وقال الدارقطنی ضعيف وترك ابن المبارك حديثه وقال ابن سعد كان ضعيفاً في الحديث، وقال ابوبكر ابن خزيمة لا يحتج بحديثه وقال العجلی ضعيف

وقال یعقوب بن سفیان ضعیف لا یفرح بحدیثہ ۔" اور " تقریب " میں ہے "متروک" ملاحظہ فرمائیں : " میزان " (۲۹۸/۴) " تہذیب " (۳۶/۱۱) " تقریب " (۳۱۸/۲) " الضعفاء للنسائی " (رقم ۶۱۲) " الضعفاء للدارقطنی " (رقم ۵۶۲) ۔

امام ابوداؤد اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ " یہ حدیث محمد بن کعب سے کئی طرق سے مروی ہے لیکن وہ سب سخت ضعیف (واہی) ہیں (۱) اُن میں نسبتاً سب سے اچھا طریق یہی ہے اور یہ بھی ضعیف ہے" ۔

قلت : امام صاحب کی یہ بات کہ " ان میں نسبتاً سب سے اچھا طریقہ یہی ہے " اس وقت صحیح ہوگی جب عبداللہ بن یعقوب کا شیخ جسکا نام نہیں لیا گیا ہے وہ "صالح بن حسان" یا "ابوالمقدام ہشام بن زیاد" نہ ہو لیکن اگر عبداللہ بن یعقوب کا شیخ غیر مسمیٰ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہے (جیسا کہ امام ابن ماجہ وغیرہ نے ابن حسان کی اور حافظ ابن حجر نے ہشام بن زیاد کی تصریح کی ہے) تو پھر اس طریق اور بقیہ دوسرے طرق میں کوئی فرق نہیں ۔

محترم قارئین ! مندرجہ بالا تفصیل سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ نمبر دو والی حدیث بھی اپنے تمام طرق و متابعات کے ساتھ کسی کام کی نہیں بلکہ ایک گھٹیا درجے کی حدیث ہے کیونکہ اس کے ہر طریق میں کوئی نہ کوئی متہم موجود ہے اور بعض سے اُضعف ہے ۔

ہاں ! یہاں ایک بات اور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ حدیث کا جزء اول (سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورھا) صحیح ہے کیونکہ یہ قوی سند وں سے مروی ہے ۔ غیر صحیح بلکہ منکر اس کا آخری جزو ہی ہے ۔

۳ــــ حدثنا قتیبۃ بن سعید نا ابن لہیعۃ عن حفص بن ہاشم بن عتبۃ بن أبی وقاص عن السائب بن یزید عن أبیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجہہ بیدیہ ۔

اس کو ابوداؤد (۱۴۹۲) نے روایت کیا ہے اور یہ بھی ضعیف ہے ، اس کی سند میں دو علتیں ہیں :

۱ــــ عبداللہ بن لہیعۃ ضعیف ہیں ۔ دیکھیں "میزان" (۴۷۵/۲) "تہذیب" (۳۷۵/۵) الضعفاء

(۱) موصوف نے امام ابوداؤد کے قول " کلہا واھیۃ " میں لفظ " واھیۃ " کا ترجمہ "ضعیف" کیا ہے ، حالانکہ " واھیۃ " کا معنی سخت ضعیف ہے ۔

البخاری" (رقم ۱۴۰) "الضعفاء للنسائی" (رقم ۳۲۲) وغیرہ۔

(میزان اور تہذیب میں ابن لہیعۃ کے بارے میں تفصیل بھی ہے کہ ان سے کن لوگوں کی مرویات صحیح ہیں اور کن لوگوں کی نہیں)

ب ـــ حفص بن ہاشم مجہول ہے، ملاحظہ فرمائیں: "میزان" (۱/۵۶۹) "تہذیب" (۲/۲۴۱) "تقریب" (۱/۱۸۹)۔
موصوف اس حدیث کو نقل کر کے ایسی خاموشی سے گذر گئے ہیں کہ جیسے یہ ہر علت سے مبرا ہو اور پھر یوں گویا ہوئے ہیں:

" مذکورہ بالا احادیث کے راویوں پر محدثین کرام کی جرح سے واضح ہے کہ چہرے پر ہاتھ پھیرنے والی تمام روایتیں ضعیف ہیں لیکن چونکہ متعدد طرق بکھری ہیں اس لئے یہ روایتیں حسن لغیرہ کے درجہ تک پہونچ جاتی ہیں جیساکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اوپر مذکور ہو چکا ہے لہٰذا دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیر لینا سنت کے خلاف نہیں ہے"

موصوف کے اس کلام مذکور پر ان کو بس اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف کے یہاں تحقیق تدقیق، محنت ولگن، انصاف وحق گوئی اور حق تک پہونچنے کا جذبہ بالکل مفقود ہے، اور ساتھ ہی ساتھ علمی خیانت کے بڑے دلدادہ ہیں، اسی لئے تو کسی بھی حدیث کو حسن لغیرہ کے درجے تک پہونچانے میں دیر نہیں لگاتے اور اس طرح ایک بدعت کو سنت قرار دیتے ہیں۔ تازہ مثال آپ کے سامنے ہے۔ موصوف نے کتنی جلدی سے حسن لغیرہ کا حکم صادر فرما دیا حالانکہ معاملہ کچھ اور ہے، ان احادیث کی سندوں میں کچھ اس قسم کا ضعف ہے جو منجبر ہونے کے قابل نہیں۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی حدیث اگر متعدد طرق سے آجائے تو اس کے اندر قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ قابل حجت ہو جاتی ہے اگرچہ انفراداً ہر طریق ضعیف ہی کیوں نہ ہو، یونہی مطلقاً بغیر کسی قید و شرط کے، لہٰذا جہاں کہیں دیکھ لیا کہ کسی نے یہ کہہ دیا یا لکھ دیا ہے کہ فلاں حدیث ضعیف ہے مگر اس کے متعدد طرق ہیں بس اس حدیث کو تقویت دے بیٹھے اور حسن لغیرہ کا حکم فرما دیا بغیر اس کے کہ ان طرق کو دیکھیں اور ان کی حقیقت معلوم کریں کہ ان میں موجود ضعف کس درجے کا ہے؟ آیا وہ منجبر ہونے کے قابل ہے یا نہیں؟ اور یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ محققین علماء کہتے ہیں کہ ایسا اسی وقت ہوگا جب اس حدیث کے مختلف طرق میں موجود ضعف رواۃ کے سوء حفظ وغیرہ کی بنا پر ہو لیکن اگر وہ ضعف ان رواۃ کے صدق یا دین میں تہمت

کی بنا پر ہے تو وہ حدیث کبھی بھی قوی نہیں ہو سکتی، ضعیف ہی رہے گی چاہے ایسے طرق کتنے ہی جمع ہو جائیں ۔ وہ فرماتے ہیں: " واذا قوی الضعف لا ینجبر بوروده من وجه آخر وان کثرت طرقه، ومن ثم اتفقوا علی ضعف حدیث "من حفظ علی أمتی أربعین حدیثاً" مع کثرة طرقه، لقوة ضعفه، وقصورها عن الجبر، خلاف ما خف ضعفه، ولم یقصر الجابر عن جبره، فإنه ینجبر ویعتضد۔"

" تمام المنة " (ص ۳۱) ۔

لهٰذا ہر وہ شخص جو کسی حدیث کو اس کی کثرت طرق یا شواہد ومتابعات کی بنا پر تقویت دینا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر طرق کے رجال کو دیکھے اور پرکھے اور یہ معلوم کرے کہ ان میں ضعف کس درجے کا ہے منجبر ہونے کے قابل ہے یا نہیں؟ موصوف کی طرح بلا تحقیق یہ کہہ دینا کہ "مذکورہ بالا احادیث کے راویوں پر محدثین کرام کی جرح سے واضح ہے کہ چہرے پر ہاتھ پھیرنے والی تمام روایتیں ضعیف ہیں لیکن چونکہ متعدد طرق سے مروی ہیں اس لئے یہ روایتیں حسن لغیرہ کے درجہ تک پہونچ جاتی ہیں" بہت ہی غیر دانشمندانہ عمل ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کے راویوں پر محدثین کرام کے کلام اور جرح کو جاننے کی موصوف نے کوشش ہی نہیں کی بلکہ بعض کے بارے میں علمی خیانت کے مرتکب ہوئے تو کیا خاک واضح ہوگا؟ ٹھیک سے تحقیق کی ہوتی اور فن حدیث کے اصول وقواعد کو معیار بنایا ہوتا تو موصوف پر یہ واضح ہو جاتا کہ یہ تینوں حدیثیں مل کر بھی مسئلۂ مذکورہ کیلئے دلیل نہیں بن سکتیں لہٰذا دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا مشروع نہیں ہو سکتا، جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے، چنانچہ امام نووی رح "مجموع" میں فرماتے ہیں "لا یندب" یعنی دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا مشروع نہیں۔ اور امام العز بن عبد السلام رح فرماتے ہیں "لا یفعله إلا جاهل" کوئی جاہل ہی ایسا کرے گا۔" الإرواء " (۲/۱۸۲) "سلسلة الاحادیث الصحیحة" (۲/۱۴۶) ۔

امام ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں: " وأما مسحه وجهه بیدیه فلیس عنه فیه إلا حدیث أو حدیثان لا یقوم بهما حجة "[1] مجموع فتاوی ابن تیمیة ۔ (۲۲/۵۱۹) یعنی " اور رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) ابن تیمیہ کا یہ کلام چونکہ موصوف کے مذہب کے خلاف تھا اس لئے نگاہیں پھیر کر چلے گئے حالانکہ یہیں سے موصوف نے ایک لمبا سا جملہ نقل کیا ہے، اس سے پہلے والے مسئلے کی تائید میں، یہ اور بات ہے کہ موصوف کی شومئ قسمت سے اس نے بھی ساتھ نہیں دیا اور جنبِ مخالف سے جا ملا ۔

کا دعا کے بعد اپنے چہرے پر دونوں ہاتھوں کا پھیرنا تو اس بارے میں آپ سے صرف ایک یا دو حدیثیں مروی ہیں جو (شدید ضعف کی بنا پر) قابل حجت نہیں ہیں۔

موصوف نے دوسری حدیث کے تحت، خارجِ نماز دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے استحباب پر علماء کے اتفاق کا جو دعوی نقل کیا ہے وہ مذکورہ بالا علماء کے نقول سے منقوض ہے، بلکہ ان کے علاوہ اور بھی علماء ملیں گے جو اس اتفاق میں شامل نہیں ہیں بس ذرا کتابیں تو دیکھیے۔ امام بیہقی کے کلام "وان کان یروی عن بعضهم فی الدعاء خارج الصلاة" اور "وهو مستعمل عند بعضهم خارج الصلاة" سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے درمیان متفق علیہ نہیں، بلکہ یہ بعض کا مذہب ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ اس نقل اتفاق کا مصدر کیا ہے؟ کس نے اسے نقل کیا ہے اور اسے کیسے پتہ چلا کہ سارے علماء کا اس بارے میں اتفاق ہے؟ اس کا کوئی ثبوت اور دلیل ہے یا نہیں؟ ورنہ پھر ہم کیسے مان لیں اس اتفاق کو؟ ایسے تو لوگوں نے بہت سارے "اتفاقات" نقل کئے ہیں، مگر جب تحقیق کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ محض دعوی ہی ہے۔

شیخ البانی حفظہ اللہ تعالی کہتے ہیں: "ومما يؤيد عدم مشروعيته أن رفع اليدين في الدعاء قد جاء فيه أحاديث كثيرة صحيحة وليس في شئ منها مسحهما بالوجه فذالك يدل -إن شاء الله- على نكارته وعدم مشروعيته" (ارواء الغلیل: ۲/۱۸۲)

یعنی: اس کے غیر مشروع ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں بہت ساری صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں مگر ان میں سے کسی ایک میں بھی چہرے پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر نہیں ہے، پس یہ امر ان شاء اللہ۔ اس بات (یعنی چہرے پر ہاتھ پھیرنا) کی نکارت اور عدم مشروعیت پر دال ہے۔

محترم قارئین! گذشتہ صفحات کی روشنی میں آپ کے اوپر یہ بات بالکل عیاں ہوگئی ہوگی کہ مذکورہ دونوں ہی مسئلوں میں موصوف کی قسمت نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور یوں غلط سمت میں بڑھتے چلے گئے، میں نے اپنی اس تحریر کے ذریعے اسی غلطی کی اصلاح و تصویب کی کوشش کی ہے، مولانا کی تحریر میں واقع غلطیوں کے بیان سے ان کی قدر و منزلت کو گرانا یا ان کی حق تلفی کرنا ہرگز میرا مقصد نہیں۔ بلکہ صرف اور صرف حق کے ذریعے حق کی نصرت اور اس کی برتری مقصود ہے، کیونکہ حق، اشخاص سے بالاتر ہے اور علمی تحقیق نفاق نہیں جانتی، ہم

اور آپ تو ایسی امت سے تعلق رکھتے ہیں جس کے لئے معیار صحیح شرعی دلائل ہیں، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، رجال اور اشخاص حق کی پہچان کے لئے معیار نہیں، یہی وہ باعظمت اصول اور مضبوط اساس ہے جس کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ: "یا حارث! الحق لا یُعرف بالرجال، اعرف الحق تعرف أھلہ۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے اور اس کی طرف رہنمائی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور "ومن خلقنا أُمة یھدون بالحق وبہ یعدلون" کا مصداق بنائے، آمین۔

اللّٰھم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ، وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ وسبحانک اللھم وبحمدک، أشھد أن لا الٰہ إلا أنت، استغفرک وأتوب إلیک۔ وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد وسلم۔

خاتونِ اسلام

نیا اضافہ شدہ ایڈیشن

تالیف: جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری۔

قیمت: چھتیس (۳۶) روپئے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد اور ہر مسلمان گھر میں رکھے جانے کے قابل ہے

پتہ

مکتبہ سلفیہ، جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس ۲۲۱۰۱۰

نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء کی شرعی حیثیت

شیخ عبدالرؤف عبدالحنان حفظہ اللہ ۔ عرب امارات

صفر و ربیع الاول ۱۴۱۳ھ بمطابق اگست و ستمبر ۱۹۹۲ء کے محدث میں مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی کا ایک مضمون بعنوان " نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی شرعی حیثیت " نظر سے گذرا جسے دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ اس تحقیقی دور میں بھی ابھی تک کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو آباد و اجداد کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اس بدعت " نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء " کو سنت ثابت کرنے میں کوشاں ہیں ، فالی اللہ المشتکی ۔

فاضل مضمون نگار نے اپنے اس مضمون میں کوئی نئی چیز تو پیش نہیں کی ہے کہ جس کے رد کی ضرورت ہو تاہم ان کے اس مضمون سے بہت سے لوگوں کا غلط فہمی میں شکار ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے اس مسئلے کی اصل حقیقت کو آشکار کرنا ضروری ہے ۔

موصوف کے مضمون کا تفصیلی تحقیقی جائزہ تو میرے فاضل دوست شیخ سرور عالم نے لیا ہے (جزاہ اللہ خیر الجزاء) جسے وہ محدث میں چھپنے کے لئے بھیج چکے ہیں لہذا مجھے اس مضمون میں صرف اس مسئلے کی اصلیت وحقیقت کو بیان کرنا ہے ، مذکورہ مضمون کا تفصیلی رد نہیں ۔ زیر نظر مضمون میں جو کچھ ذکر ہوگا وہ " تخریج صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم " للراقم کے دوسرے ایڈیشن سے ہی من وعن منقول ہے ۔

اس مضمون میں سب سے قبل ان دلائل کا ذکر ہوگا جو مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ نے " صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم " میں فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے پر ذکر

کئے ہیں، اس کے بعد ان دلائل کا رد اور پھر اجتماعی دعاء کے قائلین کے بعض دوسرے دلائل اور ان کا رد ذکر ہوگا۔

مولانا فرماتے ہیں :

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا درست ہے

۴۳۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ما من عبد بسط كفيه فى دبر كل صلوة ثم يقول اللهم الهى واله ابراهيم واسحق و يعقوب واله جبريل وميكائيل واسرافيل اسئلك ان تستجيب دعوتى فانى مضطر وتعصمنى فى دينى فانى مبتلى وتنالنى برحمتك فانى مذنب وتنفى عن الفقر فانى متمسكن الا كان حقا على الله عزوجل ان لا يرد يديه خائبتين ۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی)

جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہے، اللهم الهى واله ابراهيم .... الى آخره تو خدا تعالی اس کے ہاتھوں کو نہیں پھیرتا نامراد "

۴۳۳۔ انتہائی ضعیف حدیث ہے۔

اس کو ابن السنی (۱۳۸) ابو الشیخ نے "ثواب" میں اور ابن عساکر نے جیسا کہ "اللآلی المصنوعۃ" (۱۸۲) میں ہے روایت کیا ہے اس کی سند یوں ہے :

اسحاق بن خالد بن یزید البالسی ثنا عبد العزیز بن عبد الرحمن البالسی عن خصیف عن انس رضی اللہ عنہ ۔

یہ سند سخت ضعیف ہے اس میں درج ذیل علل ہیں :

۱۔ اسحاق بن خالد ضعیف ہے اس کے بارے میں ابن عدی نے کہا ہے کہ اس نے متعدد منکر احادیث روایت کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ کامل (۱/۳۲۷) ایضاً "میزان" (۱/۱۹۰)

۲۔ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کی احادیث جھوٹی اور من گھڑت ہیں، جیساکہ امام احمد بن حنبل نے کہا ہے۔
عبداللہ بن احمد اور ابنِ عدی کا کہنا ہے کہ اس کی خصیف سے بیان کردہ روایات باطل ہیں، ملاحظہ ہو "ضعفاء عقیلی" (۳/۵-۶) "کامل ابن عدی" (۳/۹۴۲) ترجمۂ خصیف، ۵/۱۹۲۷۔ ترجمۂ عبدالعزیز)
حافظ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ ثقات سے بہت سی مقلوب اور اثبات سے غلط منسوب احادیث روایت کرتا ہے آگے چل کر کہتے ہیں کہ اس سے کسی بھی صورت میں حجت لینا جائز نہیں۔ "مجروحین" (۲/۱۳۸)
۳۔ خصیف بن عبدالرحمٰن "سیئ الحفظ" ہے جیساکہ حافظ ذہبیؒ نے "کاشف" میں اور حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں کہا ہے۔ ذہبی نے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ آخر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔
۴۔ خصیف اور انس رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، کیونکہ خصیف کی انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہے اور نہ ہی سماع ہے اس کی خصیف نے خود صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو "کامل ابنِ عدی" (۳/۹۴۱، ۹۴۲) اور تہذیب الکمال (۸/۲۶۰)۔
حافظ ابن حجر نے خصیف کے ترجمے میں کہا ہے کہ عبدالعزیز نے ان کے واسطے سے انس رضی اللہ عنہ سے منکر حدیث روایت کی ہے اور ان کا (خصیف کا) انس رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں۔ "تہذیب التہذیب" (۳/۱۴۳)۔
ممکن ہے کہ حافظ صاحب کی منکر حدیث سے مراد مذکورہ حدیث ہی ہو۔ واللہ اعلم
حاصل کلام اس حدیث کے بارے میں تشدد سے نہیں بلکہ تساہل سے بھی کام لیں تب بھی یہ گھٹیا درجے کی ہے اسی لئے جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے بارے میں یہ کہا ہے "ہذا الحدیث واہٍ" یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے "تہذیب تاریخ دمشق" لابن علان (۵/۱۴۳) بحوالہ "الجامع الکبیر" للسیوطی۔
ہمیں یہ قاعدہ تو خوب ازبر ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے مگر محدثین نے اس پر عمل کے لئے جو شرط عائد کی ہیں ان کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔
ان شروط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو، بقیہ شروط کے لئے "احکام الاحکام" لابنِ دقیق العید (۱/۱۷۱-۱۷۲) "القول البدیع" للسخاوی (۲۵۵) اور "تدریب الراوی" (۱/۲۵۲) وغیرہ دیکھیں۔

۴۳۵ - حضرت عامرؓ کہتے ہیں:

"صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع يديه ودعا ......"

" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، جب حضور نے سلام پھیرا تو قبلہ کی طرف سے منہ پھیر کر (مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر) دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔"

(فتاویٰ نذیریہ بحوالہ ابن ابی شیبہ)

معلوم ہوا کہ امام کا سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا درست ہے۔

---

۴۳۵ - اس حدیث کو ابوداؤد (۶۱۴) نسائی (۴۷/۳) اور ابن ابی شیبہ (۳۰۲/۱ دار السلفیہ، ۲۶۹/۱ دار التاج) نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند حسن درجے کی ہے، مگر ان کتب میں "انحراف" کے بعد "ورفع يديه ودعا ....." یہ الفاظ نہیں ہیں۔

اس حدیث کو احمد (۱۶۰/۴ - ۱۶۱) ترمذی (۲۱۹) اور نسائی (۱۱۲/۲ - ۱۱۳) وغیرہ نے طویل روایت کیا ہے مگر ان میں بھی مذکورہ الفاظ نہیں ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں مولانا عبید اللہ رحمانی حفظہ اللہ کی جو تحقیق ہے وہ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " فتاویٰ نذیریہ" کے تینوں مقاموں میں روایت مذکورہ کے آخر میں "الحديث" یا "الخ" کے ذریعے جسے طویل روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اسی سند کے ساتھ "مسند احمد" (۴/ ۱۶۱) "ترمذی مع التحفة" (۱۸۸/۱) "ابوداؤد مع العون" (۲۲۵/۱) "نسائی" (۹۹/۱) "دارقطنی" (۱۵۸، ۱۵۹) "مستدرک حاکم" (۲۴۴/۱) بیہقی (۳۰۱/۲) "صحیح ابن حبان"۔ ملاحظہ ہو "موارد الظمآن" حدیث (۴۳۴) - "صحیح ابن السکن"، "مصنف عبدالرزاق" (۴۳۱/۲)۔ "مسند ابوداؤد الطیالسی"۔ ملاحظہ ہو "منحة المعبود" (۱۲۷/۱) "معرفة الصحابة لابن منده"۔ "المصنف لابن ابی شیبہ" (۲۷۲/۲ - ۲۷۳) باب "المصلي في بيته ثم يدرك جماعة" میں مروی ہے۔

— جامع ترمذی کے الفاظ یہ ہیں — ترمذی کے الفاظ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ مختصر اور مطول دونوں میں سے کسی روایت میں بھی " ورفع یدیہ فدعا " کی زیادتی موجود نہیں ہے .... ہماری اس تحقیق کی بنا پر قائلین دعا برفع الیدین بعد السلام من المکتوبۃ کی چوتھی دلیل (یعنی مذکورہ حدیث) قابل اطمینان ولائق قبول نہیں رہ جاتی۔ واللہ اعلم۔

منقول از " الأذکار المسنونۃ بعد الصلوات المکتوبۃ " لظفر الحسن (۱۱۷-۱۱۹)

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے اس روایت کو عامر کے حوالے سے ذکر کیا ہے، جو کہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث یزید بن أسود عامری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

مسئلہ: فرضی نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء کا حکم

فرضی نمازوں کے بعد مطلق طور پر اور بلا کسی سبب کے اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کے عمل سے اس کی کوئی دلیل ملتی ہے۔

جو علماء اجتماعی دعاء کے قائل ہیں انہوں نے متعدد حدیثوں سے حجت پکڑی ہے جن میں مذکورہ دونوں حدیثیں بھی ہیں مگر ان دونوں ہی حدیثوں سے دلیل لینا صحیح نہیں ہے۔

پہلی حدیث جو کہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس سے حجت لینا اس لئے درست نہیں کہ وہ انتہائی ضعیف حدیث ہے بلکہ اس کو اگر من گھڑت بھی کہہ دیا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔

نہ ہی دوسری حدیث جو یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو اس میں تو " ورفع یدیہ ودعا " کے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ تفصیل گذر چکی۔

جو حضرات اپنی اختراعی ومصنوعی دعا پر اس حدیث سے حجت لیتے ہیں، وہ پہلے اس حدیث میں یہ الفاظ ثابت کریں پھر اس حدیث سے ان کو دلیل لینے کا حق حاصل ہوگا۔

دوسری بات اگر ہم اس حدیث میں ان الفاظ کے وجود کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی یہ حدیث اجتماعی دعا پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس سے تو صرف انفرادی دعا کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ یہی صورت حال اس سے قبل مذکورہ حدیث انس کی ہے جب کہ ہم اس کو علی سبیل الجدل حسن یا صحیح تسلیم کرلیں۔ دعوی کچھ اور ہے اور اس کی دلیلیں کچھ اور۔ —

ـــــ نماز کے بعد اجتماعی دعا پر دیگر دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں :

پہلی دلیل : ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر قبلہ رو ہونے کی حالت میں یہ دعا کی۔

" اللّٰہم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعۃ ...... "

اس کو ابن ابی حاتم نے " تفسیر " میں روایت کیا ہے۔ دیکھیں " تفسیر ابن کثیر (۱/۵۵۵ - النساء آیت ۹۸)۔

تفسیر ابن جریر (۴/۲۳۷) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

اس دلیل کا رد : اس دلیل کا رد تین طرح سے ہے :

ا :- اس میں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں۔

ب :- اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں علی بن زید بن جدعان ہیں جو ضعیف ہیں جیسا کہ " تقریب " میں ہے۔

نیز اس کی سند میں علی بن زید پر اختلاف ہوا ہے، ابن ابی حاتم کے یہاں علی بن زید نے اس حدیث کو سعید بن مسیب کے واسطے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب کہ ابن جریر کے یہاں انہوں نے اس کو سعید کی بجائے عبداللہ یا ابراہیم بن عبداللہ کے واسطے سے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

ج :- علی بن زید نے تو اس حدیث کو یوں بیان کیا ہے، جبکہ امام زہری نے - جو کہ ثقہ و حافظ ہیں۔ اس حدیث کو سعید بن مسیب سے یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد اس دعا کو مانگا کرتے تھے۔

اس حدیث کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سعید بن مسیب کے علاوہ دیگر تین سندیں بھی ہیں۔ ان تمام اسانید میں بھی اس دعا کو رکوع ہی کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے۔

ان مختلف سندوں سے اس حدیث کو بخاری (۷۹۷، ۸۰۴، ۱۰۰۶، ۲۹۳۲، ۳۳۸۶، ۴۵۶۰، ۴۵۹۸، ۶۲۰۰، ۶۳۹۳، ۶۹۴۰) مسلم (۵/۱۷۶-۱۷۸) ابوعوانہ (۲/۲۸۰-۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۷) ابوداؤد (۱۴۴۲) نسائی (۲/۲۰۱-۲۰۲) ابن ماجہ (۱۲۴۴) دارمی (۱/۳۷۴) احمد (۲/۲۳۹، ۲۵۵، ۲۷۱، ۴۱۸، ۴۷۰، ۵۰۲، ۵۲۱) ابن جارود (۱۹۷) ابن خزیمہ (۶۱۵، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۱) طحاوی (۱/۲۴۱-۲۴۲) ابن حبان (۵/۳۰۶-۳۰۷، ۳۲۳) دارقطنی (۲/۳۸) ابن حزم (۴/۱۳۹، ۱۴۹-۱۵۰) البیہقی (۲/۱۹۷-۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۰۷) نے روایت کیا ہے۔

ـــ ان تمام کتب میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعاء کو رکوع کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ علی بن زید کی جو روایت ہے اس میں انہیں وہم ہوا ہے۔

مذکورہ دعاء، دعاء قنوت نازلہ تھی۔ اگر ہم علی بن زید کی روایت کو بھی تسلیم کرلیں تب بھی اس سے دائمی اجتماعی دُعـاء پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس میں ایک خاص موقع کی دعاء کا ذکر ہے۔

حاصل کلام مذکورہ حدیث سے درج ذیل وجوہ کی بناء پر اجتماعی دعاء پر استدلال کرنا باطل ہے:

۱ ـ اس کی سند ضعیف ہے۔ ۲ ـ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں اختلاف بھی ہے۔

۳ ـ ثقہ راویوں نے اس دعاء کا ذکر بحالتِ نماز بعد از رکوع کیا ہے۔ ۴ ـ اس میں اجتماعی دعاء کا قطعاً ذکر نہیں۔

۵ ـ یہ دعاء عام حالات کی دعا نہ تھی، بلکہ ایک خاص سبب کی بناء پر تھی، لہٰذا اس سے عام حالات کی دعاء پر دلیل لینا صحیح نہیں۔

دوسری دلیل: فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نماز دو دو رکعت ہے۔ ہر دو رکعت میں تشہد بیٹھو (یعنی سلام پھیرو) خشوع خضوع اور اطمینان کرو، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے رب کی طرف سیدھے پھیلاؤ اور "یارب یارب" کہو جو شخص ایسے نہیں کرے گا اس کی نماز ناقص ہوگی اور ایک دوسری روایت میں اس شخص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایسا اور ایسا ہے۔

اس حدیث کو عبداللہ بن مبارک نے "مسند" (۵۳) اور "زہد" (۱۱۵۲) میں احمد (۱/۲۱۱، ۴/۱۶۷) ترمذی (۳۸۵) ابویعلٰی (۶۷۳۸) ابن خزیمہ (۱۲۱۳) عقیلی (۲/۳۱۰ ـ ۳۱۱) طبرانی (۱۸/۲۹۵) اور بیہقی (۲/۴۸۷ ـ ۴۸۸) نے لیث بن سعد کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس کو طیالسی (۱/۱۱۶ ـ ۱۱۷) احمد (۴/۱۶۷) ابوداؤد (۱۲۹۶) ابن ماجہ (۱۳۲۵) ابن خزیمہ (۱۲۱۲) عقیلی اور بیہقی نے شعبہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے، مگر شعبہ سے اس سند میں متعدد غلطیاں ہوئی ہیں، جیسا کہ امام بخاری نے کہا ہے تفصیل "ترمذی" میں دیکھی جائے۔

اس دلیل کا رد: اس دلیل کے بھی متعدد جوابات ہیں:

۱ ـ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں عبداللہ بن نافع بن ابی العمیاء ہے جو مجہول ہے، اس کو امام علی بن مدینی نے مجہول کہا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تہذیب" (۶/۴۶) میں ذکر کیا ہے۔ بلکہ حافظ صاحب نے "تقریب"

(۱/۲۵۶) میں خود بھی اس کو مجہول کہا ہے۔

رہا حافظ ابن حبان کا اس کو "ثقات" (۷/۵۳) میں ذکر کرنا تو اس کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ مجاہیل کو بھی ثقہ شمار کرتے ہیں۔

نیز دوسرے ائمہ کے اقوال ان کے مخالف ہیں، علی بن مدینی نے اس کو مجہول کہا ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔

امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہے، یعنی مذکورہ حدیث، ملاحظہ ہو "تاریخ کبیر" (۵/۲۱۳) اور "کامل ابن عدی" (۴/۱۴۱۵)۔

امام ابن خزیمہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"فان ثبت الخبر" "اگر یہ حدیث ثابت ہے، تب"

حافظ عقیلی نے اس حدیث کو مذکورہ دونوں سندوں سے روایت کرنے کے بعد کہا ہے "فی الاسنادین جمیعاً نظر" یہ دونوں ہی سندیں محل نظر ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

۲۔ اس حدیث کا تعلق فرضی نماز سے نہیں بلکہ نفلی نماز سے ہے کیونکہ فرضی نماز تو تین اور چار رکعت بھی ہے جبکہ اس حدیث میں صرف دو دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، لہذا لازماً ماننا پڑے گا کہ اس حدیث کا تعلق نوافل سے ہے، فرائض سے نہیں۔

امام ابو حاتم نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ حدیث سنن و نوافل سے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو "علل ابن ابی حاتم" (۱/۱۳۲)۔

ان کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث نے بھی اس حدیث کو نوافل ہی کے متعلق سمجھا ہے۔ چنانچہ امام ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بیہقی اس کو باب "صلوٰۃ اللیل والنہار مثنٰی مثنٰی" کے تحت لائے ہیں، جب کہ امام ترمذی نے اس کو باب "ماجاء فی التخشع فی الصلوٰۃ" میں ذکر کیا ہے۔

مگر ان ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث سے فرضوں کے بعد اجتماعی دعاء پر استدلال نہیں کیا۔ وہ اس سے استدلال کر بھی کیسے سکتے تھے، اس کی توفیق تو آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب کی ہے۔

۳۔ ہم اگر وقتی طور پر یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اس حدیث کا تعلق فرائض سے بھی ہے تو اس سے اجتماعی دعاء کا مسئلہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے، اس میں تو سب صیغے واحد کے ہیں مثلاً "وتقنع یدیک .... وتقول یارب یارب" وغیرہ۔

لہذا اس سے زیادہ سے زیادہ انفرادی طور پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ اجتماعی دعاء کے قائلین کو اگر اس حدیث سے استدلال کرنا ہی ہے تو انہیں اس دعاء کو واجب یا فرض کہنا ہوگا، نیز جو اس کے قائل نہیں ہیں یا تو انہیں گنہگار متصور کرنا ہوگا یا ان کی نمازوں کو باطل قرار دینا ہوگا کیونکہ اس حدیث کی بعض روایات کے مطابق اس میں مذکورہ امور نہ کرنے والے کو ایسا اور ایسا کہا گیا ہے اور بعض روایات میں ایسی نماز کو (یعنی جس میں مذکور امور نہ ہوں) خداج (ناقص) کہا گیا ہے۔

تیسری دلیل: طبرانی کبیر میں محمد بن ابی یحییٰ اسلمی سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے ایک شخص کو سلام پھیرنے سے قبل ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ "مجمع الزوائد" (۱۰/۱۶۹)

اس دلیل کا رد:

اس دلیل کا رد دو طرح سے ہے۔

۱۔ طبرانی کبیر کا طبع شدہ نسخہ کچھ ناقص ہے اور طبع شدہ نسخے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی احادیث نہیں ہیں اس لئے اس حدیث کی سند کے بارے میں صحیح صورت حال سے آگاہی مشکل ہے، مگر یہاں صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ کسی حدیث کے راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث یا اس کی سند صحیح ہو، کیونکہ ممکن ہے اس سند میں انقطاع ہو یا اس میں کوئی راوی مدلس ہو اور اس نے تحدیث یا سماع کی صراحت نہ کی ہو، لہذا وہ حضرات جو کسی حدیث کی سند کے راویوں کے ثقہ ہونے کی بناء پر اس کو صحیح تصور کرتے ہیں وہ انتہائی غلطی پر ہیں۔

حافظ ہیثمی کے بارے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ حافظ ابن حبان کی توثیق پر اعتماد کرتے ہیں، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اس کی چند مثالیں بھی ذکر کر دی جاتیں۔

طبرانی کے مشائخ کے بارے میں تو حافظ ہیثمی کا عجیب ہی قاعدہ ہے۔ چنانچہ "مجمع الزوائد" (۱/۱۲) کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

طبرانی کے وہ مشائخ جن کا ذکر "میزان" میں ہے، ان کے ضعف پر میں نے تنبیہ کر دی ہے، مگر جو اس میں نہیں ہیں ان کو میں نے ثقات میں شمار کیا ہے۔

۲۔ اس حدیث میں بھی اجتماعی دعاء کا قطعاً ذکر نہیں ہے اس سے بھی زیادہ سے زیادہ انفرادی دعاء پر استدلال

کیا جا سکتا ہے۔

چوتھی دلیل: ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون دعاء زیادہ قبولیت کی حامل ہے، آپؐ نے فرمایا: "جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات"

"رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد"

اس دلیل کا رد:

اس دلیل کے بھی دو جواب ہیں:

۱۔ اس حدیث سے اجتماعی دعاء کا ثبوت مہیا نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند یوں ہے۔

"ابن جريج عن ابن سابط عن ابي امامه رضي الله عنه۔

اس سند میں درج ذیل علتیں ہیں:

ا۔ ابن جریج مدلس ہیں، بلکہ دارقطنی نے کہا ہے کہ سب سے بری تدلیس ابن جریج کی تدلیس ہے، کیونکہ وہ اُ وقت کسی حدیث میں تدلیس کرتے ہیں، جب کہ انہوں نے وہ حدیث کسی مجروح راوی سے سنی ہوتی ہے، جیسا کہ حافظ حجر نے "تهذيب التهذيب" اور "طبقات المدلسين" میں ذکر کیا ہے۔

ابن جریج نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے تحدیث یا سماع کی صراحت نہیں کی ہے۔

ب۔ اس سند میں انقطاع بھی ہے، کیونکہ عبدالرحمٰن بن سابط کا ابوامامہ سے سماع نہیں جیسا کہ ابن معین نے کہا ہے۔

ج۔ اس حدیث میں "دبر الصلوات المكتوبات" کا اضافہ شاذ ہے کیونکہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کی دیگر پانچ سندیں بھی ہیں، مگر ان میں یہ اضافہ نہیں ہے بلکہ ان میں اس حدیث کا صرف پہلا ہی ٹکڑا یعنی "جوف اللّيل الآخر"

اس حدیث کی یہ تمام علتیں حافظ ابن حجر نے بیان کی ہیں۔ دیکھیں "الفتوحات الربّانیہ" (۳۰/۳)

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معنیٰ کی ایک حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں ہے کہ جو شخص فرض نماز ادا کرے اس کی دعاء قبول ہوتی ہے ...."

اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں عبدالحمید بن سلیمان ہے جو ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ہیثمی نے کہا ہے۔ "مجمع الزوائد" (۷/۱۷۵)

پانچویں دلیل:

ایک طویل حدیث میں ہے کہ "جو شخص کسی قوم کا امام ہو تو اسے اپنے لئے ہی دعا نہیں کرنی چاہئے، اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے قوم کی خیانت کی۔

اس کو احمد (۵/۲۵۰، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۸۰) بخاری نے "ادب مفرد" (۱۰۹۴) میں ابوداود (۹۰ - ۹۱) "طہارت" باب "ایصلی الرجل وھو حاقن" ترمذی (۳۵۷) ابن ماجہ (۹۲۳) بیہقی (۳/۱۲۹-۱۳۰) اور مزی نے "تہذیب الکمال" (۱۲/۳۹۳) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند کے ایک راوی یزید بن شریح پر اختلاف ہوا ہے۔ ایک راوی نے ان کے حوالے سے اس حدیث کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسرے نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے اور ایک تیسرے راوی نے ابوامامہ رضی اللہ سے روایت کیا ہے۔

اس دلیل کا رد:

اس کے متعدد جواب ہیں:

۱۔ اس حدیث کو ترمذی وغیرہ نے تو حسن کہا ہے، مگر ابن خزیمہ نے "صحیح" (۳/۶۳) میں اور البانی نے "ضعیف الجامع" (۶۳۴۹) میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

۲۔ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اندرونِ نماز دعاؤں سے ہے، بعد از فراغتِ نماز کی دعاؤں سے نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں تو اس بات کی ممانعت ہے کہ امام صرف اپنے لئے دعا کرے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونِ نماز تمام دعائیں بلکہ بعد از فراغت نماز کی دعائیں بھی بلفظ واحد ہیں، چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں:

والمحفوظ فی أدعیته صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوۃ کلّها بلفظ الافراد، کقوله "ربِّ اغفرلی وارحمنی واھدنی" وسائر الأدعیة المحفوظة عنه، ومنها قوله فی دعاء الاستفتاح: اللّٰھم اغسلنی من خطایای ...." زادالمعاد (۱/۲۶۳-۲۶۴)

پوری نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لفظ واحد سے ہیں، جیسا کہ دعا "رب اغفرلی وارحمنی

داھدنی ہ اور دعاء استفتاح " اللھم اغسلنی من خطایای ....." ہے۔
اسی دعاء استفتاح کی بناء پر امام ابن خزیمہ نے مذکورہ حدیث کو غیر ثابت کہا ہے اور اس دعاء پر انہوں نے باب یہ قائم کیا ہے کہ امام کو اپنے لئے خصوصی دعاء کرنے کی رخصت ہے۔ ملاحظہ ہو "صحیح ابن خزیمہ" (۳ / ۶۳)۔
۳ ۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث دعاء قنوت وغیرہ کے بارے میں ہے۔ دیکھیں "زاد المعاد" (۱ / ۲۶۴)۔
۴ ۔ اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ امام دعاء کو اپنے لئے خاص نہ کرے، اس میں یہ تو نہیں کہ مقتدی بھی اس کے ساتھ مل کر دعاء کریں، لہذا اس حدیث سے اجتماعی دعاء پہ استدلال مردود ہے۔
مذکورہ دلائل کے علاوہ بعض اور دلائل بھی ہیں جن کو اس دعاء کے قائلین نے ذکر نہیں کیا یا اس مسئلے سے متعلق جو فتاوے میری نظر سے گذرے ہیں ان میں ان کا ذکر نہیں [1] وہ دلائل یہ ہیں :
۱ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے :
" اذا صلیتم الصبح فافزعوا الی الدعاء " جب تم صبح کی نماز ادا کرلو تو دعاء کی طرف سبقت کرو۔
اس حدیث کو خطیب بغدادی نے " تاریخ بغداد " (۱۲ / ۱۵۵) میں اور ان سے ابن عساکر نے " تاریخ دمشق " (۹۸ ۔ عبادہ بن ادفیٰ ۔ عبداللہ بن ثواب) میں روایت کیا ہے۔
اس حدیث سے اجتماعی دعاء پر استدلال کیا جا سکتا ہے، مگر اس کی سند انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ اس میں

---

[1] مذکورہ سطور لکھنے کے کچھ عرصے بعد ایک فتاویٰ نظر سے گذرا جس میں نمبر ۱ میں آنے والی حدیث علی رضی اللہ عنہ کو بھی ذکر کیا گیا ہے مگر اس کی تخریج میں غلطی کی گئی ہے وہ یوں کہ اس کو مسلم، ابوداؤد اور نسائی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو " فتاویٰ علماء اہلحدیث (۳ / ۲۲۱)۔
اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ اس حدیث کو " کنز العمال " کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور " کنز العمال " میں واقعتاً اس حدیث کو انہی کتب کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور ان کے علاوہ اس کے لئے، " تاریخ بغداد " اور " تاریخ دمشق " کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (۲ / ۱۰۰ / ۳۳۲۹ ۔ جدید ایڈیشن)۔
جبکہ یہ حدیث ان تمام کتب میں نہیں بلکہ صرف " تاریخ بغداد " اور " تاریخ دمشق " میں ہے۔ علامہ علی متقی نے " منتخب کنز العمال (۲ / ۵۷) میں اس کو انہی دونوں کتابوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ معلوم کہ کنز العمال میں ان سے مذکور غلطی کیسے ہوئی۔

ہے راوی عباس بن عبداللہ بن احمد بن عصام ہے جو متہم ہے جیسا کہ ذہبی نے "مغنی" (۱/۳۲۹) اور "دیوان" (۱/۲۰) میں ذکر کیا ہے۔

بلکہ عبدالرحمٰن بن احمد انماطی نے تو اس کو کذاب افاک کہا ہے، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے۔

تاریخ بغداد میں ابو احمد سراج کا قول ہے کہ یہ صدوق، ثقہ اور مأمون نہ تھا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ "صبح کی نماز میں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات طلب کیا کرو، مگر یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو "احادیث ضعیفہ" (۴/ حدیث ۱۹۰۸)۔

۲۔ زہد عبداللہ بن مبارک (۱۱۵/۴) میں علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن امیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور ان کو آپس میں ملاکر رکھتے اور یہ دعا پڑھتے:

"رب اغفرلی ما قدمت وما أخرت وما اسررت وما أعلنت۔"

اس روایت کے دو جواب ہیں:

۱۔ یہ معضل روایت ہے کیونکہ علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن امیہ اتباع تابعین میں سے ہیں، لہذا ان کے درمیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم از کم دو واسطے ہوں گے ایک تابعی اور دوسرا صحابی کا واسطہ۔

۲۔ صحیح مسلم اور ابو داؤد وغیرہ میں علی رضی اللہ عنہ کی موصول حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو سلام پھیرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے، مگر ان کتب میں ہاتھ اٹھانے وغیرہ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس حدیث کی مفصل تخریج کے لئے اس کتاب کی حدیث (۲۱۴۲) دیکھیں۔

نیز اگر ہم اس معضل روایت کو کچھ دیر کے لئے صحیح تسلیم بھی کرلیں تب بھی اس سے اجتماعی دعا ثابت نہ ہوگی۔

خلاصہ: مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا کے قائلین کے پاس اجتماعی دعا پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے انہوں نے اپنے اس دعوی کے اثبات کے لئے جتنے بھی دلائل پیش کئے ہیں وہ تمام کے تمام اضعف من بیت العنکبوت ہیں، اور وہ تمام دلائل ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا لینے کے مترادف ہیں۔

ان لوگوں کا دعویٰ تو اجتماعی دعا کا ہے، مگر اس پر وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ انفرادی دعا کے ہیں۔

"وشتان بين هذا وذاك"

انتہائی تعجب کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال گذارے۔ پانچوں وقت نمازیں پڑھائیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے آپ کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں، مگر ان میں سے ایک نے بھی اس اجتماعی دعاء کا ذکر تک نہیں کیا، کیا یہ اس کے باطل و مردود ہونے کی واضح اور ٹھوس دلیل نہیں ہے
میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ صحابہؓ اس مسئلے میں خاموش کیوں رہے جب کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے افعال بھی ہم تک پہنچا دیئے ہیں۔
مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کیا عمل تھا اسی کو لیجئے۔
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد "اللہ اکبر" کہتے۔
ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین بار استغفار کرتے اور یہ دعاء پڑھتے "اللھم انت السلام....."
مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ یہ دعاء پڑھتے: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ....."
ان تمام احادیث کی تخریج اس کتاب میں گذر چکی ہے، ملاحظہ ہو حدیث (۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۲-۴۲۴)
ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان اذکار کو تو بیان کر دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی طور پر کیے تھے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ وہ اس عمل کو بیان نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی طور پر کیا ہو۔
بخاری (۸۳۷) ابوداؤد (۱۰۴۰) نسائی (۶۷/۳) ابن ماجہ (۹۳۲) اور عبدالرزاق (۲۴۵/۲-۲۴۶) نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تو عورتیں اسی وقت کھڑی ہو جاتیں، مگر آپ کچھ دیر کے لئے ٹھہرتے۔
اس حدیث کے راوی زہری کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھہرنا اس لئے ہوتا کہ عورتیں مردوں سے پہلے نکل جائیں، یعنی اپنے گھروں میں چلی جائیں۔ مذکورہ سیاق بخاری کا ہے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز کے بعد اجتماعی دعا نہ تھی۔ اگر یہ دعاء ہوتی تو عورتیں خود کو اس کار خیر میں شرکت سے محروم نہ کرتیں۔
اس قسم کے مزید اور دلائل بھی جمع کئے جا سکتے ہیں مگر مزید طوالت کا خوف ہے۔ اور یہ مسئلہ پہلے ہی کافی طویل

ہو چکا ہے۔

بعض حضرات اس اجتماعی دعاء سے انکار کو تشدد سے تعبیر کرتے ہیں۔

ان حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ اولاً تو یہ تشدد ہی نہیں، اگر اسے تشدد تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ تشدد ایسی بدعت کے خاتمے کی خاطر ہے جسے سنت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ لہذا یہ تشدد نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ ضروری بھی ہے۔

ان حضرات سے ہم ایک گذارش یہ بھی کریں گے کہ آپ کی بات درست ہے کہ تشدد سے کام نہیں لینا چاہئے تو کیا یہ بھی درست ہے کہ اس قدر جرأت کی جائے کہ ایک بے اصل و بے ثبوت چیز کو سنت یا "اقرب إلى السنة" کہہ دیا جائے۔

واللہ اجتماعی دعاء کے بارے میں بعض علماء کے فتاوے دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی ہے کہ انہوں اس کو سنت کہہ دیا ہے۔

اس مسئلے کے بارے میں جن علماء کے فتاوے میری نظر سے گذرے ہیں ان میں سے مجھے مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ اور شیخ محمد بن عبدالرحمٰن یمانی کا فتویٰ اقرب إلى الصواب نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی انفرادی طور پر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگ لیتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ دیکھیں "تحفة الاحوذی" (۱/۲۴۶) اور شیخ یمانی کا رسالہ "مسنية رفع اليدين في الدعا بعد الصلوات المكتوبة لمن شاء" المعجم صغیر کے آخر میں (۲/۲۰۰-۲۰۳)۔

فرض نماز کے بعد دعاء کے بارے میں ابوامامہ اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیثوں کے علاوہ بعض دیگر احادیث بھی ہیں جو قابل عمل یا قابل حجت تو نہیں ہیں مگر تنبیہ کے طور پر انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے

تاریخ دمشق (۷/۲۵۸) میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

"جس شخص کو اللہ سے کوئی حاجت ہو تو وہ اسے ہر فرض نماز کے بعد طلب کرے۔"

مگر یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن عمر بن حکم قبلی ہے، جس کو دارقطنی نے سخت ضعیف کہا ہے جیسا کہ ذہبی نے "مغنی" (۲/۶۲۰) میں ذکر کیا ہے۔

حلیۃ ابونعیم (۷/۲۵۴) میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

" اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے شرماتا ہے جو باجماعت نماز ادا کرتا ہے پھر وہ اپنی ضرورت کا اس سے سوال کرتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت حاصل کئے بغیر ہی واپس لوٹ جائے "

مگر یہ من گھڑت روایت ہے، کیونکہ اس کی سند میں اسماعیل بن یحیی التیمی ہے۔ جو کذاب ہے۔ دیکھیں : میزان " (۱/۲۵۳)

بہر حال آدمی کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنے رب سے مانگے، رات ہو یا دن، حضر میں ہو یا سفر میں، گھر میں ہو یا مسجد میں، اذان کے بعد یا نماز کے بعد، غرضیکہ اسے ہر وقت دعاء کرنے کا اختیار ہے۔

(وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ...)

رہی نماز کے بعد اجتماعی دعا تو یہ قطعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اس لئے محققین علمائے کرام نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کو بدعت کہا ہے، بلکہ شیخ البانی حفظہ اللہ نے ایک سائل کے جواب میں کہا تھا کہ یہ ہندوستانی اور پاکستانی سلفیوں کی بدعت ہے۔ (وصدق)۔

جن محققین علماء نے اس اجتماعی دعاء کا رد کیا ہے یا اسے بدعت کہا ہے۔ ان میں امام شاطبی، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ابن حاج، حافظ ابن قیم، شیخ ابن باز، شیخ محمد صالح عثیمین، حافظ ابن حجر، شیخ عبدالحق دہلوی، علامہ محمد رشید رضا مصری، مولانا انور شاہ کشمیری، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی بھی ہیں۔

ملاحظہ ہو " اعتصام شاطبی " (۱/۲۵۲، ۲۶۹، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۷)" مجموعۃ الفتاویٰ الکبریٰ " (۲۲/۵۱۹) ایضاً " الفتاویٰ الکبریٰ (۱/۱۸۸۔ ۱۸۹، ۲۰۴۔ ۲۰۵) مدخل ابن حاج (۲/۲۷۶) زاد المعاد (۱/۲۵۷) فتاویٰ وتنبیہات ونصائح لابن باز (۳۱۱) فتاویٰ عثیمین (۱/۳۶۷۔ ۳۶۸) اور حکیم مولوی عماد الدین حنفی دیوبندی بلوچستانی کی کتاب " التحقیق الحسن فی نفی الدعاء الاجتماعی بعد الفرائض والسنن " (۱/۷۔ ۷۴)۔

واضح رہے کہ اگر کسی سبب کی بناء پر نماز کے بعد کبھی اجتماعی دعاء کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مثلاً: نماز کے بعد ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں مریض ہوں یا فلاں مصیبت میں مبتلا ہوں، یا میرا فلاں مریض ہے یا میرا فلاں عزیز یا رشتے دار فلاں مصیبت میں مبتلا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لہذا آپ سب مسلمان بھائی مل کر میرے لئے یا اس کے لئے دعاء کریں تو اس صورت میں اس کے لئے اجتماعی دعا کرنا جائز ہوگا۔

۱۔ سنن بیہقی (۳/۳۵۶) میں موصولاً اور بخاری (۲/۵۱۶۔ فتح) میں تعلیقاً[۱] انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ جمعہ کے روز ایک دیہاتی آیا اور آکر کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مویشی اور لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ (بارش نہ ہونے کی وجہ سے) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شروع کی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت یا کسی سبب کی بنا پر اجتماعی دعا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

خطبہ جمعہ میں دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تو تھا مگر ہاتھ اٹھا کر نہیں، اسی لئے تو عمارہ بن رؤیبہ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان پر دوران خطبہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کی وجہ سے انکار کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کو برباد کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو میں نے صرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث کو احمد (۴/۱۳۵-۱۳۶، ۲۶۱) مسلم (۶/۱۶۲) ابوداؤد (۴/۱۱۰) ترمذی (۵۱۵) نسائی (۳/۱۰۸) دارمی (۱/۳۶۶) اور ابن خزیمہ (۱۷۹۳) وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۴۷۵ دار التاج) میں بسند صحیح عبداللہ بن مرہ سے روایت ہے کہ مسروق نے خطبہ جمعہ میں امام اور لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو کاٹ دے۔

اسی "مصنف" میں معمر بن راشد سے روایت ہے کہ زہری نے کہا کہ جمعہ کے دن ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔

اس اثر کی سند بھی صحیح ہے، ابن ابی شیبہ نے ان آثار کو باب "رفع الایدی فی الدعاء یوم الجمعۃ" میں روایت کیا ہے۔

زہری کی روایت میں "ابن ابی شیبہ" میں ایک دوسرے مقام پر یہ اضافہ بھی ہے کہ سب سے پہلے مروان نے ہاتھ اٹھائے تھے۔ ملاحظہ ہو (۷/۲۵۰۔ دار التاج)۔

---

[۱] بخاری میں یہ روایت متعدد مقامات پر موصولاً بھی مروی ہے مگر یہاں محل شاہد جو ہے وہ اس میں تعلیقاً ہی ہے۔ یہ تنبیہ میں نے اس لئے کی ہے کہ بعض فاضل کو یہ اشتباہ ہوا تھا کہ جب یہ حدیث بخاری میں متعدد مقامات میں موصولاً مروی ہے، تو اسے معلق کیوں کہا گیا ہے۔

عمارہ بن رؤیبہ صحابی رضی اللہ عنہ نے مسروق اور زہری تابعین نے دورانِ خطبہ دعاء میں محض ہاتھ اٹھانے پر کس قدر سختی سے انکار کیا، اگر یہ بزرگ ہماری مروجہ اجتماعی دعاء کو دیکھتے تو معلوم نہیں کہ وہ اس کے بارے میں ہمیں کیا کہتے ۔

واضح رہے کہ عمارہ رضی اللہ عنہ، مسروق اور زہری کے اقوال مذکورہ حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالف نہیں ہیں بلکہ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اٹھانا ایک سبب اور عارضہ کی بناء پر تھا ملاحظہ ہو "شرح مسلم" (۶/۱۶۲)۔

۲ ۔ طبقات ابن سعد (۳/۶۹) میں علقمہ بن وقاص سے روایت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر تھے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ نے تو اس امت کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے، لہذا آپ اور لوگ بھی آپ کے ساتھ توبہ کریں ۔

علقمہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا، ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "اللّٰھم انی استغفرك واتوب الیك" اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے ۔

اس اثر کو ابن سعد نے دو سندوں سے روایت کیا ہے اور یہ اپنی ان دو سندوں کی بناء پر ثابت ہے ۔

• • •

اسعاد العباد بحقوق الوالدین والاولاد

تالیف: علامہ نواب سید صدیق حسن خاں بھوپالی رح ۔
قیمت: بارہ (۱۲) روپئے ۔
والدین اور اولاد کے حقوق پر جامع کتاب ۔
پتہ: مکتبہ سلفیہ، جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس ۲۲۱۰۱۰

باب الفتاویٰ

سوال ۱۔ فرض نماز کے بعد جو اجتماعی طور پر دعا ہوتی ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟ کیا احادیث میں اس کا کوئی ثبوت ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب !

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنۃ" تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اور اس بہترین نمونہ میں ہمیں فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنے کا ثبوت نہیں ملتا، حتیٰ کہ انفرادی طور پر بھی ہاتھ اٹھا کر بالالتزام دعا مانگنا صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ فرض نماز کے بعد دعائیں پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ان دعاؤں کی تفصیل احادیث و اذکار کی کتابوں میں آئی ہے ہمیں اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

سوال ۲ : قراء حضرات قرأت کے بعد "صدق اللہ العظیم" پڑھتے ہیں تو کیا یہ پڑھنا صحیح ہے؟ اگر نہیں پڑھ سکتے تو کیوں؟

الجواب بعون اللہ الوھاب !

جو چیز قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اسے کرنا درست نہیں ہے، قراء حضرات جو تلاوت کلام پاک کے بعد "صدق اللہ العظیم" کی پیوندکاری کرتے ہیں وہ درست نہیں ہے، کلام الٰہی اپنی معجز بیانی میں اور ہر اعتبار سے معجزۂ صادق ہے، اور اللہ تعالیٰ اصدق القائلین ہے "ومن أصدق من اللہ قیلا" اس لئے اس کا کہنا درست نہیں ہے۔

سوال ۳ : آج کے دور میں جمعہ کے لئے جو دو آذانیں کہی جاتی ہیں یہ کہاں تک صحیح ہے؟ کیا موجودہ دور میں دو آذان کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون اللہ الوھاب ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مبارک عہد میں

پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا، اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے تو اذان نبوی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پر دی جاتی تھی اس سے پہلے ایک اور اذان زوراء بازار میں دی جانے لگی تاکہ بازار والوں اور دور کے لوگوں کو اطلاع ہو جائے، یہ ایک ضرورت تھی جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اذان کا اضافہ مسجد سے باہر بازار میں کر دیا تھا۔ اس لئے کہیں ایسی ضرورت ہو جہاں اس کے بغیر کام چلنے والا نہ ہو تو مسجد سے باہر اذان دلوائی جا سکتی ہے اور خطبے والی اذان سنت نبوی کے مطابق مسجد کے دروازے پر ہونی چاہئے۔ آج کے دور میں جس طرح اذان اول کو مسجد میں پھر اذان ثانی کو امام کے سینے پر دینے کا رواج ہے وہ سراسر رواجی چیز ہے سنت نبوی اور طریقہ عثمانی کے بالکل خلاف ہے۔ آج کے دور میں جب کہ گھڑی اور لاؤڈ سپیکر کی سہولت حاصل ہے اس اضافہ شدہ اذان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الراجی عفو ربہ
اصغر علی امام مہدی السلفیؔ

غایۃ التحقیق فی تضحیۃ ایام التشریق

تالیف: مولانا محمد رئیس ندویؔ قیمت: بارہ (۱۲) روپئے

بقرعید کے دن دس ذی الحجہ کے بعد گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو قربانی کرنے کے جواز پر مدلل کتاب ..

پتہ: مکتبہ سلفیہ، جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس - ۲۲۱۰۱۰

باپ ماں کے ساتھ حسن سلوک

حکم خداوندی اور فرمان نبوی کی روشنی میں!

راقم: عبدالقدوس بن مولانا عبدالاحد صاحب مئو ناتھ بنارس

دنیا میں آنے والا ہر انسان اپنے باپ کے سایۂ عاطفت اور ماں کی رحمت و مروت بھری گود ہی میں پلتا بڑھتا اور پروان چڑھتا ہے، ماں باپ کے ساتھ کا یہ رشتہ تمام رشتوں میں زیادہ مقدس محترم اور مضبوط ہے، اور اس کی انسان کی سعادت و نیک بختی میں بڑی اہمیت ہے، اور اسی لئے اسلام میں اس رشتہ کے سلسلہ میں بنیادی تعلیمات موجود ہیں، اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ اور بالخصوص ماں کے ساتھ انکساری، نازبرداری، نرم گفتاری، خوش اخلاقی ان سب اچھائیوں کے ساتھ پیش آنے کی تعلیم دی ہے، جھڑکنا، ڈانٹنا اور بگڑنا تو درکنار اُف تک کہنے سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن اولاد کی دنیا اور آخرت ہری بھری رکھے، جنہوں نے اپنے والدین کو اپنی زندگی میں پایا یا دونوں میں سے کسی ایک کو بھی پایا اور ان کی خدمت کر کے اپنے نامۂ اعمال میں ان کی دعاؤں کا انبار اکٹھا کر لیا۔

ان امی ھی التی ولدتنی بعد ربی فصرت بعض الانام
فلہا حمد بعد حمد الٰہی ولہا الشکر بعد شکر الٰہی

اب ہم یہاں قرآن مجید میں والدین سے متعلق فرمان خداوندی نوٹ کرتے ہیں اور فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی نقل کرتے ہیں تاکہ ہر مسلمان لڑکا ہو یا لڑکی اس ھدایت کی روشنی کے بعد بھٹک نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ اسراء میں فرمایا:

"وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا، اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لہما اُف ولا تنہرھما وقل لہما قولا کریما، واخفض لہما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا" (آیت ۲۴) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ اور حکم ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی کی بندگی نہ

کرو، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ جب ان دونوں میں کا ایک دونوں بڑھاپے کی منزل میں پہنچ جائیں تب تم ان دونوں کو کبھی اف نہ کہنا اور نہ جھڑکنا، ان سے عمدہ انداز میں بات کرنا، ان کے لئے اپنے دونوں بازو کو انکساری، فرماں برداری کے لئے جھکائے رہنا پھر کہا کرنا اے رب ان دونوں پر رحم فرما۔ جس طرح ان دونوں نے مجھ کو چھوٹے پن میں پالا ہے۔　　اللہ تعالیٰ نے سورہ لقمان میں ارشاد فرمایا:

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علیٰ وھن وفصالہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر۔ (آیۃ ۱۴) ترجمہ: ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں حکم صادر کر دیا، اس کی ماں نے تو مشقت پر مشقت برداشت کر کے شکم میں اٹھائے رکھا، پھر دو سال تک اپنی گود میں رکھ کر تب جدا کیا، ان سب کے لئے میرا شکریہ، اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کر، میری طرف تمہارا لوٹنا ہے۔

ووصینا الإنسان بوالدیہ إحسانا حملتہ أمہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا حتی اذا بلغ أشدہ وبلغ أربعین سنۃ قال رب أوزعنی أن أشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وأن أعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی إنی تبت الیک وإنی من المسلمین۔ (الاحقاف ۱۵)
ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا، اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا، اور تکلیف ہی سے جنا، اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہونچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکرگذار رہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو پسند کرے، اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح اور تقویٰ دے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرماں برداروں میں ہوں۔

عن انس بن مالک أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما صعد المنبر قال: آمین، آمین، آمین، قیل یارسول اللہ: علی ما أمنت ؟ قال أتانی جبرئیل فقال یا محمد رغم أنف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علیک قل آمین، فقلت آمین، ثم قال: رغم أنف رجل دخل علیہ شھر رمضان ثم خرج فلم یغفر لہ، قل آمین، فقلت آمین، ثم قال رغم أنف رجل أدرک والدیہ أو أحدھما فلم یدخلاہ الجنۃ قل آمین، فقلت آمین۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھتے ہوئے تین بار آمین آمین آمین

ہا، آپ سے آمین کہنے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا: حضرت جبرئیل میرے پاس تشریف لائے اور مخاطب کرکے فرمایا: اے محمد! اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس آپ کا نام ذکر کیا گیا مگر اس نے آپ پر درود نہیں بھیجا، کہئے آمین تو میں نے آمین کہا۔ پھر حضرت جبرئیل نے فرمایا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے اوپر ماہ رمضان آیا اور ختم ہوگیا مگر اس کی مغفرت نہیں ہوسکی، کہئے آمین، تو میں نے آمین کہا، اس کے بعد حضرت جبرئیل نے فرمایا: اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا لیکن وہ دونوں اس جنت میں داخلہ کے سبب نہیں بن سکے، کہئے آمین، تو میں نے کہا آمین۔

عن أبي اسيل وهو مالك بن ربيعة الساعدي قال بينما أنا جالس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم اذ جاءه رجل من الأنصار فقال يا رسول الله هل بقي علیّ من برّ أبوی بعد موتهما ابرهما به قال نعم خصال أربع: الصلاة عليهما والاستغفار لهما، وانفاذ عهدهما واكرام صديقهما وصلة الرحم التي لا رحم لك إلا من قبلهما فهو الذي بقي عليك من برهما بعد موتهما۔

ابو اسیل مالک بن ربیعہ ساعدی فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری آدمی آیا اس نے آپ سے دریافت فرمایا اے اللہ کے رسول! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد بھی کوئی حسن سلوک ہے جو میں ان کے ساتھ کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، چار چیزیں ہیں: ۱۔ ان کے لئے دعائیں کرو اور ان کے لئے مغفرت طلب کرو۔ ۲۔ انہوں نے جو وعدہ اور عہد کیا ہو اسے پورا کرو۔ ۳۔ ان کے دوستوں کے ساتھ عزت کے ساتھ پیش آؤ۔ ۴۔ ان کے مخصوص رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ یہی چیزیں ان کی موت کے بعد ان کے حسن سلوک کی باقی ہیں۔

إن جاهمة جاء النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله: أردت الغزو وجئتك استشيرك فقال هل لك من أم قال نعم قال فالزمها فان الجنة عند رجليها۔

جاہمہ صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں غزوہ میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہوں اور آپ سے مشورہ طلب کرنے کے لئے آیا ہوں، آپ نے پوچھا کیا تمہاری ماں زندہ ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا: ان کی خدمت لازم پکڑ لو، کیونکہ جنت ان کے قدموں کے پاس ہے۔

حدثنا بهز بن حكيم حدثني أبي عن جدي قال قلت يا رسول الله من أبر قال أمك قال قلت ثم

من قال أمك قال قلت ثم من قال أمك قال قلت ثم من قال ثم أباك ثم الأقرب فالأقرب ۔

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کون میرے حسن سلوک کا زیادہ حقدار ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، پھر میں نے پوچھا اس کے بعد آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، میں نے پوچھا اس کے بعد آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، پھر میں نے پوچھا اس کے بعد تو فرمایا: تمہارا باپ، اور اس کے بعد قریب سے قریب تر رشتہ دار

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد ۔

عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: رب کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں ہے، اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے ۔

عن عبد الرحمٰن بن أبی بکرة عن أبیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ألا أحدثکم بأکبر الکبائر قالوا بلی یا رسول اللہ قال ألا شراک باللہ وعقوق الوالدین قال وجلس وکان متکئا قال وشهادة الزور أو قول الزور فما زال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقولها حتی قلنا لیته سکت ۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہ نہ بتادوں حاضر لوگوں نے عرض کیا ضرور اے اللہ کے رسول ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا: ۱۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔ ۲۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت آپ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے مگر پھر سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا: ۳۔ اور جھوٹی گواہی دینا، آپ اس کو بار بار کہتے رہے۔ ہم نے اپنے دل میں سوچا کاش آپ خاموش ہوجاتے ۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الکبائر أن یشتم الرجل والدیه قالوا یا رسول اللہ وهل یشتم الرجل والدیه قال نعم یسب أبا الرجل فیسب أباه ویشتم أمه فیشتم أمه ۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے، صحابہ کرام نے تعجب سے سوال کیا: کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ کہا: ہاں، وہ غیر کے باپ کو گالی دے اور دوسرا اس کے باپ کو گالی دے، یہ شخص دوسرے کی ماں کو گالی دے اور دوسرا اس کی ماں کو گالی دے ۔

کچھ نظم سے متعلق

دنیا میں ہر ماں کے دل میں اولاد کے لئے رحم و محبت ہوتی ہے ۔ اسی طرح اولاد کا دل بھی ماں باپ کی محبت سے معمور ہوتا ہے ، اور ماں سے زیادہ انسیت ہوتی ہے ۔ انسان جب زندگی کے مختلف مراحل سے گذرتا ہے تو اس محبت کا ظہور کچھ کم محسوس ہوتا ہے لیکن دل کی گہرائیوں میں اس کی جلوہ گری باقی رہتی ہے ۔

میں نے ذیل کی نظم جب والدہ محترمہ کے لئے تحریر کی تو اس وقت میری عمر پندرہ سولہ سال تھی ۔ ۵، ۶ سال کی عمر سے والدہ مجھے محلہ کے مدرسہ میں پڑھنے کے لئے بھیجتی تھیں ، مدرسہ کے بعد میرا زیادہ وقت ان ہی کے پاس گذرتا تھا ۔

میری والدہ ایک غریب گھرانہ کی تھیں ، بڑی ملنسار و خوش اخلاق تھیں ۔ وہ چاہتی تھیں ، اور کہا کرتی تھیں کہ : عبدالقدوس ! تم جلد قرآن و حدیث پڑھ لو تو ہم لوگ تم سے دین کی باتیں سنا کریں گے ۔

والدہ بیمار رہا کرتی تھیں ، ۱۹۲۶ء تک ہم پانچ بھائی اور چار بہن تھے ، اسی سال جب کہ چھوٹے بھائی صرف دو سال کے تھے ، والد صاحب سب کو ساتھ لیکر سفر حج پر تشریف لے گئے ، وہاں سے آکر تین مہینے بعد والدہ انتقال فرما گئیں ، میں اس وقت بلوغ المرام پڑھ رہا تھا ، سفر حج میں عربی بول کر کام نکال لیتا تھا ۔

والدہ کے انتقال کے بعد ان کے غم میں میں بہت کچھ سوچا کرتا تھا ، اور ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے والد ماجد صاحب کی خدمت میں رہ کر پر کرنے کی کوشش کرتا تھا ، اور ان کی خدمت کی سعادت بھی حاصل کرتا تھا ، جلسوں اور گھروں میں وعظ و تقریر بھی کرتا تھا ، اس موقع پر اکثر والدہ ماجدہ کی یاد آتی تھی ، اور حسرت کے ساتھ سوچتا تھا کہ اگر آج زندہ ہوتیں تو میری خدمت و کارکردگی سے ان کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی ۔

ذیل کی نظم میں میرے اسی طرح کے جذبات کی عکاسی ہے ، اسے قارئین محدث کی نذر کرتا ہوں ۔

(عبدالقدوس نسیم)

نذرانۂ عقیدت ماں کے حضور

میری امی مجھے آغوشِ محبت ہے یاد
میری امی مجھے ہر لطف و مروت ہے یاد
ہے مجھے یاد لڑکپن کا وہ مجبور جہاں
میری جانب تری دن رات عنایت ہے یاد

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

کس قدر پیار سے تونے مجھے پالا پوسا
میرے عارض مری پیشانی کا لے کر بوسہ
کر دیا ہو مجھے آغوش محبت سے الگ
رات دن میں نہ رہا کوئی بھی ایسا گوشہ

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

عقل و دانش سے میں جس روز بہت دور رہا
چلنے پھرنے سے بہت زیادہ میں مجبور رہا
تو مجھے اپنی ہی باہوں پہ لئے پھرتی تھی
ہر گھڑی تیری محبت کا یہ دستور رہا

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

میری الفت میں شب و روز تو دیوانہ تھی
میری خاطر تو ہر اک عیش سے بیگانہ تھی
تونے دراصل مجھے جانِ تمنا جانا
میں تھا اک شمع تری جس کا تو پروانہ تھی

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

تو مچل جاتی تھی جس دم میں مچل جاتا تھا
دل ترا میرے تڑپنے سے دہل جاتا تھا
میری ہر ایک ادا سے تھا تعلق تجھ کو
تجھ کو ملتا تھا سکوں میں جو بہل جاتا تھا

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

سیکڑوں بار مری تونے بلائیں لی ہیں
تونے میرے لئے مولیٰ سے دعائیں کی ہیں
میری اس جان پہ تیرے ہیں ہزاروں احساں
مامتا نے تری ہر لمحہ وفائیں کی ہیں

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

تونے ابا کی مجھے ایک امانت جانا	تونے اولاد کو اللہ کی نعمت جانا
ایک مدت سے مری تونے نگہبانی کی	ساری دنیا سے بھی بڑھ کر مجھے دولت جانا

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

لطف کا تیرے میں احسان چکاؤں کیسے	سوچتا ہوں کہ ترا ناز اٹھاؤں کیسے
فرض ہے مجھ پہ کروں تیری ہمیشہ خدمت	تیرے قدموں میں جو جنت ہے وہ پاؤں کیسے

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

میری یہ جان ترے پیار کی قیمت ہوگی	ساری دنیا ترے احسان کی قیمت ہوگی
جان و دل اپنا اگر تجھ پہ نچھاور کردوں	پھر بھی ہرگز نہ ادا دودھ کی قیمت ہوگی

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

درگذر کردو اگر میری خطا ہو کوئی	ذہن میں تیرے اگر میری جفا ہو کوئی
میں ہوں اب تک ترا پروردہ حسیں لخت جگر	تیرے دل میں نہ مرا آج گلا ہو کوئی

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

تیری الفت میں خود اپنے سے وفا مانگوں گا	تیرے احسان کا مولیٰ سے صلہ مانگوں گا
رہ کر احکام کا پابند اے مری امی جاں	تیری بخشش کی میں رو رو کے دعا مانگونگا

میری امی میں ترے پیار کا بدلہ کیا دوں

شاید اس طرح ترا حق بھی ادا ہو جائے	تیری خوشنودی سے راضی وہ خدا ہو جائے
بخش دے تو جو اگر میری خطاؤں کو تمام	رحمت اللہ کی مجھ پر بھی رسوا ہو جائے

شاید اس طرح ترے پیار کا بدلہ دیدوں

نسیم بنارسی

ایک اور گمنام خادم کی رحلت

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ضروری ہے، اور جس شخص کی موت کا جو وقت مقرر ہے اس میں کسی طرح کی تقدیم و تاخیر ممکن نہیں، ہم اپنی آنکھوں سے ہمیشہ اس فرمان کی تصدیق دیکھتے ہیں، دنیا سے رخصت ہونے والے ہر عمر و حیثیت کے لوگ ہوتے ہیں، بہت سی نئی عمر والے رخصت ہو جاتے ہیں اور معمر زندہ رہتے ہیں، بہت سے صحت مند لقمۂ اجل بن جاتے ہیں اور بیمار باقی رہتے ہیں بلکہ شفایاب ہو جاتے ہیں، ان احوال میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت ہے، ہمیں موت سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہیے، نہ اس کے لئے تیاری میں کسی طرح کی کوتاہی کرنی چاہئے۔ عام طور پر انسان کو ایسے اقرباء و متعلقین کی موت کا زیادہ غم ہوتا ہے جو عمر طبعی کو پہنچنے سے پہلے کوچ کر جاتے ہیں، لیکن عمر طبعی کو پہونچ جانے والے افراد کے سلسلہ میں اس کا غم عام حالات میں کم ہوتا ہے، لیکن کچھ بوڑھے افراد اپنے عمل، اخلاص اور کارکردگی کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں جن کی رحلت نئی عمر والوں سے زیادہ درد انگیز ہوتی ہے، اور ان کے چلے جانے سے احساس ہوتا ہے کہ کسی عظیم مخلص و سرپرست کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جامعہ سلفیہ اور اس کے متعلقین کے لئے الحاج محمد الیاس بن فخر الدین صاحب کی شخصیت ایسی ہی تھی، موصوف مورخہ ۴ر جمادی الآخرۃ ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰/ نومبر ۱۹۹۲ء کو پونے پانچ بجے شام میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

اسی ماہنامہ محدث کی پچھلی اشاعت میں ہم جامعہ کے ایک دوسرے خادم الحاج عبدالرحمٰن (ماماؒ) کی وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار کر چکے ہیں، اور آج اسی طرح کی ایک دوسری شخصیت کی وفات پر یہ سطور قلم بند کی جا رہی ہیں۔ الحاج محمد الیاس صاحب اور ان کے گھرانہ سے راقم سطور اور اس کے افراد خاندان کا تعلق بنارس آنے کے فوراً بعد ہی سے ہے، بنارس کی مقامی زبان کے مطابق ہم لوگ مرحوم کو "الیاس دا" کے نام سے یاد کرتے تھے، تخاطب کے اس انداز میں وہ تمام یگانگت و احترام پوشیدہ تھا جسے بڑے بڑے مرصع جملے ادا نہیں کر سکتے۔

جامعہ سلفیہ کی جو خدمت موصوف سے متعلق تھی اسے نہ صرف محنت و اخلاص سے ادا کرتے تھے بلکہ اس کے لئے وقف ہو جاتے تھے، ان کی بے نفسی اور للٰہیت کا یہ عالم تھا کہ اپنی طویل خدمات کے عوض جامعہ سے کبھی کچھ قبول نہ کیا، اور اس کی ایک ایک چیز کی اس طرح سے حفاظت کی کہ آدمی اپنے گھر کے سامان کی ویسی حفاظت نہیں کر سکتا۔ موصوف بہت زیادہ پڑھے لکھے آدمی نہ تھے، لیکن مطبخ کا حساب و کتاب جس احتیاط و وقت پسندی سے درج کرتے تھے وہ اپنی مثال آپ ہے، جامعہ کے

حسابات کو حبیب اللہ اینڈ کمپنی کے کارکن آڈٹ کرتے ہیں، میں نے کمپنی کے ایک قدیم کارکن شمیم احمد صاحب کی زبانی خود سنا کہ الیاس صاحب کا حساب لکھنے کا طریقہ بیحد قابل تعریف ہے، کوئی اس پر انگلی نہیں رکھ سکتا۔

محمد الیاس صاحب کئی سال پیشتر کسی کام سے جامعہ آرہے تھے، راستہ میں حادثہ پیش آگیا اور کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی، کئی ماہ کے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہوئے لیکن قدرے لنگ باقی تھا، اس مجبوری کی حالت میں بھی جامعہ کی خدمت کا جذبہ باقی تھا۔ لوگوں نے بہت زور دیا کہ اب جامعہ کے کاموں سے علیحدگی اختیار کریں لیکن موصوف نے سابق ناظم اعلیٰ مولانا عبد الوحید رحمہ اللہ سے اجازت لے کر جامعہ میں رہائش اختیار کرلی اور اس کی خدمت میں مشغول رہے ان کی بے نفسی کا یہ حال تھا کہ جامعہ کا کام جامعہ میں رہ کر کرتے تھے لیکن تینوں وقت کا کھانا گھر سے منگا کر کھاتے تھے، ان کی اہلیہ اور اولاد نے جس طرح ان کی خدمت کی وہ بھی قابلِ ذکر بلکہ قابل تقلید ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

موصوف بڑے صابر و شاکر انسان تھے، اساتذہ و طلبہ سے بیحد محبت کرتے تھے، اور ہمیشہ سب کی بھلائی کے لئے کوشاں رہتے تھے، جب کوئی بدعنوانی دیکھتے تھے تو فوراً تنبیہ کرتے تھے، اور ذمہ داروں سے اس مسئلہ پر بات کرتے تھے۔ چند ماہ پیشتر اولاد کے سخت اصرار پر موصوف اپنے گھر منتقل ہوگئے، اسی دوران اہلیہ کا انتقال ہوگیا تو ان کی طبیعت زیادہ مضمحل رہنے لگی، اور چند ماہ بعد خود بھی راہی ملک بقا ہوگئے۔ نیمیکی مسجد میں جمعہ کے لئے جاتا تھا تو بڑی محبت سے ملتے تھے، میں کہتا تھا کہ گھر پر ہی نماز ادا کرلیجیے آنے میں تکلیف ہوتی ہے، لیکن جواب دیتے کہ خطبہ سننے کے لئے اور جماعت کے ثواب کی نیت سے آجاتا ہوں جب مجبوری بڑھ گئی تو چند جمعے گھر ہی ادا کئے ـــــ جامعہ کے قیام سے لے کر اپنی وفات تک مرحوم نے اس کی بے لوث خدمت انجام دی اس کی مثال کم ملے گی، وہ گھریلو ذمہ داریوں سے سبکدوش تھے، لہٰذا ان کی فکر [illegible] جامعہ ہی تھا، مرحوم کی اس طویل و خاموش خدمت کا ظاہر ہے کوئی اعلان و اشتہار نہ ہوا نہ کسی جلسہ میں انھیں خراجِ عقیدت [illegible] کیا جائے گا لیکن ان کے نامۂ اعمال میں ان شاء اللہ اس کا بڑا وزن ہوگا، اور اسی لئے شاید اللہ تعالیٰ ایسے مخلصین کو گوشۂ گمنامی میں رکھتا ہے کہ آخرت میں انھیں ان کے اعمال کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

دینی تعلیمی اداروں سے ربط و تعلق کا یہ دور نہیں، بہت کم لوگ ان اداروں سے اپنے آپ کو وابستہ کر پاتے ہیں، اور اس سے بھی کم لوگ ان کی خدمت میں کوئی ثواب سمجھتے ہیں، ایسے حالات میں الیاس صاحب کی قدر و قیمت اور ان کی موت سے پیدا ہونے والے خلا کا شدید احساس ہوتا ہے مرحوم کا خاندان بہت بڑا ہے، ان کی اولاد نیک اور علم و علماء سے عقیدت رکھنے والی ہے، ہمیں امید ہے کہ مرحوم کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ ضرور کھڑا کرے گا ـــــ ان سطور کے اختتام پر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم [illegible] اور ان کے پسماندگان کو نیک عمل اور صبر کی توفیق بخشے آمین وصلی اللہ علی النبی الکریم وسلم

حالاتِ حاضرہ کے موضوع پر طلباء جامعہ سلفیہ کا پروگرام

روداد اور قرارداد

ہندوستان قدیم زمانہ ہی سے مختلف تہذیب، تمدن اور مذہب ملت کا گہوارہ ہے جسکی بنا پر وہ مختلف پہلو اور گوناگوں احوال رکھتا ہے یہ اپنی نیرنگی اور بوقلمونی میں اپنی مثال آپ ہے انگریز نے اسے سونے کی چڑیا سے تعبیر کیا مگر اس کی بربادی اور ہلاکت کا سبب بھی وہی بنا، ابھی ۶ر دسمبر کا واقعہ ان کی ہی تخم ریزی کا نتیجہ ہے۔

ہندوستان آزادی کے بعد سے جن مشکلات سے دوچار ہے ان میں سب سے بڑی اور اہم مشکل حال ہی میں بابری مسجد کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوئی، بابری مسجد کی شہادت کیا ہوئی کہ ہندوستان کی آزادی کا خواب پریشان ہوتا ہوا نظر آنے لگا اور سیکولرازم کی موت ہوگئی، اس حادثہ فاجعہ پر مسلمانان ہند جس قدر بھی غم وغصہ کا اظہار کریں وہ کم ہی ہے کیونکہ یہ ایک مسجد کی شہادت نہیں بلکہ ان کے ملی تشخص کی شہادت ہے اور ان کے وجود وبقاء کا مسئلہ ہے جو سورت، بمبئی، احمد آباد کے فسادات میں جھلک رہا ہے اس اندوہناک صورتحال سے نمٹنے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہونی چاہئے لیکن ابھی تک اس طرح کا کوئی اقدام نہیں ہوا، اس میں ضرور کوئی راز ہے لیکن ہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ان حالات پر تبادلۂ خیال اور گفت وشنید کیلئے طلباء جامعہ سلفیہ نے ایک پروگرام کے انعقاد کا فیصلہ کیا چنانچہ طلباء کو احساس دلانے اور ان میں صور بیداری پھونکنے کے لئے " ندوۃ الطلبہ " کی طرف سے ۸ر جنوری ۱۹۹۳ء مطابق ۱۴ر رجب ۱۴۱۳ھ کو حافظ رضاء الحسن صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ کا انعقاد ہوا جس میں تلاوت قرآن کے بعد حمد ونعت کا سلسلہ چلا پھر تقاریر کا دور شروع ہوا جس میں وقت کے تقاضہ کے مطابق مختلف عناوین پر تقریریں ہوئیں، پہلے مقرر حافظ محمد صہیب صاحب تھے انہوں نے " ہندو تنظیموں پر ایک نظر " کے موضوع پر پرمغز تقریر کی جس میں انہوں نے آر ایس ایس اور اس کی ہمنوا بی جے پی، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل، اکھل بھارتی ودیارتھی پریشد، مزدور سبھا، راشٹریہ سیوا سمیتی، شیوسینا تنظیموں کا تاریخی جائزہ پیش کیا اور سامعین کو ان کے عزائم ومنصوبے سے آگاہ کیا، پھر اس کے بعد خاکسار کی تقریر تھی مجھے اس حادثہ فاجعہ پر مسلم رہنماؤں کے ردعمل کے موضوع پر تقریر کرنی تھی میں نے جہانتک ہوسکا مسلمان سیاسی لیڈروں کے بیانات سنائے اور ان کا تجزیہ موجودہ المیہ کی

روشنی میں پیش کیا اور حالات حاضرہ پر کچھ کر گذرنے کے لئے ابھارا اور تاریخی شہادت سے ایسے جاں گسل حالات کو واضح کیا
بعد ازاں اقبال احمد صاحب کی تقریر ہوئی ان کا موضوع سیاسی لحاظ سے اہم تھا، انہوں نے اقلیت کے ساتھ کانگریس
آئی کا کردار کے موضوع پر تقریر کی اور تاریخ کے واقعات سے ثابت کیا کہ بابری مسجد پر طاری ہونے والے حالات اور نازل ہونے
والے جملہ مصائب کانگریس کے دور میں ہوئے، انہوں نے آزادی سے اب تک کی تاریخ کو دہرایا اور پھر مسلم کش فسادات پر توجہ دلائی
اور اعداد وشمار سے یہ ثابت کیا کہ کانگریس آئی کے زمانہ میں مسلم کش فسادات بہت ہی زیادہ ہوئے ہیں، اخیر میں انہوں نے یہ بھی
کہا کہ کانگریس کی دورنگی کا بھانڈا بابری مسجد کی شہادت سے پھوٹ گیا اور اس کا چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے، اس لئے مسلمانو!
ہمیں اپنے بارے میں کچھ سوچنا چاہئے اگر یوں ہی خواب خرگوش میں مست رہے اور اپنی ترقی کے لئے جد وجہد نہ کی تو آنے والے دن
خدانخواستہ اور کرب انگیز ہوں گے۔

اس کے بعد علی الترتیب شہاب الدین اور عبدالقیوم کی تقریر ہوئی، اول الذکر نے جہاد کی اہمیت وفضیلت پر روشنی ڈالی
اور جہاد کی فرضیت پر دلائل کی روشنی میں گفتگو کی اور مسلمانوں کے اندر جہاد کا جذبہ اور ولولہ پیدا کرنے کی کچھ شکلیں بتلائیں اور
آخر الذکر صدر ندوۃ الطلبہ نے علم کی اہمیت وافادیت پر تقریر کی اور مسلمانوں سے علمی فقدان کو انکے تنزل اور پستی کا سبب بتلایا
اور مسلمانوں کو دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کے سیکھنے کی رغبت دلائی پھر اسکے بعد شعراء نے حالات حاضرہ پر اپنی نظموں سے سامعین
کو محظوظ فرمایا، پھر حالات حاضرہ پر تبادلۂ خیال شروع ہوا اور مختلف طلباء نے مختلف خیالات ظاہر کئے لیکن ایک قرارداد جس پر
تمام طلباء کا اتفاق ہوا، وہ یہ تھی کہ طلباء کی تنظیم ندوۃ الطلبہ کے اندر ایک اور شعبہ کا اضافہ کیا جائے جو طلباء کو حالات حاضرہ کے
موضوع پر اس طرح کی مجلسیں منعقد کرکے آگاہ کیا کرے اور انکے اندر اسلامی بیداری پیدا کرے ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ دیگر مدارس
اسلامیہ کے طلباء کو خط وکتابت کے ذریعہ اور انفرادی ملاقات کے ذریعہ اس پر توجہ دلائی جائے اور اسطرح کے نظام کی تشکیل پر ابھارا جائے
تاکہ طلباء کے ذریعہ عوام میں بیداری ہو اور ان میں اسلامی روح اور ولولہ پیدا ہو، اسکے علاوہ اور بہت سے موضوعات پر تبادلۂ خیال ہوا
مثلاً انتخابات میں کیا رویہ اختیار کیا جائے اور کوئی سیاسی تنظیم قائم کی جائے یا نہ کی جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اندر اسلامی بیداری پیدا کرے اور ہمیں اپنے مسائل کو حل کرنے کی توفیق
عطا فرمائے، آمین!

عبدالمالک بن حبیب اللہ / جنرل سکریٹری ندوۃ الطلبۃ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) ریوڑی تالاب وارانسی

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ/۳ | مارچ ۱۹۹۳ء | رمضان ۱۴۱۳ھ | جلد/۱۱

اس شمارہ میں

۱۔ درس قرآن — مولانا اصغر علی السلفی — ۲

۲۔ درس حدیث — 〃 〃 〃 — ۴

۳۔ افتتاحیہ — مدیر — ۶

۴۔ منفعت ایک ہے اس قوم کی... / ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری — ۱۱

۵۔ ڈش، اخلاق کا ٹائیں ٹائیں فش / مولوی عبدالمتین سلفی بنارس — ۱۵

۶۔ سنسکرت یونیورسٹی بنارس ایک تعارف / ڈاکٹر ابو حاتم خاں بنارس — ۲۰

۷۔ برہمپٹ بہار میں دعوت کتاب و سنت / مولوی عبداللہ انصاری — ۲۵

۸۔ روس میں توحید کی روشنی — جناب طاہر نقاش — ۳۲

۹۔ اقبال اور قرآنی حقائق — فضل اللہ انصاری سلفی — ۴۰

۱۰۔ باب الفتاویٰ — انتخاب: محفوظ الرحمن سلفی — ۴۵

۱۱۔ خاتون اسلام (تبصرہ) — سلام اللہ صدیقی — ۴۷

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس قرآن

اس نعمت عظمیٰ کا سزاوار کون اور کیوں؟

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

یٰاَیّھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ (البقرہ ۱۸۳)
(اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزہ اسی طرح فرض کر دیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی ہو جاؤ)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کے حصول اور اپنی طاعت و بندگی کے لئے متعدد ارکان و اصول مقرر کئے ہیں، ان میں سے ایک عظیم الشان رکن ماہ رمضان المبارک کا روزہ رکھنا ہے، روزہ عربی لفظ "صوم" کا ترجمہ ہے اور صوم کے معنی امساک (رکنے) کے ہیں۔ شریعت میں "الامساك عن المفطرات مع اقتران النية به من طلوع الفجر الی غروب الشمس" کو کہتے ہیں، یعنی روزہ توڑنے والی ہر چیز (کھانا، پانی، جماع، گالی گلوج وغیرہ) سے مکمل طور پر طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ اور ثواب کی نیت سے رکے رہنے کا نام ہے گویا بندے کو ایک ماہ تک پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنی اکثر خواہشات پر مکمل کنٹرول کرنے کی ہدایت ہے تاکہ اس کے اندر مادی و معنوی، جسمانی و روحانی ہر طرح سے تبدیلی پیدا کر دی جائے اور ہر طرح کی غلاظتوں اور کثافتوں سے اس کے روح و جسم کو صاف کر دیا جائے اور رب کریم کی مکمل اطاعت و بندگی کا واقعی خوگر بنا کر فرمانبردار بندہ ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا جائے اور درحقیقت بندے کی اطاعت شعاری و فرمانبرداری اور صفت عبدیت سے متصف ہونا ہی اسکی رفعت و بلندی اور کامیابی و کامرانی کی دلیل ہے۔ انسان روزہ رکھ کر یہ ضمانت اور ثبوت فراہم کرتا ہے کہ انسان کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہے اس کا کھانا پینا اور ہر طرح کی نعمتوں سے لذت آشنا ہونا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اشارے سے ہے، چنانچہ بندہ اسکی حلال کی ہوئی چیزوں اور عطا کی ہوئی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا رہتا ہے اور جونہی اس کو روزہ رکھ کر اس سے رکنے کا حکم ہوتا ہے تو اس سے باوجود سخت حاجت نفسانی اور کلفت و پریشانی رک جاتا ہے اور اس پر تصرف کی قدرت اور ملکیت تامہ رکھنے کے باوجود اسے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے گویا وہ اپنے اس عمل و بندگی سے یہ ثابت

کر دیتا ہے کہ حقیقی مالک اموال و انفس کا صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور متصرف فی الأمور والأموال وہی ہے بندہ ان مادی و معنوی روحانی و جسمانی امور و اموال پر فقط امانت دار خزانچی اور محافظ ہے اور اطاعت شعار عامل کی حیثیت سے متعین ہے۔ اس آیت کریمہ میں صرف مومن کو مخاطب کر کے روزہ رکھنے کا مکلف کیا گیا ہے کیونکہ روزہ جیسی جلیل القدر اور عظیم المرتبت عبادت کے مستحق حقیقت میں مومن ہی ہو سکتے ہیں، روزہ اپنے رکھنے والے سے جس محنت و صبر کا متقاضی ہے اور اسکے اندر جس درجے کا اخلاص اور روحانیت کا ہونا ضروری ہے اس معراجی و روحانی کیفیت کے ساتھ صرف مومن ہی رکھ سکتا ہے وہ شخص جو دولت ایمان سے محروم ہو وہ لاکھ بھوک و پیاس کی شدت کو برداشت کرنے کی سعی کرے نفس پر کنٹرول کرنے کا دعویٰ کرے تپسیا میں لگا رہے مگر مومن کے جذبۂ اخلاص و محبت اور صبر و ضبط کے گرد پا کو بھی نہیں پہونچ سکتا۔ والذین آمنوا اشد حبا للہ، کہاں ایمان کی بلندی و پاکیزگی اور شرک کی پستی پلیدی اور گندگی، لہذا شرف خطاب اور عطیۂ ربانی کے سزاوار صرف مومن ہی ہیں۔ بندہ مومن کا جذبۂ اخلاص اور حرص و طلب آخرت اور رحمت الٰہی کی وسعتوں کا عین تقاضا ہے کہ اس کو رمضان المبارک جیسا بے پناہ برکتوں کا مہینہ عطا کیا جائے اور مومن کے حرص و طمع اجر و ثواب کو پورا کرنے کے لئے "الصوم لی وانا اجزی بہ" (روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دونگا) اور "لیلۃ خیر من الف شہر" (ایک رات کی عبادت ہزار ماہ کی عبادتوں سے بہتر ہے) کی خوشخبری اور عطیہ سے نوازا جائے چنانچہ بندۂ مومن پر یہ بیش بہا ہدیہ اور گرانمایہ تحفہ رمضان المبارک کے دنوں میں روزہ فرض کر کے اور راتوں میں قیام و عبادت مشروع کیا گیا: من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ، ومن قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

یہی وعدہ ربانی اور بشارت محمدی ہے کہ مسلمان سخت سے سخت دنوں میں مشقت سے پر راتوں میں بھی صیام و قیام کا کام انجام دیتا ہے سخت گرمی میں بھوک و پیاس کی شدت برداشت کرتا ہے گردش ایام کیوجہ سے اگر اسکے اوپر برے اور سخت لمحات آگئے ہوں تب بھی وہ اس کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اس ماہ مبارک کی برکتوں سے مستفید و فیضیاب ہوتا رہتا ہے وہ ہر طرح سے سرد و گرم برداشت کر کے اسوقت سے فائدہ اٹھاتا ہے اس کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا نہیں چاہتا ہے کہ اسکے رسول کی وعید ہے کہ جس شخص کے سامنے رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ گذر جائے اور وہ اجر و ثواب سے اپنے دامن کو بھر نہ سکے اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرا سکے تو وہ سخت بدنصیب ہے۔ انسان کے اندر تقویٰ شعاری آجائے تو انسان ہر طرح کی برائی سے بچ جائے اور ہر خوبی کا مالک ہو جائے، اور یہی مقصد سے مطلوب ہے جو روزہ جیسی عظیم عبادت سے بدرجۂ اتم پورا ہو جاتا ہے۔

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

درس حدیث

روزہ میں نیت کا مسئلہ

من حفصة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام لہ (ترمذی)

(حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فجر سے پہلے روزوں کی نیت رات میں ہی نہ کرلے تو اس کے روزے نہیں ہوئے)۔

یہ بات مسلم ہے کہ نیت کے بغیر کوئی بھی عمل اسلام میں قبول نہیں ہے، کام کوئی بھی ہو اس وقت تک نیک کام نہیں ہوسکتا جب تک اس میں نیک نیتی کا عنصر شامل نہ ہو اسی لئے حدیث پاک میں کہا گیا "انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ ما نوی" اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق ہی ملتا ہے۔ پتہ چلا کہ نیت کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، اعمال جسم ہیں تو ان کے اندر نیت بمنزلہ جان وروح کے ہے بلا نیت عمل بیکار ہے، اسلئے ہر نیک عمل میں نیت کی موجودگی اور شمولیت فرض ہے۔

روزے کی اسلام میں بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اسلام میں اس کو اہم رکن کی حیثیت حاصل ہے اور روزہ رکھنا عظیم نیکی کا کام ہے اس میں بھی نیت کا ہونا شرط ہے جو آدمی بھی روزہ رکھنا چاہے اسے نیت کرلینی ضروری ہے، دن بھر کوئی یونہی بھوکا پیاسا گذار دے تو اس کو روزہ دار نہیں کہہ سکتے اور نہ اس کے اس عمل کو اسلامی روزے کا نام دیا جا سکتا ہے۔ درس میں مندرجہ حدیث میں روزے کے اندر نیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رات ہی میں نیت کرلینی ضروری ہے رات میں نیت نہ کی گئی تو روزہ مقبول نہیں ہوگا خواہ روزہ نفل ہو یا فرض، کیونکہ الفاظ سے عموم ظاہر ہے، یہاں پر "لا صیام" میں نکرہ نفی کے سیاق میں ہے جس سے صیام کا عموم ہونا معلوم ہوتا ہے، اور اصل یہی ہے کہ نیت عمل کی ابتدا ہی سے پایا جانا ضروری ہے۔ صحابہ وفقہاء میں سے کچھ حضرات اسی کے قائل تھے، غالباً ان کو وہ حدیث نہ پہونچ سکی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتینی ویقول: اعندک غداء؟ فاقول: لا، فیقول: انی صائم وفی روایة انی اذا الصائم" یعنی اللہ کے نبی میرے پاس (دن) میں آتے تھے اور دریافت فرماتے کہ تمہارے پاس کھانا ہے؟ میں جواب دیتی کہ نہیں، تو آپ

فرماتے کہ تب تو میں روزہ سے ہوں، اس حدیث پاک کو پاکر احناف نے فرض ونفل ہر دو روزے کی نیت نصف النہار میں بھی کر لینے کو کافی بتایا اور فرض روزوں کے لئے بھی رات ہی میں نیت کرنا ضروری اور شرط ماننے کے بجائے باب کے حدیث کی حسب عادت تاویل کر دی کہ نفی سے مراد نفی کمال ہے جب کہ اکثر صحابہ ائمہ وفقہاء و محدثین کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث واضح الدلالۃ اور صریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن روزوں کی نیت دن میں کر کے رکھتے تھے وہ روزے نفل ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ رمضان کے دنوں میں کھانا مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نیز کھانا نہ ملنے پر یہ کہنا کہ تب میں روزے سے ہوں، روشن دلیل یہ ہے کہ یہ روزے نفلی تھے نہ کہ فرض۔ اس لئے دونوں حدیثوں میں تطبیق اور توفیق کی بہترین صورت یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو نفل اور فرض دونوں روزوں میں طلوع فجر سے پہلے نیت کو فرض کرنے میں عام تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے صرف فرض کے لئے خاص ہو گئی۔ یہ ایک سیدھی سی بدیہی بات ہے جس سے دونوں حدیثوں پر عمل ممکن ہے اور یہ بات بہتر ہے اس بات سے کہ ایک حدیث کے معانی کو جو صرف نفل پر دلالت کرتی ہے، کھینچ تان کر فرض تک وسعت دیدیا جائے، اور دوسری روایت کے اصل معنی سے ہٹ کر تاویل باطل سے کام لیا جائے، اس لئے بہتر اور صحیح بات یہ ہے کہ فرض روزوں کیلئے طلوع فجر سے پہلے رات میں نیت کرنا ضروری ہے، اور نفل روزوں میں دن میں بھی نیت کر لینے کی گنجائش اور رخصت ہے۔

نیت کے تعلق سے ایک بات بہت اہم یہ بھی ہے جسے ہر مسلمان کا جاننا ضروری ہے کہ نیت دل کے اندر عزم وارادے کا نام ہے، اس کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہے، رسم ورواج کے مطابق زبان سے بصوم غد نویت من شہر رمضان وغیرہ کے الفاظ کا ورد کرنا نیت کی روح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ وعمل کے خلاف بھی ہے لہذا ہر مسلمان کو اپنے روزوں کی نیت رات میں ہی کرنے کے ساتھ دین میں اس زبانی نیت کے بدعت اضافی سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ فان کل بدعة ضلالة۔

افتتاحیه

اے قبلۂ اوّل کے غریب الدیار مجاہدو!

تمہیں ہمارا بھی سلام

فلسطین میں تحریک "انتفاضہ" غاصب اور ازلی دشمن صہیونی یہودیوں کی ناک کے نیچے اسرائیل کی مقبوضہ زمین سے اٹھی ہے، یہ خالص اسلامی تحریک ہے جو قبلۂ اول کی بازیابی اور فلسطینی قوم کے غصب کردہ حقوق کو ٹھیٹھ اسلام کے راستہ پر چل کر جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ حاصل کرنے کے عزم کے ساتھ شروع ہوئی ہے، اسلام، مسلمین، رسولِ اسلام بلکہ اللہ کے دشمن اس تحریک سے اس سے کئی گنا زیادہ الرجک اور نفسیاتی خوف اور اندیشوں کے شکار ہیں، جتنا کمیونسٹ روس کی کمیونسٹ تحریک سے خوف اور اندیشوں کا بظاہر اظہار کیا جاتا تھا، چنانچہ اسلام اور مسلمانوں سے دائمی عداوت اور تحریک انتفاضہ سے خوف کی بنیاد پر چار سو پندرہ فلسطینیوں کو ۱۷ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو فلسطین سے نکال دیا گیا، یہ لوگ فلسطینی معاشرہ کے منتخب اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں، ان کی حیثیت انتفاضہ کے شہ رگ کی ہے، یہ فلسطینی مساجد کے ائمہ وخطباء، مختلف جمعیات کے علماء وقائدین اور متعدد یونیورسٹیوں کے پروفیسران ہیں، صہیونی یہودی انہیں ملک بدر کر کے تحریک انتفاضہ کو ختم کر دینا چاہتے ہیں، انھیں ان کی سرزمین، آل اولاد اور خویش واقارب سے دور کر کے لبنان کی ایسی برفانی پہاڑی گھاٹیوں میں جاڑے کے موسم میں بے یار ومددگار چھوڑ دیا گیا ہے جہاں گرمی کے موسم میں بھی موسم سرما کی سردی ہوتی ہے، یہی وہ خطہ ہے جس کے متعلق متنبی نے کہا تھا:

وعقاب لبنان وکیف بقطعها　　　وهي الشتاء وصيفهن شتاء

خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سے مجاہدین مختلف امراض کے شکار ہو گئے ہیں، دوا علاج اور غذا کی بھی بیحد کمی ہے۔ جنگ خلیج کے بعد عربوں اور اسرائیل کے درمیان جو نام نہاد امن مذاکرات چل رہے تھے ان

مجاہدوں کے اخراج کے بعد معطل ہو گئے، اقوام متحدہ میں اخراج کی کارروائی پر اسرائیل کے خلاف قرارداد مذمت پاس کی گئی اور اسرائیل سے کہا گیا کہ وہ ان سب کو واپس بلالے مگر اسرائیل اپنے وجود میں آنے کے دور ہی سے اس طرح قراردادوں کا وزن خوب سمجھتا ہے، اس نے پوری ڈھٹائی، بے حیائی بلکہ استخفاف کے ساتھ کہا کہ ان میں سے صرف دس کو واپس بلایا جاسکتا ہے جنہیں غلطی سے ملک بدر کر دیا گیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ آخر اس غلطی کی بھی تو کوئی سزا ہونی چاہئے اب عربوں اور عالمی دباؤ کا بظاہر لحاظ کرتے ہوئے اسرائیل سو فلسطینی مجاہدوں کو واپس لینے پر آمادہ ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ کئی دھمکیاں بھی دی ہیں، اسرائیلی وزیر اعظم رابن نے کہا ہے کہ مزید فلسطینیوں کو ملک بدر کیا جائیگا، امریکہ میں اسرائیلی سفیر ظلمان شاول نے کہا کہ امن مذاکرات کی تعطلی سے عرب اور اسرائیل دونوں ہی نقصانات اور خطرات سے دوچار ہوں گے اگر عرب مذاکرات سے انکار کریں گے تو اس کے بعد ان کے پاس کوئی متبادل نہیں رہ جائے گا جس سے وہ امن کا مقصد حاصل کر سکیں، اسرائیلی سفیر نے کہا کہ مقبوضہ علاقوں میں رہنے والے تمام فلسطینیوں کو "حماس" جیسے بنیاد پرست گروہ سے خود کو دور رکھنا چاہئے جس نے اسرائیل کے خلاف جہاد کی تحریک چلائی ہے اور ملک بدر کئے گئے تمام فلسطینیوں کا تعلق "حماس" ہی سے ہے، ادھر واشنگٹن نے بھی اس اسرائیلی رویہ سے اتفاق ظاہر کیا ہے جیسا کہ ہمیشہ سے اس کا شیوہ رہا ہے، امریکہ اور اسرائیل بلکہ ان کے مغربی حلیف یہی چاہتے ہیں کہ ملک بدر فلسطینیوں کی حالت زار اور داستان مظلومی سے قطع نظر امن مذاکرات کو جاری کرنا چاہئے۔ یہاں مغرب کا دوہرا معیار نہایت عبرت انگیز ہے، ایک طرف اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد ۷۹۹ ہے جو ملک بدر فلسطینیوں کو ان کی سرزمین پر واپس لانے ہی کو امن اور عدل قرار دیتی ہے، دوسری طرف امریکہ اور اس کے مغربی حلیف ہیں جو تاریخ انسانی کے سب سے بڑے اور سب سے طویل المیعاد ظلم وجبر یعنی اسرائیل کے پلڑے کو ہمیشہ بھاری رکھنے ہی کو امن وانصاف قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں، مغربی قائدین کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسرائیلی مظالم کو وہ شاخ زیتون کی نرم ونازک پتیوں کی چلمن میں چھپانے کی کوشش تو کر سکتے ہیں لیکن ان کے اس دوہرے کردار سے سارے عالم میں حقوق انسانی اور جمہوریت کے وہ سارے میخانے جو خالص مغربی ٹریڈ مارک کے حامل ہیں نہایت تیزی سے زہر آلود ہو رہے ہیں، فلسطین، بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کا عظیم الشان قضیہ بنو آدم کی تاریخ میں اتنے بڑے نقطۂ انقلاب کا حامل ہے کہ اہل مغرب خصوصاً صہیونی یہودیوں کی مادہ پرست عقلیں اس کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں، مغربی قائدین نے اب اس قضیہ کو اس مرحلہ تک پہونچا دیا ہے کہ امن وآشتی کے نام پر وہ جو قدم بھی اٹھائیں گے، وہ عدل وانصاف

ق و صداقت اور صلح و امن کے دست و پا میں مزید ایک ہتھکڑی اور زنجیر کا اضافہ ہی ہوگا، یہ سچ ہے کہ قضیہ فلسطین یا مسجد اقصی دنیا کا سب سے انوکھا قضیہ ہے، اس قضیہ سے تمام اقوام کرۂ ارضی کی قسمتیں وابستہ ہیں، یہ حقیقت ہے کہ یہ قضیہ صرف اللہ کے نام ہی سے حل کیا جاسکتا ہے، اس سرزمین پر ابلیس لعین اور اس کے جنود نے سارے عالم میں شر و روفتن کی فصلیں اگانے کے لئے اپنا تخت بچھایا ہے، اور اہل مغرب کی تائید و تقویت سے یہ لشکر اب اس قدر مضبوط ہو چکا ہے کہ اقوام متحدہ یا کسی بھی بین الاقوامی تنظیم کی جھولی میں ایسا کوئی بھی نسخہ باقی نہیں رہ گیا ہے جو انسانیت کو اس کے شر و روفتن سے بچا سکے، اس کا ایک اور صرف ایک علاج ہے، جہاد! یہی حقیقی امن کا راستہ ہے، نوع انسانی آج نہیں تو کل اس کے خلاف جہاد کے لئے اپنے آپ کو مجبور پائے گی، فلسطینیوں نے اپنی قابل رشک ایمانی بصیرت و روشنی سے آج ہی اگر جہاد کا آغاز کر دیا ہے تو بنی نوع انسان کو اس کی مخالفت نہیں بلکہ کھلے دل سے اس کا استقبال کرنا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ ملک بدر تمام فلسطینیوں نے پہلے دس اور اب سو کی واپسی کی اسرائیلی تجویز کو بالکل مسترد کر دیا ہے اور حقیقی امن و آشتی اور عدل و انصاف کے حصول کے لئے وہ ہر مصیبت اور تکلیف کو جھیلنے کے لئے آمادہ ہیں، انہوں نے بہت واضح طور پر کہا کہ: وما نقموا منهم إلا أن يؤمنوا بالله العزيز الحميد۔ (القرآن)،

ملک بدر فلسطینی مجاہدین نے صہیونی یہودیوں کی دشمنانہ کارروائی کے متعلق اپنے بیانات اور انٹرویو دیئے ہیں، ایک مجاہد بسام جرار نے کہا ہے کہ یہ کارروائی سوچی سمجھی منصوبہ بندی ہے، اور متعین اہداف کے لئے عمل میں لائی گئی ہے، یہودی انتفاضہ کی طاقت سے ڈرتے ہیں اسی لئے فلسطینی جمہور کو ان کے قائدین سے محروم کیا گیا ہے، علماء نے امن مذاکرات کے خطرات سے لوگوں کو آگاہ کیا تھا اسی لئے ان کو ملک بدر کر دیا گیا ہے تاکہ امن مذاکرات کو جاری رکھا جاسکے اور نتیجتًہ پورے علاقے کو یہودیوں کے قبضہ میں دیدیا جائے۔ غزہ یونیورسٹی کے چانسلر جو ملک بدر مجاہدین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ فلسطینی قضیہ نے جب اسلامی جہاد کا راستہ اپنا لیا تو یہود اس سے خوفزدہ ہو گئے، اس لئے کہ فلسطین سے باہر انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ اسلام کو واضح فتح ملی ہے، چنانچہ رابین ہر موقع پر اسلامی بیداری سے لوگوں کو متنبہ کرتا رہتا ہے وہ کہا کرتا ہے کہ: اصولیت اور بنیاد پرستی ہم سب کے لئے سب سے خطرناک چیز ہے، میں اور میری حکومت اس کا بھرپور مقابلہ کریں گے، شیخ محمد فؤاد ابو زید مدیر اوقاف جنین، خطیب مسجد اقصی اور لجنۃ الزکاۃ جنین کے مدیر نے کہا کہ: ملک بدری کی یہ کارروائی اسلامی آواز کو خاموش کرنے کے لئے عمل میں لائی گئی ہے جس کے متعلق

یہود کو یقین ہوگیا ہے کہ فلسطین میں اب یہی غالب آواز ہے، غزہ یونیورسٹی کے علوم سیاسیات کے پروفیسر عاطف عدوان نے کہا کہ تحریک انتفاضہ کو دفن کر دینے اور فلسطینی معاشرہ کو اندرونی طور پر منتشر کر دینے کی کوششوں کے بعد یہودیوں نے "تحریک انتفاضہ" کے عقل ودماغ اور اس کے دھڑکتے دل کو ملک بدر کرنے کی کارروائی کی ہے، الخلیل یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالفتاح العویسی نے کہا کہ ملک بدری کی کارروائی غصب اور احتلال کے دور ہی سے جاری ہے، یہودی فلسطینی قوم کو ترک وطن پر مجبور کر کے اس سرزمین کو خالی کرانا چاہتے ہیں اور ملک بدری کی کارروائی سے فلسطینی اور عرب قوم پر دہشت مسلط کر کے امن مذاکرات کی میز پر ان سے مزید تنازل حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ النجاح یونیورسٹی کے شعبۂ تحقیقات کے صدر اور مجمع البحوث کے رکن ڈاکٹر عزیز الدویک نے کہا کہ: ملک بدری کی اس کارروائی سے یہودی فلسطینی تعلیمی اداروں کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو اسلامی بیداری کے عظیم سرچشمے کا کام دیتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر سالم سلامہ نے کہا کہ ہم مقبوضہ ارض فلسطین میں اپنے اہل وعیال کے درمیان واپسی کے اپنے حق پر قائم ہیں، ہم اس سے ہرگز تنازل اختیار نہیں کریں گے، اور کسی عربی یا غیر عربی ملک میں ارض فلسطین کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے، ہم بین الاقوامی نظام کے قائدین، حقوق انسانی کے ذمہ داران، اقوام متحدہ، اور پورے عالم میں حق خود اختیاری کے مؤیدین کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے گھروں اور اہل وعیال کی طرف واپسی کے لئے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کے لئے یہودی حکومت پر زور ڈالیں، ڈاکٹر سلامہ نے اخیر میں کہا کہ: فلسطینی تحریک انتفاضہ نیزہ کی وہ انی ہے جسے اللہ نے امت مسلمہ محمدیہ کے دشمنوں کے چہرے پر مارا ہے بہت ضروری ہے کہ ایسے عصا اور مضبوط ہاتھ ہوں جو اسے سختی سے تھامیں اور اسے آگے بڑھائیں، اس لئے ہم تمام مسلمانوں کو ان بازووں کی تقویت اور امداد، امت اسلامیہ یعنی یہود اور ان کے حلیفوں کے حلق میں اس کانٹے کو مضبوط تر کرنے کے لئے آواز دیتے ہیں۔

کرۂ ارضی اور پوری نوع انسانی کو حقیقی امن وسلامتی اور عدل وانصاف سے ہم کنار کرنے کے لئے جہاد اکبر کے اے غریب الدیار مجاہدو! ہمیں یقین ہے کہ تمہاری بلاکشی اور حق کے لئے سرفروشی کی داستانیں سارے عالم میں پاکیزہ اوراق قلوب پر رقم ہو رہی ہے، ابلیس لعین اور اس کے جنود کو شکست دے کر اقوام عالم کو اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میں لانے کے لئے امامت کبریٰ کے لئے پاکیزہ نفس اولین وعظیم مثال دو! ہمیں یقین ہے کہ تمہاری آوازیں لبنانی گھاٹیوں میں تحلیل ہو کر ختم نہیں

ہوسکتیں بلکہ وہ سارے عالم میں اصحاب ایمان کے دلوں بلکہ روحوں تک پہونچ رہی ہیں، اے اسلام کے غازیو! تمہیں ہمارا بھی سلام، اللہ تعالیٰ تمہیں صبر اور استقلال کی بے مثال قوتوں سے نوازتا رہے، تمہارے زخموں اور لہو کی خوشبو بہت پہلے سے ہمارے مشام جان کو معطر کرتی رہتی تھی، یقین مانو بابری مسجد کے انہدام کے بعد جب ہمیں زخم لگے تو اس میں تمہارے زخموں اور لہو کی مہک ہمیں واضح طور پر محسوس ہوئی۔

۱۶ راپریل کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ ان باعزیمت مجاہدوں نے جلاوطنی کے خلاف احتجاج اور امن گفتگو میں عربوں کی عدم شرکت پر زور دینے کے لئے جنوبی لبنان میں واقع اسرائیلی ٹھکانوں کی طرف مارچ شروع کر دیا ہے اور زیمبریا کی اسرائیلی فوجی چوکی سے ایک درجن سے زیادہ توپ اور آنسو گیس کے گولے داغے گئے، فلسطینی اسرائیلی چوکی سے صرف دو کلو میٹر دور ہیں، ان مجاہدوں نے صبح کے وقت جب مارچ شروع کیا تو ان کے نزدیک چار گولے پھٹے اور پھر ان سے چار سو میٹر دور نو گولے آکر گرے، اور کچھ آنسو گیس کے گولے بھی گرے، مجاہدوں نے نماز جمعہ کے لئے ایک مقام پر قیام کیا تھا، جانباز مجاہدین نے عہد کیا کہ وہ اپنا مارچ جاری رکھیں گے۔ فلسطینی مجاہدوں کے ترجمان شیخ عبداللہ شامی نے کہا کہ ہم گولہ باری یا خونریزی کسی چیز سے نہیں ڈریں گے، ایک چوتھائی مجاہدین نے اپنے سروں پر سفید کپڑا باندھ رکھا ہے جس پر سرخ و سیاہ رنگوں میں لکھا ہوا ہے " ہماری سب سے پسندیدہ خواہش اللہ کی راہ میں شہید ہونا ہے "

منفعت ایک ہے اس قوم کی...

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

دورِ انحطاط میں امت اسلامیہ کے اتحاد کے لئے جتنی کتابیں، مضامین، مقالات اور تجاویز زیبِ قرطاس کی جاچکی ہیں اُن کا شمار محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اتحاد و یکجہتی اصل میں ہمارا ایک اہم مذہبی اصول ہے اس لئے اس کی دعوت قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں واضح طور پر موجود ہے، اور ہماری اسلامی تاریخ میں بیشمار ایسے واقعات موجود ہیں جن سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے کس طرح اس اصول پر عمل کر کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروئے رکھا اور مخالف عناصر کو کبھی یہ موقع فراہم نہ کیا کہ وہ اسلام اور اس کے ماننے والوں کو کسی طرح کا نقصان پہونچا سکیں۔

بلاشبہ اسلامی تاریخ میں بعض واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے ملت کا اختلاف ثابت کیا جا سکتا ہے، لیکن ملت کے اہل علم و دانش اور اصحاب اخلاص و تقویٰ نے اِس نوعیت کے کسی اختلاف کی نہ تو سرپرستی کی نہ اُسے ملت کے اجتماعی مفادات پر اثر انداز ہونے دیا۔ ملت کی تاریخ میں ہمیں کہیں کہیں اختلاف کی اگر کوئی کارفرمائی نظر بھی آتی ہے تو شاید اُس کی مصلحت یہ ہے کہ ہم اس سے عبرت پذیر ہو کر اپنے اتفاق و اتحاد کو اور زیادہ مضبوط کریں، اور پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ملی مفادات کے حصول کے لئے سرگرم رہیں۔

قرونِ وسطیٰ میں خلافت عباسیہ کے زوال کو مسلمانوں کے انحطاط کا نقطۂ آغاز مانا جاتا ہے، لیکن اس کے بعد کی اسلامی تاریخ پر بھی نظر ڈالئے تو آپ کو بے شمار ایسی مثالیں ملیں گی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اتفاق و اتحاد کی اسلامی تعلیم پر کاربند ہو کر بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اور اپنے اخلاص و تقویٰ، اور فراست و ہمت سے ثابت کر دیا کہ انسانیت کی خدمت کا سب سے بہتر راستہ اسلام ہی کا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ابلیس کی زبانی اسی لئے کہا ہے: ؎

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے

عباسی خلافت کے زوال کے بعد ملت اسلامیہ کا از سر نو میدان عمل میں سرگرم ہونا اہل نظر کے لئے لمحہ فکریہ ہے، اور اس واقعہ سے ملت کے مزاج وطبیعت کی عکاسی ہوتی ہے :

بہارِ رفتہ کے ماتم سے کیا ملے گا سرور
اٹھو کہ تازہ بہاروں کا اہتمام کریں

جدید دور میں آیئے تو مسلمانوں کے اتفاق واتحاد کی حالت قدرے حوصلہ شکن نظر آتی ہے، اسلامی ممالک کے سامراجی شکنجوں میں گرفتار ہونے کا سبب بھی ان کے اختلاف وافتراق ہی کو قرار دیا جاتا ہے، اس دور میں ہمارے قائدین ومصلحین نے ملت کے اتحاد واتفاق کی انتھک کوشش کی، اور اس کے لئے اپنی صلاحیتیں اور قیمتی اوقات قربان کر دیئے۔ ملت کا رد عمل ان کی منشا کے مطابق نہیں نکلا تو بعض قائد مایوسی کا شکار بھی ہوئے جمال الدین افغانیؒ کے بارے میں تو ان کے سوانح نگاروں نے مسلمانوں کے اتحاد سے متعلق ان کا یہ تاثر نقل کیا ہے کہ : اتفقوا علیٰ ألّا یتفقوا، یعنی اس دور کے مسلمان عدم اتفاق پر متفق ہو گئے ہیں۔

اس نوعیت کے جملوں اور تاثرات کا سبب غالباً یہ تھا کہ عہدِ استعمار میں مسلم ممالک کی صورتِ حال بے حد ناگفتہ بہ تھی، مسلمانوں اور ان کے مغربی مخالفین کے مابین طاقت کا کوئی توازن نہ تھا، اور مختلف علاقوں کے مسلمان مختلف نوعیت کی ایسی مشکلات میں گھر گئے تھے جن کا کوئی ایک حل تلاش کرنا محال نظر آتا تھا، مزید برآں ہمارے مغربی کرم فرما ہر طرح کی اخلاقی وتہذیبی قیود سے آزاد تھے، جب کہ مسلمان اپنے مذہب اور تہذیبی روایات کی پاسداری کے باعث بہت سے ان حربوں کو استعمال نہیں کر سکتے تھے جن سے ان کے مخالفین بڑے بڑے فوائد حاصل کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح کے پیچیدہ حالات میں ہمارے مصلحین وقائدین نے مسلمانوں کے افتراق وتشتت کی مذکورہ تصویر پیش کی، اور ان کا ایسا کرنا بجا تھا، کیونکہ خرابی چھوٹی ہو یا بڑی اس پر قوم کو متنبہ کرنا ضروری ہے، ورنہ وہی چھوٹی خرابی ایک دن بھیانک شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ہم مذکورہ بات اس لئے کہہ رہے ہیں کہ اسی دورِ انحطاط میں اگر آپ دیکھیں تو آپ کو مسلمانوں کے اتحاد وتعاون اور عزم وشجاعت کی بیحد قابل فخر مثالیں بھی نظر آئیں گی۔ بلاشبہ جدید دور کے آغاز میں مغرب کی مادی تہذیب سے جب مسلمانوں کا سابقہ ہوا، اور وہاں کی مختلف نوعیت کی ترقیات ان کے سامنے آئیں تو اپنے آپ کو وہ ایک طاقت ور قوم کی طرح ثابت قدم نہ رکھ سکے، پھر بھی زمانہ شاہد ہے کہ انہوں نے کچھ کھونے کے بعد سنبھل کر حالات

کا مقابلہ کیا، اور اپنے بہت سے سیاسی، اقتصادی اور مذہبی مقاصد حاصل کئے۔

ترکی کے زوال کے بعد بہت سے عرب اور اسلامی ملک سامراج کے زیر اقتدار آگئے تھے، مسلمانوں نے اپنی محنت و اتحاد سے انہیں آزاد کرایا۔ الجزائر جہاں آج مسلمان مختلف مذہبی و سیاسی مقاصد کے باعث ٹکرا رہے ہیں، اُس کی آزادی کے لئے مسلمانوں نے ایک ملین یعنی دس لاکھ قیمتی جانوں کی قربانی پیش کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا، اور اللہ نے اس قربانی کے بعد انھیں آزادی کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ کچھ اسی نوعیت کے حالات دیگر عرب ممالک میں بھی پیش آئے، اور قربانیوں کے بعد ان کو بھی آزادی حاصل ہوئی۔ خود اپنے ملک ہندوستان کے حال پر نظر ڈالئے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ملت اسلامیہ کے سپوتوں نے متحد ہو کر آزادی کی جنگ میں سرفروشی دکھائی اور ملک کو آزاد کرایا۔ ہماری اس تاریخ میں اتحاد و اتفاق کی جلوہ گری تو یہاں تک ہے کہ مسلمان برادرانِ وطن کے ساتھ ملکر اس لڑائی میں شریک تھے، اور اپنی طرف سے مقصد کے حصول کے بعد بھی اس اتحاد کو برقرار رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ افسوس کی بات ہے کہ آج جنگ آزادی میں مسلمانوں کے عظیم کردار کو مشکوک بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، یہ موقع اس پہلو پر گفتگو کا نہیں، صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ برادرانِ وطن کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیاں اُن کی قربانیوں سے بہت زیادہ ہیں، اور اس فداکاری کو اس کی چند کتابوں میں رد و بدل کر کے مٹایا نہیں جاسکتا، کیونکہ آزادی کے لئے مسلمانوں کی سرفروشی و جاں سپاری کی داستانیں یہاں کے در و دیوار پر نقش ہیں، بلکہ یہاں کی فضا اور ماحول نے ان کو جذب کر لیا ہے، جب مؤرخ قلم اٹھائے گا تو اسی فضا سے مسلمانوں کے اخلاص و قربانی کی آواز سنائی دے گی، اور وہ تاریخ کے صفحات میں ان کو مقید کرے گا۔

آج کے مضمون کے ذریعہ ملت سے جو کچھ عرض کرنا ہے، گذشتہ سطور اُسی کی تمہید ہیں، یہ تمہید طویل ہے لیکن مقصود کی نوعیت اس کی متقاضی ہے، اس لئے امید ہے کہ ہمارے ناظرین اس طول کو گوارا فرمائیں گے۔ اور اس تمہید میں بھی مقصود کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

کسی زندہ قوم کی علامت یہ نہیں کہ مصیبت نازل ہونے کے بعد اسے دور کرنے کے لئے وہ سرگرم ہو جائے، ہاں ایسی سرگرمی بے حسی اور موت کا الزام دور کرنے کے لئے البتہ کافی ہے، لیکن قوم کی زندگی اور عالی ہمتی کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی صورتِ حال کے واقع ہونے سے پہلے اس کے لئے اتنی تیاری کرلے کہ جب وہ صورت حال وقوع پذیر ہو تو اس کے لئے تعجب یا حیرانی کا سبب نہ بنے۔ یہ بات میرا کوئی انکشاف نہیں ہے بلکہ ملت کے مسائل پر بولنے اور لکھنے والے تقریباً سبھی

اِت یہ بات کہتے آئے ہیں، البتہ اس بات کے مطابق عمل کا مسئلہ مشکل بن جاتا ہے، اور ہمیں اِسی مشکل کو اب
لبرنا ہے۔ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۴۳ میں ارشاد ہے کہ (پھر جب ان پر ہمارا عذاب پہنچا تو کیوں نہ گڑگڑائے، لیکن
کے دل سخت ہو چکے تھے، اور شیطان نے ان کے کام ان کی نظروں میں مزین کر دیئے تھے) معلوم ہوا کہ بے حسی و
ت دلی کا آخر مرحلہ اور زیادہ بھیانک و تشویشناک ہے، اور ملت اسلامیہ اگر اس نوعیت کے کسی مرحلہ کو پسند
ے گی تو اسے زندہ یا زندگی کی متمنی قوم نہیں کہا جائے گا۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد ملت کے ہر فرد نے یقیناً حالات کے رُخ کو پہچان لیا ہے، لیکن اس پہچان
ثبوت دینا ضروری ہے، دیکھنا یہ ہے کہ ملت کس طرح یہ ثبوت دیتی ہے، ابھی ملت کا غم تازہ ہے، اس مرحلہ میں کوئی
ویز یا مطالبہ شاید مناسب نہ ہوگا لیکن یہ ضرور مناسب ہے کہ اپنے اس دکھ کو ہم اجتماعی طور پر محسوس کریں، اور رنج
راحت میں اکٹھا ہونے کی جو ہماری روایت ہے اُسے باقی رکھیں۔ ہم میں شاید ہی کوئی ایسا بے حس انسان ہوگا جسے
ملت کے امراض کی براہ راست یا بواسطہ واقفیت نہ ہو، اور ہم یہ بھی دیکھتے اور جانتے ہیں کہ نظریاتی طور پر مسائل کا
حل بہت آسان ہے، اور یہ ہم کرتے رہے ہیں، اب عملی طور پر مسائل کے حل کے لئے ہمیں سوچنا ہے، اور ساتھ ہی اس
بات کا بھی خیال رکھنا ہے کہ یہ سوچ بھی نظری مرحلہ تک نہ رہ جائے۔

ہماری اجتماعیت کی راہ میں جو کچھ حائل رہا ہے وہ بھی ہمیں بخوبی معلوم ہے، اسے دور کرنے کے لئے جس قربانی کی
ضرورت ہے اسے بھی ہم جانتے ہیں، وقت ہم سے اب وہ قربانی مانگ رہا ہے ملت کے جو افراد اس قربانی کو پیش کریں گے
وہی دین و دنیا میں سرخرو ہوں گے، ہمیں اب یہ مہلت نہیں کہ اپنے موقف کی تصحیح اور دوسرے موقف کی تغلیط میں الجھیں
اب ہر طرح کی تلخیوں کو گوارا کر کے حالات کے چیلنج کو قبول کرنا ہے، دو تہذیبوں اور دو نظریوں میں تصادم کا یہ وقت ہے، اور
اس میں کسی ادھوری یا سطحی حکمت عملی سے فائدہ نہیں ہوگا، ایک دوررس اور ہمہ جہتی اقدام کی ضرورت ہے، اور اسطرح یہ
ثابت کرنا ہے کہ ہم دنیا کی کسی بھی قوم و مذہب کے ساتھ اپنا کچھ کھوئے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں، اور انسانیت کی بہتری کیلئے بہت
کچھ کر سکتے ہیں، ہمیں یہ خیال بھی رکھنے کی ضرورت ہے کہ وقتی سیاسی مفادات ہمارے طویل تعمیری پروگرام کو غارت نہ کر دیں
کیونکہ اب تک ہم نے جو کچھ کھویا ہے اس کا بڑا سبب یہی سیاسی مفادات ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ پر لے چلے۔

ھو نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ ...

"ڈش"
اخلاق کا ٹائیں ٹائیں فش

تحریر
مولوی عبدالمتین السلفی
مدنپورہ بنارس

پچھلی چند دہائیوں سے یورپ و امریکی برادری خصوصاً یہودی لابی اپنی سیاسی وسماجی اور ثقافتی اجارہ داری کو پوری دنیا خصوصاً عالم اسلام پر تھوپنے کے لئے آزادانہ بین الاقوامی اطلاعاتی اور ترسیلی نظام کے لئے کوشاں رہی ہے۔

اس مشکل ترین مہم کو "ڈش" انٹینا ٹی، وی کی کھوج نے آسان تر بنا دیا ہے، اب یہ انٹینا بین الاقوامی نشریات کو سیٹلائٹ کے تعاون سے راست نشر کرتا ہے، اے، ٹی، این یعنی ایشیا ٹیلی ویژن نیٹ ورک نے گذشتہ ۱۵ر اگست سے ہندی نشریات کا آغاز کیا ہے اسے برطانیہ کے ایشین یونائیٹڈ میڈیا کے تعاون سے شروع کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسٹار ٹی وی اور زی ٹی وی نے بھی ہندی پروگرام شروع کیا ہے۔

ویسے تو بین الاقوامی اطلاعاتی کمپنیوں میں امریکہ سب سے آگے ہے، ۱۶۰ امریکی کمپنیاں ہر سال ۲ر لاکھ گھنٹوں کا پروگرام اکسپورٹ کرتی ہیں اور برطانوی کمپنیاں سالانہ تیس ہزار گھنٹے کے پروگرام اکسپورٹ کرتی ہیں۔

اب براہ راست نشریات کے ذریعہ بی بی سی، سی این این اور اسٹار ٹی وی ہماری فکری تشنگی" کی " آدارہ ضیافت" کر رہی ہیں، اور " مشرقی اقدار" کا رہا سہا بھرم بھی اب ٹوٹنے کو ہے۔

زیر نظر مضمون میں ہم " ڈش انٹینا " کے منفی اثرات کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

یوں تو ہندوستانی ذرائع ابلاغ اپنی زہرافشانی اور مخصوص نہج پر ذہن سازی اور ہندو اقدار و کردار کی نمائش و اشتہار میں بدنام زمانہ ہیں، مگر ان ذرائع ابلاغ میں سے ٹیلی ویژن کا کردار سب سے گندا اور گھناؤنا ہے، ٹیلی ویژن پروگراموں میں جہاں "مشرقی اقدار" پر حملہ کرکے اسے دقیانوسیت دکھلاکر اور ہوس پرستوں کی تسکین خاطر کے لئے فحاشی و عریانیت اور جنسی آوارگی پھیلائی جا رہی ہے وہیں ایسے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں جو نئی نسل کی ہندو سانچہ کے مطابق ذہن سازی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

کچھ "سیریلیوں" میں اگرچہ اسے تاریخی سیریل کا نام دیا گیا، اس نکتہ پر خاص زور دیا گیا جس کا نتیجہ فرقہ واریت اور مذہب بیزاری کی شکل میں سامنے آیا، وہ مسلمان بچے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات و شخصیات سے ناواقف ہیں، انہیں ہندو مذہب کی تاریخ اور اہم شخصیات سے روشناس کرایا گیا اور غیر مباشر طریقہ سے اسلام اور مسلمان حکمراں و رعایا کے روشن کردار کو مجروح کرکے ان کے خلاف نفرت کی فضا قائم کی گئی جس کے نتیجہ میں کچھ مسلم طلباء کی زبانی یہاں تک سنا گیا کہ ہمارے آباء و اجداد نے اپنے دور اقتدار میں ظلم و غارت گری کے علاوہ کچھ نہ کیا۔

اسی منفی تربیت کے نتیجہ میں کچھ ایسے تعلیم یافتہ نوجوان سامنے آئے جن سے اگر مذہب کی باتیں کی جائیں تو وہ کہتے ہیں کہ آپ لوگ اس ترقی یافتہ دور میں بھی "بنیاد پرستی" کی باتیں کرتے اور اس کا راگ الاپتے ہیں۔

ہاں نئی تربیت کے تناظر میں مذہب و دین بنیاد پرستی ہے اور الحاد و بے دینی، فحاشی و جنسی آوارگی روشن خیالی اور ترقی پسندی کیا ہے۔

اب تو ہماری پرواز چاند ستاروں سے بھی آگے ہے۔ آج "ڈش" ترقی پسندی کی نئی علامت اور روشن خیالی کی زندہ پہچان ہے۔

وہ یورپی معاشرہ جو اپنے اخلاق و کردار کو سربازار نیلام کر چکا ہے، جہاں حلال و حرام، معروف و منکر خیر و شر اور نیک و بد کی کوئی تمیز ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام جسے معاشرہ کی ضرورت سمجھا گیا اسے مستحسن قرار دے کر عملی جامہ پہنایا خواہ وہ کام جس قدر بھی گھٹیا اور اخلاق سوز ہو۔

وہ یورپی معاشرہ جو اخلاقی گراوٹ کی اس حد پر پہونچ چکا ہے کہ وہاں انسانیت بھی چیخ اٹھی، کہیں شراب پر پابندی لگائی گئی، کہیں غیر مسلم طالبہ نے نقاب کے استعمال کا مطالبہ کیا، تو کہیں طالبہ نے طلباء سے علاحدہ بس سروس کا

مطالبہ کیا اور یہ مطالبے قبول کئے گئے۔

آج اسی مبغوض معاشرہ کی تفریح وتقلید کے لئے اسے ٹی وی اسکرینوں پر ڈش کے ذریعہ دیکھا جاتا ہے، حد تو یہ ہے کہ جس طرح اس معاشرہ نے تمام اخلاق واقدار کو فراموش کر دیا آج ہمارے معاشرہ کی بھی یہی روش ہے، جنسی بے راہ روی، ہوس پرستی اور عریانیت کے ناچ کے لئے خاندان کے تمام افراد بلاتفریق مشتاق نظارہ ہیں۔

اسلامی غیرت تو کجا انسانی غیرت اور ادب ولحاظ معلوم نہیں کس گوشۂ گمنامی میں پڑا ہے، قوم کے وہ معصوم نونہال جو ابھی اپنی عقل وشعور کی دہلیز پر ہی ہوتے ہیں ان کی تربیت حیا سوز اور ہیجان انگیز مناظر کرتے ہیں گویا ان کے والدین نے ان کی تربیت کی ذمہ داری سے سبک دوش ہو کر سارا بار انھی پروگراموں کے سپرد کر دیا ہے، الحفیظ والاماں۔

اب ان والدین کو اس " روز جزا " کا انتظار کرنا چاہیئے جب ان کے جگر پارے اخلاقی گراوٹ کا دودھ پی کر جوان ہوں گے اور انھیں اس بدسلوکی کا مزہ چکھائیں گے اور پھر ندامت کے آنسو کام نہ آئیں گے، یورپ کا موجودہ معاشرہ اس سرد جنگی کی زندہ مثال ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یورپی ذرائع ابلاغ اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کی گرفت میں ہیں، ٹیلی ویژن کے اکثر وبیشتر مراکز ان کی نجی ملکیت ہیں، وہ ان پر ایسے پروگرام پیش کرتے ہیں جن سے ان کا مفاد وابستہ ہو، اخلاقی بگاڑ، جنسی آوارگی، الحاد ولادینیت ان کا سب سے اہم مقصد ہے اور اسی مقصد کے حصول کے لئے وہ تمام تگ ودو کرتے ہیں۔

ملت اسلامیہ سے اہل کتاب خصوصاً یہود کی عداوت موروثی ہے اور قرآن کریم اس پر شاہد ہے: " لتجدن اشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين اشركوا " (مائدہ/۸۲) تم مومنوں کا سب سے بڑا دشمن یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔

یہود ونصاریٰ کی سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ مسلمان اسلام سے اسی طرح برگشتہ اور اسلامی اقدار سے عاری ہو جائے جس طرح وہ ہیں اور اس سلسلہ میں وہ سرگرم عمل ہیں۔ " ڈش " بھی اسی یہودی مکروفریب کا ایک حصہ ہے۔

" پروٹوکولات حکماء صہیون " کے متعدد بندوں سے اس یہودی سازش کا پتہ چلتا ہے، اور قرآن کریم نے تو اس سے پہلے ہی اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے، اس سلسلہ میں کئی آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: " ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم " (بقرۃ/۱۲۰) یہود ونصاریٰ تم سے اس وقت تک راضی نہیں

ہوں گے جب تم ان کے طریقہ کار کو نہیں اپناؤ گے ۔

نیز فرمایا: " ودت طائفة من اھل الکتاب لو یضلونکم " (آل عمران/ ۶۹) اہل کتاب کی ایک جماعت کی یہ خواہش ہے کہ کاش تمہیں گمراہ کردے ۔

دوسری آیت میں فرمایا: " یاایھا الذین آمنوا ان تطیعوا فریقا من الذین اوتوا الکتاب یردوکم بعد ایمانکم کافرین " (آل عمران/ ۱۰۰) اے مومنو! اگر تم اہل کتاب کی ایک جماعت کی پیروی کروگے تو وہ تمہیں ایمان سے پھیر کر کافر بنادیں گے ۔

سورۂ نساء میں فرمایا: " الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یشترون الضلالة ویریدون ان تضلوا السبیل " (نساء/ ۴۴) کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا جو گمراہی کا کاروبار کرتے اور صحیح راستہ سے ہٹانے کے درپے ہیں ۔

اور قرآنی آیات سے یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اہل کتاب کا سب سے بڑا مشن ہمیں گمراہ کرنا ہے اور وہ اپنے اس مشن میں سرگرم عمل ہیں اور رہیں گے ۔

وہ تمام مخرب الاخلاق اور الحاد و بے دینی کے وسائل جسے لوگ " تفریحی وسائل " کا نام دے کر اس سے لطف لے کر اپنی دنیا وعقبی برباد کرتے ہیں ، اسی مکر وفریب کا حصہ ہے ۔

آج کل یہودی دنیا انتہائی خفیہ ومنظم طریقہ سے عالمی پیمانہ پر کام کر رہی ہے ، دو ہزار عیسوی صدی میں مسجد اقصیٰ کو شہید کرکے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لئے عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے کا مشن جاری ہے اور اس سلسلہ میں کئی محاذوں پر کام ہو رہا ہے ۔

کہیں فلسطین میں یہودیوں کا ازلی حق ثابت کیا جا رہا ہے تو کہیں دنیا کو یہودیوں کی مظلومیت کا افسانہ سنایا جا رہا ہے تو کہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت بھڑکائی جا رہی ہے ، اور کہیں مسلمانوں کو عالمی سیاست سے بے خبر اور دور رکھنے کے لئے " ڈش " جیسی لعنت کو رواج دیا جا رہا ہے ، اگرچہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ دنیا میں وجود پذیر ہر نئے چھوٹے بڑے واقعات وحوادث کو اس کے ذریعہ مشاہدین تک پہونچایا جاتا ہے ، مگر حقیقت اس کے برعکس ہے بلکہ اس کا مقصد صرف اور صرف الحاد و بے دینی اور فحاشی وجنسی آوارگی کو عام کرنا ہے ۔

ڈش کا ایک ادنیٰ شیدائی بھی اس حقیقت کا اندازہ اس تجربہ سے لگا سکتا ہے کہ اس میں کتنے پروگرام روز اخلاق و کردار کی تعمیر کے لئے پیش کئے جاتے ہیں اور کتنے بگاڑ کے لئے؟ ۔

نیز دنیا کے متعدد خطوں میں مسلمانوں کو جو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اس کے کتنے مناظر پیش کئے جاتے ہیں؛ اور دوسری طرف عام حوادث اور خصوصاً وہ جو یورپ اور یہودیوں سے متعلق ہوں انہیں کتنا اچھالا جاتا ہے ۔

اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس مہلک فتنہ سے خود کو دور رکھیں اور اپنی دنیا و آخرت برباد نہ کریں ۔

بقیہ ص ۴۸ کا

سے اور بھی حقوق نسواں ہیں، جنہیں ہم سب بھلائے بیٹھے ہیں ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا تو مستقبل قریب میں ہماری خواتین ہمارے سر پر چڑھ کر اپنا حق طلب کریں گی یا بغاوت کی راہ اپنا کر دین و ایمان کی دولت سے محروم ہو جائیں گی ۔

پیش نظر کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ عورتوں کی نفسیات کو ٹھیس پہونچائے بغیر وہ ساری باتیں کہی گئی ہیں جو عورتوں کی اصلاح سے متعلق ہیں جس سے مصنف کی محنت اور جاں فشانی، خلوص اور سچی لگن کا احساس ہوتا ہے ۔

حاشیوں پر کتابوں کے حوالوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ایک کتاب کے لئے مصنف کو کتنی بہت سی کتابیں پڑھنی پڑی ہوں گی اور ان کتابوں میں صرف دینی اور تاریخی کتابیں ہی نہیں ہیں مخالفین اور معترضین کی بھی کتابیں ہیں ۔ حق بات یہ ہے کہ خواتین اسلام پر ریسرچ اور تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ کتاب رہنمائی کا کام کرے گی جس کی فی الوقت شدید ضرورت ہے ۔

ادارۃ البحوث الاسلامیہ نے کتاب "خاتون اسلام" کو شائع کر کے ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے، امید ہے کہ مستقبل میں بھی یہ ادارہ اس طرح کی اہم ترین کتابیں شائع کرتا رہے گا ۔ ہم قارئین سے امید کرتے ہیں کہ وہ ازہری صاحب کی کتاب کو نہ صرف پڑھیں گے بلکہ دوسرے باذوق حضرات سے پڑھنے کی سفارش کریں گے تاکہ اس کتاب کے ذریعہ مسلم معاشرہ کی اصلاح ہو اور آنے والی نسل کی پرورش ایسی ماؤں کی گود میں ہو جو ذہنی طور پر تعمیر پسند اور مومن صفت خاتون بن چکی ہوں ۔

سمپورنانند سنسکرت یونیورسٹی

بنارس کی ایک قدیم علمی درسگاہ

ڈاکٹر ابو حاتم خان، بنارس

سنسکرت دنیا کی قدیم زبانوں میں ایک ہے، اس زبان میں متعدد علوم موجود ہیں۔ یہ زبان اس ہندستانی مکتبۂ فکر کی ترجمانی کرتی رہی ہے جو قدیم دور میں حق کی تلاش وجستجو میں مکمل آزادی، روحانی اور دوسرے کئی طرح کے تجربوں کے لئے رواداری اور ازلی حقیقتوں سے متعلق موضوعات میں بڑی سخاوت کا مظاہرہ کرتی رہی ہے۔

یہ ہندوستان کے لئے فخر کی بات ہے کہ وہ ایک ایسی زبان کی دولت سے مالا مال ہے جس میں کسی اور زبان کے الفاظ کی آمیزش نہیں ہے (۱)

اس کے برعکس سنسکرت کے الفاظ بکثرت دوسری زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔ علاقے سے متعلق مختلف نوعیت کی معلومات پر مشتمل ہونے کے باعث مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں سنسکرت زبان کو مخصوص مقام حاصل ہے، بدھ مذہب کے ساتھ ہی اس کی قدیم کتابوں کی زبانوں میں سنسکرت اور پالی کے درس وتدریس کی روایت قائم ہوئی جو آج بھی جاری وساری ہے۔ دراصل سنسکرت ادب انسانی سماج کے ارتقاء کی نمائندگی کرتا ہے۔

سنسکرت کے اثرات اور روایتی پختہ علوم کے تحفظ، اس کے درس وتدریس نیز تحقیق واشاعت کو ترقی دینے کے مقصد سے بنارس کے ممتاز سنسکرت عالم اور ماہر سیاست داں اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ آنجہانی ڈاکٹر سمپورنانند جی کی کاوش وجد وجہد کے نتیجہ میں ۲۲ مارچ ۱۹۵۸ء کو قلب بنارس میں انہی کے نام سے موسوم سمپورنانند سنسکرت یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔

سمپورنانند سنسکرت یونیورسٹی اس مشہور گورنمنٹ کالج کی توسیع شدہ اور ترقی یافتہ شکل ہے جس کا قیام بنارس میں اس وقت کے ریزیڈنٹ مسٹر جوناتھن ڈنکن نے ۲۸ اکتوبر ۱۷۹۱ء میں مندرجہ ذیل مقاصد کے حصول کے لئے کیا تھا۔

---

(۱) زبان کا اس نوعیت کا جمود اس کی وسعت کے بجائے زندگی سے اس کے انعزال اور مسائل سے بے تعلقی کا عکاس ہے۔

۱۔ سنسکرت کے بیش قیمت قلمی نسخوں کی تلاش، ان کا مطالعہ اور ان پر تحقیق کرنا۔
۲۔ انگریز ججوں کو ہندو مذہب سے متعلق معاملوں میں معاونت کیلئے سنسکرت کے مخصوص عالموں کو تیار کرنا۔

پچھلی صدی سے ہی یہ ادارہ ہندوستان میں سنسکرت کی تعلیم و تحقیق کے لئے بین الاقوامی مرکز کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے۔ عالمی شہرت یافتہ کئی غیر ملکی عالم اور ہندوستان کے چوٹی کے سنسکرت علماء کا تعلق اس ادارہ سے رہا ہے، عرصہ سے یہ ادارہ سنسکرت کے عالموں کا مرکز رہا ہے، اور آج بھی یہ یونیورسٹی اپنی اس روایت کو محفوظ رکھنے اور مزید ترقی دینے کے لئے مکمل طور پر کوشاں ہے۔

تعلیمی مقاصد

اس یونیورسٹی کے چند اہم تعلیمی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

قدیم تعلیمی روایات کی حفاظت کرتے ہوئے قدیم اور مغربی افکار کو مربوط کرنا۔

سنسکرت، پالی اور پراکرت زبانوں سے متعلق تمام دوسرے مضامین کی تدریس وغیرہ کا قدیم روایتی طریقوں سے انتظام کرنا اور اسے سنسکرت ادب کی تعلیم و تحقیق کا مرکز بنانا، ہندوستانی تہذیب کی شکل و صورت کا مناسب خاکہ تیار کرنے کے لئے اس تہذیب کی بنیاد سنسکرت زبان اور اس کے متعلق قدیم اور جدید ایشیا کی دیگر زبانوں میں منضبط ادب کا مکمل تعارف حاصل کرنا۔ ہندوستانی تہذیب کے ساتھ دوسری تہذیبوں کا تقابلی اور تنقیدی مطالعہ و تحقیق کرنا جس سے حتی الامکان شہری روابط کے ساتھ ساتھ اتحاد بھی قائم ہو سکے۔

ایسے جدید اور ذہین علماء کو تیار کرنا جو سنسکرت میں پختہ ہوں اور جدید افکار سے متعارف بھی، اور علمی اعتبار سے تقابلی مطالعہ کرنے کی خاص صلاحیت و اہمیت کے حامل بھی ہوں۔

سنسکرت زبان اور ہندوستانی تہذیب کی ہر سمت میں نشر و اشاعت کرنا اور سنسکرت کی نادر کتابوں کو جمع کرکے ان کی تصحیح اور تدوین و اشاعت کرنا۔ مختصر یہ کہ سنسکرت یونیورسٹی کے مقاصد کی یہی خاص سمتیں ہیں اور انھیں مقاصد کے حصول کے لئے آج اس یونیورسٹی میں پانچ فیکلٹی کے تحت ۲۲ شعبے کام کر رہے ہیں۔ تفصیلات یہ ہیں:

۱۔ **وید، ویدانگ سنکائے:** (وید اور ویدوں کے مختلف شعبوں کا ادارہ) اس کے تحت وید، مذہبیات، علم نجوم، علم نحو وغیرہ کے شعبے ہیں۔

۲۔ **ساہتیہ سنسکرت سنکائے:** (ادبیات، تہذیب کا ادارہ) اس کے تحت ادبیات، پرانوں کی تاریخ، قدیم سیاست و اقتصادیات کے شعبے آتے ہیں۔

۳۔ درشن سنکائے : (علم فلسفہ کا ادارہ) اس کے تحت علوم انصاف، ویدوں اور قدیم مذہبی کتابوں کی تشریح، اپ نشد اور یوگا سے متعلق شعبے ہیں۔

۴۔ شرمن ودیا سنکائے : اس کے تحت بدھ فلسفہ، جین فلسفہ، پالی اور پراکرت ہندوستانی علوم وتہذیب اور سنسکرت استاد کے شعبے کام کر رہے ہیں۔

۵۔ آدھنک گیان سنکائے : (جدید علوم کا ادارہ) اس کے تحت جدید زبان اور علم لسانیات، سماجی علوم، علم تدریس اور علم کتب خانہ وغیرہ کے شعبہ ہیں۔

مذکورہ بالا شعبوں میں گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ سطح کی تعلیم وتدریس ہوتی ہے۔ گریجویٹ سطح (شاستری) کا نصاب جو پہلے ۲ دو سال کا تھا اب ۳ تین سال کا ہو گیا ہے۔ اور پوسٹ گریجویٹ (آچاریہ) کا نصاب جو پہلے ۳ تین سال کا تھا اب ۲ دو سال کا ہو گیا ہے۔ گریجویٹ سطح پر اختیاری مضامین کو ۲ دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک حصہ میں قدیم مذہبی علوم اور دوسرے حصہ میں جدید مضامین ہیں۔ اضافی مضمون کی صورت میں انگریزی کی تعلیم وتدریس ہوتی ہے، انگریزی کے بدل کی صورت میں جرمن، روسی، فرانسیسی، چینی اور تبتی زبانوں کی بھی تعلیم دی جاتی ہے، پوسٹ گریجویٹ سطح پر صرف قدیم مذہبی علوم سے متعلق مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔

اس یونیورسٹی میں بی ایڈ، ایم ایڈ اور علم کتب خانہ اور علم اطلاعات کی بھی تعلیم وتربیت کا انتظام ہے۔ یہ یونیورسٹی پرتھما، پورو مدھیما اور اتر مدھیما کے امتحانات بھی کراتی ہے، جس کی تدریس کا انتظام اس سے ملحق اسکولوں میں ہوتا ہے، اسی طرح اس یونیورسٹی میں آیر وید اچاریہ کے پانچ سالہ کورس کا بھی مکمل انتظام ہے جس کی تدریس اجکیہ آیر وید مہاودّیالیہ وارانسی میں ہوتی ہے۔

دور دراز سرحدی صوبوں میں سنسکرت تعلیم کی نشر واشاعت کے مقصد سے وہاں کے مخصوص حالات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے چار قسم کے الگ الگ نصاب کا انتظام کیا گیا ہے جن کی درس وتدریس لیہہ (لداخ) کنوز (لاہول گھاٹی ہماچل پردیش) گنگٹوک کے (سکم) رومٹیک (سکم) کے اسکولوں میں ہوتی ہے۔

غیر ملکی طلاب کو مختصر مدت میں سنسکرت زبان، ہندوستانی فلسفہ، ہندوستانی تہذیب اور ہندوستانی علوم کی مکمل تعلیم دینے کے لئے ۳ سہ سالہ سنسکرت کی سند کا نصاب قائم کیا گیا ہے جس میں غیر ملکی طلبا اور ہندوستانی سرحدی صوبوں کے طلبہ کا داخلہ ہوتا ہے، ایسے طلبا کے لئے قیام کا الگ انتظام ہے۔

سنسکرت کے طلباء کو انگریزی اور دیگر غیر ملکی زبانوں کی تعلیم دینے کے لئے ڈپلومہ کورس چلایا جاتا ہے جس سے وہ ان زبانوں کو سیکھ کر قدیم زبانوں میں ہندوستانی علوم سے متعلق تحریری افکار کی معلومات حاصل کر سکیں، اس کے لئے روسی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، تبتی، نیپالی زبان میں ڈپلومہ کورس چلایا جاتا ہے، اس کے علاوہ لسانیات قدیم نوادرات کا علم اور موسیقی میں بھی ڈپلومہ کورس چلتا ہے۔

سنسکرت یونیورسٹی نے تکچھشلا، نالندہ اور وکرم شلا وغیرہ قدیم یونیورسٹیوں کی روایت کے مطابق ہی مفت تعلیم اور مفت قیام کا انتظام کیا ہے۔ علاوہ اس کے ذہین طلباء کے لئے قابلیت کی بنیاد پر وظیفہ کا بھی بڑے پیمانے پر انتظام ہے۔

سنسکرت یونیورسٹی کے پرتھما، مدھیما، شاستری اور آچاریہ امتحانات کو ملک کی مشہور یونیورسٹیوں اور مختلف صوبوں کے تعلیمی بورڈ نے تسلیم کر لیا ہے، مرکزی و صوبائی حکومتوں کے علاوہ نجی کمپنیوں کے اداروں نے بھی یہاں کے امتحانات کو تسلیم کیا ہے جس کی وجہ سے یہاں کے طالب علموں کو مختلف ملازمتوں میں خدمت کرنے کے بہترین مواقع فراہم ہیں۔

تحقیق، تدوین اور اشاعت کے کام پر خصوصی توجہ دینے کے لئے یہاں ایک خود مختار تحقیقی مرکز اور شعبہ اشاعت بھی قائم کیا گیا ہے جس میں تحقیقی کاموں کا ایک سربراہ کئی تحقیقی معاون اور نشر و اشاعت کے افسران وغیرہ کے ذریعہ ان کاموں کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ اس شعبہ کے ذریعہ قدیم، نادر اور بیش قیمت کتابوں کی طباعت اور اشاعت ہوتی ہے۔

اس یونیورسٹی میں درس و تدریس اور تحقیق کے مدنظر ایک بہت بڑا کتب خانہ سرسوتی بھون کے نام سے قائم ہے جس میں صرف قلمی نسخوں کی تعداد ایک لاکھ نو ہزار دو سو چون ۱۰۹۲۵۴ ہے اس کے علاوہ مطبوعہ کتابوں کی تعداد ایک لاکھ ستہتر ہزار چوراسی ۱۷۷۰۸۴ ہے۔

۱۹۹۱ء تک کی اطلاعات کے مطابق اس یونیورسٹی میں اساتذہ کی کل تعداد ۱۱۶ تھی اس کے علاوہ غیر تعلیمی افسران کی تعداد ۲۵ تھی۔ اس یونیورسٹی سے ملحق ڈگری کالجوں کی تعداد ۱۲۳۸ ہے۔ یہاں پر طلباء کے رہنے کیلئے ہوسٹل کی تعداد چار ہے۔

۱۹۷۱ء میں یہاں راشٹریہ سیوا یوجنا کا قیام بھی عمل میں آیا ہے، اس کے ذریعہ طلباء عوامی خدمات کا کام

کرتے ہیں، اور ان کے اندر مزید جذبہ پیدا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔

یہاں پر این۔ سی۔ سی کی ٹریننگ بھی ہوتی ہے ساتھ ہی تندرستی کے ایک صحت کا مرکز بھی کام کر رہا ہے جہاں ایلوپیتھک اور آیورویدک طریقہ سے علاج کیا جاتا ہے۔

اس یونیورسٹی میں وزارت تعلیماتِ ہند کی جانب سے کئی منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جا چکا ہے، ایک منصوبہ کے تحت قدیم علوم میں پختگی حاصل کرنے کے لئے روایتی انداز پر قدیم کتابوں کا درس دیا جاتا ہے۔ دوسرے منصوبہ کے تحت حکومت ہند کے شعبہ الکٹرانکس کی جانب سے سنسکرت زبان کے مختلف علوم کو کس طرح سلسلہ وار رکھا جائے اس کے طریقوں کو اجاگر کیا جائے، اس منصوبہ کے لئے ساڑھے تیرہ لاکھ روپئے کی منظوری ہوئی تھی۔ ایک اور منصوبہ یہ تھا کہ ہندوستانی زبانوں کی مختلف بنیادی کتابوں میں موجود مواد کو مشین کے ذریعہ ایسی صورت دی جائے کہ وہ پڑھنے کے قابل ہوجائیں۔ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک کے پانچ مشہور اداروں نے حصہ لیا، انکے نام درج ذیل ہیں:

(۱) بھارتیہ بھاشا سنستھان (میسور)۔ (۲) آئی، آئی، اے، ایل، ایس۔ (بھوبنیشور)

(۳) آئی، این، آر، ایل، جی (ڈیکن کالج پونہ) (۴) آئی، آئی، ٹی (دلی)

(۵) سمپورنانند سنسکرت یونیورسٹی (وارانسی)۔

اس کے لئے حکومت ہند نے ساڑھے تینتیس لاکھ روپئے منظور کئے تھے۔

یہ تھا بنارس میں سمپورنانند سنسکرت یونیورسٹی کا ایک مختصر سا تعارف مضمون کے آخر میں اتنی بات اور کہ اگرچہ یونیورسٹی اپنی زندگی کی ۴۴ ویں بہاریں ہی دیکھ پائی ہے، لیکن ۱۷۹۱ء میں قائم شدہ سنسکرت کا پاٹھ شالہ ارتقاء کی منزلوں کو طے کرتا ہوا آج یونیورسٹی کی موجودہ شکل اختیار کر چکا ہے، اس یونیورسٹی کو ملک کی قدیم ترین درسگاہ ہونے کا فخر حاصل ہے ۱۹۹۱ء میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کا دو سو سالہ جشن بھی منایا جا چکا ہے، اس طرح یہ ادارہ دو سو سال پورا کر کے سنسکرت کی روایتی تعلیم اور اس کے کبھی نہ ختم ہونے والے علمی خزانوں کو وسعت دے رہا ہے۔

علاقہ برہیٹ بہار میں دعوت کتاب وسنت

تحریر: مولوی عبداللہ انصاری رجامعہ اصلاح المؤمنین برہیٹ

برہیٹ وپاکوڑ کا اکثر وبیشتر حصہ سنگلاخ وپہاڑی ہے۔ ان دونوں علاقوں کے پہاڑی حصوں میں تقریباً دوسو سال قبل جنوبی بہار سے کثیر تعداد میں مسلمان آکر آباد ہو گئے تھے اسی طرح علاقہ پاکوڑ وراج محل کے علاقوں میں کثیر تعداد میں مسلمان مالدہ، مرشد آباد، (موجودہ بنگلہ دیش سے آکر بسے۔ اس طرح راج محل کا یہ دونوں علاقہ بنگالی وپہاڑی مسلمانوں سے آباد ہوا۔ مسلمانوں کی اکثریت شرک وبدعت اور ہندوانہ رسوم نیز مغلیہ حکومت سے قریب کا زمانہ ہونے کے سبب لوگوں میں مزاج تشیع بھی پایا جاتا تھا۔ ضلع صاحب گنج کے مسلمانوں کی اکثریت میں قبر پرستی، پیر پرستی، درگاہوں میں سجدے، غیر اللہ کے نام پر اوراد ووظائف، میلاد وقیام، تعزیہ پرستی، ہاتھوں میں گودنا گودوانا، عورتوں کا سیندور کا استعمال کرنا، بعض جانوروں کی پوجا کرنا، بتوں کے نام پر بعض جانوروں کی قربانی کرنا، مسلم عورتوں کا بے پردہ غیر مسلم مردوں اور عورتوں کے ساتھ اختلاط اختیار کرنا، ان کے تہوار میں ان کے شریک وسہیم ہونا، نیز کربلا، امام باڑہ، مرثیئے وغیرہ سے شیعیت ظاہر ہوتی ہے، دور دور تک مدارس ومساجد نہیں پائے جاتے تھے۔

چونکہ ہمارے پہاڑی علاقوں میں جنوبی بہار کے ضلع دھنباد، ہزاری باغ، سنگھ بھوم اور پرولیا، مغربی بنگال وغیرہ سے لوگ آکر آباد ہوئے تھے۔ اس لئے لوگ مختلف الخیال والمزاج ہوئے چنانچہ پہاڑی علاقہ میں آباد ہونے والے کا ایک گروہ جو سنگھ بھوم پرولیا وغیرہ سے آباد ہوئے۔ یہ لوگ شرک وبدعت سے بالکل پاک وصاف تھے۔ تحقیق و تفتیش کے بعد یہ معلوم ہوا کہ کسی زمانے میں بھی ان لوگوں میں قبر پرستی، پیر پرستی، تعزیہ وغیرہ خرافات نہیں پائی گئیں، لیکن بدعملی بددینی، جہالت بہت زیادہ تھی۔ دوسرا گروہ جو دھنباد، ہزاری باغ، گریڈیہہ وغیرہ سے آکر آباد ہوا تھا ان لوگوں میں مذکورہ شرک وبدعت وہندوانہ رسوم بہت زیادہ پائے جاتے تھے۔ اللہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۴۶ھ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۴۶ھ کو غریق رحمت کرے، اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے

ان دونوں کی مساعی جمیلہ سے عموماً پورا ہندوستان خصوصاً صوبہ بہار، بنگال، یوپی کے مسلمان سلفی العقیدہ بن
ے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلیفہ مولانا ولایت علیؒ متوفی ۱۲۶۹ھ اور ان کے بھائی مولانا عنایت علیؒ اور ان دونوں کے
قا نے بھی بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں، بعدہٗ ان دونوں نے راج محل، مالدہ، بردوان و دیگر ضلعوں میں بڑے بڑے
اسے یہ کام کرنے کے لیے مولانا احمد اللہ عظیم آبادی اور ان کے رفقاء کو بھیجا تاکہ یہ لوگ انگریز کے خلاف جنگ جاری رکھتے
ے لوگوں میں دعوت کتاب و سنت کو عام کریں چنانچہ مولانا احمد اللہ عظیم آبادی نے اس بنگال و بہار کی سرحد پر تشریف
ر دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کا آغاز کیا اور اس کے لئے مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور کی ۱۲۹۳ھ میں بنیاد ڈالی۔

ہمارے اس علاقہ میں دعوت و تبلیغ کا کام اولاً احمد اللہ عظیم آبادی، مولانا عبد الرحمن ملیح آبادی، مولانا ہدایت اللہ
لیم آبادی و ابراہیم منڈل اسلامپوری وغیرہم نے کیا۔ اس دعوت و تبلیغ کے لئے یہ حضرات اس علاقے کے اکثر گاؤں تشریف لے
ے۔ لوگوں کا اجتماع کرکے ملاقاتیں کرکے قال اللہ وقال الرسول کا پیغام سنایا چونکہ یہ پہاڑی علاقہ ہے سواریاں ندارد
لمان بستیاں دور دور واقع ہیں۔ نہ کسی سے شناسائی تھی اور جان پہچان ان اللہ والوں نے دعوت و تبلیغ کی خاطر دن و رات
ب کر دیئے اور وقت کی مال و آرام و آسائش کی قربانیاں دیں اور اس کے نقوش و اثرات اس علاقے میں چھوڑ گئے چنانچہ
اسی علاقہ میں منشی عبد الکریمؒ کسا برہیٹ، منشی فضل الحق، منشی نور محمد، مولانا زین العابدینؒ، مولانا اسحاقؒ مولانا
عقوبؒ، مولانا ایوبؒ، مولانا مقبولؒ وغیرہم نے خود اس علاقہ میں دعوت و تبلیغ کے کام کئے اور وقتاً فوقتاً جماعت اہلحدیث
ے چوٹی کے علماء کرام کو مدعو کیا اور عام اجتماع میں اہلحدیث کا تعارف کرایا۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے سبھوں کے اسماء
ضبط کرنا دشوار ہے البتہ امام المناظرین مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا ابو القاسم سیف بنارسیؒ وغیرہم اس علاقہ میں
تشریف لاچکے ہیں۔

اسی طرح ۱۳۳۱ھ میں احناف و اہل حدیث کے درمیان مناظرہ قریبی مقام ضلع مرشد آباد میں ہوا، جس میں
مولانا عبد العزیز حسن البیان والےؒ وغیرہ تشریف لائے تھے احناف کو شکست فاش ہوئی اس کا بھی اچھا خاصا اثر مرشد آباد کے
ساتھ ساتھ سنتھال پرگنہ (صاحب گنج) کے اتری حصہ پر ہوا۔ اس علاقہ میں دعوت الی الکتاب والسنہ کے لئے مقامی دنواحی گشت
کے علاوہ ایک دینی ادارہ (جو مکتب کی شکل میں چل رہا تھا جس کے مدرس مولوی نصر علی صاحب گڈاوی تھے) ۱۳۳۱ھ میں بنام
مدرسہ اصلاح المؤمنین برہیٹ کا قیام عمل میں آیا۔ فی الحال جامعہ اصلاح المؤمنین برہیٹ کے نام سے مشہور ہے۔
اس ادارہ میں ایک ز

فضیلت دی۔ چنانچہ مولانا مقبول، مولانا بشیر الدین، مولانا عبد الغنی، مولانا عبد الستار، مولانا جمال الدین و دیگر حضرات نے یہیں سے تعلیم حاصل کی موضع الذکر کئی بار علاقہ بدھوا چک جو قبر پرستوں کا مرکز ہے مناظرے میں آئے اور قبر پرست علماء کو ناکام کیا اگرچہ وہ لوگ اپنے غلط عقائد و اعمال پر جمے ہوئے ہیں۔ لیکن علاقائی اہل حدیث ان قبوریوں کے جال میں نہیں پھنسے۔ آج کل بھی اس جامعہ کے علماء کرام علاقائی دورہ کرکے تبلیغ و اصلاح بھی کرتے رہتے ہیں۔ فی الحال اس جامعہ میں بیرونی طلبہ ۱۲۵ و مقامی طلبہ ۱۲۵ تیرہ مدرسین کرام درس و تدریس کا کام انجام دے رہے ہیں۔ سر دست یہ ادارہ ہمارے اس پہاڑی علاقہ میں مرکزی ادارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں ضرورت کے مطابق فتاویٰ، فرائض سے اپنا حل تلاش کرتے ہیں۔ اور اس کام کو حسن و خوبی انجام دینے کے لیے مفتی عبد العزیز صاحب حقانی حفظہ اللہ کی خدمات جامعہ ہذا کو حاصل ہیں بحمد اللہ اس جامعہ کے ماتحت اداروں میں (۱) مدرسہ نور الہدیٰ کلاں گڈا (۲) جامعہ سلفیہ ہرنپور صاحب گنج میں مشکوٰۃ وغیرہ تک کی تعلیم ہو رہی ہے۔ (۳) ہمارے اس علاقہ میں دعوت و تبلیغ کے ذرائع نہایت ہی محدود ہیں۔ نیز جمعیۃ اہل حدیث کی تشکیل و تنظیم بھی نہیں ہے کاش تنظیم و تشکیل ہو تو کسی اچھے انداز میں اصلاح و تبلیغ کا کام ہو۔

یہاں کے علماء نے آج تک کوئی رسالہ یا کتابچہ وغیرہ تصنیف نہیں کئے۔ البتہ قریبی نشیبی علاقہ میں جامعہ سلفیہ عبد اللہ پور کے شیخ الحدیث مولانا مصلح الدین رحمۃ اللہ نے مختلف موضوع پر کتابچے لکھے اور مفت تقسیم کئے اور آج بھی تقسیم ہو رہے ہیں۔

(۴) ہمارے اس علاقہ میں تبلیغی جلسے بکثرت ہوتے ہیں جس میں علاقہ کے لوگ بھی جمع ہوتے ہیں اور دو تین دنوں تک جلسہ کا پروگرام چلتا ہے جس میں مختلف ناحیہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے البتہ کہیں کہیں مناظرہ کی نوبت تک آجاتی ہے چنانچہ [illegible]ء میں برہروا صاحب گنج میں مولانا مطیع الرحمن چتر ویدی اور بریلوی کی طرف سے مولوی فرحت زبیری کا استمداد غیر اللہ عرس میلاد قیام پر بحث ہوئی۔ مولانا چتر ویدی صاحب نے دلائل کی روشنی میں تردید کی بریلوی مولوی خاموش ہو گئے۔ اسی طرح پاکوڑ علاقہ کے ایک پہاڑی گاؤں میں جلسہ ہونے والا تھا۔ قبل ہی سے بریلوی مولوی اپنا زہر اگل چکے تھے۔ لوگوں میں بے اطمینانی آگئی مقامی لوگوں نے علماء اہل حدیث کو مدعو کیا۔ چنانچہ اس جلسہ میں بنگال سے مولانا ابو القاسم صاحب مرشد آبادی، مولانا نظام الدین سلفی و مولانا عبد العزیز حقانی سے جو اس وقت جامعہ اصلاح المومنین بر ہیٹ میں شیخ الحدیث ہیں تشریف لے گئے۔ بریلوی علماء مرعوب ہو گئے جلسہ گاہ تک پہنچ نہیں پائے۔ اسی طرح [illegible]ء میں راج گاؤں کے قریب ہی کسیلا گاؤں میں دو روزہ جلسہ تھا جس میں بریلوی کے علماء بھی آنے والے تھے ان کی تاریخ پر جلسہ ہوا جلسہ دو روزہ تھا جو مناظرہ کی شکل میں ہونے والا تھا تین دن تک منعقد کئے۔ اس جلسہ میں مولانا عبد الحق رحمانی، مولانا عبد المنان بیرسوی، مولانا نظام الدین سلفی، مولانا اسماعیل

مولانا عبدالعزیز حقانی صاحب وغیرہم اہلحدیث کیطرف سے تشریف لائے تھے۔ یہاں بھی یہ لوگ نہیں پہونچے۔ تیسرے دن مدرسہ سبل السلام کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم ہوا، اسی طرح بیربھوم میں کنک پور نامی گاؤں میں ۱۹۸۳ء کو مناظرہ ہوا جس میں علماء احناف کثیر تعداد میں تشریف لائے تھے اور اہل حدیث کی طرف سے مولانا نظام الدین سلفی، مولانا عبدالعزیز حقانی مولانا ابوالقاسم مرشدآبادی، ودیگر حضرات جیسے مولانا عبدالرحمٰن فیضی فی الحال مدرس جامعہ اصلاح المومنین برہیٹ، ومولانا عبدالرقیب سلفی تشریف لے گئے تھے۔ مسلسل چار گھنٹوں تک مناظرہ احناف کے مولانا عزیزالحق مفتی مدرسہ معاری بردوان و مولانا ادبیر صاحب مدرسہ اکھوسٹرا بیربھوم وغیرہم سے ہوا۔ صدر جلسہ نے سمجھا کہ ہم کو مفر نہیں ہے۔ چنانچہ جلسہ کے خاتمہ کا اعلان کیا۔ الحمدللہ آدھا گاؤں اہل حدیث ہوگیا۔ اس کے مناظر اہلحدیث کی طرف سے مولانا نظام الدین سلفی تھے اور ان کے معین و مددگار مولانا عبدالعزیز حقانی صاحب تھے۔ احناف کی طرف سے مولانا عزیزالحق القاسمی صاحب مناظر تھے اور معین ان کے رفقاء تھے۔

اسی طرح پاکوڑ میں ایک گاؤں کرن ڈانگہ ہے یہاں کے لوگ دس پندرہ سال قبل عام طریقے سے معرفتی عقیدہ وعمل کے تھے۔ بہوال الدین نامی جاہل پیر آکر لوگوں کو بہکاتا، عرس، قبر پرستی، بیعت کراتا۔ قریب کے موہن پور گاؤں میں بڑی تعداد میں سلفی العقیدہ مسلمان آباد ہیں۔ درجنوں علماء کرام موجود ہیں یہاں کے علماء کرام گاہے بگاہے گاؤں والوں کو سمجھاتے رہے۔ غالباً ۱۹۷۷ء کا واقعہ ہے جاہل پیر کرن ڈانگہ آیا ہوا تھا۔ عرس وقوالی وغیرہ کا پروگرام جاری تھا۔ موہن پور کے علماء کرام بہت خفا ہوگئے تھے۔ اتفاق سے مولانا عبدالعزیز حقانی صاحب موہن پور تشریف لے گئے، مولانا اسرائیل، مولانا لیاقت، مولانا منظور، مولوی صدیق، مولوی صفات اللہ وغیرہم مولانا حقانی صاحب کے پاس آئے اور اس کے سلسلے میں باہمی مشورہ ہوا کہ اس صورتحال میں کیا کیا جائے طے پایا کہ وہاں جاکر پیر صاحب سے موقع ومحل تلاش کر کے دلیل مانگی جائے۔ چونکہ یہ پیر صاحب ہیں۔ اس لئے ان سے تمام سوالات وجوابات عربی میں ہونے چاہئیں اس کے لئے انتخاب مولانا حقانی صاحب کو کیا اور امیر جماعت مولانا اسرائیل صاحب کو بناکر یہ وفد رات دس بجے عرس کی محفل میں پہونچا۔ امیر جماعت نے موقع پاکر پیر صاحب سے کہاکہ آپ سے ہمارے مہمان مولانا حقانی صاحب کچھ کہنا چاہتے ہیں مولانا حقانی صاحب نے عربی میں ان کے یہاں آنے اور یہ سب خرافات کرنے کرانے کے متعلق پوچھا چونکہ وہ بالکل جاہل تھا پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اور لاعلمی کا اعتراف کرنے لگا ان سے پوچھا گیا آپ کو قرآن مجید پڑھنا آتا ہے جواب اثبات میں دیا پیر صاحب خرافات کی محفل میں قرآن مجید اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ ان سے کہا گیا قرآن مجید تلاوت کہیں سے کیجئے۔

سورہ بقرہ کی تلاوت کرنے لگے۔ لیکن ابتداء قرأت میں تعوذ کو ترک کر دیا علماء کرام جو کافی تعداد میں موجود تھے گرفت کر لی اور
اس کے جاہل ہونے پر ایک روشن دلیل فراہم ہو گئی مریدین کافی خفا ہو گئے چونکہ یہ وفد رات کو پہونچا تھا اس لئے یہ لوگ خواہ مخواہ
علماء اور دوسرے لوگوں کو پھنسانے کے لئے ڈکیتی کیس کرنے پر ابھر آئے۔ یہ لوگ اولا غیر مسلم مکھیا کے پاس پہونچے انہوں نے بتایا کہ
صبح اس کا فیصلہ ہو گا۔ ادھر یہ وفد رات ۱۲/۱ ۱۱ بجے موہن پور واپس ہوا اور اسی وقت نوجوان پارٹی کی طرف سے پیر صاحب کو دھمکی نامہ
لکھا گیا کہ آپ ہمارے اس علاقہ میں فریب کاری اور دھوکہ بازی سے عوام کا مال ہڑپ کر رہے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ کل صبح دس بجے
تک یہاں سے روانہ ہو جائیں ورنہ قرآن وحدیث سے سب کچھ ثابت کرنا ہو گا اگر نہیں کر سکے تو آپ کے خلاف کارروائی کیجائیگی۔
پیر صاحب کو خط ملا صبح کو مکھیا صاحب کی موجودگی میں جاء الحق نامی کتاب پڑھ کر سب کو سنا رہے تھے اسی اثناء میں علماء کرام اور ان
کی معیت میں ڈیڑھ سو افراد کرن ڈانگہ پہونچے اس کتاب پر کافی جرحیں ہوئیں اور پیر صاحب کا ناطقہ بند ہو گیا مکھیا صاحب نے
پیر صاحب کی اس کتاب کو ضبط کر لیا بہت مجبور ہو کر پیر دس بجے سب چھوڑ چھاڑ کر راہ فرار اختیار کر لی پھر دوبارہ اس
گاؤں میں آنے کا اتفاق مرتے دم تک نہ ہوا۔

اسی طرح ہمارے علاقہ میں جھاناگرٹیا ہے مولانا عبدالحنان رحمہ، مولانا مصلح الدین رحمہ، اور حاجی امام الدین رحمہ اور مولانا عفان
رحمہم اللہ کی محنتوں سے کافی حد تک اس گاؤں کی اصلاح ہو گئی ہے۔ معرفتی عقیدہ کے لوگ نہیں کے برابر ہیں مولانا مصلح الدین
و حاجی امام الدین صاحب نے جھاناگرٹیا اور اس کے ارد گرد کے درجنوں گاؤں میں اصلاح و تبلیغ کا کام کیا اس کے لئے مولانا
مصلح الدین رحمہ و حاجی امام الدین رحمہ نے کئی کئی میلوں تک پیدل سفر کیا اور دعوت بالکتاب والسنہ کا فریضہ ادا کیا آج اسی کا نتیجہ
ہے کہ اس علاقہ سے شرک و بدعت کا خاتمہ ہو رہا ہے اور کثیر تعداد میں علماء کرام تیار ہو رہے ہیں چنانچہ مولانا علی حسین صاحب سلفی
مدرس جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا نظام الدین سلفی صدر مدرس سکر پور بنگال، مولانا علی حسین صاحب مفتاحی مدرس گوپال پور
مرشد آباد، مولانا عبداللطیف سلفی صاحب مدرس مدرسہ غازی نگر مرشد آباد وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح چند سال قبل غالباً ۱۹۸۵ء میں بانس کھنڈری گاؤں میں ایک مناظرہ ہوا جس میں علماء اہل حدیث کی طرف سے مولانا
نظام الدین سلفی، مولانا عبدالعزیز حقانی، مولانا نور الاسلام حمید رغازی۔ اور حنفی علماء کی طرف سے مولانا شمس الدین وغیرہ
تھے۔ ٹال مٹول کرتے کرتے مناظرہ کا آغاز رات گیارہ بجے شروع ہوا۔ بیچ میں فجر کی نماز ہوئی اور چاشت کے وقت تک سلسلۂ مناظرہ
جاری رہا اس میں بھی حنفی علماء کو بری طرح شکست ہوئی مناظرہ تقلید شخصی، قرأۃ فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین وغیرہ سے متعلق تھا۔
سامعین سمجھ گئے۔ بانس کھنڈری گاؤں کے تقریباً ۲۰/ ۲۲ گھر اہلحدیث ہو گئے اور اپنے بچوں کو اہلحدیث ادارہ میں

داخل کیا۔ گاؤں میں کچھ لوگ بریلوی خیال کے بھی ہیں۔ بریلویوں سے گذشتہ ۱۹۹۰ء پہلے رمضان کو مناظرہ کا دن قرار پایا اس میں بھی مولانا نظام الدین، مولانا عبدالعزیز حقانی، مولانا عبدالوہاب مالدہی، وغیرہم نے شرکت کی۔ بریلوی کی طرف سے کئی ایک عالم آئے ہوئے تھے۔ لیکن میدان مناظرہ میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے۔

چنانچہ رات بھر اصلاحی و تبلیغی بیانات ہوتے رہے۔ اس طرح صبح تک پروگرام جاری رہا۔ بحمداللہ فتح مبین کے ساتھ علمائے اہلحدیث واپس ہوئے۔

یوم مناظرہ سنتھال پرگنہ کی ہڑتال کا دن تھا لوگ بارہ چودہ میل تک پیدل چلے خود محترم مولانا علی حسین سلفی صاحب مدرس بنارس نے اس دن چودہ میل کا اکثر حصہ پیدل طے کیا تھا۔

اسی طرح اور کئی ایک مناظرے ہوئے۔ ہمارے پاکوڑ علاقہ میں کئی ایک گاؤں ہیں جہاں آج تک تعزیہ سازی، اور دوسری خرافات اور غلط رسوم کو کچھ لوگ کہیں کہیں ادا کرتے ہیں لیکن پہلے کی نسبت بہت گھٹ گئے ہیں۔ چنانچہ پاکوڑ علاقہ کے بڑا سوناکوڑ گاؤں اور اس کے آس پاس اور کئی ایک گاؤں میں آج سے ساٹھ ستر سال قبل مولوی منشی کوئی نہیں تھا۔ تین میل دور سے عبدالجلیل منشی آکر نماز جمعہ، عیدین، جنازہ، وغیرہ پڑھا دیا کرتے تھے گاؤں میں تمام قسم کی خرافات موجود تھیں تعزیہ پرستی، بے پردگی، میلاد و قیام، ہندوؤں کی پوجا میں مسلمانوں کی شرکت ہوتی تھی بعض بعض پوجا مسلمان بھی کرتے تھے۔ قبرستان میں مٹھائی کی تقسیم، قرآن خوانی، ہندوانہ عقائد بھی مسلمانوں کے تھے۔ سوناکوڑ کے منشی سکندر نے سب سے پہلے تعلیم حاصل کی تعلیم تو مختصر تھی لیکن ایک باعمل آدمی تھے۔ ان سے جہاں تک ہو سکا اصلاحی کام کئے اور ساتھ ہی ساتھ گاؤں میں بچوں کو تعلیم دینا شروع کیا۔ چنانچہ تعلیم عام ہونے کی وجہ سے بہت سے بچوں نے تعلیم حاصل کی۔ بعض لڑکے یہاں کی محدود تعلیم حاصل کرکے باہر تعلیم حاصل کرنے گئے چنانچہ مولانا گل محمد صاحب نے پوری محنت و لبصیرت کے ساتھ تعلیم حاصل کی بعد فراغت باہر سے لوگ مدرسہ میں مدرسی کرنے کے لئے مدعو کئے لیکن گاؤں کی اصلاح کی خاطر باہر نہ جا سکے گاؤں میں رہ کر تعلیم دینے لگے۔ اور علاقہ کے گاؤں میں تبلیغ کرنا شروع کر دیا۔ اسی تبلیغ کا اثر تھا کہ علاقہ کے گاؤں میں بہت سے لوگ نمازی ہو گئے۔ دعا، درود سیکھ لیے اور بچوں کی تعلیم کے لئے بھیجنے لگے۔ سوناکوڑ گاؤں کی تمام خرافات پر وقتاً فوقتاً روشنی ڈالتے رہے۔ بہت سے لوگ مولانا کے ہم خیال ہو گئے کئی بار باہر سے علماء کرام کو مدعو کر کے شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحنان رحمۃ اللہ علیہ مناظر اسلام مولانا مصلح الدین رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبداللطیف مرحوم جناب معین الحق منڈل مرحوم اسلامپوری وغیرہم کو لائے۔

ان بزرگوں نے مصلحانہ و مبلغانہ انداز سے گاؤں والوں کو سمجھایا وہ مولانا کے دشمن ہو گئے تنگ آکر کہہ دیا کہ ہماری

درگاہ و تعزیہ کو اکھاڑ پھینکئے، جلا دیجئے کسی طرح کی بربادی ہو ہم لوگ ذمہ دار نہیں ہیں، مولانا اور ان کے معین و انصار نے مل کر درگاہ توڑ دی، تعزیئے جلا دیئے، دوسرے لوگ جو موجود نہ تھے ان لوگوں نے مولانا کے خلاف تھانہ کا سہارا لیا اور مقدمہ تک دائر کر دیا، بعض شقی القلب لوگوں نے مولانا کو مار پیٹ کرانے اور غفلت سے قتل تک کرنے کی سازش کی، مولانا کو تنہا گھر سے باہر نکلنا خصوصا رات کو نکلنا بڑا دشوار تھا۔ برابر شب ہجرت کی تاریخ سر پہ چھا گئی تھی چنانچہ مجبور ہو کر گاؤں میں تعلیم دینا بند کر دیا اس سے مخالفین کو بڑی حد تک خوشی ہوئی لیکن جو لوگ مولانا کے ہم خیال ہوئے تھے یہ لوگ دست تاسف ملتے رہے۔ مولانا کچھ دوری پر واقع گاؤں منجھلا ڈیہہ چلے گئے۔ اپنے ہمراہ مولانا عبدالعزیز حقانی اور زین العابدین وغیرہ کو جو ان کے پاس تھے تعلیم کے لئے لے گئے۔

مولانا کی محنت و سعی جمیل کا نتیجہ ہے کہ آج اس گاؤں میں پچانوے فیصد سلفی العقیدہ اور اہل حدیث ہیں۔ اور درجنوں فارغ التحصیل عالم ہیں جو مدارس میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں چنانچہ مولانا کے بھتیجے مولانا عبدالعزیز حقانی فی الحال جامعہ اصلاح المومنین بربھیٹ کے شیخ الحدیث و مفتی کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اسی طرح مولانا بلال احمد صاحب مدرسہ بحر العلوم سکرپور مغربی بنگال میں مدرس ہیں مولانا عبدالقیوم و مولانا مفیض الدین، یہ دونوں برادران کے ایک مدرسہ میں تھے۔ اول الذکر مدر مدرس ثانی الذکر فی الحال علاقہ کے ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح دوسرے علماء بھی علاقہ کے مکاتیب میں تدریسی کام کر رہے ہیں۔ اس علاقہ میں ایک گاؤں اینٹا پوکھر ہے یہاں اس وقت کچھ لوگ اہلحدیث ہیں اور کچھ لوگ عرفتی خیال کے ہیں۔ کئی سال قبل اس گاؤں میں کافی جہالت تھی۔ پیر پرستی، قدم بوسی، قبر پرستی عرس وغیرہ تمام قسم کی خرافات موجود تھیں، علاقہ کے علماء کی محنت سے ان لوگوں میں بیداری آئی۔

چنانچہ ان لوگوں نے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے منشی یعقوب کو بلایا اور وہ بچوں کو تعلیم دینے لگے اور گاؤں کی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۹۲ء میں اصلاحی جلسہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ معرفتی خیال کے لوگوں نے تھانہ جا کر فتنہ و فساد کی شکایت کر دی۔ تھانہ والوں نے جلسہ پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا اس اصلاحی جلسہ میں مولانا عبدالحنان شیخ الحدیث جامعہ شمس الہدیٰ دلال پور، مولانا عین الحق صاحب دلال پوری، منڈل معین الحق صاحب اسلام پوری تشریف لانے والے تھے عین جلسہ کے دن واپس ہو گئے ابھی کچھ دنوں سے اہل حدیث کا مکتب قائم ہے بچے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۷) میری معلومات کی حد تک غیر مسلموں میں تبلیغ کا کوئی نظم نہیں رہا۔

اس کے باوجود غیر مسلموں میں سے جتنے بھی افراد نے اسلام قبول کیا ہے وہ اسلام کے محاسن و خوبیوں کو دیکھ کر

سن کرکتابیں مطالعہ کرکے کیا ہے۔

موجودہ دور میں اصلاح و تبلیغ کے لئے کوئی خاص نظم قائم نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت چند افراد و وظائف لے کر کبھی کبھار محلوں میں گشت کر رہی ہے، ہر سال علاقے میں دس بیس جلسے ہو جاتے ہیں جس میں محض یاد دہانی ہوتی ہے، عملی میدان کا کام نہیں ہو پاتا ہے، کاش کہ جمعیۃ اہل حدیث ہند اس طرف اپنی توجہ مبذول فرماتی۔

علاقہ پاکوڑ میں اہل حدیث افراد ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہیں، علاقہ برہیٹ میں اہل حدیث افراد پچاسی ہزار سے زائد ہیں، ضلع صاحب گنج کے اس پہاڑی علاقہ میں دو ادارے ہیں۔ (۱) جامعہ اصلاح المؤمنین برہیٹ میں تا دورۂ حدیث (۲) جامعہ سلفیہ برنپور میں درجہ ثالثہ تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

علاقہ پاکوڑ میں کئی ایک مدرسے ہیں: (۱) مدرسہ دار العلوم تارانگر۔ (۲) مدرسہ نور الہدیٰ ایلامی۔ (۳) مدرسہ سیتا رام پور وغیرہ۔

پاکوڑ علاقہ کے ان تینوں مدرسوں میں مدرسہ کی لائبریری و درسی وغیر درسی کتابیں ہیں، اسی طرح ان تینوں اداروں میں طلبہ کی ایک ایک انجمن ہے ہر ایک کے پاس ایک ایک لائبریری ہے جس میں اردو و بنگلہ اور ہندی زبانوں میں مختلف مذہب و فکر کی کتابیں اور رسالے ہیں ان سے طلبۂ مدرسہ مستفید ہو رہے ہیں۔

ہمارے جامعہ اصلاح المؤمنین برہیٹ میں بھی بنام تہذیب الاخلاق طلبہ کی ایک انجمن قائم ہے جس میں مختلف مذہب و فکر کی کتابیں، رسالے، کتابچے ہیں نیز اس جامعہ کا ایک اپنا مکتبہ ہے جس میں کچھ کتابیں درسی و غیر درسی ہیں، طلبہ و اساتذہ ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔ جامعہ کی شایان شان کتابیں نہیں ہیں، اس کی فراہمی اہل خیر کی توجہ سے ہو سکتی ہے۔

عالم اسلام

روس میں توحید کی روشنی

جناب طاہر نقاش

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ اہل حدیث نے ہمیشہ اہل تصوف کے طور وطریقہ سے ہٹ کر باطل کے خلاف ہمیشہ جہاد کا علم بلند کیا اور قوموں کی تقدیروں کا فیصلہ کبھی مذاکرات کی میزوں پر نہیں سمجھا بلکہ ۔ شمشیروں کے سائے میں اللہ اکبر کی تکبیروں کے ساتھ عملی طور پر جہاد میں سمجھا ہے ۔

اہل حدیث علامہ اقبال کی نظر میں وہ تھے کہ ؎

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے　　پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے　　تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

ہندوستان کا دار الحرب ہو تو سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ جہاد کی شمشیر لہراتے ہوئے آتے ہیں، ساتھ دعوت کا کام اس انداز میں جاری کرتے ہیں کہ یورپ کی یونیورسٹیوں تک تقویۃ الایمان کے انگریزی تراجم پہونچ جاتے ہیں، عرب کے ریگستان میں محمد بن عبدالوہاب نے دعوت وارشاد کا بیڑا اٹھایا اور جہاد کے میدانوں کو گرمایا اور باطل کو بھگایا۔

اسی طرح سلطان صلاح الدین ایوبیؒ، طارق بن زیادؒ اور محمد بن قاسمؒ جیسے اہل حدیثوں نے جمہوری اور آمرانہ سیاست کے گورکھ دھندوں میں پھنسنے کی بجائے ہمیشہ اپنے حقوق کا ضامن علم جہاد کو سمجھا ...... اسی طرح روس کی ریاست تاجکستان کے اہل حدیث جب روس کے پنجۂ استبداد میں پھنس کر رہ گئے تو انہوں نے اپنے اسلاف کی روایات کو جاری رکھتے ہوئے وہ کارنامے انجام دیئے کہ روس کانپ اٹھا اور زبان حال سے پکار اٹھا کہ " میری جڑیں کھوکھلی ہو گئی ہیں " یعنی اہل حدیث نے جہاد خود ہی شروع نہ کیا بلکہ دوسری مسلمان ریاستوں کے مسلمانوں کو بھی اس پر آمادہ اور برانگیختہ کیا ۔ اسلام کا بھولا ہوا سبق جہاد (ان مسلم ریاستوں کو) یاد کروایا اور خود بھی آزادی اور قرآن وحدیث کے (یعنی اسلام) کے احیاء کے لئے تیغ بکف ہو کر میدان میں نکلے ۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہی وہ وہابی ریاست ہے جس نے سب سے پہلے روس کے خلاف کاروائیاں شروع کیں جس طرح افغانستان میں کنڑ کے اہل حدیثوں نے جہاد شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ چنگاری شعلہ جوالہ بن کر ابھری اور پورے افغانستان میں پھیل گئی، اور روس کو جلا کر خاکستر کر دیا، اور اسی طرح جہاد کی چنگاری اور بغاوت کا علم روس کے خلاف تاجکستان سے بلند ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے قازقستان اذر بائیجان، ازبکستان اور دوسری مسلم ریاستوں میں لہرا گیا کیوں نہ ہو ہر دور میں اہل حدیث باطل کے خلاف قائدانہ حیثیت سے پیش پیش رہے ہیں خواہ وہ فتنۂ تاتار ہو یا فتنہ سکھ یا فتنہ ہندومت اور فتنہ انگریز ہو۔ سے

جب بھی اہل چمن کو ضرورت پڑی
خون ہم نے دیا گردنیں پیش کیں!

روس کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے میں تاجکستان کا بالعموم اور اہل حدیث کا بالخصوص بڑا عمل دخل ہے، افغانستان میں بھی کمیونسٹ اگر اپنی جنگ کسی سے سمجھتے تھے تو وہ اہل حدیث سے سمجھتے تھے جس کا اظہار وہ آئے دن کابل جلال آباد کے ٹی، وی، اخبار اور ریڈیو سے کرتے تھے اور اعلامئے نشر کرتے تھے کہ یہ جنگ وہابیوں اور انقلابیوں کے درمیان لڑی جارہی ہے اور عرب ریاستوں کے اہل حدیث کا ذکر بہت برے انداز میں خاص طور پر کرتے تھے اور جہازوں کے ذریعے ایسے پمفلٹ عوام الناس میں گراتے تھے جن میں جھوٹ موٹ عجیب وغریب واہیات عقائد کو سلفیوں سے منسوب کیا ہوتا تھا تاکہ افغانستان کے لوگ ان سے متنفر ہو جائیں اور مشہور کیا گیا کہ افغانستان میں ایک وہابی کو قتل کرنا سو روسی قتل کرنے کے مترادف ہے پھر کمیونسٹ کابل حکومت نے ایک اعلان جاری کیا کہ جو ایک وہابی کو قتل کرے گا اس کو لاکھوں روپیہ انعام دیا جائے گا اور اس کا پرچار پورے افغانستان میں طیاروں کے ذریعہ پمفلٹ گرا کر کیا گیا۔

کمیونسٹ دشمن نے اس حربہ کو اختیار کر کے جس بڑے پیمانہ پر اس کی اشاعت کی بظاہر اس سے یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ کارگر رہا ہوگا مگر جماعت کی کوششوں نے اسے بالکل بے اثر کر دیا تھا۔

اسی طرح تاجکستان کے اہل حدیثوں کے خلاف بھی روسی حکومت نے طرح طرح کے ناروا اور ظالمانہ اقدامات کئے لیکن وہ اس مقولہ کے مصداق ثابت ہوئے کہ ؏

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

اور تاجک اہلحدیث زیادہ تیزی سے موج بحر بن کر ابھرے اور آخر روس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اللہ نے ان سے کام لے لیا، اور آج روس جس کو سُپر پاور کہا جاتا تھا کا کوئی نام لینے والا نہیں ہے۔ خدا ان سلفی مجاہدین کو جنہوں نے جہاد کے ذریعہ روس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں شہادت پائی کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین!

تاجکستان کا مختصر تاریخی پس منظر

تاریخ شاہد ہے کہ وسطی ایشیا کا یہ عظیم علاقہ دنیا بھر میں مشہور تھا اور شاہراہ ریشم کی وساطت سے اس کا دنیا سے رابطہ قائم تھا، تاجکستان کے راستے ہی امیر تیمور نے حملے کئے تھے، دراصل یہ علاقہ اپنے اسلامی تہذیب و تمدن اور علم و ادب کے سبب بہت مشہور تھا بہت سے شاعر اور ادیب و عالم اس سرزمین سے پیدا ہوئے اور شعر و سخن اور علم کے چراغ روشن کر گئے۔

تاجکستان پر روسیوں کے تسلط کا آغاز ۱۸۶۷ء سے ہوا تھا، زار روس ۱۸۸۲ء تک یہاں تک آپہونچا تھا پھر جب ۱۹۱۷ء میں روس میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو اس نے اس علاقہ کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس طرح وہ خطۂ ارضی جو اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت و روایات کا پاسدار تھا سرخ انقلاب کی بھینٹ چڑھ گیا، اس سرخ انقلاب کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو دین و مذہب سے دور کر دیا گیا، اسلامی اقدار کا گلا گھونٹ دیا گیا، اور اسی طرح اس انقلاب کی (قربان گاہ) مرگھٹ پر وہ نسلیں ختم ہو گئیں جو اسلامی روایات کی پاسبان تھیں ان کو یعنی تاجکوں کو اسلام سے روکنے کے لئے روسیوں نے ہر وہ اقدام اٹھایا جو کہ ان کے بس میں تھا۔

تاجکوں کی دین سے محبت اور روس کے مظالم

اس علاقے کے باسیوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے روس نے بے حد مظالم ڈھائے یہاں تک کہ یہاں کی مساجد کو مسمار کر دیا گیا، بیشتر مساجد کی تالابندی کر دی گئی، ان کو مساروں میں گونجنے والی اذانوں کو خاموش کر دیا گیا، مذہب سے دلچسپی رکھنے والوں کو سزائیں دی گئیں اور مسجد میں عبادت کرنا جرم تھا، دینی مدارس بند کر دیئے گئے، کبھی یہ لوگ اپنے فیصلے شرعی عدالتوں میں لے جاتے تھے جو انہوں نے خود حکومتی عدالتوں کے مقابلے میں قائم کی تھیں روسیوں نے ان قاضی عدالتوں کو بھی جبری طور پر بند کر دیا بہت سارے بوڑھوں اور جوانوں کو صرف مذہب سے محبت کی بنا پر جیل اور کثیر تعداد کو نامعلوم مقامات تک پہونچا دیا، جن کا پچاس برس گزرنے کے بعد تک پتہ نہیں چل سکا جب کسی نے صدائے احتجاج بلند کی اس کو سرعام ٹینکوں تلے روند ڈالا گیا، یا نرم سے نرم سزا یہ دی جاتی کہ اس کو اس کے ماں باپ عزیز و اقارب سے جدا کر کے کسی دوسری ریاست میں منتقل کر دیا جاتا تھا لیکن ان سختیوں، تکلیفوں اور تلخیوں کے

باوجود اہل توحید علماء نے دعوت کے کام کو جاری وساری رکھا اور اس غرض کے لئے بعض دفعہ انہیں تکلیفیں اور بعض دفعہ جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑے لیکن وہ ۱۹۱۷ء سے لے کر اب تک خاموشی سے مختلف ذرائع مثلاً کیسٹوں پمفلٹ اور کتابوں اور زبانی وعظ اور عمل سے اسلامی تعلیمات کو جاری رکھے رہے، یہ انہیں مبلغین کی محنت کا ثمرہ ہے کہ اس علاقہ میں دین کی چنگاری سینوں میں سلگتی رہی جو کہ ایک بہت بڑا آلاؤ بن کر روس کو جلا کر خاکستر کر کے اسلام کو سربلند کر گئی، اب اہل تاجکستان دینی مدارس قائم کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم مدارس کے قیام میں ان کی بھرپور مدد کریں اور اپنے فاضل اور فارغ التحصیل سلفی العقیدہ علماء کو وہاں اپنے بھائیوں کی رہنمائی اور مدد کے لئے بھیجیں۔

لباس مغرب اور تاجک خواتین

تاجک مسلمان عورتوں نے غاصب وظالم روسی حکمرانوں کے حکم کے مطابق اسلامی لباس ترک کر کے لیڈی لباس ہرگز نہ پہنا، مسلم عورتوں کو سکرٹ پہننے پر مجبور کیا گیا کے جی بی کے خاتون دستے مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو کر مسلمان عورتوں کے لباس تار تار کر دیتے، اس تشدد اور ظلم سے بچنے کے لئے جن چند عورتوں نے اپنا لباس تبدیل کر لیا تھا اب ان خواتین نے بھی روسی اور مغربی لباس کو ترک کر کے اپنا پرانا قومی لباس پہننا شروع کر دیا ہے۔

تاجکستانی اور زبان

تاجک مسلمانوں کی زبان عربی تھی، دوسرے نمبر پر علاقائی زبان تاجکی بھی بولی جاتی تھی، مسلمانوں کو طاقت کے ذریعہ منع کیا گیا کہ وہ عربی رسم الخط میں لکھنے پڑھنے سے باز آجائیں، سرکاری اسکولوں میں عربی ممنوع کر دی گئی، چنانچہ اپنی زبان کے تحفظ کے لئے انہوں نے زبردست مظاہرے کئے لیکن بے سود نتیجتہً مسلمانوں کی ایک ایسی نسل تیار ہو گئی جو قرآنی عربی سے بالکل ناواقف تھی لیکن اس نسل کو گھر میں دی گئی تعلیم نے اس قابل ضرور کر دیا کہ وہ جاننے لگے کہ ہم مسلمان ہیں۔

تاجک وہابی اور سوویت روس ۔ الحق ما شهدت به الاعداء

تاجکستان کے اہل حدیث نے دعوت کا کام اس انداز سے کیا کہ جس کے اثرات کو ماسکو کے محلات میں بیٹھے ہوئے حکمرانوں نے بھی بڑی شدت سے محسوس کیا اور بعض دفعہ تو اس کا برملا اظہار بھی کیا، تاجک مبلغوں نے نہ صرف مسلمانوں کو منظم و متحد اور دین اسلام کی طرف مائل کیا بلکہ ان کی دعوتی یلغاروں سے خالصتاً کمیونسٹ طبقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا

اور خواتین بھی کفر والحاد کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑی ہوگئیں، وہ حضور نبی اکرمؐ کا ذکر بڑی عقیدت واحترا
اور کثرت سے کرنے لگیں، گھروں میں قرآن مجید اور وظائف بڑی عقیدت اور لگن و محبت سے پڑھے جانے لگے اور اپنے بچوا
کی پرورش اسلامی طریقہ پر کی جانے لگی، ان کو روسی زبان سکھانے کی بجائے گھر پر عربی سکھانے کی کوشش کی جاتی ہے
روسی فوجوں میں شامل تاجک مسلمان فوجی جن کا افغانستان کے اندر مجاہدین سے واسطہ پڑا تھا، افغانستان سے واپ
کے بعد تاجک مجاہدین (روسی اصطلاح میں باغی تاجک بنیاد پرست) سے مل گئے اور ان کے معاون بن گئے اور اسی ط
ان کی تحریک اور دعوت ہی کا اثر تھا کہ وہ مسلمان جو کمیونسٹ پارٹی میں شامل تھے مساجد میں آکر نمازیں ادا کرنے لگے چنا
روسی حکومت مساجد اور مدارس کو واگذار کرنے پر مجبور گئی۔

تاجکستان کی نئی پود نے اپنے بزرگوں کے ساتھ مل کر سوشلزم کے بت کو پاش پاش کرنے کے لئے اور احیائے اسلام کیلئے
باقاعدہ تحریک جاری وساری کر دی انہوں نے مسلم تحریکوں کو دیکھا ان کے سامنے روس نے افغانستان پر فوج کشی کر
اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مار لی، لیکن افغانستان میں مجاہدین نے جہاد کی برکت سے مزاحمت کر کے روسیوں کو واپس جا
پر مجبور کر دیا، تو تاجک مجاہدین کے مچلتے ہوئے جذبوں نے شدت اختیار کر لی اور انہوں نے بھاگتے ہوئے روسیوں پر
یلغاریں کر کے ایسے کاری زخم لگائے کہ روس بلبلا اٹھا جس کا اندازہ آپ اس بیان سے لگا سکتے ہیں جس کو کراچ
سے شائع ہونے والے کثیر الاشاعت انگریزی اخبار روزنامہ "ڈان" نے ۹ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو سودیت روس کی ایک
انتہائی ذمہ دار شخصیت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ "افغان مزاحمتی گروہ" اپنے مخصوص اور خفیہ ذرائع سے سوویت تاجک
میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔

اس سے قبل ماسکو ریڈیو سے بھی روسی خبر رساں ایجنسی تاس کے حوالے سے یہ خبریں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتی رہی
ہیں جن میں کے جی بی کے سربراہ کے الفاظ میں "تاجکستان" ریاست روسی یکجہتی کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے
جب بھی لاوا پھٹا یہیں سے پھٹے گا۔ افغان بنیاد پرستوں کی خفیہ سرگرمیاں یہاں کے مسلمانوں کی اصل تقویت کا باعث ہیں
یہ لوگ وسط ایشیا کے لوگوں کو اپنے اعتماد میں لے کر روس دشمن سرگرمیوں میں اس طرح ذہنی طور پر ملوث کر لیتے ہیں کہ پھر ان
کے لئے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ان لوگوں نے تاجکستان اور بعد ازاں آذربائیجان میں
بھی اپنے ایجنٹوں کو مضبوط اڈے بنانے کیلئے بھیجا ہے تاکہ بوقت ضرورت اسلامی انقلاب کے وقت ان کو بآسانی استعمال
کیا جا سکے بیشتر اس کے کہ سوویت روس کو وہ روز منحوس دیکھنا پڑے ضروری ہے کہ ان انقلابیوں کی اسی مقام پر

سرکوبی کردی جائے اس کا قلع قمع کر دیا جائے، لیکن شاید ان کو معلوم نہیں کہ ؎

اِسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا   اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

تاجک مسلمانوں نے اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا اور روس کی دور دراز ریاستوں میں بھی دعوت اور جہاد کے بھولے ہوئے سبق کا بول بالا کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مسلمان ریاستوں کے مسلمان مجاہد اور مبلغ بن کر اٹھے اور روسی حکومت سے ٹکرانے کے لئے پر تولنے لگے جس کا اعتراف کرتے ہوئے سوویت وسطی ایشیاء پریس کے چیف ڈپٹی زبرکانوف نے "تاس" میں انکشاف کیا (یعنی افغان مزاحمتی گروپ (مجاہدین) باقاعدگی سے شائع شدہ سیاسی اور مذہبی لٹریچر افغان سرحد سے پار سوویت مسلمانوں تک پہنچا رہے ہیں) انکشاف کے الفاظ یہ ہیں کہ ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء میں پشاور سے شائع ہونے والا کثیر اسلامی اور سیاسی لٹریچر باقاعدگی سے قازقستان ازبکستان، آذربائیجان اور سمرقند کے مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا، مقامی مسلمان اس لٹریچر کی راہ تکتے رہتے ہیں، زبرکانو نے مزید کہا کہ دعوت کا یہ دائرہ کرغیزیا ریاست کے شمال میں واقع علاقے فرتری تک پہونچ گیا ہے۔

قصہ مختصر تاجکوں کی دعوت کے اثر پذیر ہونے اور وسیع تر ہونے کا اندازہ یہاں سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ دعوت کی یلغاریں ماسکو کے محلوں کے پہروں کو توڑتی ہوئی حکمرانوں تک پہونچ گئیں، جب نومبر ۱۹۸۶ء میں میخائیل گورباچوف دہلی جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے تاشقند میں ازبک پارٹی لیڈروں سے بات چیت کے لئے رکے، انہوں نے ایک مختصر میٹنگ میں تاشقند میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا... یہ ناقابل برداشت ہے، سوویت روس اس کی اجازت نہیں دے گا، یہودیت اور نصرانیت سوویت یونین کے لئے اتنی خطرناک نہیں جتنی اسلام کی یہ تازہ لہر۔ اور میخائیل گورباچوف کی اس وقت حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کے سامنے اس کے محافظوں میں سے تین محافظ عصر کی نماز ادا کرنے کے لئے ہال میں کھڑے ہو گئے تین دن بعد یہ تینوں محافظ صبح دفتر جاتے وقت شہید کر دیئے گئے۔

تاجک نوجوانوں کے جذبۂ جہاد کو دیکھتے ہوئے بخارسٹ ریڈیو کا کہنا ہے کہ موجودہ خونی معرکوں (جو روسی فوج کے ساتھ نوجوان مجاہدین نے لڑے) کی بنیادی وجہ تاجک نوجوانوں میں اسلامی جذبے کی تجدید ہے۔

اسلامی جذبے کی سرشاری کے بعد جب تاجک وہابیوں نے اپنی کارروائیوں کا آغاز کیا تو تاجکستان کی کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے سکریٹری کے ایم، ماخاموف نے اگست ۱۹۸۶ء میں کہا اس سیاست میں گذشتہ چند برسوں میں اس خطرناک لہر نے جنم لیا ہے جو روز افزوں ہے، اسے جلد از جلد روکا نہ گیا تو یہ جلد ہی ناقابل تلافی نقصان پہونچائے گی، ان

وہابیوں نے سوویت روس کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی سازش میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ یاد رہے کہ تاجکستان میں وہابیوں کی تعداد خاصی ہے اور روس کا یہ واحد علاقہ ہے جہاں اکتوبر انقلاب سے لے کر آج تک کسی مسلمان لڑکی نے کسی روسی سے شادی نہیں کی۔ (بحوالہ ہفت روزہ "نداء" اور پندرہ روزہ "تحریک")

تاجکستان کے اہل حدیثوں کو دیکھ کر آج بھی رشک آتا ہے جنہوں نے روس کے ظلم سہہ کر بھی اپنی امتیازی حیثیت کو ترک نہیں کیا بلکہ اپنے ماتھے کا جھومر بنا کر سجائے ہوئے ہیں، اس موقعہ پر مجھے مولانا کوثر نیازی کی کتاب "کوہ قاف کے دیس میں" یاد آرہی ہے، جو روس کی مسلم ریاستوں کے سفرنامہ پر مشتمل ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں کہ:

"تاجکستان کا دارالحکومت دوشنبے کہلاتا ہے پانچ لاکھ آبادی کا ایک سرسبز و شاداب شہر ہے جس میں پہونچ کر آپ یوں محسوس کریں گے جیسے پاکستان ہی کے کسی بڑے شہر میں گھوم رہے ہیں، وہی قد کاٹھ وہی خدوخال وہی لباس بڑے بوڑھوں کی وہی داڑھیاں شلوار اور قمیص میں ملبوس وہی خواتین پردہ پوشی کے لئے جن کے سروں پر رومال بندھے ہیں، آپ کو یہاں کے مسلمان نوجوانوں میں ٹیڈی لباس نظر نہیں آئے گا۔ خواتین میں عریانی نہیں ملیگی۔ ہمارے کھانا کھاتے کھاتے مسجد بھر گئی، کوئی ڈیڑھ دو ہزار افراد کا مجمع ہوگا، بیشتر سفید ریش اور معمر بزرگ تھے، یہ وہ لوگ تھے کہ ستر سال روس کی کمیونسٹ حکومت میں رہنے کے باوجود ماتھے پر محرابیں رکھتے ہیں اور جن کے دل امتدادِ زمانہ کے باوجود نورِ ایمان سے جگمگ جگمگ کر رہے تھے میں نے ایک ایک سے ہاتھ ملایا... میرا جی چاہا کہ ایک ایک کا ہاتھ چوموں اسے آنکھوں سے لگاؤں یہ لوگ اولیاء نہیں تو اور کیا ہیں؟ جو اسٹالن کے جبر و استبداد اور الحاد کے دور سے بھی اپنا ایمان سلامت نکال لائے ہیں۔"

●●●

(اہلحدیث لاہور)

اقبالؒ اور قرآنی حقائق

فضل اللہ انصاری سلفی

اردو شاعری کے افق پہ ایک درخشندہ وتابندہ ستارہ اور دنیائے شاعری کی ایک عظیم شخصیت شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ سراپا کمال اور شاعر لازوال۔ آپ کے بزرگوں کا آبائی وطن کشمیر تھا۔ آپ ۱۸۷۳ء میں سیالکوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ انٹرنس سے ایم۔ اے تک کے تمام امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کرکے ایک مختصر اور قلیل عرصہ تک لاہور کے مشہور گورنمنٹ کالج میں پروفیسر رہے۔ اس کے بعد اعلیٰ ومزید تعلیم کی غرض سے آپ نے انگلستان وجرمنی کا سفر کیا۔ جہاں سے بیرسٹری اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ غیر ملکی سفر کے بعد جب واپس ہوئے۔ تو لاہور میں بیرسٹری کرتے رہے۔ اور یہیں اپریل ۱۹۳۸ء میں آپ کا انتقال پر ملال ہوا۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے علامہ اقبالؒ نے اشعار کہنا شروع کردیا تھا۔ اور آپ کا کلام منظر عام پر آنے لگا تھا۔ رفتہ رفتہ آپ کے اشعار نے اس قدر شہرت حاصل کی کہ آپ کا شمار ہندوستان کے ممتاز شعراء میں ہونے لگا۔ سرکار برطانیہ نے آپکی شاعرانہ عظمت کے پیش نظر آپ کو "سر" کا خطاب دیا۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ اردو کے ان شعراء میں سے ہیں جو ناقابل فراموش ہیں۔ اور جنکی خدمات وکارنامے قابل قدر وگراں قیمت ہیں۔ وہ شاعر مشرق سے مشہور ہیں۔ لیکن ان کا کلام حقیقت میں پوری انسانیت کے لیے ایک پیغام ہے۔ آپ کے کلام میں جہاں قومی وملی درد پایا جاتا ہے۔ وہیں اس میں جذبات انسانی اور مناظر قدرت کا عنصر بھی شامل ہے۔ آپ کی شاعری قطب مینار کی طرح بلند ہے۔ اور آپ خود ایک عظیم و بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے مسلم۔ آپ کے اردو کلام کے مجموعے بانگ درا، بال جبریل اور ضرب کلیم، اور فارسی کلام کے مجموعے اسرار خودی، رموز بیخودی اور پیام مشرق مشہور ومقبول ہیں۔

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کو قرآن اور اس کی تعلیمات وہدایات سے بے پناہ عقیدت تھی۔ آپ پابندی سے قرآن کی لاوت کرتے اور اس کے معانی ومفاہیم پر غور کرتے تھے۔ وہ قرآن کو پوری دنیا کیلئے ہدایت اور اصلاح وفلاح کا ضامن سمجھتے تھے۔ آپ نے قرآن مجید کی بیشتر تعلیمات وہدایات کو اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ اور ان کو شعری جامہ پہنایا ہے۔ حیات اقبال کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ "اقبال اور قرآن" ان کی زندگی کا ایک اہم اور خاص باب ہے۔ جسکا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور جسکو پڑھے بغیر اقبال اور کلامِ اقبال کو سمجھا نہیں سکتا۔ آسمانی کتاب قرآن کے معاملہ میں وہ بہت سنجیدہ تھے۔ ور کسی اینچ پیچ کے قائل نہیں تھے۔ ان کو اعتقاد تھا کہ قرآن کے بغیر مسلمانوں کی اصلاح وفلاح کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ ور اس کو چھوڑ کے کوئی ذلت وخواری سے بچ نہیں سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر ۔ اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر۔

قرآن کے ساتھ اپنوں کے نازیبا سلوک سے ان کو شکایت تھی اور وہ کوستے تھے کہ ؎

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کردیا تونے

قرآن کی صاف اور سیدھی وسادہ تعلیمات وہدایات اور الفاظ وآیات کی من مانی توجیہ وتاویل کرنے والے نام نہاد علماء وفقہاء سے وہ بہت چڑھتے اور کڑھتے تھے کہ ع ؛ خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

خلاصہ بیان یہ کہ علامہ اقبالؒ کو قرآن سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔ اصلاح وفلاح اور کامیابی وکامرانی کا وہ سے ذریعہ سمجھتے تھے اور قرآنی الفاظ وآیات اور تعلیمات وہدایات کو بے چون وچرا اپنانا لازم سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے ہ اقبال نے اپنے کلام میں قرآنی تعلیمات وبیانات کو بڑی عقیدت واحترام سے پیش کیا ہے اور اس بنیاد پر ان کو "شاعر سلام" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی کلیات کے ہر ایک مجموعہ میں ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔ جن کے اندر انہوں نے قرآنی بیانات رحقائق کو ذکر کیا ہے۔ اور اپنی بات موثر بنانے کی کوشش کی ہے۔ کہیں کہیں تو انہوں نے قرآنی تلمیحات اور قرآنی آیات ر الفاظ کو ہی بعینہٖ نقل کر دیا ہے۔ بلا شبہ یہ قرآن سے ان کی عقیدت واحترام اور ان کے وسیع وعمیق مطالعہ قرآن کی دلیل ہے۔

حق وباطل کی کشمکش اور صحیح وغلط کا تصادم ہمیشہ سے ہی ایک زندہ ومجرب حقیقت ہے اس اعتبار سے "اسلام اور کفر" آپس میں دو متحارب نقطۂ نظر ہیں۔ کفر تو ابتدا سے ہی اسلام کے خلاف برسرِ پیکار رہا ہے اور اس نے چاہا ہے لہ اسلام کا نام دنیا سے مٹ جائے۔ قرآن نے اس حقیقت کو یوں پیش کیا ہے کہ "یریدون لیطفئوا نور اللہ بأفواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون" یعنی، چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنا نور

پورا روشن کرنے والا ہے۔ چاہے کافر ناپسند کریں۔ حق و باطل کی اس کشمکش اور کفر و اسلام کے اس تصادم کو اقبال نے کتنا اچھا شعری جامہ پہنایا ہے کہ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

بالِ جبریل،، میں ایک جگہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ؎

باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں　　　کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

اس شعر کے اندر قرآن میں مذکور جس واقعہ کیطرف اشارہ کیا گیا ہے وہ کسی سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے اور ہر کوئی اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ قرآن مجید کے اندر حضرت آدم و حوّا کا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ اللہ نے کب دونوں کو جنت میں قیام کرنے کا حکم دیا تھا۔ کس طرح سے رہنے کا طریقہ بتایا اور کیسے دونوں جنت سے نکالے گئے؟ اس واقعہ کی روشنی میں مذکورہ شعر کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

اسلامی تاریخ اور سیرت نبیؐ کے ایک اہم واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ؎

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفٰے سے مجھے　　　کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

شعر مذکور کے اندر "معراج مصطفٰے،، کا اگر تاریخی جائزہ لیا جائے تو قرآن کی اس آیت کو بہرحال سامنے رکھنا ہوگا کہ: "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیٰتنا، انہ ھو السمیع البصیر" یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمدؐ) کو راتوں رات کعبہ شریف سے بیت المقدس تک (جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں) سیر کرائی تاکہ ہم اس کو نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اقبال کے شعر میں مذکور "معراج مصطفٰے،، کی حقیقت اور اس کی واقعیت وہی سمجھ سکتا ہے جو قرآن اور تاریخ اسلام کا مطالعہ بنظر غائر کئے ہوگا۔ شعر و شاعری جو کل تک خرافات کا ذریعۂ اظہار تھی۔ اقبال نے اس کے ذریعہ قرآنی حقائق کو بیان کرکے بلاشبہ اپنی انفرادیت قائم کی ہے۔ اور قرآن سے اپنی بے پناہ عقیدت و احترام کا ثبوت دیا ہے۔

اپنی مشہور نظم "مسجد قرطبہ،، میں شاعر مشرق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ؎

سلسلۂ روز و شب، نقش گرِ حادثات　　　سلسلۂ روز و شب، اصل حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب، تار حریرِ دو رنگ　　　جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز و شب، سازِ ازل کی فغاں　　　جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات

تجھکو پرکھتا ہے یہ، مجھکو پرکھتا ہے یہ — سلسلۂ روز و شب، صیرفی کائنات

پھر قرآن کی اس آیت کا مطالعہ بنظر غائر کیا جائے: " ان یمسسکم قرح فقد مسّ القوم قرح مثلہ۔ وتلک الایام نداولہا بین الناس ولیعلم اللہ الذین اٰمنوا ویتخذ منکم شہداء واللہ لا یحب الظّٰلمین " یعنی، اگر تم کو تکلیف پہنچے تو رسست ہونے کی کوئی وجہ نہیں، آخر قوم کفار کو بھی اتنی ہی تکلیف پہنچ چکی ہے زمانے کی گردش ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں کہ اللہ ایمانداروں کی تمیز کر دے اور بعض کو تمہیں سے شہید بنائے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ شب و روز کی آمد و رفت زمانے کا تغیر و تبدل اور وقت کی گردش ایک زندہ حقیقت ہے جس میں تعمیر و تخریب، عروج و زوال، نفع و نقصان اور زندگی و موت کی ساری کہانیاں پوشیدہ ہیں۔ حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے ہیں۔ انقلابات اور تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور صفحۂ ہستی پہ ہر آن و ہر لمحہ کوئی نہ کوئی واقعہ رونما ہوتا رہتا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا اس سے بندوں، افراد اور قوموں کا امتحان بھی ہوتا ہے اور ان کی تاریخ بھی مرتب ہوتی ہے۔ اس معنی و مفہوم کی قرآن میں دوسری آئتیں بھی موجود ہیں اقبال نے بڑی خوش اسلوبی اور جامعیت کے ساتھ اس قرآنی حقیقت کو شعری جامہ پہنایا ہے۔

" بال جبریل " ہی کی ایک نظم " روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے " میں شاعر مشرق علامہ اقبال عرض کرتے ہیں کہ ؎

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں — یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر یہ ہوائیں — تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

قرآن کہتا ہے کہ: اللہ الذی خلق السمٰوات والارض وانزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانہار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنہار۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی نازل کیا تو اس کے ذریعہ پھل پیدا کئے، جو تمہارے لیے روزی ہے اور تمہارے لیے کشتی کو مسخر کیا کہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور تمہارے لیے نہروں کو جاری کیا اور تمہارے لیے مسخر کیا آفتاب و ماہتاب کو، اور مسخر کیا تمہارے لیے شب و روز کو۔ قرآن کی ان دو آیتوں میں حضرتِ انسان کے لیے " تسخیر کائنات " کی جس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، اسے بیان کرنے میں شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اسے سمجھنے میں کوئی دقّت اور پریشانی نہیں۔ یہ چیز بلاشبہ اقبال کے مقام کو دو بالا کرتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ قرآن سے اپنی عقیدت و احترام کے پیش نظر وہ کس قدر گہرائی سے قرآن کا مطالعہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سورہ نمل میں ارشاد فرماتا ہے کہ: امّن یہدیکم فی ظلمات البر والبحر ومن یرسل الریاح بشریٰ بین یدی رحمتہ، ءالٰہ مع اللہ تعالی اللہ عما یشرکون، امن یبدؤ الخلق ثم یعیدہ، ومن یرزقکم من السماء

والارض، أإلٰه مع اللّٰه قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين ۔

یعنی، کون تم کو بر و بحر کی تاریکیوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ اور کون اپنی رحمت سے پہلے (بارش سے قبل) ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے بھیجتا ہے۔ کیا کوئی اور معبود ہے اللہ کے ساتھ؟ اللہ ان کے شرک سے بلند ہے۔ کون ہے جو مخلوق کی پیدائش شروع کرتا ہے پھر اسے لوٹا دیتا ہے اور کون تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے۔ کیا اور کوئی معبود ہے اللہ کے ساتھ؟ (اے نبی) آپ کہہ دیجیئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیلیں لاؤ۔ پھر شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے ان اشعار کا مطالعہ کیجیے کہ ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟ — کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار؟ — خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟ — موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟

وہی باتیں اور وہی حقائق، جو قرآن نے درج بالا آیتوں میں پیش کئے ہیں سوالات کا جو سلسلہ آیات کے اندر ہے۔ بالکل وہی سلسلہ اشعار میں بھی ہے اور جو مقصود قرآن کا ہے۔ وہی مقصود اقبال کا بھی۔ اقبال نے قرآنی حقائق کو اشعار کا شاندار جامہ پہنایا ہے اور قاری پہ ایک اثر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

قرآن سے شاعر مشرق علامہ اقبال کی وابستگی اور عقیدت و احترام حیات اقبال کا ایک اہم باب ہے جس سے اقبالیات کا ہر طالب علم بخوبی آشنا ہے۔ قرآن کی عظمت و تقدس کے قائل اور اس کو انسانیت کے لیے فلاح و کامیابی کا ضامن سمجھنے والے اقبال نے اپنی اسی عقیدت و احترام کے پیش نظر قرآنی تعلیمات و ہدایات اور حقائق بڑی خوش اسلوبی سے پیش کئے ہیں۔

باب الفتاویٰ

انتخاب : محفوظ الرحمٰن السلفی

س : کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ ؟

جمعہ کے دن دوران خطبہ سامعین حضرات نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سن کر درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ قرآن وسنت اور سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق جواب مطلوب ہے۔ سائل

عبدالقادر، مچھلی بازار اندور

الجواب وهو الموفق للصواب :

حالت خطبہ میں جب نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آجائے تو سامعین کو بھی درود پڑھنی چاہیے، صرف صلی اللہ علیہ وسلم، خاموشی سے یا ہلکی آواز سے پڑھ لیا کریں، ارشاد باری ہے، ان اللہ وملئکته يصلون على النبى يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما ه (احزاب : ۵۶)

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، تم بھی اے مومنو ! آپ پر درود وسلام بھیجو۔

اور ارشاد نبوی ہے : "رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل على"

یعنی خاک آلود ہو اس کی ناک جس کے سامنے میرا نام آیا اور مجھ پر درود نہیں پڑھی (ترمذی، کتاب الدعوات باب ۱۰۱)

نیز دیگر بہت سی احادیث اس باب میں وارد ہیں، ہاں ترمذی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ ایک مجلس میں بار بار نام آئے تو ایک بار پڑھ لینے سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔

هذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

(احمد مجتبیٰ سلفی)

س :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ؟

ایک مسلم عوامی دواخانہ جس میں دو روپیہ فی مریض فیس لے کر دوا دی جاتی ہے، اس میں زکاۃ اور امداد دونوں کا فنڈ ہے، اس دواخانہ سے مسلم و غیر مسلم، غرباء و مالدار سب ہی لوگ دوا لیتے ہیں، ان دواؤں کی خرید میں زکاۃ کی رقم استعمال کی جاتی ہے تو کیا مالدار مسلم و غیر مسلم کو زکاۃ کی رقم سے خریدی ہوئی دوا دی جا سکتی ہے ؟ جبکہ آمدنی مشترک ہے، اس کے استعمال کی شکل کیا کیا ہونی چاہئے ؟

کیا دواخانہ میں ملازم ڈاکٹر کی تنخواہ اور دواخانہ کی دیگر ضروریات زکاۃ کی رقم سے خریدی جا سکتی ہیں ؟

بینوا و توجروا

عبدالوہاب، مدرسہ اسلامیہ آگرہ

الجواب بعون اللہ الوہاب :

جس دواخانہ و شفاخانہ سے مسلم کے ساتھ غیر مسلم اور غریب کے ساتھ مالداروں کو بھی تشخیص اور دوا دی جاتی ہے اس کی دواؤں اور ڈاکٹروں پر زکاۃ کی رقم خرچ نہیں کی جا سکتی الا یہ کہ ریکارڈ سے تناسب معلوم کیا جائے یعنی مسلم فقراء اور مساکین کے نام درج کئے جائیں ان کو دی جانے والی دواؤں کی قیمت کا حساب کیا جائے گا تو صرف غرباء کو دی جانے والی دواؤں پر ہی زکاۃ کی رقم خرچ کی جائے،

باقی دواؤں پر جو غیر مسلم یا مالداروں کو دی جاتی ہیں ان پر امداد والی رقم خرچ کی جائے اور ڈاکٹروں کی تنخواہ امداد کی رقم فیس کی رقم سے دی جائے کیوں کہ ڈاکٹروں کی تشخیص سے غیر مسلم اور مالدار بھی مستفید ہوتے ہیں، یا سب کا تناسب نکالا جائے جتنے فیصد غرباء کی تشخیص کا تناسب ہوتا ہے اتنا ہی فیصد ڈاکٹروں کے مشاہرہ میں زکاۃ کی رقم لگائی جائے ۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب ۔

(احمد مجتبیٰ سلفی)

خاتونِ اسلام

تصنیف : ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری
تبصرہ : سلام اللہ صدیقی

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ (جامعہ سلفیہ بنارس) نے دین واخلاق اور علم وادب سے متعلق جو تصنیفی خدمات انجام دی ہیں، اس کے سبب ملک اور بیرون ملک میں اس کی ساکھ قائم ہوگئی ہے، جہاں تک میری معلومات ہے ادارہ مذکور نے اب تک مختلف موضوعات پر مشتمل تقریبا ۲۱۷ کتابیں یا اس سے کچھ زائد شائع کی ہیں جو نہ صرف لائق تحسین وآفریں خدمت ہے بلکہ ایک ناقابل فراموش علمی، ادبی، ثقافتی اور تہذیبی کارنامہ ہے۔ خصوصیت سے جماعت اہل حدیث کی تصنیفی اور تدریسی خدمات کی تدوین وتالیف، ادارہ کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کو جتنا سراہا جائے کم ہے۔

کتاب "خاتون اسلام" اسی سلسلے کی ایک سنہری کڑی ہے، جس کو جامعہ سلفیہ کے ریکٹر جناب مقتدیٰ حسن ازہری نے بڑی تلاش وتحقیق کے بعد مکمل کیا ہے، ازہری صاحب اپنی علمی، ادبی، تصنیفی اور تدریسی خدمات کے باعث ملک وبیرون ملک میں اپنی ایک پہچان رکھتے ہیں، اور اپنے اخلاق وکردار کی وجہ سے ہر مکتب فکر کے علماء ودانشوروں میں عزت وعظمت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن مختصر تھا، یہ دوسرا ایڈیشن ہے، جو خواتین اور خصوصاً خواتین اسلام سے متعلق بیش بہا معلومات کا خزانہ ہے۔ پیش نظر ایڈیشن ۲۶۸ صفحات پر مشتمل ہے، طباعت اور کاغذ خوشنما اور خوبصورت سرورق سے مزین ہے۔

اس کتاب سے پہلے مولانا کی متعدد گرانقدر تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں، خصوصیت سے تاریخ ادب عربی (۳ جلدیں) صفحات ۸۲۶، مختصر زاد المعاد فی ھدی خیر العباد (اردو) صفحات ۴۳۸، آپ بیتی (اردو) صفحات ۳۰۴، وغیرہ۔

تصانیف کے علاوہ تراجم بھی قابل مطالعہ ہیں: مسئلہ حیات النبیؐ، النظام الالٰہی للرقی والانحطاط (اردو سے عربی)

مسئلہ زیارت قبور ، حصول المامول من علم الاصول ، اصلاح المساجد ، رحمت للعالمین (۳ جلدیں) عظمتِ رفتہ ، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین وغیرہ۔

ازہری صاحب کی مذکورہ بالا تصانیف میں خواہ وہ مستقل ہو یا کسی کتاب کا ترجمہ یا تشریح یا تلخیص سب میں زبان کی لطافت اور سلاست روانی اور شیرینی شگفتگی اور شائستگی بدرجہ احسن پائی جاتی ہے، ساتھ ہی آپ کے وسعت مطالعہ اور عربی ادب و صحافت پر کامل عبور کا پتہ چلتا ہے۔

پیش نظر کتاب "خاتون اسلام" کو آپ نے تلاش و تحقیق کے بعد مرتب کیا ہے۔ اس کے حسب ذیل ابواب ہم سب کے لئے قابل مطالعہ ہیں۔

- عورت کے ساتھ غیر مسلموں کا سلوک
- عورت اسلام کی نظر میں
- اسلام میں عورتوں کے امتیازات
- ملازمت اور کسب معاش
- اسلام کا نظام عفت و عصمت
- زوجین سے متعلق احکام و آداب
- عورت کا مثالی کردار
- مسئلہ تعدد ازدواج
- طلاق ایک ناگزیر اقدام
- اولاد کی تعلیم و تربیت

ازہری صاحب نے جو ابواب قائم کئے ہیں ان کو قدیم و جدید دلائل و شواہد سے مزین کیا ہے جس سے وہ شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں جو ترقی پسندوں کی جانب سے اسلام اور مسلم خواتین کے بارے میں پیدا کئے جاتے ہیں۔

ازہری صاحب موافق و مخالف دونوں نظریئے سامنے رکھ کر اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں اور جو روایت اخذ کرتے ہیں اسے پہلے چھان پھٹک کر دیکھ لیتے ہیں، اس لئے موصوف کی یہ کتاب نہ صرف قابل مطالعہ بلکہ لائق استناد بھی ہے۔

دین مہر کے مسئلہ میں بھی ازہری صاحب کی رائے معتدل ہے ورنہ عام لوگ دین مہر حیثیت کے مطابق نہیں رکھتے، حد درجہ بڑھا دیتے ہیں یا حد درجہ گھٹا دیتے ہیں، یا ایک حد مقرر کر دیتے۔ تینوں طریقہ آیات قرآنی اور سنت نبوی کے خلاف ہے اور اس سے خواتین کی بڑی حق تلفی ہوتی ہے۔ حضرت عمر نے چاہا تھا کہ دین مہر کی حد مقرر کر دیں اس پر اسماء بنت عمیس صحابیہ نے برسر ممبر ٹوکا تھا کہ اے امیر المومنین! آپ حد مقرر کرنے والے کون ؟ اللہ نے جو حق ہمیں دیا ہے، آپ اس کے چھیننے والے کون ؟ حضرت عمر نے اپنا فیصلہ بدل دیا لیکن آج کے علماء اور قبائل کے سردار اپنا فیصلہ بدلنے پر تیار نظر نہیں آتے، اسی طرح

شمارہ/۴ | اپریل ۱۹۹۳ء | شوال ۱۴۱۳ھ | جلد/۱۱

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱/۱۸ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک
سالانہ ۵۰ روپئے۔ فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

اس شمارہ میں

۱۔ درسِ قرآن	مولانا اصغر علی سلفی	۲
۲۔ درسِ حدیث	" "	۴
۳۔ افتتاحیہ	مدیر	۶
۴۔ کلمۂ افتتاحیہ بتقریب ملی کنونشن مئو	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری	۱۱
۵۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی ملک گیر تحریک	سید علی	۲۰
۶۔ اپریل فول کی شرعی حیثیت	ترجمہ: امتیاز احمد سلفی	۲۴
۷۔ حمد و ثنائے کبریا	پروفیسر حفیظ بنارسی	۳۵
۸۔ داعیانِ حق کی حق گوئی	مولانا شکیل احمد اثری	۳۷
۹۔ اسلامی ادب میں مکتوبات	مولوی فضل الرحمن ایڈیٹر ہنکر ترک کا مئو	۴۲
۱۰۔ باب الفتاویٰ (انتخاب)	مولانا محمد مستقیم سلفی	۴۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

حقیقت سے چشم پوشی درست نہیں

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وإن فریقا من المؤمنین لکارھون یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کأنما یساقون إلی الموت وھم ینظرون ۔

جس طرح تیرے پروردگار نے (بدر کی لڑائی کے لئے) تجھے سچے وعدے کے ساتھ گھر سے نکالا تھا، اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو ناپسند کرتی تھی، کیونکہ بظاہر سامان مفقود تھا (ضرورت جنگ) ظاہر ہو جانے کے بعد تجھ سے ضروری کام (یعنی جنگ کے بارے میں) جھگڑتے تھے گویا وہ موت کی طرف دھکیلے جاتے تھے اور گویا وہ موت کو بچشم خود دیکھ رہے تھے ۔

کسی کام کا خیر و شر اور اچھا برا نفع بخش و نقصان دہ ہونے کیلئے انسانی ذہن و دماغ اور خیال کا فیصلہ ہی اس کے بھلے برے ہونے کا معیار حقیقی نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات انسان کسی چیز کو بہتر تصور کرتا ہے حالانکہ وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے، اور بسا اوقات وہ کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے اور حقیقت میں وہ چیز اس کے لئے بہتر ہوتی ہے ۔ وعسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم ۔ الآیۃ ۔ اس لئے اس کے اچھے یا برے راستے کی نشاندہی اس کے پیدا کرنے والے نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت و بندگی کے ذریعے سے کی ہے ۔ انسان کی ساری بھلائی نفع اور فائدہ صرف اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول میں ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سرزمین مکہ مکرمہ میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو اس کی منزل مقصود کی طرف رہنمائی کی، اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکامات کی توضیح و تلقین کی تو سارا مکہ آپ کے درپئے آزار ہو گیا ۔ جب قتل کی تیاری مکمل ہونے لگی تو آپ نے اس مقدس اور محبوب سرزمین کو خیرآباد کہہ دیا لیکن باطل قوتوں اور اسلام کے دشمنوں نے آپ کو

ہجرت کے باوجود بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا، اور صفحۂ ہستی سے آپ کے نام ونشان کو مٹا دینے کے لئے مدینہ پر چڑھو
کی تیاری شروع کر دی، آپ نے اس کے روک تھام کے لئے تدبیر کی، نتیجہ میں مشیت الٰہی سے جنگ
کی نوبت آگئی، اس میں مسلمانوں کی فتح ہوئی اور مال غنیمت ہاتھ آیا، بعض لوگوں کو مال کی محبت لاحق
ہوئی، اور اس کی تقسیم پسند نہ آئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے پہلے بھی ایک جماعت ایسی تھی
اس جہاد میں نکلنا اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنے کے مرادف تصور کرتی تھی، حالانکہ اس میں ان کے
لئے بے شمار مادی و معنوی فوائد و مصالح مضمر تھے، ان کے پاس اس کے لئے واضح دلائل اور معقول
وجہ بھی تھے کہ اس وقت جہاد کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ ہماری تعداد بھی
کم ہے، جنگ کے اسباب ووسائل اور اسلحہ بھی نہیں ہے اور ہماری تیاری بھی نہیں ہے۔

لیکن تاریخ شاہد ہے، نتیجہ سامنے ہے کہ ان کا یہ گمان صحیح نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم د
تھا اس میں ان کی ہر طرح کی سرخروئی اور کامرانی پنہاں تھی۔ دنیا نے دیکھا کہ حق و باطل کے اس معرکہ
اول میں حق کو فتح ہوئی، باطل کو منہ کی کھانی پڑی، اور کثرت تعداد اور زیادتی اسلحہ و اسباب
نے کچھ فائدہ نہ پہونچایا، لہٰذا جہاد کی ضرورت ظاہر ہو جانے کے باوجود صرف اپنی قلت تعداد او
سامان جنگ کی کمی کو بہانہ بنا کر اہل حق کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہنا، اور اسی حالت میں جہا
کی تیاری کر کے جہاد نہ کرنا اور کثرت سے مرعوب ہونا اور اس کا ھوّا کھڑا کر کے مظلومین اہل حق کی
حوصلہ شکنی کرنا روا نہیں ہے، اور یہ بالکل لچر پوچ بات ہے اور حقیقت سے چشم پوشی کہ اپ
اس ایمانی کمزوری اور حب الدنیا و کراھیۃ الموت کو "خودکشی" کا نام دیا جائے، اور یہ صفت
جس قوم کے اندر پیدا ہو جائے وہ مٹنے کے لئے ہے، حالانکہ مسلمان تو زندہ رہنے کے لئے برپا کئے
گئے ہیں۔

درسِ حدیث

مولانا اصغر علی السلفی

بہترین عمل

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال، سددوا وقاربوا واعلموا أن لن يدخل احدكم عمله الجنة، وأن أحب الأعمال ادومها إلى الله وإن قل۔ (متفق عليه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت کا درست راستہ کا قصد کرو اور افراط سے کام نہ لو اور جان لو کہ کسی بھی آدمی کو اس کا عمل ہی جنت میں داخل نہیں کر سکتا، اور سب سے بہتر عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی برتی جائے، گرچہ وہ عمل قلیل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عظیم ہیں جسے اس نے حضرت انسان پر نچھاور کی ہے، انسان اس میں سے کسی ادنیٰ نعمت کا بدلہ بھی اپنی کسی عبادت کے ذریعے نہیں دے سکتا، ماں باپ جو ربّ مجازی ہیں ان کے احسانات کا بدلہ بھی کوئی شخص پوری زندگی غلامی کر کے ادا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اپنے رب حقیقی اور رب کریم کی کسی نعمت کا کوئی بدلہ چکانے کا مدعی ہو۔ جب حال یہ ہے کہ رب کریم کی ایک دنیاوی نعمت کا بدل نہیں دیا جا سکتا تو آخرت کی عظیم وابدی نعمتوں خصوصاً جنت کا بدلہ انسان کیا دے سکتا ہے وہ تو صرف اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے عطا فرمائے گا، لیکن نعمتیں یا چیزیں قدر دانوں کو دی جاتی ہیں اور قدر دان وہ لوگ ہیں جو ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کی مرضی کی مطابق صرف کریں، خواہ نعمت مالی ہو یا بدنی ان دونوں کو اطاعت الٰہی میں صرف کرتا ہے تو پھر یہ اس بات کی دال ہے کہ جب اس نے عارضی نعمت کی اتنی قدر کی، اس کے منعم کا گن گایا شکریہ ادا کیا تو گویا اب اس لائق ہو گیا کہ اس کو حقیقی اور ابدی نعمت دیدی جائے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث پاک کا کہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں داخل کرے گا۔ ہاں عمل اگر سنت کے مطابق ہے اخلاص

کامل بلا افراط و تفریط سے انجام دیا گیا ہے تو ایسا عمل مقبول ہے اور اس بات پر دال ہے کہ بندہ اپنے رب کا فرمانبردار اطاعت شعار ہے، اس حدیث کی یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ ہر عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا بلکہ وہ عمل اسکا باعث بنے گا جو افراط و تفریط سے بچ کر طریق محمدی کے مطابق انجام دیا گیا ہو رب کی رضا کے لئے نہ کہ تفریح کے طور پر کہ جب چاہا خوب خوب کیا اسکو انجام دینے کے لئے جان لڑادی، اپنے آپ پر اتنے پر مشقت عمل کو لازم کر لیا جس کو وہ کر نہ سکے بلکہ تھک ہار کر چھوڑ دے۔ تو یہ عمل اللہ کے لئے نہیں ہوا یہ اپنی طبیعت کی افتاد کی بنا پر انجام دیا کیونکہ: لایکلف اللہ نفسا إلا وسعہا۔ کچھ لوگ یہ بھی توجیہ کرتے ہیں کہ عمل جنت کا بدل نہیں مگر جب اللہ کی جانب سے نیک عمل کی توفیق سے بندہ نواز دیا گیا تو یہ حصول جنت کا ذریعہ ہو گیا۔ اور جو چیز حصول جنت کا ذریعہ ہو اسے سنت کے مطابق ہونا چاہئے، نبیؐ کی ایک سنت یہ بھی تھی کہ جب آپ کوئی نیک عمل کرتے تو اس پر ہمیشگی برتتے اور اسی کی تلقین بھی کرتے کہ اگر عمل اللہ کے لئے ہے تو عمل پر مداومت برتی جائے اس کو ترک و اہمال کا شکار نہ ہونے دیا جائے اور اس میں من مانی نہ کی جائے، کیونکہ یہ بات اس عمل کی ناقدری کا غماز ہے، اور باعث ملامت و مذمت ہے اسی لئے تھوڑا عمل جو ہمیشہ انجام دیا جائے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ بعض بزرگوں سے جب کہا گیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو رمضان میں خوب عبادت کرتے ہیں اور منہیات سے بچتے ہیں مگر رمضان بعد پھر جیسے کے تیسے نہ برائیوں سے پرہیز ہے نہ اعمال کی بجا آوری، تو فرمایا کہ ایسے لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ گویا یہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ ہم جس ذات کی عبادت رمضان میں کرتے تھے (نعوذ باللہ) وہ ذات اب فنا ہو چکی ہے، اور یہ بات حقیقت ہے کہ اگر بندہ اطاعت الٰہی کا دعویدار ہے تو اس کا رب حی و قیوم ہے، اس کی خوشنودی کا کام ہمیشہ کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کو وہی عمل محبوب ہے جس پر مداومت برتی جائے گرچہ وہ عمل قلیل ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وزن اور اعتبار بہتر کارکردگی اور عمدہ عمل کا ہے نہ کہ کثرتِ عمل کا جو حسن و بہتری سے عاری ہو۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے عمل میں میانہ روی اور مداومت برتنے کی توفیق دے، آمین!

افتتاحیہ

مسلمان عالمی دہشت گرد ہیں

مغربی ذرائع ابلاغ کا نیا فتویٰ

نئے امریکی صدر بل کلنٹن نے ایشیا کو اس وقت دنیا کا اہم ترین خطہ قرار دیا ہے، اپنی اس دلچسپی کا پہلا تحفہ مغرب نے اس خطہ کو یہ عطا کیا ہے کہ اسٹار ٹی، وی کے ذریعہ مغرب کی بے مہار اور بے حیا تہذیب کو یہاں کے گھر گھر میں اتار دیا ہے، اقتصادی مفادات کے حصول کے لئے ایشیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک مشرق وسطی کا بلاک جس میں اسرائیل بھی داخل ہے، دوسرا جنوب مشرقی اور وسطی ایشیا کا بلاک جس میں تین طاقتیں بڑی اہم ہیں، یعنی مسلم ممالک بھارت اور چین۔ ان دونوں بلاکوں کو کسر وانکسار، توڑ پھوڑ دہشت گردی وجنگ کی بے رحم کارروائیوں اور منزلوں سے گذار کر من مانا طاقت کا توازن پیدا کر کے سیاسی بالادستی حاصل کرنا اور پھر اقتصادی مفادات حاصل کرنا اس تثلیث کا مشترکہ منصوبہ ہے جسے اسرائیل امریکہ اور یورپ کہتے ہیں۔

اسلام اور اسلام کے سچے علمبرداروں کی جھولی میں پوری انسانیت کے لئے امن وآشتی، اخوت ومساوات اور حیادارانہ تہذیب واخلاق کے سوا اور کچھ نہیں، اور اہل مغرب اور صہیونیوں کی جھولی میں توڑ پھوڑ، دہشت گردی، خونریز جنگ اور بے حیا تہذیب واخلاق کے سوا اور کچھ نہیں، اس لئے مذکورہ تثلیث ایشیا میں اپنی بالادستی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اسلام اور مسلمانوں کو سمجھتی ہے، چنانچہ اس وقت مغربی ذرائع ابلاغ کے سارے تیر اسلام اور مسلمانوں کے سینے کے رخ پر تنے ہوئے ہیں۔ سینوں کی محفوظ دنیا سے لے کر اعضاء وجوارح تک مشرقی اور اسلامی اخلاق واقدار اور ایمان وعقائد کے ایک ایک نشان اسٹار، ٹی وی کے پروگراموں سے مٹانے کے مسلسل عمل کے ساتھ اسلامی اصولوں پر بے جا نقد اور حملے ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کو "بنیاد پرست، انتہا پسند، اور دہشت گرد" کے متفقہ خطاب سے نوازا جا رہا ہے اور یہ پروپیگنڈہ روز بروز تیز ہوتا جا رہا ہے، حتی کہ دنیا کے کسی خطے میں کہیں کوئی معمولی دہشت گردانہ کارروائی ہو جاتی

تو مغربی ذرائع ابلاغ ایسے مسلمانوں کے سر منڈھنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔

امریکہ کے نئے عالمی نظام۔ نیو ورلڈ آرڈر۔ میں ایشیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کرنے سے اصل خسارہ اسلام اور مسلمانوں کو پہونچانا مقصود ہے، اس منصوبہ کے جو عملی مظاہر یکے بعد دیگرے سامنے آرہے ہیں اس سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ مغرب نے ترکی خلافت عثمانیہ کے تیس سے زائد ٹکڑے کر کے اور پھر ماضی قریب میں جنگ خلیج برپا کر کے مسلم اقوام میں دوری بلکہ عداوت کی جڑیں نہایت گہری کرنے کی کوشش کی ہے اور نئی بلاک سازی سے آریائی اور عربی نسلی عصبیت کو ابھار کر مشرق وسطیٰ کے عربوں کو تنہا کر کے انھیں اسرائیلی عفریت کے پنجوں میں تھما دینے اور جنوب مشرقی اور وسطی ایشیا کے مسلم ممالک کے اسلامی تشخص کے لئے اس خطہ کی سربرآوردہ ملحد و کافر طاقتوں کے ذریعہ شدید خطرات پیدا کر کے انھیں اپنے اصل مرکز سے دور کر کے بے سمت اور بے وقعت کر دینے کی سازش کی ہے، چنانچہ روسی غاصب کے خلاف جہاد کے لئے آئے ہوئے اور اپنے افغان بھائیوں کے دوش بدوش جہاد کرنے والے عرب اور دیگر مسلم مجاہدین کو روسی انخلاء کے بعد اب مغربی ذرائع ابلاغ دہشت گرد قرار دے رہیں اور جنگ کے دوران ہی سے چونکہ وہ پاکستان میں مقیم رہے ہیں، اس لئے پاکستان کو بھی دہشت گرد ملک قرار دینے پر زور دے رہے ہیں، پاکستان نے مغربی آقاؤں کے حکم کی تعمیل میں ان مجاہدین فی سبیل اللہ کو ایذائیں دے کر پاکستان سے نکالنا شروع کر دیا ہے، اور حد یہ ہے کہ مشرق وسطی بلاک سے مصر کے صدر حسنی مبارک نے بھی انھیں دہشت گرد قرار دیا ہے، اور اس سلسلہ میں پاکستان پر بھی تنقید کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آنے والے وقتوں میں اس برتاؤ کے بعد مصر ہو یا پاکستان یا کوئی اور مسلم ملک ان سرفروش مجاہدوں کی قیمتی متاع کس برتے پر حاصل کر سکے گا۔

مشرقی بلاک میں اسلامی تشخص کے لئے خطرات پیدا کرنے اور مسلمانوں کو بے سمت و بے وزن بنانے کی کارروائیوں میں افغان مجاہدین کی باہمی خونریزی، تاجک مسلمانوں کے خلاف دشمنانہ کارروائی، پاکستان کو خوفناک نسلی، تصادم کے دہانے تک پہونچانے، بابری مسجد پر فوج کشی اور اس کا ظالمانہ انہدام اور پھر پورے بھارت میں خصوصیت سے بمبئی میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام اور اسی کے ساتھ آرمن عیسائیوں کے ذریعہ آذربیجانی مسلمانوں کے خلاف جنگ ہزاروں مسلمانوں کا قتل اور ان کی زمینوں پر قبضہ کی کارروائیاں اس خطہ میں اسلامی تشخص کے لئے پرخطر مستقبل کا آغاز ہیں۔

اس پر طرفہ تماشا یہ کہ اس اثناء میں قاہرہ، نیو یارک اور بمبئی میں زبردست بم دھماکے ہوئے جس کی رپورٹیں تفصیل

سے اخبارات میں آچکی ہیں، ان دھماکوں کے سلسلے میں مغربی ذرائع ابلاغ کے فتویٰ کو دہرایا جارہا ہے کہ مسلمان دہشت گرد قوم ہیں، اور ان دھماکوں کی ذمہ داری انھیں پر عائد ہوتی ہے۔ بالفرض اگر یہ بات صحیح تسلیم بھی کرلی جائے تو پوری مسلم قوم کیونکر دہشت گرد قرار پائے گی، مافیا گروہ کی بین الاقوامی تنظیمیں ہیں اور یہ معلوم ہے کہ ان میں اقوام عالم کے اکابر مجرمین شامل ہوتے ہیں جن کا مذہب جرم اور جن کی قومیت شیلنت ہوتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ دنیا کی بڑی طاقتیں اپنے مفادات کے حصول کے لئے ان پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتی اور ان سے بڑے بڑے جرائم کراتی ہیں اور یہ جرائم اتنی سریت سے انجام دیئے جاتے ہیں کہ تحقیق وتفتیش کے بعد بھی وہ بسا اوقات پردۂ خفا ہی میں رہتے ہیں، جرم جرم ہے، اور مجرم مجرم، ثبوت کے بعد انھیں کیفر کردار تک پہونچانا انسانیت اور احکام سماویہ کی بڑی خدمت ہے، لیکن بلا حقیقی ثبوت کے محض سیاسی، تہذیبی، اقتصادی اور حربی تفوق کے حصول کے لئے پوری کی پوری قوم کی کردار کشی کرتے ہوئے اسے دہشت گرد قرار دینا جرم اور دہشت گردی کی پشت پناہی کرنا اور اسے بڑھاوا دینا ہے۔

مذکورہ باتوں کی تائید وتقویت کے لئے میں یہاں اسرائیلی وزیر اعظم اسحٰق رابن کے خفیہ اور طائرانہ دورۂ واشنگٹن کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اس دورہ کے اصل مقاصد صیغۂ راز میں ہیں لیکن اسحٰق نے صحافیوں سے جو باتیں صراحت سے کہیں ان سے اس دورہ کے مغز واسباب کو سمجھا جاسکتا ہے۔ رابین نے صحافیوں سے باعلان کہا کہ انہوں نے صدر کلنٹن کو بتایا ہے کہ بنیاد پرست مسلمان مغرب میں عموما اور امریکہ وبرطانیہ میں خصوصا آزادی اور سہولت کی فضا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے وسیع پیمانہ پر اسلامی مراکز وادارے کھول رہے ہیں، یہ آزادی وسہولت مسلمانوں کیلئے کھلے عمل اور حریت عبادت کو ممکن بناتی ہے، یہ بات ان کے اپنے ملکوں میں جہاں ڈکٹیٹرانہ نظام کا تسلط ہے ان کے لئے مشکل ہے۔

اسحٰق رابین نے بتایا کہ امریکی مخابرات کے ساتھ گفتگو کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ خفیہ محکمے اس اسلامی خطرہ سے آگاہ ہیں اور اس کے لازمی روک تھام کے لئے مستعد ہیں، رابین کے بقول ان بنیاد پرستوں کے خلاف امریکی مخابرات کے ذمہ داروں کو بقاء امن کے احساس میں اس وقت اور اضافہ ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ جرمنی اور فرانس کی حکومتوں نے ان بنیاد پرستوں کو نکال دیا ہے اور یہ لوگ امریکہ کی طرف ہجرت کے لئے مجبور ہوئے اور انہوں نے نیویارک، نیوجرسی، ٹکساس اور اریزون میں اقامت اختیار کی جہاں انہوں نے مغرب پر دباؤ ڈالنے اور اس کے اقتصادی مصالح کو چیلنج کرنے کے مقصد سے امریکی مصالح کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیاں انجام دیں جس کی مثال بین الاقوامی تجارتی

مرکز نیویارک میں بم دھماکے ہیں۔

حالانکہ تجزیہ نگاروں کے ایک حلقہ کا یہ کہنا ہے کہ نیویارک بم دھماکوں کا یہ حادثہ یہودی سازش کا نتیجہ ہے اور اس لئے کرایا گیا ہے کہ رابین کے لئے واشنگٹن کے دورے کی فضا سازگار ہو اور اسلامی خطرہ سے متعلق اس کی تجویزوں کی قبولیت کے لئے عمومی طور پر لوگ آمادہ ہو جائیں، اور بم دھماکوں کے حادثہ سے وہ جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ سیاسی واقتصادی فائدہ حاصل کرسکے۔ بم دھماکہ کی ذمہ داری کچھ عرب مسلمانوں کے سر ڈالنے کا جھوٹ تفتیش وتحقیق کے ذریعہ کھل جانے سے پہلے رابین اس حادثہ سے پورا پورا فائدہ اٹھالینا چاہتا ہے، یہ بھی عجیب امر ہے کہ رابین کے دورہ کے ساتھ ہی امریکی حکومت کے دو بڑے تجزیہ نگاروں نے یہ توضیح کی کہ نیویارک کے تجارتی مرکز میں بم دھماکہ سے متعلق امریکی حکومت کو اب تک ایسا کوئی سبب اور داعیہ نہیں ملا ہے جس سے کسی تنظیم یا کسی اجنبی ملک کا اس حادثہ سے کوئی ربط وتعلق معلوم ہوتا اس کے باوجود رابین اور یہودی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے سر اتہام تھوپنے سے باز نہیں آتے، اس سے غرض ہر نوع کی امریکی مساعدات کا حصول، اسرائیل اور عربوں کے درمیان رکی ہوئی امن بات چیت کو دوبارہ جاری کرانا، اور کلنٹن کے ساتھ موافقت کا اظہار کرتے ہوئے مشرق وسطی کے ممالک کے درمیان حربی واقتصادی لحاظ سے اسرائیل کا عظیم تر قوت بن جانا ہے نیز عمومی طور پر پورے عالم اسلام اور جنوب مشرقی اور وسطی ایشیا کے مسلم ممالک کو مختلف ذرائع سے اپنا زیردست اور دست نگر بنانا ہے۔

اصل یہ ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ کے فتویٰ سے مسلمان قوم کبھی دہشت گرد ثابت نہیں ہوسکتی، مغرب کی یہ قدیم عادت ہے کہ جو چیز بھی ان کے مفادات کی راہ میں رکاوٹ ہو اسے وہ بنیاد پرستی، انتہاپسندی اور دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہیں، بیسویں صدی کی تاریکیوں سے بھری ہوئی روشنی میں اہل مغرب، اقوام متحدہ بلکہ سارے عالم کے حکمرانوں اور رعایا کی آنکھوں کے سامنے مغرب کے سربی وحشیوں کے ہاتھوں بوسنیا کی مظلوم مسلم قوم کے لاکھوں افراد ذبح کر دیئے گئے، ان کی اسی فیصد زمین پر قبضہ کرلیا گیا، مغرب اور اقوام متحدہ خصوصیت سے سکوت مجرمانہ اختیار کئے ہوئے ہیں اس پر اگر مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے دفاع کرے تو مغربی ذرائع ابلاغ اسے دہشت گرد قرار دیتے ہیں، پینتالیس سال کے عرصہ سے فلسطینی قوم بے خانماں زندگی گذارنے پر مجبور ہے، صہیونی چیرہ دستیوں کے سبب وہ اپنی زمینوں اور جائدادوں سے محروم ہو رہے ہیں، مگر اہل مغرب امریکہ اور ارض فلسطین کا غاصب اسرائیل سب فلسطینیوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں، وجہ صرف اتنی ہے کہ ان کے ظلم وزیادتی کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے وہ اپنے حقوق

اپنا وطن اور اپنی سرزمین میں اپنا حق خود اختیاری چاہتے ہیں ۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام ساری انسانیت کے لئے رحمت و رأفت کا مذہب ہے ، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجے گئے ہیں ، انسانوں میں امن واخوت کے بجائے لڑائی اور دہشت پھیلانا اسلام کی شان بلند سے غایت درجہ کمتر بات ہے ، انسان تو انسان رہے رسولِ اسلام نے جانوروں کو بھی آپس میں لڑانے سے منع فرمایا ہے ، اسلام کے اس وصف خاص کا اعتراف دنیا کی ہر قوم کا ہر سچا فرد کرتا ہے ، اہلِ مغرب یا ان کے ہمنوا جو اسلام اور مسلمانوں کو بنیاد پرستی اور دہشت گرد کے خطاب سے نوازتے ہیں وہ درحقیقت اسلام کی اس خوبی کا کسی نہ کسی حد تک شعور رکھتے ہیں لیکن اس خوف سے کہ اسلام اپنی بے مثال خوبیوں کی بدولت سارے عالم میں جو نہایت تیز رفتاری سے پھیل رہا ہے ، ہمارے مفادات اور اقتدار کو ختم کرسکتا ہے ، اسی بنیاد پر وہ اسلام کو مستقبل کا سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں ، لیکن اہلِ مغرب اور ان کے ہم نواؤں کو اگر رسولِ اسلام کی صحیح سیرت پڑھنے کا موقع ملے تو انہیں معلوم ہوگا کہ دنیا کے فرماں رواؤں کے پاس آپؐ نے جب اسلام کی دعوت پیش کی تو اس میں صراحت سے یہ فرمایا کہ اگر اسلام قبول کرلو تو اپنی حکومت اور اپنی سرزمین کے مالک تم ہی رہوگے ، مسلمان قوم اسی رسول کی مطیع ہے ، اور اسلام اسی رسول کا لایا ہوا دین ہے ، یہ قوم کبھی دہشت گرد اور یہ دین کبھی دہشت گردی کا دین نہیں ہوسکتا ، غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لئے جہاد کرنا ضرور اسلام کا حکم ہے ، ایسے مجاہدین کو دہشت گرد قرار دینے سے پہلے غاصبوں کو اپنے مجرم ہونے کا اعتراف کرنا چاہئے ۔

کلمۂ افتتاحیہ

بتقریب

ملی کنونشن مئوناتھ بھنجن

(بتاریخ ۲۳، ۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۲ء)

ازقلم: (ڈاکٹر) مقتدیٰ حسن ازہری۔

تمہید محترم سید حامد صاحب اور دیگر اساطین علم وادب اور اصحاب فکر و دانش پر مشتمل اس مجلس میں مجھ جیسے بے بضاعت انسان کو افتتاحی کلمات کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، یہ اس ہیچمداں کے لئے عزت افزائی ضرور ہے، لیکن ساتھ ہی آزمائش بھی ہے، اس خوشگوار فریضہ کی ادائیگی کے لئے اگر زبان و فکر ساتھ دے جائے تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، ورنہ آپ حضرات سے عفو و درگذر کی درخواست ہے۔

امت کی رہنمائی و اصلاح کا کام اصل میں ایک کثیر الجہتہ کام ہے، یعنی مختلف پہلوؤں سے اصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے، اور مختلف مقامات پر الگ الگ امراض میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں، کہیں عقیدہ میں کمزوری کا پہلو غالب ہوتا ہے، کہیں عمل سے بے توجہی نمایاں ہوتی ہے، کہیں اقتصادی پہلو قابل توجہ نظر آتا ہے، کہیں تعلیم سے غیر معمولی غفلت کا احساس ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اصلاح کے لئے مختلف صلاحیتوں کے افراد کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اصلاح طلب تمام پہلوؤں کی جانب توجہ مبذول کرائی جاسکے، اور صرف کسی ایک پہلو کی تخصیص نہ باقی رہے، اور اسی تنوع کی وجہ سے اصلاح کے کام میں چھوٹے بڑے تمام لوگ مفید ہوتے ہیں۔

خوش آمدید اور توقع

اس ملی کنونشن میں، اور اس کے اس افتتاحی اجلاس میں جو اہل فکر و دانش جمع ہیں ان سب کو اور بالخصوص ملت اسلامیہ ہند کے نامور زعماء و قائدین میں سے سید حامد صاحب، علی گڈھ کے اساتذہ کرام اور اس قافلۂ علم و اصلاح کے تمام معزز افراد کو میں اپنی طرف سے اور اہل مئو کی طرف سے خوش آمدید کہتے ہوئے ان کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں کہ یہاں کے مسلمانوں کی دعوت پر ان نامور ہستیوں نے اپنی مصروفیات اور آرام و راحت کو بالائے طاق رکھ کر مئو کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے یہ معزز مہمان مئو کی سرزمین کو اپنا وطن تصور فرماتے ہوئے پوری یگانگت و انسیت کے ساتھ یہاں قیام فرمائیں گے، اور انتظام و انصرام کی کوتاہیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے تعلیم و اقتصاد کے میدان میں اہل مئو کی رہنمائی فرمائیں گے تاکہ یہاں کی مسلم آبادی اس کارگہ حیات میں اپنے لئے اور اپنی آئندہ نسلوں کے لئے صحیح طریق فکر و عمل متعین کر کے آگے بڑھ سکے، اور دین و دنیا کی سربلندی و کامیابی سے ہمکنار ہو۔

اہل مئو کے لئے سنہرا موقع

سید حامد صاحب اور ان کے مخلص رفقاء و مصاحبین کی جو جماعت یہاں تشریف فرما ہے یہ سب حضرات ملت کا درد رکھتے ہیں، ملت کی فلاح و بہبود کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ تعلیم، اقتصاد اور سماجی فلاح و بہبود کے میدان میں ان کی خدمات کا ایک مقام ہے، ملت کی اصلاح و ترقی کے سلسلہ میں ان کو طویل تجربہ ہے، ان کی نگاہیں مستقبل کے تغیرات و انقلابات کو وقت سے پہلے بھانپ لیتی ہیں، اپنے علم و تجربہ اور دانش و بصیرت سے یہ لوگ مشکلات کا حل تجویز فرماتے ہیں۔

اس لئے اہل مئو کا فرض ہے کہ اپنے درمیان ان عظیم شخصیات کے وجود کو غنیمت سمجھیں، اور ان کی نصیحتوں کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دیں، اور ان پر عمل کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کریں تاکہ ہمارا یہ کنونشن اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکے۔

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جلسے اور کانفرنسیں مئو کی سرزمین کے لئے نئی چیز نہیں، یہاں آزادی کے پہلے سے بڑے بڑے اجلاس اور بالخصوص دینی اجلاس منعقد ہوتے رہے ہیں، لہذا اس سرزمین کو اجتماعات اور ان کی تقریروں اور قراردادوں کا انتظار نہیں، بلکہ ان پرجوش، باہمت اور مخلص افراد کا انتظار ہے جو اصلاح و ترقی سے متعلق تجاویز کو اپنی زندگی پر منطبق کر کے اور زمانہ کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں، اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانیاں

پیش کرنے کا ان کے اندر حوصلہ ہو۔

ملی کنونشن اس کنونشن کی نسبت "ملت" کی طرف ہے، اس پہلو سے بھی ہمیں کچھ غور کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس دور میں الفاظ واصطلاحات کو استعمال کرتے ہوئے ان کے مفہوم وتقاضے کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہماری عملی زندگی میں بہت سی کمزوریاں پیدا ہوگئی ہیں۔

قرآن کریم میں اسلام کو "ملت ابراہیمی" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس تعلق سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو اپنے سامنے رکھیں، اور اس سے سبق حاصل کریں۔

اس مقدس زندگی میں سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ توحید پرستی اور شرک سے بیزاری ہے، یہی توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کی دعوتوں کا خلاصہ ہے، ہم ملت براہیمی کی پیروی اور اپنے اسلام کا دعویٰ ضرور کرتے ہیں لیکن اپنی زندگی کو شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے ہمیں ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ حق پر ثابت قدم رہیں، اور حق پرستی کی راہ میں کسی بھی طرح کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کریں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سلسلہ میں نہ تو اپنی جان کی پرواہ کی نہ خاندانی رشتوں اور تعلقات کی، ان کی نظر میں رضائے الٰہی کا حصول ہر مقصد سے برتر واہم تھا۔ آج مدعی تو ہم بھی اسی بات کے ہیں لیکن ہمارے دعوے کی تصدیق ہماری زندگی سے نہیں ہوتی، ہم حق پرستی و جاں سپاری کے بغیر ملتِ براہیمی کے پیرو بننا چاہتے ہیں:

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں

ملت کے لفظ میں بڑی معنویت اور گہرائی ہے، اور اس کے تقاضے بڑے دور رس ہیں، اس کو سمجھنے کے لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اشعار پر غور کرنا مناسب ہوگا۔

۱۔ اتحاد واجتماعیت:

ملت کا تصور اتحاد واجتماعیت کے بغیر بے سود ہے، اس بات کی طرف علامہؒ نے متعدد اشعار میں اشارہ کیا ہے:

آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

ملت کی زندگی میں فکری اتحاد و ہم آہنگی کی اہمیت پر کہتے ہیں :

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

۲ ۔ مذہب کی پابندی :

ملت کی بقاء و ترقی مذہب کی پابندی کے بغیر ممکن نہیں ، اس لئے ملت کا نام لینے والوں کو مذہبی احکام پر توجہ کرنا ضروری ہے ، علامہؒ کی زبان سے سنئے :

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

ملت کا خواہ کتنا ہی نام لیا جائے لیکن دین پر عمل نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں :

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

اسلام میں مسئولیت و جزاء کا تصور

اسلام میں مسئولیت و جزاء کا تصور بہت واضح ہے مسلمان ہونے کے لئے جن امور پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے ، ان میں ایک اہم بات یوم آخرت اور قیامت پر ایمان کی ہے ، غور سے دیکھا جائے تو اسلامی تعلیمات میں اس عقیدہ کا کردار بے حد بنیادی اور موثر ہے ۔ اس عقیدہ کی رو سے امت کا ہر فرد اپنے اور اپنے ماتحت افراد کے فکر و عمل کا ذمہ دار ہے ، ہر شخص سے قیامت کے دن اس کی مذہبی و سماجی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال ہوگا ، معاشرہ میں جن افراد کو دوسروں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے ان کے متعلق پوچھا جائے گا کہ اس ذمہ داری کو انہوں نے کس حد

تک ادا کیا۔ باپ سے اولاد کے متعلق، شوہر سے بیوی کے متعلق اور سردار و حاکم سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ اور اس سوال میں فکر و عمل سے متعلق تمام پہلو شامل ہوں گے، ہمارا یقین ہے کہ معاشرہ کی صحیح تشکیل و تعمیر اسی وقت ممکن ہے جب کہ انسان مسئولیت و جزاء کے اسلامی عقیدہ کو مانتا ہو۔

قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ متعدد آیات میں مذکورہ سوال کا ذکر ہے، سورۂ نحل آیت ۹۳ میں ارشاد ہے:
(ترجمہ: اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا، لیکن وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کے متعلق تم سے سوال ہوگا۔)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:
(ترجمہ: اور وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے، اور تم سے اس کی بابت سوال ہوگا۔)
(الزخرف ۴۴)

یعنی قرآن کریم اور اسلام پر عمل سے متعلق سوال ہوگا۔

ایک متفق علیہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، اس میں معاشرہ میں ذمہ دار افراد کا صراحت سے ذکر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ، تم میں سے ہر ایک نگہبان و ذمہ دار ہے، اور اس سے اس کی رعیت یعنی ماتحت افراد و سامان وغیرہ سے متعلق سوال کیا جائے گا، چنانچہ امیر و حاکم سے اس کی رعایا کے متعلق، مرد سے اس کے گھر والوں کے متعلق، عورت سے اس کے شوہر اور اولاد سے متعلق اور غلام سے اس کے آقا کے مال و اسباب کے متعلق سوال ہوگا۔ (صحیح مسلم ۲/۱۴۵۹)

مسلم شریف کے حاشیہ پر اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں ایک بڑا فکر انگیز جملہ مذکور ہے (ففیہ ان کل من کان تحت نظرہ شئ فہو مطالب بالعدل فیہ والقیام بمصالحہ فی دینہ ودنیاہ ومتعلقاتہ۔) یعنی اگر کسی شخص کی نگرانی میں کوئی شخص یا چیز ہو تو اس کے بارے میں انصاف کرنا اور اس کی دین و دنیا کی بھلائی کے لئے سعی و کاوش کرنا اس کا فرض ہے۔ اس روشنی میں ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ اپنے اہل و عیال اور ملک و ملت کے لئے جد و جہد کرنا مذکورہ حدیث نبوی کی رو سے کس قدر ضروری ہے۔

مئو اور ملی کنونشن کے موضوعات

مئو کی سرزمین متعدد حیثیتوں سے ممتاز و منفرد ہے، دیگر پہلوؤں کا تذکرہ چھوڑ کر میں صرف ان پہلوؤں کی طرف مختصر اشارہ کرنا

چاہتا ہوں جو اس کنونشن کا موضوع ہیں۔

۱۔ اقتصادی پہلو

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کسی بھی علاقہ میں بہت زیادہ قابلِ اطمینان نہیں ہے، پھر بھی اہل مئو کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ پارچہ بافی کی صنعت سے انھیں باعزت طور پر حلال روزی مل جاتی ہے، اس صنعت کے سلسلہ میں اگر حکومت اور اس کے اراکین اپنے فرائض ادا کرتے تو مئو کے باشندے بہت زیادہ خوشگوار زندگی بسر کرتے، اور ملک کو بھی بہت سے اقتصادی فوائد حاصل ہوتے۔
اسی طرح اس صنعت سے وابستہ مسلمان اگر اپنے مقصدِ تخلیق کو سامنے رکھتے ہوئے خدا پرستی، سلامت روی، کردار کی بلندی، حالات کا مطالعہ، دور رس حکمتِ عملی اور باہمی اعتماد و تعاون وغیرہ اوصاف سے متصف ہوتے تو ان کی بہت سی موجودہ مشکلات ختم ہو جاتیں، یا ان کی شدت میں کمی ہو جاتی۔

اقتصادی میدان میں یہاں کے مسلمانوں کو جو فراغت و کفایت حاصل ہے وہ اگرچہ مطلوبہ معیار سے کم ہے لیکن اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اسے مزید پائیدار بنانے اور حاصل شدہ مواقع سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

اس مجلس میں علماء کرام اور مفکرینِ ملت آپ کو اسلام کے اقتصادی نظام کے بارے میں تفصیل سے بتائیں گے۔ اسلام کا اقتصادی نظام بیحد جامع و مؤثر ہے، اور اس پر صحیح طور سے عمل کے نتیجہ میں معاشرہ پورے طور پر مطمئن اور آسودہ ہو جاتا ہے۔

اسلام نے ایک طرف مال کے حصول اور رزق حلال کی طلب پر ابھارا ہے، اور صنعت و تجارت کی فضیلت بتائی ہے، اور دوسری طرف سوال و گداگری سے منع کیا ہے، اور معاشرہ کی جائز ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اہل ثروت کو بذل و انفاق کی ترغیب دی ہے۔ تنہا زکوٰۃ کا نظام ایسا بنا دیا ہے جس سے معاشرہ کی بہت سی مالی ضرورتوں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں نے چونکہ اسلام کے اس جامع و مفید نظام سے پہلو تہی کر لی اس لئے آج ان کے سامنے بہت سی مالی دشواریاں کھڑی ہو گئیں۔ اسلام نے سود کا اور حصول مال کے دوسرے تمام ناجائز ذرائع کا سدباب کیا تھا، لیکن آج مسلمان مختلف وسوسوں اور اندیشوں کا شکار ہو کر حصولِ زر کے جائز طریقوں سے دور جا پڑا ہے:

مسلمانوں کے حصہ میں فقط اکل حلال آئے
کمی بیشی کی صورت ہو تو رازق کا خیال آئے

۲- تعلیمی پہلو

مئو کی مسلم آبادی پر اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل وکرم ہے کہ یہاں دینی تعلیم کی بڑی بڑی درس گاہیں ایک طویل عرصہ سے، عظیم تدریسی خدمت انجام دے رہی ہیں، اور اہالیانِ مئو کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ان کی تگ و دو اور مال و دولت کا معتد بہ حصہ علم دین کی سرپرستی وآبیاری میں خرچ ہوتا ہے۔

مئو کے بڑے مدارس میں فیض عام، دار العلوم، عالیہ عربیہ، مفتاح العلوم، دار الحدیث، بحر العلوم اور تعلیم الدین وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے، ان اداروں کی نگرانی و ماتحتی میں چلنے والے متعدد چھوٹے ادارے اور تعلیم نسواں کی درسگاہیں بھی ہیں، عصری تعلیم کی درس گاہوں میں مسلم انٹر کالج اور نعمانی ہائی اسکول وغیرہ ہیں۔

مئو کی مذہبی وثقافتی زندگی میں ان اداروں کے وجود کا اثر نمایاں ہے، دینی تعلیم کا عروج وترقی یہاں کی شناخت ہے، ملک کے مختلف حصوں سے ہر سال طلبہ کی ایک بڑی تعداد یہاں آتی ہے، اور علم وتربیت سے آراستہ ہوکر قوم وملت کی خدمت انجام دیتی ہے۔ مئو کے تعلیمی اداروں کے فوائد وفیوض کا ایک مظہر یہاں کی عظیم علمی وادبی شخصیات ہیں جن کی خدمات اور کارناموں سے اس چھوٹے سے شہر کا نام روشن ہے، یہاں کی صنعت سے جس طرح انسان کی مادی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے، اسی طرح یہاں کے تعلیمی ادارے فکر وروح کے لئے غذا بھی فراہم کرتے ہیں۔

علم کی دنیا میں جمود وٹھہراؤ نہیں ہے، جو نظریہ آج نیا ہے وہ کل بلکہ اس سے پہلے ہی پرانا ہوجاتا ہے، اس دنیا میں گویا " ہر لحظہ نئی آن نئی شان " والا معاملہ ہے، علم کی تیز رفتاری کا اندازہ شاید ہم کو ترقی پذیر ممالک میں نہ ہو، لیکن اگر ہم ترقی یافتہ ممالک پر نظر ڈالیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ علم کی برق رفتاری کا کیا حال ہے۔ ایسی صورت میں اہلِ مئو کو اور بالخصوص یہاں کے تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں کو حالات پر نظر رکھنے اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تعلیم کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ تعلیم کے معاملہ میں قدیم وجدید کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ یہاں مفید وغیر مفید اور نافع وغیر نافع کا لحاظ واعتبار ہے۔

اس ملی کنونشن میں تعلیم وتربیت کے ماہرین جمع ہیں، حالات پر ان کی نظر ہے، اور تعلیمی میدان کا انھیں طویل تجربہ ہے، ہمارا فرض ہے کہ ان ماہرین کے مشوروں اور تجربوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، اور اپنی مشکلات ان کے سامنے رکھ کر ان کا حل طلب کریں۔ تبدیلی وترقی کی ضرورت دینی وعصری دونوں تعلیموں میں ہیں، اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے ان ماہرین سے بہتر کوئی اور نہیں ملے گا، اس کنونشن کی یہی اصل کامیابی ہوگی کہ

ہم اپنے تعلیمی نظام کو ترقی دے سکیں ۔

۳ - اصلاحِ معاشرہ

معاشرہ کی اصلاح مومن کے بنیادی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے ، امت مسلمہ کو " خیرِ امت " کے لقب سے اسی لئے نوازا گیا ہے کہ اس کے سر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ہے ، اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ امت میں اصلاح کی ذمہ داری صرف علماء کے اوپر نہیں ہے ، جیساکہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے ، بلکہ اس فریضہ کا مکلف ہر مسلمان فرد ہے ، خواہ عالم ہو یا جاہل ، مرد ہو یا عورت ، چھوٹا ہو یا بڑا ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر شخص اپنی استطاعت وصلاحیت کے مطابق اس ذمہ داری کا مکلف ہے ۔ قرآن کریم کی ایک آیت میں بنی اسرائیل کو اس وجہ سے ملعون قرار دیا گیا ہے کہ وہ برائیوں پر نکیر نہیں کرتے تھے ۔ (المائدہ ۷۹)

اصلاحِ معاشرہ سے متعلق تفصیلی گفتگو آپ اس سے متعلق نشست میں سنیں گے ، میں شادی بیاہ سے متعلق بعض رسوم کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں ۔ ماضی قریب تک مؤمیں شادیوں کی تقریبات انتہائی سادگی کے ساتھ منائی جاتی تھیں ، اور بہت تھوڑے خرچ میں یہ سنت ادا ہو جاتی تھی ، لیکن افسوس اب ہم منگنی کے نام پر شادی سے زیادہ رقم خرچ کر دیتے ہیں ، پھر بھی ہمیں شکوہ ہے کہ ہماری اقتصادی حالت کمزور ہے ۔

دوسری تشویشناک بات یہ ہے کہ بد اخلاقی و فحاشی کا رجحان ترقی کر رہا ہے ، کھلے عام برائیوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور کوئی ٹوکنے والا نظر نہیں آتا ، نماز کے اوقات میں مساجد کے باہر مسلمان بیٹھے رہ جاتے ہیں اور نماز ختم ہو جاتی ہے ۔ دینی احکام وعبادات کی اس طرح کھلے طور پر خلاف ورزی کر کے ہم کس ترقی وخوش حالی کی توقع رکھتے ہیں ؟

۴ - خواتینِ اسلام

عورتوں سے متعلق اسلامی موقف کی توضیح پر بے شمار تصنیفات موجود ہیں ، اور آج بھی اس موضوع پر اظہارِ خیال کا سلسلہ جاری ہے ، ہندوستان کے مشہور عالم سید نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے اس موضوع پر اپنی مفید تصنیف " حسن الاسوۃ " میں ان تمام آیات واحادیث کو جمع کر دیا ہے ، جن میں عورتوں سے متعلق کوئی مسئلہ

واقعہ مذکور ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت کا دین کے علم اور اس پر عمل کے سلسلہ میں وہ درجہ نہیں جو ہم نے اسے دے رکھا ہے، ہمارے معاشرہ میں دعوت و تبلیغ سے عورتوں کا کوئی خاص تعلق نہیں، حالانکہ قرآنِ کریم نے بڑی صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ تبلیغ و اصلاح کی ذمہ داری جس طرح مردوں پر ہے اسی طرح عورتوں پر بھی ہے۔ عصرِ نبوت میں عورتوں نے جس طرح دینی خدمت انجام دی ہے اس کا مطالعہ کرنے سے عورتوں کے کردار کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علمِ دین کو سیکھنے اور اس کی تبلیغ میں اگر صرف حضرت خدیجہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احوال و کردار پر غور کر لیا جائے تو ہمیں بہت کچھ روشنی مل سکتی ہے۔

موجودہ دور میں مغرب کی مادی تہذیب کے اثر سے مسلم خواتین کا کردار افسوسناک حد تک خراب ہوا ہے، ہمارے مصلحین اور خود ہماری خواتین کو اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے، مغربی تہذیب اصل میں ایک سراب ہے جس کے پیچھے آج کا انسان دوڑا چلا جا رہا ہے، اس تہذیب کے خالق آج خود اعتراف کر رہے ہیں کہ ان کے طرزِ عمل سے انسانیت کو ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملا ہے:

مانگتی ہے مغربی تہذیب سے تو روشنی
ظلمتِ شب سے نہیں ممکن اجالے کا حصول
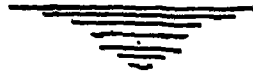
مسلم پرسنل لا بورڈ کی ملک گیر تحریک

کچھ معروضات کچھ مشورے

از: سید علی

اجودھیا سے متعلق سرکاری تجویزوں کے خلاف مسلم پرسنل لا بورڈ اور ملی کونسل کی مشترکہ کمیٹی کی طرف سے ملک گیر مہم کا مقصد اصل جگہ بابری مسجد کی تعمیر نو کے لئے رائے عامہ ہموار کرنا اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی اور بابری مسجد کو آرڈی نیشن کمیٹی کے لیڈروں کو غیر اہم بنانا بتایا ہے، مشترکہ کمیٹی کے دورہ کا آغاز ۱۷ اپریل سے کان پور سے ہوا۔

اس خبر سے خوشی بھی ہوئی اور مایوسی بھی، اس متضاد ردعمل کے وجوہات اس دورے کے مقاصد ہی میں پوشیدہ ہیں، خوشی اس پہلو سے ہوئی کہ بابری مسجد کے انہدام اور اس کے صدقہ میں ہزاروں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو لٹنے کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ والے جاگے اور اپنے خول سے باہر نکلے، شاہ بانو مقدمہ کے بعد اس کے ذمہ داران جہاں وردی نکال کر تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو گئے تھے، ان کے ایجنڈے میں بابری مسجد کا تحفظ تھا ہی نہیں، بورڈ کے رہنما جاگتے ہوتے تو بابری مسجد کا مسئلہ بھی اپنے ہاتھ میں لیتے اور بروقت رہنمائی کرتے تو بابری مسجد ایکشن کمیٹیاں بننے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے سامنے ملک گیر دورے کا تفصیلی نقشہ کیا ہے، یہ ابھی واضح نہیں، خبروں میں دوروں کا مقصد اجودھیا کے سلسلے میں حکومت کی تجویزوں کے خلاف مسلمانوں کو تیار کرنا اور بابری مسجد کو اصل جگہ پر از سر نو تعمیر کی تحریک دوبارہ شروع کرنا بتایا گیا ہے، مسجد کی عمارت تو توڑ ڈالی گئی ہے، اب دوبارہ تحریک کس چیز کے لئے، اسی جگہ عمارت اٹھانے کے لئے یا اس جگہ پر رام للا کا بت نصب ہے اس کو ہٹانے کے لئے یا دونوں مقصد کے لئے؟ اور یہ تحریک آئینی ہوگی یا میدانی؟ خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا جائے اور اس پر جم کر عمل کیا جائے، پیٹھ نہ دکھائی جائے۔ آئینی تحریک کا مطلب

یہ ہے کہ مسلم عوام اور ہندو خواص (جو انصاف کی زبان سمجھتے ہیں اور ملک کے اتحاد پر یقین رکھتے ہیں) کو اپنے موقف سے آگاہ کرتے ہوئے حکومت پر عوامی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ بابری مسجد کو اس کی اصل جگہ پر تعمیر کرے اور سپریم کورٹ سے دستور کے آرٹیکل ۱۴۳ کے بجائے دفعہ ۳۸ کے تحت رائے معلوم کرے اور ٹرسٹ بنانے کی شعبدہ بازی چھوڑ دے، تحریک کا یہ رُخ صحیح بھی ہوگا اور پرامن اور آئینی حدود میں ہوگا، اس قسم کی تحریک ضروری بھی ہے اور مناسب بھی، اور اس کے علاوہ دوسری راہ نامناسب ہے نہ مفید۔

اس تحریک کا مقصد صرف بابری مسجد کی تعمیر نو تک اب محدود رکھنا غلط ہوگا، بڑی مشکل سے بورڈ کے قائدین اب کچھ کر دکھانے کے لئے تیار ہی ہوئے ہیں تو انکے سامنے کئی مسائل ہوں گے جن کو ان دوروں کے ذریعہ سلجھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنی قیادتوں کی طرف سے جو مایوسی اور بے اعتمادی پیدا ہوئی ہے اس کو دور کیا جائے اور اپنی غفلتوں اور سستیوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ یقین دلایا جائے کہ واقعتاً مسلم پرسنل لا بورڈ کی حیثیت ایک ایسی مرکزی قیادت کی ہے جو فعال اور متحرک بھی ہے اور ملت کی بروقت رہنمائی کرنے کی اہل بھی۔

دوسرا مسئلہ معاشرتی اصلاح کا ہے، مسلمانوں میں جو معاشرتی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی نشاندہی کی جائے ان کے مضرات اور خطرات سے آگاہ کیا جائے اور ان کے تدارک کی تدبیریں بتائی جائیں، اتحاد اور مشاورت کی اسپرٹ پیدا کی جائے، اور جان و مال' پیش آمدہ خطرات سے نمٹنے کے لئے شرعی اور قانونی طریقے بتائے جائیں۔ معاشرتی اصلاح کی خصوصی ضرورت اس لئے بھی بڑھ گئی ہے کہ مسلمانوں کی بعض غلط حرکتوں کے سبب مسلم پرسنل لا میں تبدیلی اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا جواز فراہم کیا جاتا ہے، یہ کام مسلم پرسنل کے ایجنڈے میں پہلے سے موجود ہے لیکن عمل کی دنیا میں مفقود ہے، بس دو چار بڑے شہروں میں اصلاح معاشرہ کی رسم ادا کی گئی پھر سناٹا۔

تیسرا مسئلہ امن کے قیام، جمہوریت کے فروغ اور فرقہ پرستی کے تدارک کے لئے ماحول بنانے کا ہے مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ صاف اور سیکولر ذہن کے ہندوؤں اور ان کو جن کو ہریجن، دلت اور پسماندہ طبقہ کہا جاتا ہے ساتھ لے کر مشترکہ مہم چلائیں تاکہ فرقہ پرستی اور فسطائیت کی لہر ٹھنڈی پڑے، ملک میں امن کی فضا قائم ہو اور جمہوری قدروں کا استحکام ہو، قانون کی حکومت مضبوط ہو۔ اسی طرح اور دیگر ترجیحی مسائل ہو سکتے ہیں جن کو اپنے ایجنڈے میں شامل کرنے کی ضرورت ہے، محض ایک ٹھنڈے مسئلہ کو گرمانے اور خانہ پُری کے لئے دورہ کرنا بیکار ہے، پہلے راؤنڈ میں ان ہی مسائل پر توجہ مرکوز کرنی ہے، اس کے بعد دوسرے راؤنڈ کے ایجنڈے میں تعلیمی، معاشی اور تہذیبی و سیاسی مسائل ہاتھ

میں لینا چاہیئے، اور ملی وملکی تعمیر میں موثر رول ادا کرنے کی اسکیم بنانی چاہیئے۔

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کا مقصد اور دائرہ عمل متعین اور محدود ہے، وہ اپنے دامن میں ملت کے ہمہ گیر مسائل کیسے سمیٹ سکتا ہے یہ بات اصولاً صحیح ہے لیکن موجودہ حالات میں جب ہر طرف ناانصافیوں کا بازار گرم ہے، ظلم وستم کے نت نئے منصوبے اس ملت کے خلاف بنائے جارہے ہیں، اور فسطائیت کی آندھی پورے ملکی نظام کو ادھیڑ کر رکھ دینے کے لئے چل رہی ہے تو بورڈ کو اپنے خول سے باہر نکلنا چاہیئے۔ یہ بڑا ہنگامی اور افراتفری کا دور ہے۔ مسلم عوام کا موسمی قیادتوں اور سیاسی لیڈروں سے اعتماد اٹھ گیا ہے، نوجوانوں کے مزاج میں شدت اور اپنی قیادت سے بغاوت کے آثار دکھائی پڑرہے ہیں، ایک مرکزی قیادت کی ضرورت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، ایسی حالت میں مسلم پرسنل لاء بورڈ پر نگاہ اس لئے مرکوز ہوئی، چونکہ وہ تمام مسلم تنظیموں کا نمائندہ اور با اعتماد وفاقی فورم ہے۔ اور اس پر مسلم عوام کا ابھی ایک حد تک اعتماد باقی ہے اس لئے بورڈ کو آگے بڑھ کر اپنے دائرہ عمل میں وسعت پیدا کرنا چاہیئے جس طرح اس نے بابری مسجد کے سلسلے میں تاخیر ہی سے سہی پیش رفت کی ہے۔

اور جہاں تک مسلم پرسنل لاء بورڈ کے دوروں کی خبر سے مایوسی کا تعلق ہے وہ اس کے اعلان کا وہ جزء ہے جس میں اس کا کھلا اظہار کیا گیا ہے کہ ان دوروں کے ذریعہ دونوں بابری مسجد ایکشن کمیٹیوں کے لیڈروں کو غیر اہم بنانا ہے، اس بیان سے نفرت اور اشتعال کی بو آتی ہے۔ چند افراد ایکشن کمیٹیوں میں ایسے ہوسکتے ہیں جن سے اختلاف کیا جاسکتا ہے تو ایسے چند افراد بورڈ میں بھی مل سکتے ہیں۔ میرا مدعا یہ ہے کہ یہ وقت چہرہ دکھانے کا نہیں ہے سب کا چہرہ پہچانا جاچکا ہے۔ تحریک چلانے کے لئے پہلے مرحلہ میں یہ انداز بڑا جارحانہ اور انتشار پسندانہ ہے، اس قسم کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ ایکشن کمیٹی کے "ناپسندیدہ" افراد بھی اب تیرونشتر لے کر میدان میں کود پڑیں اور بورڈ کے "غیر ذمہ دار" افراد کی پگڑیاں اچھالنا شروع کردیں۔

خبر کا یہ جزء بھی بڑا دلچسپ ہے کہ تحریک چلانے کا فیصلہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور آل انڈیا ملی کونسل کی مشترکہ کمیٹی نے کیا ہے۔ دوروں میں بورڈ اور کونسل کے ذمہ داران شریک رہیں گے۔ کیا مسلم پرسنل لاء بورڈ میں ملی کونسل کے نمائندے شریک نہیں ہیں؟ اگر شریک ہیں تو بورڈ سے الگ کونسل کی شناخت کا اعلان کس مقصد کے تحت کیا گیا ہے؟ اگر ملی کونسل بورڈ میں شریک نہیں ہے تو کیا وہ بورڈ کی متوازی جماعت ہے یا بورڈ کی زیر نگرانی اس کی تربیت اور ملک گیر تعارف کا اہتمام مقصود ہے؟ آخر اس جوائنٹ ونچر کا کیا مقصد ہے؟ ۳، ۴ راپریل کو دہلی میں پرسنل لاء

کی نشست ہوئی تھی، وہاں بھی پرسنل لا بورڈ کے ساتھ ملی کونسل کا نام جڑا ہوا تھا اور بورڈ کے فیصلہ کی ملی کونسل نے دوسرے دن توثیق یا تصدیق کی تھی۔ یہ کیا معمہ ہے بورڈ کے ذمہ داروں کو اس کی وضاحت کرنی چاہئے تاکہ بورڈ کا کردار مجہول نہ ہونے پائے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں پر یہ بات اچھی طرح واضح رہنی چاہئے کہ بورڈ تمام مسلم تنظیموں کا نمائندہ فورم ہے، اس فورم پر کسی فرد یا تنظیم کا ذہنی یا عملی تسلط خطرناک ہوگا، اگر بورڈ نے سنبھل کر کام نہیں کیا تو عوام کے سامنے اس کا وقار مجروح ہو جائے گا، بورڈ ایک وفاقی فورم ہے اس کی حیثیت دوسری تنظیموں کے مقابلہ میں سپریم ادارہ کی ہے جو ساری تنظیموں کے نمائندوں کے مشوروں سے کام انجام دیتا ہے۔ بورڈ کی دو ذمہ داریاں ہیں، یا ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ مشترکہ مسائل میں باہمی مشورہ سے بورڈ کے سپرد جو کام کیا جائے وہ اپنے ممبروں کے اشتراک سے انجام دے۔ دوسری ذمہ داری یہ کہ تمام تنظیموں کو ان کے اصول وضوابط کے تحت کام انجام دینے میں تعاون کرے اور ہو سکے تو ملی کاموں کی انجام دہی میں تقسیم کاری کا رول ادا کرے۔

آخر میں بورڈ کے ذمہ داروں سے یہ گذارش ہے کہ وہ اپنے دوروں میں صرف بڑے بڑے معروف شہروں کا انتخاب نہ کریں اور صرف اسکالروں اور دانشوروں سے نہ ملیں بلکہ قریوں اور قصبوں کا بھی دورہ کریں اور عوام سے براہ راست ملنے کا اہتمام کریں تاکہ عوام کے جذبات اور ان کے مسائل سے واقفیت ہو۔ مسلمانوں کی بیشتر تنظیموں کا حال یہ ہے کہ ان کا عوام سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا، اس لئے عوامی سطح میں ان کی جڑ پیوست نہیں ہے۔

(آواز ملک، بنارس)

اپریل فول

کی تاریخی اور شرعی حیثیت

تحریر: ڈاکٹر عاصم بن عبداللہ القریوتی ۔ ترجمہ و تلخیص: امتیاز احمد سلفی

مجلہ جامعہ سلفیہ مارچ ۸۳ء کے شمارہ میں اپریل فول کی تاریخی اور شرعی حیثیت پر ایک طویل مضمون شائع ہوا تھا، مضمون نگار مشہور سلفی عالم ابوصہیب عاصم قریوتی صاحب تھے، ہم اس مضمون کا اردو ترجمہ افادۂ عام کی غرض سے اختصار کے ساتھ ھدیہ قارئین کر رہے ہیں ۔

گفتگو اور بات چیت ایک ایسی چیز ہے جس کی بنیاد پر متکلم غیر شعوری طور پر جنتی اور جہنمی ہونے کا مستحق بن سکتا ہے، کوئی بھی کلام دو حال سے خالی نہیں، یا تو سچا ہوگا یا جھوٹا ۔ بلاشبہ شریعت میں سچائی پر بہت زور دیا گیا ہے، اور اس کی اہمیت بھی مسلم ۔ یہی وہ خوبی ہے جس کی بناد پر حضرت خدیجہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی تھی ۔ اس کے برعکس جھوٹ ایک مہلک مرض ہے جس کی بابت شریعت میں سخت وعید وارد ہے ۔ صادق امین نے جھوٹ کی اشاعت و ترویج سے متعلق فرمایا کہ: خیر قرون کے بعد اس کی ترویج عام ہو جائے گی، حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ لوگوں کے لئے میری وصیت ہے کہ وہ میرے اصحاب کی اتباع کو لازم پکڑ لیں، بعد میں آنے والے تابعین کو، اور ان کے بعد کے لوگ تبع تابعین کو، پھر کذب کا اتنا رواج حاصل ہو جائے گا کہ آدمی بات بات پر قسم کھائے گا، اور گواہی پیش کرے گا، حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی ۔ (۱)

آپ کی پیشین گوئی کے مطابق جھوٹ خوب پھلا پھولا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے متعدد امور میں غیروں

(۱) ترمذی (۴/۴۶۰) کتاب الفتن، حاکم (۱/۱۱۴)

کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیا اور انھیں کی مالا جپنے لگے۔ من جملہ انھیں تکذیبات میں سے اپریل فول بھی ہے، اس جھوٹ کو لوگوں میں خوب پھیلایا گیا، جسے اپریل کی پہلی تاریخ کو ہنسی مذاق کے لئے انجام دیا جاتا ہے اور عہد قدیم سے اکثر یوربین ممالک میں اس پر عمل کیا جاتا رہا ، یورپی تہذیب کے ساتھ ساتھ اسے بھی اپنا لیا گیا۔

اپریل فول کے سلسلے میں ہم نے بہت سی باتیں سنیں اور دیکھیں، اور جو اس کے برے اثرات لوگوں پر مرتب ہوئے اس سے بھی ہمارے کان ناآشنا نہیں، ایک دوسرے کے خلاف بغض، حسد، کینہ، قطع تعلقات، بھائی چارگی اور اہل خاندان میں عداوت پیدا کرنا اس کے خاص اثرات ہیں۔ بایں سبب دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اس کی شرعی اور تاریخی حیثیت کو اجاگر کرنا چاہیئے۔

ماہ اپریل اور وجہ تسمیہ (۱) ماہ اپریل انگریزی سال کا چوتھا مہینہ ہے جس کے دنوں کی تعداد ۳۰ ہے، رومان کی قدیم جنتری میں اس لفظ کا اشتقاق "اپریلیس" (APRILIS) سے بتایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا اشتقاق لاتینی فعل فتح (ARERI RE) سے ہے جس کا مفہوم کھلنا ہے، اپریل کے مہینہ میں موسم بہار کی ابتدا ہوتی ہے، اور باغات و چمن میں شگوفے اور کلیاں چٹخنے لگتی ہیں۔ فرانس میں بادشاہ "شارل نہم" کے حکم سے اپریل کے بجائے جنوری کو سال کا پہلا مہینہ بنایا گیا، اس کے علاوہ اور بھی بعض توجیہات کی گئی ہیں چنانچہ رومان نے اس مہینہ کی پہلی تاریخ کو اپنے معبود "فینوز" کیلئے میلہ کا دن مقرر کیا، یہ معبودان کے نزدیک، حسن وجمال، ہنسی مذاق اور سعادت کا معبود تصور کیا جاتا ہے۔ اس میلہ میں شادی شدہ اور بن بیاہی عورتیں اپنی جسمانی و روحانی مصیبتیں اپنے معبود کے سامنے بیان کرتی ہیں اور روتی گڑگڑاتی ہیں، لیکن یہ کوشش رہتی ہے کہ ان عیوب سے ان کے شوہر اور سرپرست واقف نہ ہوسکیں۔

سیکسن قومیں اس ماہ اپنے قدیم معبود ایسٹر کا تہوار مناتی ہیں، چنانچہ انگریزی لغت میں اس وقت بھی نصاریٰ کے نزدیک اس عید کا نام "عید فصح" ہے جسے وہ لوگ یہودیوں کے مصر سے نکلنے کی یادگار میں مناتے ہیں، یہ تھی یورپی قوموں کے نزدیک ماہ اپریل کی حیثیت۔

---

(۱) مجلہ "ھنا" لندن شمارہ (۳۴۸) اپریل ۱۹۸۵ء۔

اپریل فول کا آغاز اور تاریخی حیثیت

اپریل فول کی ابتداء وآغاز کے بارے میں متعین طور پر مورخین کی رایوں کا علم نہیں ہوسکا ہے، لیکن جتنا کچھ معلوم ہوسکا اسے ذکر کیا جارہا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی ابتداء شب وروز کے مساوی ہونے کے دن رومی مہینہ "آذار" (مارچ) کی اکیسویں تاریخ کو موسم ربیع کے تہواروں سے ہوا، بعض کا خیال ہے کہ یہ بدعت فرانس میں ۱۵۶۴ء میں جدید جنتری کے قیام کے بعد ایجاد ہوئی جب کسی کو جدید جنتری سے انکار ہوتا تو اپریل کی پہلی تاریخ کو لوگوں کے ہنسی مذاق کا نشانہ بنتا تھا، لوگ اس سے ٹھٹھا کرنے لگتے جو دوسروں کے لئے مضحکہ کا سبب بنتا۔

بعض کا کہنا ہے کہ یہ بدعت موسم ربیع کی مخصوص تاریخ سے مربوط ہونے کی بناء پر زمانۂ قدیم سے چلی آرہی ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں شکاری کو عموماً پہلے ہی دن ناکامی ہوتی تھی، اس وقت سے یہ بات عام ہوگئی کہ وہ اپریل کی پہلی تاریخ ہے جس دن ایسا ہوتا ہے۔

یورپ میں اپریل فول کو اپریل فش کہتے ہیں، کیونکہ آفتاب اس مہینہ میں برج حوت سے منتقل ہوتا ہے جسے انگریزی میں (Poisson,D'Avril) کہتے ہیں۔ یہ لفظ بواسون (جس کے معنی مچھلی کے ہوتے ہیں) "باسیون" کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جس کا معنی عذاب کے بھی ہوتا ہے، اس سے اشارہ ہے اس عذاب کی طرف جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دنیا میں جھیلا (نصاریٰ کے خیال کے مطابق واقعہ صلیب) بقول ان کے یہ واقعہ اپریل کی پہلی تاریخ کو پیش آیا۔

انگریزوں کے نزدیک ماہ اپریل کی پہلی تاریخ کو احمقوں اور بیوقوف صفت لوگوں کے اجتماع کا دن سمجھا جاتا ہے یعنی (All Fools day)۔ اس دن وہ طرح طرح کی کذب بیانی کرتے ہیں، اور جو انھیں تسلیم کرلیتا ہے اسے بیوقوف بناتے پھرتے ہیں جس پر لوگ خوب ہنسی مذاق اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔

اپریل فول کا تذکرہ سب سے پہلے (Drakes Newsletter) نامی رسالہ نے کیا، اس کے اندر ۲ اپریل ۱۶۹۸ء کو یہ خبر شائع ہوئی کہ لوگوں کی ایک خاص تعداد نے اپریل کی پہلی تاریخ کو لندن کے برج میں شیروں کے کرتب دکھائے جانے کے سلسلہ میں دعوت نامہ موصول ہوا۔

اپریل کی پہلی تاریخ کو یورپ میں سب سے مشہور جو واقعہ رونما ہوا وہ یہ ہے کہ ایک انگریزی اخبار

" ایوننگ اسٹار " ۳۱ مارچ ۱۸۴۶ء کو ایک اعلان شائع کیا کہ کل پہلی اپریل کو شہر اسلنگٹن کے زراعتی چمبر میں گدھوں کی ایک عام نمائش کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا ہے، اعلان کافی دلچسپ تھا، اسلئے لوگ جوق در جوق اس نمائش میں شرکت کیلئے بغرض مشاہدہ اکٹھا ہوئے اور انتظار کی گھڑیاں گنتے رہے، بالآخر جب گھبرا گئے تو پوچھا گیا کہ نمائش کا انعقاد کب ہوگا؟ جواب نہ ملنا تھا نہ ملا، تب لوگوں کو یقین ہوا کہ انہیں بیوقوف بنانے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اپریل فول کی بدعت یورپ کی تہذیب جدید کے طفیل ہے۔ مسلم معاشرہ میں جہاں بہت سے امراض مغربی تہذیب کے توسط سے آئے، ان میں اپریل فول کا مرض بھی ہے۔

شریعت میں جھوٹ کی مذمت

کذب بیانی معاشرہ کا ایک زبردست مہلک مرض ہے، نفاق کی علامت اور ایمان کے منافی ہے، کسی مومن میں اس صفت کا پایا جانا اس کی شان کے خلاف ہے اور مذموم عادت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن چیزوں کو قبیح تصور کرتے تھے، ان میں سے جھوٹ بولنا بھی ہے۔ اہل علم نے بیان کیا کہ ایمان اور جھوٹ کا اجتماع ناممکن ہے کیونکہ ایمان کی بنیاد صدق ہے اور نفاق کی جڑ جھوٹ ہے۔

بیشتر احادیث شریفہ میں امت کو جھوٹ کی قباحت سے ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔ چند احادیث کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

مشہور حدیث ہے عبداللہ بن عمرو راوی ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا: چار خصلتیں جن میں پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، عہد کرے تو بیوفائی کرے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے جھگڑا کرے تو گالی بکے (۱)

حسن بن علی سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: مشکوک چیز کو چھوڑ دو کیونکہ جھوٹ میں شک ہے، اور سچائی میں یقین اور اطمینان ہے۔ (۲)

---

(۱) بخاری مع فتح الباری (۱/۸۹) کتاب الایمان، مسلم (۱/۷۸) کتاب الایمان

(۲) ترمذی (۴/۶۶۸) کتاب صفۃ القیامۃ باب (۶۰) نسائی (۸/۳۲۷ - ۳۲۸) کتاب الاشربہ۔

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: سچائی کو لازم پکڑو کہ وہ جنت کی طرف لیجانے والی ہے، آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالی کے نزدیک سچا لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے پرہیز کرو کیونکہ جھوٹ جہنم کی راہ دکھانے والا ہے۔ آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے تاآنکہ اللہ تعالی کے نزدیک جھوٹا لکھدیا جاتا ہے۔ (۱)

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند عورتیں جمع تھیں، آپ نے ان کے سامنے دودھ پیش فرمایا، ان عورتوں نے اس کے پینے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا بھوک اور جھوٹ اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ (۲)

ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث منقول ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالی تین قسم کے لوگوں سے کلام نہیں فرمائیگا (ابو معاویہ نے کہا اور نہ ہی ان کے طرف دیکھے گا) اور تزکیہ فرمائے گا، بلکہ ان کو عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، جھوٹا بادشاہ، بوڑھا زانی، اور مغرور محتاج شخص (۳) ایک حدیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ بچے کو اگر کچھ دینے کیلئے بلایا جائے، اور بلا کر نہ کچھ دیا جائے، تو یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے۔

نتیجہ کے طور پر معلوم ہوا کہ ۱۔ جھوٹ نفاق کی علامت ہے۔ ۲۔ چھوٹے اور بڑے میں جھوٹ کی تفریق نہیں۔ ۳۔ جھوٹا بادشاہ قیامت کے دن اللہ تعالی سے ہمکلام ہونے سے محروم رہے گا، اس کے دیدار سے بھی محروم رہے گا۔ ۴۔ جھوٹ میں اضطراب ہے اور سچائی میں سکون ہے۔ ۵۔ جھوٹ باعث عذاب ہے۔ ۶۔ مومن شخص کو جھوٹ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

اپریل فول کی تقریب جو یقیناً یورپی ممالک سے ہم تک پہونچی، اور ہماری دل چسپی کا ذریعہ بنی، اس کے اپنانے میں اغیار کی تقلید اور تہذیبی مشابہت ہے۔ اس طرح سے بہت سے امور میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں رہتا، حالانکہ شریعت کے بہت ایسے مسائل ہیں جن میں غیروں سے مشابہت اختیار کرنے سے شدت کے ساتھ

---

(۱) بخاری مع الفتح (۱۰/۵۰۷) کتاب الادب، مسلم ۴/۲۰۱۳

(۲) مسند احمد (۶/۴۳۸) تخریج احیاء علوم الدین (۳/۱۴۱) آداب الزفاف ص ۱۹

(۳) مسلم (۱/۱۰۳) کتاب الایمان

(۴) ابوداؤد (۴/۲۲۸) کتاب الادب، مسند احمد (۲/۴۴۴) سلسلہ احادیث صحیحہ حدیث (۷۴۸)

منع فرمایا گیا ہے، اور بعض کاموں میں مخالفت کا حکم دیا گیا ہے جس کا وجود غیروں کی ثقافت میں ہو۔ اس غرض سے بعض ان احادیث کا بھی ترجمہ دیا جاتا ہے جن میں اغیار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے کا حکم دیا ہے، اور مغضوب وملعون قوم کی اتباع سے منع فرمایا ہے، اس مضمون کی بہت سی آیات و احادیث منقول ہیں۔

ولقد آتینا بنی اسرائیل الکتاب، و الحکم والنبوۃ ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی العالمین، وآتیناھم بینات من الأمر فما اختلفوا الا من بعد ماجاءھم العلم بغیا بینھم ان ربك یقضی بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون ثم جعلناك علی شریعۃ من الأمر فاتبعھا ولا تتبع أھواء الذین لا یعلمون۔ (الجاثیہ ۱۶-۱۸)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (ہدایت) اور حکومت و نبوت بخشی، اور پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں، اور اہل عالم پر فضیلت دی اور انکو دین کے بارے میں دلیلیں عطا کیں تو انہوں نے جو اختلاف کیا تو علم آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے کیا، بیشک تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے فیصلہ کرے گا، پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر قائم کردیا تو اسی (رستے) پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔

والذین آتیناھم الکتاب یفرحون بما انزل إلیك ومن الأحزاب من ینکر بعضہ قل إنما أمرت ان اعبد اللہ ولا اشرك بہ إلیہ ادعو وإلیہ مآب، وکذلك انزلناہ حکما عربیا، و لئن اتبعت أھواءھم بعد ما جاءك من العلم مالك من اللہ من ولی ولا واق۔

(الرعد: ۳۶-۳۷)

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کتاب سے جو تم پر نازل ہوئی ہے خوش ہوتے ہیں اور بعض فرقے اس کی بعض باتیں نہیں بھی مانتے۔ کہدو کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ خدا ہی کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ (کسی کو) شریک بناؤں، میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان نازل کیا اور اگر تم علم (ودانش) آنیکے بعد ان لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے چلوگے تو خدا کے سامنے کوئی نہ تمہارا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔

ولن ترضی عنك الیهود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتهم قل ان هدی الله هو الهدیٰ ولئن اتبعت اهواءهم بعد الذی جاءك من العلم ما لك من الله من ولی ولا نصیر۔ (البقرة : ۱۲۰)

اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو۔ (ان سے) کہہ دو کہ خدا کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے اور (اے پیغمبر) اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحی خدا) کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو (عذاب) خدا سے بچانیوالا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ راہبانہ لباس سے پرہیز کرو، جو شخص اس قسم کا لباس استعمال کرے گا وہ میرے طریقہ سے خارج ہے۔ (۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ یہود ونصاری رنگین کپڑا نہیں استعمال کرتے لہذا تم انکی مخالفت کرو۔(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں چھوٹی کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔ (۳)

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ نے مجھے دو زرد رنگ کے کپڑے میں ملبوس دیکھا تو فرمایا کہ یہ کافروں کا لباس ہے اسے استعمال نہ کرو۔ (۴)

مشہور حدیث کا ٹکڑا ہے من تشبه بقوم فهو منهم جس نے کسی قوم کی مشابہت (پہننے اوڑھنے یا تہذیب وثقافت میں) اپنائی تو وہ انہیں میں سے ہے، یعنی غیروں کے شعار کو اپنانے کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ہم نے خود کو دین وشریعت کے شعار سے الگ کر لیا۔

حضرت جابرؓ سے مرفوعا مروی ہے کہ نبی پاک نے فرمایا کہ یہودیوں کے سلام کا جواب مت دو کہ ان کا سلام

---

(۱) فتح الباری الحجاب ص ۹۳

(۲) بخاری مع الفتح (۱۰/۳۵۴) باب الخضاب، مسلم (۳/۱۶۶۳) اللباس والزینة۔

(۳) بخاری مع الفتح (۱۰/۳۴۹) اللباس، مسلم (۱/۱۲۲) کتاب الطہارة۔

(۴) مسلم (۳/۱۶۴۷) کتاب اللباس والزینة۔

ہتھیلی اور سر کے اشارہ سے ہوتا ہے۔ (۱) ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ مسلمان جب تک افطار میں جلدی کریں گے، دین کو غلبہ حاصل ہوگا، اس لئے کہ یہود و نصاریٰ اس میں تاخیر کرتے ہیں۔ (۲)

الغرض ایسی بہت سی آیات و احادیث آپ کو ملیں گی جن میں صراحۃً مسلمانوں کو دوسری قوموں کے طریقے اختیار کرنے اور ان کے ساتھ مشابہت اپنانے سے تاکیدی انداز میں منع کیا گیا ہے۔ خلاصہ کے طور پر معلوم ہوا کہ:

۱۔ جاہلوں کی اتباع سے روکا گیا، قرآن کی اصطلاح میں لا یعلمون کی پیروی ممنوع قرار دی گئی۔

۲۔ یہود و نصاریٰ کی مخالفت ان کے طریقے کی عدم پیروی میں ہے۔

۳۔ رہبانیت پسندوں کا لباس اختیار کرنے سے ممانعت۔

۴۔ کفار کی مشابہت کی مذمت کہ جو ان کے جیسا کرے گا اس کا شمار انہیں میں سے ہوگا۔

۵۔ ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھ کتروانے میں مشرکین کی مخالفت۔

۶۔ یہود و نصاریٰ کی مخالفت افطار میں جلدی کرنا۔

۷۔ ہتھیلیوں اور سروں کے اشارے سے سلام نہ کرنا کہ یہ یہودیوں کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

شریعت میں مزاح کی گنجائش

آپس میں گفتگو اور بات چیت کے ذریعہ خوش طبعی اور لطف اندوزی کا نام مزاح ہے، مگر اس بات کا خیال ملحوظ رہے کہ کسی کی شخصیت مجروح نہ ہونے پائے اور احترام مدنظر ہو۔

بلاشبہ کسی خاص قسم کے کام کو مستقل طور سے انجام دینے میں آدمی ملول خاطر اور اکتاہٹ محسوس کرتا ہے چنانچہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول رحمت کبھی کبھی اکتاہٹ دور کرنے کی غرض سے ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے

شریعت میں یہ بات عام ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا حق اس کے بندوں پر ہے ایسے ہی انسان کے اوپر اسکے جسم، آنکھ، آل اولاد اور اہل و عیال کا بھی حق ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ کیا میں اس بات کی خبر نہ دوں کہ تم رات کو قیام اور دن کو روزہ داری میں بسر کرو، میں نے

(۱) نسائی باسناد جید، فتح الباری (۱۱/۱۴)، مجمع الزوائد (۸/۳۸)

(۲) مسند احمد (۲/۴۵۰)، البانی المجاب (ص ۸۸)

کہا ضرور، آپ نے فرمایا: ایسامت کرو، قیام بھی کرو، سویا بھی کرو، روزہ بھی رکھو اور نہ بھی رکھو، اسلئے کہ تمہارے جسم، آنکھ، آل واولاد اور بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ (۱)

لہذا جسطرح انسان کو اپنے طریقۂ کار اور منہج حیات میں اعتدال کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ویسے ہی یہ بھی لازم ہے کہ اپنے قلب وجگر کو آرام وراحت کا موقع دیا جائے۔ حضرت حنظلہ نے ایک مرتبہ نبی معصوم سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو آپ کی نصیحتوں سے جنت ودوزخ کا منظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے مگر جیسے ہی آپ سے جدا ہوتے ہیں تو بیوی بچوں میں ایسا مشغول ہوجاتے ہیں کہ یہ سب نصیحتیں ہم سے اوجھل ہوجاتی ہیں، آپ نے فرمایا: قسم بخدا اے حنظلہ! اگر تم لوگ ہمیشہ ذکر واذکار اور یاد الہٰی میں مشغول رہو تو فرشتے تمہاری آرامگاہ اور راستوں میں تم سے بڑھ کر مصافحہ کرتے، مگر اے حنظلہ وقفہ وقفہ سے خدا کا ذکر کیا کرو، اس بات کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ (۲)

علماء نے بیان فرمایا کہ جس طرح مسلسل مشغولیت سے جسم اکتا جاتا ہے، اسی طرح دل بھی اکتاہٹ محسوس کرتا ہے، اسی وجہ سے جائز اور مشروع مذاق سے دوسروں کا دل لطف اندوز ہوتا ہے، آپس میں محبت والفت صلہ رحمی اور فرحت ونشاط کو جلا ملتی ہے۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مقامات میں اس قسم کی باتیں منقول ہیں۔

طنز ومزاح کے سلسلہ میں مناسب بات یہ ہے کہ سچائی کا پہلو اوجھل نہ ہونے پائے، اس سلسلہ میں کُل عربی سے جتنی بھی حدیثیں مروی ہیں، آپ کو یہ پہلو ہر جگہ اجاگر نظر آئے گا، اور آپ نے جو بات بھی مذاق کے طور پر کہی جھوٹ اور اختراع سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ چنانچہ حضور اکرم نے فرمایا کہ میں وسط جنت میں ان لوگوں کا سردار رہوں گا جنہوں نے جھوٹ کو ترک کر دیا اگرچہ یہ جھوٹ مذاق ہی کیوں نہ رہا ہو۔ ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو لوگوں سے جھوٹی باتیں محض اس لئے کرتا ہے کہ لوگ ہنسیں، ہلاکت ہے، ہلاکت ہے۔

---

(۱) بخاری مع الفتح (۱۰/ ۵۳۱) کتاب الادب، مسلم (۲/ ۸۱۲) کتاب الصیام

(۲) مسلم (۴/ ۲۱۰۶) کتاب التوبۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مذاق کی کیفیت

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس حال میں کہ آپ کے پاس روٹی اور کھجور تھا، آپ نے فرمایا: لو کھاؤ، میں کھجور کھانے لگا، تو آپ نے فرمایا: کھجور کھاتے ہو؟ اس حال میں کہ تم کو آشوب چشم لاحق ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں دوسری طرف سے کھاتا ہوں، تو آپ مسکرا دیئے۔ (۱)

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ مجھے سواری دیجئے، آپ نے فرمایا، میں تمہیں اونٹنی کے بچے کی سواری کراؤنگا، اس شخص نے عرض کیا، اونٹنی کے بچے پر کیسے سواری کرونگا، آپ نے کہا ہر اونٹنی تو بچہ ہی ہے کسی نہ کسی اونٹنی کا۔ (۲)

حضرت حسن سے مروی ہے کہ ایک بڑھیا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ میرے لئے جنت کی دعا کر دیجئے، آپ نے فرمایا کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی، بڑھیا یہ سن کر رونے لگی تو آپ نے فرمایا: میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بڑھیا بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی (۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إنا أنشأناهن إنشاءً فجعلناهن أبكارًا، عربا اترابًا۔ (الواقعة ۳۵-۳۷)

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی خوش طبعی کے لئے عبداللہ، عبیداللہ، اور کثیر بن عباس (یہ لوگ ابھی بچے تھے) سے کہتے کہ جو میرے پاس آئے گا اس کو یہ چیز ملے گی، چنانچہ یہ لوگ دوڑ کر آپ کے پاس جاتے کوئی آپ کی پیٹھ پر گرتا تو کوئی سینے پر، آپ ان کو چومتے، اور گود لیتے۔ (۴)

حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک حضرت حسین کے سامنے نکالتے تو وہ زبان کی سرخی کو دیکھ کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آتے۔ (۵)

---

(۱) ابن ماجہ (۲/۱۱۳۹) کتاب الطب، الاحیاء (۳/۱۳۰)
(۲) ابوداؤد (۴/۳۰۰) کتاب الادب، ترمذی (۴/۳۵۷) شمائل ترمذی (۲/۳۵)
(۳) ترمذی فی الشمائل (۲/۳۸-۳۹) ابن جوزی کتاب الوفا ص (۴۳۵) غایۃ المرام حدیث نمبر (۳۷۵)
(۴) مسند احمد (۱/۲۱۴) مجمع الزوائد (۹/۱۷)
(۵) شرح السنۃ للبغوی (۱۳/۱۸۰) سلسلۃ احادیث صحیحہ حدیث نمبر (۷۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ لوگوں نے نبیؐ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ ہم سے دل لگی کرتے ہیں تو آپ نے
یا ہاں، مگر میں صرف سچ اور حق بات کہتا ہوں(۱) اور یہ واقعہ معروف ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنے ایک سفر کا واقعہ بیان
تی ہیں ابھی وہ بچی تھیں اور نہایت چست اور پھرتیلی تھیں کہ آپ لوگوں سے دوڑ میں مسابقت کے لئے کہتے اور لوگ دوڑ
اتے پھر مجھ سے اور رسول اللہؐ سے مسابقت ہوتی، تو میں آپ سے آگے نکل گئی، لیکن جب میرا بدن بھاری ہوگیا تو
ں آپ سے مسابقت میں پیچھے رہ گئی، اس پر آپ ہنسنے لگے اور فرمایا یہ اس مقابلہ کا بدلہ ہوگیا۔ (۲)
انس بن مالک کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی مذاقاً دوکان والے کہہ کر پکارتے، (حالانکہ سب کے دو کان ہوتے ہیں)(۳)
ان تمام واقعات کو آپ پڑھ جایئے کہیں بھی آپ کو خلاف حقیقت بات نہیں ملے گی۔ معلوم ہوا کہ شریعت نے جائز حدود
ں رہ کر خوش طبعی، اور ہنسی مذاق کی اجازت دی ہے، اسلام کوئی خشک مذہب نہیں ہے۔

اشاروں میں بات کرنے کا حکم

لطافت وخوش طبعی کے ضمن میں تعریض وکنایہ بھی داخل ہے اس سلسلہ میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ خوش مزاجی اور دوسرے
ے دلوں کو بہلانے کی غرض سے اشارہ وکنایہ میں کچھ کہنا مباح اور جائز ہے، لیکن اگر کسی کو ایذارسانی، ظلم، حق کو
طل اور باطل کو حق ثابت کرنا مقصود ہو تو بلاشبہ یہ ناجائز ہے، اس کے برخلاف حصول حق، یا ظلم سے نجات
اصل کرنے کی غرض سے اشاروں میں کوئی بات کہہ دی جائے تو مباح ہے، لیکن ان جائز امور میں یہ بھی ملحوظ رہنا
اہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہونے پائے، اور طنز ومزاح میں کثرت بھی نہ ہونے پائے کہ زیادہ ہنسنا دل کو
ردہ کردیتا ہے اور مؤمن کے وقار کو مجروح کرتا ہے۔ مختصراً ہنسی اور مذاق کی کثرت درج ذیل امور میں فساد کا
موجب بنتی ہے۔

باقی ص ۴۶ پر

(۱) ترمذی (۴/۳۵۷) فی البر والصلۃ، الأدب المفرد باب المزاح ص (۱۰۳) مجمع الزوائد (۹/۱۷)
(۲) مسند احمد (۶/۲۶۴) ابوداود (۳/۳۰۴) کتاب الجہاد، ابن ماجہ (۱/۶۳۶) کتاب النکاح،
تحفۃ الأشراف (۱۲/۱۵۱) حدیث نمبر (۱۶۹۲۷، ۱۷۷۷۶)
(۳) ترمذی (۴/۳۵۸) فی البر والصلۃ، ابوداود (۴/۳۰۱) کتاب الأدب،
شرح السنۃ للبغوی (۱۳/۱۸۲)

حمد وثنائے کبریا

پروفیسر حفیظ بنارسی

یہ مہرِ تاباں، یہ ماہ و اختر — یہ گلستاں کے خوش رنگ منظر
یہ دشت و دریا یہ لعل و گوہر — سب ہیں خدا کی قدرت کے مظہر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

شام سیہ ہو، یا صبح صادق — وہ سب کا مالک وہ سب کا خالق
سب کا وہ رب ہے وہ سبکا رازق — دامن پسارے سب اس کے دَر پر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

کالی گھٹا ہو، ٹھنڈی ہوا ہو — صحنِ چمن ہو، مہکی فضا ہو
یا کوئی مُرغِ شیریں نوا ہو — تسبیح اس کی سب کی زباں پر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

ہے عرش اسی کا کرسی اسی کی — وہ بادشہ ہے، شاہی اسی کی
چلتی ہے سب پر مرضی اسی کی — اس کا نہیں ہے کوئی بھی ہمسر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

زیبا اسی کو ہر اک بڑائی — شایاں اسی کے ہر کبریائی
ہاتھوں میں اس کے ساری بھلائی — وہ مالکِ کل، مختارِ محشر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

دنیا ہے اس کے آگے سوالی بھرتا ہے سب کا وہ جیب خالی
دربار اسی کا ہے سب سے عالی محتاج اس کے پیر و پیمبر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

ہستی اسی کی ہے جاودانی اس کے علاوہ ہر چیز فانی
اس کا نہیں ہے کوئی بھی ثانی وہ سب کا یاور وہ سب کا داور
اللہ اکبر، اللہ اکبر

پوجو اسی کو مانگو اسی سے ہر اک بھلائی چاہو اسی سے
ساری امیدیں رکھو اسی سے سر کو جھکا دُ صرف اس کے در پر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

پھر مسکرائے خوشیوں کا موسم آئے سویرا گذرے شبِ غم
فرمان اس کا مانیں اگر ہم بن جائے اپنا بگڑا مقدّر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

داعیانِ حق کی حق گوئی ایک لائقِ تقلید عمل

مولانا شکیل احمد اثری / استاذ جامعہ ابن تیمیہ بہار

بلاشبہ یہ امتیازی خصوصیت صرف اور صرف مذہب اسلام، دین متین ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اگر ایک طرف اپنے متبعین، پیروکاروں کو صالح، مخلص، نیک نیت، دین مخالف سرگرمیوں کے مقابل مرد آہن، اوامر و نواہی کا مکمل پابند اسلام کا بطل جلیل اور مرد مجاہد دیکھنا چاہا ہے تو دوسری جانب پوری کائنات انسانی کی صلاح و فلاح کا پاس و خیال رکھتے ہوئے باطل افکار و نظریات کے لئے سم قاتل، سماج مخالف عناصر کے مقابل سینہ سپر، فرق باطلہ کے لئے زہر ہلاہل اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دعوت الی اللہ کا پابند عہد، اصلاح و سدھار کا کامل محرک، بلکہ مستقل چلتا پھرتا مبلغ و داعی دیکھنا چاہا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر"[1] یعنی خیر امت، امت محمد کی تخلیق ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خاطر ہوئی ہے، اس راہ میں جگر گوشہ آمنہ، نوید مسیحا ختم الرسل، نبی اقدس کی حدیث: ان الدال علی الخیر کفاعلہ[2] یعنی سب بھلائی کی طرف بلانے والے کو بعینہ نیک کام کرنے والے کی طرح ثواب ملے گا۔ البتہ نیکوکار کے ثواب سے کچھ کم بھی نہ ہوگا مہمیز کا کام کرتی ہے۔ دین متین کا یہی قیمتی انمول، بے مثال اور قابل صد رشک نظریہ اجارت و اثابت ہے جس کی حرص، لالچ میں مومن بندے انعام و اکرام خداوندی کی زیادہ سے زیادہ ذخیرہ اندوزی کے پیش نظر اوامر و نواہی کی تبلیغ و اشاعت میں ہمہ دم آشفتہ سر نظر آتے ہیں، انہیں ہر لمحہ یہی فکر دامن گیر رہتی ہے کہ روئے زمین پر فتنہ، فساد، اختلاف و انتشار، دین بیزاری و اخلاق سوزی، اور فاسد اعمال و افکار کے بجائے، اصلاح و سدھار، اتفاق و اتحاد، خدا پرستی و حسن اخلاق اور صالح اعمال و کردار کا دور دورہ ہو۔ دنیا امن و سکون اور راحت و طمانیت کا منبع و مرکز

---

[1] آل عمران پارہ ۴ آیت ۱۱۰۔ [2] رواہ الترمذی فی باب العلم وقال ھذا حدیث غریب۔

بن جائے دعوت و تبلیغ کی راہ میں اللہ کے نیک بندوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اول اول اپنی اصلاح کریں، پھر دعوت الی اللہ کی ذمہ داری سے سبکدوشی کے خاطر اپنی اولاد، گھر، پڑوس، اور قبیلہ کی طرف قدم بڑھائیں، جیساکہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے: "یاایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا"[1] یعنی اپنے اور اپنی اولاد کو نار جہنم سے بچاؤ" اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی بطور آئیڈیل موجود ہے، دعوت و ارشاد کی اس کٹھن اور دشوار گذار راہ میں مومن کی خاطر بسا اوقات امتحان کی گھڑیاں آتی ہیں۔ پورا معاشرہ بلکہ پوری دنیا کبھی کبھی ایک مسئلہ میں غلط بے بنیاد اور فساد انگیز راہ پر لگ جاتی ہے بلاشبہ اس قسم کے مواقع امت مسلمہ کے لئے سنگین ہوا کرتے ہیں۔

اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چند غیر حقیقت پسند اللہ کے مومن بندوں کا ایمان ایسے موقعوں پر متنزلزل ہونے لگتا ہے، وہ حالات سے تال میل کرنے کی فکر میں لیت و لعل کے شکار ہوجاتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ دور حاضر کے مسلم ممالک اور مسلم لیڈران کا ہے حالانکہ اس طرح کی حرکتیں اسلامی روح کے منافی، تاریخ اسلامی کے مخالف اور دین حنیف کے مبداء و ماخذ، قرآن و سنت کے ارشادات و فرامین سے یکسر خلاف ہیں ہماری تخلیق تو ہوئی ہی اس لئے تھی کہ گم گشتہ راہ انسانیت کو اس کے حقیقی منزل سے آشنا کرکے ان کے بیچ رائج غیر فطری اعمال و افکار سے ہم انھیں باخبر کریں۔ قرون ثلاثہ مشہود لہا الخیر کی پوری تاریخ اس پر شاہد عدل ہے کہ امت مسلمہ کے اس فرض منصبی کی ادائیگی کا سبب ہی تو تھا کہ ابتدائی ادوار میں سسکتی، بلکتی و بربریت کی چکی میں پستی دنیا میں امن و سکون کا شگفتہ پھول کھلا، ہر چہار جانب اسلامی تعلیمات کا جال بچھ گیا لیکن جوں جوں داعیان اسلام نے اپنے فرض منصبی، دعوت الی اللہ اور اس راہ میں جرأت و پامردی، حق گوئی و بے باکی سے گریز اور اپنے پرائے، قریب و بعید اور دوسرے خود ساختہ معیاروں کی بنیاد پر امتیازی سلوک روا رکھنا شروع کئے۔ ویسے ہی ویسے اسلام کے موسم بہار پر خزاں کا غلبہ ہوتا گیا، مفسرین کی کثیر تعداد موقع بموقعہ اس عالم فانی میں رونما ہوتی گئی، خود گلستان اسلام میں ایسے زہر آلود کڑوے درخت نکلے جن کے پھل تلخ اور پتیاں مضر تھیں، اس سے پورا چمنستان اسلام متاثر ہوا، حالات بگڑتے گئے، پھر ایسے مومن بندوں کی تعداد بھی کم رہی جو ان باطل مفسد شخصیتوں کا بلاخوف و تامل دندان شکن جواب دیتے، حالانکہ اللہ کے نبیؐ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا تھا: "قل الحق ولو کان مراً" یعنی حق بات کہو گرچہ تلخ و کڑوی ہی کیوں نہ ہو، خود اللہ جل شانہ سورہ احزاب کے اندر اپنے تعلق سے بیان فرماتا ہے: "واللہ لایستحیی من الحق۔"[2] یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ حق سے نہیں شرماتا۔

---

[1] سورۃ التحریم۔ پارہ ۲۸ آیت ۶۔ [2] الأحزاب پارہ ۲۲ آیت ۵۳۔

دعوت الی اللہ کی عظیم کٹھن راہوں میں بلا تفکر و تامل کود پڑنے پر جہاں مذکورہ نصوص داعیہ بنتے ہیں وہیں یہ حدیث "افضل الجہاد ان تقولوا الحق عند ملک جائر" یعنی افضل جہاد ظالم کے روبرو حق بات کہنا اور بیان کرنا ہے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

بہرحال اس سے انکار کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی کہ مذکورہ نصوص اور اس کے تحت بیان کردہ داعیان کتاب و سنت کی ذمہ داریاں، اجر و ثواب، اور اسکے پوری جرأت و بے باکی سخت جانی و محنت کشی، تن دہی، اور دلجمعی کے ساتھ مومن بندوں کا مشغول و مصروف رہنا ہی وہ بنیادی احکام و فرامین ہیں جن کی متابعت و پیروی میں ابتداء اسلام سے ہی ایک جماعت کفن بردوش، سرفروش، مجاہدین اور "اَیُنقص الدین وانا حی" کے جذبہ سے سرشار ہر وقت اور ہر زمانے میں ملتی رہی جس نے بلا خوف لومۃ لائم اسلام مخالف نعروں کا دندان شکن داخلی و خارجی حملوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اور ایسا ہو بھی کیوں نہ جب کہ صادق و مصدوق، صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا: "لا تزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرہم من خالفہم"[1] یعنی ہر دور میں بلاشبہ ہماری امت میں ایک گروہ ایسا باقی رہے گا جو حق پر غالب رہے گا۔

یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس حق بردار، حق گو، حق صفت اور عامل بالحق گروہ کے افراد نے ایک طرف اگر داخلی یلغار و حملوں کا مثبت جواب دیا تو دوسری جانب سلاطین وقت کے درباروں میں اسلام کی دعوت و ترجمانی میں صدائے حق بلند کی، حکومتی پیمانہ پر کی جانے والی سازشوں، اور اسلام مخالف ہتھکنڈوں کا بھی پامردی و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا کمال یہ کہ ان مردان حق گو اور جانباز سپاہیوں نے اس راہ میں پہونچنے والی اپنی ہر مصیبت و تکلیف کو گل گلزار سمجھ کر جھیلا، برداشت کیا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں تک کے جملہ انبیاء و رسل نے دراصل دعوت الی اللہ کی راہ میں ثبات قدمی، اولوالعزمی، اور حق گوئی و بیباکی کا جذبۂ بے مثال پیش کر کے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کیا۔ بلاشبہ یہ نفوس قدسیہ حقیقۃً اسلام دشمن فضا و ماحول میں جلوہ گر ہوئیں۔ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش کے وقت پوری دنیا ظلم و عدوان تمرد و طغیان، عناد و سرکشی، یا اس جیسے دیگر انسانیت سوز جرائم کی پرستار تھی اللہ کے نیک بندے جن کو اللہ تعالیٰ بعد از ابتلاء و آزمائش بمعیار نبوت و رسالت کے خاطر منتخب کیا تھا، فرعون و نمرود اور اس جیسے ظالم و جابر انسانیت دشمن بادشاہ یا خود اپنی

---

[1] رواہ ابوداود فی کتاب الفتن ومسلم فی الفتن۔

ملعون قوم کے گھر گھر توحید کی صدا پہونچائی انہیں " إنما إلٰهكم إلٰه واحد "[1] کا درس بے مثال دیا۔ نتیجۃً ظلم وستم کی عبرتناک گھڑیوں سے گذرنا پڑا لیکن اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوشی اور غلبہ دین الٰہی کے جذبہ سے سرشار اللہ کے یہ نیک بندے تادم حیات باطل اقوام وظالم حکمرانوں سے مقابلہ کرتے رہتے۔ انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور خصوصاً نبی آخر الزماں علیہم السلام والتسلیم جن کو نازک ترین، الم انگیز مخالف ماحول میں دعوتی فرائض انجام دیتے ہوئے بے باکی و حق گوئی کا جو بادۂ تلخ رنگ نوش کرنا پڑا تاریخ اسلام کے سینوں میں آج بھی محفوظ ہے۔ میخانۂ رسالت کے بادہ خوار نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت میمنت لزوم سے شرفیاب، اشارۂ رسول پر مٹنے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کردار بھی اس راہ میں سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب ابوذر غفاری جعفر بن ابی طالب، مغیرہ بن شعبہ، بلال حبشی، صہیب رومی، اور ان جیسے دوسرے دیگر اجلہ صحابہ دعوت الٰہی کے ساتھ ساتھ آسمان حق گوئی وحق بیانی کے وہ تابندہ و درخشندہ ستارے ہیں جن کی ضیاباریوں سے آج بھی اسلامی تاریخ روشن ہے۔ بعد کے ادوار میں سینکڑوں بے گناہوں کے قاتل حجاج بن یوسف کے سامنے تابعی سعید بن جبیر کا علم حق بلند کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیتے ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا طلاق مکرہ کے معاملہ میں دروں اور کوڑوں کی ضرب کھانے کے باوجود بادشاہ وقت کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکنا، مامون کے دور میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا خلق قرآن کے مسئلہ میں لاکھ مخالفتوں اور زدوکوب کے باوجود صبر آزما موقع پر اپنے تئیں مستعد ومستقل رہنا، دعوت وارشاد کی راہوں میں ان اولو العزم مجاہدین اور رہا الصفت بندگان خدا کا حمایت حق اور ابطال باطل کی راہ میں جاری رہنا ایسی ان کے پابندی حق کی علمی وعملی دلیل ہے جسے آج بھی امت مسلمہ کے غیور، جری اور رعالات سے بے جا تال میل کرنے والے مسلم لیڈران کو عبرت حاصل کرتے ہوئے بزبان قال وحال یہ شعر پڑھنا چاہیئے۔

آئین جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

"لكل فرعون موسىٰ" کے ابدی، الٰہی اصول کی روشنی میں بہرحال اس سے مفر نہیں کہ بلاشبہ رب ذو الجلال ہر دور میں ایسے فولاد صفت مؤمنین کو پیدا کرتا رہا ہے جنہوں نے دعوت دین کے لئے اگر ایک طرف اپنی قلمی جولانیاں تیز کیں تو دوسری طرف جہاد بھی کیا، کمال تو اللہ والوں کا یہ تھا کہ اس سلسلے میں کسی قسم کی مداہنت برتے بغیر حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے میں ان مردان حق گو نے اپنی دنیا

---

[1] سورۃ الانبیاء - آیت ۱۰۸ ۔

ِاخروی کامیابی کا راز مضمر سمجھا، اس قسم کی شخصیتوں میں علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی، شاہ لی اللہ، شاہ اسماعیل شہید، علامہ ثناء اللہ امرتسری، علامہ احسان الٰہی ظہیر، علامہ جمیل الرحمن شہید، صادقان صادقپور، اور ان کے مسفروں، دیگر اصحاب دعوت وعزیمت کے کارنامے سونے کے پانی سے لکھے جانے کے لائق ہیں، اور ان جیسے داعیان حق صفات اور ہم فکر فقاء کار کا نام سرفہرست ہے ـــ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مذکورہ دعاۃ الی اللہ نے دعوت کی راہ میں اپنی بساط بھر پامردی، جواں مردی، حق گوئی کا ثبوت فراہم کر کے دشمنان اسلام کا سر ہمہ وقت نیچا رکھا، اس راہ میں یہ لوگ کسی بھی جوابی حملے کا ادنی سی پاس وخیال رکھے اپنی کتاب وسنت سے مستفاد فکر پر ڈٹے اور جے رہے نتیجۃً انہیں دار ورسن کے منہ دیکھنے پڑے۔ ان پر زندگی تنگ کی گئی، انہیں پابند اسل بنایا گیا، لیکن لائق تقلید ہیں ان کی زندگیاں، دور حاضر کے نام نہاد مبلغین کے خاطر جو وقت کو ساتھ لیتے ہوئے مکائد وعیاز، باطلب، دین فروش شخصیات ممالک اور اقوام کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اسلاف کے امتیازی شان کو پامال کر کے نامراد ونا کام، یت کی جھولی میں گردن ڈالے ہوئے ہیں۔

الغرض سلف صالحین، شیدائیان کتاب وسنت، پاسداران حق کی زندگی کے بابرکت لمحات "باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم" لی تفسیر تھے، اللہ کے مقرب بندوں کے سامنے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث: "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فبلسانہ والا بقلبہ ذلک أضعف الایمان"۔ یعنی جو بھی منکر کو دیکھے اس کا یہ حق بنتا ہے کہ اسے قوت، زبان لم دل کے ذریعہ برا جان کر اس کا دفاع کرے، لیکن دل میں برا جاننا یہ ایمان کی کمزوری ہے، اس میں کوئی کلام نہیں کہ میخانۂ دعوت و اد کے بادہ خوار، ایمان ویقین کی دولت سے معمور اسلاف نے سابقہ حدیث کی روشنی میں اولاً باطل افکار ونظریات کے سامنے اپنے قوت تعمال کیا۔ بوقت ضرورت عملاً جہاد بالسیف سے بھی انہیں گذرنا پڑا۔ گویا دعوت دین کی راہ میں بلاخوف وخطر حق گوئی وحق بیانی کی ت ہے۔ جو دور حاضر میں کسی نہ کسی درجے کے داعیان کتاب وسنت سے یکسر چھوٹی ہوئی ہے اللہ ہمیں اس راہ میں اس عظیم صفت نصف ہونے کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین ـ

اِسلامی ادب میں مکتوبات

یہ مقالہ رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس منعقدہ ۱۷، ۱۸ر نومبر ۱۹۹۲ء کے لئے لکھا گیا تھا۔

از مولوی فضل الرحمٰن انصاری / ایڈیٹر بنکر پرو کتا، مئو

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی ادب کی میراث کی بقا و تحفظ کی جنگ لڑنے کے لئے یہ کانفرنس ایک ایسے پر آشوب اور فتنہ گرد ور میں منعقد ہو رہی ہے جب تقریباً سارا عالم ہر چہار جانب سے ملت اسلامیہ کو نرغے میں لینے کی سعی میں مصروف ہے، اور دنیا بھر کی قوت باطلہ کا ایک نیا وفاق بن رہا ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ عین اسی قسم کی سنگین گھڑی میں مؤمن کوئی تاریخ ساز کارنامہ انجام دے ڈالتا ہے اور اس کی یہ جد وجہد افضل جہاد کی فہرست میں شامل ہو جاتی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ خالق کائنات کی خصوصی نظر کرم اور بے پناہ رحمتوں اور نصرتوں کے سہارے ہماری یہ صدی یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے غلبے کی صدی ثابت ہو کر رہے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وقت اور عنوان کی مناسبت ملحوظ نہ رہتی تو میں آپ کو بتاتا کہ دنیا کی سب سے بڑی ملحد اور اسلام دشمن مملکت روس کے پرخچے کس طرح قدرت کے ایک ہی تازیانے میں اڑ گئے، اور کس طرح ایک بار پھر سیدنا حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سرزمین پر ایک ایک دروازے پر اسلام دستک دے رہا ہے، نیز دنیا کے دیگر مختلف خطوں میں اسلام ہزاروں اذیت اور جکڑ بندیوں کے باوجود کس طرح سر ابھار رہا ہے اور جسے دیکھ کر کس طرح وقت کے فرعونوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ رہے ہیں۔

اس موقع پر تو اللہ کے آخری اور مقدس ترین رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث پاک رہ رہ کر یاد آتی ہے جس میں آپ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ: "لا یبقی بیت مدر ولا دبر إلا دخل فیه الاسلام"۔

یعنی وہ وقت بھی آئے گا جب کوئی محل اور پھوس کا چھپر نہیں بچے گا جس میں اسلام داخل نہ ہو جائے۔

نبی آخرالزماں کی اس بشارت کی روشنی میں مجھے تو دورِ حاضر کی ہی تصویر نظر آرہی ہے، رہا ہر چہار جانب سے باطل قوتوں کا اسلام پسندوں پر ٹوٹ پڑنے کا سوال تو اس کا جواب وہ چراغ صبح ہی دے سکتا ہے جو اپنے بجھنے کے وقت بھڑک اٹھتا ہے۔

درحقیقت ادب اس اخلاقی ملکہ و مہارت کا نام ہے جس کے ذریعہ کوئی مقرر یا مؤلف اپنے کلمات کو ناشائستگی اور تحریر و تقریر کی خامیوں سے محفوظ رکھ سکے۔

گرامی قدر سامعین! یہ محض ہمارا نظریہ نہیں بلکہ عقیدہ و ایمان بھی ہے کہ دنیا میں جب بھی اور جہاں کہیں بھی ادب کے صحیح مفہوم کا تصور قائم ہوگا تو اس سے وہ مقدس ضابطۂ حیات ہی مراد ہوگا جس کا نام قرآن کریم ہے اور اس کے بعد اس مفہوم کا تمام تر مرجع و منبع اللہ کے آخری نبی کی وہ ذات ہوگی جس کے کندھوں پر ادب اسلامی کو پھیلانے اور رائج کرنے کا بوجھ ڈالا گیا تھا اور جسے آپ نے پورا کرکے دکھا بھی دیا۔

یہی وہ ادب تھا جس نے اقوام عالم کو انسانیت کی معراج عطا کی اور بنی نوع انسان کو لکھنے، پڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، بولنے چالنے، کھانے پینے، رہنے سہنے اور جینے مرنے تک کا ادب و سلیقہ سکھایا۔

میری ناقص عقل میں تو ادب اور اسلامی ادب کا یہی مفہوم ہے۔

ہمارے اس دور کے اکثر و بیشتر ادباء اور شعراء جو خوش قسمتی سے مسلمان تو ضرور ہیں لیکن انھیں جیسے اسلامی ادب سے ازلی عداوت ہے، اور وہ چند دنیاوی مفادات کے عوض اپنے ایمان و عقائد تک کو بیچ رہے ہیں۔

ہماری ٹریجڈی یہ ہے کہ ہمارے درمیان جو کوئی جس قدر دانشور اور ادیب ہوا اسی قدر وہ الحاد اور لادینیت کے قریب ہوا۔

قدیم شعراء عرب اور پھر دورِ حاضر کے متعدد مصنفین و مؤلفین اور سخنور حضرات کی جن تخلیقات کو لوگ ادبی تخلیقات کا نام دے رہے ہیں، دراصل وہ ادب نہیں بلکہ وہ مخرب اخلاق ہیں جنہوں نے سماج کو طرح طرح کی کثافت اور آلودگیوں سے پاٹ رکھا ہے۔

یہ لوگ ادب کے نام پر شراب و شباب اور حسن و جمال کی خدمت کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور جو ان سے کچھ دور ہٹ کر سوچتے ہیں بدقسمتی سے انہوں نے بھی ادب کو اپنی تجارت کا ذریعہ بنالیا ہے۔

یہ خوبی اور جمال تو محض اسلامی ادب میں ہے جس نے انسان کی دنیوی اخروی، اخلاقی اور سماجی تعمیر کا بیڑا اٹھایا ہے اور بڑے بڑے تاریخ ساز کارنامے انجام دے ڈالے جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، چنانچہ یہ مجلس مذاکرہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔

روم اور فارس کے سلاطین کے نام اس کائنات کے سب سے بڑے ادیب اور مصلح نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جو خطوط مکتوبات روانہ کئے تھے وہ آج بھی اسلامی ادب کے شاہکار نمونے ہیں جن میں آپ نے یہ مختصر سا جملہ مبارکہ لکھوا کر کہ: " أسلم تسلم " ایمان لاؤ تو ہر طرح کا سکون نصیب ہو جائے گا۔ ادب اسلامی کا وہ جوہر بکھیر دیا جس کی اگر تشریح کی جائے تو شاید پورے اسلامی ضوابط اور نظامِ حیات کا ذکر کرنا پڑے گا۔

اسلامی ادب یوں کہیے کہ اسلامی نظام معاشرت طرز بندگی اور طرز فکر کا دوسرا نام ہے جس کی بدولت صحابۂ کرام اور خود ہمارے اسلاف نے انسانیت کی ہر بگڑی ہوئی کل کو سیدھا کر کے دکھا دیا۔

خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر بن خطابؓ نے اسی ادب اسلامی کے ذریعہ اپنے دور خلافت میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا اور ذرہ برابر بھی کسی حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کو گوارہ نہیں کیا۔

اسلامی ادب کے یہ شاہکار کارنامے آج بھی تاریخ عالم کے صفحات پر ثبت ہیں اور جن کے بارے میں آزادیِ وطن کے عظیم ہیرو مہاتما گاندھی کو بھی اپنے اخبار " ہریجن " کی ۱۷/ جولائی ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ .... مجھے حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کی مثالیں پیش کرنے دیجئے، رام اور کرشن کو جانے دیجئے۔ جو اس دور کے نام ہیں، جب تاریخ کا وجود ہی نہیں تھا، اس لئے میں ان ناموں کو مثال کے طور پر نہیں پیش کر سکتا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ رانا پرتاب اور شیوا جی انتہائی سادہ زندگی گذارتے تھے، لیکن اس مسئلہ پر اختلاف ہو سکتا ہے کہ جب انھیں حکومت مل گئی تو انہوں نے کیا کیا لیکن پیغمبر اور حضرت ابو بکر و عمرؓ کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے ان کے قدموں پر دنیا کی دولت پڑی ہوئی تھی پھر بھی انہوں نے جو مشقتیں برداشت کیں، ان کے لحاظ سے تاریخ میں ان کا کوئی ثانی ملنا دشوار ہے۔

حضرت عمرؓ اپنے ماتحتوں کی یہ بات برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ انھیں دور دراز مقامات پر تعینات رہ کر موٹے کپڑے اور جو کی روٹی پر گذر نہ کرنا چاہیئے۔

یہ تھے گاندھی جی کے تاثرات جو ایک اسلامی خلیفہ کے بارے میں انہوں نے اپنی تحریر میں قائم کئے۔

گاندھی جی کے یہ جملے بھی بڑے ادیبانہ ہیں لیکن کیا آپ یہ نہیں محسوس کرتے کہ امیر المؤمنین کے کردار و عمل کے بارے میں گاندھی جی کے اِن تاثرات کا سلسلہ بھی بالواسطہ طور پر اسی ادب اسلامی سے جا ملتا ہے جس کا درس ان خلفائے راشدین کو اسلام کی عظیم الشان درسگاہ یعنی مجالسِ رسولؐ سے ملا تھا، یعنی اس سیرت کی تعمیر میں سب سے بڑا رول ادب اسلامی کا ہی تھا، کیونکہ ادب کا مطلب صرف الفاظ سازی نہیں بلکہ کردار سازی بھی ہے، چنانچہ جن ادب سے سیرت و کردار میں بگاڑ پیدا ہو وہ ہرگز ادب نہیں جا سکتا، اور وہ ادبی خدمات بھی قابل رد ہیں جن کو کچھ لوگوں نے اپنی سستی شہرت اور ناجائز دولت کمانے کا ذریعہ بنا لیا ہو۔

اسلام کی اصطلاح میں ایسے لوگ ادیب نہیں کہے جا سکتے بلکہ بے ادب ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب کے پاس ایک بار کسی مقام کے فتح ہو جانے کی خبر پہونچی تو آپ نے وہاں کے کمانڈر انچیف حضرت عتبہ کو ایک خط لکھا جس میں انھیں یہ ھدایت جاری کی گئی تھی کہ... مسلمانوں کو ظلم و ستم سے دور رکھنا اور ذمیوں کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کوئی زیادتی ہو جائے تو اہلِ ذمہ بھی کوئی زیادتی کر بیٹھیں۔

تمہیں اللہ نے جو کچھ دیا ہے، وفائے عہد کی وجہ سے دیا ہے، اور وفائے عہد کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا، اور ذمیوں کے حقوق ادا کرنے میں احکاماتِ الٰہیہ پر عمل کرنا، اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرتا رہے گا۔ (تاریخ ملت جلد دوم ص ۱۴۰)

انھیں اسلامی ستاروں کے ادب کی پیروی بعد کے خلفاء اور بہت سے مسلم حکمرانوں نے بھی کیا اور اسلامی آداب برت کر دنیا میں عدل و انصاف اور انسانیت کا جھنڈا بلند رکھا۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کو بدنام کرنے کے لئے اگرچہ انگریزوں نے بڑی گھناونی سازشیں رچائیں، اور انھیں ظالم اور ھندو کُش قرار دیا گیا، لیکن تاریخی حقائق پہ دھول ڈال دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

انھیں عالمگیرؒ نے اپنے حاکم بنارس ابوالحسن کے نام ایک خط ۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۰۶۵ھ میں تحریر فرمایا تھا جس میں یہ لکھا تھا کہ ہماری مقدس شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ جائز نہیں ہے کہ غیر مذاہب کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان پہونچے۔

میرے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ قدیم مندروں کے کچھ برہمنوں کو ان کے حقوق سے محروم کیا جارہا
ہے، لہذا ہرگز ایسا ہونا نہیں چاہئے ۔ (مسلمانوں کا عروج وزوال ص ۲۷۷)
غرضیکہ یہ ساری برکتیں اسلامی ادب کی ہی تھیں جن کے ترک کردینے کی ہمیں بھاری قیمت
کانی پڑی، اوراب جب کہ پھر اس کے احیاء کی تحریک تیز ہونے جارہی ہے تو پھر یوں سمجھئے کہ یہ تاریک
دنیا جہاں ایک بار پھر اسلام کے نور سے جگمگا جائے گی، وہیں ساری ملت اسلامیہ اور عالم اسلام
کی قسمت کا ستارہ بھی پھر چمک اٹھے گا، انشاءاللہ العالمین ۔

بقیہ ص۳۴ کا

۱ ۔ ذکراللہ سے بے اعتنائی ولاپرواہی ۔
۲ ۔ دینی امور میں غوروفکر سے دوری ۔
۳ ۔ سخت دلی ۔
۴ ۔ بغض وکینہ کا پیدا ہونا اگر مذاق سے تذلیل مقصود ہو ۔
۵ ۔ وقار اور شخصیت کا مجروح ہونا ۔
۶ ۔ زیادہ ہنسی سے ذکراللہ سے لاپرواہی اور دل میں شقاوت پیدا ہوتی ہے ۔
۷ ۔ مذاق کرنے والے سے لوگوں کا اعتماد ختم ہوجاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو جھوٹ سے دور رہنے اور سچائی کو اپنانے کی بیش از بیش توفیق بخشے،
ور اسے اخروی نجات کا ذریعہ اور سبب بنائے ، آمین ۔

باب الفتاویٰ

تلاعب بالدین

(طلاق بحالتِ نشہ)

سے متعلق ایک استفسار اور اس کا جواب

انتخاب
محمد مستقیم سلفی

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ ہندہ کو پانچ شاہد کی موجودگی میں حالت نشہ میں طلاق دی، اب ان شاہدین میں دو کا بیان یہ ہے کہ زید نے تین بار طلاق دی، دو بار بیٹھ کر اور ایک بار کھڑے ہوکر، اور تین شاہد کا یہ بیان ہے کہ زید نے اپنی منکوحہ ہندہ کو دو بار طلاق دی، ان تین شاہدین میں ایک شاہد کا اتنا اور بیان ہے کہ دو بار طلاق دینے کے بعد زید مہر کا روپیہ اور عدت کا خرچ نکال کر مجھ دینے لگا کہ ہندہ کو دیدو اور لواجاؤ اب یہاں نہیں رہ سکتی بات ختم ہے اور اب چھٹی ہے، زید کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار طلاق دی ہے، تو از روئے شرع شریف ہندہ کو کتنی طلاق واقع ہوگی، بینوا توجروا۔

المستفتی

عبدالمجید، ساکن ابراہیم پور دکھن کا پورہ، ڈاکخانہ محمد آباد گوہنہ
ضلع، اعظمگڈھ، مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۵۳ء

الجواب : بسم اللہ الرحمن الرحیم

حنفی مذہب کی رو سے زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں پڑ گئیں، اب دوبارہ نکاح میں لانے کے لیئے حلالہ کے سوا اور کوئی درت نہیں ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ سوال کسی حنفی عالم کے بجائے میرے پاس بھیجا گیا ہے، لیکن سائل کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اہلحدیث مذہب کوئی کھلونا نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ یہ قصہ رمضان شریف کا ہے، بھلا جو شخص اتنا بے غیرت ہو کہ رمضان شریف جیسے مقدس مہینہ کی کھلی ہوئی بے حرمتی کرے، اتنا ہی نہیں کہ کسی شرعی عذر کے بغیر روزہ چھوڑ دے بلکہ تاڑی جیسی حرام چیز استعمال کر کے بدمست بنا ہے اور اسی بدمستی میں کسی شرعی ضرورت کے بغیر طلاق جیسی مبغوض چیز کا ارتکاب کرے، اور جب اس کے نتیجہ میں بیوی ہاتھ سے نکلتی نظر آئے تو اہلحدیث عالم کے یہاں دوڑے...... ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سوال کا مقصد شریعت کی اتباع نہیں ہے بلکہ اپنی نامعقول حرکتوں پر پردہ ڈالنا اور بیوی حاصل کرنے کے لیے اہلحدیث کے فتویٰ کو آڑ بنانا مقصود ہے۔

ں ایسے شخص کو ہرگز رجوع کرنے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، اور نہ اس کے لیے اہلحدیث کے مذہب کے مطابق رجوع کرنا جائز ہے، اہلحدیث مذہب متبعین حدیث کے لیے ہے، نہ کہ نفس کے بندوں، خواہش کے پجاریوں اور غرض کے متوالوں کے لیے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کی سخت مذمت فرمائی ہے اور محض اپنی خواہش کے مطابق فتووں پر عمل کرنے کو تلاعب بالدین قرار دیا ہے اور اسے باجماع امت ناجائز بتایا ہے، چنانچہ ایک فتویٰ کے ذیل میں لکھتے ہیں :

" وهؤلاء المطلقون لا يفكرون في فساد النكاح بفسق الولي الا عند الطلاق الثلاث لا عند الاستمتاع والتوارث يكونون في وقت يقلدون من يفسده وفي وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهوى ومثل هذا لا يجوز باتفاق الامة " پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں : ولو كان المستفتي المعين انا لم اكن اعرف ذلك وانا اليوم التزم ذلك لم يكن من ذلك لان ذلك يفتح باب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة الى ان يكون التحليل والتحريم بحسب الاهواء" (فتاوی ابن تیمیہ ص۲۴۰ ج۲ و ص۲۴۱ ج۲)

حنفی مذہب میں تو ایسے شخص کی شہادت مقبول نہیں ہے جو اپنی غرض کے لیے مذہب بدل دے : وان انتقل اليه لقلة مبالاته في الاعتقادات والجراءة على الانتقال من مذهب الى مذهب كما يتفق له ويميل طبعه اليه لغرض يحصل له فانه لا تقبل شهادته (شامی ص۳۲۲ ج۴) - والله أعلم بالصواب۔

کتبہ

نذیر احمد رحمانی مدرس اول جامعہ رحمانیہ مدنپورہ، بنارس

۱۳ ذی قعدہ ۱۳۷۲ھ

ماہنامہ

بنارس

شمارہ ۶،۵	مئی، جون ۱۹۹۳ء	ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ	جلد ۱۱

معیاری صحافت کانفرنس

جامعہ سلفیہ بنارس

کا

خصوصی شمارہ

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

سالانہ ۴۵ روپئے۔ فی پرچہ ۴ روپئے۔ اس شمارہ کی قیمت ۸ روپئے

اس شمارہ میں

۱۔ درس قرآن	مولانا اصغر علی سلفی	۳
۲۔ درس حدیث	" " "	۵
۳۔ افتتاحیہ	مدیر	۷
۴۔ جامعہ سلفیہ میں معیاری صحافت کانفرنس کا انعقاد		۱۳
۵۔ معیاری صحافت کانفرنس کے چند بنیادی مقاصد		۱۴
۶۔ صحافت کانفرنس کے لئے قابل غور نقاط		۱۵
۷۔ جامعہ سلفیہ بنارس میں دو روزہ صحافتی مذاکرہ علمیہ		۱۶
۸۔ دور حاضر میں اخبارات و رسائل کی ضرورت اور مدیران جرائد کی ذمہ داریاں	مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری	۲۰
۹۔ ملک کی موجودہ صحافت کا سرسری جائزہ	مولانا محمد رئیس ندوی	۳۰
۱۰۔ مسلم صحافت سے متعلق مجلس مذاکرہ منعقدہ جامعہ سلفیہ بنارس	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری	۳۶
۱۱۔ ذرائع ابلاغ میں صحافت کی اہمیت	ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری	۴۵
۱۲۔ برصغیر ہند و پاک میں جماعت اہلحدیث کی صحافت کی تاریخ	مولانا محمد مستقیم سلفی	۵۷
۱۳۔ جماعتی اخبارات و رسائل و مجلات کے مابین ہم آہنگی کی اہمیت اور اسکے مسائل	مولانا عزیز الرحمن سلفی	۸۸
۱۴۔ ملکی اسلامی صحافت، ایک سرسری جائزہ	مولانا علی حسین سلفی	۹۳
۱۵۔ جماعتی معیاری صحافت کے خدوخال کی تعیین	مولانا محمد حنیف فیضی	۹۷
۱۶۔ انسانی شخصیت کی تعمیر میں صحافت کی اہمیت	محمد اطہر افضال احمد	۱۰۳
۱۷۔ تجاویز و سفارشات صحافتی مجلس مذاکرہ جامعہ سلفیہ بنارس		۱۰۷
۱۸۔ صحافتی کانفرنس سے متعلق اخبارات و جرائد کے تاثرات		۱۱۰
۱۹۔ ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کا انتخاب نو		۱۱۸
۲۰۔ ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کی افتتاحی انجمن		۱۱۹
۲۱۔ حلقۃ الخطابۃ جامعہ رحمانیہ بنارس کا جدید انتخاب		۱۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

لوح و قلم کی اہمیت

اِقراُ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اِقراُ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم۔

پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، انسان کی تخلیق جمے خون کے لوتھڑے سے کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے یہی آیتیں وحی کی تھیں۔ اسی بات پر اکثر مفسرین کا اتفاق ہے، وحی کے کلمات و آیات میں سب سے پہلا حکم اور تلقین پڑھنے کی ہے۔ پڑھنا بھی ایسے رب کے نام کے ساتھ جس نے انسان کی تخلیق کی، اور وہ بھی ایک بہت ہی حقیر چیز سے۔ گویا کہ انسان جب پڑھے تو سب سے پہلے اپنے رب کا نام پڑھے اپنے خالق کو پہچانے اور اسی کا گن گائے، جس خالق نے اسے عدم سے وجود بخشا اور مختلف مراحل سے گذار کر اس کو تندرست و توانا انسان جیسے اشرف المخلوقات کی صورت بخشی ور علم جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ وارفع و افضل ہے اس کو سکھایا اور اس کے ذریعے سے انسان کی عزت افزائی فرمائی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ فرشتوں نے تخلیق آدمؑ کے وقت یہ کہا تھا کہ یہ ایک فسادی مخلوق ہوگی تو مفضول مخلوق کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تو وہاں پر علم کے ذریعے سے ہی فرشتوں پر انسان کی فضیلت واضح کی گئی، بنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم سکھایا گیا، اور پھر فرشتوں سے دریافت کیا گیا تو ان کو اپنی شکست کا یوں اعتراف کرنا پڑا، قالوا: لاعلم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعے انسان کو علم سکھایا، مشہور مفسر حضرت قتادہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت

۔، اگر قلم نہ ہوتا تو اقامت دین مشکل ہوجاتا اور زندگی دشوار ہوجاتی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلم کے ذریعہ اللہ
۔انسان پر عظیم کرم کیا ہے جو معلوم نہ تھا اس کا علم دیا اور جہالت کی تاریکی سے نکالا، علم کی روشنی عطا کی ،
۔ر لکھنے پڑھنے کی فضیلت بیان کی، کیونکہ اس کے اندر ایسے عظیم فوائد اور منافع ہیں جس کا احاطہ و ادراک
۔لم ہی کر سکتا ہے ، اور دنیا میں جتنے علوم و معارف پائے جاتے ہیں اور حکمت و دانائی کی باتیں قید تحریر
۔ں لائی گئی ہیں ، اور امم ماضیہ کے حالات و واقعات کو منضبط کئے گئے اور آسمانی کتابیں جو ہم تک پہونچی
۔یں وہ تحریر و قلم کے ذریعے سے ہی ممکن ہوسکا ہے اگر قلم نہ ہوتا تو دین و دنیا کے امور کبھی بھی درست نہ ہوسکتے تھے ۔
"کما قاله القرطبی فی تفسیرہ " ۔ اسلام کے وحی اول لفظ " اقرأ " کے ذریعہ شروع کرنے اور قلم کے ذریعہ
علم سکھانے سے مقصود یہ ہوسکتا ہے کہ اس دین کی آمد کے ساتھ ہی علمی دور کا آغاز ہوگا ، اس کی وجہ سے دنیا کو
علوم و معارف حاصل ہوں گے ، اور جہالت کی تیرگی میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو اب علم کی روشنی کے ذریعے رشد و
ہدایت کا راستہ حاصل ہوگا ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اسلام سے پہلے جو دنیا پر جہالت کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی
تھی وہ اب چھٹ گئی اور اس کی آمد کے بعد دنیا علم کی دولت اور روشنی سے بھر گئی ، جس قدر ساری دنیا اس دین کے
فیضان عام سے مستفیض ہوئی ، علمی طور پر بھی ترقی کا ضامن یہی دین رہا ہے ۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ دور حاضر میں اس دین کے حاملین اپنی تن آسانی اور اس کی قدر و قیمت کو
صحیح طور پر نہ پہچاننے کی وجہ سے علوم سے الگ ہو گئے ۔ قلم کے بے پناہ طاقت کو کام میں لانے سے گریز کر کے دنیا
کے سامنے ذلیل و خوار ہوئے ، اپنے لئے ذلت و رسوائی کا سودا کر لیا ۔ کاش کہ مسلمان اس قلم کی طاقت کو سمجھتا ،
اور اس کے ذریعہ اسلام کی دعوت جس میں ساری دنیا کی بھلائی ہے کا فریضہ انجام دیتا تو پھر دنیا کے باطل
افکار و نظریات اور مفاد پرستی و استحصال کا قلع قمع ہوجاتا ، اور پھر اس کا وہی شاندار ماضی واپس
لوٹ آتا جو اس وقت اس کے لئے قصہ پارینہ بن چکا ہے ۔ نعمت قلم اللہ تعالیٰ کی اولین نعمتوں میں سے ہے ،
اس لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر رب العزت نے اس کو اپنی سب سے پہلی وحی اور کلام کے اندر ذکر کیا جو
اس امت کے لئے اتارا تھا ، جس کی تخلیق اولین مخلوقات میں کی اسی سے فرشتوں کے ذریعہ مقادیر الخلق
لکھوایا ہے ۔

درسِ حدیث

اصغر علی امام مہدی السلفی

حقیقتِ صحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

عن ابی جحیفة قال: قلت بعلی هل عندكم كتاب؟ قال لا، إلا كتاب الله، أو فهم أعطيه رجل مسلم، أو ما في هذه الصحيفة، قال: قلت: فما في هذه الصحيفة؟ قال: العقل، وفكاك الأسير، ولا يقتل مسلم بكافر۔

ابو جحیفہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حضرت علی سے میں نے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی کتاب ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، سوائے اللہ کی کتاب اور اس فہم کے کچھ نہیں جو ایک مسلمان آدمی کو عطا کیا گیا ہو، اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے، میں نے کہا صحیفہ میں کیا ہے فرمایا، دیت، قیدی کے آزاد کرنے اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اسلام کے ابتدائی ادوار میں اس کے حاملین اور ماننے والوں کی بے شمار فضیلتیں اور امتیازات تھے جس میں وہ دوسروں سے ممتاز تھے، ان میں سے ایک خاص وصف ان کا بے پناہ قوت حافظہ تھا، عربوں کے قوتِ حفظ کا یوں بھی چرچا ہے۔ اسلامی تاریخ کے زریں اوراق میں یہ بات مسلم الثبوت کے طور پر ثبت ہے کہ سینکڑوں محدثین کرام، ادباء و شعراء ایسے تھے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثوں اور اشعار و واقعات اور امثال کے حافظ تھے، ان کے استحضار کا یہ عالم تھا کہ وہ بلا جھجک مدت مدید کی سنی ہوئی حدیثوں اور اشعار و واقعات کو من و عن سنا دیتے تھے، اس کے باوجود اسلام کی آمد کے ساتھ ہی اس بے پناہ قوت حفظ کے باوجود علوم کو قید تحریر میں لانے کی ترغیب اور حکم دیا گیا، چنانچہ قرآن کریم کی حفاظت وصیانت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ تھی کہ جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو کاتبین وحی جن کو آپ نے اس کام پر مامور کر رکھا تھا، با قاعدہ لکھ لیتے، اسی طرح آپ کے فرمودات جو قرآن کی شرح و تفسیر ہوا کرتے اسے صحابہ کرام لکھ لیا کرتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

جن کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے خاص طور پر حفظ حدیث کی دعا کی تھی، حدیثیں لکھا کرتے تھے، اور یہ واقعہ ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل پورے عرب میں گنتی کے چند افراد تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، مگر اسلام کا آفتاب کیا طلوع ہوا کہ گھر گھر لکھنے پڑھنے کا رواج ہو گیا۔ اور تعلیم و تعلم کا ایسا انقلاب آیا اور اس راہ میں فداکاروں کی اتنی اور ایسی مخلص جماعتیں نظر آنے لگیں جس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ یہ ذوق و شوق صرف علوم کتاب و سنت تک محدود نہ تھا، بلکہ مسلمانوں کا شوق و شغف علم سے کچھ ایسا تھا کہ دنیا کے قدیم علوم جو اپنی موت آپ مر رہے تھے زندہ کیا اور بہت سے علوم و معارف کے موجد بھی بنے۔ الغرض کاروان علوم و معارف کے قائد اعظم اور میر کارواں یہی تھے، مگر آج ان کی حالت کسی مرثیہ خواں کا منتظر نظر آتی ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں " باب کتابۃ العلم " کے تحت ذکر فرمایا ہے جس سے مقصود یہی سمجھ میں آتا ہے کہ صحابہ کرام جو حفظ اتقان کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے وہ علوم لکھ لیا کرتے تھے، کیونکہ صحیفہ کے معنی ہی ہوتے ہیں اس ورق کے جو لکھا ہوا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلف مسائل لکھ لیا کرتے تھے، اور اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ علم کا لکھنا جائز اور مستحب ہے بلکہ بسا اوقات فرض ہے خصوصاً جب کہ بھول جانے کا خوف ہو۔ اور علم کے بقا اور اس کی ترویج و اشاعت اور اس کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو لکھا اور پھیلایا جائے اور تحریری شکل میں اس کو محفوظ کر کے آنے والی نسلوں کو اس سے مستفید کیا جائے۔

اس حدیث پاک میں جھوٹے شیعان علی کے افتراء کا پول کھولنا مقصود تھا، جس کا اس وقت کے شیعوں نے پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اللہ کے رسول ﷺ کے خاص تعلیمات موجود ہیں اور قرآن کی بعض سورتیں جو حضرت علی کی ولایت اور وصی ہونے سے متعلق ہیں۔ اس کو اللہ کے رسول نے صرف انہی کو بتایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ان جھوٹے شیعوں اور صوفیہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہمارے پاس وہی کتاب اللہ ہے جو سب کے پاس ہے اور فہم کتاب و سنت جو بہت سے بندہ خدا کو حاصل ہوتی ہے اور اس لکھے ہوئے ورق میں دیت اور قیدی کے آزاد کرنے اور یہ کہ مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے کے مسائل مذکور ہیں اسکے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے خاص طور پر بتایا گیا ہو۔ اس حدیث سے صوفیین اور شیعہ ہر دو کی تردید ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف علم باطن وغیرہ کی نسبت کرتے ہیں۔

افتتاحیہ

سلفی صحافت

موجودہ دور میں ربط واتصال اور جمہور کی رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے وسائل اعلام کی بڑی کثرت ہے، خاص طور سے الکٹرانک وسائل اعلام ریڈیو، ٹی، وی وغیرہ نے تو سارے عالم کو گھر آنگن میں تبدیل کر دیا ہے صحافت بھی اعلام کا ایک وسیلہ ہے، اور تمام اقوام عالم میں بہت مقبول اور اہم ذریعہ ہے، ہر قوم اور ہر انسانی معاشرہ اپنے دینی عقائد، فکری رجحانات، سیاسی نظام، اقتصادی نظریہ اور اجتماعی ماحول کی بنیاد پر اپنے اپنے رنگ میں وسائل اعلام اور صحافت کو استعمال کرتا ہے، مذکورہ بنیادوں اور عوامل کے رنگ میں جیسا اختلاف ہوتا ہے صحافت کا رنگ بھی اسی سے مختلف ہوتا ہے، روسی رہنما چروسیچوف کہا کرتا تھا "صحافت ہمارا بنیادی فکری ہتھیار ہے، جس طرح کوئی لشکر بغیر ہتھیار کے نہیں لڑ سکتا، اسی طرح کوئی پارٹی اپنے مقاصد میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ صحافت کے ہتھیار سے مسلح نہ ہو، اس سے یہ بات بھی واضح ہے کہ صحافت کو غیر امانتدار ہاتھوں میں دینا ہمارے لئے سخت مشکل ہے، ضروری ہے کہ اسے ایسے ہاتھوں میں دیا جائے جو امانت اور ثقاہت میں برتر ہوں" نابلیون کہتا ہے، "میں توپوں کی گھن گرج سے جتنا خوف کھاتا ہوں اس سے کہیں زیادہ صریر خامہ سے ڈرتا ہوں" سچی بات یہی ہے کہ صحافت جمہور اور قوم کا مدرسہ اور رائے عامہ کا منبر ہے، جمہور کی تہذیب و تثقیف اور عالمی امن و سلامتی کا اہم ترین ذریعہ ہے، اس لئے اسلام اور سلفی منہج فکر کی علمبردار جماعت ہونے کے ناتے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم صحافت کی اہمیت کو خاص طور سے موجودہ دور میں سمجھیں اور اسلام کے ممتاز ترین اعتقادی، فکری، سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی نظام احکام پر مبنی ممتاز رنگ کی حامل اسلامی وسلفی صحافت کو تقویت دیں۔ "صبغة الله ومن أحسن من الله صبغة و نحن له عابدون" (البقرة / ۱۳۸) اللہ نے ہمیں اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے، اور اللہ سے بہتر

رنگ دینے والا کون ہے، اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

ہمارے امام و رہبر، رسول برحق، خاتم الانبیاء والرسل سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عصر نبوت میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے اس وقت میسر بہت سے وسائل اعلام اختیار فرمائے تھے جیسے وفود بھیجنا، خطبات دینا، ملوک کے پاس اسلامی دعوت پر مبنی مراسلت، جمعہ وجماعت نیز شخصی اتصال وغیرہ۔ مختصر مدت میں ایک بڑے خطۂ ارض پہ اسلام پھیل گیا، اس سے ان وسائل اعلام کی اہمیت سمجھی جاسکتی ہے، آپؐ کی مراسلت کے اثر سے نجاشیؓ شاہ حبشہ عمان کے دو ملوک اور شاہ بحرین مع اپنی بہت سی رعیت کے اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔

غیر اسلامی اعلام کے رد کے لئے اسلامی اعلام کا ہونا کس قدر ضروری ہے اس کے لئے عہد رسالت کی ایک مثال پر غور کیجئے: بعثت کے ساتویں سال مسلمان اصحاب کرامؓ نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی، ان کے پیچھے عمرو بن العاص گئے، نجاشی کو سجدہ کیا، اور شرک وکفر پر مبنی اعلام کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا: ہمارے خاندان کے کچھ لوگ آپ کی سرزمین پر آئے ہیں، ہم سے اور ہمارے دین سے انہوں نے اعراض کیا ہے، پھر کہا، یہ لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق آپ کی مخالفت کرتے ہیں" حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے اسلامی اعلام کی نمائندگی کرتے ہوئے نجاشی کو سجدہ کئے بغیر کہا: اللہ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا، ہمیں حکم دیا کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کریں، انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم دیا، پھر اسلام کے بعض اوامر گنائے، پھر کہا: ہم عیسیٰ بن مریم کے متعلق وہی کہتے ہیں جو اللہ نے کہا ہے کہ " وہ اس کا کلمہ ہیں، اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں جسے مریم عذراء، بتول کی طرف اس نے القا کیا ہے جسے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا " اس خالص اسلامی اعلام کے اثر سے نجاشیؓ نے کہا: اے اہل حبشہ اور قسیسین ورہبان عیسیٰ کے متعلق یہ مسلمان جو کچھ کہتے ہیں وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں، پھر مسلمانوں سے کہا، تمہیں اور تمہارے رسول کے لئے مرحبا، میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، یہ وہی ہیں جنہیں ہم انجیل میں پاتے ہیں، یہ وہی رسول ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریمؑ نے دی ہے، تم ہمارے ملک میں جہاں چاہو رہو، واللہ اگر مجھے اس ملک کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں حاضر خدمت ہوکر آپ کی جوتیاں اٹھاتا، پھر نجاشی نے عمرو بن العاص کا ہدیہ لوٹا دینے کا حکم دیا جسے لے کر وہ مکہ لوٹ آئے، اور مسلمان باطمینان حبشہ میں مقیم رہے۔

موجودہ دور میں جب کہ مسلمان اعتقادی، فکری، سیاسی، اقتصادی ہر پہلو سے سخت انتشار کے شکا
ہیں، دین و مذہب کے لحاظ سے مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، اپنے ائمہ کو معصوم قرار دے کر ان کی مطلق
اتباع کو واجب قرار دے لیا ہے اور جو لوگ اپنے ائمہ کے معصوم ہونے اور ان کی مطلق اتباع کے وجوب کا اعتقا
نہیں رکھتے وہ احوال و اعمال کے لحاظ سے ان سے مختلف نہیں ہیں یعنی ان کے اعتقاد اور عمل میں تضاد ہے
ہر پہلو سے امت میں انتشار کی اصل بنیاد یہی اعتقادی و مذہبی انتشار ہے، جو امت محمدیہ کو نوع بنوع خسا
میں مبتلا کرنے کا موجب ہے، ایسی صورت میں ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کہ عام اطاعت و اتباع صرف
اللہ اور اس کے رسول کے لئے واجب سمجھیں، معصوم صرف رسولؐ کو قرار دیں، رسالت کو کافی سمجھیں، رسولؐ کے ذریعہ
ماسوا کے اتباع عام سے مستغنی ہو جائیں، مختصر یہ کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو لازم پکڑلیں، یہی ہماری تمام
بیماریوں، نحوستوں اور خسائر کا علاج ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول واُولی الاُمر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول"
اے ایمان لانے والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے میں اُولی الاُمر کی، پھر اگر کسی امر
میں تم میں تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے علماء و امراء میں سے اُولی الاُمر کی اطاعت کا حکم اسوقت دیا ہے جب وہ تنازع
نہ کریں، اس کا اقتضاء یہ ہے کہ ان کا اتفاق حجت ہے، اور تنازع کے وقت اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کا حکم دے کر
کسی امام مقلد یا فاضل عقلی قیاس کی طرف لوٹانے کو باطل قرار دیا ہے، یہی اسلام یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کی شہادت کی اصل ہے، مقصد یہ ہے کہ جس نے کسی امام کو متعین کر کے اعتقاد اور حال کے اعتبار سے اس کی مطلق
اطاعت کو واجب قرار دے دیا، وہ اس میں گمراہ ہو گیا، اسی لئے امت محمدیہ کے قرون ثلاثہ مفضلہ مشہودہ بالخیر
کے ہمارے سلف صالحین نیز بعد کے ادوار کے ائمہ ھدیٰ و علماء اتقیاء و صلحاء و ابرار اللہ اور اس کے رسول کی مطلق
اطاعت و اتباع کو فرض قرار دیتے ہیں اور ان کے ماسوا جیسے امراء و علماء وغیرہم کی اطاعت وہیں واجب بتاتے
ہیں جہاں اللہ اور اس کے رسول نے واجب قرار دی ہے، مطلق طور پر اللہ اور رسول کے علاوہ اور کسی کی اطاعت
واجب نہیں، اور نہ ہی رسولؐ کے علاوہ کوئی معصوم ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے وسائل اعلام اور مسلم صحافت
ہر ناحیہ سے اپنے پراگندہ معاشرہ کا آئینہ خانہ ہیں، اور امت پہلے اپنے ہاتھوں پھر دوسری اقوام کے ہاتھوں سے

اپنے مسائل میں اس طرح الجھی ہوئی ہے جیسے کوئی لاچار کشتی کسی طاقتور بھنور میں، ایسی صورت حال میں ٹھیٹھ اسلام اور منہاج سلف صالحین کی علم بردار جماعت اہل حدیث کو آگے آکر ممکنہ وسائل اعلام اور صحافت کو کام میں لانا چاہیئے اور جماعتی صحافت کو اسلام اور منہج سلف کا ایک ایسا معیاری نمونہ بنا کر پیش کرنا چاہیے جس سے خالص اسلام کی صورت بنی نوع انسان کے سامنے آجائے، منتشر ملی صحافت کے سامنے نقطہ اتحاد کا اصل نمونہ واضح ہوجائے، اور خود جماعت جو انتشار کا منظر پیش کررہی ہے وہ اس کے اندر سے ختم ہوجائے۔ جماعتی صحافت پورے اسلام کو شائستہ زبان وبیان میں منہج سلف کے مطابق بے کم وکاست اور بے لاگ لپیٹ کے پیش کرے۔ توحید واسماء وصفات باری تعالیٰ کے صحیح مفاہیم رسالت کی اہمیت، رسولوں کے تذکرے۔ احکام شریعت اور صراط مستقیم کی تفصیلات، یوم آخرت بعث وحشر، حساب ومیزان اور جنت وجہنم کے احوال واہوال کتاب وسنت اور سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فرمودات کی روشنی میں بیان کئے جائیں، یہی راستہ اسلام ومنہج سلف پر مبنی جماعتی صحافت کے امتیاز، تاثیر اور نتیجہ خیزی کا راستہ ہے۔

صحافت کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور منہج سلف کی ترویج کا مقصد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ صحافت کی ذمہ دار شخصیات کتاب وسنت اور منہج سلف پر مبنی ثقافت اور کلچر کی حامل اور اس کا آئینہ ہوں، اس کے لئے اگر ہمیں قریب ترین اور مانوس ترین آئیڈیل مطلوب ہو تو شیخ الاسلام علامہ امرتسری اور ان کے مجلہ اہل حدیث کو خصوصیت سے پیش نظر رکھنا چاہیئے، ان شخصیات میں سلفی دعوت کی ترویج واشاعت کا بے پایاں جذبہ ہو اس طرح کہ زبان ذہن اور نوک قلم میں کوئی فرق اور فاصلہ نہ ہو، ایسی ہی شخصیات کے قلم اسلام کی دائمی اقدار صداقت وامانت اور دقت وتحقیق کے امین ہوسکتے ہیں اور معاشرہ میں جماعتی صحافت کی تاثیر میں اضافہ کا باعث ہوسکتے ہیں، خبروں، معلومات، تحلیل تجزیہ اور توضیح وتفسیر کو مذکورہ اوصاف کی شدید ضرورت ہوتی ہے، ان اصول کے مقابل مادی دنیا اور مادی اغراض کا جہاں ہلکا سایہ بھی پڑا اسلام کے اصول زیروزبر ہو جائیں گے اور اسلام ومنہج سلف سرعام رسوا ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے: " یا أیہا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی أنفسکم او الوالدین والأقربین، إن یکن غنیا

اُو فقیرا فا للّٰہ اَولیٰ بھما ، فلا تتبعوا الھویٰ اَن تعدلوا، وان تلوٗا اَو تعرضوا فان اللّٰہ کان بما تعملون خبیراً۔ (۱۳۵، النساء) اے ایمان لانے والو انصاف پر قائم رہو اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو گو خود تمہارے یا والدین اور اقربار کے خلاف ہو، اگر وہ شخص مالدار یا محتاج ہے تو اللہ ان کا مالک ہے، تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، اور اگر ایچ پیچ یا اعراض کروگے تو اللہ یقینا ہر اس کام کی حقیقت کو خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

تھوڑی قیمت کے مقابل اسلام کے اصول کہیں زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: "ان الذین یشترون بعھد اللّٰہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولٰئک لاخلٰق لھم فی الآخرۃ ولا یکلمھم اللّٰہ ولا ینظر الیھم یوم القیامۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم" (۷۷۔ آل عمران) جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسمیں تھوڑے دام کے عوض بیچ دیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور اللہ ان سے نہ تو کلام کرے گا اور نہ آخرت میں ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اسی طرح معلومات میں دقت پسندی اور تحقیق کے لئے سورۂ حجرات کی آیت چھ اور غیر اخلاقی مواد کی اشاعت سے تحذیر کیلئے سورہ نور آیت انیس، صحافت کی ایک عام بیماری تجسس اور ظن کے ساتھ دوسروں کے عیوب کو اچھالنا بھی ہے، اس کی ممانعت کیلئے سورۂ حجرات آیت بارہ، نیز مسلم صحافت میں مختلف گروہوں کے درمیان استہزاء اور تنابز بالالقاب کی عام روش ہے اس کی ممانعت کے لئے سورۂ حجرات آیت گیارہ کو نظر میں رکھنا چاہیئے، جھوٹا پروپیگنڈہ اور باطل سے دوسرے کو متہم کرنا بھی مسلم صحافت میں عام ہے، ان اسلامی اقدار کو برتنے کے حقدار اور ذمہ دار سب سے پہلے اسلام اور منہج سلف کے علمبردار صحافی ہیں. سلفی صحافت اس سے دوسروں کے لئے دائمی نمونہ کا کام دے سکتی ہے. ارشاد ربانی ہے: "والذین یوذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا" (۵۷۔ الاحزاب) جو لوگ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو ستاتے ہیں بلا کسی قصور کے تو وہ یقینا بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لادتے ہیں۔

جس طرح دین اسلام ایک ربانی دین ہے اس کی تبلیغ و اشاعت کرنے والے سلفی صحافی کا دینی

ینہ ہے کہ وہ خود ربانی ہو اور اپنی صحافت کو ربانی صحافت بنا سکے، ارشاد ربانی ہے: " قل إن
سلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین، لا شریک لہ وبذلک
مرت وأنا أول المسلمین" (۱۶۲ - الانعام) اے نبی کہو کہ یقیناً میری نماز اور میری قربانی
ر میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العلمین ہی کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم
یا گیا ہے، اور میں سب سے پہلا تابع فرمان ہوں۔

جس طرح دین اسلام عالمی دین ہے، سلفی صحافی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قومی، نسلی، وطنی، شخصی
ور ذات پات کی تنگنائیوں سے بالا تر ہو کر اسلام کی آفاقیت کو پیش کرے۔ اللہ نے قرآن اور رسولؐ
کو اپنے کلام میں عالمی کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، ارشاد ہے: " وما ھو الا ذکر للعالمین"
(۵۲ - القلم) یہ قرآن سارے جہان کے لئے نصیحت ہے، نیز ارشاد ہے: " لیکون للعالمین
نذیرا" (۱ - الفرقان) تاکہ رسول سارے جہان کے لئے ڈرانے والا ہو، جماعتی رسائل وجرائد
کے سرپرست یا مالک حضرات کو چاہئے کہ صحافت کو اپنی شخصیات کے گرد ہالہ تعمیر کرنے کا ذریعہ بنانے
کے بجائے شیوہ اسلام کی آفاقیت کی خدمت کے لئے آزادی عطا کریں کہ اسلام اور منہج سلف کا
اولین تقاضا یہی ہے۔
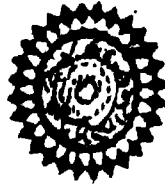
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

میں

معیاری صحافت کانفرنس کا انعقاد

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس یہ اعلان کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے کہ جماعتی صحافت کو مؤثر اور مفید بنانے کی خاطر مورخہ ۶، ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ بمطابق ۲، ۳ رنومبر ۱۹۹۲ء بروز دوشنبہ و سہ شنبہ ایک مذاکرۂ علمیہ منعقد کرنے جارہا ہے جس میں جماعتی اخبارات ورسائل کے مابین تعاون وتنسیق توسیع اشاعت حالات حاضرہ سے متعلق جماعت کے تجزیاتی موقف، عقیدہ وعمل سے متعلق کتاب وسنت پر مبنی معیاری صحافت، جماعتی شخصیات وتاریخ نیز سہ روزہ یا روزنامہ کے اجراء جیسے دیگر اہم نقاط ومسائل پر غور وخوض کیا جائے گا۔

اخبارات ورسائل کے مالکان ومدیران کو دعوت نامے ارسال کئے جاچکے ہیں، اگر کسی سبب سے کسی صاحب کو دعوت نامہ موصول نہ ہو سکے تو اسی اعلان کو دعوت نامہ تصور فرمائیں۔

مدعوئین حضرات سے گذارش ہے کہ اس مذاکرہ علمیہ میں شرکت فرماکر اپنے مفید آراء سے نوازیں گے اور مذاکرہ کو کامیاب بنائیں گے اور جملہ بہی خواہان جماعت سے مذاکرہ کی کامیابی کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

نوٹ:- مذاکرہ کے پہلے دن شب میں اجلاس عام کا بھی پروگرام ہے۔

معیاری صحافت کانفرنس کے چند بنیادی مقاصد

۱۔ عقیدہ وعمل سے متعلق کتاب وسنت کی بنیادی تعلیمات کی توضیح وتشریح کا التزام تاکہ صحیح اسلامی ذہن وفکر پیدا ہو سکے۔

۲۔ موجودہ ملی مسائل پر اسلام کی صحیح تعلیمات کی روشنی میں اظہار خیال۔

۳۔ جماعتی خدمات اور جماعتی شخصیات کا تعارف۔

۴۔ جماعتی اخبارات ورسائل کے مابین باہمی تعاون اور دائرہ کار کی تعیین تاکہ تکرار سے بچ کر مطلوبہ خدمت انجام دی جاسکے۔

۵۔ صحافت میں دیگر مسائل کے ساتھ ہی خواتین واطفال کے موضوعات پر توجہ۔

۶۔ ملی وجماعتی مسائل پر مخالفانہ تحریروں کا جواب۔

۷۔ دینی وملی موضوعات کا خاکہ تیار کرکے اہل قلم کو اس ہدایت کے ساتھ دیا جائے کہ وہ ان موضوعات پر بالاقساط لکھیں، پھران مضامین کو کتابی صورت میں جمع کردیا جائے، یہ خاکہ عقائد، عبادات، معاملات، تاریخ اور سوانح ہر موضوع کے لئے بنایا جاسکتا ہے۔

۸۔ افراد جماعت کی ذمہ داری جماعتی اخبارات کے تئیں۔

۹۔ اخبارات ورسائل کی توسیع اشاعت کے لئے کوشش اور اس کا طریقۂ کار۔

صحافت کانفرنس

کے لئے قابل غور نقاط

۱۔ جماعتی رسائل وجرائد میں مکمل ربط وہم آہنگی اور تنسیق تاکہ جماعتی کاز کو تقویت پہونچائی جا سکے۔
۲۔ جماعتی جرائد ومجلات کی محدود اشاعت اور عدم تاثیر کے اسباب پر غور۔
۳۔ صحافت میں جماعت وملت کے خلاف تحریروں کے تئیں ہمارا رویہ۔
۴۔ جماعتی صحافت پورے خلوص کے ساتھ کیسے ایسا معیار پیش کرے جو ملکی صحافت کے لئے قابل تقلید نمونہ بن سکے؟
۵۔ بچوں اور نوجوانوں کی اسلامی تربیت سے متعلق جماعتی صحافت کا کردار۔
۶۔ عورتوں سے متعلق مسائل بین الاقوامی پیمانہ پر اٹھائے جا رہے ہیں، اس سلسلہ میں ہماری جماعت کی ذمہ داری کیا ہے؟
۷۔ تعمیری صحافت میں موجودہ خلا کو پُر کرنے کے امکانات پر غور۔
۸۔ ملک کی دوسری قومی زبانوں میں بھی جرائد ومجلات کی اشاعت پر غور۔
۹۔ کیا جماعتی صحافت کو علمار جماعت کا پورا تعاون حاصل ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟
۱۰۔ حالات ومسائل حاضرہ پر جماعتی نقطۂ نظر کی بروقت تعیین وتوضیح کے لئے کسی سہ روزہ یا روزنا[مہ] کے اجراء پر غور۔

رپورٹ

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس میں

دوروزہ صحافتی مذاکرۂ علمیہ

اسلامی صحافت کو مفید و مؤثر، تعمیری اور بامقصد بنانے کی خاطر جماعت اہل حدیث ہند کی دینی وثقافتی ودعوتی مرکزی درسگاہ (مرکزی دارالعلوم) نے مورخہ ۲، ۳ نومبر ۹۲ء بروز دوشنبہ وسہ شنبہ کو ایک مذاکرہ علمیہ (سمینار) کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ جو ایک اندازے کے مطابق اپنی نوعیت کے اعتبار سے کم ازکم ہندوستان کی سطح پر پہلا قدم تھا۔

اعلان کے مطابق وقت مقررہ پر ۲ نومبر ۹۲ء ۱۰ بجے صبح ایک افتتاحی تقریب سے مذکورہ سیمینار شروع ہوا۔ اس کے بعد مسلسل دو دنوں تک چار نشستیں منعقد ہوئیں جن میں مختلف مقامات سے تشریف لائے ہوئے متعدد دینی وثقافتی جرائد ورسائل کے مالکان ومدیران نے شرکت کی اور تبادلۂ خیال میں بھرپور حصہ لیا۔

مذاکرہ میں شرکت کرنیوالے مہمانان گرامی

۱۔	خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی صاحب	مہمان خصوصی
۲۔	ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب	ایڈیٹر صوت الامہ (عربی) بنارس
۳۔	مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب	ایڈیٹر ماہنامہ محدث بنارس
۴۔	مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب	چیف ایڈیٹر ہفت روزہ جریدہ ترجمان دہلی

۵۔	جناب سلیمان صابر صاحب	ایڈیٹر جریدہ ترجمان دہلی
۶۔	مولانا عبداللہ مدنی صاحب	چیف ایڈیٹر ماہنامہ نور توحید نیپال
۷۔	مولانا عبدالمنان سلفی صاحب	" " "
۸۔	مولانا جمیل احمد صاحب	چیف ایڈیٹر ماہنامہ آثار مئو
۹۔	مولانا محمد احمد اثری صاحب	ایڈیٹر ماہنامہ آثار مئو
۱۰۔	مولانا رفیق احمد سلفی صاحب	ایڈیٹر ماہنامہ التوعیہ دہلی
۱۱۔	مولانا عبدالواحد مدنی صاحب	مندوب سہ ماہی اعتدال ڈومریا گنج سدھارتھ نگر
۱۲۔	مولانا شکیل احمد سلفی صاحب	ایڈیٹر پندرہ روزہ الہدیٰ دربھنگہ
۱۳۔	مولانا عبدالواجد فیضی صاحب	سب ایڈیٹر ماہنامہ نوائے اسلام دہلی
۱۴	جناب کاکا سعید صاحب	سکریٹری جامعہ دارالسلام عمرآباد
۱۵۔	ڈاکٹر عبداللہ جولم نیپالی صاحب	مندوب ماہنامہ راہ اعتدال عمرآباد
۱۶۔	مولانا شہاب الدین مدنی صاحب	سب ایڈیٹر سہ ماہی ترجمان السنہ بریلی
۱۷۔	ڈاکٹر شمس الحق عثمانی صاحب	مندوب اصلاح سماج (ہندی) دہلی
۱۸۔	مولانا ابوالکلام احمد صاحب	چیف ایڈیٹر ماہنامہ الرحیق دہلی
۱۹۔	مولانا فضل الرحمن صاحب	ہفتہ وار ہنکر پردکتا (ہندی) مئو
۲۰۔		مندوب ماہنامہ الاسلام دہلی

افتتاحی تقریب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب وکیل جامعہ سلفیہ حفظہ اللہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند انجام دے رہے تھے۔ تلاوت کلام پاک اور حمد باری تعالیٰ کے بعد ناظم جلسہ نے اپنے افتتاحی کلمات میں مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مذاکرہ علمیہ کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کی۔ صحافتی میدان میں علماء سلف کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے وقت حاضر میں جماعت و ملت کو درپیش مختلف چیلنجوں کی جانب اشارہ کیا اور بتلایا کہ ان چیلنجوں کا صحافت کے توسط سے کس طرح مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ اسلامی صحافت کی بعض کمزوریوں کو واضح کرتے ہوئے ان وسائل و ذرائع کی جانب بھی اشارہ کیا جن کو بروئے کار

اگر ان کمزوریوں کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

افتتاحی کلمات کے بعد وفود نے اپنے تاثرات پیش فرمائے اور تمام لوگوں نے اپنے تاثراتی کلمات میں جامعہ سلفیہ کے اس اقدام کو سراہا۔ اور اسے وقت کی ضرورت قرار دی، موجودہ دور میں اسلامی صحافت کو منظم اور معیاری بنانے پر زور دیتے ہوئے اور اپنے اپنے انداز میں اس کے طرق و وسائل کا ذکر کرتے ہوئے ہر ایک نے ایک صحافتی کانفرنس کے انعقاد کو ضروری قرار دیا جو کم ازکم اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ہر ایک کے دل میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ ہماری صحافت کے اندر کچھ کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن کا ازالہ ازحد ضروری ہے۔

اخیر میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب نے مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہا اور جامعہ کی آواز پر لبیک کہہ کر جن مدیران و مالکان جرائد و رسائل نے زندگی اور حرکت کا ثبوت دیا ان کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہوئے مذاکرہ علمیہ کو اگلے مرحلہ کے لئے تمہید اور پیش خیمہ قرار دیا۔ موصوف نے مذاکرہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا کہ کس طرح جامعہ کے ذہن میں اس صحافتی مذاکرہ کی بات آئی اور اس سلسلہ میں اس نے کیا کیا تدابیر اختیار کیں۔ اسی طرح موصوف نے اپنے صدارتی کلمات میں اسلامی صحافت سے متعلق غور طلب امور کی نشاندہی کرتے ہوئے مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے اس منصوبہ کی جانب بھی اشارہ کیا جسے جمعیت نے ملک کی مسلم صحافت کی تہذیب و رہنمائی کے لئے تیار کیا ہے۔

صدارتی کلمات کے بعد افتتاحی تقریب کا اعلان کیا گیا اس کے بعد چار نشستیں ہوئیں جن میں اسلامی صحافت سے متعلق متعدد مقالات پڑھے گئے اور کھلے ذہن کے ساتھ مختلف موضوعات پر مفید نقاش اور بحث و مباحثے ہوئے ایک نشست میں تجاویز کمیٹی کی جانب سے تجاویز و قرار داد کا ایک خاکہ پیش کیا گیا جو بارہ دفعات پر مشتمل تھیں ان میں سے ایک پر مندوبین جرائد و رسائل نے کھل کر تبادلۂ خیال کیا اور اختتامی نشست میں جو دوسرے دن بعد نماز مغرب منعقد ہوئی تمام شرکاء نے پیش کردہ تجاویز کو مختصر تبدیلیوں کے ساتھ منظور کرلیا۔ منظور کردہ تمام تجاویز اسلامی صحافت کو بامقصد و معیاری بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوں گی۔ انشاء اللہ، ان میں سب سے اہم تجویز مادی پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے انڈیا ہندی میں ایک ایسے روزنامہ یا سہ روزہ اخبار کا اجراء ہے جو ملت کے مسائل سے گہری دلچسپی کے ساتھ اسلام کے پیغام کو برادران وطن تک پہونچانے کا اور ہندوستانی سماج کی خدمت اور سماج کی صحیح خطوط پر تعمیر کا کام انجام دے۔ تجاویز پر عمل درآمد اور اس کے جائزہ کے لئے، اور آئندہ بڑی کانفرنس جلد از جلد منعقد کرنے کے لئے ضروری انتظام کے سلسلے میں ایک کمیٹی کی تشکیل بھی عمل میں آئی۔ بعدہ مہمانان گرامی کی جانب سے جامعہ کا شکریہ ادا کیا گیا اور ...

نے بھی اپنی آواز پر لبیک کہنے والے مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا اور میزبانی میں کسی قسم کی تقصیر اور کوتاہی پر معذرت کرتے ہوئے دعائیہ کلمات پر مذاکرہ کے اختتام کا اعلان کیا۔

جماعتی صحافت سے متعلق اس تمہیدی مذاکرہ علمیہ اور اس میں مدیران و مالکان جرائد ورسائل کی شمولیت سے اور ان کے تأثرات ونظریات سننے کے بعد بہت سے مختلف پہلو ظاہر ہوئے۔ اور ساتھ ہی کچھ خوش کن وخوش آئند باتیں بھی سامنے آئیں جن سے مذاکرہ کی عمومی کامیابی اور اس کے نتیجہ خیز وبار آور ہونے کی ضمانت ملتی ہے خوش آئند باتوں میں سب سے اہم یہی بات ہے کہ جملہ شرکاء کے یہاں جماعتی صحافت کی کمزوریوں کا احساس اور ان کے ازالہ واصلاح کے بعد صحافت کو دعوت اسلام اور جماعتی کاز کے لئے صحیح طور پر استعمال کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔

واضح ہو کہ افتتاحی تقریب سمیت تمام نشستوں میں متعدد جماعتی شعراء حاضرین کو حمد ونعت پر مشتمل روح پرور و دلنشیں کلام سے نوازتے رہے۔ اسی طرح مذاکرہ کی پہلی شب (یعنی ۲/ نومبر دوشنبہ کی شب) میں ایک اجتماع عام کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی /حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی /حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور مولانا عبداللہ عبدالتواب صاحب نیپالی صدر مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات کی تقریریں ہوئیں۔ اس اجتماع میں بنارس ومضافات بنارس سے بے شمار لوگوں نے شرکت کی۔ اور علماء کرام کی تقریروں سے مستفید ہوئے۔

(ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری)

دورِ حاضر میں اخبارات و رسائل کی ضرورت
اور مدیرانِ جرائد کی ذمہ داریاں

از قلم حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (امین عام جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر نیپال)

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ کسی بھی تحریک و نظریہ کو فروغ دینے میں قلم کا رول بہت اہم ہے، زبان و تقریر کے ذریعہ اگر حاضرین کو مسحور کیا جاتا ہے اور اپنی باتیں ان کے دلوں میں اتاری جاتی ہیں تو قلم کے ذریعہ حاضرین و غائبین، دور و نزدیک امیر و غریب، اپنے و بیگانے ہر ایک تک اپنے نظریہ و فکر کی تشریح و تعبیر اور اس کے دلائل و براہین کو پہونچایا جاتا ہے، الغرض دنیا کی کسی تحریک و دعوت کے مروج و فروغ کے لئے نشر و اشاعت اور پبلسٹی وقت کا اہم ترین تقاضہ ہوا کرتا ہے۔

آج کا یہ دور علمی فکری یلغار و یورش کا دور ہے مستشرقین نت نئے انداز میں اسلام کے خلاف زہر افشانی کر رہے ہیں، برق و باد و آہن و مشین اور اخبارات و جرائد کے ذریعہ پوری دنیا میں الحاد و بے دینی پھیلائی جا رہی ہے، ایسے ناگفتہ حالات میں امت مسلمہ پر یہ بات فرض عین بن کر عائد ہوتی ہے کہ وہ دینِ برحق اور صراطِ مستقیم کو کائنات کے گوشے گوشے میں پھیلانے اور مستشرقین و مخالفین اسلام کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دینے کے لئے اس مفید ترین تحریری منصوبہ کو بروئے کار لانے اور اللہ کی بخشی ہوئی مشینوں اور پریسوں کی قلمی قوت کو عملاً نافذ کرے اور باطل کے مقابلے میں حق کی تلوار اور حق کے لئے ڈھال بنے بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ ؎

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ماضی پر ایک طائرانہ نظر:

ماضی قریب و بعید کے حالات پر جب ہم نظر ڈالیں گے تو ہمیں اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اخبارات و رسائل نے کس قدر دینی سماجی و سیاسی مسائل حل کرنے میں قائدانہ رول ادا کیا ہے، چنانچہ پہلی اسلامی سلفی وہابی تحریک کے بعد ۱۸۵۷ء جب تحریک آزادی وطن کے سپاہی برٹش گورنمنٹ کے خلاف میدانِ عمل میں آگے بڑھے تو مولانا محمد علی جوہر کے اخبار "کامریڈ"، مولانا ابوالکلام آزاد کے "الہلال و البلاغ"، مولانا ظفر علی خان کے "زمیندار"، آغا شورش کاشمیری کے "چٹان"، [illegible]

فاطمہ کے رسالہ "ترجمان" وغیرہ نے مسلمانانِ ہند بلکہ پورے ہندوستان کے ہندو و مسلم باشندوں کے قلب و جگر میں آزادی کا جو عظیم جذبہ پیدا کیا تھا اور ذہنوں میں عشق و فداکاری کا جو چراغ جلایا تھا اس سے ایک بڑا انقلاب پیدا ہوا تھا ا برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، اس سے پوری دنیا واقف ہے یہ سب انہیں اخبارات و جرائد کی قوت بے پایاں ہی کا کرشمہ تھا۔

آج بھی ایسے انقلاب آفریں اور بیدار کن وقیع و قیمتی رسائل و جرائد کی شدید حاجت ہے جن سے ملی و ملکی، سیاسی و سماجی مسائل کی سدھار کی جاسکے۔

(مصنفین کی نشست قلم و دوات اور کتابوں کے حلقہ میں)

پہلے زمانہ میں سوکھے قلم اور فونٹین پن اور ڈاٹ پن وغیرہ کا رواج نہیں تھا اس لئے اس زمانہ کا عموماً یہی حال تھا کہ دوات میں روشنائی بھری جاتی تھی اور کئی باریک و موٹے قلم رکھے جاتے تھے اور انہیں قلموں سے لکھا جاتا تھا، امام احمد بن حنبل کو کسی نے دیکھا کہ آپ کے کرتہ پر روشنائی کے داغ کئی جگہ لگے ہیں تو اس نے کہا کہ آپ بڑے مرتبہ کے امام ہیں آپ کو روشنائی قلم کی کیا ضرورت ہے اس کے چھینٹے آپ کے کپڑوں کو داغدار کرتے ہیں، آپ نے فرمایا میں پہلے بھی طالب علم تھا اور آج بھی علم کا متلاشی ہوں اور یہ سلسلہ قبر میں جانے کے وقت تک جاری رہے گا، امام موصوف کے زمانہ میں بھی فونٹین پن اور سوکھی روشنائی سے لکھنے کا رواج نہیں تھا، امام بخاریؒ کے دور تک بھی یہی حال تھا اس وقت ایجادات کی اشیاء اور مشینیں بالکل نہیں تھیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف و تالیف میں مشغول تھے، حافظ ابن حجرؒ اس کا نقشہ کھینچتے ہیں کہ درمیان میں روشنائی کی دوات اور قلم رکھا ہوا تھا اور کتابوں کا انبار آس پاس میں لگا ہوا تھا اور اسی حلقہ کے درمیان امام بخاریؒ تشریف رکھتے تھے یکایک آپ کے اس خاص کتب خانہ میں خادمہ کا جانا ضروری ہوا تو اس نے اجازت مانگی، آپ نے اسے اجازت دے دی لیکن یہ فرمایا کہ دامن سمیٹ کر نکلو، خادمہ جانے لگی لیکن اس کے پاؤں سے دوات میں ٹھوکر لگ گئی حوالے کی جو کتابیں کھلی تھیں ان پر دوات کی روشنائی بکھر گئی آپ نے اپنی خادمہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا کیف تمشین؟ یعنی تم کس طرح چل رہی ہو، اس نے جواب دیا اذا لم یکن طریق کیف امشی، جب کوئی راستہ ہی نہ ملے تو کس طرح چلوں مجھ سے بچتے بچتے خطا ہوگئی آپ آیت کریمہ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پر عمل کیجئے، امام بخاریؒ نے فرمایا میں نے اپنا غصہ ختم کیا اور تجھے معاف کر دیا پھر اس خادمہ نے پڑھا والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین (آل عمران-۱۳۴) آپ نے کہا جا تجھے اب آزاد کیا [illegible]

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امام بخاریؒ کسی مکتبہ میں یکسو بیٹھ کر حوالہ کی کتابیں اکٹھا جمع کرکے قلم دوات کو ساتھ لے کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے اور یہ مبارک مشغلہ ملازمت کے ساتھ گھر پر جاری رہتا تھا۔

حافظ شیرازیؒ نے لکھا ہے کہ مصنفین کے لئے گوشہ عافیت سکون سے کام کرنے کے لئے ضروری ہے وہ لکھتے ہیں کہ۔ فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے ۔ یعنی چمن کا ایک گوشہ ۔ آدمی فارغ البال ہو اور کتابیں اس کے پیش نظر ہوں تو آدمی سکون سے کام کرسکتا ہے جیسا کہ متنبی نے بھی کیا خوب لکھا ہے ؎

واعز مکان فی الدنی سرج سابح وخیر جلیس فی الزمان کتاب

یعنی دنیا میں سب سے بہترین سواری گھوڑے کی سواری ہے (اس زمانہ میں یہی سب سے تیز رفتار سواری تھی) اور زمانہ میں سب سے بہترین ہمنشیں کتاب ہے کیوں کہ کتاب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں وہ زمانہ موٹروں کا تھا نہ ہوائی جہاز کا نہ خلائی راکٹوں کا اس لئے شاعر نے اپنے تخیل میں اسی تیز سواری کا ذکر کیا ہے ۔

دوسری بات امام بخاریؒ کے واقعہ سے یہ معلوم ہوئی کہ اس زمانہ کی خادمائیں بھی قرآن مجید کی آیات کریمہ کو سمجھ رکھتی تھیں، چنانچہ اس خادمہ کو جب امام بخاری نے ڈانٹ کر سرزنش کی تو اس نے فوراً غصہ کو فرو کرنے کے لئے حسب حال آیت کریمہ تلاوت کردی۔ اس سے نہ صرف آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا بلکہ اسے معاف کرکے آزاد بھی کردیا۔

آج نہ امام بخاری جیسا کوئی اہتمام کے ساتھ تصنیف وتالیف کرنے والا مصنف ہے اور نہ ان کی خادمہ جیسی خادمائیں ہیں۔ فیا للأسف ۔

امام بخاریؒ کی کتابوں کی ترتیب اور موصوف کی محنت وشب بیداری :

امام بخاری کے ساتھ ان کے ایک کاتب محمد بن ابی حاتم وراق البخاری ساتھ رہتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے امام بخاری کی تصنیف وتالیف کے درمیان محنت شاقہ کا بیان کیا کہ وہ اپنی تصنیف کے دوران جاگتے بھی سوتے بھی تھے چنانچہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ آپ کو کوئی روایت یاد آئی تو آپ بیدار ہوگئے آپ نے چقماق جلایا میں روئی پکڑائی روشنی ہوئی تو آپ نے اس کے اجالے میں اس روایت کو نقل کیا پھر سوگئے تھوڑی دیر بعد کوئی روایت یاد آگئی تو آپ نے پھر چقماق جلائی روشنی پیدا کی پھر اسی روشنی میں اس روایت کو کسی جگہ لکھ لیا۔ پھر سو گئے پھر روایت یاد آئی پھر آپ اٹھے پھر آپ نے چقماق جلائی روشنی پیدا کی، اسی روشنی میں آپ نے کسی روایت کو پھر نوٹ [illegible]

اپنی یادداشت کو نوٹ کرتے رہے اس طرح کتابوں کے مواد کی معلومات حاصل کرنے میں رات بھر گویا شب بیداری کے ساتھ گذارتے رہے ایک ایک روایت صحیح اور منتخب و پاکیزہ لانے میں کتنی زبردست کوشش کرتے رہے کہ پوری دنیا سورہی ہے ایک بیدار مصنف اپنی کتاب کے مواد و معلومات جمع کرنے میں روایت کی صحت و درایت کے تقاضے کو پورا کرنے میں راتوں رات جاگ کر عمر کا سرمایہ ختم کر رہا ہے کسی شاعر نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے ؎

برائے پاکیٔ لفظے شبے بر آرد روز ٭ کہ مرغ و ماہی خفتہ بود او بیدار

مضمون یا مقالہ یا علمی تصنیف کے لئے محنت شاقہ اور مسلسل مطالعے کی ضرورت :

ہمارے بڑے بڑے ائمہ دین اور نامی گرامی علماء عظام اپنی کتابوں کی تحریر و مطالعہ میں اور مضامین و مقالہ جات کی تیاری میں حد درجہ شب و روز محنت کرتے تھے آج کے مصنف اور مقالہ نگار و مضمون نویس اور صحائف وغیرہ اندر والے ان کی محنت و شب بیداری اور دیدہ ریزی کی طرح محنت و مشقت نہیں کر سکتے آج جب کہ ہمارے دفتروں میں بجلی روشن ہے برقی پنکھوں اور سامانوں کا اہتمام ہوتا ہے کولر وغیرہ بھی رہتا ہے۔ لکھنے پڑھنے کی تمام سہولیات و آسانیاں میسر ہوتی ہیں پھر بھی ہمیں علمائے سلف کی طرح نہ محنت کرنی آتی ہے، نہ اس درجہ مطالعہ کرنے کا شوق ہے نہ اپنی قیمتی اوقات کے ضائع ہونے کی فکر ہے ہمارے اگلے طلبہ جو ہمارے لئے علمائے سلف کہلاتے ہیں ان کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے، دھوپ کی سختی، رات کی تاریکی دن کی گرمی جاڑے کی سردی ان کی راہ میں حائل نہ ہوتی تھی۔

۱۔ اب ہم آگے ایسے علمائے سلف کا نام لکھ رہے ہیں جنہوں نے اپنی علم کی محنتوں کا حال خود لکھا ہے چنانچہ علامہ تفتازانی اپنی کتاب تلویح میں لکھتے ہیں کہ میں گرمی کے سخت ترین مہینوں میں بھی اور رات کے تاریک ترین وقتوں میں بھی دیر تک طلب علم و تحریر میں مشغول رہتا تھا چنانچہ وہ رقم فرماتے ہیں: فطفقتُ اقتحم موارد السھر فی ظلم الدیاجر واحتمل مکاید الفکر فی ظمأ الھواجر۔

یعنی میں اندھیری راتوں میں رات کی رات جاگتا رہتا اور دن کو دھوپ و گرمی کے وقتوں میں برابر غور و فکر میں لگا رہتا (تلویح مصری ص۲)

یہ تھی رات علماء کی شان جن کی رات علمی دنیا میں نصف النہار کی طرح مشہور ہے افسوس ہم پہ ہے کہ ہم اس

سہے مایگی آرام طلبی ہی کے اسباب ڈھونڈھ رہے ہیں،

۱۔ ملا محب اللہ بہاری صاحب سلم ومسلم الثبوت اپنی محنت وکوشش خود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں نے اصول فقہ کی تحصیل میں اپنی عمر کو صرف کر دیا اور اپنی نظر اس کے لئے وقف کر دی، چنانچہ لکھتے ہیں: کنت صرفت بعض عمری إلى تحصیل مطالبہ وکلّتُ نظری الی تحقیق مأربہ (مسلم الثبوت ص۳)

یعنی اپنی نظر وفکر اور اپنی زندگی کو اس کے لئے خرچ کر دیا،

۲۔ محمد بن ابراہیم صدر الدین شیرازی اپنی کتاب صدرا میں لکھتے ہیں کہ میں نے علوم عقلیہ کے حاصل کرنے میں زمانہ دراز اپنی عمر کا صرف کر دیا اور برابر تمام کتابوں کا مطالعہ کرتا فلسفہ کے تمام مباحث محفوظ کرتا رہا یہاں تک کہ خدا کی عنایت سے اس کتاب کو لکھنا شروع کر دیا وہ لکھتے ہیں: صرفت شطرا من عمری فی تحصیلہا وبرھۃ من دھری فی البحث عن اجمالہا وتفصیلہا وکنت شدید الاشتغال من سابق الاوان کثیر التوجہ من اول الریعان۔ (صدرا ص۳)

یعنی پہلے ہی زمانہ سے میں اس علم میں سخت مشغولیت رکھتا تھا اور شروع عمری سے اپنی کل توجہ صرف کر رہا تھا تب اس کتاب کے لکھنے کی نوبت آئی۔

۴۔ مولانا عبد العلی لکھنوی جنہیں آج دنیا بحر العلم سے یاد کرتی ہے رسالہ قطبیہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

صرفت شطرا من عمری وبرھۃ من دھری مذ میطت عنی التمائم ونیطت علی العمائم فی اقتناس مثوارد المعقولات۔ (حاشیہ رسالہ میر زاھد ص۳)

یعنی میں نے فن معقول کے مشکل مباحث کے حاصل کرنے اور اسکو حل کرنے میں اپنی زندگی اس وقت سے وقف کر دی جب کہ میری لڑکپن کی تعویذ اتار دی گئی اور عمامے مجھ پر باندھ دیئے گئے۔

(تصنیف وتالیف کو پاکیزہ بنانے کا طریقہ)

مقدمہ ابن صلاح میں حافظ ابن صلاح نے لکھا ہے کہ جب کوئی مضمون یا کوئی رسالہ یا کوئی کتابچہ یا کوئی تصنیف تیار کرو تو اس کو تیار کرنے کے بعد اس پر بار بار نظر ڈالو اس کے اندر کبھی کچھ چیزیں حذف کرو اور کبھی کچھ چیزوں کا اضافہ کرو، حافظ نے لکھا ہے کتاب اللہ کے علاوہ کوئی ایسی تحریر کل نہیں پائی گئی جس میں نظر ثانی وثالث کے اندر کوئی خامی ونقص نہ ملے، مقدمہ ابن صلاح میں اس تشریح کے مطابق

امام بخاریؒ نے اپنی تصنیفات پر تسوید تبییض کے درمیان تین بار نظر ڈالی، چنانچہ محمد بن ابی حاتم وراق البخاری نے امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے "صنفت جمیع کتبی ثلاث مرات" یعنی ہر کتاب کی تصنیف میں نے تین مرتبہ میں کی ہے اصل مسودہ پر نظر ڈال کر دوبارہ سہ بارہ نظر کے بعد مسودہ کو تصنیف کی شکل میں لاتا ہوں۔

یہ ہے امام الحدیث امام بخاریؒ کا طریقہ تصنیف، کاش ہم بھی اسی طرز کو اپنائیں۔

کسی روایت کی نقل اور کسی واقعہ کے بیان میں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ خلاف عقل نہ ہو

اگر کوئی مضمون نگار یا صاحب مقالہ، اپنے مضمون اور اپنی عبارت میں ایسی واہی بات لکھ جائے جو عقل کے تقاضہ کے مطابق نہ ہو تو ایسا رسالہ، مضمون و مقالہ اور ایسی کتاب معنی کے اعتبار سے مردود ہو جائیگی اور اسے اکاذیب اور نامعقولیت کے دفتر میں داخل کر دیا جاتا ہے اس رسالہ اور مقالہ اور مضمون کا کوئی وقار نہیں رہتا جو عقل و فہم سے میل نہ کھاتا ہو اور اس کے معیار سے نیچے گر گیا ہو۔

عقل و فہم اور درایت سے کام لینے کی ایک مثال

محدثین و مفسرین نے کسی راوی کی روایت کے ساتھ اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے کہ اسکی روایت عقل کے مطابق ہے کہ نہیں؟ جب اسی طرح غور کرتے تھے تو ان چیزوں کے خلاف جو روایات ہوتی تھیں ان کو صحابۂ کرام بھی رد کر دیتے تھے اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

امام طبرانیؒ معجم کبیر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند حلہ پہن کر مدینہ سے کچھ فاصلہ پر رہنے والے بعض اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ میں جس گھر میں چاہوں ان کی عورتوں کو جھانک اور دیکھ سکتا ہوں، ان اصحاب النبیؐ نے سوچا "عہدنا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یامر بالفواحش" (یعنی ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات مبارکہ معلوم ہیں، ایسی فحش باتوں کی تلقین وہ نہیں کرسکتے)۔ بہرحال ان لوگوں نے اس شخص کو ایک گھر میں ٹھہرایا اور اسکی لاعلمی میں تحقیق حال کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے آدمیوں کو بھیجا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا پُرفریب ماجرا سن کر بہت خفا ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھیجا کہ تم دونوں جاؤ اگر وہ زندہ ملے تو قتل کر دو اور اس کے جسم کو آگ سے جلا دو، یہ حضرات جب وہاں پہونچے تو وہ مردہ کی شکل میں ملا وجہ یہ تھی کہ رات کو جب یہ شخص پیشاب کیلئے باہر نکلا تو اسے کسی سانپ نے ڈس لیا اور وہ لقمۂ اجل ہو گیا، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے حسب الحکم اسے آگ سے جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیا اور جا کر عرض حال

کیا تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ (مجمع الزوائد ج اص
محدثین کرام نے اس روایت کو اصول درایت سے ہی غلط ٹھہرایا ہے اولاً شریعت کے دیگر ضوابط کو دیکھ
اس کے خلاف نظر آیا کیونکہ تمام احادیث متعلقہ باب میں لوگوں کے گھروں میں جھانکنے تاکنے کی ممانعت ہ
طور پر موجود ہے۔ دوئم یہ کہ عادت نبویہ پر جب غور کیا گیا تو اس کی نظیر نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کسی وقت اور کسی حال میں مردوں کو جلانے کا حکم دیا ہو۔
سوئم انہوں نے حدیث مذکورہ بالا پر اس طرح بھی غور کیا کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ نبی کریم صلی ا
وسلم کے اصحاب افترا علی النبی اور تعمد کذب سے کام لیتے ہیں حالاں کہ نبی کے تزکیہ و تربیت کے بعد ا
کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیث گڑھ کر منسوب کرنا ثابت نہیں نعوذ باللہ۔
(مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴۹ و مجمع البحار ج ۲ ص ۵۴۴)
چنانچہ یہ روایت موضوع قرار دی گئی عقل و نقل ہر اعتبار سے گری ہوئی ہے اس لئے یہ اور اس طرح
تمام موضوع روایات دروغ بے فروغ میں داخل ہے کسی اسلامی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے ؎

آنانکہ چشم بر گل تحقیق واکنند ✤ از ہر چہ فہم رنگ نکیر دحیا کنند

ایک واقعہ

تاریخ صغیر میں امام بخاریؒ نے ایک ایسے بزرگ کا واقعہ قلمبند کیا ہے جنہ
نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف زمانہ پایا تھا ان کو مختار ثقفی نے راستہ جاتے ہوئے اپنے ملازمین کے ذریعہ
کرایا اور ان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے میں ان کے واسطے سے اپنے
میں مفید مطلب باتوں کی روایت کرونگا تمہاری خاموشی اور رواداری پر سات سو دینار بطور انعام دوں
نے سن کر یہ کہا: الکذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجب النار وما انا بفاعل۔ (تاریخ صغیر ص
یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والے کی سزا جہنم ہے میں ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔
اس سے معلوم ہوا کہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کا صحابہ کرام و شیوخ عظام پر بڑا
تھا اور ان کے سامنے یہ وعید ہمیشہ مستحضر رہتی تھی پس وہ کذب علی النبی خود تو کیا کرتے دوسروں نے جب ا
علی النبی کی ان سے خواہش ظاہر کی تو انکار کرتے ہوئے ان سے کہا ؎

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ ✤ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

اور اسی طرح رواۃ کے اعتبار سے بھی یہ روایت کمزور ہے کیوں کہ روایت مذکورہ بالا کے متعلق محدثین نے امر پر بھی غور کیا ہے، یہ روایت جس طرح درایتاً صحیح نہیں ہے سنداً بھی صحیح نہیں ہے، اس کے بعض راوی اور واہی الحدیث ہیں اور بعض راوی مختلط الحافظ ہیں (مجمع الزوائد جلد اول ص۵۷)

رسائل و مقالات کے لکھنے والے اور مصنفین کا روز و شب

۱۔ علمی خدمت کرنے والے اور مضامین و مقالات لکھنے والوں کا رات دن کس طرح گذرتا ہے اور کس اپنے علمی ایام کو مشغولیت کے ساتھ صرف کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ ائمہ کرام جن کے نام پر ہم فخر کرتے ہیں اور ان کی ہوئی کتابوں کو باعث افتخار سمجھتے ہیں ان لوگوں کو مضامین اور مواد حاصل کرنے میں ایسا انہماک رہتا دوپہر کے کھانے کو بھی اپنی علمی مشغولیت کے سامنے مداخلت سمجھتے تھے اور کھانے پینے کے اوقات کو ضیا وقت کا موجب گردانتے تھے اس لئے وہ دوپہر کے کھانے کو نہ کھا کر اپنی قیمتی اوقات کو بچاتے تھے چنانچہ امام رازی جن کے نام نامی کی عرب درسگاہوں کے درودیوار سے آوازیں آتی ہیں یہ کھانے کے وقت علمی شغل و بینی کا موقع فوت ہو جانے پر کف افسوس ملتے ہوئے فرماتے تھے: "واللہ إني لأتأسف في الفوات عن الاشتغال بالعلم وقت الأكل فان الوقت والزمان عزيز۔" (عیون الانباء جلد دوم ص۲۳)

معلوم ہوا کہ مطالعہ چھوڑ کر کھانا کھانے میں جو وقت صرف ہوتا تھا اس پر امام کو تاسف ہوتا تھا

۲۔ اسی طرح مولانا عبد الحئی فرنگی محلی نے اپنی کتاب "الفوائد البھیۃ" میں لکھا ہے کہ علامہ خیالی نے جنہ نے اپنی کتاب خیالی کو شرح عقائد نسفی کی شرح کے طور پر لکھی ہے وہ اکثر روزہ رکھتے تھے تاکہ لکھنے پڑ کے لئے اوقات محفوظ رہیں، صرف شام کو کھانا کھاتے تھے اور اگر کہیں روزہ نہیں رکھتے تو پھر بھی شام کھاتے تھے، علامہ نے لکھا ہے وہ اتنے دبلے پتلے ہو گئے تھے کہ انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی میں جو بنتا تھا اس میں انکا ہاتھ بازو تک چلا جاتا تھا (الفوائد البھیۃ)

۳۔ یہ بات اہل علم میں مشہور ہے کہ صاحب ہدایہ نے "المبتدی" کی شرح ۸۰ اسی جلدوں میں لکھی تھی اور تیرہ برس تک مسلسل روزہ رکھ کر وہ اس مشغل تصنیف میں مشغول رہے پھر سوچا کہ ایسی طویل و ضخیم کتا لوگ پڑھ نہ سکیں گے اس لئے انہوں نے اس کا اختصار چار جلدوں میں لکھا اب اسی کا نام ہدایہ ہے (اتحا ان ائمہ کرام نے اپنی علمی اوقات کو بچانے کے لئے کھانے پینے سے بھی ایک حد تک پرہیز کیا اور انہیں او

میں اپنے علمی کام کرتے رہے، اسی طرح آج کے دور میں بھی علمی کام کرنے والے اور مضامین و مقالات کے لکھنے والے اگر اس طرح کا ماحول بنائیں اور غایت درجہ انہماک و اشتغال کا رویہ اختیار کریں تو ان کے مضامین مقالات رسائل و تصنیفات میں بھی وزن اور قیمت کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

جماعت اہلحدیث مسلک سلف اور طریق محدثین کی امین ہے اور ہر دور میں اسلامی عقیدہ اور فقہی مسائل و معاملات کی تعبیر و تشریح صحیح ڈھنگ سے کرتی آئی ہے، افسوس ہم دیکھ رہے ہیں کہ صحافت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں اس جماعت کے پاس مطلوبہ معیار موجود نہیں ہے۔

ایک وقت تھا کہ شیخ الاسلام فاتح قادیان شیر پنجاب علامہ ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ اپنے اخبار اہلحدیث کے ذریعہ تہلکہ مچائے ہوئے تھے، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اخبار الہلال والبلاغ کا زور و شور آبشار سے کہیں بڑھ کر تھا، آج ہماری صحافت بہت محدود ہو کر رہ گئی ہے جبکہ جماعت میں اخبار و رسائل کی کمی نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب مقالات اور مضامین اور کتابیں اور رسالے خون جگر سے لکھے جائیں گے تو ان کتابوں اور رسالوں اور مضامین و مقالات کا معیار کچھ اور ہی ہوگا، ایک زمانہ تک ان کی قدر و قیمت باقی رہے گی، اصغر گونڈوی کیا خوب لکھتے ہیں ؎

اصغر غزل میں چاہیئے وہ موجِ زندگی | جو حسن ہے بتوں میں جو مستی شراب میں

ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم لکھتے ہیں ؎

واعظِ قوم میں وہ پختہ خیالی نہ رہی | برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی | فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

یعنی ہمارے واعظ و خطیب میں اور مقالہ نویس اور مضمون نگاروں میں اب وہ پختہ خیالی، شعلہ مقالی، تیز طبعی ذکاوت و ذہانت نہیں رہی جو ہمارے اسلاف کرام میں تھی اسی طرح وہ روح اور جذبۂ اخلاص اور فہم و دانش اور حکمت و فلسفہ بھی نہیں رہا جو ہمارے ائمہ ھدی بزرگان دین اور علمائے سلف میں تھا جسکی وجہ سے جوش اور جنون اور انقلاب آفرینی کے جذبات اب سرد ہو گئے ہیں اور ہماری قوم میں نہ کوئی زندگی و جوش پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی اضطراب و انقلاب لاپاتے ہیں۔

مدیران حضرات یہ خوب سمجھ لیں کہ وہ باطل کے بالمقابل حق کے سپاہی اور دعوت ایمان کے علمبردار ہیں انہیں اپنی پوری قوت وصلاحیت سے ان آھنی زنجیروں کو توڑ ڈالنا ہے جس کے حصار اور قید وبند میں شیطان نے پوری انسانیت کو جکڑ کر رکھ دیا ہے اور دین وتوحید کے خلاف ایک محاذ بنا رکھا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم اپنے رسائل وجرائد کو وقت کے تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے علمی وفکری اور دعوتی مضامین سے مزین کریں جو ہر قاری کے دل کو متاثر کردے اور دعوت حق کے تسلیم کرنے پر وہ مجبور ہوجائے خفتہ دلوں کے لئے وہ ایک صوربیداری ثابت ہو اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق دے اور ہماری صحافت کو عروج وترقی بخشے ۔

وما علینا الا البلاغ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

وفات مولانا نورعظیم ندوی رحمہ اللہ

مولانا عبدالنور ندوی تقریباً باون ۵۲ سال کی عمر میں گردہ کے مرض میں مبتلا ہوکر ۳۱جنوری ۱۹۹۳ء کو لکھنؤ میں انتقال کرگئے "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون"۔ موصوف ضلع سدھارتھ نگر کے موضع اکرہرا کے رہنے والے تھے، آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فضیلت اور جامعہ ازہر مصر سے ماجستر کیا تھا، اور ندوۃ العلماء میں ادب کے ممتاز مدرسین میں سے تھے، آپ ندائے ملت لکھنؤ کے تقریباً چار سال تک مدیر رہے، نیز رابطہ ادب اسلامی کے لکھنو کے آفس سکریٹری بھی رہے اور جریدہ الرائد کا ضمیمہ ادب اسلامی نکالتے رہے، موصوف بنیادی طور پر ایک اچھے ادیب تھے اور ادبی افکار ونظریات سے آگاہ تھے آپ کی وفات سے جماعت اہل حدیث نے ایک اچھا ادیب کھودیا، ایک اہل حدیث گھرانہ کے چشم وچراغ تھے اور زندگی کے آخری سانس تک اپنے مادرعلمی ندوۃ العلماء کے مخلص خادم گذار رہے

ادارہ محدث دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)

ملک کی موجودہ صحافت کا سرسری جائزہ

حضرت مولانا محمد رئیس ندوی / استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

الحمد للہ رب العٰلمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ واھل بیتہ اجمعین۔ أما بعد! فأعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ونحن أقرب الیہ من حبل الورید، إذ یتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید، ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ (پ ۲۶۔ سورۃ قٓ: ۱۶، ۱۷، ۱۸)۔

حضرات! صدر محترم وتمام حاضرین مجلس! جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ مرے اس مقالہ کا موضوع ہے " ملک کی موجودہ صحافت کا سرسری جائزہ " اس مختصر سے وقت میں ظاہر ہے کہ ملک کی موجودہ صحافت کا سرسری جائزہ ہی لیا جا سکتا ہے، وہ بھی سرسری جائزہ صرف اشارات پر مشتمل ہوگا۔ اس وقت تفصیلی وتحقیقی جائزہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

موجودہ زمانہ میں جو لوگ اخبارات، صحافت، جرائد ومجلات کا مطالعہ روزآنہ باقاعدہ طور پر بالالتزام کرتے رہتے ہیں اور معاملہ فہمی وحقیقت شناسی کی تھوڑی بہت بھی سوجھ بوجھ وبصیرت رکھتے ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں کہ ملک کی جو غالب اکثریت ملک کے نظام پر چھائی ہوئی ہے اور اپنے کو تمام معاملات میں سفید وسیاہ اور رد وبدل کا حق دار سمجھتی ہے وہ موجودہ صحافت کے ذریعہ اپنے نظریات وموقف وافکار وخیالات کے پرچار وپبلسٹی وتشہیر واشاعت میں نہ صرف نہ کہ پورے انہماک اور سرگرمی سے مصروف ہے بلکہ ملک کی اقلیت وکمزور اور وسائل وانصاف سے محروم دبے سہارا طبقہ انسانی کے اوپر اپنے نظریات وافکار اور موقف وخیالات کو جبراً وقہراً مسلط ومتغلب کرنے میں پورے زور وشور کے ساتھ مشغول ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے بذریعہ صحافت ایک طبقہ کو دوسرے کے خلاف مشتعل کرنے اور جذبات واحساسات اور جوش وخروش سے مغلوب ہو کر غیر سنجیدہ

وغیر منطقی اقدام وکارروائی کرنے اور جاری رکھنے پر آمادہ وبرانگیختہ کرنے میں زور وزر اور تمام وسائل ووذرائع استعمال کر رہی ہے پورے ملک پر متغلب ومتصرف اس صحافت کے بالمقابل اگر دوسرے طبقہ کے دم توڑتے ہوتے کمزور ونحیف وناتواں اخبارات وجرائد تمام تر احتیاطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات کہہ بھی دیتے ہیں یا انکی حمایت میں اگر اسی طبقہ کے طرف سے کوئی بات کہی جاتی ہے تو وہ نقارخانوں میں طوطی کی آواز بلکہ نقارخانوں میں طوطی کی آواز سے بھی زیادہ بے اثر ثابت ہوتی ہے اور ملک کے سیاسی وسرکاری وسماجی امور پر قائدانہ گرفت رکھنے والوں بلکہ غالب آبادی رکھنے والے افراد واشخاص تک یہ طوطی کی آواز اولاً پہنچ ہی نہیں پاتی ثانیاً اگر پہنچ بھی جاوے تو خود غرض ومفاد پرستی پر قائم عناصر اپنے مقاصد کے پیش نظر طوطی کی اس آواز کی طرف نہ دھیان دیتے ہیں نہ اسکا کوئی اثر لیتے بلکہ اور نہ اسکی کوئی ضرورت ہی محسوس کرتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ کسی بھی ملک وقوم کی قیادت ورہنمائی یا کسی بھی قومی وسیاسی مسئلہ میں صحافت کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور اس معاملہ میں اس کے اثر ورسوخ کی اہمیت معروف ومسلم ہے۔ صحافت کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ اکثریت واقلیت اور غالب ومغلوب سے وابستہ اپنے مقاصد پر نظر رکھے بغیر امر واقع کی اشاعت وترویج کرے اور امر واقع کی تحقیق وتجزیہ میں ایسا موقف اختیار کرے کہ ملک کے باشندے خصوصاً اہل سیاست وسرکاری لوگ کسی بھی معاملہ میں حقیقت کے مطابق صحیح طریق وموقف اختیار کریں اور اس پر عمل کریں۔

صحافت کی قوت واہمیت کا اندازہ ہمارے ایک مشاہدہ سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ جامعہ سلفیہ بنارس کے زیر انتظام ایک یونانی طبیہ کالج کے افتتاح کے موقع پر صحافیوں کی طرف سے پریس کانفرنس میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ یوپی میں کئی سالوں سے صوبائی حکومت کا یہ قانون بنا ہوا ہے کہ کسی نے یونانی طبیہ کالج کی سرکاری منظوری نہیں دی جائے گی تو پھر یہ طبیہ کالج کس طرح چل سکے گا اور وہ کس کام کا ہوگا ہم اس جگہ اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ اس سرکاری اقدام پر سرکار سے پریس نے کوئی محاسبہ کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں اسکی وضاحت کی یا سرکار سے وضاحت طلب کی کہ آخر اس سرکاری اقدام کی وجہ جواز کیا ہے اور سرکار نے یہ موقف کیوں اور کس اصول انصاف یا ضرورت کے تحت اختیار کیا ہے مگر اس یونانی طبیہ کالج کے افتتاح کے موقع پر پریس کانفرنس کا یہ سوال اتنا رنگ لایا یا اسکا اثر ظاہر ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں بعد اس طبیہ کالج کو بند کر دینا پڑا اور اس سلسلے میں ناخوشگوار صورتیں ظاہر ہوئیں لیکن مرکزی حکومت نے دستور ہند کے خلاف ورزی کرتے ہوئے بہت ساری قبائح وفضائح کا حامل

ایک ایسی دفعہ دستور ہند میں بڑھائی جس کے تحت دستور ہند میں مسلمانوں کو دی گئی دینی و اسلامی استقلال
و آزادی بڑی آسانی کے ساتھ ختم کر کے عدالتیں مسلم مطلقہ عورت کو ناجائز طور پر طلاق دہندہ شوہر سے تاحیا
یا نکاح ثانی نان نفقہ و سکنیٰ دلانے کی مجاز و مختار ہو گئی تھیں تو ملک پر چھائے ہوئے غالب صحافتی عناصر
ماتھے پر کسی قسم کی شکن آنے کی بات دور ہے جو نظر بھی نہیں رہ گئی اور متغلب صحافت نے دستور ہند میں ا
نامعقول دفعہ کے خرابیوں کو نہ واضح کیا نہ ملک اور ملکی سرکار و سماج سے کوئی باز پرس کی بلکہ اس متغلب صح
نے اس نامعقول اور مبنی بر ظلم دفعہ کی حمایت اپنی پوری قوت کے ساتھ شروع کر دی اور شاہ بانو کیس والا تار
واقعہ تاریخ ہند میں اپنی تمام ناگواریوں کے ساتھ پیش آگیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس دفعہ و کیس کے خلاف مسلمانو
کے احتجاج و چیخ پکار کے جواب میں متغلب صحافت نے محاذ آرائی اختیار کر لی پھر اسی صحافت نے بابری
کے معاملہ میں شاہ بانو کیس کو غالب اکثریت کے اس موقف کے حق بجانب ہونے کی نظیر قرار دے لیا کہ مسجد توڑ کر ا
جگہ پر بت خانہ بنانے کے معاملہ میں ملکی دستور اور عدل و انصاف کے اصول کو بالائے طاق رکھکر عدالت کے فیصلہ کو
کرنے کے معاملہ میں غالب اکثریت اسی طرح حق بجانب ہے جس طرح اقلیتی فرقہ والے شاہ بانو کیس میں دستور ہند
خلاف دفعہ اور سپریم کورٹ و ہائی کورٹ کے فیصلے کو نہ ماننے میں اپنے کو حق بجانب کہتے ہیں۔ اس متغلب
نے یہ نہیں کہا کہ شاہ بانو کیس والا عدالتی فیصلہ سپریم کورٹ و ہائی کورٹ نے دستور ہند کی جس دفعہ کے تحت کیا
وہ دفعہ بذات خود دستور ہند کے خلاف تھا اور اس دفعہ سے دستور ہند کی بہت ساری بنیادی دفعات باطل
تھیں لہذا عدالتی فیصلہ اور سرکاری موقف سراسر باطل تھا جس سے راجیو سرکار نے رجوع کر کے کسی قدر م
رویہ اختیار کیا۔ یہ غالب صحافت ملک کی غالب اکثریت اور ان کے قائدین سے یہ نہیں پوچھتی کہ دستور ہند میں ج
اکثریت و اقلیت کو یکساں مذہبی و غیر مذہبی حقوق حاصل ہیں تو اپنی کسی برتری و بالادستی کی بنیاد پر بابری مسجد کے م
میں اپنے اختیار کردہ اس موقف میں غالب اکثریت اور اس کے قائدین و زعما حق بجانب ہیں کہ اس متنا
معاملہ میں ہم عدالتی فیصلہ نہیں مانیں گے شاہ بانو والا کیس متنازعہ معاملہ نہیں تھا وہ خالص مسلمانوں کی
کا معاملہ تھا جس سے ملک کی غالب اکثریت کو کوئی سروکار نہیں تھا اور مسجد والا متنازعہ معاملہ ایک مذہبی
اور اس سے متعلق سرکاری و غیر سرکاری موقوفہ آراضی کی ملکیت سے تعلق رکھتا ہے کہ جو عبادت گاہ تقریباً
سو سال تک مسلمانوں کی عبادت گاہ بلا کسی اعتراض کے تسلیم شدہ تھی اس پر یک وقت اچانک بلا مستند دا

کے حق ملکیت کا دعوئی متغلب اکثریت ایسا نزاع کھڑا کرنے کا موجب ہے جسکی اجازت قانونی اور دستوری طور پر نہ دستور ہند میں ہے نہ انسانی سماج کے اصول اخلاق میں اس بات کی تنقیح و توضیح اور ترویج کے بجائے متغلب صحافت متغلب اکثریت کی حمایت میں جٹ گئی اور ابھی تک جٹی ہوئی ہے۔ تمام باشندگان کو دستور ہند میں یکساں حقوق دئے جانے کا مطلب ظاہر ہے کہ جس طرح اقلیت کو اکثریت کے جذبات واحساسات کا احترام کرنا چاہئے، اسی طرح اکثریت پر بھی اقلیت کے جذبات واحساسات اور مذہبی عقائد وامور کا احترام لازم سمجھنا چاہئے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ غالب اکثریت کا طرز عمل وطریق کار اسکے بالکل برعکس وبرخلاف ہے اور متغلب صحافت اس طرز عمل وطریق کا غلطی واضح کرنے کی بجائے اسکی تقویت وحمایت میں مصروف کار ہے اور مغلوب وکمزور صحافت ظاہر ہے کہ بے اثر و بے جان ہے اسکی آواز میں اتنا جہر ذرہ ہی نہیں کہ وہ پوری دنیا کیا معنی اپنے ملک کے تمام لوگوں خصوصاً قائدین ملک تک پہنچ سکے۔ جو عبادت گاہ تقریباً پانچ سو سال سے مسجد مانی اور سمجھی جاتی رہی ہے جس کے بارے میں اس کا کوئی تاریخی مستند ثبوت نہیں کہ بت خانہ تھی اس کی بابت جو لوگ یک بیک یہ دعوی کرنے لگ گئے ہیں کہ یہ بت خانہ تھی جسے توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے ان سے متغلب صحافت نے کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ اس طویل مدت تک تم اس معاملہ میں کیوں گونگے بہرے بنے رہے جبکہ تمہارے پاس اپنی بات پر کوئی مستند ثبوت وقابل قبول دلیل بھی نہیں ؟ غیر ملکی تسلط یعنی برطانوی حکومت سے ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد کے طویل زمانہ میں اکثریت واقلیت ایک آواز ہو کر مصروف رہی اس زمانہ میں بھی اکثریت کی طرف سے نہیں کہا گیا کہ بت خانہ توڑ کر مسجد بنائی گئی اس عمارت کو ملک کو آزاد کرا لینے کے بعد ہم دوبارہ بت خانہ میں تبدیل کر لیں گے جو معاملہ اس طرح کا ہو اس معاملہ میں ملک کی متغلب صحافت کا موجودہ رویہ جیسا کچھ ہے اہل نظر پر مخفی نہیں۔

ملک کی متغلب صحافت مسجد توڑ کر مندر کی تعمیر کرانے کے وعدہ پر دوٹنگ والیکشن کے مطابق کرسئی اقتدار پر فائز ہو جانے والی بعض ریاستی سرکاروں سے اپنے کو اس عہد کا پابند کہتی ہے اس سے یہ پوچھے کہ دوٹنگ کی بنیاد پر ملک کی بعض مشرقی ریاستوں کی کرسئی اقتدار پر کمیونسٹ کو بھی قبضہ وتصرف حاصل ہے اسے مارکس ولینن و خروشچوف کے اصول وطریق پر عمل کرتے ہوئے اس ریاست کے تمام مندر اور بت خانوں کو اپنی تحویل و تصرف وقبضہ میں لیکر انھیں میوزم عجائب گھر یا سرکاری آفسوں میں بدلنے یا ان میں پوجا پاٹ بند کر دینے کی کارروائی شروع کرنے کی بیہ ریاستی سرکار پوری طرح آزاد ہے اور اسے ایسا کرنا بھی چاہئے۔ ہمارے ملک کی متغلب صحافت کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ملک کے اکثریتی طبقہ کے مذہبی رہنماؤں میں سے سوامی دیانند اور ان کے تلامذہ، معتقدین ومتوسلین

کہنا ہے کہ ہندو مذہب میں مورتی پوجا کے لئے تعمیر منادر کی اجازت نہیں بلکہ ممنوع وناجائز ہے اسی بنیاد پر ایام قدیم
میں غیر ہندوؤں یعنی بودھوں اور جینیوں کے بنائے ہوئے عام بت خانوں کو ویدک دھرم کے متبعین نے اپنے مذہبی رہنماؤں
کی قیادت میں توڑ پھوڑ کر مسمار ومنہدم اور زمیں بوس کر دیا تھا پھر اسی ہندو دھرم کے متبعین بت شکنی اور بت خانوں کی تہدیم
کے بجائے اقلیت کی عبادت گاہوں پر جبراً قابض ہو کر انکی جگہ پر بت خانوں کی تعمیر والے اپنے رویہ میں بہر حال حق بجانب ہونے
کے مذہب حق کے مخالف ہیں یہ صحافت اپنا زور بیاں صرف نہ کر کے اس معاملہ کو ملک کے سامنے آخر کیوں نہیں پیش
کرتی؟ ہمارے اس سوال کے معقول جواب میں ملک وقوم کے بہت سارے پیچیدہ مسائل کا حل مضمر ہے مگر اس طرح
کے حل وجواب سے ہماری متغلب صحافت کو نہ کوئی سروکار ہے نہ واسطہ بلکہ اس کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس وبرخلاف
ہے

کسی متنازعہ عمارت کے اصلاً بت خانہ یا مسجد ہونے کا فیصلہ جس قسم کے ثبوت ودلائل پر منحصر ہے جسکی تنقیح وتجزیہ
وتوضیح کر کے ملک کے سامنے زور وشور کے ساتھ پیش کرنا صحافت کی ذمہ داری بلکہ اس کا بہت بڑا فریضہ ہے مگر اس
صحافت نے اپنے اس فرض وذمہ داری کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ سوامی دیانند اور ان جیسے قائدین ہندو مذہب
کا کہنا ہے کہ رام ویدک دہرم کے پیرو ومعتقدین میں سے تھے جس میں مورتی پوجا اور مورتی پوجا کے لئے بت خانوں کی تعمیر ممنوع ہے
پھر تو رام مندر کی تعمیر رام کے عقیدہ ودھرم کے عین خلاف ہے، دریں صورت اپنے کو رام کا معتقد ظاہر کرنے والوں کا
موجودہ رویہ وطریقہ بالکل ہی غیر منطقی اور غیر سنجیدہ ہے، اس نامعقول وغیر منطقی وغیر سنجیدہ طرز عمل پر متغلب صحافت
نہ تو سرکار سے مواخذہ کرتی ہے نہ اس میں ملوث عوام سے۔ ہماری ان گذارشات کے ساتھ یہ بات ملحوظ رہے کہ ملک کے متغلب
اکثریتی طبقہ کے عقیدہ ومذہب کا دار ومدار جن مذہبی کتابوں پر ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی کسی رام مندر کا کوئی ذکر نہیں ہے یہ معلوم
ہے کہ اس اکثریتی طبقہ کی اہم ترین مذہبی وتاریخی کتاب مہابھارت رام چندر جی کے زمانہ بعد لکھی گئی اس میں بھی رام مندر کا
کوئی ذکر نہیں اور رام کی سیرت پر مستقل طور پر لکھی جانے والی کتاب والمیکی رامائن میں بھی اس کا کوئی ذکر اشارہ وکنایہ میں بھی
نہیں حتی کہ بابری مسجد کی تعمیر کے ایک زمانہ بعد تلسی کی لکھی ہوئی رامائن میں بھی اس مندر کا کوئی ذکر نہیں پھر آج اس
طرح کے مندر کے وجود کا ذکر کرنا اور یہ دعوی کرنا کہ اسی مندر کو توڑ کر بابر کے گورنر میر باقی نے اسکی جگہ مسجد بنوایا کیا معنی
رکھتا ہے؟ یہ سوال ملک کی متغلب صحافت کو پوری طاقت کے ساتھ متغلب اکثریت اور اسکی ہم مزاج ریاستی اکثریت کے سامنے
رکھ کر معقول جواب طلب کرنا چاہئے تھا؟ مگر کس کس بات کی نشاندہی کی جائے جب کسی ایک کے طرف بھی صحافت توجہ دینے

کی ضرورت نہیں محسوس کرتی ؟

یہاں یہ سوال بھی ابھر سکتا ہے کہ جب ویدک دھرم کی تجدید کے بعد ویدک دھرم کے معتقدین نے اپنے مذہبی رہنماؤں کی قیادت میں بودھوں اور جینیوں اور دوسرے بت پرست بھارتیہ باشندوں کے بت خانے ڈھا زمیں بوس کر دیے تو اس وقت انہیں بدھ لوگوں کا کوئی بت خانہ ممکن ہے کہ اس جگہ رہا ہو جس جگہ بابری مسجد بنا گئی مگر چوں کہ اس بت خانہ کو ویدک دھرم والوں نے ہندوستان میں بابر کے داخل ہونے سے سیکڑوں سال پہلے توڑ کر زمیں بوس کر کے زمیں کے برابر کر دیا تھا اور جس وقت اس جگہ پر باقی پہنچا اس وقت وہ زمیں اوپر سے بالکل خالص زمیں نظر آتی تھی لہٰذا وہاں اس نے مسجد بنا دی ممکن ہے کہ وہاں کھدائی کرنے سے ویدک دھرم کے معتقدین کے ہاتھوں کسی بدھ یا جینی یا کسی بھی بت پرست قوم کے توڑے ہوئے مندر کے بعض آثار ظاہر ہوں در یں صورت ان آثار کو اس بات کی دلیل کیونکر دیا جا سکتا ہے کہ یہاں رام مندر موجود تھا جسے میر باقی نے عہد بابری میں توڑا یہ سوال بھی ہماری متعلقہ صحافت نہیں کھڑا کرتی، ان تمام باتوں سے بڑھکر یہ ہے کہ ہندوستان میں بابر کے داخل ہونے سے پہلے بابری مسجد کے آس پاس مسلمانوں کی آبادی وعبادت گاہ کا دعویٰ متعدد ماہرین تاریخ کو ہے یہاں کوئی مندر تھا نہ بت خانہ وہیں میر باقی نے بھی ایک عبادت گاہ بنا دی جسے لوگ بابری مسجد کہتے پھر اس جگہ کسی زمانہ میں رام مندر کے موجود ہونے کا دعویٰ اس دعویٰ کے ساتھ کیوں کر مسموع ہے کہ اسے بابر نے توڑ کر مسجد بنوائی ؟ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں بابر کے داخل ہونے سے پہلے ہندوستان کے مشہور حکمراں ابراہیم لودی کے ایک بنگالی گورنر ببرک نے متنازعہ بابری مسجد بنائی اور ببرک بابر کی تصغیر ہے اسی مناسبت سے اسے بابری مسجد کہا جاتا ہے نہ کہ سلطنت مغلیہ کے بانی بابر کی طرف منسوب ہونے کی مناسبت سے اسے بابری مسجد کہا ہے، کیا اسی طرح کی بات ملک وقوم خصوصاً مرکزی اور ریاستی حکومت کے سامنے پیش کرنا اور اس پر تحقیق وتجزیہ کا مطالبہ کرنا ہماری صحافت کی ذمہ داری نہیں ہے جس عہدہ برا ہونا صحافت کا فریضہ اولین ہے ؟ میں انہیں چند اشارات کو بطور پیش کرنے پر اکتفا کرنا کافی سمجھتا ہوں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مُسلم صحافت سے متعلق
مَجلسِ مذاکرہ
منعقدہ جامعہ سلفیہ بنارس

مورخہ ۲،۳ر نومبر ۱۹۹۲ء کو جامعہ سلفیہ میں جماعتی مجلات و رسائل کے پس منظر میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی جس میں مسلم تعمیری صحافت کے خدوخال اور اصول و مقاصد کی تعیین و تشخیص سے متعلق امور پر غور و خوض کیا گیا۔ اس مذاکراہ کے انعقاد کا اصل محرک یہ خیال تھا کہ موجودہ دور میں صحافت کو ذرائع ابلاغ میں ایک اہم مقام حاصل ہے، اپنی دعوت کو دوسروں تک پہونچانے، اور اپنے موقف کا دفاع کرنے میں اس ذریعہ کی تاثیر مسلم ہے، ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری ملت و جماعت کے مجلات و رسائل کس حد تک صحافت سے مستفید ہوتے ہیں، اور اپنے مقاصد کے حصول میں انھیں صحافت سے کتنا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

صحافت سے جس طرح مسائل حاضرہ پر تنقید و تبصرہ کا کام لیا جاتا ہے، اسی طرح اس کے ذریعہ مستقبل کے لئے ذہن سازی و فکری رہنمائی کا مقصد بھی حاصل کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ دقت رسی اور بصیرت و حکمت کے ساتھ ان کا منصوبہ بنایا جائے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ ہمارے ملی و جماعتی پرچے ذہن سازی کے عمل میں کس حد تک کامیاب ہیں، یا اس سلسلہ میں ان کے پاس کون سی حکمت عملی ہے؟

مسلم تعمیری و بامقصد صحافت کے موضوع پر مذکورہ مجلس مذاکرہ شاید اپنی نوعیت کی پہلی مجلس تھی، اس لئے جامعہ سلفیہ نے اس کا دائرہ جماعتی مجلات و رسائل تک محدود رکھا تھا اور ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر اس مذاکرہ سے دلچسپی کا اظہار ہوگا تو آئندہ وسیع پیمانے پر کوئی اجتماع منعقد ہو سکے گا۔ الحمدللہ مذکورہ مجلس میں جماعتی رسائل کے مدیران و مالکان نے بڑے شوق و حوصلہ سے شرکت فرمائی، اور تبادلۂ خیال میں پورے طور

حصہ لیا، اور جامعہ کے اقدام کی حوصلہ افزائی فرمائی جس سے اس خیال کو تقویت حاصل ہوئی کہ جماعتی رسائل کے ذمہ داران کو اس بات کا احساس ہے کہ صحافت کا موضوع ہماری مزید توجہ کا محتاج ہے۔ ہر چند کہ صحافت سے متعلق یہ اجتماع مختصر اور محدود تھا، پھر بھی اس کے ذریعہ بحث و مناقشہ کا آغاز ہو گیا، اگر تعمیری روح کے ساتھ اس سلسلہ کو باقی رکھا جائے گا تو اس کے نتائج یقیناً مثبت و مفید ہوں گے۔

کسی بھی اجتماع کو ہر پہلو سے مکمل تشفی بخش نہیں کہا جا سکتا، جس طرح انسان نقائص اور کمزوریوں کا مجموعہ ہے اسی طرح اس کے اعمال وافعال بھی تشنگی کا شکار رہتے ہیں۔ جامعہ سلفیہ کی مجلس مذاکرہ شرکاء کی توجہ اور موضوع سے دلچسپی کے لحاظ سے کامیاب تھی، لیکن اس پہلو سے یہ مجلس تشنہ تھی کہ بہت سے امور اس میں زیر غور نہ آسکے، میں یہاں پر بعض امور کی جانب اشارہ ضروری سمجھتا ہوں۔

مجلس میں اس سوال پر وضاحت کے ساتھ تبادلۂ خیال نہیں ہو سکا کہ جماعتی صحافت اپنے مقاصد کی تکمیل میں کامیاب ہے یا نہیں، اگر اس سلسلہ میں اس میں کوئی نقص ہے تو اس کو دور کرنے کی کیا صورت ہے؟

شرکاء کرام نے جماعتی صحافت کے مرض کی تشخیص کے سلسلہ میں دور رس نگاہ اور حکیمانہ اسلوب سے کام نہیں لیا۔ نسبتہً غیر اہم اور فروعی مسائل ضرور زیر بحث آئے لیکن اس نقطہ پر خاطر خواہ روشنی نہیں ڈالی گئی کہ ایک مدیر کی اصل ذمہ داری کیا ہے، اور جب کوئی پرچہ اسے دیا گیا ہے تو اس کے تئیں امانت و دیانت کا تقاضہ کیا ہے؟ ملت کے مسائل کو سمجھنے اور ان مسائل میں ان کی رہنمائی کرنے کا فرض انجام دینے کے لئے اسے کیا کرنا چاہئے؟ قلم کی جس امانت کا وہ امین ہے اسے اپنے پرچہ میں وہ کیسے استعمال کرتا ہے اور اس کے قارئین کی اس سے کیا توقع ہے؟

جماعتی رسائل کے تئیں علماء کی ذمہ داری کیا ہے، اور اسے وہ کس حد تک ادا کر رہے ہیں؟ عام طور پر دیکھا جا رہا ہے کہ جماعتی رسائل کو مضامین کے حصول میں دشواری پیش آتی ہے، ان رسائل کی مالی حالت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ مقالہ نگاروں کو حق المحنت ادا کر سکیں، اور اہل قلم میں وہ رضاکارانہ جذبہ نہیں کہ وہ بلا معاوضہ لکھنے کے لئے تیار رہیں، نتیجہ کے طور پر رسائل میں زیادہ تر نو آموز حضرات لکھتے ہیں جس سے پرچہ کا معیار بلند نہیں ہو پاتا، اگر جماعتی رسائل کو معیاری و مفید بنانا ہو تو اس کے لئے کہنہ مشق علماء و محققین کی خدمات کا حصول ضروری ہے۔

ایک مخصوص طبقہ نے ملک میں جو ماحول پیدا کر دیا ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلم عوام کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ اور مسلم صحافت سے ہم کس حد تک موجودہ صورت حال کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ غیر مسلم صحافت نے مسلمانوں کے تئیں جو رویہ اختیار کر رکھا ہے، اس کے محرکات کیا ہیں؟ اور ہم کس طرح اس صحافت کی زہرافشانیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟۔

جماعتی پرچوں سے مسلم عوام کی وابستگی بیحد کمزور ہے، ہم کس طرح کتاب و سنت کی تعلیمات کو ان کے سامنے پیش کریں کہ وہ جماعتی پرچوں سے قریب ہوں؟۔

عالم اسلام و عرب میں صحافت کا حال اچھا ہے، اور اس کا ایک سبب وسائل کی کثرت و قوت ہے، اس باب میں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، البتہ مضامین و مشتملات کی حد تک ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن صرف ان ہی جرائد و مجلات سے جو ہمارے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں، کیونکہ عرب اور مسلم دنیا میں بھی متعدد ایسے پرچے موجود ہیں جو انھیں امراض کا شکار ہیں جن سے نجات کے لئے یہ مجلس بلائی گئی ہے۔

یہ اور اسی نوعیت کے دوسرے نقاط ہمارے علماء و مفکرین کی توجہ کے مستحق ہیں، لیکن ایک سب سے اہم نقطہ کسی مدیر یا ایڈیٹر کے عمل اور تحریر کے مابین مطابقت و توافق اور شریعت کی بنیادی تعلیمات کی پابندی کا ہے، جس طرح ایک داعی و مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ " لم تقولون مالا تفعلون " کی افسوسناک صورتحال سے بچے، اسی طرح ایک مقالہ نگار اور بالخصوص ایک مدیر کے لئے ضروری ہے کہ اس کے عمل سے اس کی تحریروں کی دھجیاں نہ اڑیں۔

ان سطور کے بعد ذیل میں وہ تحریر پیش کی جاتی ہے جس میں ایک جماعتی ماہنامہ کو معیاری و مفید بنانے کے لئے ضروری خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس خاکہ پر اضافہ کا امکان باقی ہے، لیکن اس میں جن امور کی نشاندہی کی گئی ہے، اگر ان کی صحیح طور پر پابندی کی جائے تو صحافت کی تاثیر و افادیت میں غیر معمولی اضافہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ درس قرآن

اسے اس طرح مرتب کیا جائے کہ بعد میں کتابی صورت میں جمع کیا جا سکے، مثلاً قرآن اور توحید، قرآن اور رسالت، قرآن اور بعث بعد الموت، قرآن اور نماز، قرآن اور عقائد، قرآن اور عبادات، قرآن کی اخلاقی تعلیم، قرآن اور معاملات، قرآن اور تاریخ، قرآن اور حکمرانی وغیرہ۔ ہر موضوع کی تمام آیات کو مناسب ترتیب سے پیش کر کے تفسیر و تشریح کی جائے،

پھر بعد میں انھیں کتابی صورت میں جمع کر دیا جائے۔
یہ ضروری ہے کہ ایک شمارہ کا مضمون دو صفحے سے زائد نہ ہو۔

۲۔ درسِ حدیث

درس قرآن ہی کی طرح اس کا خاکہ بھی بنا لیا جائے، اور اسی کے مطابق ہر شمارہ میں صرف دو صفحے کا مضمون دیا جائے۔

اگر علمی و اصلاحی انداز میں مذکورہ دونوں بنیادی مآخذ کی تعلیمات ہم مناسب اسلوب و زبان میں پیش کر دیں تو یہ اسلام کی اس دور کی سب سے بڑی خدمت ہو گی۔ اس سے بہت سے جزوی و ذیلی کاموں سے جس میں وقت اور سرمایہ لگتا ہے، ہم نجات پا جائیں گے، اور مسلمانوں نیز انسانی برادری کے سامنے ایسا ذخیرہ پیش کر دیں گے جس سے وہ ہمیشہ کے لئے استفادہ کر سکے۔ قرآن و حدیث کو صرف زبان سے مآخذ کہنا اور اپنی توجہ کا مرکز کسی اور چیز کو بنانا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے قرآن و حدیث پر توجہ نہ کرنے سے مسلمانوں کی زندگی میں جو خلا پیدا ہوا اسے لوگوں نے مختلف مضر اور نامناسب چیزوں سے پر کیا ہے، ہمیں اس پر توجہ کرنا چاہیے۔

۳۔ افتتاحیہ

افتتاحیہ ہمیشہ "مسائلِ حاضرہ" میں سے کسی ایک مسئلہ پر جو زیادہ اہم ہو، لکھا جائے، اور اختتام پر اسلام کی رہنمائی و تعلیم کو اس طرح پیش کر دیا جائے کہ قاری یہ یقین کر لے کہ موجودہ مسئلہ کا حل جو اسلام نے پیش کیا ہے وہی سب سے بہتر ہے انسانیت کی تاریخ میں مسائل کے حل کا جو تجربہ کیا گیا ہے اس سے استفادہ اس سلسلہ میں بے حد مفید ہے۔

۴۔ فکری وذہنی تربیت

یہ مقصد درسِ قرآن و درسِ حدیث سے بھی حاصل ہو گا، بشرطیکہ اسے سابقہ خاکہ کے مطابق مرتب کیا جائے، دونوں عناوین کے علاوہ دوسرے ایسے مضامین مرتب کئے جائیں جن میں سلف کے منہج کے مطابق مسائل کا تجزیہ کیا جائے، سلف کے منہج کی تشریح کی جائے، شرک و بدعت کی تردید کی جائے، الحاد و بے دینی اور اباحیت و بدخلقی وغیرہ کے مفاسد کو نمایاں کیا جائے، محاسنِ اسلام پر روشنی ڈالی جائے، انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کے مقصد کو واضح کیا جائے، تعمیرِ سیرت کی اہمیت کو بتایا جائے، حکومت

اقتدار کی ثانوی حیثیت اور تطہیر وتزکیہ کی اولین حیثیت کو واضح کیا جائے، شخصیت پرستی کے مفاسد کی نشان دہی کی جائے، تقلید کی وجہ سے امت میں جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں ان کو ذکر کیا جائے سلفیت کی بنیاد کس چیز پر ہے، اور سلفیت سے انقلابی لوگ کیوں بدکتے ہیں، اس کا عمیق تجزیہ تاریخ اسلام کی روشنی میں کیا جائے۔ اس موضوع کے لئے عصر نبوی وصحابہ کے بعد محدثین کرام، ائمہ دین اور بالخصوص امام ابن حنبلؒ، امام بخاریؒ، ابن تیمیہؒ، محمد بن عبدالوہابؒ اور سید احمد شہیدؒ وشاہ اسماعیل شہیدؒ کے مواقف وافکار سے بہت مدد ملے گی، اس پر توجہ نہ کی گئی تو جماعت کا تشخص ختم ہو جائے گا۔

۵ - سلفیت کی تاریخ کا کوئی حصہ

مسلک سلف کی خدمت کرنے والے ائمہ وعلماء ومجتہدین کے کارناموں کو مثبت علمی انداز میں اس طرح پیش کیا جائے کہ واضح ہو سکے کہ یہی لوگ اسلام کے سچے خادم ہیں، اور اس طرح بھی کہ دشمنانِ اسلام (مسلم وغیر مسلم دونوں) نے ان کے کارناموں کو مسخ کرنے کی جو کوششیں کی ہیں ان کی حقیقت واضح ہو جائے۔ صوفیاء، مقلدین، شیعہ اور معتزلہ سب نے ائمہ سلف کے کارناموں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، چاروں فقہی مذاہب کے مقلدین کا رویہ اس سلسلہ میں بے حد افسوسناک ہے۔

۶ - عالمِ اسلام کے حالات

مسلم ممالک کے مذہبی، سیاسی اور اقتصادی احوال کا تعارف، اور ان پر تبصرہ، اپنے منہج ونقطۂ نظر کی روشنی میں، اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ مختلف رجحانات کے لوگ دنیا میں مسلمانوں کی ایسی تصویر پیش کرتے جس سے تاثر پیدا ہوتا ہے کہ سب طرف انھیں کے خیالات کے ماننے والے موجود ہیں۔

اس میں اس بات پر بھی توجہ رہے کہ توحید وسنت کی اشاعت کے لئے کوشاں ملکوں کے اچھے حالات کو چھپایا جاتا ہے، ان کی دینی وعلمی خدمات کی تحقیر کی جاتی ہے، اور انسانیت واسلام کے حق میں ان کی زیادتیاں گنائی جاتی ہیں۔ لہذا ہم ان کی حقیقی خدمات سے عوام کو روشناس کرائیں، اور جو ملک غلط کام کر رہے ہیں ان کی غلطیوں کو واضح کریں۔ ایران وعراق جنگ اور خلیجی بحران کے دوران دنیا کے عام مسلمانوں کا جو رویہ رہا اسے بھی اس سلسلۂ مضامین میں سامنے رکھنا ضروری ہے۔

۷۔ ملکی حالات پر

ہمارا ملک ہندوستان بے حد طویل وعریض ہے، اس کے حالات بھی خاصے متنوع ہیں، چونکہ اسی ملک میں ہم کو دین وعلم کی خدمت انجام دینا ہے، اس لئے اس کے تمام حالات سے پوری واقفیت ضروری ہے۔ ان حالات کا تجزیہ سلفی نقطۂ نظر سے ضروری ہے، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ عوام کو کس چیز کی اور کب ضرورت ہے، ہم کو سیاست کے میدان میں اترنا مناسب ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو کب اور کیسے؟ سیاست کے علاوہ دیگر میدانوں میں ہم کس طرح کام کریں، ہمارا کام کس طرح مؤثر ہوگا؟ مذکورہ حالات ہم سے کیا تقاضہ کر رہے ہیں؟ ہمارے ملک کے مذکورہ حالات اسلامی تعلیمات سے دور ہیں یا قریب؟ اگر دور ہیں تو قریب لانے کی کیا تدبیر ہے؟۔

۸۔ اسلامی تاریخ وسوانح

اس میں صحابہ کرام (دونوں صنف) اور سلفی علماء کے احوال وسِیَر، اور اسلامی تاریخ کا تعارف داخل ہے۔ صحابہ کی سوانح سے عزم وحوصلہ اور قدوہ ملے گا، تاریخ کو صحیح طور پر پیش کرنے سے غلط افکار ونظریات کی بیخ کنی ہوگی۔ قدیم دور میں شیعہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ نے فساد پھیلایا تھا، اور جدید دور میں ملحدین، کمیونسٹ، اباحیت پسند، منکرین سنت، قادیانی، بریلوی وغیرہ فساد پھیلا رہے ہیں۔ ان سب کا جائزہ زیر نظر موضوع کے تحت لیا جائے، اور علماء کی زندگیوں نیز تاریخی واقعات سے اسلام اور منہج سلف کی حقانیت کو واضح کیا جائے۔ اسلامی تاریخ میں تشیع کا واضح اثر ہے جس سے افکار ومفاہیم کے سلسلہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں، اور صحابہ وتابعین کے بارے میں غلط نظریات کی اشاعت ہوئی ہے۔ ذہن میں اس پس منظر کو رکھ کر لکھنا ضروری ہے۔

۹۔ عورتوں کے لئے

ماہنامہ مجلہ میں ایسا دوصفحہ ضرور رہنا چاہئے جس میں عورتوں سے متعلق بنیادی مسائل ومعاملات کا ذکر ہو۔

خانگی زندگی میں عورت کو جن احکام ومسائل کی عام طور پر ضرورت ہوتی ہے، ان کا بیان ضروری ہے، شوہر کے حقوق اور شوہر کے اقرباء کے حقوق وغیرہ کی ادائیگی بچوں کی تربیت سے متعلق مسائل، تربیت میں کن امور کو اہمیت حاصل ہے۔

عورتوں کے سامنے مزاج و طبیعت کے لحاظ سے اسلام پر عمل کے لئے بہت سے معوقات ہوتے ہیں، زندگی میں تزیین و آرائش اور کمالیات کے سلسلہ میں اور عفت و عصمت کے تحفظ اور پردہ وغیرہ آداب کی پابندی میں بھی رکاوٹیں آتی ہیں، ان سب پہلوؤں پر کتاب و سنت کی روشنی میں لکھنا ضروری ہے۔

اسلامی احکام اور اسلامی تاریخ جب تک عورتوں کو اچھی طرح معلوم نہ ہوگی، وہ بچوں کا مزاج دینی نہ بنا سکیں گی۔ اسی طرح اُن کی نظر میں دین کی ایسی برتری اور اس کے احکام کا ایسا تقدس پیدا کرنا ضروری ہے کہ وہ بچوں کے اندر مذہب سے صحیح محبت اور لگاؤ پیدا کر سکیں۔ اس پہلو پر بھی مقالات کی ضرورت ہے۔

۱۰۔ بچوں کے لئے

بچوں کے لئے بھی دو صفحات ضروری ہیں جن میں ان کے مزاج و استعداد کو سامنے رکھ کر دینی باتیں بتائی جائیں۔ قرآن و حدیث میں جو واقعات مذکور ہیں ان کو سچے واقعہ کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ اسلامی تاریخ میں بہت سی شخصیات کے واقعات میں ایسے پہلو ہیں جن میں لڑکوں کے لئے دلچسپی ہے، انبیاء کے معجزات کو بھی اس سلسلہ میں مناسب طور پر پیش کیا جانا چاہئے۔ بندوں کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے اسلام کو ماننے اور توحید و رسالت پر ایمان لانے کی تحریک ہوتی ہے، ان واقعات کو بھی بچوں کے لئے مناسب طور پر پیش کرنا مفید ہے۔ سائنس کی نت نئی ایجادات و انکشافات کو بھی قدرتِ خداوندی سے جوڑ کر بیان کرنا بچوں کے لئے مناسب ہے۔

۱۱۔ اسلام کے زیر سایہ

غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کا سلسلہ ہند و بیرونِ ہند جاری ہے، مسلمان ہونے والے افراد میں سے اکثر افراد کے قبولِ اسلام کا واقعہ بڑا عبرت انگیز ہوتا ہے، اسلام میں داخلہ سے پہلے یہ افراد کفر و الحاد اور تشکیک و ارتیاب کی جس کشمکش کا شکار رہتے ہیں، پھر اس کے بعد اسلام کے لئے جس طرح ان کو شرحِ صدر ہوتا ہے اسے مناسب انداز میں بیان کرنا مؤثر ہوتا ہے۔

اس طرح کے واقعات سے لوگوں کے ذہن میں اسلام کی حقانیت اور صداقت کا یقین پیدا ہوتا ہے

ور اہل کفر کے اندر مایوسی کا احساس ابھرتا ہے ، اور معنوی قوت کمزور پڑتی ہے ۔ اس موضوع پر عربی میں
بعض اچھی کتابیں شائع ہوئی ہیں ۔ مناسب ہوگا کہ قبولِ اسلام کے تازہ واقعات کو مؤثر انداز میں پیش
لیا جائے تاکہ لوگوں کو اندازہ ہوسکے کہ اسلام میں کیا کشش ہے ۔

۱۲- فتاویٰ

پیش آمدہ مسائل میں کتاب و سنت کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی ضروری ہے
مختلف مسلکوں اور فرقوں کے لوگ فتاویٰ کے ذریعہ اپنے افکار و خیالات پھیلاتے
ں ، پرچہ میں فتاویٰ کا باب قائم کرکے عقائد ، عبادات و معاملات وغیرہ موضوعات میں صحیح مسائل کا
یش کرنا ضروری ہے ۔ اس کے لئے عوام سے سوالات کا انتظار صحیح نہیں ، معاشرہ کے حالات دیکھ کر سوال قائم
رکے جواب دینا اور اسے شائع کرنا مفید ہے ۔

دیگر مسلک کے فتاویٰ کا جائزہ بھی مناسب ہے ، تاکہ ان میں جو باتیں کتاب و سنت کے خلاف ہوں
ن کی تردید کی جاسکے ۔ تقلیدی مذاہب کے فتاوے قرآن و حدیث کے حوالوں سے خالی ہوتے ہیں ، ان
ا صرف اقوالِ رجال پر مدار ہوتا ہے ، ہمارے فتووں کو قرآن وحدیث کے حوالوں سے مدلل
نا ضروری ہے ۔

۱۱- جامعہ کے احوال وکوائف (محدث کیلئے خاص)

محدث جامعہ سلفیہ کا ترجمان ہے
اسی کے ذریعہ عوام سے ہمارا ربط
، اس کے ہر شمارہ میں جامعہ کے کچھ نہ کچھ احوال کا بیان ضروری ہے ، مختلف اداروں کے لوگ اپنے اداروں
احوال اس طرح مرتب کرتے ہیں کہ دوسرے ادارے ان کے سامنے دبے دبے نظر آتے ہیں ، اس چیز کو سامنے
کر حالات پر لکھنا مناسب ہوگا ۔

جامعہ کے مسائل اور پروگراموں کا سب کو علم نہیں ہوتا اور نہ ان کو معلوم کرنے کے لئے وقت ہوتا
، جب کہ سنجیدہ ذہن کے اہلِ خیر جامعہ سے ہمدردی رکھتے ہیں اور تعاون کرنا چاہتے ہیں ، ایسی صورت
ہمارا فرض ہے کہ جامعہ کی تدریجی ترقی اور موجودہ مسائل ان کے سامنے رکھیں ، اور ان سے تعاون
درخواست کریں ۔

محدث میں جامعہ کے احوال کی اشاعت سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ عوام میں اس کے سلسلہ میں کوئی غلط فہمی

پیدا نہیں ہوگی، اور لوگ صحیح صورت حال سے باخبر رہیں گے۔

۱۴۔ صحافت اور دیگر تصانیف کا جائزہ

جرائد و مجلات اور رسائل و کتب میں اکثر اسلام اور سلفیت کے خلاف کچھ نہ کچھ شائع ہوتا ہے، ایک مؤثر ماہنامہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کارکن گردوپیش کی باتوں اور معاصر صحافت کا جائزہ لیتے رہیں، اور نقد و تصحیح کا عمل جاری رکھیں۔

مسلم و غیر مسلم دونوں صحافتوں کا جائزہ ضروری ہے، اسی طرح شائع ہونے والی کتابوں کا تعارف بھی ضروری ہے تاکہ عوام ان کی اصل حیثیت سے آگاہ ہوسکیں۔ کتابوں اور صحافت کا زہر بڑا خطرناک ہوتا ہے، اگر ان کا تتبع نہ کیا جائے گا تو عوام کو غلط افکار و رجحانات سے محفوظ رکھنا مشکل ہوگا۔ متعصب غیر مسلم پرچے اور بدعتی مسلم پرچے جس طرح زہرافشانی کرتے اور مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، ان کا اندازہ ان تحریروں کو دیکھے بغیر نہیں ہوسکتا، ضروری ہے کہ محدث اور دیگر جماعتی رسائل میں ان پر برابر لکھا جائے، واللہ الموفق۔

مقتدیٰ حسن ازہری

۲۳/۲/۱۴۱۲ھ = ۳/۹/۱۹۹۱ء

ذرائع ابلاغ میں صحافت کی اہمیت

از، ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری / استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

الحمد للّٰہ رب العٰلمین، والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اُجمعین۔ اما بعد!

عصرِ حاضر کو ابلاغ عامہ اور اعلام کا دور کہا جاتا ہے کیونکہ اس دور کے نئے نئے انکشافات واختراعات اور جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ انسان نے اپنی زندگی کے مختلف شعبہ جات اور متعدد میادین میں کامیابی وترقی کے اعلیٰ مدارج جس طرح طے کئے ہیں اس سے کہیں بڑھکر اس نے ابلاغ عامہ اور اعلام کے میدان میں ترقی حاصل کی ہے۔ ایسے ایسے آلات اور مشینیں ایجاد کی گئی ہیں جن کے ذریعہ یہ وسیع وعریض دنیا بالکل سمٹ سمٹا کر ایک چھوٹے سے گاؤں اور قریہ بلکہ ایک محلہ کی مانند مختصر ہوگئی ہے۔ دنیا کے کسی گوشے میں رونما ہونیوالے معمولی سے معمولی واقعہ وحادثہ کی نہ صرف اطلاع کرۂ ارضی کے بالکل آخری سرے پر بسنے والے لوگوں کو چند لمحوں اور منٹوں میں ہوسکتی ہے بلکہ وہ اس کا عینی مشاہدہ بھی کرسکتے ہیں یہی نہیں بلکہ چند سینٹی میٹر مربع یا مکعب بلوری سکرین پر عالم ارضی کو محصور کردینے کے بعد بیسویں صدی کے انسان نے عالم فضا میں بھی اپنی کمندیں پھینکنی شروع کردی ہے۔ بڑی حد تک اس کو اس میدان میں بھی کامیابی حاصل رہی اور کوششوں کا سلسلہ برابر جاری ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہم عالم ارضی کیساتھ ساتھ عالم بالا یعنی شمس وقمر اور دیگر نجوم سماء سیاروں کے حالات اور ان کی خبریں بھی سمعی وبصری ذرائع ابلاغ میں سننے اور ان کا مشاہدہ کرنے لگے ہیں۔

اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ ابلاغ عامہ اپنی تمام تر ایجادات واختراعات اور وسائل وذرائع کے ساتھ انسانی زندگی کا لازمی جزء بنتا جارہا ہے انسانی معاشرہ اور طرز معیشت ان سے بری طرح متاثر ہورہے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ انسانی آبادی پوری کی پوری ابلاغ عامہ وذرائع ابلاغ سے اس حد تک منسلک ہوگئی ہے گویا وہ اسکی ضروریات زندگی کا

ہزدلاینفک بن گئی ہیں یہ مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کیونکہ اس کی ذہنی و جسمانی پرورش و پرداخت تربیت و نشو نما انہی کے زیر اثر رہ کر پروان چڑھ رہی ہے۔

انہی ذرائع ابلاغ میں حد درجہ اہمیت کا حامل ایک وسیلہ و ذریعہ صحافت بھی ہے صحافت کی اہمیت اور ذرائع ابلاغ میں اس کے مقام و درجہ کو واضح کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ صحافت کی لغوی و اصطلاحی تعریف بھی متعین کر لی جائے اور اس کے تاریخی پس منظر پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے یہاں صحافت پر لیکچر یا درس دینا یا اس سے متعلق کوئی نیا انکشاف کرنا جو پہلے سے لوگوں کے علم میں نہیں ہے میرا مقصد نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی دعویٰ ہے مقصد صرف یہ ہے کہ شاید یہ چیز صحافت کی اہمیت کو اجاگر کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو۔

صحافت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

جب ہم لغوی ناحیہ سے لفظ صحافت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ بظاہر عربی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے جیسا کہ لغت کی بعض معاصر کتابوں میں اسکی صراحت بھی ملتی ہے کہ یہ لفظ محدث یعنی نئے دور کا ایجاد کردہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس لفظ کا استعمال قدیم عربی زبان میں نہیں ملتا اور نہ ہی لغت کی قدیم کتابوں میں اس کا تذکرہ و تشریح، ہاں اس سے متقارب کئی الفاظ ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر صحیفہ، صحف، صحفی اور تصحیف اور مصحف وغیرہ۔ اور ان میں سے جو لفظ صحافت کے قریب ترین معنی پر دلالت کرتا ہے اور جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے مذکورہ لفظ وضع کیا گیا ہے وہ ہے لفظ صحیفہ۔ لغت کی قدیم و جدید کتب میں صحیفہ کی جو تشریح کی گئی ہے اس کا مفہوم یہی نکلتا ہے "چمڑے کا ٹکڑا، یا کاغذ، یا اس طرح کی کوئی دوسری چیز جس پر کچھ لکھا گیا ہو کبھی کبھی صحیفہ کا اطلاق نفس تحریر، یا کتاب پر بھی ہوتا ہے۔ غالب گمان یہی ہے کہ اسی معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے انگریزی زبان کے معروف لفظ جرنلزم (Journalism) کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے اور اسی طرح یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہو گیا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب اور کیونکر یہ لفظ عربی زبان میں استعمال ہوا تو ایک قول کے مطابق لفظ صحافت کا تذکرہ اور اسکی تشریح لغت کی ان جدید کتب میں ملتی ہے جو ۱۹۶۰ء میں یا اس کے بعد منظر عام پر آئیں[1]۔ اور جس شخص نے سب سے پہلے اس لفظ کو موجودہ اصطلاحی مفہوم میں استعمال کیا ہے وہ ہیں اسکندریہ سے شائع ہونے والے جریدہ لسان العرب کے بانی جناب شیخ نجیب الحداد[2] موصوف کی ولادت عمر رضا کحالہ کے بیان کے مطابق ۱۸۶۷ء میں ہوئی اور وفات ۱۸۹۹ء میں[2]۔ اس طرح لفظ "صحافت" کا اطلاق موجودہ اصطلاحی مفہوم میں ۱۹ویں صدی کے نصف اخیر

---

(۱) الصحافۃ فی ضوء الاسلام (ص ۳۱) - (۲) معجم المؤلفین (۱۳/ ۷۹)

میں ہوا۔ اور لغت کی کتابوں میں اس کی تشریح اطلاق کے تقریباً ایک صدی بعد ملتی ہے۔

لفظ صحافت کے اصطلاحی مفہوم کی تحدید و تعیین متعدد معاصرین نے اپنے اپنے انداز اور اسلوب میں کی ہے مثال کے طور پر یہی شیخ نجیب الحداد نے جب اس لفظ کو استعمال کیا تو خود ہی اس کی تعریف بھی متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں ,,صحافت،، صحف کی صنعت کو کہتے ہیں اور صحف: صحیفہ کی جمع ہے جس کے معنی لکھے ہوئے کاغذ کے ہوتے ہیں۔ اور صحافی کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اس صنعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور اس پیشے کو اختیار کرتے ہیں۔

المعجم الوسیط میں مذکورہ لفظ کی تعریف کچھ اس طرح وارد ہوئی ہے ,,صِحافت (بکسر الصاد) مختلف خبروں آراء و نظریات کو جمع کرکے کسی صحیفہ یا مجلہ میں ان کی نشر و اشاعت کے پیشے کو صِحافت کہتے ہیں۔ اس کے بعد صحیفہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

,,چند صفحات کے مجموعہ کو صحیفہ کہا جاتا ہے جو روزانہ، یا متعینہ اوقات میں وقفہ وقفہ سے پابندی کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔ جن میں سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، ثقافتی خبریں نشر کیجاتی ہیں۔

آسان عربک انسائیکلوپیڈیا (الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ) میں صحافت کی تحدید کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ ,,پرچہ نکالنے کی صنعت صحافت کہا جاتا ہے پھر اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے ,,مختلف ذرائع سے خبروں کو حاصل کرنا، مضامین لکھنا، اعلانات و تصاویر جمع کرنا اس کے بعد انہیں روزناموں یا میگزین میں نشر کرنا، ان کا اداریہ تحریر کرنا۔ یہ سارے اعمال صحافت میں شمار ہوتے ہیں۔

ایک دوسری کتاب (معجم المصطلحات العربیۃ فی اللغۃ والادب) میں صحافت کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے ,,عصر حاضر میں صحافت کا اطلاق رسائل و جرائد میں مضامین لکھنے کی حرفت پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کی اشاعت، ترتیب و تزئین، طباعت و مارکٹنگ اور اداریہ کی تحریر کے فن کو بھی صحافت کہا جاتا ہے۔

عربی استعمالات کے اعتبار سے صحافت اس وقت عام طور پر دو معنوں میں مستعمل ہے۔ ایک کا دائرہ محدود، اور دوسرے کا وسیع، ایک معنی وہ ہے جو انگریزی لفظ ,,جورنالزم،، کے مقابلہ میں یعنی صحافتی حرفت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا معنی وہ ہے جو دوسرے انگریزی لفظ ,,پریس،، کے مقابلہ میں یعنی بجملہ ذرائع ابلاغ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور شاید اردو زبان میں بھی بعینہ یہی استعمالات پائے جاتے ہیں صحافت سے ہماری مراد وہی صحافت ہے جو جورنالزم کے معنی میں مستعمل ہے

صحافت عصر حاضر میں ایک آسان ذریعہ ہونے کے ساتھ ابلاغ عامہ کا ایک اہم اور نہایت درجہ خطرناک وسیلہ ہے جو عوام کے لیے ایک عمومی مدرسہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مدرسہ رائے عامہ کو بنانے یا بگاڑنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ کسی بھی معاشرہ میں زبردست انقلاب یا نمایاں تبدیلی برپا کرنے کی بھی اسے پوری قوت حاصل ہوتی ہے وہ بیک وقت ایک حرفت بھی ہے۔

ایک تجارت بھی اور ایک پیغام بھی۔ اور یہ پیغام بھی ایسا جو عوامی حقوق اور جمہوری مصالح کی بنیاد پر مبنی منصوبے اور پلاننگ سے مربوط ہوتا ہے جو عوام کو اپنے اندرونی حالات و معاملات سمیت دنیا بھر میں رونما ہونے والے حوادث و واقعات سے باخبر کرتا ہے۔ اور انہی عوامی حقوق سے صحافت اپنی ہیبت اور اپنا رعب و دبدبہ اخذ کرتی ہے۔ ان سب سے بڑھکر صحافت کسی بھی قوم اور امت کے لیے آئینہ دار ہوتی ہے۔ جو ان کے افکار و نظریات، احتیاجات و مفادات آرزوؤں اور امنگوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ لہذا یہ مختلف قوموں کی تہذیب و تمدن کو جانچنے اور پرکھنے کا ایک غیر معمولی آلہ اور پیمانہ بھی ہے۔

صحافت کا تاریخی پس منظر

آسان عربک انسائیکلوپیڈیا (الموسوعة العربية الميسرة) کے بیان کے مطابق صحافت اپنے موجودہ اصطلاحی مفہوم کے ساتھ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں معروف ہوئی کسی بھی فن یا علم کی طرح ابتداءً مضامین، شکل اور توزیع و تقسیم ہر اعتبار سے کمزور و ناتواں تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ قوت و ترقی حاصل کرتی رہی، اور اس کا دائرہ وسیع ہوتا رہا یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ شائع ہونے والے جرائد و مجلات، اور اخبارات و میگزین کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہی نہیں محال ہوگیا۔ ۱۹۰۸ء میں امریکہ کی مزوری یونیورسٹی کے ماتحت صحافت کے لیے ایک خاص انسٹی ٹیوٹ کھولا گیا۔ جس کو دنیا کا سب سے پہلا صحافتی انسٹی ٹیوٹ تصور کیا جاتا ہے مذکورہ صدی کے ماقبل بھی بعض ایسی کوششوں اور محاولات کا ذکر ملتا ہے جن کو صحافت کا نام دیا جا سکتا ہے چنانچہ قیصر روم جولیوس اپنے زمانہ میں بلیٹن کی شکل میں ایک اعلامیہ شائع کرتا تھا اور اسے عمومی جگہوں پر چسپاں کر دیتا تھا جس میں لوگوں کو باخبر رکھنے کے لیے حکومت سے متعلق خبریں ہوا کرتی تھیں، سب سے قدیم ترین اخبار چین کے دارالسلطنت پیکنگ (بیجنگ) سے آٹھویں صدی میں شائع ہوا تھا۔ پندرہویں صدی میں بھی جرمنی کے مختلف شہروں سے کئی اخبارات شائع ہوئے تھے۔ برطانیہ میں سب سے پہلے ۱۶۲۲ء میں ویکلی نیوز نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس طرح اٹھارہویں صدی سے پہلے بھی بعض صحافتی مجہودات کا ذکر ملتا ہے لیکن عدم استمراریت، یا پھر معاشرہ میں مقام نہ ملنے کی بناء پر صحافت میں ان کو شمار نہیں کیا۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر ہی میں صحافت کو ایک فن اور ابلاغ عامہ کے ایک اہم وسیلہ کی حیثیت سے جانا گیا اور معاشرہ میں اس کو وہ اہمیت حاصل ہوئی جس کا آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔

عالم اسلام یا عالم عرب میں صحافت کا جہاں تک سوال ہے تو مذکورہ مصدر کے مطابق مصر پر نپولیون کے حملے کے ساتھ عالم عرب میں صحافت کا وجود ہوا۔ کیونکہ اسی نے ۱۷۹۸ء میں قاہرہ سے دو اخبار فرانسیسی زبان میں نکالنا شروع کیا۔ ۱۸۵۵ء میں رزق اللہ حسون حلبی نے استنبول سے "مرآة الأحوال" کے نام سے عربی زبان میں ایک جریدہ کا اجراء کیا۔

جس کو عربی زبان کا سب سے پہلا نجی اخبار ہونے کی حیثیت حاصل ہے اسی کے بعد سے متعدد عرب ممالک میں عربی اخبارات نکلنے شروع ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ابتدائی اخبارات یا پرچوں کو اسلامی صحافت کا نام نہیں دیا جاسکتا، ہاں مسلم معاشرہ کی صحافت کہا جاسکتا ہے کیونکہ ان پرچوں اور اخبارات میں ایسی تحریریں ہوا کرتی تھیں جو غیر اسلامی افکار و نظریات خصوصاً مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر سپرد قلم کی جاتی تھیں۔ لہذا ان میں آپ کو سیکولرازم، اسٹیٹ، لادینیت، قوم پرستی، خواتین کی حجابی یا اس جیسے دوسرے اسلام مخالف نظریات کی ترویج واشاعت نظر آئیگی۔ سب سے پہلا پرچہ جس کو اسلامی صحافت کا نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے وہ "العروۃ الوثقیٰ" ہے۔ جس کو شیخ جمال الدین افغانی اور ان کے شاگرد رشید شیخ محمد عبدہ نے پیرس سے ۱۸۸۴ء میں نکالنا شروع کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان دونوں حضرات کو بھی بعض ناحیوں سے مطعون کیا جاتا ہے اسی طرح شیخ محمد رشید رضا کی ادارت میں نکلنے والے "صحیفہ المنار" کو بھی اپنے وقت کا اسلامی صحافت کا افضل ترین نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات نے صحافت کو ابتدائے اسلام بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی نشر واشاعت میں تحریر کا استعمال کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے متعدد خطوط صحابہ کرام کے ذریعہ جزیرہ یا جزیرہ کے باہر امراء وملوک کے یہاں ارسال کیے تھے اور ان تحریری خطوط کے ذریعہ ان کو اسلام سے باخبر اور روشناس کرانے کی کوشش کی تھی اور یہ عمل بڑی حد تک موجودہ صحافت سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام نے ابتداء ہی سے اپنی دعوت کو عام کرنے کے لیے زبان وقلم، بیان وتحریر کا استعمال یکساں طور پر کیا ہے بلکہ قلم کو اسلام میں اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ اس کے نام پر قرآن کریم میں مکمل ایک سورت نازل کی گئی ہے اور عربی زبان میں قلم کو احد اللسانین کا خطاب دیا گیا اور عملی طور اسلام میں قلم کا جتنا استعمال ہوا شاید ہی دوسرے مذاہب میں اتنا استعمال ہوا ہو اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا پورا ذخیرہ آج تک مدون شکل میں محفوظ ہے اور تا قیامت محفوظ رہے گا۔ لیکن صحافت کا رواج فن کی حیثیت سے اور موجودہ اصطلاحی مفہوم کیساتھ، بعد کی پیداوار ہے۔

صحافت کی اہمیت

موجودہ دور میں یوں تو جملہ ذرائع ابلاغ اور وسائل اعلام حد درجہ اہمیت کے حامل ہیں اور نئی نئی ایجادات وانکشافات اور جدید ٹکنالوجی نے ان کو ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہونچا دیا ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں اشارۃً ذکر کیا گیا لیکن ان تمام کے باوجود صحافت کو جو غیر معمولی مقام واہمیت حاصل ہے۔ وہ دیگر ذرائع کو حاصل نہیں اور یہی وجہ ہے کہ نسبتاً قدیم ہونے کے باوجود بھی صحافت بڑی حد تک اپنے روایتی انداز میں جاری وساری ہے۔ جدید ٹکنالوجی اور سہولیات سے اس نے بھی استفادہ ضرور کیا ہے اور اپنے اندر کافی تحسینات پیدا کرلی ہے معنوی اعتبار سے

طبع نظر شکلی اعتبار سے اور سرعت انجاز وغیرہ میں پہلے کی نسبت اس کی حالت کافی بہتر ہوگئی ہے اور دن بدن بہتر اور جاذب نظر وتی جارہی ہے ان تمام امور کے باوجود اس کا ذاتی انداز باقی و مستمر ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نسانی آبادی کا ایک بڑا حصہ صحافت سے اس حد تک منسلک ہے کہ اس کو اگر ایک دو وقت کا کھانا نصیب نہ ہو پھر بھی صبر کر سکتا ہے یکن صحافت کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتا، عالمی پیمانہ کے ایک بڑے سیاسی لیڈر کی جانب یہ قول منسوب کیا جاتا ہے۔ "اگر مجھے "حکومت کے بغیر صحافت" اور صحافت کے بغیر حکومت" کے مابین اختیار کی صلاحیت دے دی جائے تو میں اول الذکر یعنی "حکومت کے بغیر صحافت" کو ترجیح دوں گا۔ صحافت دراصل ایک ایسا آسان ذریعہ ہے جس سے مختلف کام لئے جاسکتے ہیں۔ کسی غیر اہم اور معمولی سے معمولی مسئلے کو بھی اہم اور غیر معمولی بنا کر لوگوں کی توجہ اسکی جانب صحافت کے ذریعہ مبذول کرائی جا سکتی ہے، اس کے اندر تاثیر کی غیر معمولی قوت اور جذبات سے کھیلنے کی اچھی اور بھرپور صلاحیت ہوتی ہے اس حقیقت کا اندازہ یہود صہاینہ نے بالکل شروع ہی میں لگالیا تھا۔ اور بین الاقوامی صحافت پر اپنا مکمل تسلط اور کنٹرول قائم کرنے کی فکر اور جد وجہد میں مصروف ہوگئے تھے ۱۸۶۹ء میں یورپ کے مشہور شہر پراگ کے اندر یہودی حاخام راستودون نے اپنی ایک تقریر کے دوران یہودی لابی کو صحافت پر اکساتے ہوئے کہا تھا اور اگر پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے ہم سونا کو اپنی اولین طاقت قرار دیتے ہیں تو صحافت کو دوسری طاقت سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ میں تھیوڈر ہرٹزل کی زیر صدارت منعقد ہونے والی حکماء صہیون کی پہلی صہیونی کانفرنس آپ کے علم میں ضرور ہوگی کیونکہ موجودہ عالمی تاریخ میں اس کانفرنس کو ایک خطرناک موڑ کی حیثیت حاصل ہے اسی کانفرنس میں شرکاء نے بیک زبان کہا تھا۔ "اسرائیلی حکومت کے قیام کا ہمارا منصوبہ اسوقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک ذرائع ابلاغ پر عموماً اور صحافت پر خصوصاً ہمارا مکمل تسلط قائم نہ ہو جائے" لہذا بارہویں پروٹوکول میں صحافت کے مسئلے کو حسب ذیل طریقے سے حل کرنے کی تجویز رکھی گئی تھی۔

- صحافت کے گھوڑے پر پوری طرح سوار ہو کر اس کی لگام کو اپنے ہاتھ میں لینی ہوگی۔
- ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں میں صحافتی وسائل بالکل نہیں ہونے چاہئیں جن کے ذریعہ وہ اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- کوئی خبر ہم سے گذرے بغیر اور ہماری موافقت حاصل کیے بغیر عوام تک نہیں پہونچنی چاہیے۔
- اپنے ماتحت مختلف قسم کے جرائد ہونے ضروری ہیں جو مختلف پارٹیوں اور متعدد نظریات کی حمایت و تائید کرتے ہوں۔ حتیٰ کہ ایک ایسا بھی جریدہ ہونا چاہیئے جو لاقانونیت اور جنگلی نظام کی تائید کرتا ہو۔
- ہمیں عوام کے ذہنوں پر اس طرح مسلط رہنا چاہیے کہ جب چاہیں ان میں شورش برپا کردیں اور جب چاہیں انھیں خاموش

اور ڈھنڈورا کریں۔

ہماری طرح وہ کانفرنسوں یا سیمیناروں میں تجاویز و قرار داد منظور کر کے انہیں کاغذ کی زینت بنانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ انہیں عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش اور سعی بلیغ کرتے ہیں اس لیے مذکورہ ابلیسی کانفرنس کے بعد ہی سے انہوں نے ذرائع ابلاغ بالخصوص صحافت پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے عملی جدوجہد شروع کر دی اور اس کے لیے سب سے پہلے خبر رساں ایجنسیوں پر پنجہ گاڑا کیوں کہ صحافت اور خبر رساں ایجنسیوں کے مابین ربط و تعلق کی مثال بندوق اور کارتوس کے مابین ربط و تعلق کی سی ہے، بغیر کارتوس کے بندوق ناکارہ اور غیر مفید ہوتی ہے۔ کام کرنے کے لئے اسے برابر گولی ملتی رہنی چاہیے اور جس طرح کارتوس بنانیوالا لامحالہ بندوق پر حاوی ہوتا ہے، اسی طرح خبر رساں ایجنسیاں بھی صحافت پر حاوی اور مسلط ہوتی ہیں، لہٰذا سب سے پہلے انہوں نے بین الاقوامی خبر رساں ایجنسیوں کو اپنے ماتحت کیا۔ اس کے بعد دنیا کے بڑے بڑے ممالک سمیت ہر ملک کی صحافت پر قبضہ کیا یا اپنے کارندوں کو اس میں گھسایا۔ چنانچہ اسرائیل کے رسمی اعلان کے مطابق صرف مغربی ممالک میں تقریباً ایک ہزار اخبارات و مجلات پر ان کا مکمل تسلط ہے۔ اپنے ملک کی صحافت کو بھی ان کے اثرات سے پاک نہیں قرار دیا جا سکتا۔ چونکہ عالمی تجارتی منڈی کی ساہوکاری انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ سونے کے بھی وہی مالک ہیں لہٰذا اس راہ میں مبالغ مالیات کا کوئی مسالہ ان کے سامنے نہیں تھا۔ اسکے لئے انہوں نے بے دریغ دولت خرچ کی، بریطانیہ کے مشہور ترین اخبار "ٹائمز" کو ایک مرحلہ میں زبردست مالی بحران کیوجہ سے بند کر دینا پڑا تھا۔ کیوں کہ اس کی مالک انٹرنیشنل ٹامسن کمپنی اس کے کمر توڑ خسارے کو برداشت نہیں کر پائی تھی تو آسٹریلیا کے ملینیر "رابرٹ میرڈوخ" یہودی نے اس اخبار کو خریدنے اور اس کے جملہ خسارے کو برداشت کرنے کی رضامندی ظاہر کی اور بالفعل اس نے اخبار کو خرید کر اس کے تمام خساروں کو پورا کیا۔ جن کی مقدار صرف ایک سال کے اندر ۴۵ ملین امریکی ڈالر پہونچی تھی۔ بہرحال ان کی جدوجہد اور تگ و دو کامیاب رہی اور انھوں نے عالمی خبر رساں ایجنسیوں اور بین الاقوامی صحافت پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ اور انسانی حدود و قیود کو پامال کرتے ہوئے اور اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اسے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس میں بھی ان کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ پروٹوکول ۱۲ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ "ہم نے صحافت کے توسط سے پردے کے پیچھے رہ کر عظیم کامیابی حاصل کی ہے"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحافت کے اندر آخر وہ کون سی خوبی یا جوہر ہے جو اسے اتنی اہمیت یا اتنا عظیم درجہ دے دیا گیا۔ مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اور متعدد اسباب گنائے ہیں۔ اس کے

بھی اس سلسلے میں بہت کچھ کہنے اور لکھنے کی گنجائش ہے لیکن اگر ہم مختصراً اس کی اہمیت کے اسباب و عوامل کو واضح کرنا چاہیں۔
دو لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ صحافت کو معاشرہ میں اپنی اعلیٰ کارکردگی اور عظیم سہولیات کی وجہ سے یہ اہمیت حاصل ہوئی
اور جب کارکردگی کے ناحیہ سے ہم صحافت کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذریعہ کسی بھی نظریہ کے تحت پوری قوم اور پورے معاشرہ
ذہن سازی کی جا سکتی ہے۔ اس کے ذریعہ کسی بھی بات کو عوام سے منوایا جا سکتا ہے بشرطیکہ ایک ڈھنگ اور اسلوب کے ساتھ
پیش کی گئی ہو یہی وجہ ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی کسی بھی قسم کی تبدیلی لانے یا انقلاب برپا کرنے
ں صحافت جو مؤثر کردار یا اہم رول ادا کر سکتی ہے دیگر ذرائع کے ذریعہ ممکن نہیں۔ وضاحت کے لیے یہاں ہم پھر یہود و صہاینہ
مثال پیش کر سکتے ہیں جنہوں نے صحافت پر مکمل تسلط حاصل کرنے کے بعد اپنے ماضی پر پردہ ڈالنے اور ایک مہذب، شائستہ
صلاح و خیر کی دلدادہ انسانیت نواز قوم کی شکل میں ظاہر ہونے کی کوشش کی اور اسی صحافت نے ہی ان کو اپنے مقصد میں کامیابی سے
ہمکنار کیا، اور ان کے ماضی کو دھل کر بالکل بے داغ بنا دیا۔ جب کہ یہی قوم ماضی میں اپنے شاطرانہ رویہ، ظالمانہ حرکت، سازشی
ذہن، ریشہ دوانیوں اور اپنی عیاری و مکاری و مالی حرص و طمع کی بنا پر ہر قوم اور ہر معاشرہ میں مبغوض ذلیل و خوار اور راندۂ درگاہ
تھی۔ اگر ہم اس کی واضح جھلک دیکھنا چاہیں تو ہمیں مختلف مغربی شعراء فن کاروں کے یہاں بخوبی نظر آئے گی چنانچہ مشہور
انگریزی ڈرامہ نگار شکسپیر کے ایک مشہور ڈرامہ "دینس کا سوداگر" THE MERCHENT of VENICE میں شیلاک نامی ایک
سوداگر یہودی شخصیت کا کردار ادا کرتا ہے جس کے اندر حرص و طمع، عیاری و مکاری، حسد و کینہ اور ریشہ دوانی جیسے کریہہ
اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں لیکن صحافت کے بل بوتے پر انھوں نے اپنے ناپسندیدہ اور مکروہ ماضی پر دبیز پردہ
ڈال دیا اور عصر حاضر کی نہایت ذہین، طباع، بہادر، امن و سلامتی کی پیغامبر، اور علم دوست و موحد قوم بن کر اقوام عالم
کے سامنے ابھری۔ یہی نہیں بلکہ ان کو ایسی قوم تصور کیا جانے لگا جس کو ماضی میں ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا گیا تھا۔ اور وہ
ہر طبقہ اور ہر معاشرہ میں قابل رحم و قابل عزت و احترام سمجھے جانے لگے حتی کہ بہت سے صحیح الفکر مسلمان بھی ان کے وجود اور ان
کی ایک مستقل حکومت کے حق کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ آج سے چودہ سو سال قبل قرآن حکیم ان کی ذلت و مسکنت اور ان
کے مطرود و راندۂ درگاہ ہونے کی شہادت دے چکا ہے اسی طرح ہٹلر کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے کسی ایک یہودی یا
یہودیہ کے جرم کی پاداش میں پوری یہودی دنیا کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تھا۔ انسانیت سوز اذیتیں دے کر مختلف طریقوں سے
ان کا قتل عام کیا تھا اور اس بارے میں گیس کے تنوروں کا خاص طور سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور ایسے ایسے من گھڑت قصے وضع
کر کے لوگوں میں عام کئے گئے ہیں کہ ان کو سن کر انسانیت لرز جاتی ہے اور یہود و صہاینہ کے لیے دلوں میں رحم و کرم کا جذبہ ابھر آتا ہے

ان قصوں کو ایسی شکل میں پیش کیا گیا کہ گویا یہ ناقابل انکار تاریخی حقائق ہیں حالانکہ ان کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں بس طرح اس نے پورے عالم پر اپنی حکمرانی قائم کرنے کے لیے اپنے مخالفین کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اسی طرح یہود مخالفین بھی اس کے ظلم و ستم کے تختۂ مشق بنے لیکن صحافت کا کرشمہ تھا جس نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں خود اپنے ملک کے اندر صحافت کی کرشمہ سازی کی ایک سے زائد مثالیں مل سکتی ہیں چنانچہ وقت حاضر میں بابری مسجد سے متعلق درپیش مسائل نے محض صحافت کی بنا پر اتنی بھیانک صورت اختیار کر لی ہے ورنہ اس کے پیچھے بھی کوئی حقیقت نہیں، اس کے باوجود بھی ہندو مذہب کا ہر فرد تقریباً یقین جازم رکھتا ہے کہ بابری مسجد ایک مندر توڑ کر بنائی گئی ہے لہذا اسے دوبارہ مندر میں منتقل کرنا ضروری ہے اسی طرح اسلام کے نام پر اٹھنے والی جن بعض تحریکوں نے اپنے غلط نظریات کی اشاعت کے لیے صحافت کا سہارا لیا، ان کو بھی بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی چنانچہ آج ہم کو بہتیرے اشخاص حدیث اور فن حدیث کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے نظر آرہے ہیں جو صحیحین کی احادیث کو بھی اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں گویا اب تک صحیحین کو امت میں جو قبول عام حاصل تھا وہ غلط تھا۔ ان کی نظر میں اب دوبارہ اسی طرز کی ایک دوسری کتاب مرتب کرنے کی ضرورت ہے، جس میں عقلی معیار سے بھی حدیثوں کو جانچنا ضروری ہے، طرفہ تماشا یہ ہے کہ حدیث یا علم حدیث پر خامہ فرسائی کرنے والے یہ حضرات ضروری نہیں کہ اسی میدان کے شہسوار ہوں بلکہ ان میں کوئی حیوانیات کا متخصص معلوم ہوتا ہے تو کوئی قرآنیات کی مہارت کا دعویدار نظر آتا ہے تو کوئی کسی میدان کا اور کوئی کسی میدان کا، حتی کہ عام معلومات رکھنے والے حضرات بھی صحیح بخاری و مسلم پر تنقید کرتے ہوئے جھجھک محسوس نہیں کرتے۔ یہ صرف صحافت ہی کی دین اور اسی کی ذہن سازی کا ثمرہ ہے۔ صحافت کی اعلیٰ کارکردگی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ قوموں کے لیے نکیل کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح نکیل کے ذریعہ اونٹ کو کسی رخ بھی موڑا جاسکتا ہے اسی طرح صحافت کے ذریعہ پوری قوم کو کسی سمت لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح صحافت کے اندر سرعت تاثیر کی عظیم قوت و صلاحیت ہوتی ہے۔ چند گھنٹوں میں رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کیا جاسکتا ہے۔ یا اس کے اندر ایک عظیم تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے اس کی وضاحت کے لیے اس انٹرویو کا حوالہ ضروری ہوگا۔ جس کو لندن کے اخبار "سنڈے ٹائمز" نے ۱۹۸۱ء کے کسی شمارے میں شائع کیا تھا۔ امریکہ کی ایک یہودی صحافی عورت "سارہ ایہر مین" سے انٹرویو لیا گیا تھا جس میں بڑے فخریہ انداز سے اس نے انکشاف کیا تھا۔ کہ کس طرح اس کی صحافتی کمیٹی نے صرف ۲۴ گھنٹے کے اندر امریکی رائے عامہ کو تبدیل کر دیا تھا۔ جو عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر بمباری کی وجہ سے اسرائیل سے سخت نالاں تھی۔ لیکن مذکورہ صحافیہ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے امریکی رائے عامہ کو نہ صرف

ائیلی نقطہ [illegible] کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا بلکہ اس بات پر بھی اس کو قانع کر دیا تھا کہ عراقی ایٹمی ریکٹر کی تباہی امن عالم
ے لیے ناگزیر اور زبردست کارنامہ ہے تنہا یہ واقعہ صحافت کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور اس کی کارکردگی
ر قوت تاثیر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اس کی قوت تاثیر کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک کے اندر انقلابات
پا کرنے میں صحافت کا زبردست کردار رہا ہے وہ کبھی بھی کسی بڑی عظیم سے عظیم ترین حاکم وقت کو اس کے منصب سے ہٹا کر
ں کی بہ نسبت کمزور سے کمزور آدمی کو اقتدار اعلیٰ کی کرسی پر بیٹھا سکتی ہے اسی لئے صحافت کا رعب و دبدبہ اور اس کی ہیبت
مراں طبقے پر ہر وقت مسلط رہتی ہے۔ اسی چیز کو نابلیون نے اپنے ان الفاظ میں واضح کیا ہے۔ "میں توپ خانوں کی گھن گرج
ا بہ نسبت قلموں کی سرسراہٹ سے زیادہ خوف کھاتا ہوں"، اسی لیے یہ بھی کہا گیا ہے "وہ ایسی قوم جو آزاد اور مستقل صحافت
ے سایہ میں زندگی گذار رہی ہو کبھی بھی اس پر کوئی ظالم حکومت نہیں مسلط رہ سکتی"، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مقننہ، انتظامیہ،
ور عدلیہ کے بعد صحافت کو ایک چوتھی قوت تصور کیا جاتا ہے کیوں کہ عوام کے لیے ایک منبر کی حیثیت رکھتی ہے جہاں سے وہ
پنی آواز کو بلند کر سکتے ہیں یا اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کر سکتے ہیں، اسی کے توسط سے معاشرہ کے عمومی مسائل یا مختلف
نظریات پر کھل کر نقاش اور بحث و مباحثہ ہو سکتا ہے۔

سہولت کی جو بات کہی گئی تو درحقیقت صحافت اپنے راغبین کے لیے اتنی سہولیات پیش کرتی ہے، جو دیگر ذرائع
ابلاغ میں بآسانی میسر نہیں، سب سے پہلی سہولت یہ ہے کہ مطبوعہ صحافت کا مطالعہ کرنے والا ایک سے زائد بار اپنی رغبت
و خواہش کے مطابق اس کا مطالعہ کر سکتا ہے، اور ہر بار مطالعہ سے پیش کردہ معلومات یا نظریات کے بارے میں اس کو
ثبت اور پختگی حاصل ہوتی ہے جس سے مختلف ناحیوں اور زاویوں سے ان پر غور کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنے اور اس کے متعلق
وئی رائے قائم کرنے کا اس کو موقعہ ملتا ہے۔

اسی طرح اپنے حسب منشا وقت کے انتخاب میں پوری آزادی میسر ہوتی ہے، اگر کسی وقت اس نے اکتاہٹ محسوس کی یا ذہنی
طور پر مشغول رہا تو کسی دوسرے مناسب وقت کے لیے موخر کر سکتا ہے، بلکہ لوگ چلتے پھرتے اور سفر کرتے ہوئے بھی صحافت کا
مطالعہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح صحافت دیگر ذرائع کی بہ نسبت کم خرچ بلکہ مفت میں بھی میسر ہو جاتی ہے اسی قبیل
کی اور بھی مختلف اور متعدد سہولیات ہیں جن سے ہم صحافت کو بہرہ ور پاتے ہیں اس کے علاوہ اس کی مزید کچھ امتیازی خصوصیات
بھی ہیں جن سے اس کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔

● صحافت کو ایک اہم دستاویز کی حیثیت [illegible] ہوتی ہے جس میں زندگی کے مختلف شعبوں، سیاسی، تاریخی، سماجی،

معاشی اور دینی امور سے متعلق اہم معلومات ریکارڈ ہوتی رہتی ہیں، دیگر ذرائع کی بہ نسبت صحافت کو معلومات کی فراہمی اور ان کی حفاظت پر زیادہ دسترس حاصل ہوتی ہے۔

- مطبوعہ تحریروں کی صداقت پر لوگوں کا یقین زیادہ ہوتا ہے اسی وجہ سے مطبوعہ تحریروں کے مضامین سے زبردست طور پر متاثر ہوتے ہیں اور تحریروں کے توسط سے پیدا شدہ رائے عامہ کو ناقابل تسخیر قوت سمجھی جاتی ہے۔
- صحافت کے ذریعہ مشکل سے مشکل ترین موضوعات کو منظر عام پر لاکر ان کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ اس میں مختلف ناحیوں سے سیر حاصل بحث کی جاسکتی ہے۔
- لوگوں کے مابین ثقافتی وحدت قائم کرنے کی اسے بڑی صلاحیت ہوتی ہے، مثال کے طور پر اسلامی صحافت جس وقت دین اسلام سے متعلق اہم معاملات کو زیر بحث لائے گی یا اسلامی عقیدہ اور صحیح اسلامی فکر کو پیش کرے گی تو اس سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں ثقافتی یگانگت اور وحدت کا ماحول پیدا ہوگا، اور اسی سے کسی ایک زبان کی قیمتی تحریر کو دوسری زبان میں منتقل کرنے اور اس کے ترجمہ کی اہمیت کا بھی پتہ چلتا ہے چلتے چلاتے یہ بھی واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ صحافت کا دائرہ کسی یک مقامی اخبار میں محصور نہیں ہوتا بلکہ روزناموں، سہ روزہ، ہفت روزہ جرائد سمیت مجلات و میگزین نیز کتابوں، پمفلٹ در پوسٹروں تک وسیع ہے، اور ہر ایک کی اپنی اہمیت اور ہر ایک کا اپنا دائرۂ عمل ہے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا متبادل نہیں ہو سکتا یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں، ورنہ ہر ایک کی اہمیت اور اس کے دائرۂ عمل کو حقائق کی روشنی میں واضح کیا جاتا۔

اپنی ان طویل معروضات کے بعد بطور خلاصہ کے یہ گذارش کروں گا کہ صحافت ایک ایسا ذریعہ اور وسیلہ ہے جو کار خیر کے لیے بھی ستعمال ہو سکتا ہے اور کار شر کے لیے بھی، اس کی مثال ہتھیاروں جیسی ہے جو طریقۂ استعمال اور مقصد استعمال کے مطابق باعث خیر و برکت لی ہوتے ہیں اور باعث شر و فساد بھی، بالکل اسی طرح صحافت بھی ہے۔ اس کو انسانیت کی اصلاح اور اس کی تعمیر و ترقی، اور اسلام سلمانوں کی خدمت کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، اس کو انسانیت کی تخریب و افساد، اسلام و مسلم دشمنی کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اگر یہی چیز تعمیر و ترقی اور اصلاح کے لیے، اسلام کے مفاد کے لیے استعمال کیا جائے تو ایک مباح، نفع بخش اہم وسیلہ بن جاتی ہے۔ ور اگر اس کے برعکس شر و فساد، انسانیت کی تخریب، اسلام و مسلم دشمنی میں استعمال کیا جائے تو ایک حرام ضرر رساں ذریعہ ثابت وتی ہے۔ اور بد قسمتی سے صحافت کو اسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال و استغلال کیا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ وہ ایک موم کی مانند ہے۔ سے پگھلا کر جیسا چاہیں شکل دیدیں۔ لہٰذا صحافت کو اسلامی رنگ دیکر اسے اسلام کی صحیح اور عظیم خدمت لی جاسکتی ہے بشرطیکہ مفاد پر

ہوا پرستی اور خود غرضی جیسی بیماریوں سے دور رہکر اس کا صحیح استعمال ہو۔

اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ وہ ملت وجماعت کو صحافت سے صحیح معنی میں مستفید ہونے کی اور اس کے ذریعہ دعوۃ اسلام کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین ۔

زیر نظر مقالہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل مراجع سے استفادہ کیا گیا ہے

۱ ۔ الصحافة في ضوء الاسلام ۔ تألیف الدکتور مصطفى الدمیری ۔

۲ ۔ النفوذ الیهودی فی الأجهزة الإعلامية والمؤسسات الدولية ۔ تالیف فؤاد سید الرفاعی

۳ ۔ مجلة الجامعة الإسلامية بالمدينة النبوية ۔ العدد ٦١ ، السنة ١٤٠٤ھ ۔

۴ ۔ هذه سبیلی ۔ المعهد العالی للدعوة الإسلامية ۔ الریاض ۔ العدد ٤ ، السنة ١٤٠٢ھ

۵ ۔ الموسوعة العربية الميسرة ۔

۶ ۔ کتب المعاجم اللغوية ۔

برِّ صغیر ہندو پاک میں
جماعت اہلِ حدیث کی صحافت کی تاریخ

از قلم: محمد مستقیم سلفی، استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس، الہند

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین: اما بعد!

جناب صدر محترم ومعزز علمائے کرام ومہمانان عظام!

آج اس مجمع عظیم میں جہاں کسی ضلع وصوبہ ہی کے نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے علماء ومفکرین اور اہل قلم جمع ہیں ان کے سامنے اپنی نااہلی وبے بضاعتی کا احساس کرتے ہوئے اپنے اس مقالہ کے پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

حضرات! ہماری جماعت اہل حدیث کی جہاں تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی خدمات دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہیں، وہیں صحافتی خدمات بھی کسی سے کم نہیں، یہ اخبارات ورسائل جن کی تعداد میرے علم کے مطابق ۹۸ قدیم اور ۱۴ جدید ہیں، اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مضامین شائع کرتے رہے، اور شرک و بدعت اور ادیان باطلہ کا قلع قمع کرتے رہے۔

قبل اس کے کہ میں آپ حضرات کے سامنے ان اخبارات ورسائل کے اسماء، مقام اشاعت، مدیران، سن اجراء اور امتیازی اوصاف کا ذکر کروں، ان کا پس منظر بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

پس منظر

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب انگریز سامراج نے پورے ہندوستان پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا، اور مجاہدین وطن کی بیخ کنی کرنے میں پورے طور پر کامیابی حاصل کر لی، اور اطمینان کے ساتھ

حکمرانی کرنے لگا تو اپنی حکومت کو دوام بخشنے کے لئے یہ طے کیا کہ دامے، درمے، سخنے ہر حیثیت سے یہاں کے باشندوں خصوصاً نوجوانوں کو عیسائی مذہب کی دعوت دی جائے، اسی منصوبہ کے تحت ان لوگوں نے ہندوستان میں پادریوں اور پری چہروں کا جال بچھا دیا، اب عیسائیوں کے سبز باغات اور روپئے پیسوں کی لالچ اور پری پیکر عیسائی لڑکیوں کی صحبت نے ہندوستان کے نوجوان طبقہ پر بدترین اثر ڈالا، لوگوں کا میلان ان کی جانب بڑھنے لگا، ٹکے اور ماہ وش چہروں پر بکنے والے بہت سے نوجوان اور ملانے عیسائیت قبول کر کے مذہب عیسوی کی ترویج میں لگ گئے، ایسے نازک وقت میں جماعت اہل حدیث ہند کے ایک کانفرنس میں شیخ غلام محی الدین وکیل قصور ضلع لاہور نے تمام علماء خصوصاً علماءِ اہل حدیث کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "اس وقت اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ ہے، پادریوں کو ڈر ہے کہ قرآن اگر ترقی کر گیا تو مسیح کی ابنیت اور الوہیت کو صدمہ پہونچے گا، اس لئے عیسائی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں مگر ہم مسلمان ہیں کہ سوئے ہیں، اس وقت وعظ و تذکیر کا کام پانچ سو عیسائی عورتیں کرتی ہیں، مردوں کو کون کہے۔" (روداد کانفرنس امرتسر)

جس پر علمائے اہل حدیث کو غیرت آئی اور کمر ہمت کس کر میدان میں کود پڑے، اور اپنی تقریر و تحریر اور کتب و پمفلٹ کے ذریعہ اس امڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں مصروف ہو گئے جس کی بنا پر عیسائیت کے ایوانوں میں زلزلے آگئے، جس پر افسوس کرتے ہوئے، ایچ، جے کاٹن صاحب بنگال سول سروس کمشنر پولیس کلکتہ اپنی کتاب "نیو انڈیا" مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء میں لکھتا ہے:

"جہاں کوئی عمدہ ترتیب دیا ہوا مذہبی کلام ہوتا ہے وہاں مذہب عیسوی عیسائی بنانے میں ناکام رہتا ہے، اور زیادہ تعداد نہیں بڑھا سکتا۔" (نیو انڈیا ص ۱۵۵)

انگریزوں نے جب اپنی اس مشن میں ناکامی دیکھی تو دوسرا حربہ یہ استعمال کیا کہ چند ایمان فروش علماء کو تیار کر کے کئی مذہبی جھگڑے کھڑے کر دیئے، چنانچہ بریلویت، قادیانیت، بہائیت اور نیچریت جیسے فرقے مسلمانوں میں زور و شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور ساتھ ہی مذہب آریت نے بھی سر اٹھایا، ایسے نازک وقت میں علمائے اہل حدیث نے بمشورہ یہ فیصلہ کیا کہ یہ لادینیت کا سیلاب صرف وعظ و تقریر کتاب و پمفلٹ اور دوسرے لوگوں کے اخبارات و رسائل کے سہارے رکنے والا نہیں ہے، اپنا اور اپنی جماعت کا بھی اخبار و رسالہ ہونا چاہئے۔

چنانچہ فوری طور پر علامہ ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ماہنامہ رسالہ "اشاعت السنۃ"

اور ملا محمد بخش لاہوری نے ایک ہفت روزہ اخبار "جعفر زٹلی" کے نام سے جاری کیا، اور جب ملا محمد بخش لاہوری نے اپنے اس اخبار کو نیچریوں کے لئے خاص کر دیا تو شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ نے ایک ماہنامہ رسالہ "مسلمان" اور ایک ہفت روزہ اخبار "اہل حدیث" کے نام سے شائع کرنا شروع کر دیا، پھر ضرورت کے تحت دیگر اخبارات و رسائل جاری ہوتے رہے۔

اب مکمل طور پر علمائے اہل حدیث نے اپنے وعظ و تقریر، مناظرے و مباحثے، کتابوں و پمفلٹوں اور اخبارات و رسائل کے ذریعہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوگئے، اور ان کے تمام حملوں کو پسپا کر کے اکثر مسلمانوں کو گمراہی سے نجات دلایا جس پر مختلف مکاتبۂ فکر کے مفکرین اسلام ہی نہیں بلکہ ایک آریہ سماجی نے بھی خراج تحسین پیش کئے بغیر نہ رہ سکا۔

اب بطور مثال میں صرف اخبار اہلحدیث کے مدیر شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری کے سلسلہ میں دو غیر جماعتی مفکرین اسلام اور ایک آریہ سماجی کی تحریر آپ حضرات کے سامنے پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

قاضی محمد عدیل عباسی ایڈوکیٹ بستی لکھتے ہیں کہ :

"پچپن سال سے زائد ہوئے، میری نوعمری کا زمانہ تھا، اور میں گورنمنٹ ہائی اسکول بستی میں پڑھ رہا تھا کہ آریہ سماج کی جانب سے اسلام پر اعتراضات کی بارش شروع ہوئی، اور اس زور و شور اور گھن گرج کے ساتھ کہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی غنیم نے پوری طرح مسلح ہو کر اسلام کے قلعہ پر اس طرح گولہ باری شروع کر دی ہے کہ اب اس کا بچنا محال ہے، آریہ سماج کے بانی "سوامی دیانند جی" ایک پاکیزہ نفس انسان تھے، اور انہوں نے شادی نہیں کی تھی، ہندو مذہب کے محاورے میں "بال برہمچاری" تھے، اس لئے ان کی وقعت و عظمت بڑھی ہوئی تھی، انہوں نے "وید" کو اول و آخر الہام قرار دے کر مورتی پوجا کو غلط قرار دیا اور توحید کا نعرہ لگایا، انہوں نے شاشتروں سے انکار کیا اور شری "سیتارام" اور "کرشن مہاراج" سے گذر کر "اوم" (اللہ) کا ڈنکا پیٹا، عبادت کے اوقات صبح سورج نکلتے وقت اور سورج غروب ہوتے وقت قرار دیا، اور بلا مورتی کے "سندھیا" کا طریقہ بتلایا، یعنی پالتی مار کر بیٹھ گئے اور مراقبہ میں مشغول ہوئے، دراصل یہ سلسلہ اسلام کے مقابلہ میں ایک متوازی نظام تھا، اور ہر قدم پر اسلام کا مقابلہ تھا، اس تعمیری د

تجدیدی کام سے فرصت پاکر وہ اسلام کی تخریب کی جانب رجوع ہوئے اور قرآن پاک پر بسم اللہ سے والناس تک اعتراضات کر ڈالے اور اپنے گروہ میں کچھ ایسا جوش بھر دیا کہ ان کے اندر فتح و یقین پیدا ہو گیا، سوامی جی کے اعتراضات سطحی نہیں تھے، ان میں گہرائی تھی، اور ہمیشہ سنجیدہ بھی تھے اسلام کا مضحکہ بھی اڑاتے تھے، اس سے ان کا منشا یہ تھا کہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں کو شکوک کا گہوارہ بنا دیں، وہ نفسیاتی طور پر ہر بات سوچ سمجھ کر ذہنوں پر حملہ آور تھے اور حملہ ایسا اچانک اور پرشور تھا کہ لوگوں کے دل دہل گئے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کے خیمے کی چوبیں اس آندھی کا مقابلہ نہ کر سکیں گی اور اکھڑ کر منتشر ہو جائیں گی، حالانکہ جو جدید ہندو دھرم انہوں نے مجددانہ شان سے منظم کیا تھا اس کے اصول و فروع سب اسلام ہی سے ماخوذ تھے۔

مولانا ثناء اللہ کا ظہور

قلوب پر فالج گرا دینے والے ان لرزہ خیز حالات میں ایک مرد کامل نکلا جو ہمہ صفت موصوف تھا، عالم، متبحر، مفسر، محدث، واعظ، مناظر، محقق و مفکر، مرد آہن، یقین محکم کا مبلغ اور استقلال مزاج کا پیامبر ؎

اگر ہو رزم تو شیران غاب کے مانند
وگر ہو بزم تو رعنا غزال تاتاری

اس نے نفرت کا جواب محبت سے، تضحیک کا جواب سنجیدگی سے، غصہ کا جواب مسکراہٹ سے، علم کی پیچیدہ گتھیوں کا جواب تحقیق سے اس طرح دیا کہ ہر قدم پر زبان حال سے آواز آنے لگی ؎

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

یہ تھے مجدد عصر، مبلغ اعظم، محقق اکبر حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نور اللہ مرقدہ اس زمانہ کی نئی مسلم پود پر ان کا احسان بے پایاں ہے، اگر آج ہم لوگ اس عالم پیری میں ایمان و یقین سے بہرہ ور ہیں، تو یہ اسی مرد مجاہد کا طفیل ہے، اور آنے والی نسلوں پر ان کا احسان بدستور باقی ہے، اور قیامت تک باقی رہے گا، جب یہ اسلام کا سپہ سالار میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا تو اس کے اردگرد جید علمائے کرام کی صفوں کی صفیں اکٹھا ہو گئیں ..... ستیارتھ پرکاش کا جواب

"حق پرکاش" ایک ایٹم بم تھا جس نے اعتراضات کی پوری بستی کو دھوئیں کی طرح اڑا دیا، میں نے وہ دن بھی دیکھا ہے جب میرے آریہ سماجی ساتھی طلبا انگریزی میں ہم لوگوں سے کہتے پھرتے تھے " اپنے مذہب کو ترک کرو اس میں کوئی سچائی نہیں" اور یہ بھی دیکھا کہ ایک مولوی محمد عمر صاحب ایک اسٹول ہاتھ میں لے کر اور بازار میں اس پر کھڑے ہو کر للکارا کہ آؤ مناظرہ کرلو اور کہا کہ دیوریا کے مناظرہ کے بعد (جس عظیم الشان دنگل کا رستم مولانا ثناء اللہ تھے) امید نہیں تھی کہ آریہ سماج پھر نمودار ہوں گے، اور یہ عالم ہے کہ بچوں سے کہا جاتا ہے کہ" اپنا مذہب ترک کرو اس میں کوئی سچائی نہیں "

مطلب یہ کہ اس طرح سارا ہندوستان ایمان ویقین کے نور سے جگمگا اٹھا، باتیں ایسی کہتے کہ دل میں اتر جائیں، اور دلائل منطقی ایسی مضبوط کہ گمان کا کوئی گوشہ باقی نہ رہے۔ مولانا صرف اہل حدیث کے نہ تھے وہ کامل ملتِ اسلامیہ کے تھے۔" (اخبار اہلحدیث ۲۱ / نومبر ۱۹۷۱ء)۔

اور مولانا عبدالماجد رقمطراز ہیں کہ :

" موصوف کا نام میں نے اس وقت جانا جب ایک مرتد کی کتاب " ترک اسلام " سے دل بے حد جلا ہوا تھا، اور مولانا نے اس کا جواب قریبی مدت میں " ترک اسلام " لکھ ڈالا تھا، جواب ترکی بترکی اسی وقت ختم ہوگئی، اور آخر نئے سرے سے اسلام کی دامن میں پناہ لینا پڑی، میں اسکول کے چھٹے درجے کا طالب علم تھا اور عمر ۱۱ سال سے زائد نہ تھی، ایک ہندو لڑکے سے لے کر " ترک اسلام " کی جھلک دیکھ لی تھی، اور اس پر تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی، کچھ ہی دن بعد " ترک اسلام " کی زیارت نصیب ہوئی، اور اس نے زخم پر ٹھنڈا مرہم رکھ دیا، یہ ۱۹۰۲ئہ ہوگا یا ۱۹۰۳ئہ کا شروع، اور دل مولانا کا اسی وقت سے بیحد معتقد ہوگیا تھا، ان کی تحریریں اسی اعتقاد کو بڑھاتی ہی رہیں، ان کا ہفتہ وار " اہل حدیث " بھی کچھ دنوں بعد دیکھنا شروع کر دیا، اسی اعتقادی غلو میں اعتدال و توازن کہیں سالہا سال بعد جاکر پیدا ہوا۔ مولانا کی اردو تفسیر بھی مختصر تفسیروں میں اچھی ہے، لیکن عربی تفسیر کا نمبر اس سے بڑھا ہوا ہے۔ قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی سے کی ہے ہم معنی آیتیں خوب یکجا مل جاتی ہیں، فن مناظرہ کے تو کہنا چاہیے امام تھے، خصوصاً آریہ سماجیوں کے مقابلہ

تھیں جو علاوہ بدفہم و بے علم کے بدزبان بھی ہوتے تھے، اور شروع صدی میں ان کا فتنہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ تھا، اگر مولانا ثناء اللہ صاحب ان کے سامنے نہ آجاتے تو مسلمانوں کی مظلومیت مرعوبیت خدا جانے کہاں تک پہونچ جاتی۔ حریف کی نبض شناسی میں مولانا بہت بڑھے ہوئے تھے ایسی بات ڈھونڈ نکالتے کہ آریہ سماجی ذہنیت دنگ ہو کر رہ جاتی، اب یاد نہیں کتنے مناظرے کر ڈالے اور ہر جگہ کامیاب ہی رہتے، ایک جگہ معروف نامور آریہ سماجی مناظر نے شروع ہی میں خم ٹھونک کر کہہ دیا کہ "آپ مسلمان ہی کب ہیں جو اسلام کی طرف سے وکیل بن کر آئے ہیں، دیکھئے مسلمان علماء کے فتوے یہ سب آپ کی تکفیر میں ہیں" یہ کہا اور میز پر فتوؤں کا ڈھیر لگا دیا، مولانا صبر کے ساتھ اپنی تکفیر کا ڈھنڈورا سنتے رہے، جب وہ کہہ چکا تو کڑک کر بولے :

"اچھا صاحب اب میں مسلمان ہوتا ہوں اور آپ سب مسلمان گواہ رہیں کہ میں آپ سب کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھتا ہوں : أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله۔ فرمایئے اب تو کوئی عذر باقی نہیں رہا۔"

مسلمان باغ باغ ہوگئے، آریہ مناظر سے کچھ جواب نہ بن پڑا اور مولانا نے اپنا کام چلتا کر دیا۔

عیسائیوں سے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار رہتے، وہ زمانہ بھی مناظرہ بازیوں کا تھا، اور آریہ سماجیوں نے مسلمانوں کے منہ آنا عیسائیوں سے سیکھا تھا، عیسائی مشنری انیسویں صدی کے وسط ہی سے مسلمانوں کے پیچھے پڑی ہوئی تھی، عیسائیوں سے مقابلہ کے لئے مولانا نے شد بد کچھ انگریزی بھی سیکھ لی تھی، اگر کہیں انگریزی کا مطالعہ زیادہ کر لیا ہوتا تو اپنے فن میں بے مثل ہو جاتے، کلمہ گو فرقوں کے اندر توجہ احمدیہ (قادیانیہ) پر زیادہ رہتی بلکہ ایک بار تو ایک انعامی مباحثہ میں انعام بھی احمدی فرقے سے جیتا تھا۔" (معاصرین۔ مرتب حکیم عبدالقوی)

آریہ عالم دھرم پال لکھتے ہیں کہ :

"جب مولوی نورالدین صاحب قادیانی نے رسالہ "نورالدین" کے ذریعہ اور مولوی ثناء اللہ صاحب نے "ترک اسلام" کے ذریعہ اسلام اور ملازم کے درمیان خط ممیز کھینچ دیا تو میری تصانیف کی قیمت ایک دیا سلائی رہ گئی، میرے اعتراضات کا جواب دینے میں "نورالدین" کے

مصنف کا نشانہ علمی معلومات کی بدولت بے خطا ہوتا، مگر "ترک اسلام" کا وار زیادہ ستم ڈھاتا، جب کہ وہ میرے قلعہ کو جو میں سخت جدوجہد کے ساتھ تفسیروں کی بناء پر تعمیر کرتا تھا صرف اتنا سا فقرہ مسمار کر ڈالتا کہ:

"تفسیر کا جواب تفسیر لکھنے والوں سے لو قرآن مجید اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔"

اس ایک فقرہ نے میرے "ترک اسلام" اور میری دوسری تصنیف "تہذیب الاسلام" کو چھلنی کر ڈالا اور میں نے نتیجہ نکال لیا کہ "نورالدین" کے مصنف کے ساتھ تو بحث چل سکتی ہے، مگر "ترک اسلام" کے مصنف کے ساتھ جو ملا ازم کا سرے سے منکر ہے بحث کا چلنا مشکل ہے، اور لطف یہ ہوا کہ "نورالدین" کے مصنف نے میرے مقابلہ میں دوبارہ قلم نہ اٹھایا، حالانکہ میں آرزومند تھا کہ اس کے ساتھ بحث کا سلسلہ جاری رہے، لیکن "ترکِ اسلام" کے مصنف نے "تہذیب الاسلام" کے جواب پر پھر قلم اٹھایا، تو میں نے "ترک اسلام" کے مصنف کے مقابلہ میں دوبارہ قلم اٹھانے سے انکار کر دیا، اس طرح ہماری پہلی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔" (المسلم ۲۹۳ بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۴ء)۔

"میری گزشتہ ایک سالہ کی بے ایذا زندگی نے میرے مسلمان بھائیوں کے دلوں پر بھی میرے لئے اس قدر محبت پیدا کر دی کہ جب ان کو میری بیماری کا حال معلوم ہوا تو وہ جوق در جوق میرے پاس آنے لگے، ان میں مولوی ثناء اللہ صاحب کا نام قابل ذکر ہے، مولوی صاحب کے ساتھ تحریری دست پنجہ تو سالہا سال تک ہوتا رہا، مگر رو در رو ہونے کا غالباً یہ پہلا موقع تھا، جس کو ایک مبارک موقع ہی سمجھنا چاہیئے خواہ وہ بیماری کی شکل ہی میں نمودار ہوا۔

مولوی صاحب فطرتاً خوش مذاق اصحاب سے ہیں، اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ جہاں ایک طرف "ترک اسلام" اور "تہذیب الاسلام" بلکہ "نخل اسلام" کا مصنف بستر مرض پر پڑا ہو، اور دوسری طرف "ترک اسلام" اور "تغلیب الاسلام" بلکہ "تبر اسلام" کا مصنف اس کے سرہانے بیٹھا اس کی تیمارداری کر رہا ہو وہاں اگر ملکوت السموات والارض دلی مسرت سے یہ شعر پڑھ رہے ہوں ؎

شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد — حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

تو کوئی عجب بات نہیں ہے۔

اس سے پہلے میرا یہ خیال تھا کہ مولوی ثناء اللہ جو احمدیہ فرقہ کے ساتھ ملاؤں جیسی چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے وہ خود کوئی کٹھ ملا ہوگا، یہی وجہ تھی کہ باوجود ان کی کوشش کرنے کے میں کبھی ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا، لیکن پہلی ملاقات ہی میں معلوم ہوگیا کہ مولوی ثناء اللہ ایک خوش مزاج، خوش مذاق، خوبصورت اور خوب سیرت جنٹلمین ہے، اور قدرت نے اس کو ایک دل ربا ادا دی ہے، سچ تو یہ ہے کہ اس "ابن یعقوب" کو دیکھ کر مجھے اپنے دل کو تھامنے میں بڑی دقت پیش آئی، مولوی ثناء اللہ ہر تیسرے روز میری خبر لینے کے لئے لاہور پہونچتے تھے۔" (اندر[1] صہ ۹۲ بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۲ء)۔

کچھ مدت بعد مجھے دوبارہ ملاازم کو رگڑنے کا خیال پیدا ہوا، اس دفعہ میں نے کتب تاریخ سے مدد لی، اور "نخل اسلام" کے نام سے جلی سڑی ہوئی کتاب شائع کی، آریہ سماج کے اخبارون نے اس کتاب کا نہایت زور دار الفاظ میں ریویو کیا اور مسلم اخبارات نے اس کے خلاف شور مچایا، میں چاہتا تھا کہ پرانے ٹائپ کے لوگ میرے مقابلہ میں آئیں تاکہ مجھے اس بات کے جاننے کا موقع ملے کہ وہ ان باتوں کا کیا جواب رکھتے ہیں، لیکن میری بدقسمتی اس دفعہ بھی وہی "ترک شیرازی" یہ کہہ کر کہ:-

"قرآن مجید یا اسلام تواریخ یا تفاسیر کا جواب دہ نہیں۔"

"نخل اسلام" (میری ایک اور کتاب کا نام) کو "تبر اسلام" (مولانا کی طرف سے اس کا جواب ہے) مار کر چلتا ہوا، اس طرح پرانے ٹائپ کے جن ملاؤں کو رگڑنے کے لئے میں نے یہ دوسری کوشش کی تھی وہ پھر بچ گئے، آخر کار جب میں نے دیکھا کہ ملاازم کے ماننے والے تو میدان میں آتے نہیں اور جو میدان میں آتے ہیں وہ ملاازم کو ماننے والے نہیں ہوتے تو میں نے ان تمام مباحث کا قطعی فیصلہ کر ڈالا، اور "ترک اسلام" سے لے کر اپنی آخری تصنیف تک جس قدر کتابیں تھیں ان سب کو میں نے ۱۴ر جون ۱۹۱۱ء کو جلا کر خاک سیاہ کردیا (اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا) (المسلم صہ ۲۹۳ بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۴ء)۔

---

[1] یہ غازی محمود کا ایک ماہانہ میگزین تھا۔

جماعت اہلحدیث کے اخبارات و رسائل (قدیم)

جماعتی اخبارات ورسائل (قدیم) کی تعداد میرے علم کے مطابق کل ۹۸ ہیں، ان کو موضوع مضامین کے اعتبار سے ۶ قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

● پہلی قسم ادیان باطلہ کی تردید میں، جن کی تعداد ۱۰ ہے۔

۱۔ اشاعۃ السنۃ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت بٹالہ گرداس پور (پنجاب) ایڈیٹر مولانا ابو سعید محمد حسین بٹالوی، سن اجراء ۱۸۷۶ء۔

یہ جماعت اہل حدیث کا پہلا رسالہ ہے جس نے کئی سال تک علم وفن کی خدمت کی، عیسائیوں کے الزامات کا جواب دیا، مرزائے قادیان کی کفریات کا استیصال کیا۔

۲۔ الہادی (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت سیالکوٹ (پنجاب) ایڈیٹر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اس زمانہ میں ترویج عیسائیت کا بڑا زور تھا جس کی پشت مسیح جدید (مرزا قادیانی) نے مضبوط کردی تھی، اس کے استیصال کے لئے یہ رسالہ وقف تھا، اس میں بعض مضامین آریوں کے اعتراضات کے جواب میں بھی ہوتے تھے۔

۳۔ اہلحدیث (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت امرتسر (پنجاب) ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ امرتسری، سن اجراء ۱۳ر نومبر ۱۹۰۳ء۔

یہ اخبار کثیر المنافع، کثیر الاشاعت، ہر جماعت و مذہب وملت میں ہر دلعزیز تھا، اس میں مذہبی و اخلاقی مضامین، فتاوے اور مخالفین کے اعتراضات وجوابات اور دو صفحے پر دنیا بھر کی چیدہ چیدہ خبریں شائع ہوتی تھیں۔ یہ اخبار ہر جمعہ کو باقاعدگی سے شائع ہوتا تھا اس کا آخری شمارہ انتہائی نامساعد اور پرخطر حالات میں بھی جمعہ یکم اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا، اس کے بعد یہ چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا، یہ اخبار دو مرتبہ تعطل کا شکار رہا، پہلی مرتبہ ۱۹۱۹ء میں اہلحدیث جلد ۱۶ کے شمارے ۱۴، ۱۵ شائع نہیں ہوئے دوسری مرتبہ اگست ۱۹۲۳ء میں اہلحدیث جلد ۲۰ کے دو شمارے ۴۱، ۴۲ شائع نہیں ہوئے لیکن مولانا نے

بنام "گلدستۂ ثنائی" ان کمیوں کو پورا کیا۔

۴۔ مرقع قادیانی (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت امرتسر (پنجاب) ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ امرتسری، سن اجراء جون ۱۹۰۷ء۔

اس رسالہ میں مرزا قادیانی کی نبوت اور اس کے مسیح موعود ہونے کی تردید کی جاتی تھی، یہ رسالہ انگریزی مہینہ کی ہر پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا، اپریل ۱۹۰۷ء میں مرزا قادیانی نے مولانا امرتسری کے لئے موت کی پیش گوئی کرتے ہوئے دعا کی تھی کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مرجائے، مولانا نے مرزا کی کذب بیانیوں کا پردہ چاک کرنے نیز اس پیش گوئی کے پیش نظر اس رسالہ کا اجراء کیا جو مرزا کی موت ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کے بعد اکتوبر ۱۹۰۸ء جلد ۲، شمارہ ۵ تک برابر جاری رہا، پھر دوبارہ اپریل ۱۹۳۱ء میں اس کا اجراء ہوا، اور ۱۹۳۲ء تک جاری رہا۔

۵۔ مسلمان (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت امرتسر (پنجاب) ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ امرتسری، سن اجراء مئی ۱۹۰۸ء۔

یہ اخبار ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوتا تھا، اور مئی ۱۹۱۰ء تک ماہانہ تھا، ۷ جون ۱۹۱۰ء سے ہفت روزہ ہوا، اور ہر منگل کو شائع ہونے لگا، مولانا خود لکھتے ہیں:

> "اپریل کے رسالہ میں مسلمان کا آئندہ پروگرام لکھا تھا کہ یا تو بند کیا جاوے گا یا ہفتہ وار نکلے گا گو غالب خیال یہی تھا کہ بند ہوگا کیونکہ ہفتہ وار کی جو شرط لگائی تھی وہ ذرا مشکل تھی ..... مگر چونکہ خدا کے علم میں اس کا ہفت وار ہونا مقدر تھا ..... اس لئے توکلا علی اللہ مسلمان ہفتہ وار کا پہلا نمبر حاضر خدمت ناظرین ہوتا ہے۔"
>
> (مسلمان امرتسر، ۷ جون ۱۹۱۰ء)

یہ اخبار ۱۹۱۴ء تک جاری رہا، ۲۰ مئی ۱۹۱۳ء تک جامعہ سلفیہ بنارس کی لائبریری میں موجود ہے اس میں مذہب آریہ کے پیروؤں کی دریدہ دہنوں اور ان کے لغو اور بے جا اعتراضات کا معقول و مدلل جواب دیا جاتا تھا۔

۶۔ ضیاء السنۃ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب، سن اجراء[۳۲]

اس میں توحید و سنت کی خوبیاں اور شرک و بدعت کی برائیاں اجاگر کرتے ہوئے مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا تھا، نیز خلفاء اسلام کی سوانح عمریاں اور ناولانہ انداز کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

— امام (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت فیض آباد، ایڈیٹر سن اجراء ۱۳۴۵ھ۔

یہ اخبار عموماً تمام مذاہب باطلہ خصوصاً بہائیت کی خبر لیتا تھا، نیز اسلامی مضامین، لطائف، دل پسند نظمیں اور ملکی خبریں شائع ہوتی تھیں۔

— اخبار جعفر زٹلی (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت لاہور، ایڈیٹر ملا محمد بخش لاہوری، سن اجراء مارچ ۱۸۸۷ء۔

یہ اخبار سرسید احمد خاں اور نیچریوں کا مذاق اڑانے اور پھبتیاں کسنے کے لئے وقف تھا۔

— کرزن گزٹ (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مرزا حیرت بیگ دہلوی، سن اجراء فروری ۱۸۹۹ء۔

اس اخبار میں علمی، تاریخی، تنقیدی مقالات اور لوکل و غیر ملکی خبریں درج ہوتی تھیں، چوتھے صفحے پر " یاد رفتگاں " کے عنوان کے تحت بہادر شاہ ظفر کے " سراج الاخبار " کے اقتباسات ہوتے تھے یہ اخبار انگریزی حکومت کے وفاداروں کی دل کھول کر خبر لیتا تھا، اور حکومت کے غلط اعمال کی بیخ کنی کرنے سے بھی نہیں چوکتا تھا، اور مشنریوں کی خطرناک حرکتوں سے عوام کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

— تبلیغ (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت جبل پور، ایڈیٹر مولانا عبدالجبار عمر پوری، سن اجراء ۔۔۔ء۔

یہ اخبار ہندوستان میں بڑھتی ہوئی مغربی تہذیب کے مقابلہ میں ایک اسلامی شاہکار تھا۔

دوسری قسم شرک و بدعت اور تقلید شخصی کی تردید میں جن کی تعداد ۱۲ ہے۔

— اہل الذکر (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت فیض آباد، ایڈیٹر مولانا محمد یوسف شمس فیض آبادی۔ سن اجراء ۱۹۰۸ء۔

یہ رسالہ توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی مذمت کرتا تھا، اور نکات قرآنیہ اور دلائل عقلیہ کا مخزن تھا۔

- السعید (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دارانگر بنارس، ایڈیٹر مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، سن اجراء ۱۳۲۴ھ۔

یہ رسالہ توحید کی ترویج، شرک وبدعت اور تقلید شخصی کی تردید کرتا تھا، اور قرآن وسنت کی اتباع کی دعوت دیتا تھا۔

- صحیفۂ اہلحدیث (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دھلی، ایڈیٹر مولانا عبدالجلیل خاں سن اجراء محرم ۱۳۴۰ھ

یہ رسالہ غرباء اہل حدیث کا ترجمان تھا، اس کا مقصد توحید وسنت کی اشاعت کرنا، شرک وبدعت کا قلع قمع کرنا اور مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی طرف بلانا تھا۔

- اخبار محمدی (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا محمد صاحب جوناگڈھی، سن اجراء ۱۳۴۰ھ۔

یہ اخبار شروع میں رسالہ گلدستۂ محمدیہ کے نام سے جاری کیا گیا تھا، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہوا اخبار محمدی کی شکل میں نکلنے لگا۔ یہ اخبار کتاب وسنت کا داعی، توحید کا حامی اور شرک وبدعت کی مذمت کرتا تھا اور آخری صفحات پر اہم اہم ملکی خبریں شائع کرتا تھا، یہ اخبار دو مرتبہ تعطل کا شکار ہوا، پہلی مرتبہ مولانا جوناگڈھی کی وفات پاجانے کی وجہ سے ۱۵ر فروری ۱۹۴۱ء کا شمارہ نکلنے کے بعد بند ہوا، دوبارہ ۱۵ر جون ۱۹۴۱ء سے مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا، دوسری مرتبہ ۱۹۴۶ء میں کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے بند ہوا، پھر فروری ۱۹۴۷ء میں جاری ہوا۔

- شحنۂ ہند (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا احمد حسن شوکت، سن اجراء ۱۸۸۳ء۔

یہ اخبار توحید وسنت کی حمایت اور شرک وبدعت کی مذمت کرتا تھا، ساتھ ہی دینی واصلاحی مضامین بھی شائع کرتا تھا۔

- المشیر (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت الٰہ آباد، ایڈیٹر مولانا ضیاء الدین صاحب فانی، سن اجراء ـــــ ء

اس رسالہ میں توحید کی اشاعت اور شرک وبدعت و تقلید کی تردید کی جاتی تھی ، اور کتاب وسنت پر عمل کرنے کی دعوت دی جاتی تھی۔

- تبلیغ السنۃ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دھلی، ایڈیٹر مولانا احمد اللہ صاحب، سن اجراء جولائی ۱۹۲۲ء۔

اس رسالہ میں عام طور پر دینی و اصلاحی اور شرک و بدعت کی رد میں مضامین شائع ہوتے تھے اور گاہے بگاہے مذہب قادیانی اور اس کے دعاوی کو بدلائل تردید کی جاتی تھی۔

۸ — مسلم اہل حدیث گزٹ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا ابوالفضل عبدالحنان صاحب، سن اجراء جون ۱۹۳۳ء۔

اس اخبار میں دینی، مسلکی اور اصلاحی مضامین کے علاوہ شرک و بدعت کی مذمت میں مضامین شائع ہوتے تھے، اور آخری دو صفحات پر ملکی خبریں درج ہوتی تھیں۔

۹ — نصرۃ السنۃ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دارنگر بنارس، ایڈیٹر مولانا محمد سعید محدث بنارسی سن اجراء ستمبر ۱۸۸۵ء۔

یہ رسالہ جماعت اہل حدیث کا آرگن تھا جو مقلدین کی ہر کتاب کا منھ توڑ جواب دیتا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ شرک و بدعت کی تردید کرتا تھا۔

۱۰ — آثار السنن (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت پٹنہ، ایڈیٹر مولانا محمد صاحب سن اجراء محرم ۱۳۱۷ھ۔
یہ رسالہ توحید کی تبلیغ اور شرک و بدعت کی تردید کرتا تھا، اور مخالفین حدیث و اہل تقلید کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتا تھا۔

۱۱ — ہمدرد اہل حدیث (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا عبدالستار صاحب کلانوری سن اجراء ۱۳۳۸ھ۔

اس رسالہ میں حالات کے پیش نظر مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے، جیسے شرک و بدعت کی مذمت، نواب صدیق حسن خاں کی کتاب "الدین الخالص" کا ترجمہ اور قادیانیت وغیرہ کی تردید اور اخیر صفحات پر اہم اہم ملکی خبریں بھی شائع ہوتی تھیں۔

۱۲ — تنظیم اہل حدیث (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت انبالہ پنجاب، ایڈیٹر مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی، سن اجراء ـــــ ء۔

یہ اخبار شرک و بدعت کی مذمت اور مذہب قادیانیت کی تردید کرتا تھا، اور آخری صفحات پر ملکی خبریں شائع کرتا تھا۔

تیسری قسم ادب و تاریخ کی، جن کی تعداد ۱۶ ہے۔

۱۔ دلگداز (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر، سن اجراء ۱۸۸۷ء۔
یہ پرچہ زبان اردو کا بہترین علمی، ادبی اور تاریخی رسالہ تھا، اس میں سیاسی مضامین کم اور تاریخی، ادبی اور علمی زیادہ ہوتے تھے، شرر صاحب لکھتے ہیں:

"دل گداز وہ پرچہ ہے جس نے بحیثیت لٹریچر اردو کی دنیا میں خود ہی ناموری نہیں حاصل کی بلکہ اردو کو اعلیٰ درجۂ کمال اور سراپا اثر حالت پر پہونچا دیا۔"
(مہذب یکم اگست ۱۸۹۰ء)

نوٹ:۔ اس رسالہ میں صرف شرر صاحب ہی کے مضامین ہوتے تھے۔

۲۔ مہذب (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر، سن اجراء اگست ۱۸۹۰ء
یہ اخبار مندرجات کے لحاظ سے اعلیٰ پائے کا تھا، اس میں اداریوں، شذروں اور مضامین کو زیادہ جگہ دی جاتی تھی، اس میں علمی، تاریخی، ادبی اور معاشرتی مضامین چھپتے تھے، مولانا شرر لکھتے ہیں:

"ہمارا ارادہ ہے کہ قدیم ناموروں کی سوانح عمری بیان کرنے کا ایک سلسلہ قائم کریں، ہمارے قدیم بزرگ اور گذشتہ مشاہیر اس پایہ اور رتبہ کے لوگ تھے کہ ان کے نقش قدم پر چلنا کیا ان کے نام میں یہ تاثیر ہے کہ جب زبان پر آجاتا ہے تو دل میں ایک جوش پیدا ہو جاتا ہے، لہذا کیا اچھا ہو کہ ہم اپنے اخبار کے ہر پرچہ کو کسی نہ کسی گذشتہ نامور کے نام پر ڈیڈیکیٹ کریں، شاید اس کی برکت سے ہمیں بھی کامیابی نصیب ہو....
مہذب نے اس غرض سے یہ کام اپنے سر لیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے سلف کے کارنامے تفصیل کے ساتھ موجودہ آبادی کے سامنے پیش کرے۔" (مہذب نمبر ۱، جلد نمبر ۱، مطبوعہ یکم اگست ۱۸۹۰ء)۔

۳۔ رسالہ محشر (اردو) ہفت وار، مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر، سن اجراء ۱۸۸۲ء۔
یہ رنگین اور شاعرانہ مذاق کا اخبار تھا، اس میں نازک خیال آرائیاں ہوتی تھیں، ایک زمانہ تک اس میں "زمانہ جائزہ" کے عنوان سے ایک نرالے مضمون کا سلسلہ جاری رہا، اردو میں یہ نیا اور اچھوتا رنگ تھا۔

سب لوگوں نے عموماً اور انگریزی خواں نے خصوصاً اس مضمون کو بہت پسند کیا۔

نوٹ :۔ اس اخبار کو مولانا شرر نے اپنے ایک دوست عبدالباسط محشر کے نام پر نکال کر انھیں کو اس کا ایڈیٹر ظاہر کیا تھا، چنانچہ لکھتے ہیں :

"۱۸۸۲ء میں محشر نام ایک ہفت وار رسالہ میں نے مولوی عبدالباسط صاحب محشر کے نام سے نکالا۔" (آپ بیتی شرر، دل گداز جنوری ۱۹۲۴ء)

۴ ۔ رسالہ سخن سنج (اردو) سہ ماہی، مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر، سن اجراء ۱۹۱۷ء۔
یہ ایک سہ ماہی رسالہ تھا، اور تین جز پر مشتمل تھا۔ مضامین، نظم، نثر۔ مضامین میں مسلمان فاتحان ہند کی مختصر تاریخ ہوتی تھی، حصۂ نظم میں بڑے بڑے شعراء کے کلام ہوتے تھے، ساتھ ہی یہ قید ہوتی تھی کہ شاعر کی صرف سات ہی شعر شائع ہوں گے۔

۵ ۔ اتحاد (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر، سن اجراء ۱۹۰۴ء۔
یہ اخبار رسالہ محشر کے طرز پر تھا، لیکن یہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکا، صرف ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں بند ہو گیا۔

۶ ۔ العرفان (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر، سن اجراء ۱۹۰۶ء۔
یہ رسالہ بھی محشر کے طرز پر تھا، اخبار اتحاد کی جگہ پر اس کو جاری کیا گیا تھا، لیکن یہ بھی زیادہ دنوں تک نہ چل سکا سال کے اندر ہی بند ہو گیا۔

نوٹ :۔ اس رسالہ کو مولانا شرر نے مولوی سعید الحق کے نام سے جاری کیا تھا، مضامین سب شرر ہی کے ہوتے تھے۔

۷ ۔ پیام یار (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر، سن اجراء ـــــء۔
یہ پرچہ بھی علمی و ادبی تھا اس کے مالک منشی نثار احمد تھے، اور ایڈیٹر کی جگہ پر انھیں کا نام بھی درج ہوتا تھا لیکن کام سب شرر کرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں :

"منشی نثار احمد کو اپنے رسالہ کے متعلق جو کچھ نثر میں لکھنا ہوتا میں ہی لکھ دیا کرتا بلکہ دراصل "پیام یار" کی ترتیب و اشاعت میں ہی کرتا تھا۔" (آپ بیتی مولانا شرر،

دلگداز لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۴ء) ۔

نوٹ : مولانا شرر نے مندرجہ ذیل اخبارات و رسائل کو مختلف اوقات میں اور شائع کیا تھا، اور یہ سب ادبی و علمی تھے لیکن مجھے دستیاب نہیں ہوئے۔

۸ ـــ مؤرخ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت لکھنؤ، سن اجراء ۱۹۱۶ء
۹ ـــ دل افروز (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت لکھنؤ، سن اجراء ۱۹۱۵ء
۱۰ ـــ پردۂ عصمت (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت لکھنؤ، سن اجراء ۱۹۰۰ء
۱۱ ـــ ظریف (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت لکھنؤ، سن اجراء ـــء

(حوالہ رام بابو سکسینہ تاریخ ادب اردو حصہ نثر و ہسٹری آف اردو لٹریچر۔)

۱۲ ـــ مصحف (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت عمرآباد، مدراس، سن اجراء ـــء، ایڈیٹر قاسم شریف
یہ رسالہ مذہبی و معاشرتی کے علاوہ ادبی و تاریخی بھی تھا اور جامعہ عربیہ دارالسلام عمرآباد سے شائع ہوا کرتا تھا

۱۳ ـــ مصباح (اردو) ماہنامہ۔ مقام اشاعت ششہنیاں سدھارتھ نگر، ایڈیٹر مولانا عبدالجلیل رحمانی سن اجراء اکتوبر ۱۹۵۱ء۔

یہ رسالہ بھی مذہبی و معاشرتی کے ساتھ ادبی و علمی بھی تھا، اس میں مولانا رحمانی کا ایک مضمون بعنوان "تسہیل القرآن" سلسلہ وار شائع ہوتا تھا جو آیات قرآن کا ترجمہ و تفسیر پر مشتمل تھا، عوام و خواص کے لئے یکساں مفید تھا، یہ رسالہ ۱۹۵۶ء تک جاری رہ کر بند ہو گیا تھا، دوبارہ جنوری ۱۹۶۴ء سے جاری ہوا، مولانا لکھتے ہیں :

"کئی سال کے التواء کے بعد ماہنامہ مصباح کا پہلا شمارہ خیر و برکت کے مقدس ماہ میں ناظرین کو مل رہا ہے۔" (مصباح جنوری ۱۹۶۴ء)

۱۴ ـــ تہذیب (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت پٹنہ، ایڈیٹر مولانا سہیل عظیم آبادی، سن اجراء جنوری ۱۹۵۲ء
یہ رسالہ مشہور و معروف سیاسی رہنما عبدالقیوم انصاری (بہار) کی سرپرستی میں جاری ہوا تھا، اس کی مجلس ادارت میں سہیل عظیم آبادی کے ساتھ عبدالقیوم انصاری بھی تھے، علم و ادب کی بیش بہا خدمت انجام دے کر یہ رسالہ ۱۹۵۴ء میں بند ہو گیا۔

۱۵ ـــ پروانہ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت میرٹھ، ایڈیٹر مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی، سن اجراء ـــء،

یہ ماہنامہ شعر و شاعری کا گلدستہ تھا، اس میں اونچے شعراء کے کلام ہوتے تھے، خاص کر ان کے شاگردوں کے کلام ہوتے تھے۔ جن کی اصلاح بھی فرماتے اور تنقید بھی کرتے۔

۱۔ لسان الصدق (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۰۴ء۔
اس رسالہ کے مقاصد میں مسلمانوں کی معاشرت اور رسوم کی اصلاح کرنا، اردو زبان کے علمی دائرہ کو وسیع کرنا۔ اور اردو تصانیف پر ریویو کرنا تھا۔

● چوتھی قسم ادب وسیاست اور اصلاح اخلاق کی، جن کی تعداد ۱۴ ہے۔

۔ الہلال (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۱۲ء۔
یہ ایک ادبی، سیاسی اور اخلاقی پرچہ تھا، مسلمانوں کے ابتذال مذہبی وزوال ذھنی کی اصلاح اس کا مقصد تھا جس میں الہلال پوری طرح کامیاب تھا، لیکن انگریزی حکومت کے قانون مطابع کی زد میں آکر ۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو بند ہوگیا، دوسری مرتبہ ۱۰ر جون ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا، اور چھ ماہ بعد پھر بند ہوگیا۔ (نیرنگ عالم)

۱۔ البلاغ (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۱۴ء۔
الہلال کے طرز پر یہ اخبار جاری ہوا لیکن تین ہی ماہ بعد بند ہوگیا۔ (نیرنگ خیال)

نوٹ :- برطانوی حکومت کا جبر و تشدد اور ہندوستانی عوام کی بےبسی مولانا آزاد سے دیکھی نہ گئی اس لئے انہوں نے مذکورہ دونوں اخبارات کا نکالنا شروع کیا اس کا مقصد ہندوستانیوں میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً صحیح سیاسی شعور پیدا کرنا اور ان کو ملی، دینی، معاشرتی اعتبار سے صحیح انداز فکر کا عادی بنانا تھا، ان اخباروں میں ملکی اور بیرونی خبریں، عالمی مسائل پر بصیرت افروز تبصرے سیاسی احوال و کوائف اچھی طرح بیان کئے جاتے تھے، ان دونوں اخباروں سے انگریزی حکومت کے قصر میں بھونچال آگیا تھا

۲۔ نیرنگ خیال (اردو)، وقت اشاعت ... مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۸۹۸ء (نیرنگ عالم)

۳۔ محمدیہ (اردو) وقت اشاعت ...... مقام اشاعت کانپور، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۰۱ء (نیرنگ عالم)

۵ ــــ خدنگ نظر (اردو) وقت اشاعت ...... مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۰۱ء۔ (نیرنگ عالم)

۶ ــــ الندوۃ (اردو) وقت اشاعت .... مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۰۵ء۔ (نیرنگ عالم)

۷ ــــ وکیل (اردو) وقت اشاعت .... مقام اشاعت لاہور، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد سن اجراء ۱۹۰۶ء۔ (نیرنگ عالم)

۸ ــــ دارالسلطنت (اردو) وقت اشاعت ...... مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۰۶ء۔ (نیرنگ عالم)

۹ ــــ پیغام (اردو) وقت اشاعت ...... مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۲۱ء۔ (نیرنگ عالم)

۱۰ ــــ الاقدام (اردو) وقت اشاعت ..... مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۲۷ء۔ (نیرنگ عالم)

نوٹ :۔ مذکورہ تمام رسالے "الہلال" و "البلاغ" کے طرز پر نکلنا شروع ہوئے تھے، حکومت برطانیہ اپنے خلاف سمجھ کر ان پر پابندیاں عائد کرتی رہی، اس لئے یہ رسالے ۳، ۴، ۵، ۵ مہینے سے زیادہ نہیں نکل سکے اخبار "پیغام" نے پرنس آف ویلس کے ہندوستان آنے سے قبل اس کے استقبال کا بائیکاٹ کرنے کی تحریک چلائی، ایک دن پولیس آئی، آئندہ شمارے کے مضامین کی کاپیاں اٹھائے گئی اور ایڈیٹر موصوف کو جیل بھیجدیا

۱۱ ــــ المصباح (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام آزاد، سن اجراء ۱۹۰۱ء۔
یہ اخبار سیاسی، علمی اور تاریخی تھا، جنوری ۱۹۰۱ء میں نکلنا شروع ہوا اور چار ماہ جاری ہو کر بند ہو گیا مولانا آزاد لکھتے ہیں :

" اس میں ایک صفحہ علمی مضامین کے لئے بھی رکھا تھا، ایک صفحہ تاریخ و سوانح عمری کے لئے تھا، امام غزالی، نیوٹن اور مسئلہ کشش ثقل وغیرہ اس طرح کے مضامین ان صفحات کے لئے لکھے تھے۔" (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۷۵)

۱۲۔ ہند جدید (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، سن اجراء ــــ۔

یہ ایک سیاسی، ادبی اور علمی پرچہ تھا اور عوام میں بہت مقبول تھا۔

۱۳۔ قومی تنظیم (اردو) روزنامہ، مقام اشاعت پٹنہ، ایڈیٹر عمر فرید برادر ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی، سن اجراء ــــ۔ یہ ایک سیاسی اخبار تھا، اس میں حالات حاضرہ کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔

۱۴۔ اتحاد (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت امرتسر پنجاب، ایڈیٹر منشی مولی بخش کشتہ، سن اجراء ــــ۔ اس اخبار کا سن اجراء معلوم نہ ہو سکا، ۱۹۲۱ء میں جاری تھا، یہ ادبی، اصلاحی اور سیاسی پرچہ تھا اور ملکی خبریں بھی شائع کرتا تھا۔

● پانچویں قسم دینی، اصلاحی اور اخلاقی کی، جن کی تعداد ۲۰ ہے۔

۱۔ محدث (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، سن اجراء مئی ۱۹۳۲ء۔
یہ رسالہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا آرگن تھا، اس میں دینی و اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے جو زیادہ تر مدرسہ کے اساتذہ وطلباء کے ہوا کرتے تھے، اور آخری صفحات پر فتاوے پھر روح الاخبار کے عنوان سے اہم اہم ملکی خبریں شائع ہوتی تھیں، یہ رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا، اگست ۱۹۳۵ء تک اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم ناظم استاذ دارالحدیث رحمانیہ تھے۔

۲۔ مسلمان (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت سوہدرہ، ایڈیٹر مولانا عبدالمجید خادم، سن اجراء ۱۹۲۰ء۔
یہ رسالہ مسلمانوں کے شب وروز کے مسائل کا حل پیش کرتا تھا، ۱۹۲۸ء سے لاہور سے شائع ہونے لگا تھا اس میں دینی اور علمی مضامین کے علاوہ طبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے، اور ایک حصہ تفسیر القرآن کا بھی ہوا کرتا تھا۔

۳۔ مجلہ سلفیہ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دربھنگہ بہار، ایڈیٹر سید عبدالحفیظ گیاوی، سن اجراء ۱۳۵۳ھ۔
یہ رسالہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کی جانب سے نکلتا تھا، اس میں دینی و اصلاحی مضامین ہوا کرتے تھے۔

۴۔ ندائے مدینہ (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت کانپور، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام ظفر عالم میرٹھی۔ سن اجراء نومبر ۱۹۴۸ء۔

یہ ایک دینی اخبار تھا، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی یاد میں جاری ہوا تھا، اس کے اغراض و مقاصد کتاب و سنت کی اشاعت، مسلمانوں کی عموماً اور جماعت اہل حدیث کی خصوصاً اخلاقی حالت درست کرنا تھا۔ اس اخبار کا شمارہ ۸، ۹، ۱۰، جلد ۱ شیخ الاسلام (مولانا ثناء اللہ امرتسری) نمبر شائع ہوا ہے جو پر از معلومات ہے۔

۵ ـــ نور توحید (اردو) پندرہ روزہ مقام اشاعت لکھنؤ، ایڈیٹر عقیل مئوی، سن اجراء محرم ۱۳۷۰ھ۔
اس پرچہ میں دینی و اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے۔

۶ ـــ الفلاح (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت بنارس، ایڈیٹر مولانا عبدالصبور گونڈوی، سن اجراء ۱۹۵۶ء۔
اس رسالہ میں مثبت انداز کے دینی، اصلاحی اور معاشرتی مضامین شائع ہوتے تھے۔

۷ ـــ اہل السنۃ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولوی عبدالنور کلکتوی، سن اجراء ۱۹۲۲ء / ۱۳۴۲ھ۔
یہ ایک دینی رسالہ تھا، اس کے ٹائیٹل پر "بلغوا عنی ولو آیۃ" لکھا رہتا تھا، اس کا مقصد اسلام کے سچے احکام اور ان کے اسرار کی توضیح، استفتاء کا جواب اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام کرنا تھا۔

۸ ـــ صوت الجامعہ (اردو / عربی) سہ ماہی، مقام اشاعت جامعہ سلفیہ بنارس، ایڈیٹر مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، سن اجراء ۱۹۷۳ء۔

یہ ایک دینی رسالہ تھا، لوگوں کو کتاب و سنت کی دعوت دیتا تھا۔

۹ ـــ اہل حدیث (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی، سن اجراء ۱۹۵۱ء
۱۹۴۸ء میں اہلحدیث امرتسر کے بند ہو جانے کے بعد بطور یادگار مولانا ثناء اللہ امرتسری ادارۃ المولفین دہلی کی سرپرستی میں یہ اخبار جاری کیا گیا تھا، یہ اخبار مسلک اہل حدیث کا ترجمان تھا، اس میں دینی و علمی مضامین شائع ہوتے تھے۔ مولانا سید تقریظ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جون ۱۹۶۸ء میں اس کے مدیر مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانی ہوئے، اور اگست ۱۹۷۵ء میں مولانا مختار احمد ندوی، پھر جنوری ۱۹۷۷ء میں حافظ محمد یحیی صاحب اس کے مدیر ہوئے، اس کے بعد دسمبر ۱۹۷۸ء سے اس کے مدیر حکیم اجمل خاں ہوئے، چند مہینے اسی نام پر حکیم صاحب نے اس کو جاری رکھا، پھر نام میں کچھ تبدیلی کر کے "مجلہ اہل حدیث" کر دیا جو تاہنوز جاری ہے۔

۱۰۔ توحید (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت امرتسر، ایڈیٹر مولانا محمد داؤد غزنوی، سن اجراء اپریل ۱۹۲۷ء۔
یہ ایک دینی پرچہ تھا، اس کے سرورق پر لکھا ہوا تھا: "لاتھنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون ان کنتم مؤمنین" اس میں علمی مذاکرات اور دینی شعور پیدا کرنے والے مضامین شائع ہوتے تھے۔

۱۱۔ الجامعۃ (عربی) ہفت روزہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، سن اجراء ۱۹۲۳ء
یہ اخبار مصور تھا اور ملت اسلامی کی وحدت کی دعوت دیتا تھا۔

۱۲۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (اردو) روزنامہ، مقام اشاعت پٹنہ، ایڈیٹر مولانا محمد اسحاق بن حکیم ارادت حسین، سن اجراء ۱۸۸۶ء۔

یہ ایک اصلاحی اخبار تھا اس کے ایک کالم پر اردو اور مقابل کالم میں انگریزی رہتی تھی، یہ اسکولی طلباء کے لئے بہت مفید تھا، یہ اخبار پٹنہ ایجوکیشنل کمیٹی کا ترجمان تھا، پہلے ہفت روزہ تھا، بعد میں طلباء کے اصرار پر روزنامہ کر دیا گیا تھا۔

۱۳۔ الہلال (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت لوہرسن بازار بستی، ایڈیٹر مولانا حامد الانصاری انجم، سن اجراء ۔۔۔۔۔

یہ ایک دینی واصلاحی رسالہ تھا، اس کا سن اجراء معلوم نہ ہو سکا، اس کا ایک شمارہ دسمبر ۱۹۴۵ء کا میرے پاس موجود ہے۔

۱۴۔ مسلم اہلحدیث گزٹ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر ابوالفضل عبدالحنان بہاری، سن اجراء جون ۱۹۳۳ء۔

اس میں دینی، مسلکی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے اور اخیر میں دو صفحہ پر ملکی خبریں ہوتی تھیں۔

۱۵۔ زاد آخرت (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت حیدرآباد دکن، ایڈیٹر مولانا شکراللہ رحمانی، سن اجراء ۱۹۶۲ء۔
اس رسالہ میں سیرت نبوی اور خلافت راشدہ کی تاریخی واقعات اور نصیحت آموز مضامین شائع ہوتے تھے اور اس کے سرورق پر لکھا رہتا تھا: "ولتنظر نفس ما قدمت لغد"

۱۶۔ الہلال (اردو) سہ ماہی، مقام اشاعت تلسی پور گونڈہ، ایڈیٹر مولانا ابوالعاص وحیدی، سن اجراء اگست تا اکتوبر ۱۹۸۹ء۔

یہ رسالہ دینی اور ادبی تھا۔ اس کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو جہاد، اور مضبوط ملی اتحاد پر ابھارا جائے، ۲، ۳، شمارے نکل کر بند ہوگیا۔

۱۷ـ اعتدال (اردو) دوماہی، مقام اشاعت ڈومریا گنج بستی، ایڈیٹر مولانا ابو العاص وحیدی، سن اجراء ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۸ء۔

یہ رسالہ ضلعی جمعیۃ اہل حدیث بستی کا ترجمان تھا، اس میں دینی و اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے اکتوبر نومبر ۱۹۹۱ء کا شمارہ نکلنے کے بعد بند ہوگیا۔

۱۸ـ انوار (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت پرساعماد بستی، ایڈیٹر حمید اللہ سلفی، سن اجراء مئی ۱۹۸۶ء

یہ ایک دینی اور اصلاحی پرچہ تھا۔

۱۹ـ صوت الحدیث (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت بمبئی، ایڈیٹر ظہیر الدین سلفی، سن اجراء مارچ ۱۹۸۸ء

یہ رسالہ مسلک اہل حدیث کا ترجمان تھا، اس میں تحقیقی، اصلاحی اور معاشرتی مضامین شائع ہوتے تھے ۱۹۹۱ء سے بند ہے۔

۲۰ـ نور الایمان (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دھلی، ایڈیٹر مولانا محمد داؤد راز، سن اجراء دسمبر ۱۹۶۶ء

یہ رسالہ مولانا عبدالوہاب صاحب آروی کی سرپرستی میں نکلتا تھا اور تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتا تھا، اس میں فتاوے اور حدیث پاک کا عام فہم اور سلیس ترجمہ مختصر تشریح کے ساتھ شائع ہوتا تھا، مختلف مقامات پر ہونے والے تبلیغی و دعوتی اجتماعات کی رپورٹ بھی شائع کرتا تھا۔

- چھٹی قسم جہاد فی سبیل اللہ کی جنکی تعداد صرف ۲ ہے:

۱ـ الحرض (اردو فارسی) وقت اشاعت .... مقام اشاعت سرحد افغانستان، ایڈیٹر مولانا نور الہ سن اجراء دسمبر ۱۹۳۸ء۔

جماعت مجاہدین کی طرف سے یہ رسالہ جاری ہوا تھا، اس کے سرورق پر لکھا تھا: "یا ایہا النبی حرض المؤمنین علی القتال"

۲ـ المجاہد (اردو و فارسی) وقت اشاعت .... مقام اشاعت سرحد افغانستان، ایڈیٹر مولانا نور الہ سن اجراء سنہ ۱۹۴۰ء۔

جماعت مجاہدین کی طرف سے یہ پرچہ بھی جاری ہوا تھا، یہ مولانا محمد بشیر شہید کی یاد میں نکلتا تھا، اس میں یہ بھی لکھا جاتا تھا " بیادگار شہید ملت الغازی المہاجر مولوی محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں اخباروں میں جہاد کے فضائل اور اس کی ضرورت و اہمیت سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے، یہ مضامین اکثر اردو و فارسی زبان میں ہوتے تھے، اور کبھی کبھار پشتو زبان میں بھی شائع ہوتے تھے۔

نوٹ :- مذکورہ بالا اخبارات و رسائل کے علاوہ جماعت اہل حدیث کے چند اخبارات و رسائل اور ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی اخبار و رسالہ مجھے دستیاب نہیں ہوا ہے، البتہ بہت تلاش و جستجو کے بعد صرف ان کے مدیران اور مقام اشاعت کا علم ہو سکا۔

۱۔ قیصر ہند (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت فیض آباد، ایڈیٹر منشی محمد حامد فیض آبادی۔
۲۔ النذیر (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت لالہ موسیٰ گجرات، ایڈیٹر مولانا عبدالغنی صاحب۔
۳۔ نظارہ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت میرٹھ، ایڈیٹر مولانا عبدالمجید حمید میرٹھی۔
۴۔ آفتاب میوات (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت شکراوہ ہریانہ، ایڈیٹر مولانا عبدالشکور شکراوی، سن اجراء ۱۹۳۱ء۔
۵۔ ریاض توحید (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا عبیدالرحمٰن صاحب بیفیر پوری، سن اجراء ۱۹۳۶ء۔
۶۔ محمدی (بنگلہ) ماہنامہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابو طاہر بردوانی۔
۷۔ الریحان (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا محمد داؤد راغب۔
۸۔ اشاعت الاسلام (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت مظفر پور بہار، ایڈیٹر مولانا محمد عباس و دعا ستی سنسکرت۔
۹۔ ھاتف (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت اکوہرا بستی، ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق سمرادی بستوی۔
۱۰۔ توحید (بنگلہ) ماہنامہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا ابو طاہر بردوانی۔
۱۱۔ معارف القرآن (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت کانپور، ایڈیٹر مولانا محمد اسلم کانپوری۔
۱۲۔ ہنٹر (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت لاہور، ایڈیٹر ملا محمد بخش لاہوری۔
۱۳۔ صحیفۂ حقانی (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت امرتسر، ایڈیٹر بابو محمد اسحاق۔
۱۴۔ المرشد (ملیالم) ماہنامہ، مقام اشاعت کیرالہ، ایڈیٹر شیخ محمد الکاتب
۱۵۔ مشکوۃ الہدیٰ (ملیالم) ماہنامہ، مقام اشاعت کیرالہ، ایڈیٹر عبدالسلام وغیرہ۔

۱۶۔ اخبار محمدی (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر محمد اکرم خاں، سن اجراء ۱۹۱۰ء۔
۱۷۔ پیام ھند (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت سیونی، ایم، پی، ایڈیٹر مولانا مقبول احمد صاحب
۱۸۔ عزیز (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت کرنول، ایڈیٹر مولانا عبدالعزیز صاحب کرنول رحمانی
۱۹۔ میوگزٹ (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت شکراوہ ہریانہ، ایڈیٹر حکیم اجمل خاں۔
۲۰۔ ملت (اردو) روزنامہ، مقام اشاعت دھلی، ایڈیٹر سید جعفر۔
۲۱۔ اشارہ (اردو) روزنامہ، مقام اشاعت صادق پور پٹنہ، ایڈیٹر عبدالقیوم خضر۔
۲۲۔ آفتاب مظہر صداقت (اردو) ...... مقام اشاعت چندوس، ایڈیٹر مولانا منظور رحمانی۔
۲۳۔ ماہنامہ الکلام (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت بمبئی، ایڈیٹر مولانا عبیدالرحمان قمر مبارکپوری، سن اجراء ۱۹۵۰ء
۲۴۔ ترجمان الحق (اردو)۔

جماعت اہلحدیث کے وہ اخبارات و رسائل جو جاری ہیں

وہ اخبارات ورسائل جو تا ہنوز جاری ہیں، ان کی تعداد ۱۴ ہے، ان کو قدیم اخبارات و رسائل کی طرح تقسیم نہیں کیا گیا ہے، اس لئے کہ دو ایک کو چھوڑ کر سبھی پرچے دینی، علمی، اخلاقی اور معاشرتی مضامین پر مشتمل ہیں

۱ــ جریدہ ترجمان (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت دھلی، مدیر مسئول مولانا عبدالوہاب خلجی، سن اجراء ۱۹۵۲ء

یہ اخبار جمیعت اہل حدیث ہند کی زیر سرپرستی نکلتا ہے، اور اس کا نقیب اور داعی ہے، اس کی ادارت عموماً مرکزی جمعیۃ کے ناظمین حضرات انجام دیتے ہیں۔ اس جریدہ کا نام پہلے "ترجمان" تھا، ماہ بماہ شائع ہوتا تھا ۱۹۵۷ء میں اسے پندرہ روزہ کیا گیا، پھر کچھ دشواریوں کے پیش نظر جون ۱۹۸۰ء سے "جریدہ ترجمان" کے نام سے شائع ہونے لگا، اور جنوری ۱۹۹۰ء سے اسے پندرہ روزہ کی بجائے ہفت روزہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے پہلے مدیر مسئول مولانا عبدالوہاب آروی اور ایڈیٹر مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی تھے، اس میں دینی، علمی، اخلاقی، اصلاحی اور جماعتی مضامین شائع ہوتے ہیں، نیز ملکی اور عالمی مسلمانوں کے مسائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۲ـــ اصلاح سماج (ہندی) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر احسان الحق، سن اجراء ۱۹۹۰ء۔
یہ رسالہ بھی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ترجمان ہے، اس میں دینی، اصلاحی اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۳ـــ الاسلام (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا عبدالرشید صاحب ازہری، سن اجراء دسمبر ۱۹۵۵ء۔
یہ ایک خالص اصلاحی اور دینی رسالہ ہے، اس میں احوال وظروف کے پیش نظر مفید مضامین شائع ہوتے ہیں، اس کے بانی ومدیر اول مولانا عبدالسلام صاحب بستوی مرحوم ہیں۔

۴ـــ التوعیۃ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا رفیق احمد سلفی، سن اجراء جنوری ۱۹۸۶ء۔
یہ رسالہ مرکز ابوالکلام آزاد کے تمام شعبوں کا نقیب اور ترجمان ہے، اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا عاشق علی اثری تھے، اس میں دینی، اصلاحی، تاریخی اور ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں اور رسالہ کے آخری صفحات پر اہم اہم عالمی خبریں بھی ہوتی ہیں۔

۵ـــ نوائے اسلام (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا عزیز عمر سلفی، سن اجراء جولائی ۱۹۸۴ء۔
یہ بھی ایک دینی، اصلاحی، اور علمی رسالہ ہے، اس کے نصب العین میں سے ہے، قرآن وسنت کی تعلیم صحیح ڈھنگ سے لوگوں تک پہونچانا۔

۶ـــ الرحیق (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دہلی، ایڈیٹر مولانا ابوالکلام احمد، سن اجراء جولائی ۱۹۸۹ء۔
اس رسالہ میں دینی، اصلاحی، اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے ہیں، ساتھ ہی عالم اسلام کی اہم خبروں پر تبصرے ہوتے ہیں۔

۷ـــ صوت الامۃ (عربی) ماہنامہ، مقام اشاعت جامعہ سلفیہ بنارس، ایڈیٹر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری سن اجراء ۱۹۶۹ء۔

یہ رسالہ علم وثقافت کا علم بردار، علمی، ادبی اور تحقیقی مقالات کا مخزن اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے ہندوستان کے عربی رسالوں میں ممتاز ہے، یہ رسالہ پہلے "مجلۃ الجامعۃ السلفیۃ" کے نام سے جاری ہوا، بعض قانونی رکاوٹ کی بنا پر جولائی ۱۹۸۶ء سے "نشرہ" کے نام سے شائع ہونے لگا، اور مارچ ۱۹۸۸ء

سے "صوت الامۃ" کے نام سے قوم و ملت کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

۸ — محدث (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت جامعہ سلفیہ بنارس، ایڈیٹر مولانا عبدالوہاب حجازی، سن اجراء فروری ۱۹۸۲ء
یہ رسالہ کتاب و سنت کی بے لاگ ترجمانی، دین کی صحیح دعوت و تبلیغ، قدیم و جدید مسائل میں اسلام کی صحیح اور جامع تعلیمات کی طرف رہنمائی، عصر حاضر کے مزاج اور تقاضوں کی روشنی میں ملت کے لئے صحیح اور مفید اقدامات کی نشاندہی، اسلام پسند حلقوں کے درمیان مفاہمت اور تعاون، دین کے نام پر کجروی کی اصلاح کرتے ہوئے باطل نظریات کی تردید کرتا ہے، یہ رسالہ ستمبر ۱۹۸۶ء سے اگست ۱۹۸۸ء تک کچھ دشواریوں کے پیش نظر بند ہوگیا تھا، اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری ہیں۔

۹ — آثار (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت مئوناتھ بھنجن، مدیر مسئول مولانا جمیل احمد اثری، سن اجراء جنوری ۱۹۸۳ء
یہ رسالہ جامعہ اثریہ دارالحدیث کا ترجمان ہے، اس میں دینی علمی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے ہیں، اس کے بنیادی نصب العین میں سے اسلامی مسلک، اسلامی عقیدہ اور اسلامی عمل کا اجاگر کرنا اور منفی سے زیادہ مثبت پہلوؤں کو روشن کرنا ہے، اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا عبداللطیف اثری پھر جولائی ۱۹۸۵ء سے مولانا عزیز الحق عمری تھے اور جولائی ۱۹۸۸ء سے مولانا جمیل احمد صاحب ہیں، کچھ دشواریوں کے پیش نظر جنوری ۱۹۸۸ء سے آثار جدید کے نام سے جاری ہوا۔

۱۰ — حالات جدید (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت مئوناتھ بھنجن، ایڈیٹر فضل الرحمٰن انصاری، سن اجراء ۱۹۸۶ء
یہ ایک سیاسی اخبار ہے، اس میں ملکی خبریں شائع ہوتی ہیں، بروقت اس کے ایڈیٹر شاہد جمال انصاری ہیں۔

۱۱ — بنکر پروکتا (ھندی) ہفت روزہ، مقام اشاعت مئوناتھ بھنجن، ایڈیٹر مولانا فضل الرحمٰن انصاری سن اجراء ۱۹۸۹ء۔
اس اخبار میں مقامی و ملکی خبریں شائع ہوتی ہیں ساتھ ہی اسلامی تعلیمات اور اس کی خوبیوں سے متعلق کچھ مضامین درج ہوتے ہیں۔

۱۲ — دعوت سلفیہ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت علی گڈھ، ایڈیٹر مولانا رضاءاللہ عبدالکریم مدنی، سن اجراء اپریل ۱۹۸۶ء۔
یہ ایک دینی، اصلاحی اور علمی رسالہ ہے، اس کے نصب العین میں سے ہے دین اسلام کا تعارف اور اس

کی تبلیغ، غافل انسانوں کو راہ راست پر لانا اور کتاب وسنت پر عمل کرنے کی لوگوں کو دعوت دینا، اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا محمد امین اثری تھے۔

۱۳ ۔ الفلاح (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت بھیکم پور گونڈہ، ایڈیٹر مولانا سراج الحق سلفی، سن اجراء جولائی و اگست ۱۹۹۱ء۔

اس رسالہ میں دینی، اصلاحی اور معاشرتی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۱۴ ۔ خبرنامہ (اردو) دو ماہی، مقام اشاعت سوہانس بازار سدھارتھ نگر، مدیر مولانا حامد الانصاری، سن اجراء ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۰ء۔

۱۵ ۔ ترجمان السنۃ (اردو) سہ ماہی، مقام اشاعت رچھا بریلی، ایڈیٹر مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی سن اجراء مارچ، اپریل و مئی ۱۹۹۲ء۔

اس رسالہ میں دینی، اصلاحی مضامین کے علاوہ شرک و بدعت کی بھرپور تردید کی جاتی ہے۔

۱۶ ۔ الہدیٰ (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت دربھنگہ بہار، ایڈیٹر ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی، سن اجراء ۱۹۴۰ء۔

یہ اخبار جامعہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار کی جانب سے پہلے ہفت روزہ کی شکل میں شائع ہو رہا تھا، پھر پندرہ روزہ کر دیا گیا ہے، اس میں بیش بہا دینی و علمی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۱۷ ۔ دعوت صادق (اردو) سہ ماہی، مقام اشاعت پٹنہ، ایڈیٹر مولانا عبدالسمیع صاحب مدنی، سن اجراء جون، جولائی، اگست ۱۹۸۷ء۔

اس پرچہ میں دینی، ادبی، علمی اور سیاسی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۱۸ ۔ قومی تنظیم (اردو) روزنامہ، مقام اشاعت پٹنہ، ایڈیٹر ایس، ایم اشرف فرید، سن اجراء سنہ
یہ ایک سیاسی اخبار ہے، اس میں مقامی، ملکی اور غیر ملکی خبریں شائع ہوتی ہیں۔

۱۹ ۔ اہل حدیث (بنگلہ) ماہنامہ، مقام اشاعت کلکتہ، ایڈیٹر مولانا مبین الباری صاحب، سن اجراء ۱۹۶۲ء
اس میں اسلامی ثقافت وتہذیب کو اجاگر کیا جاتا ہے اور دینی و اصلاحی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۲۰ ۔ مجلہ البلاغ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت دار المعارف بمبئی، ایڈیٹر شیخ ارشد مختار ازہری، سن اجرا

اگست ۱۹۹۰ء۔

— یہ ایک دینی، اصلاحی اور تعلیمی و تربیتی رسالہ ہے، اس کے ٹائیٹل پر لکھا ہوا ہے " هذا بلاغ للناس ولينذروا به وليعلموا انما هو اله واحد ليذكر اولوا الالباب "۔ اس کا ٹائیٹل خوبصورت اور دیدہ زیب ہے لیکن مصور ہے۔

۲۱۔ صوت الاسلام (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت جامعہ رحمانیہ بمبئی، ایڈیٹر مولانا الطاف حسین سن اجراء اگست ۱۹۸۷ء۔

اس رسالہ میں دینی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے ہیں اور آخیر میں جماعتی خبریں ہوتی ہیں۔

۲۲۔ صوت الحق (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت منصورہ مالیگاؤں، ایڈیٹر مولانا عبد النور راغب سن اجراء ۵ رفروری ۱۹۸۱ء۔

یہ اخبار جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کا ترجمان ہے، اس میں دینی، اصلاحی اور معاشرتی مضامین شائع ہوتے ہیں اور آخری صفحات پر جماعتی خبریں بھی ہوتی ہیں۔

۲۳۔ راہ اعتدال (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت عمرآباد مدراس، ایڈیٹر مولانا ابو البیان حماد عمری سن اجراء جنوری ۱۹۹۱ء۔

اس رسالہ میں دینی اصلاحی اور معاشرتی مضامین شائع ہوتے ہیں اور آخری صفحات پر جماعتی خبریں بھی ہوتی ہیں۔

۲۴۔ الجنۃ (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت مدراس، ایڈیٹر مولانا زین العابدین علوی، سن اجراء اگست ۱۹۹۰ء

یہ پرچہ بھی ایک دینی، اصلاحی اور معاشرتی رسالہ ہے۔

۲۵۔ البیان (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت حیدرآباد دکن، ایڈیٹر مولانا مشیر الدین، سن اجراء ۱۹۵۵ء

اس رسالہ کے بانی مولانا ابو تمیم مرحوم ہیں اس میں غلط رسوم و رواج اور شرک و بدعت کے خلاف کتاب سنت کی روشنی میں لکھے گئے مضامین شائع ہوتے ہیں، یہ رسالہ صوبائی جمعیۃ اہل حدیث آندھرا پردیش کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔

۲۶۔ ندائے اسلام (گجراتی) ماہنامہ

یہ رسالہ جماعت اہل حدیث گجرات کی ترجمانی اور نمائندگی کرتا ہے۔

۲۷۔　مسلم (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت سری نگر کشمیر، ایڈیٹر صوفی احمد مسلم، سن اجراء ۱۹۴۲ء۔
اس اخبار کے سلسلہ میں ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں:

"جریدہ کے دیگر علمی، ادبی، تاریخی اور اصلاحی عناوین کے علاوہ تحقیق مسائل اس کا اہم عنوان رہا ہے، مسلم کی اشاعت کا ابھی تیسرا ہی سال تھا کہ جب تحقیق مسائل کے اہم کالم کو اس کی زینت بنایا گیا، اس کالم کے پہلے لکھنے والے مسلم کے مدیر اول مولانا مبارکی تھے...... پھر ان کی حیات ہی میں مرحوم کی خواہش پر مولانا عبد الغنی شوپیانی اس خدمت کو انجام دیتے رہے پھر اس عہدہ کے لئے مولانا عبد الرحمٰن نوری کا انتخاب عمل میں آیا، (اور موصوف کے دور ہی میں) ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کا واقعہ رونما ہوا جس سے جموں کشمیر بھی متاثر ہوا جس کی وجہ سے مسلم کی اشاعت دس سال تک معرض التوا میں رہی۔ ۱۹۵۷ء میں جب "مسلم" کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، تو اگست ۱۹۵۸ء میں مسلم کی ادارت کے لئے مولانا نور الدین کا انتخاب عمل میں آیا۔ مولانا نور الدین کا جب ۱۹۸۴ء میں انتقال ہوا تو مسلم کی ادارت کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی گئی۔

(مسلم جلد ۴۶، شمارہ ۱۹، ۲۲ رجون ۱۹۸۹ء)

۲۸۔　توحید (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت سری نگر کشمیر، ایڈیٹر محمد مبارک مبارکی، سن اجراء ۱۹۹۰ء۔
یہ اخبار بطور یادگار مولانا ابوالحسن مبارکی بزم توحید اہلحدیث جموں کشمیر کے زیر سرپرستی نکلتا ہے، اس میں دینی، اصلاحی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۲۹۔　قصد السبیل (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت سری نگر کشمیر، ایڈیٹر محمد قاسم شاہ طیبی، سن اجراء ۱۹۸۶ء۔

اس اخبار میں کتاب و سنت کی ترویج اور شرک و بدعت کی تردید میں مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۳۰۔　راہِ منزل (اردو) ہفت روزہ، مقام اشاعت جموں،

۳۱۔ ایر پورٹ ٹائمز (اردو) روزنامہ، مقام اشاعت جموں،

۳۲۔ مجلہ اہل حدیث (اردو) پندرہ روزہ، مقام اشاعت شکراوہ میوات، ایڈیٹر حکیم اجمل خاں، سن اجراء ۱۹۷۸ء۔
ادارۃ المؤلفین دہلی سے نکلنے والے "اہل حدیث" کے بند ہوجانے کے بعد جو بطور یادگار مولانا ثناء اللہ امرتسری نکلتا تھا، اسے جاری کیا گیا ہے تاکہ مولانا کی یادگار باقی رہے، اس میں علمی و دینی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۳۳۔ المنار (ملیالم) ماہنامہ، مقام اشاعت کیرالہ، ایڈیٹر مولانا محمد موسیٰ صاحب، سن اجراء ــــہ۔
یہ رسالہ ندوۃ المجاہدین کی جانب سے انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو نکلتا ہے، اس میں اسلامی دعوت و تبلیغ سے بھرے ہوئے مقالے رہتے ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کے معاشرہ کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔

۳۴۔ الشباب (ملیالم) ماہنامہ، مقام اشاعت کالی کٹ کیرالہ، ایڈیٹر شیخ عبدالرزاق السلمی، سن اجراء ــــہ۔
اس میں نوجوانوں کے ذوق کے مطابق قرآن و سنت کے روشنی میں مقالے شائع ہوتے ہیں، یہ رسالہ خاص کر عصری تعلیم سے متاثر ہونے والے مسلمانوں کو اسلام کی بہترین تعلیم کی جانب متوجہ کرتا ہے۔

۳۵۔ السلسبیل (ملیالم) پندرہ روزہ، مقام اشاعت کیرالہ، ایڈیٹر شیخ عمر احمد الملیباری، سن اجراء ــــہ۔
یہ ایک دینی رسالہ ہے، اس کا مقصد کتاب و سنت اور علمائے سلف کی تعلیمات کو عام کرنا ہے۔

۳۶۔ السلسبیل (ملیالم) روزنامہ، مقام اشاعت کیرالہ، ایڈیٹر شیخ عمر احمد الملیباری، سن اجراء ــــہ۔
یہ ایک سیاسی اخبار ہے، اس میں ملکی خبریں شائع ہوتی ہیں۔

۳۷۔ بالک کودکم (ملیالم) ماہنامہ، مقام اشاعت کالی کٹ ۱ آرسی روڈ کیرالہ،
یہ ایک دینی رسالہ ہے، اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے مخصوص ہے، اس میں سیرت رسول و سیرت صحابہ و تابعین نماز کی اہمیت، اس کے پڑھنے کے طریقے اور اس کی دعائیں وغیرہ پر مشتمل مضامین شائع ہوتے ہیں، یہ رسالہ ہر مکتبۂ فکر کے مسلمانوں میں مقبول ہے۔

۴۸ـ پڈوا (ملیالم) ماہنامہ، مقام اشاعت کالی کٹ ۱ ـ آرسی روڈ کیرالہ۔
اس رسالہ میں دینی، اصلاحی اور معاشرتی مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۴۹ـ الجہاد (عربی) مقام اشاعت کیرالہ۔

۵۰ـ اقرار (ملیالم) مقام اشاعت کیرالہ۔

۵۱ـ نور توحید (اردو) ماہنامہ، مقام اشاعت جھنڈانگر (نیپال) ایڈیٹر مولانا عبدالمنان سلفی، سن اجراء مئی ۱۹۸۸ء۔
اس رسالہ میں دینی واصلاحی مضامین شائع ہوتے ہیں، اور آخری صفحات پر عالم اسلام کی اہم اہم خبروں کے ساتھ ان پر تبصرے بھی ہوتے ہیں۔

بقیہ ص ۱۱۹ کا

ندوۃ الطلبہ کے اس افتتاحی پروگرام میں ہمارے مشفق ومربی جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری وکیل الجامعہ حفظہ اللہ نے اپنے علمی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں سلفی مسلک کے منہج، افکار واعمال اور عقائد ونظریات، موجودہ مذہبی جماعتوں اور تنظیموں کے موقف کار، اور ان کے تصور اتحادِ اسلامی کو قرآن وحدیث اور تاریخی شواہد کے پس منظر میں واضح فرمایا، اور پھر سلفی مسلک کے تقاضوں کی جانب بھی اشارہ کیا۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کے بعد صدر ندوۃ نے تمام اساتذہ اور طلباء کا شکریہ ادا کیا اور صدر محترم کی اجازت سے انجمن کے اختتام کا اعلان کیا اس طرح اس انجمن کے ذریعہ طلباء کی نئے تعلیمی سال کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ اور تمام شعبے اپنی اپنی خدمات میں سرگرم ہو گئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم طلباء میں جوش عمل اخلاص نیت اور احساس ذمہ داری پیدا فرمائے اور سال رواں کی ساری سرگرمیاں حسن وخوبی انجام پذیر ہوں۔ آمین۔

رحیم اللہ حیدرآبادی

مدیر مجلہ "المنار"

جماعتی اخبارات ورسائل اور مجلات کے مابین ہم آہنگی کی اہمیت اور اسکے مسائل

مولانا عزیز الرحمن سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی النبی الکریم وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریات أجمعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین۔ امابعد!

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم　؛　بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاأیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولاتموتن إلا وأنتم مسلمون، واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم إذکنتم أعداءً فألف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا کذلک یبین اللہ آیاتہ لعلکم تہتدون ولتکن منکم أمۃ یدعون إلی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر وأولئک ہم المفلحون، ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءتہم البینات واولئک لہم عذاب عظیم ٥

(آل عمران ۱۰۲ تا ۱۰۵)

مندرجہ بالا آیات قرآن کریم میں جس سیاق میں بیان کی گئی ہیں ان کی روشنی میں ہمیں چند ہدایتیں ملتی ہیں۔

الف:۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہیں میں مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے، ضروری ہے کہ ان کے طور طریقوں سے اپنے دل و دماغ کی حفاظت کریں۔ اگر ان مسلمانوں نے بھی انہی اہل کتاب کی گمراہانہ خواہشوں کی پیروی کی تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ راہ ہدایت پاکر پھر گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

ب:۔ ایمان کی برکتوں کے حصول کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ایمان کا اقرار کرلیں بلکہ اصل چیز ایمان کا استحکام اور اس کا جماؤ ہے۔

ج:۔ جماعت کے تفرقے سے بچیں اور خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت مسلمانوں کے اوپر یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے اپنے احسان سے بھائی بھائی بنادیا۔

د :۔۔۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو داعی الی الخیر ہو، وہ نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور قوم کو راہ حق و ہدایت پر قائم رہنے کی تلقین کرے۔

ہ :۔۔۔ جماعت کے تفرقے ہی کی طرح دین کا اختلاف بھی مہلک ہے، اہل کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ دین کے علم اور کتاب اللہ کے حصول کے بعد پھر باہمی اختلافات میں پڑگئے اور دین کی وحدت ضائع کرکے الگ الگ ٹولیاں بنالیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان بھی اس گمراہی میں مبتلا ہو جائیں اور ایک دین پر جمع رہنے کی جگہ الگ الگ فرقہ بندیوں میں بٹ جائیں

مذکورہ بالا آیتوں میں قوم مسلم کو آپس میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنے، مل جل کر دین کی تبلیغ و اشاعت کرنے اور افتراق و انتشار سے اجتناب کرنے کی ہدایتیں ہیں، اس مفہوم کی بہت سی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں جو صاحب علم سے مخفی نہیں۔

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۔

اس آیت میں جو قاعدہ بتایا گیا ہے وہ مسلمانوں کے تمام کاموں کے لئے دستور العمل ہے، وہ یہ ہے کہ نیکی اور پرہیزگاری کی بات میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ظلم کی بات میں مدد چھوڑ دو۔ مذکورہ آیت میں باہمی معاونت کا حکم ہے جو اتحاد و اتفاق کا ذریعہ اور عدم معاونت گویا انتشار و افتراق کا ذریعہ ہے،

احادیث شریفہ میں بہت سی جگہوں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو باہمی میل جول اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے کی تلقین فرمائی ہے، آپ کا ارشاد گرامی ہے :

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا وشبک بین اصابعہ ۔ (متفق علیہ)

نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم مثل الجسد إذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں :

المسلم أخو المسلم لا یخونہ ولا یکذبہ ولا یخذلہ ، کل المسلم علی المسلم حرام عرضہ ومالہ ودمہ التقوی ھھنا ، بحسب امریٔ مسلم من الشر أن یحتقر أخاہ المسلم ۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں آپؐ نے فرمایا :

ان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا ستلقون ربکم فیسألکم عن أعمالکم ألا فلا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض ألا لیبلغ شاھد الغائب ۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا :

سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔

ان سارے نصوص میں مسلمانوں کو ہر ایسے کلام سے منع کیا گیا ہے جس سے اتفاق و اتحاد میں فرق پڑ سکتا ہے، اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو سکتا ہے، مسلمانوں کو زندگی کے ہر گوشہ میں یگانگت، اتحاد اور بھائی چارہ کی ضرورت ہے، یہی اسلامی اجتماعی زندگی کی روح ہے۔ اس کے برخلاف انتشار و تفرقہ اور ہر وہ فعل جو افتراق کی طرف متعدی ہو اسلام کی نظر میں محبوب نہیں مبغوض ہے۔ تنہا کوئی آدمی جمعیت اور جماعت نہیں بن سکتا، تنہائی کی زندگی اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم　　منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم

محفل نظم حکومت چہرۂ زیبائے قوم　　شاعر رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ　　کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

علامہ اقبال کے نزدیک قوم و جمعیت جسم ہے افراد اس کے اعضاء ہیں انہی مختلف اعضاء سے یہ جسم تیار ہوا ہے۔ افراد الگ الگ ایک ایک عضو ہیں اور شاعر اس جسم کی آنکھ ہے جو کسی بھی عضو کے تکلیف و درد میں مبتلا ہونے پر آنسو بہانے لگتی ہے، یہ ایک اسلامی فکر کا تصور ہے جو قوم کے ایک ایک فرد کی اصلاح کرنے میں فکر میں رہتا ہے، ہر فرد کو بھلا چنگا، خوش و خرم اور آرام میں دیکھنا چاہتا ہے اور افراد کے اصلاح نہ قبول کرنے پر مغموم ہو کر آنسو بہاتا ہے۔ اس سے قبل اسی مفہوم کی حدیث بھی پیش کی جا چکی ہے۔

اس تمثیل کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحافت اس قومی جسم کی زبان ہے جو اپنی رنج و خوشی، غم و تکلیف اور آرام و راحت کی داستان سناتی ہے قوم کے اعضاء کو غلطیوں میں مبتلا ہوتے دیکھ کر ٹوکتی ہے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ کسی فرد کے اوپر ہونے والے ناروا سلوک پر رنج کا اظہار کرتی ہے، آرام و سکون میسر ہونے پر خوشی کا اظہار کرتی ہے اگر قوم پر وارد ہونے والے حالات اور انکی کیفیات کا اظہار زبان سے نہ ہو تو وہ زبان مفلوج ہوگی، اس میں قوت گویائی نہ ہوگی، اور اگر احوال و مزاج اور طبیعت کے خلاف اس سے آواز نکلے تو گویا زبان و دل اور جسم میں یگانگت ہم آہنگی نہیں۔ ایسے وقت میں اس عضو کا جسم میں موجود رہنا ہی اچھا نہیں۔

صحافت اجتماعی زندگی کے لئے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ مگر ایسی صحافت کہ جسکی نکلی ہوئی آواز پوری قوم کی آواز ہو ایسا لگے کہ جسم کا ایک ایک رواں یہی کہہ رہا ہے۔ لہذا صحافت کے لئے اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس اتحاد کے لئے ہیں درج ذیل نقاط ملحوظ رکھنے ضروری ہیں

۱ــ قوم کے مزاج، اس کی طبیعت کے احوال اور اسکی ضروریات کا جاننا اور اسکے احوال دوسروں تک پہونچانا۔

۲ــ قوم کے ساتھ ایسی ہمدردی اور ملائمت کا اظہار کرنا جس سے معلوم ہو کہ واقعی یہ ایک جسم ہے اور صحافت اس کے مافی الضمیر کی ادائگی کا ذریعہ ہے۔

۳ــ ایسا کوئی بھی طریقہ نہ اختیار کیا جائے جس سے قوم کی طبیعت کو ٹھیس پہونچے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔
بشروا ولا تنفروا ۔

۴ــ ذاتیات اور شخصیات پر حملے نہ کئے جائیں اور ان کی خامیوں کو طشت ازبام نہ کیا جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ستر مؤمنا ستره الله ۔

۵ــ اگر کبھی آپس میں آراء کا اختلاف ہو جائے تو آپس کی باتیں پرائیویٹ خطوط، باہمی ملاقاتوں کے ذریعہ یا بعض صلحاء کو درمیان میں ڈال کر افہام و تفہیم کر لی جائے۔ اور اس طریقہ سے آپس کی چپقلش مخفی طور پر ختم کر لی جائے۔

۶ــ اور اگر کبھی اصلاحی اسلامی ضرورت اس مسئلہ کو منظر عام پر لانے کے لئے مجبور کرے تو تحریروں میں نام ذکر نہ کیا جائے، بلکہ عمومی بات کہی جائے اور طنز و تعریض سے حتی الوسع پرہیز کیا جائے۔

۷ــ صحافت سے متعلق افراد کی ایک تنظیم ہو جو رسالوں کے لئے پالیسی متعین کرے۔

۸ــ سال بھر میں ایک دوبار سارے افراد کی نشست ہوا کرے۔ جس میں باہمی مسائل یا حالات حاضرہ کے بارے میں تبادلہ خیال ہوا کرے۔

۹ــ ہر مدیر اپنے رسالہ میں دوسرے پرچوں کی اشاعت عام کرنے کے لئے اشتہارات نکالے اور بعض بجا خوبیوں کا تذکرہ بھی کرے۔

۱۰ــ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر رسالہ کے پڑھنے والے ایک ہی طرح کے یا ایک ہی جگہ کے لوگ ہوں۔ اپنے اپنے میدان میں دوسرے رسالوں کی مخالفت کے بجائے اس کی خریداری بڑھانے کے لئے اور دوسرے پرچوں کے پڑھنے کے لئے لوگوں کو آمادہ کریں۔

۱۱۔ ممکن ہو تو آپس میں مضامین کا تبادلہ کیا کریں، یا دوسرے پرچوں سے بعض اہم اقتباسات نقل کیا کریں۔
۱۲۔ پرچوں کا باہمی تبادلہ بھی کریں کیوں کہ یہ بھی اتحاد پیدا کرنے اور دوستی پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔
۱۳۔ جہاں تک ممکن ہو شخصیت پرستی سے گریز کریں، شخصیت پرستی نہ تو اسلام کو محبوب ہے۔ اور نہ کسی زمانے میں ہماری قوم کا شعار رہی ہے۔
۱۴۔ کسی کی خوشی یا ناراضگی کے خوف سے جھوٹی تعریفات سے گریز کریں، کسی دولت مند کے تملق میں جھوٹی پبلسٹی، غلط پروپیگنڈہ، نادوا الزامات شائع نہ کریں
۱۵۔ ہمیشہ حق بات کہیں اسی کو اپنا شیوہ بنالیں، صداقت پسندی، خلوص اور للہیت کے جذبہ کے تحت عوام کی اصلاح، خواص کی ہدایت اور خدمت اسلام مدنظر رکھیں۔

بہرحال اتحاد و اتفاق اور باہمی میل جول کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہوں انہیں اختیار کیا جائے، اجتماعی آواز ہی دراصل آواز ہے اور اسی کا اثر ہوتا ہے تنہائی کی آواز موثر نہیں ہوسکتی اور نہ اسکی کوئی اہمیت اور قدر ہے۔

خدا ہمیں ہر طرح کے خیر کی توفیق بخشے (آمین)

ملکی اسلامی صحافت

ایک سرسری جائزہ

از مولانا علی حسین سلفی

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، وہ عقیدہ وعمل دونوں ہی سے عبارت ہے، نہ صرف عقیدہ کا نام اسلام ہے اور نہ صرف عمل کا بلکہ دونوں ہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے، عقیدہ سے مراد وہ محکم ٹھوس اور غیر متزلزل یقین ہے جس کی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں، تقدیر اور یوم جزا وسزا پر ایمان لانا شامل ہے، عمل کا دائرہ وسیع ہے جس کی وسعت میں عبادات، معاملات، اخلاق اور ان کی ساری قسمیں داخل ہیں، عقیدہ وعمل دونوں کو بذریعہ تقریر وتحریر عام کرنا، دعوت وتبلیغ ہے اور یہ بھی عمل ہی کے دائرے میں آتا ہے۔ لہذا دعوت وتبلیغ کے یہ دونوں طریقے تقریر وتحریر اسلام کی آبیاری کیلئے ضروری ہیں، اسی آخر الذکر انداز دعوت کا دوسرا نام اسلامی صحافت ہے، دعوت وتبلیغ کے یہ دونوں طریقے مفید ومؤثر ہیں، لیکن ان میں تحریری دعوت کی اثر انگیزی بعض وجوہ سے تقریری دعوت کے بالمقابل زیادہ مفید وروشن ہے، غرض یہ کہ اسلام کا لب لباب وخلاصہ عقیدہ وعمل، تواصی بالحق وتواصی بالصبر ہے اور اسی تواصی بالحق وتواصی بالصبر کی ایک کڑی اسلامی صحافت ہے، اسلامی صحافت کے اغراض ومقاصد اور ان کے حصول کے لئے جو اصول وضوابط مقرر کئے گئے ہیں وہ نہایت ہی اہم ہیں۔ ہماری ملکی اسلامی صحافت کے بھی کم وبیش وہی اصول وضوابط اور اغراض ومقاصد ہیں جو اسلامی صحافت کے ہیں، اب میں اس مختصر تحریر میں اس پہلو پر روشنی ڈالنے کی ایک حقیر کوشش کروں گا کہ ہماری ملکی اسلامی صحافت اپنے اصول وضوابط برتنے میں کس قدر کوشاں ہیں، اور حصول اغراض ومقاصد میں کتنا کامران کامیاب ہو؟

اسلامی صحافت کے اغراض ومقاصد:

ہر عمل کے کچھ نہ کچھ اغراض ومقاصد ہوتے ہیں، خواہ وہ عمل معمولی ہو یا غیر معمولی ہو، اگر عمل معمولی ہے تو مقاصد بھی غیر اہم ہوتے ہیں لیکن اگر عمل غیر معمولی ہے تو اسی طرح اس کے مقاصد واغراض بھی نہایت ہی اہم ہیں، اسی طرح اسلامی صحافت

کے بھی کچھ اغراض و دواعی ہیں جو نہایت ہی غیر معمولی اور اہم ہیں، اسلامی صحافت کا عظیم مقصد عقیدہ و عمل کی نشر و اشاعت اور ان کی اصلاح و درستگی ہے، اسی طرح اس کا اہم مقصد اتحاد و اتفاق کی لڑی میں پرو دینا ہے۔ اور ایک عظیم غرض تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے احوال سے باخبر کرنا ہے۔ ہماری ملکی اسلامی صحافت کے اغراض و مقاصد بھی قریب قریب وہی ہیں۔

ہماری ملکی اسلامی صحافت کا عظیم مقصد حدود ملک میں پوری انسانیت کو اسلام کی طرف دعوت دینا ہے، اور اسلام درحقیقت عقیدہ و عبادات، معاملات و اخلاق کی شکل میں ہر خیر کا منبع اور ہر شر و فساد کا دشمن ہے۔ گویا اسلام کی طرف دعوت دینا ہی حقیقی معنوں میں ان ہی عقیدہ و عبادت و معاملات کی طرف دعوت دینا ہے اور ان چیزوں کی طرف دعوت دینا جو لوگوں کے لئے دونوں جہاں میں مفید و نفع بخش ہوں اور لوگوں کو ان تمام چیزوں سے بچانا ہے جو ان کے لئے دو جہاں میں نقصان دہ اور خسران کے باعث ہوں۔

لیکن جب ہم اپنی ملکی اسلامی صحافت پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ عقیدہ دین اسلام میں ایک بنیادی مقام رکھتا ہے، اس کے بغیر کوئی عمل صحیح و مقبول نہیں ہوتا، عقیدہ کی نزاکت تو اتنی ہے مگر ہم صحافت میں گوشہ تشنہ ہی پاتے ہیں، کم ہی مسلم صحافی ہیں جو یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایمان و توحید کا مفہوم کیا ہے، اس کے دلائل کیا ہیں، رسل کسے کہتے ہیں، وہ کن عظیم مقاصد کے لئے تشریف لاتے تھے، ان پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے، فرشتے کی کیا حقیقت ہے، وہ کن کن امور کی انجام دہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اسی طرح قضا و قدر کا کیا معنی و مطلب ہے، روز جزاء و سزا کی حقیقت کیا ہے، وقس علی ہذا، آپ بھی اگر غور کریں گے تو آپ کو بھی بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ وہ امور جن پر اسلام کی بنیادیں قائم ہیں، کیا ان کی تشریح کتاب و سنت و اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں کی جاتی ہے؟ دو ہی چند صحافی آپ کو نظر آئیں گے جو اس طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہوں گے۔

ہماری نظر میں یہی چیز ہماری اسلامی صحافت کے لئے سم قاتل ہے اور غیر مؤثر ہونے کا سبب اصلی ہے۔

عقیدہ کا جہاں اسلام میں ایک اونچا مقام ہے وہیں عمل و کردار کا بھی، اس لئے عمل و کردار سے تمام مسلمانوں کو مزین و محلی کرنا اسلام کی ضرورت ہے کیونکہ یہی اسلامی تعلیم و تربیت ہے، اسلامی تربیت ہی سے مسلمانوں کو ان تمام مصائب و مشکلات سے بچایا جا سکتا ہے جو ان کی روح و ضمیر اور جان و مال کی پامالی کی باعث بنتے ہیں، ان مشکلات و آلام کی کمی و زیادتی درحقیقت اسلامی تعلیم و تربیت کا انعدام و فقدان ہے کیونکہ جب مسلمان اسلامی تربیت سے عاری ہوں گے تو وہ ہر معاملہ میں پیچھے رہیں گے، خواہ عبادات کا معاملہ ہو یا معاملات و اخلاق کا، ان میں انتشار و اختلاف پیدا ہوگا

اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نہ ہوگی، خود ہی لڑیں گے، مریں گے، کٹیں گے، برباد ہوں گے بالآخر اغیار کا دست نگر ہونا پڑے گا، دیگر اخلاقی کمزوریاں اتنی رونما ہونگی کہ خود ان کو اپنے ہی جسم کے تعفن سے ان کو اتنی شدید تکلیف ہوگی جو قابل برداشت نہ ہوگی، غرض یہ کہ مسلمان عملی میدان میں پیچھے رہنے کی وجہ سے ہر قسم کی الجھنوں اور مشکلات کے شکار ہوں گے

اسلامی صحافت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے اس نازک موڑ پر رہنمائی کرے، اور صحیح رہنمائی کرے لیکن جب ہم اپنی ملکی اسلامی صحافت پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا جھجک یہ جملہ نکل آتا ہے کہ وہ بجائے مؤثر ہونے کے غیر مؤثر ہے، اس کی وجہ ایک ہی ہے، وہ یہ کہ منصوبہ بند اور منظم طریقے سے اس کو اپنا فرض نبھانا چاہیے تھا مگر وہ ایسا نہیں کرتی بلکہ ان میں تنظیم و تنسیق نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی سے اس کا تشتت و انتشار ظاہر ہوتا ہے، کبھی ایک دوسرے کی مخالفت میں اس قدر برسرپیکار ہو جاتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عمل و اخلاق کی تربیت کے لئے وجود میں آیا ہی نہیں تھا۔

اس کے برخلاف جب ہم دوسری قوموں کو دیکھتے ہیں تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم بہت زیادہ پچھڑے ہوئے ہیں وہ یہ کہ ان میں اتحاد و اتفاق ہے، کوئی کام منصوبہ بند طریقے سے کرتے ہیں، اس طرح ہر میدان میں آگے نظر آتے ہیں، اس لئے ہم کو چاہئے اپنی فکر و عمل پر نظر ثانی کریں اور اپنا مقصد پیش نظر رکھ کر تنظیم و تنسیق اور باہمی مشاورت و معاونت سے کام انجام دیں تب ہی اسلامی تربیت کے بیش دبہا فوائد و ثمرات حاصل ہوں گے ورنہ نہ یہاں کے رہیں گے اور نہ وہاں کے۔

تمام مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی ایک لڑی میں پرونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کو ایک دوسرے کے احوال سے باخبر رکھا جائے، ایک دوسرے کی خوشی و مصیبت میں شریک کیا جائے، کیونکہ جب ایسا کیا جائے گا تو جذبۂ محبت ابھرے گا اور یہی اتحاد و اتفاق کا زینہ ثابت ہوگا اور جب مسلمان متحد و متفق ہوں گے تو وہی سماں نمودار ہو سکتا ہے جو دور صحابہ و تابعین میں ہوا تھا، اور اگر مسلمان منتشر و مختلف رہے تو وہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے، اس لئے ضرورت ہے کہ ہماری ملکی اسلامی صحافت اس طرف اپنی توجہ مبذول کرے اور لوگوں کو متحد کرنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے لیکن اس کی اس سلسلہ میں کمزوریاں نمایاں ہیں، میرے خیال میں ان تمام خرابیوں کا سبب اپنے مقصد سے ہٹنا اور اپنی ذمہ داریوں کا بحسن و خوبی انجام نہ دینا ہے، اسی طرح اس کے جو اصول و ضوابط ہیں ان سے منحرف ہونا اور ان سے روگردانی ہے، اب ہم ذیل میں کچھ اسلامی صحافت کے اصول و ضوابط پر روشنی ڈالیں گے، وباللہ التوفیق۔

ہماری ملکی اسلامی صحافت اصول ومبادی کے تناظر میں :

ہر چیز کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں، ان کی حکمرانی سے بہتیرے ثمرات وفوائد حاصل ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے نہ برتنے سے اسی قدر خسران ونقصان ہوتا ہے ورنہ عمل رائیگاں جاتا ہے اور یہ بھی معمولی نقصان نہیں، بالکل اسی طرح اسلامی صحافت کے کچھ اصول ومبادی ہیں، ان ہی کو بروئے کار لانے سے اسلامی صحافت کے مقاصد واغراض اور تقاضے کی تکمیل ہوگی، اور اس سے خاطر خواہ ولمید افزا فوائد وثمرات منتج ہوں گے ورنہ ضیاع ونقصان اس کی جھولی میں پڑے گا، لہذا ہم ذیل کی چند سطور میں اصول ومبادی کے تناظر میں اسلامی صحافت کے خدوخال دکھلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(۱) ہر شرعی امور کو کتاب وسنت صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین سے مدلل ومبرہن کر کے علمی انداز میں پیش کیا جائے اور قطع نظر اپنے خلاف یا کسی کے خلاف ہے اس میں لیپا پوتی اور مداہنت سے مکمل طور پر گریز کیا جائے۔

(۲) الأہم فالأہم اصول کے پیش نظر پہلے عقیدہ وتوحید پھر عمل اور عمل میں نماز، روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ کو پہلے بیان کیا جائے۔

(۳) کوئی خبر اس وقت اپنے مجلہ اور جریدہ میں شائع نہ کی جائے جب تک اس کی صداقت پر یقین نہ ہو جائے، کیونکہ اس کے بغیر خود کو یا دوسروں کو ندامت کا سامنا ہوگا۔

(۴) جب کسی سے تحریری علمی مباحثہ ہو تو امام شافعیؒ کے اصول کو اپنایا جائے وہ فرمایا کرتے تھے میں کسی سے مناظرہ اس لئے نہیں کیا کہ میں غالب آجاؤں بلکہ اس لئے کیا کہ احقاق حق وابطال باطل ہو۔ اسی علمی انداز سے اصل حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

(۵) مضامین ومقالوں میں سنجیدگی ومتانت کو اس طرح برقرار رکھا جائے کہ اس سے علمی شان نمایاں ہو۔

(۶) کوئی اصلاحی ودعوتی پروگرام پیش کیا جائے تو اخلاص کو مدنظر رکھا جائے، اس سے مقصود ریا ونمود نہ ہو۔

(۷) اہل صحافت ان امور کی عقدہ کشائی کے لئے باہم مشورہ کریں جن امور میں کم یا زیادہ اختلاف ہو۔

جب ہم ملکی اسلامی صحافت پر ان اصول ومبادی کے تناظر میں نظر ڈالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا خون کیا جاتا ہے۔ پیروں سے روندا جاتا ہے، الٹے آپ دیکھیں گے کہ بلا تحقیق وتفتیش امور شرعیہ کو پیش کرتے ہیں، اسی طرح دوسروں کے اصولوں کی پامالی ہوتی ہے۔ الأمان والحفیظ ـــــ اس مختصر تحریر میں میں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہماری ملکی اسلامی صحافت جن مقاصد کی خاطر وجود میں آئی تھی ان میں وہ مخلص نہیں ہے اس لئے اپنے مقاصد واغراض کی تکمیل میں ناکام اور اصول ومبادی کے برتنے میں نحیف وناتواں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صحیح عقل وخیر دے۔ آمین ثم آمین!۔

جماعتی معیاری صحافت کے خدوخال کی تعیین

الحمد للہ الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم، والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد الأمین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اقرا وربك الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم، (العلق، ۳-۵)۔ ترجمہ: (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پڑھئے، اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم عطا کیا جسے وہ نہیں جانتا تھا)

یہاں اللہ کے انتہائی کرم کا بیان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو علم عطا کیا اور انھیں جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی میں داخل کیا اور فن کتابت کی فضیلت پر متنبہ کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس میں ایسی عظیم منفعتیں ہیں جن کا احاطہ اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ علوم کی تدوین کتابت ہی کے ذریعے ہوئی، حکمتیں اسی کے ذریعے مقید ہوئیں، پچھلی قوموں کی خبریں، ان کے مقالات اور کتب الٰہی کی حفاظت اسی کے ذریعے ہوئی، اگر کتابت نہیں ہوتی تو دین و دنیا کے امور درست نہ ہوتے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ قلم اللہ کی عظیم نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ دین قائم ہوتا اور نہ ہی زندگی درست ہوتی۔ (الجامع لأحکام القرآن للعلامۃ القرطبی ج ۲۰ ص ۱۲۰)

صحافت ذرائع ابلاغ میں ایک بہترین ذریعہ ہے اور اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، دراصل یہ وہ چیز ہے جس پر قوم کا بناؤ بگاڑ مبنی ہے، جہاں یہ قوم کے بناؤ میں اہم رول ادا کرتی ہے وہیں اس کے بگاڑ میں بھی اس کو خاصا دخل ہے، اگر صحیح ڈھنگ سے اس کو پیش کیا گیا تو قوم کا سدھار ہوگا، انسان مکرم بنے گا اور اگر اس کو غلط طور پر استعمال کیا گیا تو انسان گمراہی اور پستی میں چلا جائے گا۔

حضرات! اتنی سی بات بطور تمہید گوش گذار کر دینے کے بعد اب میں اصل موضوع کی طرف آنا چاہوں گا

جس کے تحت [illegible] مقالہ ترتیب دیا ہے۔

صحافت کے معیاری ہونے کے معنی ہیں کہ وہ بلند مقام اور اعلیٰ حیثیت کی حامل ہو، اب سوال یہ ہے کہ اس کے معیاری ہونے کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ تو اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

جس طرح صحافت کے دو پہلو ہیں، ظاہری اور معنوی، اسی طرح اس کے معیاری ہونے کے بھی دو پہلو ہیں (ظاہری اور معنوی)۔

ظاہری یہ ہے کہ اس کی ظاہری حیثیت بلند و بالا ہو جس کی شکل یہ ہے کہ مضمون کو عمدہ کتابت و طباعت وغیرہ کا لباس پہنایا جائے، پس وہ ظاہر (دیکھنے) میں خوبصورت اور عمدہ معلوم ہوتا ہے، جب اس کی ظاہری صورت اچھی ہوتی ہے تو طبیعت اس کو پسند کرتی ہے اور اس کے پڑھنے کی طرف مائل ہوتی چاہے اس کی معنوی حیثیت جیسی بھی ہو۔

اور معنوی پہلو یہ کہ مضمون صحیح دلیل کی روشنی میں ہو، دراصل یہی پہلو بحث کی جان ہوتی ہے کیونکہ دلیل بمنزلہ روح ہے جس طرح جسم بلا روح کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اسی طرح بحث (مضمون) بلا دلیل بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی پس دعویٰ بمنزلہ جسم ہے اور دلیل بمنزلہ روح ہے، اسی حقیقت کو بلفظ دگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ معیاری صحافت وہ ہے جو ظاہری خوبی کے ساتھ حق و صداقت کا آئینہ دار ہو۔

- معنوی پہلو سے معیاری ہونے کی شکل۔

مضمون اگر دینی ہے تو مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(الف) قرآن مجید سے متعلق

۱۔ قرآنی آیات کو صحیح صحیح نقل کیا جائے۔

۲۔ سورت کا نام اور آیت نمبر ذکر کئے جائیں تاکہ بوقت ضرورت ان کی طرف فوراً رجوع کیا جا سکے۔

۳۔ آیت کے معنی یا تفسیر کے سلسلے میں مستند کتب تفسیر کی طرف رجوع کیا جائے جیسے ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (ت ۳۱۰ھ) کی جامع البیان فی تفسیر القرآن، ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی (ت ۶۷۱ھ) کی الجامع لأحکام القرآن، حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر (ت ۷۷۴ھ) کی تفسیر القرآن العظیم، محمد بن علی بن محمد الشوکانی

(ت ۱۲۵۰ھ) کی فتح القدیر، ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی القنوجی (ت ۱۳۰۷ھ) کی فتح البیان فی مقاصد القرآن اور محمد الامین بن محمد المختار الشنقیطی (ت ۱۳۹۳ھ) کی اضواء البیان وغیرہ۔

۴۔ مرجوح قول اختیار کرنے سے احتراز کیا جائے۔

(ب) حدیث سے متعلق

۱۔ حدیث نقل کرنے کے بعد اس کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

۲۔ اگر اصل مرجع و ماخذ دستیاب ہے تو حوالہ اسی کا دینا چاہئے نہ کہ ثانوی درجہ کی کتابوں کا مثلاً کوئی حدیث اگر صحیح بخاری کی ہے تو اسی کتاب کا حوالہ دینا چاہئے نہ کہ بلوغ المرام یا مشکوۃ المصابیح وغیرہ کا کیونکہ یہ ثانوی درجہ کے مراجع ہیں، ہاں اصل مرجع کا حوالہ دینے کے بعد ثانوی درجہ کے مراجع کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ ثانوی درجہ کے مراجع کا حوالہ اسی صورت میں دیا جائے جب کہ اصل مرجع دستیاب نہ ہو۔

۴۔ حدیث اگر صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی ہے تو اس کا درجہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہاں اگر صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی ہے تو درجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی حدیثوں کی صحت پر اجماع ہے۔

۵۔ مضمون نگار اگر خود سے درجۂ حدیث متعین نہیں کرسکتا تو محققینِ فن کے آراء سے کام لیا جائے جیسے امام احمد امام ابن معین اور امام بخاری وغیرہ۔

۶۔ اگر کوئی حدیث سنن ترمذی کی ہے تو صرف امام ترمذی کی تصحیح و تحسین پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ دیگر ائمۂ فن کے آراء بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کیونکہ تصحیح و تحسینِ احادیث میں امام ترمذی کا تساہل مشہور ہے، اس کے لئے تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ اس میں ہر حدیث کی تصحیح و تحسین کے متعلق دیگر ائمۂ فن کے اقوال بھی نقل کر دیئے گئے ہیں اور جن حدیثوں کی تصحیح و تحسین میں امام ترمذی سے تساہل ہوا ہے، اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔

۷۔ اگر کوئی حدیث مستدرک حاکم کی تو چونکہ مستدرک میں تصحیح احادیث کے سلسلے میں حاکم کا تساہل مشہور ہے

اس لئے صرف حاکم کی تصحیح پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ کم از کم علامہ ذہبی کی رائے کا ذکر کرنا ضروری ہے جو انہوں نے اپنی "تلخیص المستدرک" میں ظاہر کی ہے۔

۸۔ حدیث کے معنی اور مسائل کی تحقیق کے لئے معتمد شروح کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، مثلاً امام نووی (ت ۶۷۶ھ) کی شرح صحیح مسلم، حافظ ابن حجر (ت ۸۵۲ھ) کی فتح الباری شرح صحیح البخاری، علامہ صنعانی (ت ۱۱۸۲ھ) کی سبل السلام شرح بلوغ المرام، قاضی شوکانی (ت ۱۲۵۰ھ) کی نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار، علامہ عظیم آبادی (ت ۱۳۲۹ھ) کی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، علامہ مبارکپوری (ت ۱۳۵۳ھ) کی تحفۃ الأحوذی شرح جامع الترمذی، علامہ جوجیانی کی (ت ۱۴۰۸ھ) التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی، علامہ عبید اللہ مبارکپوری حفظہ اللہ کی مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح اور علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ کی إتحاف الکرام شرح بلوغ المرام وغیرہ۔

نوٹ:۔ محدث عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے عام طبقۂ اہل علم کے لئے بڑی سہولت پیدا کردی ہے وہ یہ کہ سنن اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ) کی صحیح اور ضعیف حدیثوں کو الگ الگ چھانٹ دیا ہے، لہٰذا مقالہ نگار کو صحیحین اور علامہ موصوف کی سنن اربعہ کی صحیح اور ضعیف کی طرف رجوع کرنے سے بڑی حد تک اس مقصد میں کامیابی ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں موصوف کی دوسری کتابوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، مثلاً:

۱۔ آداب الزفاف فی السنۃ المطہرۃ۔
۲۔ احکام الجنائز وبدعها۔
۳۔ إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل۔
۴۔ تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد۔
۵۔ تحقیق "ریاض الصالحین للإمام النووی"۔
۶۔ تخریج "شرح العقیدۃ الطحاویۃ لابن أبی العز"
۷۔ تخریج "مشکاۃ المصابیح للخطیب التبریزی"
۸۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ وشیئ من فقهها وفوائدها۔

۹۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة وأثرها السيئ فى الأمة ۔
۱۰۔ صحیح " الجامع الصغير وزيادته "
۱۱۔ ضعیف " الجامع الصغير وزيادته "
۱۲۔ ظلال الجنة فى تخريج أحاديث " كتاب السنة لابن أبى عاصم "
۱۳۔ غاية المرام فى تخريج أحاديث " الحلال والحرام للأستاذ القرضاوى "
۱۴۔ مختصر " الشمائل المحمدية للترمذى "
۱۵۔ مختصر " العلو للعلى الغفار للذهبى "

وغیرہ وغیرہ ۔ ان دیگر کتابوں کی طرف اس لئے رجوع کرنا چاہئے کہ موصوف نے اپنی تصانیف میں احادیث کا درجہ متعین کر دیا ہے ۔

(ج) فقہ سے متعلق

۱۔ فقہاء کے اقوال نقل کرنے کے سلسلے میں معتمد اقوال نقل کئے جائیں ۔
۲۔ فقہی بات فقہ کے معتمد مراجع و مآخذ سے لی جائے ، مثلاً :

۱۔ الهداية لعلى بن أبى بكر بن عبد الجليل المرغينانى (ت ۵۹۳ ھ)
۲۔ الحاشية على الدر المختار لابن عابدين محمد أمين (ت ۱۲۰۳ھ)
۳۔ المدونة الكبرىٰ للإمام مالك (ت ۱۷۹ ھ)
۴۔ الخرشى على مختصر خليل لأبى عبد الله محمد بن عبد الله بن على الخرشى (ت ۱۱۰۱ھ)
۵۔ الأم للإمام الشافعى (ت ۲۰۴ ھ)
۶۔ المجموع شرح المهذب للإمام النووى يحيى بن شرف (ت ۶۷۶ھ)
۷۔ المغنى لأبى محمد عبد الله بن أحمد بن قدامة المقدسى (ت ۶۲۰ھ)
۸۔ شرح منتهى الإرادات لمنصور بن يونس بن ادريس البهوتى (ت ۱۰۵۱ھ)
۹۔ المحلى لأبى محمد على بن أحمد بن سعيد بن حزم (ت ۴۵۶ھ)

۱۰۔ مجموع الفتاوی لشیخ الاسلام ابن تیمیۃ احمد بن عبدالحلیم (ت ۷۲۸ھ)
۱۱۔ إعلام الموقعین عن رب العالمین لابن القیم محمد بن أبی بکر (ت ۷۵۱ھ)
۱۲۔ الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البہیۃ لأبی الطیب صدیق بن حسن بن علی القنوجی (ت ۱۳۰۷ھ)

اگر مضمون غیر دینی ہے مثلاً واقعہ نگاری، سوانح نگاری اور سیاسیات وغیرہ تو مضمون واقعیت کی روشنی میں ہو ظن اور تخمین سے بالاتر ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے: كَفَىٰ بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (صحیح مسلم)

امر مشترک

جو امور دینی اور غیر دینی دونوں قسم کے مضمون کے لئے ملحوظ رکھے جانے کے لائق ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کسی بھی عبارت کا مفہوم اخذ کرنے میں دقّتِ نظر سے کام لیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ مضمون نگار ٹھوس صلاحیت کا حامل ہو اور کدوکاوش سے کام لے۔
۲۔ بحث ترتیب دینے میں امانت علمی ملحوظ رہے اور تدلیس وتلبیس سے احتیاط کیا جائے۔
۳۔ اسلوبِ بیان ایجازِ مُخِل اور اطنابِ مُمِل سے پاک وصاف ہو۔
۴۔ سنجیدہ اور باوقار اسلوب کو ملحوظ رکھنا چاہئے، کسی سخت سے سخت اسلوب کے جواب میں بھی اس خصوصیت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے جیسا کہ سلف کا امتیاز رہا ہے۔
۵۔ جس امر میں بھرپور واقفیت نہ ہو اس میں خامہ فرسائی سے احتیاط کرنا چاہئے۔
۶۔ کمزور دلیل سے اپنے موقف سے استدلال کرنے سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ کمزور دلیل دراصل دلیل ہی نہیں ہوا کرتی۔
۷۔ کتابت وطباعت میں صحت کا اہتمام کیا جائے ورنہ مضمون فی نفسہ جتنا بھی معیاری ہو اس کا پایہ یقیناً گھٹ جائیگا

یہ ہیں وہ چند نقاط جو اس سلسلے میں درج کئے گئے، مزید تفصیل کی گنجائش باقی ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث انہیں سطور ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الأمین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

المرتب
محمد حنیف عبدالرشید فیضی
مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

انسانی شخصیت کی تعمیر میں صحافت کی اہمیت

محمد اطہر افضال احمد / عالم دوم جامعہ سلفیہ بنارس

عصر حاضر میں انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے ایک سے زیادہ اسباب و وسائل ہیں جن میں صحافت کو بنیادی اور
اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ صحافت کا دائرہ کار سب سے زیادہ کشادہ ہے اور وہ ایک ایسا جوہر ہے جو انسان کے
شعور اور خوابیدہ وجدان کو بیدار کرتا ہے جمود و تعطل کی جگہ حرکت و نشاط پیدا کرتا ہے۔ نئے افکار و خیالات کی تشکیل
مزاج اور رجحانات کو بدلنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، صحافت کی افادیت یہیں سے مسلم ہو جاتی ہے کہ کتنی تحریکیں اپنے
کی سطحیت کے باوجود صحافت کی مدد سے اوج ثریا پر مقیم ہیں اور کتنی تحریکیں اپنے اعلیٰ مقاصد اور رہالیائی عزائم
جود صحافت کی بے رنگی اور خامکاری کے باعث زاویہ خمول میں مرقع عبرت بنی ہوئی ہیں۔

یہاں ایک بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جس طرح ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں مثبت اور منفی۔ بعینہ صحافت
بھی دو پہلوؤں پر مشتمل ہے مثبت صحافت کو آپ تعمیری، افادی اور مفید صحافت سے تعبیر کر سکتے ہیں اور منفی
کو تخریبی یا مضر صحافت بلکہ شرارت کا نام دے سکتے ہیں۔

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مفید صحافت ہی سماج میں حسین اور خوشگوار تبدیلی پیدا کر سکتی ہے اخلاقی قدروں کو پنپنے
کا موقع فراہم کر سکتی ہے اور انسانی شخصیت میں نکھار، تازگی اور بانکپن پیدا کر سکتی ہے برخلاف اس کے مضر صحافت
سے مزاج انارکی کا شکار ہو جائیگا فرد کی شخصیت میں تخریبی جذبات پیدا ہوں گے اور اس سے شعلے اور شرارے
بن کر "معمور آشیاں بندی" کی دھجیاں اڑا سکتے ہیں۔ جہاں تک ذہنی لطف اور نفسیاتی دلچسپی کا معاملہ ہے صحافت
مکمل سامان فراہم کرتا ہے لیکن اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی ذہن کی تربیت تثقیف ہوتی ہے اس

ی شخصیت میں تعمیری عناصر پیدا کرتی ہے تخریبی جذبات کو خوشنما الفاظ کی لوریاں سنا کر محو خواب خرگوش کر دیتی ہے۔

اس وقت صحافت دنیا میں ایک اہم انقلابی قوت ہے اس نے ملک وقوم کو نئے انقلابات کی راہیں دکھائی ہیں، زندگی کے تاریک گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ صحت مند شعور، پختہ فکر اور مثبت سوچ کا عطیہ دیا ہے تعمیری قوت کو جلا بخشی ہے لیکن پھر بھی صحافت کے تعمیری کردار کے لئے ضروری ہے کہ صحافت خود ایمان دار ہو، اس کا مقصد تعمیری ہو صحافی ذاتی اغراض اور فرقہ و جماعت کے مفادات سے بلند ہو کر انسانیت کی تعمیر کو اپنا مقصد اور نصب العین بنائے۔

انسانی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی شخصیت کی تعمیر اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں صحافت نے غیر معمولی کردار ادا کیا ہے چند اخبارات کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا

علامہ جمال الدین افغانی (۱۸۳۸ء — ۱۸۹۷ء) کے کارنامے محتاج تعارف نہیں اپنے صالح مقاصد کی تکمیل کے لئے آپ نے قومی صحافت کی بنیاد ڈالی قومی بیداری اور معاشرتی اصلاح کی تحریکوں میں توانائی اور قوت پیدا کرنے کے لئے نشر واشاعت جیسے مؤثر ذریعہ سے کام لیا۔ آپ نے ۱۸۷۵ء میں مصر سے "الاہرام" نامی اخبار جاری کیا اس کے بعد "محروسہ" اور مراۃ الشرق" نامی دو جرائد بھی جاری کروائے اور ۱۳ مارچ ۱۸۸۴ء پیرس سے "العروۃ الوثقیٰ" کا اجرا کیا۔ علامہ افغانی کے پیدا کردہ اس صحافتی انقلاب نے نہ صرف بلند پایہ ادیب پیدا کئے بلکہ بقول جرجی زیدان "ان جرائد کی وجہ سے عوام میں حرکت اور بیداری پیدا ہونے لگی اظہار خیالات میں حریت اور آزادی کا رنگ جھلکنے لگا جمود اور بے حسی کے بادل چھٹے اور حرکت و اضطراب کی پری انگڑائیاں لینے لگی۔

انگلینڈ کے کلاسیکی دور میں صحافت کی طرف توجہ دی گئی اس زمانے میں انگلینڈ کی اخلاقی حالت بہت پست تھی تخریب و تشدد کی گرم بازاری تھی انتشار اور بکھراؤ کا ماحول تھا ایسے پر آشوب دور میں انسانی شخصیت کی تعمیر کے لئے اسٹیل نے ۱۷۰۹ء میں "ٹیٹلر" رسالہ کا اجراء کیا اس کے دوست ایڈیسن نے بھی اس رسالے کی اشاعت میں اس کی مدد کی بعد میں دونوں نے مل کر یکم مارچ ۱۷۱۱ء میں "داسپیکٹیٹر" نکالا۔ اس کے علاوہ دوسرے رسائل بھی تھے جنہوں نے سماج میں سازگار ماحول پیدا کیا اور معاشرہ میں سکون واطمینان کی بنا استوار کی۔

ہندوستان میں سرسید اور مولانا آزاد اور مولانا جوہر وغیرہ نے صحافت کی مدد سے جو انقلاب پیدا کر دیا وہ اپنی صدی کا ایک محیر العقول اور انوکھا واقعہ تھا سرسید نے ۱۸۷۰ء میں "تہذیب الاخلاق" کا اجراء کیا اس رسالہ نے جہاں اردو دنیا کو بہترین اہل قلم عطا کئے ساتھ ہی ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی، اقتصادی

بدحالی اور ثقافتی زبوں حالی کو ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں مولانا آزاد کے الہلال و البلاغ، اور جوہر کے "ہمدرد" کا عرید نے بھی نمایاں کردار ادا کیا اور دوسرے بہت سے رسائل و جرائد نے معاشرہ کی اصلاح کی "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق چند اخبارات کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحافت نے انسانی شخصیت کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ نیز حب الوطنی کے جذبات کو فروغ دیا انسانیت کی تعمیر کی فرد کی شخصیت کو نکھارا سماج سے تناؤ اور کشیدگی کا خاتمہ کیا، اخلاقی قدروں کی پامالی کے چلن کا استیصال کیا، ذہن کو رعنائی اور فکر کو تابانی عطا کی۔

لیکن نہایت افسوس ناک بلکہ شرم ناک بات ہے کہ آج کی صحافت عوام الناس کے اخلاق و کردار میں فساد پیدا کرنے، سماج میں فرقہ واریت کو ہوا دینے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر رہی ہے۔ صحافت کی موجودہ پراگندگی نے معاشرے کو نت نئی الجھنوں میں مبتلا کر رکھا ہے آج صحافت کا یہ سنجیدہ اور شریفانہ پیشہ کئی زمروں میں بٹ کر نظریاتی ٹکراؤ کے دلخراش غیر صحت مندانہ محور پر گھوم رہا ہے۔

صحافت کا اول تخلیق کار مغرب ہی ہے وہاں جب تک صحافت ایماندار رہی معاشرہ میں امن و سکون کی بہاری اور سماج میں صلح و آشتی کی نسیم مشک بو چلتی رہی لیکن جب صحافیوں نے اس کے تقاضے سے انحراف کیا اور اس کاغذی خاموش متکلم کا بیجا استعمال کرنا شروع کیا تو صحافت نے گلزاروں کو جہنم زاروں اور آبادیوں کو ویرانوں میں بدل کر دیا خوشنما اور گلابی شہروں کو چشم زدن میں شہر خموشاں کا روپ دے دیا اور آج صحافت کے اباحیت پسند طبقہ کی تخلیقات اور نگارشات سے عرب و عجم کی انسانیت لرزاں و ترساں ہے۔ سماج میں غیر یقینی صورت حال ہے حیف صد شعر و ادب کے نام پر جس کی ابتدا، اور نشو و نما ہوئی تھی آج وہ سماج کی اخلاقی قدروں کے لئے کاغذی کفن بن گئی ہے اور جس کے زیر سایہ سیکڑوں نونہالوں کے ذہنوں کو قتل کرنے کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔

ایک اور خرابی جسکی وضاحت ضروری ہے آج صحافت لوگوں کے لئے ادبی نمائش گاہ بن گئی ہے جس میں بالخصوص ایسی چیزوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جو سرور آور اور کیف آگیں ہوں خواہ وہ سرور و کیف اور طرب و خوشی رضا الٰہی کے برعکس اور اخلاقیات کے منافی ہی کیوں نہ ہو نہایت بے باکی کے ساتھ اس کی تشہیر کی جاتی ہے اور اس کے جو گھناؤنے اثرات فرد اور سماج پر مرتب ہوتے ہیں وہ ظاہر و باہر ہیں۔ لہٰذا تعمیری اور مفید صحافت کے رواج کو فروغ دینا آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے تاکہ انسانی شخصیت کی تعمیر ہو سکے صالح معاشرہ اور صحت مند سماج کی تشکیل

ہو سکے فحش لٹریچر کی گرم بازاری سے جو ذہنی اذیت اور نفسیاتی پیچ و خم پیدا ہوتا ہے ختم ہو معصوم اذہان اور صالح افکار کا خون مزید نہ ہو۔ اور شاعر کو شکوہ نہ کرنا پڑے کہ۔

کیا کہوں ادب و فن کی گذرگاہوں میں
کتنے پاکیزہ خیالات کا نیلام ہوا
یوں چکائی گئی مطرب کے نفس کی قیمت
ساز کے ساتھ ہی نغمات کا نیلام ہوا
وقت نے چھین لی احساس کے ماتھے کی شکن
گرمیٔ شعلۂ جذبات کا نیلام ہوا
پی گئی سختیٔ حالات قلم کی شبنم
ساقی و جام و خرافات کا نیلام ہوا
" ابدیت نہ رہی فن کی حسیں قدروں کی
عشق و مستی کی روایات کا نیلام ہوا "

(فضا ابن فیضی)

مراجع

۱۔ جمال الدین افغانی حیات و افکار ، شاہد حسین رزاقی

۲۔ تجربہ و تجزیہ ڈاکٹر سلام سندیلوی نسیم بک ڈپو

تجاویز و سفارشات صحافتی مجلس مذاکرہ

جامعہ سلفیہ بنارس

۶، ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۲، ۳ نومبر ۱۹۹۲ء

(۱) جماعت میں پندرہ روزہ اور ماہوار رسائل متعدد ہیں۔ لیکن مسائل و واقعات کے پیش نظر عام طور پر یہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ ایک سہ روزہ یا روزنامہ جماعتی اخبار بھی ہو تاکہ پیش آمدہ مسائل میں بروقت جماعتی نقطۂ نظر کی ترجمانی ہو سکے چونکہ جماعت کے وسائل محدود اور افراد جماعت کی دلچسپی کم ہے۔ اس لئے اس تجویز کو پاس کرنے سے پہلے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے حالات کے پیش نظر ہماری یہ سفارش ہے کہ ایک جماعتی سہ روزہ یا روزنامہ ضرور ہونا چاہیئے۔ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث اور جامعہ سلفیہ کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی جو اس سلسلہ میں غور کرے گی۔

(۲) ملک کے مختلف حصوں میں بہت سے جماعتی مسائل و معاملات تقریباً یکساں ہیں اور جماعتی مجلات و رسائل کا اولین مقصد بھی ملت و جماعت کی خدمت ہے اس لئے یہ اجتماع سفارش کرتا ہے کہ جماعتی رسائل کے مدیران باہمی مفاہمت کے ذریعہ تعاون کی ایسی سبیل پیدا کریں کہ ان رسائل کے مضامین کے ذریعہ جماعتی مسائل کو حل کرنے میں آسانی ہو۔

(۳) چونکہ معاشرہ کا ایک بڑا حصہ خواتین اور اطفال پر مشتمل ہے اور انہیں ہمیشہ صحیح اسلامی و جماعتی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اجتماع سفارش کرتا ہے کہ تمام جماعتی مجلات اور رسائل میں عورتوں اور بچوں سے متعلق صفحات مخصوص کئے جائیں جن کے اندر ان سے مناسب کتاب و سنت کی تعلیمات کو شگفتہ اور دلچسپ انداز میں پیش کیا جائے اور ان کی مزید دلچسپی کے لئے اسلامی تاریخ سے صحیح واقعات کو دلنشیں انداز میں لکھا جائے، اور ضرورت ہو تو بچوں کے لئے انعامی مقابلوں کا انتظام کیا جائے، اور اگر جماعت کے ذمہ داران استطاعت رکھتے ہوں تو عورتوں اور بچوں سے متعلق

مسائل نکالے جائیں۔

(۴) شریعت کے ایسے تمام مسائل جن کا تعلق ائمہ و علماء کے اجتہادات و ترجیحات سے ہے ان میں یہ ضروری ہے کہ رسائل و مجلات اظہار خیال کرتے ہوئے اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ عام قاری کا ذہن منتشر نہ ہو۔ اختلافی مسائل میں فریقین کے اظہار خیال سے روکنا علم و تحقیق کے خلاف ہے، لیکن مثبت انداز میں مسئلہ کو اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ لکھنے والے کا نقطۂ نظر واضح ہو جائے، اور پڑھنے والا کسی ذہنی خلجان میں مبتلا نہ ہو اس لئے اجتماع سفارش کرتا ہے کہ مذکورہ نوعیت کے مسائل پر لکھنے والے اہل قلم عام قاری کے ذہن کو ضرور سامنے رکھیں۔

(۵) چونکہ جماعتی صحافت کا اولین مقصد کتاب و سنت کی تعلیمات کو منہج سلف کی روشنی میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اس لئے یہ اجتماع ضروری سمجھتا ہے کہ تمام جماعتی رسائل لازمی طور پر کتاب و سنت کی تعلیمات کو پیش کریں، اور ساتھ ہی سلف کے مسلک اور ان کی روشن خدمات سے موجودہ نسل کو روشناس کرائیں۔

(۶) چونکہ جماعتی رسائل و مجلات کا بنیادی مقصد ملت و جماعت کی دینی رہنمائی ہے اور اس فریضہ کو صحیح طور پر علماء کرام انجام دے سکتے ہیں جن کا علم پختہ مطالعہ وسیع و تجربہ طویل ہو۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جماعتی رسائل کے اندر کہنہ مشق اور بابصیرت علماء کے مطامین نہیں ہوتے ہیں اس لئے یہ اجتماع مذکورہ صفات کے حامل تمام علماء کرام سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ملت کے ضرورتوں کے پیش نظر جماعتی رسائل کو اپنا علمی تعاون ضرور پیش کریں، تاکہ ان رسائل کا معیار بلند ہو سکے۔ اور وہ صحیح طور پر اپنے مقاصد کو پورا کر سکیں۔

(۷) اللہ کے فضل سے ہماری جماعت کا ماضی بہت شاندار ہے۔ ہمارے علماء نے ہر میدان میں خدمات پیش کی ہیں، اسی طرح اسلاف کے کارناموں میں ہمارے لئے نصیحت و عبرت کا سامان موجود ہے، ماضی سے اپنے ربط کو مضبوط کرنے کے لئے یہ اجتماع سفارش کرتا ہے کہ تمام جماعتی رسائل باہمی تنسیق کے ساتھ اسلاف کے علمی کارناموں اور ان کی شخصیات کو نئی نسل کے سامنے متعارف کرنے کا التزام کریں۔

(۸) جماعتی رسائل و مجلات کا حلقۂ اشاعت افسوس ناک حد تک محدود ہے، اہم جماعتی پرچوں کے سلسلہ میں بھی جماعت کے افراد یہ توقع رکھتے ہیں کہ انہیں مفت فراہم کئے جائیں، لیکن کسی بھی بامقصد رسالہ کو قارئین کے مادی و معنوی تعاون کے بغیر صحیح طور پر جاری نہیں رکھا جا سکتا، اس لئے اجتماع ضروری سمجھتا ہے کہ افراد جماعت کے اندر ایسی بیداری پیدا کی جائے کہ وہ جماعتی رسائل کے حلقۂ اشاعت کو وسیع کرنے میں معاون ثابت ہوں۔

(۹) ملکی صحافت عام طور پر ملی وجماعتی مقاصد کے لئے مضر ہے، اخلاق وکردار کی تعمیر میں بھی اس سے رکاوٹ اور معاشرہ کے اندر بد اخلاقی و بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، جماعتی رسائل کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلام دشمن تمام تحریکیں اور اسی طرح جماعت کے خلاف تمام اقدامات کا بھرپور دفاع کریں اور قارئین کو صحیح صورت حال سے آگاہ کریں۔

(۱۰) دنیا کے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان کے اکثر مسائل مشترک ہیں، ان کی دینی وعلمی میراث سب کے لئے باعث افتخار ہے، اس لئے یہ اجتماع ضروری سمجھتا ہے کہ اسلامی اخوت کو تقویت دینے اور عالم عرب اور عالم اسلام کی دینی وعلمی ترقیات سے ہندوستانی مسلمانوں کو باخبر رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ عالم عرب واسلام نیز تمام دنیا میں جہاں بھی مسلم اقلیات ہیں ان کے مسائل سے واقفیت حاصل کی جائے، اور ان کے ساتھ ہر طرح کے تعاون کی خاطر مسلم رائے عامہ کو ہموار کیا جائے اور ہمارے رسائل ان کے مذہبی ودینی احوال کے لئے مستقل صفحات مخصوص کریں جن میں باخبر حضرات ایسے موضوعات پر تحریریں پیش کریں، جن سے ہمارے قارئین کو صحیح فکری ودینی غذا مہیا ہو سکے۔

(۱۱) جماعت کے تجار اور اہل خیر حضرات کو جماعتی رسائل ومجلات کی سرپرستی پر آمادہ کیا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ جماعتی رسائل کے لئے اشتہارات وغیرہ کے ذریعہ سے ایسی سبیل پیدا کریں کہ ان رسائل کے اخراجات کا مسئلہ آسان ہو سکے۔

(۱۲) موجودہ دور میں معیاری صحافت کے تقاضے بے حد سخت ہیں، اس میدان میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کو صحافت کی باقاعدہ تربیت حاصل ہو اس لئے یہ اجتماع سفارش کرتا ہے کہ جماعت کے وہ ادارے جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہے اپنے یہاں ایک صحافتی تربیت کا کورس جاری کریں۔ جس میں ان فارغین وامیدواروں کو داخل کیا جائے جو صحافت کا ذوق وشوق رکھتے ہیں اور مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ایک ایسا کورس مرتب کرے جس سے فارغین وشائقین حضرات کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

صحافتی کانفرنس
سے متعلق اخبارات وجرائد
کے
تأثرات

کانفرنس سے متعلق متعدد روزناموں اور ہفت روزوں نے اپنے تاثرات شائع کئے جن میں اس کی افادیت کے بہت سے پہلو اجاگر کئے گئے، ہم ذیل میں بعض تاثرات کو نقل کر رہے ہیں

(۱) روزنامہ آوازملک، بنارس

اسلامی صحافت کو مفید ومؤثر، تعمیری اور بامقصد بنانے کی خاطر بنارس کی معروف ومشہور دینی وثقافتی درسگاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) نے مورخہ ۲، ۳ر نومبر ۱۹۹۲ء بروز دوشنبہ وسہ شنبہ کو ایک مذاکرۂ علمیہ سیمینار کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔

اعلان کے مطابق وقت مقررہ پر (۲ر نومبر ۹۲ء ۱۰ بجے صبح) ایک محدود ومختصر سی افتتاحی تقریب سے مذکورہ سیمینار شروع ہوا، اس کے بعد مسلسل دو دنوں تک نشستیں منعقد ہوئیں، جن میں مختلف مقامات سے تشریف لائے ہوئے متعدد دینی وثقافتی جرائد ورسائل کے مالکان ومدیران نے شرکت کی، اور تبادلۂ خیال میں بھرپور حصہ لیا۔

افتتاحی تقریب جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب وکیل جامعہ سلفیہ حفظہ اللہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی، نظامت کے فرائض جناب مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند انجام دے رہے تھے۔

تلاوت کلام پاک اور حمد باری تعالیٰ کے بعد ناظم صاحب نے اپنے افتتاحی کلمات میں مہمانان گرامی کا شکریہ

ادا کرتے ہوئے مذاکرہ علمیہ کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کی۔

صحافتی میدان میں علماء سلف کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے وقت حاضر میں ملک و ملت کو درپیش مختلف چیلنجوں کی جانب اشارہ کیا اور یہ بتلایا کہ ان چیلنجوں کا صحافت کے توسط سے کس طرح مقابلہ کیا جاسکتا ہے، موجودہ اسلامی صحافت کی بعض کمزوریوں کو واضح کرتے ہوئے ان وسائل و ذرائع کی جانب بھی اشارہ کیا جن کو بروئے کار لاکر ان کمزوریوں کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ ا

افتتاحی کلمات کے بعد وفود نے اپنے تاثرات پیش فرمائے، اور عام لوگوں نے اپنے تاثراتی کلمات میں جامعہ سلفیہ کے اس اقدام کو سراہا، اور اسے وقت کی ضرورت قرار دیا۔

موجودہ دور میں اسلامی صحافت کو منظم اور معیاری بنانے پر زور دیتے ہوئے اور اپنے اپنے انداز میں اس کے طرق، ووسائل کو ذکر کرتے ہوئے ہر ایک نے ایک عظیم صحافتی کانفرنس کے انعقاد کو ضروری قرار دیا۔

آخر میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب نے مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہا اور جامعہ کی آواز پر لبیک کہہ کر جن مدیران و مالکان جرائد و رسائل نے زندگی اور حرکت کا ثبوت دیا، ان کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہوئے مذاکرہ علمیہ کو اگلے مرحلہ کے لئے تمہید اور پیش خیمہ قرار دیا۔ موصوف نے مذاکرہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا کہ کس طرح جامعہ کے حق میں اس صحافتی مذاکرہ کی بات ہوئی، اور اس سلسلہ میں کیا کیا تدابیر اس نے اختیار کیں۔

اس طرح موصوف نے اپنے صدارتی کلمات میں اسلامی صحافت سے متعلق غور طلب امور کی نشاندہی کرتے ہوئے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے اس منصوبہ کی جانب بھی اشارہ کیا جسے جمعیۃ نے ملک کی مسلم صحافت کی تہذیب و رہنمائی کے لئے تیار کیا ہے۔

صدارتی کلمات کے بعد افتتاحی تقریب کے اختتام کا اعلان کیا، اس کے بعد ۳ نشستیں ہوئیں جن میں اسلامی صحافت کے متعلق متعدد مقالات پڑھے گئے، اور کھلے ذہن کے ساتھ مختلف موضوعات پر مفید نقاش اور بحث و مباحثے ہوئے ایک نشست میں تجاویز کمیٹی کی جانب سے تجاویز و قرارداد کا ایک خاکہ پیش کیا گیا جو ۱۲ دفعات پر مشتمل تھیں، ان میں ہر ایک پر مندوبین جرائد و رسائل نے مکمل کر تبادلۂ خیال کیا، اور اختتامی نشست میں جو دوسرے دن بعد نماز مغرب منعقد ہوئی، تمام شرکاء نے پیش کردہ تجاویز کو مختصر تبدیلیوں کے ساتھ منظور کرلیا۔

منظور کردہ تمام تجاویز اسلامی صحافت کو بامقصد و معیاری بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں گی، ان شاء اللہ۔

ان میں سب سے اہم تجویز مادی پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے اردو یا ہندی میں ایک ایسے روزنامہ یا سہ روزہ اخبار کا اجراء ہے جو ملت کے مسائل سے گہری دلچسپی کے ساتھ اسلام کے پیغام کو برادران وطن تک پہونچانے کا، اور ہندوستانی سماج کی خدمت اور سماج کی صحیح خطوط پر تعمیر کا کام انجام دے۔

تجاویز پر عمل درآمد اور اس کے جائزہ کے علاوہ آئندہ بڑی کانفرنس جلد از جلد منعقد کرنے کے لئے ضروری انتظامات کے سلسلے میں ایک کمیٹی کی تشکیل بھی عمل میں آئی، بعد میں مہمانان گرامی کی جانب سے جامعہ کا شکریہ ادا کیا گیا۔ جامعہ نے بھی اپنی آواز پر لبیک کہنے والے مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا اور میزبانی میں کسی قسم کی تقصیر اور کوتاہی پر معذرت کرتے ہوئے دعائیہ کلمات پر اس مذاکرہ کے اختتام کا اعلان کیا۔

---

(۲) ہفت روزہ جریدہ ترجمان دھلی

بنارس: گذشتہ ۲ ر اور ۳ ر نومبر کو یہاں جامعہ سلفیہ میں دو روزہ صحافت کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا، کانفرنس میں جو جامعہ کے بڑے ہال میں منعقد ہوئی جماعتی رسائل و جرائد کے مالکوں اور ایڈیٹروں کے علاوہ اساتذہ اور جامعہ کے تقریباً پانچ سو طلبہ موجود تھے، ہر روز کانفرنس کے جس کی نوعیت ایک سیمینار جیسی تھی دو اجلاس ہوئے، جن میں مختلف قلم کاروں نے اپنے مقالے پڑھے اور بعض نے زبانی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۲ ر نومبر کو ٹھیک ۹ بجے تلاوت کلام پاک سے اجلاس شروع ہوا۔ مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے صدارت کی، وکیل الجامعہ ڈاکٹر مقتدی احسن ازہری نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں بتایا کہ چالیس سے زائد جماعتی جرائد و رسائل کے مالکوں اور ایڈیٹروں کو مدعو کیا گیا تھا جن میں سے بیشتر نے شرکت کی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان بنیادی مقاصد اور نقاط کی وضاحت کی جن کے لئے کانفرنس طلب کی گئی، ان میں خاص مقصد رسائل و جرائد کے درمیان مکمل ربط و ہم آہنگی پیدا کرنا تھا، مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے قلم کاروں پر زور دیا کہ وہ عام مسلمانوں میں دین اور مذہب کا سچا شعور پیدا کریں۔

افتتاحی اجلاس میں جن دوسرے حضرات نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں مولانا عبدالواحد مدنی،
ا نا عبدالوہاب حجازی، محمد سلیمان صابر، مولانا ابوالکلام صاحب اور جناب شمس الحق عثمانی وغیرہ شامل تھے، ان
ب حضرات نے کانفرنس کا خیر مقدم کیا اور اسے ایک تعمیری کام قرار دیتے ہوئے پریس کو مضبوط بنانے پر زور دیا،
نکہ دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے یہ اہمیت کا حامل ہے، مولانا محمد عبداللہ مدنی نے یہودیوں کی مثال دی جن کا
ربی پریس پر بہت کچھ کنٹرول ہے اور کہا کہ پریس کی مدد سے انہوں نے سیاسی قوت حاصل کی ہے، آپ نے ایک
ز نامہ کے اجراء کی تجویز پیش کی۔

شام کا اجلاس حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ پہلا مقالہ محمد سلیمان
برنے پڑھا جس میں انہوں نے مسلکی اخبارات کو مقبول عام بنانے اور ان کی اشاعت بڑھانے کے لئے کئی تجویز پیش
، اور خواتین کے معاملہ میں نرم رویہ اپنانے پر زور دیا، تاکہ آج کی عصری تعلیم کے نتیجہ میں ان کے اندر جو باغیانہ
ا سات پیدا ہو رہے ہیں ان کا سدباب ہوسکے، انہوں نے کہا کہ ایسی ریسرچ کی ضرورت ہے جس سے پردہ کا صحیح
ہوم سامنے آسکے، مقالہ مغرب تک موضوع بحث بنا رہا جس میں متعدد حضرات نے حصہ لیا، بعد نماز مغرب اختتام
ا س تک تقریروں اور مقالوں کا سلسلہ جاری رہا۔

دوسرے دن کا اجلاس

۳ر نومبر کو کانفرنس کا پہلا اجلاس حسب معمول تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا، حضرت مولانا مقتدی حسن ازہری
صحافت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی، بعد ازاں مختلف حضرات نے صحافت پر اپنے خیالات کا اظہار کیا، اور کچھ
سرے حضرات نے اپنے مقالات پیش کئے، مولانا عبدالواحد صاحب مدنی نے جدید مسائل پر توجہ دینے اور تحقیقی انداز میں
مضامین لکھنے پر زور دیا۔ انہوں نے ایک ہندی روزنامہ کی ضرورت پر بھی اظہار خیال فرمایا۔ دیگر مقررین اور
ا لات پیش کرنے والے حضرات میں ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مدنی، مولانا سعید میسور، مسٹر فضل الرحمٰن، مولانا ابوالکلام
ر مولانا عبدالواجد (نوائے اسلام) شامل تھے۔

شب کے جلسہ عام میں حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کی تقریر ہوئی جو دلچسپ بھی تھی اور نصیحت آمیز بھی۔
ہوں نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے اور حضرت ہاجرہ کو بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ کر جانے کے واقعات دلچسپ

انداز میں بیان کئے۔

حضرت مولانا عبدالوہاب خلجی (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ھند) نے خطبۂ مسنونہ کے بعد خاص طور سے طالب علموں اور نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوتے انھیں معاشرہ میں پھیلی برائیوں کو دور کرنے میں بھر پور حصہ لینے کی ہدایت کی اور کہا کہ وہ توحید کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر باہر نکلیں اور مختلف ریاستوں میں پھیل کر عام مسلمانوں کو حقیقی اسلام سے آگاہ کریں، صحافیوں سے آپ نے اپیل کی کہ انھیں اجتماعی شعور اور جذبہ جہاد پیدا کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیئے. انہوں نے جماعتی استحکام پر بھی زور دیا۔

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدنی نے جو اس اجلاس میں نظامت کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے ــ مسلمانوں سے اپیل کی کہ عیش پرستی ترک کریں اور حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، آپ نے کہا کہ " اگر آج ہم نے اپنی ذمہ داری کو نہ سمجھا تو مستقبل کا مورخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ حضرت مولانا عبداللہ مدنی نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کے تعلق سے عالمی حالات پر تبصرہ کیا اور کہا کہ مختلف ممالک میں ان کے ساتھ بدسلوکی کی جارہی ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے خصوصیت سے بوسنیا اور اراکان (برما) کا ذکر کیا اور بتایا کہ اراکان میں مسلمانوں نے ساڑھے تین سو برس حکومت کی، لیکن آج انھیں ووٹ دینے کا حق بھی حاصل نہیں۔ مولانا موصوف نے خاص طور سے نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اندر اسلامی رغبت اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کریں۔

جناب مولانا عبیداللہ وفا صدیقی صاحب نے اپنا پرجوش ترانہ پڑھ کر حاضرین سے خراج تحسین وصول کیا، اور ایک خوشگوار فضا میں کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔

جو تجاویز کانفرنس میں منظور کی گئیں وہ گذشتہ ہفتہ شائع کی جاچکی ہیں، یہ اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی جس سے جرائد و رسائل کو یقیناً رہنمائی حاصل ہوگی، اور جماعتی پریس مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔

(۳) ماہنامہ آثار مئو

آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ملت اسلامیہ کے ہونہار افراد میدان صحافت میں اتریں اور قلم کو ہاتھ میں لیں، زمانہ کے مزاج شناس بنیں وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کو سمجھیں اور اپنے زور صحافت سے ا

سوئی ہوئی قوم کو جھنجوڑیں، ان سے غفلت کی چادر ہٹائیں اور اسلام کے مطلوبہ معیار پر لانے کی کوشش کریں۔

اس موقع پر میں جامعہ سلفیہ بنارس کے بابصیرت ذمہ داران کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے وقت اور حالات کے تیور کو سمجھا اور صحافت کو مفید اور معیاری بنانے کی شکلوں اور تدبیروں پر غور و فکر کے لئے ۲،۳/ نومبر ۱۹۹۲ء کو دو روزہ صحافتی کانفرنس کا انعقاد کیا اور جماعت کے ذمہ داران اور مدیران اخبار و رسائل کو ایک جگہ مجتمع کیا۔ صحافت کے مختلف پہلوؤں پر واضح روشنی کے لئے مقالے لکھوائے اور صالح اور معیاری صحافت کے لئے امکانات و وسائل کے تمام زاویوں پر بحث کا سلسلہ شروع کیا، ہماری موجودہ صحافت میں کیا خامیاں اور کمزوریاں ہیں ان کا جائزہ لیا اور انہیں دور کرنے کی شکلوں اور وقت کے مطلوبہ معیار صحافت پر قابو پانے کی تدبیروں پر غور و فکر کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کانفرنس نے ملکی اور بین الاقوامی صحافت کے بعض ایسے اہم نکات اور گوشوں تک ہماری رہنمائی کی جو آج تک ہم سے مخفی تھے، میں اپنے لئے اس کانفرنس میں بحیثیت نمائندہ آثار جدید مئو شریک ہونے کو سعادت سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران کو اس جدید مبارک اقدام پر جزائے خیر دے۔ آمین۔

لیکن یہ بھی واضح ہو کہ یہ ایک کانفرنس مسئلہ کا حل نہیں ہے اس طرح کی کانفرنسیں مستقبل میں بھی ہوتی رہنی چاہئے تاکہ ان میں ملک و ملت کے بدلتے حالات اور وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کے خدوخال پیش ہوتے رہیں اور ارباب صحافت ان کے مداوا کی شکلوں پر باہمی تبادلۂ خیال کرتے رہیں اور اپنی صحافت کے لئے خطوط راہ کی تعیین کرتے رہیں تاکہ صحافت انتشار و غیر صالح فکر و نظر کا شکار نہ ہو سکے۔

---

(۴) ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

" نے جامعہ سلفیہ بنارس میں تاریخ اہل حدیث کی پہلی صحافتی کانفرنس " کے عنوان سے درج ذیل تاثرات لکھے :-

اپنی بات دوسروں تک پہونچانے کے لئے دو مؤثر طریقے ہیں: زبان، قلم۔ ان کا استعمال بھی دو طرح سے کیا جا سکتا ہے، پہلا طریقہ خیر کا ہے دوسرا شر کا۔ اب انسان کے ذہن و دماغ کی بات ہے چاہے تو اسے خیر کے لئے

استعمال کرنے یا ۔۔۔ کے لئے ، ویسے یہ دونوں چیزیں مذہب وملت کی امانت ہیں انھیں ہمیشہ خیر ہی کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے ۔

موجودہ دور میں اپنی بات کو دوسروں تک پہونچانے کے جتنے ذرائع پائے جاتے ہیں وہ ماضی قریب یا بعید میں نہیں تھے اگر یہ کہا جائے کہ یہ دور پریس اور ٹکنالوجی کا دور ہے تو غلط نہ ہوگا ۔

ایسے دور میں جب کہ باطل تحریکات اپنے غلط نظریات کو لوگوں کے صاف وشفاف اذہان وقلوب میں پیوست کرنے میں منہمک ہیں ، اگر کوئی قوم وملت پیچھے رہ جاتی ہے تو اس کی حرماں نصیبی ہے جسے اس کی آنے والی نسل معاف نہیں کر سکتی ۔

آج طرح طرح کے فلمی رسالے ، فحش لٹریچر نئی نسل کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں جن آنکھوں کو دینِ حنیف کی تعلیمات سے روشناس ہونا چاہئے تھا وہ گندے اور مخربِ اخلاق رسائل وجرائد سے اپنی ٹھنڈک محسوس کرتا ہیں ۔ یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم نے اس کا بدل مہیا نہیں کیا ہے ۔

پریس جو اپنی بات کو دوسروں تک پہونچانے کا مؤثر ذریعۂ ابلاغ ہے ، اس میں جماعت اہل حدیث دیگر جماعتوں سے پیچھے رہی ہے ، اور اس کو جماعت کا ہر حساس دل فرد محسوس کرتا رہا ہے ، لیکن اس کا یہ احساس اس کے دل کے نہاں خانے میں گھٹ کر رہ جاتا تھا اور جماعتی پریس کو بیدار کرنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کر پاتا تھا ۔ ربِ العلیٰ جزائے خیر دے ام الجامعات جامعہ سلفیہ بنارس کے ریکٹر استاذ گرامی جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری حفظہ اللہ دتوا اور ناظم جامعہ برادر مکرم جناب شاہد جنید سلفی حفظہ اللہ اور جامعہ سلفیہ کے اساتذہ کرام کو کہ انہوں نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے بڑی جوانمردی اور حوصلہ مندی کے ساتھ ۲ ر ۳ ر نومبر کو جماعت کی ایک صحافتی کانفرنس منعقد فرمائی اور ملک بھر کے جماعتی رسائل وجرائد کے مدیران ومالکان کو اپنے یہاں جامعہ سلفیہ میں مدعو کیا ، اس کے لئے انھیں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کو ایک حساس طبیعت انسان ہی محسوس کر سکتا ہے ۔

ذمہ داران جامعہ نے اس سلسلے میں تقریباً ۴۴ / ۴۵ مدیران ومالکانِ رسائل وجرائد کو دعوت نامے ارسال فرمائے تھے ، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آدھے لوگ بھی شریک کانفرنس نہ ہو سکے ، صرف حسب ذیل اخبارات وجرائد کے متعلقین شریک ہو سکے تھے ۔

ہفت روزہ جریدہ ترجمان دہلی ، ماہنامہ اصلاح سماج (ہندی) دہلی ، ماہنامہ نوائے اسلام ، ماہنامہ اللہ

دہلی، ماہنامہ الرحیق دہلی، ماہنامہ ترجمان السنہ رچھا بریلی، سہ ماہی اعتدال ڈومریا گنج سدھارتھ نگر، ماہنا
آثار مئو، ہفت روزہ بنکر پروکتا ہندی مئو، پندرہ روزہ الہدیٰ دربھنگہ بہار، ماہنامہ نور توحید نیپال، ماہنا
راہ اعتدال عمر آباد تامل ناڈو۔

شرکاء اجلاس کی افرادی کمی اجلاس کے عدم کامیابی کی غماز تھی مگر جب پہلی نشست کا آغاز ہوا اور لوگو
نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا اور نوع بنوع خیالات سامنے آنے لگے اس وقت ڈھارس بندھی اور سا
لوگ حوصلوں کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہوگئے اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ افراد کی کثرت بہت سارے پروگرا
کو غیر مؤثر بنا دیتی ہے، یہاں نہ افراد کی کثرت تھی، شور تھا نہ ہنگامہ پرسکون ماحول تھا، ہر فرد کو اپنی بات کہنے کا وقت
بھی تھا اور کھلی آزادی بھی۔

شرکاء اجلاس نے اپنے اپنے انداز میں بہت ساری باتیں بتائیں اور بہت سارے مفید آراء بھی سامنے
آئے اور بہت سے نقائص کی طرف نشاندہی بھی کی گئی، کچھ پروگرام بنے اور بہت کچھ کرنے کے حوصلے بھی ملے، اور متا
گم گشتہ کی کھوج کا عہد و پیمان ہوا۔ اور ایک روزنامہ یا سہ روزہ اخبار کے اجراء کا حتمی فیصلہ بھی کیا گیا، جماعتی رسائ
جرائد کو ہم آہنگ اور ان کو مربوط و منظم ہونے کی اپیل کی گئی، اور کچھ سفارشات و گذارشات قرارداد کانفرنس کی شکل
میں متفقہ طور پر منظور کی گئیں، اس کے بعد اسے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی مرکزی کمان کے اس امید کے ساتھ حوا
کیا گیا کہ مرکزی جمعیۃ اس کو عملی جامہ پہنانے کی سعئ بلیغ کرے گی۔

یہ کانفرنس اپنی نوعیت کے اعتبار سے تاریخ اہل حدیث کا پہلا باب تھی، امید ہے کہ اس طرح کے ابواب
آئندہ برابر وا ہوتے رہیں گے، اور اس بات کی بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ عالمی سلفی صحافتی کانفرنس بلائی
جائے گی، انشاء اللہ۔

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کا انتخاب نو

حلقۂ احباب میں یہ خبر باعث مسرت ہوگی کہ مربیٔ انجمن جناب شیخ الجامعہ صاحب ودیگر مشفق اساتذۂ کرام کی موجودگی میں ۲۲ر اپریل ۱۹۹۳ء کو اراکین ندوۃ الطلبہ کا جدید انتخاب عمل میں آیا جسکی تفصیل حسب ذیل ہے:

عہدہ	نام	عہدہ	نام
صدر	ذاکر حسین رئیس احمد ع ۳	امین الکتب	عطاء الرحمن ضیاء اللہ ع ۲
نائب صدر	محمد اسرائیل عاشق علی 〃	نائب امین الکتب	اخلاق احمد محمد یونس ع ۲
ناظم	کرم اللہ احمد حسین 〃	معاونین	مشتاق احمد شمس الحق ع ۱
نائب ناظم	محمد اختر عبد الجلیل ع ۲	〃	محمد رفیق نور محمد 〃
خازن	شمیم احمد عبد الحلیم ع ۳	〃	علیم اللہ حقیق اللہ 〃
محاسب	عبد القیوم محمد سلیمان 〃	〃	عطاء الرحمٰن محمد ابراہیم ث ۲
ایڈیٹر مجلہ "المنار"	رحیم اللہ حبیب اللہ 〃	امین الجرائد	عبد السلام ابو ہریرہ ع ۳
نائب ایڈیٹر 〃 〃	جمال العین نور العین ع ۲	نائب امین الجرائد	محمد ساجد وارث علی ع ۲
معتمد خطابت عربی (الف)	شمس الزماں شوکت علی 〃	معاونین	شمشاد احمد محمد حسین 〃
نائب 〃 〃 〃	شاہ جمال شعیب علی 〃	〃	محمد ہارون کلیم اللہ ع ۱
معتمد خطابت عربی (ب)	عبد النور عبد الخالق 〃	〃	محمد صابر محمد شریف ث ۲
نائب 〃 〃	ابو الوفا شفیع اللہ	〃	عبد المبین عبد السلام 〃
معتمد خطابت اردو (الف)	اشفاق احمد عبد اللہ ع ۳	امین البرید	عبد العلیم عبد الحفیظ ع ۱
نائب 〃 〃 〃	اشفاق احمد عبد القیوم ع ۲	نائب 〃 〃	تفضل حسین محمد لقمان ث ۲
معتمد خطابت اردو (ب)	محمد انیس سہراب علی ع ۳	رکن ندوۃ الطلبہ	محمد عمار محمد محسن 〃
نائب 〃 〃 〃	محمد اکمل محمد اکرم ع ۲	کرم اللہ احمد حسین چمپارنی / ناظم ندوۃ الطلبہ	

ندوۃ الطلبۃ
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس
کی
اِفتتاحی انجمن

جمعرات ۲۹ راپریل ۱۹۹۳ء صبح ۸½ بجے جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کی ذیشان مسجد میں اساتذہ کرام، ذمہ دارانِ جامعہ اور تمام طلبہ کی موجودگی میں ندوۃ الطلبہ کی افتتاحی انجمن کا انعقاد عمل میں آیا، جس کی صدارت شیخ الجامعہ حضرت مولانا عبد الوحید صاحب رحمانی حفظہ اللہ نے فرمائی۔

وقت مقررہ پر صدر محترم کی اجازت سے ندوۃ الطلبہ کے نو منتخب صدر برادرم ذاکر حسین کی جانب سے انجمن کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور تلاوت کلام مجید کے لئے قاری ابو طاہر کو مدعو کیا گیا، بعدہٗ دیرینہ روایات کے مطابق حمد باری تعالیٰ اور ثناء رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاضرین کو پوری طرح جلسہ کی کاروائی کی طرف متوجہ کیا گیا۔ اور پروگرام کے مطابق ناظم ندوۃ برادرم کرم اللہ احمد حسین چمپارنی کو ندوۃ کا مختصر تعارف پیش کرنے کے لئے کہا گیا، ناظم موصوف نے ابتدائی کلمات کے بعد جامعہ کے اغراض ومقاصد، ندوۃ کے قیام کے مقصد اور ندوۃ کی مختلف سرگرمیوں پر معلوماتی روشنی ڈالی اور آخر میں ندوۃ کے ماتحت پانچ مستقل شعبوں کی کارکردگی کو بھی مختصراً بیان کیا۔ اس مختصر تعارف کا مقصد در حقیقت طلباء پر ندوۃ کی اہمیت کو واضح کرنا اور ان میں حرکت وعمل پیدا کرنا نیز ابھی سے ندوۃ کی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر ابھارنا ہے اس مختصر سے تعارف کے بعد طلباء کی اردو اور عربی تقاریر کا آغاز ہوا اور یکے بعد دیگرے مقررین نے اردو، عربی میں، پورے جوش وجذبہ کے ساتھ، موجودہ حالات اور امت کو درپیش مسائل پر اپنے اپنے انداز میں مدلل علمی تقریریں کیں۔ مقررین کے انداز بیان حسن القاء اور جوش وجذبہ سے متاثر ہو کر نائب ناظم جامعہ جناب الحاج محمد سالم صاحب حفظہ اللہ نے بر وقت ۵۰۰ سو روپے بطور انعام عطاء کیے۔ اللہ تعالیٰ ناظم ممدوح کو اس کار خیر کا اجر دے اور اسے طلباء کی ہمت افزائی کا ذریعہ بنائے آمین۔

باقی ص۸۶ پر

حفلة الخطابة
جامعہ رحمانیہ بنارس کا جدید انتخاب

صدر محترم مولانا عزیز احمد صاحب ندوی و مربی انجمن مولانا محمد یحییٰ صاحب فیضی اور اساتذۂ کرام کی موجودگی میں ۲۵ر اپریل ۱۹۹۳ء کو درج ذیل عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔

ناظم	عبدالمالک عظمت اللہ ث ۱	خازن	ظل الرحمن محمد مسلم م ۲
معتمد خطابت اردو (الف)	نعمان علی عبدالباری 〃	معاون	عبدالخالق سیف اللہ ث ۱
〃 〃 〃 (ب)	عظمت اللہ حکیم اللہ 〃	〃	عبدالحنان محمد جرجیس م ۲
〃 〃 〃 (ج)	عبدالغفار عبدالقادر 〃	امین البرید	شاہ جمال عبدالقیوم م ۲
امین الکتب	اختر عالم شمس الدین 〃	اراکین	نثار احمد عبدالمجید ث ۱
معاون	شہاب الدین عماد الدین م ۲	〃	محمد الیاس حبیب اللہ م ۲
〃	عقیل احمد سہیل احمد 〃	〃	کلیم ارشد نصیر احمد م ۲
〃	نور السلام عبدالسلام 〃	〃	محبوب عالم محمد مقیم 〃
مین الجرائد	محمد فیصل تبارک علی 〃	〃	محمد اکبر عبدالجلیل م ۲
معاون	اسرار اختر محمد ایوب 〃	〃	عبدالکبیر عبدالمنان م ۱

منجانب: عبدالمالک عظمت اللہ گونڈوی ناظم حفلة الخطابة جامعہ رحمانیہ بنارس

ماہنامہ

شمارہ ر ۷ | جولائی ۱۹۹۳ء | محرم الحرام ۱۴۱۴ھ | جلد ر ۱۱

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک
سالانہ ۴۵ روپے، فی پرچہ ۴ روپے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔

اس شمارہ میں

۱۔ درس قرآن — مولانا اصغر علی سلفی — ۲
۲۔ درس حدیث — ″ ″ ″ — ۴
۳۔ افتتاحیہ — ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری — ۶
۴۔ مولانا عبدالعلیم ناظم رحمانی مرحوم، حیات و کارنامے — اشرف فردوسی، ندوۃ العلماء لکھنؤ — ۱۱
۵۔ ہندوستانی مسلمان کیا کریں؟ — ڈاکٹر خالد شفاء اللہ رحمانی — ۲۶
۶۔ طالبان علم کا ماضی اور حال — محمد اطہر افضال احمد مئو — ۳۰
۷۔ سپاسنامہ — ناظم ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس — ۴۴
۸۔ باب الفتاویٰ — انتخاب: مولانا عزیز الرحمن سلفی — ۴۷

درس قرآن بسم اللہ الرحمن الرحیم اصغر علی امام مہدی سلفی

حرمت ماہ محرم اور ہماری سادہ لوحی

إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السموات والأرض منها اربعة حرم ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن أنفسكم ۔ الآية (توبہ ۳۶)

بلاشبہ مہینوں کی تعداد اللہ تعالی کے نزدیک بارہ ہے، نوشتۂ خداوندی میں جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں چار حرمت والے ہیں، دین قیم یہی ہے، پس ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

محرم الحرام کا محترم حرمت وعظمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، جس کی فضیلت کئی طور پر آئی ہے، اسی مہینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا عظیم واقعہ پیش آیا تھا، اور موسی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو بھی اسی مبارک ماہ کے دسویں تاریخ کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات ملی تھی جس کے شکرانے کے طور پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت نے روزہ رکھا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے بھی عاشوراء کا روزہ رکھا اور نویں اور دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، اسلام میں اس مہینہ کی حرمت وعظمت ارض وسموات کی ابتداء ہی سے مسلم ہے، مگر یہ بہت بڑی ستم ظریفی ہے کہ اسلام کے نام پر دشمنان اسلام اس ماہ کی عظمت وحرمت کو ایک ایسے واقعہ سے منسلک کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اسلامی تعلیمات وتشریعات کے مکمل ہونے کے کئی دہائیوں کے بعد پیش آیا، میری مراد واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دشمنان اسلام نے اس حرمت والے مہینہ میں شہید کرکے اس کی حرمت کو پامال کیا تھا، اور پھر اپنی اس سیاہ کاری کو دھونے اور دنیا کے سامنے سرخرو بننے نیز مسلمانوں کو اس ماہ کی اصل حرمت وعظمت سے الگ کرنے کے لئے ماتمی مجلسیں جمائیں اور اپنے دجل وفریب سے اہل سنت کے بے شمار افراد کو اس لعنت میں گرفتار کردیا۔ صد افسوس کہ مسلمان اس عظمت وحرمت کے مہینہ میں طرح طرح کی بدعات وخرافات اور شرکیات سے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتے ہیں کہیں ماتمی مجلسیں ہیں کہیں صحابہ کرام پر تبرہ بازی ہے کہیں اس صفوہ امت رضی اللہ عنہم پر سب وشتم ہے۔ معاملے کی

شناعت وقباحت یہیں نہیں بلکہ تعزیہ داری اور حضرت حسینؓ کی مجسمہ سازی کر کے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور شرک کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی جاتی ہے بایں طور کہ اپنے ہاتھوں بنائے اس کاغذی ڈھانچے کو سجدے کئے جاتے ہیں، اس سے نذر ونیاز کا معاملہ کیا جاتا ہے، منتیں مانی جاتی ہیں اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں اور بلا مقبور کے قبر کی زیارت بتوں کی عبادت کے قبیل سے ہے، اس پر سجدہ کرنا اور مانگنا تو سب سے بڑا شرک ہے جب کہ بعض اہل سنت کے یہاں ایک موضوع ومن گھڑت روایت کے نام پر یہ قبیح بدعت بھی رواج پذیر ہے کہ جو شخص یوم عاشورہ کو اپنے اہل وعیال پر کشادگی اور فراخ دلی سے خرچ کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ پورے سال کے لئے روزی روٹی میں کشادگی فرما دے گا، ایسا کرنے والا قبیح بدعت ومنکر کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب سفسطہ ہے جس کو دلیل اور منطق کا نام دیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں اس کے ذریعے مسلمان کم از کم کھیل کود، لاٹھی بلم اور گتکے اور لٹھ بازی کرتے ہیں، اور مسلمانوں کی اس بھیڑ بھاڑ اور کھیل کود سے شوکت اسلام کا اظہار ہوتا ہے، دوسری قوموں پر رعب طاری ہوتا ہے اس لئے مسلمان بڑے ذوق وشوق سے ان جلسوں میں شرکت کرتے ہیں اور اپنے مختلف کرتب اور حاضری سے اس کی رونق میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس فہم پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے کیونکہ اسلام کی اصل سربلندی تعلیمات اسلامی کی بجا آوری میں ہے، اس کے احکام وشرائع وحدود وقیود کی دھجی اڑا کر اور پس پشت ڈال کر اسلام کی رسوا کرنے کے ہوا عظمت ودھاک نہیں بٹھائی جا سکتی، جو شخص اسلامی تعلیمات کے علاوہ کسی چیز میں اپنی عزت وبڑائی اور رفعت وبلندی کا طالب ہے، اس کے ایمان واسلام پر لاکھوں سلام!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسلام کے ازلی دشمن شیعوں کے پھیلائے ہوئے اس قسم کے شرکیات وخرافات سے بچائے، اور ان کی ان مجلسوں میں جانے اور اس کی رونق بڑھانے والوں کو عقل سلیم اور ہدایت عطا فرمائے، اور رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ یوم عاشوراء کو رکھ کر اس کے ثواب سے بہرہ ور ہونے کی توفیق دے۔ یا علی یا حسین جیسے شرکیہ کلمات سے بچنے اور شیعوں کی اقتداء میں صحابہ کرام اور مؤمنین پر سب وشتم اور لعن طعن کرنے سے بچائے۔ آمین۔

درسِ حدیث

اصغر علی امام مہدی سلفی

عورتیں عیدگاہ میں

عن اُم عطیۃ قالت اُمرنا اَن نخرج فی العیدین العواتق وذوات الخدور واُمر الحیض اَن یعتزلن مصلی المسلمین، وفی روایۃ فاما الحیض فیعتزلن الصلاۃ ویشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین، قلت یارسول اللہ إحدانا لا یکون لھا جلباب قال لتلبسھا اُختھا من جلبابھا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ (ہم عورتوں کو گھروں سے) نکالیں (حتی کہ) حیض والیوں اور پردہ والیوں کو بھی دونوں عیدوں میں تاکہ سب حاضر ہوں، مسلمانوں کی جماعت (نماز) اور ان کی دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الگ رہیں گی، حیض والیاں اپنے مصلی سے یعنی وہ نماز نہ پڑھیں لیکن مسلمانوں کی دعاؤں اور تکبیروں میں شامل رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور بخشش سے حصہ پائیں۔ ایک عورت نے عرض کیا کہ ہم میں سے کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ عیدگاہ کیسے جائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہیئے کہ اس بے چادر والی کو اس کی ساتھ والی عورت چادر اڑھادے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

اسلام دین فطرت ہونے کی وجہ سے انسانی طبائع اور رجحانات کا پورا پورا خیال کرتا ہے، چنانچہ اس کے لئے سال میں مذھبی طور پر مسرت وشادمانی کے دو دن مقرر فرما دیئے ہیں جس میں اس کے ماننے والے اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے یکساں بہرہ ور ہوتے ہیں، اس میں مرد وعورت، غنی وغریب، مالدار ومحتاج سب برابر ہیں۔

ایک عید، عیدالفطر ہے جو رمضان المبارک کے فرض روزوں کی ادائیگی کے بعد منائی جاتی ہے۔ دوسری عید، عید قرباں یا عیدالاضحیٰ ہے جسے ابراہیمؑ کی عظیم سنتِ قربانی کی یاد میں منائی جاتی ہے جس میں انہوں نے اپنی سب سے عزیز ترین چیز بیٹے کی قربانی پیش کی تھی، اور ایثار وقربانی کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو کچھ اس طرح بھا گئی کہ اس کو ہمیشہ کے لئے مشروع قرار دیدیا۔ وترکنا علیہ فی الآخرین۔

دینی و دنیوی منفعت کے حصول کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو مواقع میسر فرمائے ہیں چنانچہ عیدین کی سعادتوں میں عورتوں کو بھی مردوں کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے کہ وہ بھی اس دن کے ثواب سے اپنا دامن بھریں اور اس دن کی تلقین و نصائح سے اپنے دامن علم کو اور زیادہ وسیع کرلیں، چنانچہ عیدین کے خطبے تعلیم ونصیحت کے بہترین ذرائع ہیں، اس سے عورت کو محروم رکھنا اسلام کے عادلانہ اصول و دین فطرت ہونے کے منافی ہے، اس لئے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں عورتوں کو نکلنے کا حکم دیا حتی کہ ان عورتوں کو جو نئی نویلی اور پردہ دار ہوں، خواہ جوان ہوں یا ادھیڑ عمر یا بوڑھی بلکہ ان عورتوں کو بھی حکم فرمایا جو اپنی مخصوص حالات کی وجہ سے عیدگاہ پہونچ کر نماز ادا نہیں کرسکتیں حکم ہوا کہ وہ بھی عیدگاہ کے لئے نکلیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اس کی اتنی اہمیت تھی کہ اس کام پر آپ نے ایک مشہور صحابیہ کے ساتھ دوسری صحابیات کو بھی مامور فرمایا اور ان کو تعلیم فرمادی کہ حائضہ اور نفساء عورتیں نماز دوگانہ تو نہیں ادا کریں گی مگر مسلمانوں کے ساتھ دعاء تکبیر اور خطبہ اور وعظ ونصیحت کی تعلیم و تلقین و ثواب سے مستفیض ہوں گی، اور اس کے لئے ان کو گھروں سے نکال کر عیدگاہ تک لے جایا جائے گا۔ اس سلسلے میں اس کا یہ عذر بھی قابل قبول نہیں کہ اس کے پاس برقعہ، اوڑھنی اور چادر نہیں ہے جس سے وہ اپنا پردہ کرسکے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے فرمایا کہ جس کے پاس چادر نہیں ہے وہ اپنی سہیلی سے عاریۃً مانگ لے یا اس کی چادر میں دونوں اوڑھ کر بدقت سہی ضرور نکلیں۔ اس سے عورت کے عیدگاہ جانے کی سخت تاکید معلوم ہوتی ہے، اس میں مبالغہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں عورتیں عیدگاہ کے لئے نکلیں۔

ایک طرف پیارے نبی اسلام کی طرف سے یہ تاکیدی حکم اور تعامل صحابہ و صحابیات ہے اور دوسری طرف دعویداران اسلام کا حال یہ ہے کہ وہ سرے سے اس حکم الٰہی و حکم رسول کو منسوخ سے کم درجہ دینے کو تیار نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا گناہ عظیم سمجھتے ہیں، مثل ہے: (الغریق یتشبث بالحشیش) ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ ان کو فرمان رسول کی مخالفت کے لئے اور کچھ نہ ملا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو لے اڑے جب انہوں نے عورتوں کو غیر شرعی لباس اور طریقے پر عید کے لئے نکلتے دیکھا تو فرمایا کہ اس حالت میں اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھتے تو انہیں عیدگاہ جانے سے روک دیتے۔ لیکن باایں ہمہ انہوں نے عورتوں کو روکنے کی جرأت کی اور نہ حاکم وقت کے یہاں مقدمہ دائر کیا بلکہ انہوں نے منکر پر نکیر کی، اور روک بھی کیسے سکتی تھیں جبکہ کلام الٰہی و حکم رسول کسی کے کہنے سے بدل نہیں سکتے، خواہ قائل کیسے باشد۔

افتتاحیہ

صحیح اسلامی تربیت کی اہمیت

دنیا میں خونِ مسلم کی ارزانی کا جو دل گداز و جگر خراش منظر پچھلی دو دہائیوں سے ہمارے سامنے ہے، اس سے ہم سبھی لوگ واقف ہیں، اس خونیں ڈرامہ کے بھیانک مناظر میں آرمینیا و آذربیجان کی باہمی لڑائی، عراق ایران جنگ، کویت پر عراقی قبضہ، اتحادیوں کا عراق پر حملہ، افغانستان میں کمیونسٹوں کے خلاف جنگ، بوسنیا ہرزے گووینا پر صربوں کی جارحیت، چار سو سے زائد فلسطینیوں کی ملک بدری، بابری مسجد کی مسماری اور اس کے ردعمل کے طور پر رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات وغیرہ شامل ہیں۔ ان معرکوں میں عام طور پر مسلمان نشانہ بنائے گئے ہیں، یہ صورت حال افسوس ناک تو ہے لیکن تعجب انگیز نہیں کیونکہ اس کا تعلق حق و باطل کی اس کش مکش سے ہے جس کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے آج تک جاری ہے، اور آئندہ بھی جاری رہے گا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ ایک مسلمان کا خون دوسرا مسلمان بہائے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان ملک کے خلاف جارحیت پر آمادہ ہو جائے اور دونوں ایک دوسرے کو زک پہونچانے کے لئے اپنی دولت و افرادی قوت بیدریغ خرچ کریں، اور دنیا کے ان ملکوں سے تعاون و رہنمائی حاصل کریں جن کے ہاتھ خود مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوں، گھر کے چراغ سے گھر کو آگ لگنے کا جو سلسلہ ماضی قریب میں شروع ہوا ہے معلوم نہیں کب ختم ہوگا! ۔

افغانستان میں روسی فوجوں کی پسپائی اور نجیب اللہ حکومت کے خاتمہ کے بعد مجاہدین اقتدار کے مالک ہوئے دنیا کی دو عظیم طاقتوں میں سے ایک طاقت یعنی کمیونسٹ روس کے مقابلہ میں ان کو فتح حاصل ہوئی

تھی اس لئے پوری دنیا کے اسلام پسند حلقے بیحد پر امید تھے کہ اب افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آئے گا اور اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے راستہ ہموار ہوگا، لیکن ان امیدوں کے برآنے کی ابھی تک کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے، مجاہدین کی مختلف جماعتوں کے مابین اختلاف کی خلیج بڑھتی جارہی ہے اور مسلح تصادم کا سلسلہ بھی جاری ہے، اسلامی حکومت و شریعت کے قیام کی باتیں مجاہدین کی زبانی پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ میں شائع ہوچکی ہیں، مغربی پریس نے ان بیانات اور خبروں کو مخصوص انداز و اسلوب سے نشر کیا ہے، پھر جب کابل پر بمباری کے واقعات پیش آئے، اور شہر کے لوگوں کی اضطراری ہجرت کی خبریں نشر ہوئیں تو اہل مغرب ان کا تذکرہ ایسے انداز سے کرنے لگے کہ گویا اسلامی حکومت اسی طرح کے کشت وخون اور جنگ وجدال سے عبارت ہے۔ مسلمانوں میں جو لکھنے والے ملت اسلامیہ کی پس ماندگی و مجبوری کی ذمہ داری مسلمانوں سے زیادہ ان کے مخالفین پر ڈالتے ہیں ان کا آج بھی یہ ماننا ہے کہ افغانستان میں حالات کی ناہمواری کا اصل سبب دشمنوں کی ریشہ دوانی ہے، لیکن اس تجزیہ کے باوجود لوگوں کے ذہن میں یہ سوال قائم رہتا ہے کہ دس سال سے زیادہ طویل جنگ جیتنے کے باوجود مجاہدین اگر اتنی بصیرت نہ ہوسکی کہ وہ اپنے دشمنوں کا آلۂ کار نہ بنیں تو پھر کسی مستقل اور پائیدار حکومت کا وجود ان کے ہاتھوں کیسے متوقع ہوگا۔

الجزائر کی آزادی کے سلسلہ میں مشہور ہے کہ ایک ملین مسلمانوں کی شہادت کے بعد وہاں کے باشندے آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے، اتنی طویل جد وجہد اور عظیم قربانی کے بعد آج الجزائر کی صورت حال یہ ہے کہ نہ اسلام پسندوں کو امن وسکون حاصل ہے نہ ان کے مخالفین کو، داروگیر اور قتل وخونریزی کا سلسلہ برابر جاری ہے، جو تھوڑے سے لوگ اقتدار پر قابض ہیں ان کے خلاف عوام کی اکثریت ہے لیکن حسرت وافسوس کے علاوہ اس کے حصہ میں کچھ نہیں۔ مصر وشام سے بھی وقتاً فوقتاً الم انگیز خبریں آتی رہتی ہیں، اسلام پسند حلقوں کی گرفتاری، ایذا رسانی، عمر قید اور پھانسی وغیرہ کا سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح کے واقعات سے لازمی طور پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ حکمراں طبقہ اور حزب مخالف میں سے ہر ایک اپنے اپنے موقف پر مصر ہے، اور دونوں میں سے کسی کے اندر بھی صبر و مفاہمت کا داعیہ نہیں۔ ہمارے پڑوس کے ملک پاکستان میں تو اقتدار کی رسہ کشی بعض اوقات مضحکہ خیز صورت اختیار کرجاتی ہے، جمہوریت کو ہر زہر کا تریاق سمجھنے والے اس کا نام لے کر اسلام کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور عوام کا استحصال بھی، اور اسی کے بالمقابل اسلام کا نام لینے والے ایسے اعمال واخلاق کا مظاہر

کرتے ہیں کہ اسلام پسند لوگ شرم سے سر جھکا لیتے ہیں، دین و مذہب کا نام لینے والے اسلامی اخوت و تعاون کا نمونہ پیش کرنے کے بجائے ایسے عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان پر فوراً "اسلامی دہشت گردی" کا لیبل چسپاں کر دیا جاتا ہے۔

اس دردناک و مایوس کن صورت حال میں ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون کیوں بہتا ہے، اور مسلم حکومت کے زیر سایہ غیر اسلامی افکار و اعمال کیوں فروغ پاتے ہیں؟ ان سوال کے جوابات آسان نہیں اور جواب جس قدر مشکل ہے اس سے زیادہ مشکل اس کی عملی تنفیذ ہے، مصر کے معروف عالم اور اسلامی دنیا کے مشہور مفکر محمد قطب نے اپنی ایک کتاب "واقعنا المعاصر" میں ایک بحث ایسی اٹھائی ہے جس پر غور کرنے سے ہم مذکورہ سوالات کے جوابات معلوم کر سکتے ہیں، یا اس سلسلہ میں کسی حد تک ہماری تسلی ہو سکتی ہے، لیکن عملی تنفیذ کا سوال اس کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔

موصوف نے مصر کی مسلم تنظیم "الاخوان المسلمون" اور اسی انداز کی دوسری جماعتوں کے قیام کے بعد ان جماعتوں کے متبعین کا یہ تاثر نقل کیا ہے کہ تنظیم کا قیام نصف صدی پہلے ہوا لیکن اب تک اسے شریعت کی تنفیذ اور اسلامی بنیادوں پر معاشرہ کی مسائل حل کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، ایسا کیوں ہے جب کہ دوسری غیر اسلامی تنظیمیں اس سے کم مدت میں کامیاب ہوتی نظر آرہی ہیں؟

موصوف نے آگے لکھا ہے کہ گذشتہ صدیوں اور بالخصوص پچھلی صدی میں امت کے اندر جو انحراف پیدا ہوا اس کا تعلق تصور اور عمل دونوں سے ہے، سب سے پہلے لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے، پھر اسلامی تعلیمات کے مطابق لوگوں کی تربیت کا مرحلہ ہے، تربیت پر توجہ نوجوانوں اور بوڑھوں دونوں کے لئے ضروری ہے، اگر ہمیں یہ یقین ہے کہ اسلام معاشرہ کی مشکلات کا حل پیش کرتا ہے تو صرف یہ یقین کافی نہیں، اس کے لئے عقیدہ کی ضرورت ہے جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی عملی تفسیر ہو اور جس کے بعد مومن کے اندر ہر طرح کی آزمائش کے لئے آمادگی پیدا ہو جائے۔

تربیت کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد اس کی نوعیت کا سوال آتا ہے، اس نقطہ کی توضیح کرتے ہوئے محمد قطب لکھتے ہیں کہ تنظیم کے بانی شیخ حسن البنا نے اپنے متبعین میں اسلامی اخوت پیدا کرنے پر غیر معمولی توجہ دی تھی، اسی طرح وہ چاہتے تھے کہ ان میں فداکاری کی روح پیدا ہو جائے، اور تصوف و ارجاء کی وجہ سے غلط توکل

ور زندگی سے فرار کی جو کیفیت پیدا ہو جاتی ہے وہ سنجیدہ حرکت و عمل سے بدل جائے۔ لیکن شیخ حسن البنا کی یہ ترجیح
نظروں سے اوجھل ہو گئی اور تنظیم میں ایسے کارکن پیدا ہو گئے جن کے اندر انفرادیت اور انانیت کا جذبہ اجتماعیت و ایثار
کے جذبہ پر غالب تھا۔

محمد قطب نے تربیت کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلامی شریعت کی تنفیذ کا مقصد اسی وقت پورا
ہوگا جب مسلمانوں کا ایک ایسا مرکز وجود میں آجائے جو ان کی سرگرمیوں کو سہارا دے اور اسلامی حکومت کی ضرورتوں کی
تکمیل کرے، اس طرح کے مرکز سے پہلے اقتدار پر مسلط طبقہ سے ٹکر لینا موت کو دعوت دینا ہے۔

تربیت کا عمل کب پورا ہوگا، اس کی تعیین مشکل ہے، اس وقت خود مسلمان اسلام سے مانوس نہیں ہیں،
ن کے اندر پختہ ایمان ہو، سچا ارادہ ہو، حق پرستی کی جرأت ہو، دنیا اور دنیا کی لذتوں سے بے نیاز ہوں، اور آخرت
کی سچی طلب ہو تو ممکن ہے ان کا مقصد حاصل ہو۔

موصوف نے یہ تحریر جب لکھی تھی تو افغانستان کی جنگ جاری تھی، انہوں نے مذکورہ صفات کے لئے
افغان مجاہدین کا نام لیا تھا، لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد حکومت و اقتدار کے لئے مجاہدین کے مابین جو
ٹکراؤ شروع ہوا ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا مشکل ہے کہ حصول اقتدار کی دوڑ میں شریک ان جماعتوں کی نظر
میں دنیا کا مرتبہ کم تر اور آخرت کا مرتبہ برتر ہے۔

تربیت کے موضوع کو سمیٹتے ہوئے محمد قطب نے اس کے تین بنیادی عناصر پر روشنی ڈالی ہے، یعنی
ایمان، اخوت اور اجتماعیت۔ ایمان کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ
سال تک مکہ میں صحابہ کی تربیت فرمائی اور اسلامی عقیدے کو دلوں میں راسخ کیا، اسی وجہ سے صحابہ کا ایمان
اتنا مضبوط تھا کہ نازک ترین مواقع پر بھی کوئی تزلزل نہ پیدا ہو سکا۔ اخوت پر گفتگو کرتے ہوئے موصوف
نے لکھا ہے کہ جب خطرہ اور آزمائش کا سامنا نہ ہو اخوت کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں، لیکن جب آزمائش
کا موقع آجائے اور دو آدمیوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت ہو تو یہی اصل آزمائش کی گھڑی ہوتی
ہے۔ افغانستان کے مجاہدین کی بات ہو یا مسلم تنظیموں اور جماعتوں کی، انصار جیسا ایثار عملی شکل میں
کہیں نظر نہیں آتا البتہ زبانی گفتگو میں ایسی عبارت آرائی ہوتی ہے کہ بڑے بڑے لوگ فریب کھا جاتے ہیں۔

نظام کے عنصر پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پہلو سے مسلمانوں کی زندگی کو منظم فرمایا تھا، اور اس تنظیم میں انسانی جذبہ کی بیداری کا پہلو ملحوظ تھا، ورنہ مشین کی طرح حرکت سے کوئی فائدہ نہیں۔

تربیت کے ان تینوں عناصر کو صحیح طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے اسلامی عقیدہ کے مطابق مسلمانوں کی تربیت ہوگی تو امت مسلمہ کو اس کا مقام واپس مل سکے گا، امت مسلمہ کی اصل ذمہ داری "تہذیبی چیلنج" کے مقابلہ کو بتایا جارہا ہے، لیکن یہ تصور صحیح نہیں، امت کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ انسانی آبادی کے لئے اپنی "خیریت" ثابت کرے جس کا تذکرہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ میں موجود ہے۔

افغانستان میں موجودہ بحران کے پیش نظر ہم نے محمد قطب کے مذکورہ خیالات اس لئے نقل کئے ہیں کہ مسلمانوں کا انقلاب پسند طبقہ تربیت کی اہمیت پر غور کر سکے، اگر اخوان کے علاوہ کسی اور تنظیم کی طرف سے یہ بات کہی جاتی تو انقلابی لوگ شاید اسے پسند نہیں کرتے۔ •••

مولانا عبدالحلیم ناظم رحمانی مرحوم

حیات و کارنامے

سابق ایڈیٹر ماہنامہ "محدث" دھلی

اشرف فردوسی / دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولد موضع پیغمبر پور ضلع دربھنگہ بہار، احیائے کتاب وسنت، تبلیغ واشاعت اور دیگر دینی وملی خدمات کے لحاظ سے شمالی ترہت کی ایک عظیم مرکزی اور تاریخی بستی ہے، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث رحیم آبادی کی "تحریک اہلحدیث" کا ترہت میں ہیڈ کوارٹر ہونے کی حیثیت سے ان کی عظیم خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

ایک دور ایسا بھی گذرا ہے کہ یہ بستی ظلمت کدہ، اور شرک وبدعت کا مرکز ہونے کی حیثیت سے کافی مشہور تھی لیکن مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کی تحریک کا ایسا اثر ہوا کہ ؎

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی ہوگئے

جاہلانہ رسم ورواج اور شرک وبدعت کا قلع قمع ہوا، اور لوگ سلف صالحین کے علمبردار ہوگئے، یہاں کی خاک سے کئی بڑے جیّد عالم پیدا ہوئے جن کی علمی وادبی اور قومی وملی خدمات کا دور دور تک شہرہ ہوا، مثلاً مولانا محمد ابراہیم صاحب سابق استاذ مدرسہ احمدیہ آرہ، مولانا عبیدالرحمٰن عاقلؔ رحمانی صاحب استاذ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، مولانا عبیداللہ عنبر رحمانی صاحب سابق استاذ جامعہ رحمانیہ بنارس، اور مولانا محمد سلیمان رحمانی ندوی صاحب سابق استاذ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ رحمہم اللہ اسی بستی کے لعل وگہر تھے۔

منشی اصغر حسین اور اظہر حسین مرحومین جیسی پاکیزہ ہستیاں بھی یہیں سے اٹھیں جن کی دینی وملی اور اصلاحی کارنامے کی چھاپ آج بھی اطراف واکناف کی بستیوں میں پائی جاتی ہیں اور جن کے غیر معمولی تذکرے زبان زد خاص وعام بنے ہوئے ہیں۔[1]

ولادت

مولانا عبدالحلیم ناظم مرحوم کی ولادت باسعادت اسی تاریخی بستی کے ایک علمی خاندان میں ۱۳۲۸ھ میں ہوئی، اس وقت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث رحیم آبادیؒ پیغمبر پور ہی میں مستقل طور پر مقیم تھے، چونکہ "تحریک اہل حدیث ترہت" کا تیسرا دفتر اسی بستی میں تھا، اور یہیں سے مبلغین کا وفد قرب جوار کے علاوہ دور دراز کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا، نیز پیغمبر پور کا دوسرا اہم کام سرحد کے لئے رنگروٹوں کا جمع کرنا تھا، (رنگ روٹ مختلف بستیوں سے اچھے اچھے لوگ منتخب کئے جاتے تھے جنہیں مختلف مقامات پر فوجی تعلیم دی جاتی تھی) پہلے یہ تمام پیغمبر پور میں جمع ہوتے تھے، یہاں ان کا امتحان لیا جاتا تھا، پھر انہیں پوشیدہ طور پر پٹنہ بھیجا جاتا تھا اور وہاں سے وہ استھانہ اور دوسرے مقامات کو روانہ کئے جاتے تھے[2]

مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نے ہی مرحوم ناظم کا اپنی پسند سے "عبدالحلیم" رکھا تھا، تمام خاندان میں بڑی خوشیاں منائی گئیں (مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات") بچپن ہی سے ہوشیار اور ذہانت وفطانت کے آثار ہویدا تھے، لیکن کیا معلوم تھا کہ یہ نومولود بچہ ایک دن آفتاب شہرت بن کر چمکے گا، اور پھر جلد ہی زمانے کے گردش گہن میں پوشیدہ ہوجائے گا۔ ابھی چار سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ والدۂ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور بعد ان کے لئے شفقت مادری سے محروم ہو گئے، دادی مرحومہ نے اپنی گود میں لے کر پرورش کی، لیکن وہ بھی جلد ہی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

تعلیم

جب چھ سال کی عمر ہوئی تو قدیم روایت کے مطابق بستی ہی کے مکتب میں تعلیم کے لئے بٹھائے گئے، [illegible] ضلع دربھنگہ کے ملا جی سعید صاحب تھے ابتدائی اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی چونکہ مرحوم ابتدا ہی سے [illegible] واقع ہوئے تھے اس لئے بہت جلد ترقی کرنے لگے، اور [illegible]

---

[1] [illegible] ماہنامہ الہدیٰ [illegible] [illegible]

[2] ہفت روزہ الہدیٰ دربھنگہ، دارالعلوم نمبر اپریل و مئی ۱۹۵۵ء ص ۴۸ [illegible]

انہوں نے دیکھا کہ علمی دنیا بہت وسیع ہے، اس قدر وسیع کہ اس کے حدود آسمان وزمین سے بہت دور واقع ہیں، حالانکہ ایک سال ہوتے ہوئے ان کے حافظے میں بہت کچھ علمی جواہر پارے محفوظ ہو چکے تھے۔"

یہ وہ زمانہ تھا جس میں دارالحدیث کے مہتمم شیخ عطاء الرحمن صاحبؒ تھے، مولانا ناظم مرحوم جب رحمانیہ پہنچے تو ان کی حیات آگیں شخصیت مزید دوبالا ہو گئی۔ رحمانیہ کے ممتاز طلباء میں آپ کا شمار ہونے لگا، انجمن "تہذیب الکلام" کے سکریٹری بھی منتخب کئے گئے اور اس کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ مدرسہ کے امتحان میں غایت امتیازی درجہ میں پاس ہوتے، آٹھویں جماعت میں پورے مدرسہ میں اول آئے اس لئے انعام میں آپ کو ایک چاندی کا مڈل اور عمدہ گھڑی دی گئی، یہ مڈل یا تمغہ مرحوم عبدالستار میونسپل کمشنر کی طرف سے ہر اس خوش نصیب طالب علم کو دیا جاتا تھا جو آٹھویں جماعت میں درجہ اول میں پاس ہوتا تھا۔ الحاصل مرحوم ۱۹۳۱ء میں تحصیل علم سے فارغ ہوگئے اکیس سال عمر تھی۔

مولانا مرحوم کو مشرقی علوم کے امتحان دینے کا بھی شوق تھا، جب آپ مدرسہ رحمانیہ کے اندر ساتویں جماعت میں زیر تعلیم تھے، تو الہ آباد یونیورسٹی سے خط وکتابت کرکے "مولوی، عالم" کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور معینہ تاریخ کے مطابق امتحان دینے کے لئے میرٹھ گئے۔ کیونکہ اس شہر میں ۱۹۲۹ء میں الہ آباد یونیورسٹی کا ایک سینٹر تھا، پتہ نہیں اب ہے یا نہیں، بہرحال عاقل صاحب کے بقول فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئے، پھر ۱۹۳۰ء میں جب وہ آٹھویں جماعت میں تھے تو "فاضل ادب" کا امتحان سکنڈ ڈویژن سے پاس کیا، مولانا مرحوم کو سکنڈ ڈویژن سے پاس ہونے کا بڑا ملال تھا، یہاں تک کہ جب عاقل صاحب نے ان کی دل بستگی اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ کی کہ وہ بھی تو "افضل العلماء" کے امتحان میں سکنڈ ڈویژن سے ہی پاس ہوئے تھے، باوجودیکہ انہوں نے صرف ایک امتحان کی تیاری کی تھی جبکہ مرحوم نے صرف ایک ماہ کے اندر دو امتحان دیا جس میں ایک امتحان میں اول آئے اور ایوارڈ بھی حاصل کیا، تب مرحوم کی قلبی کشاکش کو قرار ملا۔

تدریس

۱۹۳۱ء میں رحمانیہ سے فارغ ہونے کے بعد مرحوم کو ملازمت کی فکر ہوئی، اسی دوران ڈاکٹر فرید صاحب مہتمم سلفیہ دربھنگہ نے تدریس کے لئے ملازمت پیش کی، چنانچہ مرحوم نے قبول کرلیا، اور ایک سال تک سلفیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اسی دوران آپ نے ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب سلفی

کو بھی خانگی طور پر پڑھایا، مع ایک سال تک انجمن اہل حدیث دربھنگہ کے سکریٹری بھی رہے۔
آپ نے اس انجمن کی بہت کچھ خدمتیں انجام دیں اور جب تک دربھنگہ میں رہے اسے منظم طور پر چلایا، اور وقتاً فوقتاً اصلاح معاشرہ کے لئے ڈاکٹر فرید صاحب کے ہمراہ مضافات کا دورہ بھی کرتے رہے، لیکن آپ کی طبیعت دربھنگہ میں نہ لگ سکی، بالآخر ۱۹۳۲ء میں جامعہ رحمانیہ کے مہتمم جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحبؒ کی پیش کش کے مطابق دہلی چلے گئے، جب وہاں پہونچے تو بڑی مسرت کا اظہار کیا گیا، کیونکہ آپ کی علمیت کا سکہ دور طالب علمی میں ہی جم چکا تھا، اور لوگ اس کے معترف و مداح بھی تھے۔

رسالہ محدث دہلی

مولانا مرحوم نے جب اپنا پہلا تدریسی سال بحسن وخوبی انجام دیا اور جب دوسرے سال رمضان المبارک کی تعطیل گذارنے کے بعد رحمانیہ پہونچے تو ایک رسالہ جاری کرنے کا خیال ظاہر کیا، شیخ الجامعہ نے بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ہر طرح سے تعاون کا وعدہ کیا، چنانچہ ۱۹۳۳ء میں رسالہ "محدث" شائع ہوا، جس کے ایڈیٹر مولانا مرحوم ہی بنائے گئے، اس رسالہ کے اجراء کا مقصد کیا تھا، عاقل صاحبؒ رقم طراز ہیں:

> "یہ رسالہ محض خلق خدا کے نفع کے لئے جاری کیا گیا تھا، اور خریداروں سے صرف ٹکٹ کے چار آنے پیسے لئے جاتے تھے، گویا اس رسالہ کی سالانہ قیمت یا چندۂ تعاون چار آنہ تھی، مرحوم نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ ایڈیٹری کی، اور تھوڑے ہی دنوں میں بام عروج پر پہونچا دیا، یہاں تک کہ سال ختم ہوتے ہوتے تقریباً تین ہزار خریدار ہو چکے تھے۔"

محدث کی ایڈیٹری نے مرحوم کو کندن کے مانند چمکا دیا تھا، جس کا ایسا اثر ہوا کہ مدیران رسائل نے اپنے اپنے رسالہ کے لئے موصوف سے معاونت کی درخواست کی تھی، چنانچہ جب افق امروہی نے امروہہ سے رسالہ "قائد" جاری کیا تو مرحوم کو معاون بننے کے لئے مجبور کیا، بہت کچھ پس وپیش کے بعد آپ نے اس رسالہ کی معاونت قبول کرلی اور جب تک بقید حیات رہے برابر اس میں اپنے مضامین دیتے رہے، آپ کو اخبار "الجمعیۃ" کے ایڈیٹر ہلال احمد زبیری اور "ملت" کے ایڈیٹر جعفری صاحب سے بھی بڑی گہری دوستی تھی، جب کبھی کوئی مشکل آن پڑتی تو انہیں حضرات سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

مذہبی حالت

اس میں شک نہیں کہ مرحوم کی مذہبی حالت موجودہ دور کے نوجوانوں کے اعتبار سے قابل صد ستائش تھی، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، پچیسویں سال میں دنیا سے رحلت کرجاتے ہیں لہذا

اس عمر میں موجودہ دور کے نوجوانوں کی جو حالت ہے اس سے بدرجہا بہتر تھی، ڈاڑھی مونڈنے والوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے، مرحوم کے اندر مذہبی جذبہ بہت زیادہ تھا، روشن خیالی کے ساتھ سلفی طریقہ کو پسند کرتے تھے، موجودہ دور میں جس کا نام آزاد خیال ہے، اس سے آپ کو سخت نفرت تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ تفسیر المنار کو بہترین تفسیر سمجھتے تھے، کیونکہ وہ سلفی رنگ میں لکھی گئی ہے، اور تفسیر الجواہر جو جدید سائنس ٹکنالوجی کی روشنی میں لکھی گئی ہے، اسے زیادہ مفید نہ سمجھتے تھے۔ الغرض مذہبی جذبہ بہت زبردست تھا، عقائد نہایت پختہ تھے، علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ سے بہت زیادہ خوش عقیدگی تھی، اور بکثرت ان حضرات کی تصانیف کا مطالعہ کرتے تھے، مرحوم بہت زیادہ خوش اخلاق تھے، ہمیشہ ہنستا ہوا چہرہ رہتا تھا، یہی وہ چیز تھی کہ جس سے مرحوم نے بے شمار لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

علمی وادبی کارنامے

مرحوم کے علمی وادبی کارنامے دو حصوں میں منقسم ہیں:

(۱) ادب نثر۔ (۲) ادب نظم۔

اس باب میں ہم مختصراً ادب نثر پر نظر ڈالتے ہیں، پھر دوسرے باب میں انشاء اللہ ادب نظم پر روشنی ڈالیں گے۔

پھر اس کے بعد ادب نثر کی دو شاخیں پھوٹتی ہیں، ایک تو تصنیفات محض علمی ہیں، دوسرے وہ جو اردو ادبیات سے متعلق ہیں۔ علمی تصنیفات میں صرف دو کا تذکرہ ملتا ہے "شان قرآن" اور "اصل الاصول" درحقیقت یہ دونوں کتابیں عربی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔

پہلی کتاب علامہ فرید وجدی مصری کے ایک رسالہ کا ترجمہ ہے، جس کو انہوں نے اپنی عربی انسائیکلوپیڈیا میں لفظ "القرآن" کے تحت تحریر فرمایا ہے، یہ بڑا زبردست رسالہ ہے، قرآن مجید پر ہر ایک حیثیت سے محققانہ اور عالمانہ بحث کی گئی ہے، اور موجودہ یورپین فلاسفروں نے جو کچھ قرآن پر زبان درازی کی ہے، اس کا مدلل اور دندان شکن جواب بھی سپرد قلم کیا گیا ہے، نیز وحی الٰہی کے اصول بتاتے ہوئے مدلل و معقول پیرایہ میں انہیں اصول کے تحت قرآن کو وحی الٰہی ثابت کیا گیا ہے۔

مرحوم نے نہایت عمدہ اور سلیس اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ نہیں ہے، بلکہ الگ ایک تصنیف ہے، ۱۹۳۴ء میں یہ کتابچہ رسالہ "محدث" دہلی کے دفتر سے شائع ہوئی تھی، جیسا کہ حسن طباعت سے معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد مرحوم کی دوسری کتاب جو گنجینہ کتاب وسنت میں طبع ہو کر جلوہ گر نہیں ہوئی، لیکن رسالہ "محدث"

میں مسلسل شائع ہونے کی وجہ سے منظر عام پر پہونچ چکی ہے، جس کا نام " اصل الاُصول " ہے یہ رسالہ علامہ ابن تیمیہ کے معارج الاصول کا اردو ترجمہ ہے، مرحوم کا رسالہ محدث میں ماہ جولائی ۱۹۳۳ء سے مسلسل شائع ہونا شروع ہوا تھا اور تقریباً ایک سال تک شائع ہوتا رہا۔

اس کے علاوہ علامہ ابن تیمیہ کے ایک دوسرے رسالہ کا بھی ترجمہ کیا ہے جو مبیضہ صورت میں مرحوم کے متروکہ کاغذ میں موجود ہے، نیز بے شمار علمی مضامین اور افسانے مصری رسالوں سے ترجمہ کر کے ملک کے مقتدر اخبارات و رسائل میں شائع کرائے۔

ادب نثر کی دوسری قسم جو صرف اُردو ادب سے متعلق ہے، اس میں مرحوم کے تمام افسانے اور ناول وغیرہ داخل ہیں، ادبی خدمات کے لئے سب سے پہلا قدم مرحوم نے افسانہ نویسی ہی کی طرف اٹھایا تھا، مرحوم نے جب ادبی دنیا میں اپنی آنکھیں کھولیں تو ان کو ہر طرف افسانے ہی افسانے نظر آئے، چنانچہ مرحوم کا بھی پہلا قدم اسی طرف اٹھا اور افسانے لکھنے لگے، جیسا کہ اپنی ڈائری یا مذاکرات میں لکھتے ہیں۔ دونوں قسموں کے افسانے لکھے ہیں، طبعزاد اور دوسری زبانوں کے افسانوں کے ترجمے، طبعزاد افسانے زیادہ تر دیہاتی معاشرت کا اصلاحی پہلو لئے ہوئے ہیں، کیونکہ مرحوم کو دیہات سے زیادہ دلچسپی تھی اور وہاں کی فطری سادی زندگی کو بہت پسند کرتے تھے، لیکن اس زندگی میں کچھ کچھ خرابی نظر آئی تھی، اسی لئے اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے، مترجم افسانے زیادہ تر مصری رسالوں سے ترجمہ کئے ہیں۔

اس کے بعد مرحوم نے چند طبعزاد ناولیں بھی لکھیں جن میں سے ایک تو طبع ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوئی، اس کا نام " کامیاب الفت عرف فطرتی جوڑہ ہے "۔

یہ ایک معاشرتی اصلاحی ناول ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان میں لڑکے اور لڑکی کی مرضی کے بغیر شادی کر دینے سے کیسا خطرناک انجام پیدا ہوتا ہے۔

اس کتاب کو مرحوم نے خود شائع نہیں کیا بلکہ لاہور کی ایک کمپنی کے ہاتھ حق تصنیف فروخت کر دیا، پھر اس کمپنی کی طرف سے یہ کتاب شائع ہوئی، دوسرا ناول " راز الفت " اس سے بھی زیادہ دلچسپ تھا، اس میں گھریلو زندگی کی اصلاح بتائی گئی تھی، یہی وہ کتاب ہے جو عاقل صاحب جو مرحوم کے بڑے بھائی تھے ان کی کتاب " کامیاب جستجو " کے ساتھ پٹیالہ کی ایک کمپنی سے اس شرط پر فروخت کی گئی تھی کہ کمپنی اپنے اخراجات سے شائع کرے گی، لیکن آمدنی میں مصنف اور کمپنی دونوں کی برابر شرکت رہے گی، کمپنی کی دستاویز چند سال پیشتر عاقل صاحب کے گھر میں موجود تھی لیکن پتہ چلا کہ اس

کمپنی کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا بلکہ کوئی غدار شخص دھوکہ دے کر دونوں کتابیں لے گیا اور افسوس تو یہ ہے کہ اس وقت دونوں کتابوں کے چھپنے بھی دونوں بھائی کی حیات ہی میں ضائع ہو گئے تھے جس کا بہت افسوس مرحوم ناظم اور عاقل صاحب کو بھی تھا۔

ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مرحوم نے اپنی کتابوں، افسانوں اور مضامین سے اس مختصر سی زندگی میں اردو ادب کی بہت بڑی خدمت انجام دے کر اردو پر بڑا احسان کیا ہے اور یہ کھلے ہوئے آثار ہیں کہ اگر مرحوم عمر طبعی پاتے تو یہی چیز ان کو ملک کے ممتاز، نامور اور درجۂ اول کے ادیبوں میں جگہ دیتی، لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

شاعری

مولانا عبدالحلیم ناظم مرحوم اردو اور عربی دونوں زبان کے شاعر تھے، ان کی شاعری کسبی نہیں بلکہ فطرتی تھی، بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف میلان ہو گیا تھا، اور شعر کہنے لگے تھے، جب تک مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے اس وقت کسی سے اصلاح نہیں لی تھی، جیسا کہ اپنے مذکرات میں لکھتے ہیں:

"طبیعت بچپن ہی سے شاعرانہ تھی، مدرسہ احمدیہ کے تعلیم کے زمانہ میں کچھ کچھ شعر لکھا کرتا تھا، لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بھی فن ہے، اور اس میں بھی اصلاح ہوتی ہے، چنانچہ مئو آکر شاعری کے تذکرے دیکھے، غزلیں لکھیں، اور استاذی محترم مولانا عبداللہ شائق صاحب سے اصلاح لے کر مئو کے ماہانہ مشاعرہ میں پڑھتے رہے، شاعری کا باقاعدہ شوق و ولولہ پیدا ہوا۔"

مرحوم جب مدرسہ فیض عام مئو میں داخل ہوئے تھے، اس وقت سترہ سال کی عمر تھی، بہت جلد ترقی کر گئے اس کے قبل انہوں نے عربی میں ایک شعر بھی نہیں کہا تھا، لیکن یہاں عربی میں بھی کہنے لگے۔ چنانچہ بھائی مولانا عبیداللہ عنبر کی شان میں دو بہترین قصیدے عربی زبان میں لکھے، اور چونکہ ۱۹۲۹ء میں مولانا عاقل رحمانی صاحب بھی رحمانیہ دہلی سے فارغ ہوئے تھے، چنانچہ ان کی شان میں بھی ایک قصیدہ اردو زبان میں لکھا۔

"ارمغان نشاط" کے عنوان سے مولانا عاقل کی فراغت پر جو قصیدہ تحریر کیا تھا، اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں — ہر اک جا قلزم شادی رواں ہے
کہیں دور شراب شادمانی — کہیں پریوں کا کوئی کارواں ہے
اخی فارغ ہوئے ہیں علم دیں سے — فراغت ان کی فخر دودماں ہے
پیمبر پور کا ہر ذرّہ ذرّہ — نشاط انگیز ہے بہجت نشاں ہے
مجھے بھی انبساط اس سے ہے ناظمؔ — طبیعت خوب میری شادماں ہے

اپنے والد صاحب کی شان میں لکھے عربی کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں :

وإن الله أعطاكم كمالا — بكل العلم فهو لكم سواء
وإن أبي هو الحبر الأديب — ففي العلماء بنواس ضياء
هو المعروف فضلا في أناس — لأن كلامه لهم شفاء

مذکورہ بالا قصائد کو مرحوم نے مئو میں لکھا تھا، جب کہ ان کی شاعری کی بالکل ابتدا تھی، لیکن آپ ان اشعار سے ان کی ادبیت کا اچھا خاصہ اندازہ لگا سکتے ہیں، عربی کے اور بھی بہت سے قصیدے ہیں لیکن ہم یہاں پر قلم انداز کرتے ہیں کیونکہ اس جگہ ابتدائی شاعری دکھانا مقصود ہے۔

مدرسہ فیض عام مئو کے بعد رحمانیہ دہلی کی زندگی شروع ہوتی ہے، یہاں آتے ہی مرحوم کی شاعری میں چار چاند لگ جاتے ہیں، کچھ دنوں بعد افق کاظمی امروہوی ایڈیٹر رسالہ "قائد" کو اپنا استاذ تسلیم کیا اور انھیں سے غائبانہ اصلاح لینے لگے، پھر ۲۸ / مارچ ۱۹۳۵ء سے جلال الدین حیدر کو اپنا استاذ تسلیم کیا، جیسا کہ اپنے مذکرات میں لکھتے ہیں :

"۲۸ / مارچ ۱۹۳۵ء سے شعر و سخن میں، میں نے حضرت جلال الدین حیدر فخر دہلی سے اصلاح لینی شروع کی اور ان کا باقاعدہ شاگرد بن گیا، کیونکہ ان کی بلند پرواز شاعری جدید رنگ میں مجھے بے حد پسند آئی، اور میں نے اسی رنگ کا تتبع شروع کیا، ان کی اصلاح بھی بہت پسند آئی، اب ان کے شاگردوں کے ساتھ دہلی کے مشاعروں میں شریک ہو کر کافی داد و تحسین و شہرت حاصل کرنے لگا، انہیں حیدر صاحب کی اصلاح کے بعد ایک مشاعرہ میں، میں نے یہ مقطع پڑھا :" ؎

جب سے ہوا ہوں حضرت حیدر سے مستفیض
رعنائی خیال ہے ناظم بہار پر

یہ حقیقت ہے کہ مرحوم ناظم نے اپنی شاعری میں ایک جدید رنگ اختیار کیا تھا، لیکن افسوس موت نے انہیں اس کی تکمیل کا موقع نہ دیا، طبیعت میں شوخی ظرافت اور جدت پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، معمولی سے معمولی مضمون کو اس انداز میں باندھتے تھے کہ اچھوتا اور نرالا خیال معلوم ہوتا تھا۔

باوجود کمسنی کے ناظم مرحوم کیسے قادر الکلام اور جدت پسند شاعر تھے۔ اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

قطرہ قطرہ میں لہو کے درد بے تابی نہاں
یعنی رگ رگ میں میری پیوست نشتر دیکھئے

درد، بے تابی اور پیوست نشتر کو کتنے نفیس انداز میں نبایا ہے، عاشقانہ استقلال پر ان کا درج ذیل شعر اچھوتا اور نرالا خیال معلوم ہوتا ہے ؎

خوف ناکامی ارادے کے تزلزل ہی میں ہے
ہمتیں جب بندھ گئیں پھر دوریٔ منزل نہیں

مجھ سے کہتا ہے فراق دوست میں لطفِ سکوت
جس نے کی آہ وفغاں، وہ عاشق کامل نہیں

مسیحا اور ابن مریم کو ناظم کیسے نرالے انداز میں باندھتے ہیں کہ ؎

نہ لائیں آسماں سے ابن مریم رشتہ وسوزن
نہیں گنجائش بخیہ گری اب میرے دامن میں

لباس محتسب میں پھر رہا ہے دیکھنا ساقی
چرا کر آنکھ زاہد مل نہ جائے بادہ خواروں میں

انتظار کو اتنے عمدہ پیرایہ میں نبایا ہے کہ بالکل جدید طرز معلوم ہوتا ہے، کہتے ہیں: ؎

وہ آئے اور مجھ کو خبر تک نہیں ہوئی
اس درجہ محویت تھی مجھے انتظار میں

بے تابی اور اضطراب کو بھی ایک ایسے اچھے انداز میں پیش کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ان کے قبل کسی شاعر نے باندھا نہیں ہے۔ ؎

آج تک حاصل نہیں اللہ رے لطفِ سکوت
قطرہ قطرہ خون دل کا ہے جہان اضطراب
ہر قدم، ہر سانس، ہر حرکت میں سیمابی اثر
آج کس کس کو سناؤں ترجمان اضطراب

اب بے خودی کو بھی ملاحظہ فرمائیے ؎

یاد کب ہے بیخودی میں کہہ گیا کیا کیا مگر
تھا تسلسل زلف جاناں کی طرح تقریر میں

شکوۂ ابناء زماں سے کوئی شاعر نہیں بچا، مرحوم ناظم نے بھی اس کو ایک عمدہ پیرایہ میں دکھایا ہے۔ ؎

زمانہ میں کسی کی قدر افزائی نہیں ناظم
سوائے نکتہ چینی کے کسی نے کب ہُنر دیکھا

غازی جمال پاشا ترکی مندوب حکومت حجاز جب ہندوستان میں تشریف لائے تو مرحوم ناظم نے ان کی شان میں قصیدے عربی اور اردو میں لکھے، عربی قصیدہ بہت زبردست ہے، مرحوم مذکرات میں لکھتے ہیں کہ عربی قصیدہ کو غازی موصوف نے یہ فرماتے ہوئے لے لیا کہ میں اسے سلطان ابن سعود خلد اللہ ملکہٗ کو دکھاؤں گا کہ ایک بیس سالہ نوجوان ہندی نے اس قصیدہ کو قلمبند کیا ہے، صد افسوس کہ وہ قصیدہ راقم کو دستیاب نہیں ہو سکا

قصائد کے علاوہ مرحوم نے مراثی بھی لکھے تھے، مرثیہ میں بھی وہ بے معنی لفاظی، اور مبالغہ توصیفی سے بالکل بچتے ہے، صرف حقیقت واقعیہ کا اظہار کیا۔ مولانا قاضی سلیمان صاحب منصورپوری صاحب "رحمۃ للعالمین" کے مرثیہ میں لکھتے ہیں:

کیا خزاں آئی کہ پژمردہ گلستاں ہوگیا — طفل غنچوں کی قبا کا چاک داماں ہوگیا
آہ! باغ علم میں چلنے لگی بادِ خزاں — راہیِ ملک عدم قاضی سلیماں ہوگیا
مجلس علمی میں تھا ممتاز جس کا مرتبہ — آہ! آنکھوں سے ہماری آج پنہاں ہوگیا

اس قدر تھی ان کی ہستی قوم مسلم میں مفید — ایک عالم ان کی رحلت سے پریشاں ہوگیا
رنج وغم کے خار دامن میں لئے پھرتے ہیں ہم — اور وہ جنت میں جا کر گل بداماں ہوگیا

اشک ریزی چھوڑ ناظمؔ اب اٹھا دستِ دعا
جنت الفردوس میں داخل کرے ان کو خدا

بہت لمبی نظم ہے، ۴ رجون ۱۹۳۰ء کو مدرسہ رحمانیہ کے جلسہ تعزیت میں پڑھی گئی اور اخبار اہل حدیث امرتسر مجریہ ۱۳ رجون ۱۹۳۰ء میں جلسہ کی کارروائیوں کے ساتھ یہ نظم بھی شائع ہوئی۔ چند اشعار علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری محدث مرحوم کے مرثیہ سے ملاحظہ کیجئے:

طوفانِ غم

گلشن علم و عمل میں یک بیک آئی خزاں — پل کی پل میں ہوگیا اندوہ وغم آگیں سماں
شور ماتم ہے چمن میں بلبلیں رونے لگیں — پتہ پتہ بن گیا تصویر حسرت بے گماں
ہائے مولانا محدث عبدالرحمان ذی حشم — زینت ملک بقا ہیں چھوڑ کر بزم جہاں
ہر بشر اس صدمۂ جانکاہ سے ہے مضطرب — ایک عالم ہے وفور غم سے مصروف فغاں
قوم کو وہ دے گئے ہیں "تحفۂ علم حدیث" — یعنی شرح ترمذی کی یادگار جاوداں

ناظمِ محزوں صمیمِ قلب سے ہے اَب دُعا
جنت الفردوس میں ہو عبدالرحمان کا مکاں

یہ بھی بہت طویل مرثیہ ہے صرف ابتداء کے چند اشعار اور مطلع ہدیۂ ناظرین کئے گئے ہیں، یہ مرحوم کی سات سالہ شاعری کا نچوڑ ہے جو اٹھارہ سال کی عمر سے پچیس سال تک جاری رہی۔ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کم سنی میں مرحوم کی شاعری کس پایہ کی تھی، اور اگر عمر طبیعی تک وہ زندہ ہوتے تو کس پایہ کے شاعر ہوتے۔

شادی مرحوم ناظم کی شادی ۱۵ رذی قعدہ ۱۳۴۹ھ، مطابق ۴ راپریل ۱۹۳۱ء میں موضع کمتھیلا ضلع دربھنگہ کے ایک مشہور و معروف خاندان میں ہوئی، خسر کا نام منشی عبدالرحمٰن عرف بڑے میاں تھا۔

اولاد شادی کے تین سال بعد خداوند عالم نے مرحوم کو ایک لڑکا عطا فرمایا جو ۲۶ رجمادی الاخری ۱۳۵۲ھ کی شب کو صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا، نام عبدالعظیم رکھا گیا جو آج کل ماسٹر عبدالعظیم قاؔنی سلفی کے نام سے

معروف ہیں، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کے کلاس فیلو رہ چکے ہیں، نیز مدرسہ اظہر العلوم پیغمبر پور کے سکریٹری بھی ہیں.
ولادت کا مادۂ تاریخ ہجری "خورشید پیکر" نکالا گیا تھا۔

وفات ۲۲ر اگست ۱۹۳۵ء مطابق ۲۱ر جمادی الاولی یوم پنجشنبہ ۱۳۵۴ھ کو اپنے مولد ہی میں ہوئی، اور اپنے والد ماجد مولانا محمد ابراہیم صاحب کے پہلو میں آسودۂ خاک کئے گئے۔

مرحوم کے انتقال کی خبر پر یوں تو بے شمار تعزیتی خطوط ملے اور اخبار و رسائل میں تعزیتی مضامین سپرد قلم کئے گئے، تاہم "محدث دہلی" کا تعزیتی اداریہ ذیل میں مندرج کیا جاتا ہے، محدث لکھتا ہے:

"ابھی کل کی بات ہے کہ مولانا عبدالحلیم صاحب ناظم محدث کے انھیں صفحات میں حجۃ الخلف قدوۃ السلف، عمدۃ العلماء، راس الفقہاء حضرت العلامہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری کے حادثۂ ارتحال اور اس الم انگیز تہلکۂ علمیہ کا ماتم کر رہے تھے، لیکن کیا معلوم تھا کہ قدرت انھیں مخاطب کرکے یہ کہہ رہی ہے:

تبکی علی من مضی وانت غدا یوردک الموت فی الذی وردوا

تم جانے والوں پر رو رہے ہو، حالانکہ موت تمہیں بھی کل وہیں پہنچا دیگی جہاں وہ لوگ گئے۔

آہ! ہمیں کیا علم تھا کہ گلستان رحمانیہ کا یہ غنچہ ابھی کھلنے بھی نہ پائے گا۔ کہ قدرت کی نیرنگیاں اسے مرجھا دیں گی، کون جانتا تھا کہ وہ بلبل جس کی نغمہ زاریاں کل تک سننے والوں کو وجد میں لاتی تھیں، اتنی جلد محفل سے بیزار ہو کر شہر خموشاں کو اپنا رفیق بنالے گا، اللہ... اللہ۔ میں آج اپنے قلم سے اسے کیونکر مرحوم لکھوں، جس کے حیات پرور مضامین، طرب انگیز اشعار نے قوم مسلم میں بیداری اور روح پیدا کی ہو، اس ہونہار نوجوان نے اپنی اس چوبیس سالہ زندگی میں علمی و ملکی خدمات کا وہ نمونہ پیش کیا ہے، جو آج کل کے نوجوانوں کے لئے باعث عبرت ہے۔ ایک طرف اگر اسے درس نظامیہ کی تکمیل کی سند مدرسہ رحمانیہ دہلی سے حاصل تھی، تو دوسری طرف اس نے رحمانیہ ہی کی طالب علمانہ زندگی میں الہ آباد یونیورسٹی سے "مولوی عالم اور مولوی فاضل" کی ڈگریاں بھی لی تھیں ایک طرف اگر اس نے شان قرآن لکھ کر دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی تھی، تو دوسری طرف فطرتی جوڑہ جیسا کامیاب ناول لکھ کر ادب و انشاء کے ساتھ بھی بہت بڑا سلوک کیا ہے، اس کی

انشاء پردازی اور قادر الکلامی کی شہادت اگر محدث کے صفحات دیتے ہیں تو ملک کے دیگر اخبارات و رسائل میں شائع شدہ مضامین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

شاعریت کا فطری مذاق تھا، تاریخ سے خاص دلچسپی تھی، علمی لیاقت اور روشن دماغی کے ساتھ طبیعت میں ظرافت اور خوش مزاجی بھی تھی، تواضع و انکساری خوش خلقی و خوش مزاجی کا مجسمہ تھے، دل میں قوم کا درد تھا، اکثر مسلمانوں کی ذلت و پستی کا ذکر فرما کر غمزدہ ہو جاتے، خصوصاً نوجوانوں کے تنفر مذہب، الحاد و مغرب پسندی سے بیزار تھے، مرحوم کے والد ابھی زندہ ہیں، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس ضعیف باپ کے زخم کی گہرائیوں کا کیا حال ہوگا، اور ایسے لائق فرزند سے اپنی امیدوں بھری گود کو خالی دیکھ کر ان کے دل کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی، مرحوم کے روحانی مربی شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ دہلی کے دل پر بھی ان کی جدائی کا خاص اثر ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ اپنے ہاتھوں لگایا ہوا پودا جب اس قابل ہوا کہ اس کے سایہ میں بیٹھ کر ٹھنڈک حاصل کی جاتی، اس کے شیریں پھلوں کی حلاوت سے لوگ شادکام ہوتے تو یکایک یہ تمام آرزوئیں اس جوہر تابناک کے ساتھ ۲۲/ اگست ۱۹۳۵ء کو بیغمبر پور ضلع دربھنگہ کی زمین میں ہمیشہ کے لئے دفن ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

ہماری دلی دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو خاص مراتب عطا فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے ؎

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اب آخر میں ایک مرثیہ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو مرحوم کے بڑے بھائی مولانا عبید الرحمٰن عاقل رحمانی صاحب نے اس حادثہ جانکاہ سے متاثر ہو کر کہا تھا:

اے کہ تجھ پر عاقلِ غمگیں کو بے حد ناز تھا ۔۔۔ اے کہ ہم تجھکو سمجھتے تھے چراغ خانداں

آہ ناظم تو کہاں آنکھوں سے اوجھل ہوگیا ۔۔۔ گھومتی پھرتی ہیں آنکھوں میں تری رعنائیاں

علم کا گنجینہ تھا کچھ گنج سیم و زر نہ تھا ۔۔۔ دوستوں نے کر دیا خاک لحد میں کیوں نہاں

آہ! ناظم اب نہ ہوگی پھر پیمبر پور میں — تیری ہستی جیسی پیدا کہہ رہا ہوں بیگمان
میرے بھائی کو الٰہی جنت الفردوس دے — بلبلِ ہندوستاں ہو بلبلِ باغِ جنا ں
کہہ دیا یہ عاقلؔ غمگیں نے تاریخ وصال — ہائے ناظمؔ ہمدم اہلِ قلم شیریں بیا ں

عربی قطعہ

واحسرتا عبدالحلیم الناظم — والشاعرؒ والفاضلؒ والعالمؒ
قد قال تاریخ الوصال العاقل — فی جنت اعلی مطیر النّاظمؒ

مآخذ

۱۔ حیات حلیم (قلمی) مصنف مولانا عبیدالرحمان عاقلؔ رحمانی مرحوم
نوٹ : (اس کتاب کا بیشتر حصہ دیمک کی نذر ہو گیا ہے نیز وہ قصیدہ بھی ضائع ہو چکا ہے جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے متأثر ہو کر مرحوم کی شان میں کہا تھا۔)
۲۔ ماہنامہ " ندیم " گیا ۱۹۳۲ء (محفوظہ خدابخش لائبریری پٹنہ)
۳۔ " " ۱۹۳۳ء "
۴۔ " " ۱۹۳۴ء "
۵۔ ماہنامہ محدث دھلی ۱۹۳۵ء
۶۔ شان قرآن (مترجم) عبدالحلیم ناظمؔ مرحوم
۷۔ کامیاب الفت عرف فطرتی جوڑہ (ناول) " " " مطبوعہ لاہور پاکستان
۸۔ دیدہ وشنیدہ شیوخ وبزرگان کی روایات۔
۹۔ روداد مدرسہ اظہر العلوم پیغمبر پور دربھنگہ۔
۱۰۔ ھفت روزہ الھدیٰ دربھنگہ، دارالعلوم نمبر اپریل ومئی ۱۹۵۵ء۔

ہندوستانی مسلمان کیا کریں؟

ڈاکٹر خالد شفاء اللہ رحمانی ، جامعہ رحمانیہ بنارس

یہ سوال آج ہر مسلمان کے ذہنوں میں گردش کر رہا ہے ، دنیا کے ہر خطے کا مسلمان جن حالات سے دوچار ہے اس کے سامنے یہ سوال ایک عفریت بن کر سر پر سوار ہے ، دنیا کے بڑے بڑے دانشور اپنے اپنے متاع حکمت و دانش کے خزانے اس کے سامنے ڈھیر کر رہے ہیں ، لیکن اس سوال کا حقیقی جواب جو ہونا چاہیئے اس سے یا تو یہ لاعلم ہیں یا پھر دانستہ گریز کر رہے ہیں ۔

اس سوال کے حل کے لئے یہ نکتہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کا ایک جزء مسلمان ہے ۔ مسلمان کون ہے ؟ ظاہر ہے ایک عام آدمی بھی اس کا یہی جواب دے گا کہ جو اللہ اور اس کے آخری رسول پر ایمان لایا ہو ۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد کہ مسلمان اس کو کہتے ہیں جو اللہ کے بنائے ہوئے قانون کا پیروکار ہوتا ہے ، پھر یہ دُرگت کیوں ؟ خدانخواستہ کہیں ہمارے اندر کوئی خامی تو نہیں آئی ؟ ہمارے ایمان و عمل میں تضاد تو نہیں ؟ آئیے قرآن کے تناظر میں دیکھیں اور اس سوال کا حل ڈھونڈھیں ۔

مسلم کون ہوتا ہے ؟

وہ جو خدا کے آگے سر اطاعت خم کر دے ، خدا ہی کو اپنا مالک ، آقا ، حاکم اور معبود مان لے جو اپنے آپ کو مکمل طور سے خدا کے سپرد کر دے ، اور اس ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے جو خدا کی طرف سے آئی ہو ، اس عقیدے اور اس طرز عمل کا نام " اسلام " ہے ، اور یہی تمام انبیاء کا دین تھا جو ابتدائے آفرینش سے دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں آئے ، جو اس نظام حیات کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ مسلم کہلاتا ہے ، اور عرف عام میں اس کو مسلمان کہا جاتا ہے ۔

" کہو ، اے اہل کتاب ! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے ،

یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے، اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔" (۶۴ آل عمران)

مسلم ہونے کے تقاضے

اللہ کی بندگی کا ہار گردن میں ڈالنے کے بعد کیا مسلمان سوچ سکتا ہے کہ اس کی زندگی کا آدھا حصہ تو انسانوں کی بندگی میں گذرے اور آدھا اللہ کی بندگی میں ؟ یا اپنے آپ کو مسلم بھی کہے اور اس کی ساری سوچ عیسائیت ویہودیت کے پھیلائے ہوئے نظریات پر منحصر ہو۔ — اب مسلمانوں کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان کے لئے نجات کی راہ صرف قرآن وسنت ہی میں ہے، یہی وہ راہ ہے جو ان کو دنیا اور آخرت میں سرخرو کرسکتی ہے۔ اسی طرف قرآن نے واضح لفظوں میں کہہ دیا ہے: "اے مسلمانو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ، اور شیطانی پگڈنڈیوں پر نہ چلو۔" (القرآن)

زوال خلافت عثمانی کے بعد سے مسلمانوں نے تمام باطل نظاموں کو اپنا کر دیکھ لیا، سوائے ذلت ورسوائی تباہی وبربادی کے کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ آج عالم اسلام کی بے بسی، بے کسی قابل دید ہے، اس کی حالت فٹ بال جیسی ہوگئی ہے، جو کھیل کے میدان میں ادھر سے ادھر لڑھک رہا ہے۔

مسلم ہونے کے تقاضوں میں سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات وجذبات، افکار ونظریات کو صرف اللہ کے احکام کے تابع کردے۔ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔" (۱۰۲ آل عمران)

الٓر: کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ ...... الی آخر الآیۃ = فرمان ہے جس کی آیتیں پختہ اور مفصل ارشاد ہوئی ہیں، ایک دانا اور باخبر ہستی کی طرف سے کہ تم نہ بندگی کرو مگر صرف اللہ کی۔ میں اس کی طرف سے تم کو خبردار کرنے والا بھی ہوں، اور بشارت دینے والا بھی، اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت خاص تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا، لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تمہارے حق میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، تم سب کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔" (۳ ہود)

مذکورہ بالا آیت میں مسلمانوں کے سامنے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ جس ذات پر تکیہ کرتا ہے وہ حالات سے بخوبی باخبر ہے اور ساتھ ہی اس کی صفت دانا کی ہے۔ اس قرآن میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ پکی اٹل ہیں، خوب جچی تلی ہیں، نری لفاظی نہیں ہے، اس میں ایک ایک حکم کھول کھول کر واضح طریقے سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس پر تمہارا ایمان بھی ہے پھر کون رکاوٹ ہے جو تمہاری زندگی کو اس سے غافل کر چکی ہے۔ آؤ ہمت سے کام لو، اس پردۂ غفلت کو چاک کر کے اپنے پروردگار سے معافی چاہو، دیکھو وہ کیا کہہ رہا ہے، اس کی طرف پلٹ آؤ وہ تمہیں اچھی طرح رکھے گا، اس کی نعمتیں تم پر برسیں گی، اس کی برکتوں سے سرفراز رہو گے، خوشحال، فارغ البال رہو گے، زندگی میں امن اور چین نصیب ہوگا، ذلت وخواری کے ساتھ نہیں بلکہ عزت وشرف کے ساتھ جیو گے، یہ وعدہ کسی انسان کا نہیں بلکہ اس ذات کی طرف سے ہے جو اپنی مخلوقات کا ہر آن، ہر لمحہ نگہبان ہے، صرف یقین وعمل کی ضرورت ہے، اپنی خفتہ صلاحیت کو صدائے قرآنی سے بیدار کرو، پھر دیکھو اسی دنیا میں عزت وشرف کی دولت سے نوازے جاؤ گے، کیا تاریخ اسلام اس پر گواہ نہیں ہے؟

ایک غلط فہمی

آج کل یہ تصور عام ہے بلکہ عقیدہ کی صورت اختیار کر چکا ہے کہ خدا ترسی اور راستبازی اور احساس ذمہ داری کا طریقہ اختیار کرنے سے آدمی کی آخرت بنتی ہو تو بنتی ہو مگر دنیا ضرور بگڑ جاتی ہے، اسی عقیدہ کا اثر ہے کہ مسلمانوں میں لین دین کے معاملات کے بارے میں عام رجحان یہ ہے کہ جھوٹ، مکر وفریب سے کام لینے میں ہی فائدہ ہے ورنہ تجارت خسارے میں چلی جائے گی اور ہم دوسروں سے پیچھے چلے جائیں گے، لیکن قرآن اس عام غلط فہمی کا رد کرتا ہے، "جو شخص بھی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، ہم اس کو پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔" (النحل ۹۷)

اللہ کے نزدیک دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اخلاق پاکیزہ ہوں، معاملات درست ہوں ہر معاملہ میں ان پر بھروسہ کیا جا سکے، ہر شخص بھلائی کا متوقع ہو، کسی انسان کو یا کسی قوم کو شر کا اندیشہ نہ ہو۔

سامانِ زندگی کیا ہے؟

دنیا میں زندگی گذارنے کے لئے اللہ نے جو وسائل مہیا کئے ہیں ان میں حرام وحلال کی تمیز اس نے بتایا ہے، اس کے بعد سامان زندگی دو قسم کی ہے، ایک وہ سرو سامان ہے جو خدا سے پھرے ہوئے لوگوں کو فتنے میں ڈالنے کے لئے دیا جاتا ہے اور جس سے

دھوکا کھا کر ایسے لوگ اپنے آپ کو دنیا پرستی و خدا فراموشی میں اور زیادہ گم کر دیتے ہیں، یہ بظاہر تو نعمت ہے لیکن بہ باطن خدا کی پھٹکار اور اس کے عذاب کا پیش خیمہ ہے، قرآن مجید اس کو "متاع غرور" سے تعبیر کرتا ہے۔ دوسرا وہ سرو سامان ہے جس سے انسان خوشحال اور قوی بازو ہو کر اپنے خدا کا اور زیادہ شکر گذار بنتا ہے، خدا اور اس کے بندوں کے اور خود اپنے نفس کے حقوق زیادہ اچھی طرح ادا کرتا ہے، خدا کے دیئے ہوئے وسائل سے طاقت پا کر دنیا میں خیر و صلاح کی ترقی اور شر و فساد کے استیصال کے لئے زیادہ کارگر کوشش کرنے لگتا ہے، یہ قرآن کی زبان میں "متاع حسن" ہے یعنی ایسا اچھا سامانِ زندگی جو محض عیش دنیا ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ نتیجہ میں عیش آخرت کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔

ذہنیت بدلنے کی ضرورت ہے

اور اگر کبھی ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہوتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے اور اگر مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی ہم اسے نعمت کا مزا چکھاتے ہیں تو کہتا ہے میرے تو سارے دلدّر پار ہو گئے پھر وہ پھولا نہیں سماتا اور اکڑنے لگتا ہے، اس عیب سے پاک اگر کوئی ہے تو بس وہ لوگ جو صبر کرنے والے اور نیکو کار ہیں، اور وہی ہیں جن کے لئے درگذر بھی ہے اور بڑا اجر بھی۔" (۹ تا ۱۱ ھود)

قرآن انسانی طبیعت کا حال بیان کرتا ہے، عام انسان خود اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے، آج خوشحال اور طاقت ور ہیں تو اکڑ رہے ہیں، ساون کے اندھے کی طرح ہر طرف ہریالی دیکھ رہے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ کبھی اس پر خزاں بھی آسکتی ہے۔ اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو بلبلا اٹھے، حسرت و یاس کی تصویر بن کر رہ گئے، پھر جب برا وقت ٹل گیا تو وہی اکڑ وہی ڈینگیں اور نعمت کے نشے میں وہی سرمستیاں پھر شروع ہو گئیں۔ یہ انسان کی ذلیل ترین صفت ہے۔ قرآن میں دونوں قسم کے انسانوں کا بیان ہوا ہے فرعون کو دیکھو جب قوت و طاقت کے نشہ میں چور ہوا تو کیسی سرکشی دکھائی " أنا ربكم الأعلىٰ " کا نعرہ لگایا تو اللہ نے اس کی اودھم بازی کی کیا سزا دی؟ ہاں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو گا وہی اس سے عبرت پکڑیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب قوت ملی تو انہوں نے کیا کیا؟ کیسی حکومت کی؟ قرآن میں مذکور ہے

اللہ تعالیٰ نے عظیم بادشاہی، عظیم علم وحکمت اور آسمان وزمین کی بے شمار نعمتوں سے نوازا اور وہ ان نعمتوں کو پاکر سرکشی، فساد میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ برابر اپنے رب کے شکر گذار اور فرماں بردار رہے، یہ دونوں مثالیں تمہارے سامنے ہیں اب چاہے فرعون کی روش پر چلو اور چاہے حضرت سلیمان ؑ کی روش اختیار کرکے شکر گذار رہ کر اپنے آپ کو خدا کی نعمتوں کا حق دار بنا سکتے ہو۔ دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

کیفیت بدلنے کی ضرورت ہے

انسانوں میں کچھ لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ صرف امن و سکون ہی میں مسلمان بن کر رہنا چاہتے ہیں، وہ سماج میں ایک کنارے آزاد رہ کر اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں، کسی دکھ اور تکلیف کے تصور ہی سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کبھی کبھی تو اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، ڈھل مل یقین جیسے لوگوں کو اپنی اپنی کیفیت کو بدلنا ہوگا۔ بعض لوگ اللہ کی عبادت کنارے پر ہو کر کرتے ہیں، پھر اگر ان کو کوئی فائدہ پہونچ جائے تو تسلی پا جاتے ہیں اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہونچی تو الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں، ان لوگوں نے دنیا و آخرت (دونوں میں) خسارہ اٹھایا یہ کھلا ہوا خسارہ ہے۔" (۱۱ الحج)

اٹل حقیقت

حالات کتنے ہی کیوں نہ سنگین ہوں، راستے کتنے کیوں نہ پُر کٹھن ہوں، ایک مسلمان کی سوچ اس کی فکر ہمیشہ اس حقیقت پر ہوتی ہے کہ اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا ہے، اس نے عہد کیا ہے میری نماز، میری قربانیاں، میری حیات و ممات سب اللہ کے لئے ہیں موت ایک اٹل حقیقت ہے، اس سے راہ فرار اس کا شیوہ نہیں، یہی تو دروازہ ہے جس سے ہو کر اللہ کے پاس جانا ہے، موت تو ہماری زندگی ہے۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں (ان لوگوں کا حال) جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے بھاگ کھڑے ہوئے، حالانکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے (پھر کیا ہوا) اللہ نے کہا تم سب مر جاؤ، پھر انہیں میں سے ان کو زندہ کیا۔"

قومیں مٹتی بنتی رہتی ہیں

قرآن آپ نے پڑھا ہے، اس میں دنیا کی تباہ شدہ قوموں کا بیان ہوا ہے، ان کے عروج و زوال کے اسباب بیان کئے گئے ہیں، آخر کس کے لئے؟ مسلمانوں کے لئے، پھر ہم کیوں نہیں ان سے سبق حاصل کرتے، قوموں کا عروج و زوال، تباہی و بربادی کردار و عمل پر مبنی ہوتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی زندگی میں صرف عقائد کی

درستگی کی طرف بلاتے رہے، جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا تھا ان کے خلاف مکہ والوں نے کیا کیا نہیں ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے تھے، آخر ان کا ان سے کیا جھگڑا تھا؟ یہی نا کہ صرف اللہ کو مانو! یہ ماننا کیا تھا صرف زبان سے نہیں بلکہ تصور، تفکر، عمل و کردار میں بھی مانو، اس کی ذات وصفات کی یکتائی صرف زبان تک محدود نہ رہ کر تصرفات اشیاء کا قدرت کاملہ میں بھی ایک ہے، وہ جب روک دے تو کوئی نہیں دے سکتا، اگر دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا، وہ اپنی حکومت میں بھی یکتا ہے، وہ سب کی سنتا ہے اس کی ذات مطلق ہے، اس کی قدرت کے لئے کسی مادی اسباب وعلل کی حالت نہیں جب چاہے ختم کر سکتا ہے جب چاہے جاری کر سکتا ہے۔ یہی توحید کی امانت سینوں میں لے کر جب عرب کے" جرد اہے نکلے تو وہ

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

فارس وروم (جو اس وقت سپر حکومتیں تھیں) کے سیلِ بے پایاں کو کنارے لگا دیا تھا، ان کے پاس توحید کی امانت تھی، اسی سے وہ تمام مادی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کو یہ بتا دیا کہ جس دل میں اس کا سودا سما جاتا ہے وہ بے خوف وخطر آتش نمرود میں کود پڑتا ہے، تاریخ عالم اپنے یہاں ان کے واقعات کو محفوظ کر لیتی ہے۔

صبر کسے کہتے ہیں؟

صبر کا مفہوم عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان وقت کی ہر گردش سے اثر لے کر صرف خاموش رہ جائے اور یہ سوچ لے کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہونا ہی تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات کا ہر ذرہ حکم الٰہی کا پابند ہے، لیکن صابر وہ شخص ہے جو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات میں اپنے ذہن کے توازن کو برقرار رکھے، اللہ کی طرف سے آزمائش خواہ نعمت کی صورت میں ہو یا مصیبت کی صورت میں ہو دونوں صورتوں میں اس کی بردباری اپنے حال پر قائم رہے، اپنے موقف پر ڈٹا رہے، کسی قسم کی بے اطمینانی کا اظہار نہ کرے، بلکہ شاہراہ زندگی کے ہر کانٹے کی چبھن کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے منزل کی طرف گامزن رہے، تدبر و دانائی سے صبر و شکیبائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرتے رہے، کوئی بھی باطل کی طاقت اس کو اپنے موقف سے ہلا نہ سکے، خواہ طوق وسلاسل اور پابند زنداں ہی نہ کر دیا جائے، تمہارے سامنے رسولوں کی حیات مبارکہ موجود ہیں، اور تم کو ہدایت

کی گئی ہے کہ صبر کرو جس طرح باہمت رسولوں نے صبر کیا ہے ۔

صبر کہتے ہیں ارادے، عقیدے کی مضبوطی و پختگی کو، خواہشات نفس کا وہ انضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں اپنے قلب وضمیر کے پسند کئے ہوئے راستے پہ لگاتار بڑھتا رہے ۔ " صبر اور نماز سے مدد لو، بیشک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر ان فرماں بردار بندوں کے لئے مشکل نہیں ہے، جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے ۔" (البقرہ ۴۵-۴۶)

ارادے کی پختگی، عزم کی مضبوطی یہ صرف صبر اور نماز کے ذریعے مسلمان کو حاصل ہو سکتی ہے، اس اخلاقی صنعت کو اپنے اندر پرورش کرو گے تو ساری دشوار گذار راہیں آسان ہو جائیں گی ۔

مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی، اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے ۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے عزم کا کام ہے ۔" (۱۸۶ آل عمران)

موجودہ حالات میں مسلمانوں کے خلاف طعن وتشنیع، ان کے الزامات، ان کے بیہودہ طرز کلام اور ان کی جھوٹی نشر واشاعت کا جو ایک سلسلہ جاری ہے اس لئے اس کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کو یہ ہدایت ہے کہ بے صبر ہو کر تم ایسی باتوں پر نہ اتر آؤ جو صداقت وانصاف، وقار وتہذیب اور اخلاق فاضلہ کے خلاف ہے ۔

" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے ۔" (آل عمران ۲۰۰)

حادثہ پیش آجائے

تو آئندہ کے لئے عبرت پکڑنی چاہیئے، لیکن عبرت حاصل کرنے کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اس کے رنج وندامت میں بالکل کھوئے جاؤ، اور ہمت ہار بیٹھو ۔

" اور دیکھو کتنے ہی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے باخدا لوگوں نے (راہ حق میں) جنگ کی، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان سختیوں کی وجہ سے جو انہیں خدا کی راہ میں پیش آئی ہوں، بے ہمت ہو گئے ہوں اور نہ ایسا ہوا کہ کمزور پڑ گئے ہوں، یا ان کی عزت نفس نے یہ بات گوارا کر لی ہو کہ ظالموں کے سامنے عجز وبے چارگی کا اظہار کریں (بے ہمتی، کمزوری اور حریف کے سامنے اعتراف عجز وہ باتیں ہیں جن سے باخدا

آدمی کا دل کبھی آشنا نہیں ہو سکتا) اور اللہ انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے ، جو مشکلوں ، مصیبتوں میں ثابت قدم رہتے ہیں ۔ اور پھر سختیوں اور مصیبتوں کا کتنا ہی ہجوم کیوں نہ ہو ، لیکن ان کی زبانوں سے اس کے سوا کچھ نکلتا تھا کہ خدایا ہمارے گناہ بخش دے ، ہم سے ہمارے کام میں جو زیادتیاں ہو گئی ہوں ان سے درگذر فرما کر ہمارے قدم راہ حق میں جمادے اور منکرین حق کے گروہ پر ہمیں فتحمند کر " (جب ان کے ایمان وعمل کا یہ حال تھا) تو خدا نے بھی انھیں دونوں جہان میں اجر عطا فرمایا ، دنیا کا بھی ثواب دیا کہ فتح وکامرانی ان کے حصے میں آئی اور آخرت کا بھی بہتر ثواب دیا (نعیم ابدی کے مستحق ہوئے) اور اللہ تو انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں ۔" (۱۴۶ - ۱۴۷ آل عمران)

جتھے بندیاں

"جن لوگوں نے اپنے ایک ہی دین کے ٹکڑے کر دیئے اور الگ الگ گروہ بندیوں میں بٹ گئے ، تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں ، ان کا معاملہ خدا کے حوالے ہے ، جیسے کچھ ان کے عمل رہے ہیں ، ان کا نتیجہ خدا انھیں بتلادے گا ،، (پ ۶ : ۱۶)

" پھر لوگوں نے ایک دوسرے سے کٹ کر جدا جدا دین بنالئے ، ہر ٹولی کے پلے جو کچھ پڑ گیا ہے ، اسی میں مگن ہے ۔" (پ ۲۳ : ۵۳)

ایک ہی پروردگار عالم کے ماننے والوں نے نجات وسعادت ، حق وباطل کا معیار ، اعتقاد وعمل کے بجائے جتھے بندیوں میں سمجھ رکھا ہے ، سارا دارومدار اس پر آکے ٹھہر گیا ہے کہ کون کس جتھے اور گروہ بندی میں داخل ہے ، اگر ایک آدمی کسی خاص مذہبی گروہ بندی میں داخل ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے اور دین کی سچائی اسے مل گئی ، اگر داخل نہیں ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ نجات کا دروازہ اس پر بند ہو گیا اور دین کی سچائی میں کوئی حصہ نہیں ، گویا دین کی سچائی آخرت کی نجات اور حق وباطل کا معیار تمام تر گروہ بندی اور فرقہ پرستی ہو گئی ، اعتقاد وعمل کوئی چیز نہیں ہے ۔ ہر آدمی یہی یقین کرتا ہے کہ اصلی دین کا وہی دعویدار ہے باقی تمام لوگ اس سے محروم ہیں ، چنانچہ ہر گروہ کا ماننے والا دوسرے کے خلاف نفرت وتعصب کی تعلیم دیتا ہے ، خدا پرستی اور دین داری کی راہ سرتاسر بغض وعداوت ، نفرت وخونریزی کی راہ بن گئی ہے ۔

گروہ بندی کا نتیجہ

دین سے مقصود خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی، وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا، یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اجتماعی گروہ بندی کا دائرہ کھینچا اور اس کا نام یہودیت، عیسائیت رکھ دیا اور جو اس گروہ بندی میں داخل نہیں وہ ہدایت یافتہ نہیں۔

" اور یہودیوں نے کہا عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے، اسی طرح عیسائیوں نے کہا یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ دونوں اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں (اور دونوں کا سرچشمہ دین ایک ہی ہے) ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی (جو مقدس نوشتوں کا) علم نہیں رکھتے (یعنی مشرکین عرب نے کہ وہ بھی صرف اپنے ہی کو نجات کا وارث سمجھتے ہیں) اچھا جس بات میں باہم دگر جھگڑ رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ اس کا فیصلہ کر دے گا (اور اس وقت حقیقت حال سب پر کھل جائے گی)" (۱۱۳-۲)

قرآن ان کے مزعومہ دین کا رد کرتا ہے " بلیٰ من أسلم وجهه لله وهو محسن۔" جس کسی نے بھی اللہ کے آگے عبودیت کا سر جھکایا اور نیک عملی کی زندگی اختیار کی اس نے دین کی نجات وسعادت پالی، مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کو جھٹلاتا ہے اور اپنے ہی کو نجات وسعادت کا مالک سمجھتا ہے۔

عبادت گاہوں میں تفرقہ

مذہبی گروہ بندی کی گمراہی کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادتگاہیں تک الگ الگ ہو گئی ہیں، حالانکہ تمام کے تمام ایک ہی اللہ کے نام لیوا ہیں لیکن ممکن نہیں ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کی بنائی ہوئی عبادت گاہ میں جا کر خدا کا نام لے سکے، اتنا ہی نہیں بلکہ ہر گروہ صرف اپنی عبادت گاہ کو اللہ کی عبادت گاہ سمجھتا ہے، دوسرے گروہ کی عبادت گاہ اس کی نظروں میں کوئی احترام نہیں رکھتی۔

" اور غور کرو اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے رکاوٹ کھڑی کرے اور اس کی ویرانی میں کوشاں ہو" (پ ۲ ۱۱۴)

گروہ بندی کا غرور

یہودی، عیسائی کی گروہ بندی کا غرور یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ وہ کہتے کہ اللہ نے جہنم کی آگ ہم پر حرام کر دی ہے، اگر ہم میں سے کوئی آدمی جہنم میں ڈ

بھی جائے گا تو اس لئے نہیں کہ اسے عذاب میں ڈالا جائے بلکہ اس لئے کہ گناہ کے داغ دھبوں سے پاک صاف کر دیا جائے اور پھر جنت میں جا داخل ہو۔ قرآن ان کے اس زعم باطل کا رد کرتا ہے " جس کسی نے بھی اپنے عمل سے برائی کمائی اس کے لئے برائی ہے، جس کسی نے بھی بھلائی کمائی اس کے لئے بھلائی ہے۔"

مسلمانو یاد رکھو

(مسلمانو یاد رکھو! نجات اور سعادت) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (خدا کا قانون تو یہ ہے) جو کوئی بھی برائی کرے گا اس کا نتیجہ سامنے آئے گا، اور پھر نہ کسی کی دوستی بچا سکے گی نہ کسی طاقت کی مددگار۔" (۴-۱۲)

خودسازی

کوئی تحریک یا جماعت بغیر خودسازی اور تعمیر کے کامراں اور کامیاب نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی، یہ اٹل حقیقت ہے، جس سے انکار انسان کا کوئی فرد نہیں کرسکتا، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان، قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں ہمارے ارد گرد بکھری پڑی ہوئی ہیں، مسلمانوں کے سامنے تو مسلّم قرآن موجود ہے جس میں تباہ شدہ قوموں کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے، اس کے باوجود اگر مسلمان اپنی آنکھیں بند کئے رکھنے میں اور اسی میں اپنی عافیت سمجھتا ہے تو اس کو کون بیدار کرسکتا ہے، جو آدمی سویا ہو تو اس کو جگایا جا سکتا ہے، اگر بہت گہری نیند ہے تو دو تین آواز میں اٹھ جائے گا، لیکن اگر وہ بیدار ہو کر آنکھیں موندے پڑا ہو تو صالیہ کی چوٹی بھی پھٹ جائے مگر وہ نہیں اٹھے گا۔

یہی حال مسلمان قوم کا ہو گیا ہے، اس کے پاس روشنی ہے، الٰہی رہبر موجود ہے پھر بھی اس کو ایک لیڈر کی تلاش ہے جو اس کی رہنمائی کر سکے، تو آؤ تمہارے کرنے کے جو کام ہیں وہ قرآن کی زبانی سنو اور عمل کے میدان میں اتر جاؤ، یہی تمہارا رہبر ہے یہی تمہارا لیڈر ہے۔

مسلمانوں کے کرنے کے کام

انسانی زندگی میں نشیب و فراز کا ہونا ضروری ہے، جیسے موسم بدلتا رہتا ہے، رات آتی ہے پھر سورج طلوع ہوتا ہے، تو اندھیرے مٹ جاتے ہیں، اسی طرح ہوا کبھی موافق چلتی ہے اور کبھی مخالف، بچاؤ کے لئے انسان مختلف تدبیریں کرتا ہے، لیکن ان تدبیروں میں اگر سوچ کا دائرہ صرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں سمٹ جائے تو پھر کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی، دنیا میں اس سے پہلے کامیاب تجربہ ہو چکا ہے، اور وہ کاغذ کے اوراق اور انسانوں کے دلوں میں محفوظ ہیں، صرف ضرورت ہے ان کے برتنے کی۔

مسلمانوں کی ساری سوچیں ملت سے وابستہ ہونی چاہیے، ملی مفاد میں خلوص کے فقدان کی وجہ سے
ج مسلمان تسبیح کے دانے کی طرح ادھر ادھر بکھرا ہوا ہے، علماء اپنے فرائض سے غافل، امراء اپنے وظائف
، خالی، پیشوایان ملت ریا و نمود سے معمور، عوام درمیان میں حیران و پریشان، یہ ہے ملت اسلامیہ
مجموعی حالتِ زار۔

خلوص

نیک نیتی اور خلوص یہ وہ صفت ہے جس سے پتھر سے پتھر دل موم ہو جاتا ہے، مسلمانوں
میں یہ عظیم صفت جب تک برقرار رہی تو اللہ تعالیٰ اس کو اذن اور اس کی توفیق عطا
ماتا رہا، لیکن جب اس صفت سے عاری ہو گیا تو کامیابی کے سارے دروازے بند ہو رہے ہیں۔ کفر
یان کے درمیان جو لوگ ڈانواڈول رہتے ہیں ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

" البتہ جو ان میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور اللہ کا دامن تھام لیں
ر اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر دیں، ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عطا
رمائے گا۔ آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے، اگر تم شکر گذار بندے بنے رہو اور ایمان کی
وش پر چلو، اللہ بڑا قدردان ہے اور سب کے حال سے واقف ہے۔" (۱۴۶ - ۱۴۷، النساء)

دین کو اللہ کے لئے خالص کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی وفاداریاں اللہ کے سوا کسی اور سے وابستہ
ہوں، اپنی ساری دلچسپیوں اور محبتوں اور عقیدتوں کو وہ اللہ کے آگے نذر کرے، کسی چیز کے ساتھ
ی دل کا ایسا لگاؤ باقی نہ رہے کہ اللہ کی رضا کے لئے اسے قربان نہ کیا جا سکتا ہو۔

اگر تم اللہ کے ساتھ احسان فراموشی اور نمک حرامی کا رویہ اختیار نہ کرو بلکہ صحیح طور پر اس کے احسان مند
ن کر رہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ تمہیں سزا دے۔

نفرت وغصہ کے جذبات

مسلمانوں کے ستانے اور پریشان کرنے پر تلے ہوئے انسانوں کے خلاف
ان کے اندر نفرت اور غصہ کے جذبات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے
یکن مسلمانوں کو ایک نہایت بلند درجہ کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے: " اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی
ہ زبان کھولے الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے (مظلوم ہونے کی صورت میں
گرچہ تم کو بدگوئی کا حق ہے) لیکن اگر تم ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کئے جاؤ، یا کم از کم برائی سے درگذر کرو، تو

اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، حالانکہ سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔" (۱۴۸ - ۱۴۹، النسار)

خوف اور امید

مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کسی سے خائف نہ ہو کیونکہ وہ تنہا نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا خاص فیضان ان پر ہمہ وقت جاری رہتا ہے، ان کی مدد کی جاتی ہے، اگر وہ صحیح معنوں میں اسلامی زندگی کا آغاز کریں اور محنت کریں تو اللہ کی توفیق اور مدد ان کے شامل حال ہوتی ہے، خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے۔' (عنکبوت ۶۹ - ق ۱۶)

" دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو" (آل عمران ۱۳۹)

" اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔" (یوسف ۸۷)

" اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور تم غم نہ کھاؤ۔" (زخرف ۶۸)

(اللہ کے بندے) اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لئے صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور برائی کو بھلائی سے رفع کرتے ہیں، آخرت کا گھر انہیں کے لئے ہے۔" (رعد ۲۱ - ۲۲)

" جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی، دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگی اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔" (نازعات ۳۷ تا ۴۱)

اتحادِ ملت

دنیا میں ایسی کوئی قوم آپ نے نہ دیکھا ہوگا جس میں اتنا اتحاد واتفاق پر زور نہ دیا گیا ہو جتنا اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دیا ہے۔ لیکن کتنا بڑا المیہ ہے کہ آج سارے جہان میں اسی کی داستان چھڑی ہے، مسلمان ایک نصب العین ہے، ایک مشن ہے، ایک تحریک ہے لیکن خود اس کو معلوم نہیں یا پھر اس کا یقین وایمان قرآنی تعلیمات پر نہیں ہے، رات دن نماز کے ذریعے اتحاد کی مشق کرتا ہے۔ قرآن اس کو فرقہ بندی، گروہ بندی کے برے نتائج سے آگاہ کرتا ہے، حق وصداقت کی راہ بتاتا ہے لیکن اس کو ضد سی ہوگئی ہے۔

" اور دیکھو! سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑلو، اور جدا جدا نہ ہو جاؤ، اللہ نے تمہا
نعمت عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہو " (آل عمران ۱۰۲)

گمراہ قوموں کی محرومیوں سے سبق لینے کی ضرورت ہے ان کے طور طریقوں سے اپنے دل و دماغ
رکھنا ضروری ہے، اجتماعیت کے فقدان سے انفرادی قوت کا کوئی وزن نہیں ہوتا، پتے جب درخ
ٹوٹ کر گر جاتے ہیں تو جو چاہتا ہے وہ روند ڈالتا ہے، پھر ہوا جہاں چاہتی ہے اڑا کر لے جاتی ہے
افراد ملت کے اجزاء ہیں، کوئی جزء ناقص ہوگا تو ترکیب غیر مکمل ہوگی، مسلمان لاکھ گروہ در گر
بٹے ہوئے ہیں لیکن ان کے لئے ایک ایسا نقطۂ اتصال موجود ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ
کتاب اللہ تو ہر مسلمان کے لئے حرز جاں ہیں، تو کیوں نہ اسی کو بنیاد مان کر ہندوستان کے مسلمان ا
شاعر مشرق کی آرزو کی تکمیل کر دیں، کاش! مسلم بھی ہوتے ایک!۔

علماء کے اقدامات

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہبی پیشواؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پیش آ
حالات سے عوام کو باخبر رکھیں، جس نظریہ سے بھی وہ سوچتے ہوں اسی کے
ملت کے فلاح و بہبود کی بات کریں، اپنی مقبولیت اور اپنی سستی شہرت کے لئے ان کے جذبات سے نہ
ان کے جذبۂ عقیدت سے فائدہ اٹھا کر " صراط مستقیم " کے بجائے ہلاکت و بربادی کی راہ نہ دکھائیں۔ ا
انکو مذہبی پیشوائی، لیڈری کے منصب پر بٹھا یا تھے اپنے آپ کو قرآنی تعلیمات اور سیرت مبارکہ جیسے مہتم بالشا
سے تولتے رہیں۔ یہود کے علماء، عیسائی پادریوں کی تصویر قرآن نے بیان کر دیئے ہیں۔

ملت کی ذمہ داری

ملت کے افراد پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ محبت و عقید
اتنا سرشار نہ ہو جائیں کہ اندھے، گونگے، بہرے بن کر اپنے آپ کو ہلاکت
کنوئیں میں گرادیں، بلکہ مومنانہ فراست سے حالات کا تجزیہ کرنے کا کم سے کم جو شعور و آگہی ہے اس سے تو کا
آج عام ہندوستانی مسلمان مسلمانوں کے اس طبقہ پر افروختہ اور چیں بہ جبیں ہے جو اس کی قیادت کا ڈ
رچائے ہوئے ہیں، ان کی خود غرضی، مفاد پرستی، زر پرستی، جاہ طلبی، ملت کی زبوں حالی کا سب سے
ہے۔ وہ طبقہ جو بے لوث ہو کر کام کرنے کا جذبہ رکھتا ہے پس پردہ چلا گیا ہے، عوام کو مخلصین کو پہچانن
اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے والوں کو اسٹیج سے ہٹانا ہوگا تب جا کر ملت کا شیرازہ متحد ہو سکتا ہے۔

کے مابین منافرت کا بیج بونے والے افراد کو سماج میں کوئی مقام نہ ملنے پر یہ خود بہ خود پسپا ہو جائیں گے۔
اختلاف رائے کوئی بری چیز نہیں، حضرت عمر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما میں بھی اختلاف ہوتے تھے۔
صحابۂ کرام میں اختلافات پائے جاتے تھے، مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ پوری ملت کو اپنی انا کے لئے
سولی پر چڑھا دیا جائے۔

اس حقیقت کو جان لینے کے بعد مسلمان اپنے مشن اور نصب العین پر ڈٹا رہے، یہ یقین کر لیجئے اگر
مسلمان ماضی میں ہوا کے رخ کو پہچان کر اپنی ذہنیت میں تبدیلی کر لیتا اور سیاسی قلابازیوں کے بجائے
اپنی ساری توجہ اپنی تعمیر میں صرف کرتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ پھر بھی ابھی وقت اتنا ناسازگار نہیں کہ مسلمان
سنبھالا لے نہ سکیں۔

جو معاشرہ یا سماج وحی الٰہی کے زیر سایہ رہ کر پنپے گا ظاہر ہے کہ اس کے برگ و بار سدا ہرے
بھرے رہیں گے، ان پر خزاں کے آثار اور گردش روزگار کے جھونکے آئیں گے بھی تو اثر انداز نہیں ہوں گے۔
داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی زندگی کی تشبیہ ڈنٹھل سے دی ہے کہ ہوائیں چلتی ہیں وہ
اِدھر اُدھر جھومتا ہے لیکن ٹوٹتا نہیں۔ ...

محمد اطہر افضال احمد
مئوناتھ بھنجن

طالبانِ علم کا ماضی اور حال

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط (المجادلہ آیت ۱۱)

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

چرخِ کہن اور مادرِ گیتی اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ اس دنیائے رنگ و بو کے اندر جتنے بھی ادیان و ملل اور مذاہب منصۂ شہود پر آئے۔ سب نے علم کی اہمیت، افادیت اور اس کی اولیت کا اعتراف کرتے ہوئے طالبان علم کو خواہ وہ عصری علوم سے وابستہ رہے ہوں یا دینی اور شرعی علوم سے، معاشرے اور سماج کے اندر ایک مخصوص، منفرد اور اعلیٰ مقام عطا کیا۔ مذہب اسلام جو دنیا کے دیگر جملہ مذاہب سے اعلیٰ، ارفع اور اکمل ہے اور إن الدين عند الله الإسلام سے متعارف ہے تو اس کے اندر حصول علم کی اہمیت یقیناً بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ میں متعدد مقامات پر علم کی اہمیت اور فضیلت کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کی وجہ سے تحصیلِ علم کے فوائد ہر کس و ناکس پر بحسن و خوبی مترشح اور منکشف ہو گئے ہیں جب ہم طالبان علم کے ماضی کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو ہمارا ذہن فوری طور پر اصحاب صفہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے علوم دینیہ کی تحصیل میں محنت شاقہ اور بھوک کے شدائد و مصائب برداشت کئے اور غربت و افلاس کے باوجود حصول علم میں سعی پیہم اور مسلسل جد و جہد کی، اسی طرح تابعین تبع تابعین، اور اسلاف کرام کے حصول علم کے واقعات ملتے ہیں جنہوں نے تحصیل علم کی خاطر پرخار اور پرخطر وادیوں کی خاک چھانی ، اور نہایت تندہی، جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ طلب العلم فريضة على كل مسلم جیسے اہم فریضہ کو بجالائے اور رضائے الٰہی کے مستحق ہوئے۔

جب ہم اپنے اسلاف کرام کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک

حصولِ علم کا مقصد احیاءِ دین، اعلاءِ کلمۃ اللہ، اصلاحِ حال اور رضائے الٰہی تھا اسی لئے حالات کی سنگینی و سنگلاخی، ماحول کی نیرنگی، زمانے کی ستم ظریفی ان کے حصولِ علم کی راہ میں مانع نہ ہو سکیں کیونکہ ان کے عزائم مصمم تھے، ان کے ارادوں کے اندر توانائی گہرائی اور گیرائی تھی، اور ان کے حوصلوں کے اندر پختگی تھی، وہ تملق پرستی اور فریب کاری سے کوسوں دور تھے، ان کا ہر عمل ذاتی مفاد سے بالاتر ہوتا تھا، ان کے اندر ذوق و شوق اور تلاش و جستجو کا مادہ تھا، وہ لوگ استقلال، ثباتِ قدمی اور صبر و توکل کے پہاڑ تھے۔ آفتاب کی تمازت، دھوپ کی کلفت، پیاس کی شدت، وطن سے بعدت، اہل و عیال کی فرقت، سفر کی مشقت، مصائب کی کثرت اور وسائل کی قلت ان کو منزلِ مقصود کی طرف بڑھنے سے نہ روک سکیں

امام شافعیؒ کا یہ قول "کہ جس شخص نے دولت کے زور اور خودی کے گھمنڈ میں علم طلب کیا وہ ناکام رہے گا اور جس نے تنگدستی اور علمی وقار کے ساتھ طالب علمی کی وہ کامیاب ہوگا" ان کی پوری زندگی پر حاوی اور مسلط تھا۔ مسلسل تگ و دو اور بے پایاں محنت ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی، کیونکہ وہ لوگ حسن و خوبی جانتے تھے کہ بغیر محنت کے انسان کو کوئی بھی چیز حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہی کلید کامیابی ہے، من جدّ وجد -

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا　　روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد
خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر　　مے خانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزاد

(علامہ اقبالؒ)

یہاں اس صورتِ حال کی وضاحت کے لیے چند واقعات اپنے دعویٰ کی دلیل میں پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ ان کے علم حاصل کرنے کا طریقہ ہمارے اوپر آشکارا ہو جائے۔

امام شافعیؒ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیت کے مالک ہیں، آپ کی طالب علمی کا زمانہ نہایت عسرت اور تنگی میں بسر ہوا حتی کہ ضروری نوٹ لکھنے کے لیے کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی دستیاب نہ ہوتا تھا۔

امام مسلمؒ کا انہماک مطالعہ سبق آموز ہے آپ کسی مسئلہ کی تحقیق و تدقیق میں مصروف و مشغول ہیں۔ سامنے کھجور سے بھری ہوئی ٹوکری رکھی ہے آپ ایک ایک کر کے ٹوکری کی ساری کھجوریں کھا جاتے ہیں اور احساس تک نہیں ہوتا جس کے نتیجہ میں آپ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ مناظرِ اسلام و فاتح قادیان مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے رتبۂ جلیلہ سے شاید ہی کوئی ناواقف ہوگا۔ انھوں نے اپنا حال خود ہی بیان کیا ہے کہ "حالتِ یتیمی میں بارہ برس گذر جانے کے بعد ابتدائی کتابیں فارسی عربی کی پڑھیں، رفوگری کی اجرت سے خرچہ چلتا تھا جسے ایام تعلیم

ضرورت اور تنگی معیشت سے خود ہی انجام دینا پڑتا تھا"

یہ ہیں ہمارے اسلاف کرام کے چند حوصلہ افزا اور عبرتناک واقعات جن کے مطالعہ سے ہم کم مایہ طالب علموں
حصول علم میں دل جلانے کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

پے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

(شیخ سعدیؒ)

مذکورہ واقعات کی روشنی میں جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ کیونکہ ہمارا طرز تعلیم
مل اور معاشرت ہمارے اسلاف کرام سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ ایک طالب علم کے لئے لازم ہے کہ وہ اخلاق ذمیمہ
ہتان وافترار، چغل خوری، بغض وعناد اور حسد جیسے امراض خبیثہ سے خود کو محفوظ رکھے۔ لیکن حیف صد حیف! کہ آج
طالبان علم کی معتدبہ تعداد ان اوصاف خبیثہ سے متصف ہے جو ہرگز طالبان علم کے شایان شان نہیں۔

باوجود ان تمام خامیوں اور کوتاہیوں کے ہم میں کا ہر شخص علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیم الجوزیہؒ، امام غزالی،
شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ اور علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کہلانے کا متمنی ہے، لیکن ان لوگوں
کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے ہرگز کوشاں نہیں بلکہ راہِ انحراف پر جا پڑا ہے ؎

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

(علامہ اقبالؒ)

عصر حاضر کے طالبان علم تحصیل علم کا مقصد فلاح اخروی کے بجائے دنیا داری سمجھ بیٹھے ہیں۔ منصب اور اقتدار کے
پیچھے دوڑ رہے ہیں، تن آسانی، تعیش پسندی، غفلت شعاری ہمارا عین مقصد حیات بن چکا ہے۔ ہمارے اسلاف
کے اندر خدا ترسی، خود آگاہی اور فروتنی کا جذبہ جاگزیں تھا اور ہم خدا فراموشی اور خود فراموشی کے عادی مجرم ہیں۔
وہ لوگ رہبان باللیل اور فرسان بالنہار کی سچی تصویر تھے اور شریعت کے سچے پیرو تھے اور ہم تارک آئین
رسول مختار، وہ سراپا کردار تھے اور ہم سراپا گفتار ہیں، وہ عامل سنت تھے، اور ہماری نگاہیں طرز سلف سے بیزار ہیں
ہمارے قلب وجگر میں سوز نہیں ہے، اور روح میں احساس کا فقدان ہے ہمارے اندر قلبی افسردگی رو بہ ترقی اور

ایمان وایقان رو بہ زوال ہے۔

طالبانِ علم کے موجودہ طرزِ عمل سے مدارس کا وقار خاک میں مل گیا ہے۔ آہ! ماضی کس قدر تابناک اور حال کس قدر تاریک ہے ؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ (علامہ اقبالؒ)

آخر میں بارگاہِ ایزدی میں بصد خلوص دعا گو ہوں کہ یا الٰہ العالمین تو ہمیں اسلاف کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین ؎

عطا اسلاف کا جذب دروں کر — شریک زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر
(علامہ اقبالؒ)

سپاسنامہ

بخدمت عزت مآب جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری

مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۹۳ء بروز منگل اراکین ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف سے جناب مولانا محمد رئیس صاحب ندوی حفظہ اللہ کی زیر صدارت جامعہ کی مسجد میں اساتذۂ کرام اور طلبہ کی موجودگی میں وکیل الجامعہ جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری کو ان کے عربی زبان و ادب کی خدمات کے صلہ میں حال ہی میں صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے توصیفی سند دیئے جانے پر ایک تہنیتی مجلس منعقد ہوئی جس میں ناظم ندوۃ الطلبہ کرم اللہ چپارنی نے ایک سپاسنامہ پیش کیا جسے ھدیۂ قارئین کیا جاتا ہے :

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، أما بعد !

قال اللہ تعالیٰ : قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ۔

وقال فی موضع آخر: ولیس للإنسان إلا ما سعی ۔ وقال الشاعر ؂

بقدر الکد تکتسب المعالی
ومن طلب العلیٰ سہر اللیالی

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ نقشۂ کائنات پر جتنی تہذیبیں ابھریں اور جتنی قومیں کارزار حیات میں کامیاب ہوتی ہوئی نظر آئیں وہ سب وہی تھیں جنہوں نے تعلیم و تعلم کو اپنا بنیادی مقصد قرار دیا اور مختلف علوم کو حاصل کرنے میں پوری جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا۔ انھیں علوم میں سے ایک عربی زبان وادب کا علم ہے، اور علوم شرعیہ کے ساتھ عربی ادب کا تعلق معلوم ہے، عربی ادب میں مہارت کے بغیر قرآن وحدیث

کا سمجھنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

عربی زبان وادب میں مہارت اور اس کی خدمات کے سلسلہ میں عصر حاضر کی چند بڑی شخصیتوں میں جامعہ سلفیہ کے استاذ، سنجیدہ فکروشعور کے مالک، متوازن تجزیہ نگار اور نامور ادیب محترم جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری حفظہ اللہ کا نام بھی ہے۔

آپ کا تعلق مردم خیز سرزمین مئوناتھ بھنجن سے ہے، آپ کی ولادت ۱۹۳۹ء میں ہوئی، حفظ قرآن کے بعد فارسی وعربی کی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ مئو سے حاصل کی، پھر جامعہ فیض عام سے درجۂ عالیہ کی تکمیل کی، اور جامعہ اثریہ دارالحدیث سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے، پھر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد موصوف جامعہ سلفیہ بنارس سے وابستہ ہوئے، اور آج تک انہی کی خدمت میں مصروف ہیں، آپ نے یہیں رہ کر اپنی جملہ تصنیفی وتالیفی خدمات انجام دیں، اور جامعہ سلفیہ کو عالم اسلام میں آج جو مقام حاصل ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بعد آپ کی جہد مسلسل کا بڑا دخل ہے۔

آپ تدریسی ذمہ داری کے ساتھ ہی جامعہ کے ریکٹر، اس کے عربی مجلہ "صوت الأمۃ" کے مدیر اور شعبہ تالیف وترجمہ کے نگراں ہیں۔ متعدد علمی وادبی کتابوں کے مصنف ومترجم اور علمی وملی تنظیموں کے فعال رکن ہیں، آپ کی ہر تحریر توازن وامانت داری کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے، اور اس سے آپ کی فکری گہرائی وگیرائی کا پتہ چلتا ہے۔

آپ کی انہی خصوصیات وخدمات سے متاثر ہو کر ۱۵ راگست ۱۹۹۲ء کو صدر جمہوریہ ہند نے توصیفی سند دینے کا اعلان کیا، جس سے اراکین وطلبۂ جامعہ اور جماعت کا ہر فرد فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی تاریخی عظمتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم اپنے مشفق استاذ جناب ڈاکٹر مقتدیٰ احسن صاحب ازہری کی عظیم کامیابی پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کی علمی وادبی عظمت کے ساتھ جامعہ کی عظمت کا احساس بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ کامیابی اس ادارہ کو بھی تعمیر وترقی کی ایک خوشگوار منزل سے ہمکنار کرے گی۔

اراکین ندوۃ الطلبہ وطلبۂ جامعہ سلفیہ جامعہ کی اس پرشکوہ مسجد میں جناب ڈاکٹر ازہری صاحب کا

پرخلوص استقبال کرتے ہیں، اور دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتے ہوئے بے پناہ مسرت محسوس کرتے ہیں کہ اس تعلیمی ادارہ سے آپ کا تعلق تاسیس وسرپرستی کا ہے اور ہمیں اس پر فخر و اعتزاز ہے۔

صدر جمہوریہ ہند نے جناب ڈاکٹر صاحب کی بے لوث خدمات کے صلہ میں انعامات سے نواز کر جس دوررسی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیا ہے اس کے لئے وہ لائق ستائش ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ ان خدمات کے عوض میں انہوں نے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جو اپنے کارناموں کے باعث پہلے ہی سے معروف اور ہردلعزیز رہ چکی ہے۔ صدر جمہوریہ کا یہ دانشمندانہ اقدام بلاشبہ ہندو مسلم اتحاد، مذہبی رواداری، جمہوریت نوازی اور علمی سرپرستی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب ڈاکٹر صاحب کو جو اعزاز حاصل ہوا ہے وہ دوسرے لفظوں میں ملت کی خدمات کا سنہری موقع ہے، ہمیں امید ہے کہ ملت کو آپ کی صالح خدمات کے زیر سایہ ایک نئی زندگی ملے گی اور عوام الناس کو معلوم ہو سکے گا کہ ملت کے تقاضے کیا ہیں۔

ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ آپ کی اس عظیم کامیابی پر جس طرح جامعہ اور جماعت کا ہر فرد مسرت وشادمانی کے جذبات سے سرشار ہے اسی طرح آپ کی تحریر وتقریر سے ملت کا ہر فرد مستفید ہوتا رہے گا۔

جناب ڈاکٹر صاحب کو جس اعزاز سے نوازا گیا ہے آپ کی قدآور شخصیت اور بے لوث خدمات اس سے بہت بالاتر ہیں، آپ کے لئے سب سے بڑا اعزاز یہی ہوگا کہ آپ کے علمی کارنامے اور ملی تجربات سے روشنی حاصل کی جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تا دیر آپ کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر باقی رہے، اور آپ کی ذات سے ہم تمام طلبہ اور پوری ملت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچے۔

اے اللہ! اپنے دین کی حفاظت کے لئے ایسے ہی باصلاحیت افراد کو پیدا کر اور آپ کے قلم میں توانائی واستحکام عطا فرما۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

پیش کردہ: مکرم اللہ احمد حسین چمپارنی، ناظم ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ، بنارس

انتخاب و ترجمہ
مولانا عزیز الرحمٰن سلفی

بابُ الفتاویٰ

سوال ــــــ نماز ادا کرتے وقت میرا ذہن منتشر رہتا ہے ادھر ادھر کے خیالات دل میں آیا کرتے ہیں اور مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ میں نے کیا پڑھا ہے سلام پھیرنے کے بعد نماز کا اعادہ کرتی ہوں تو پھر وہی حال ہوتا ہے۔ تشہد اولیٰ بھول جاتی ہوں، رکعتوں کی تعداد یاد نہیں رہتی اس کی وجہ سے میرے اضطراب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اللہ کا خوف دل میں سما جاتا ہے پھر میں سجدہ سہو کر لیتی ہوں۔ آپ میرے اس معاملہ کا تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

جواب ــــــ وساوس شیطان کی جانب سے ہوتے ہیں، آپ کے لئے ضروری ہے کہ نماز توجہ سے پڑھیں، دل لگائیں اور اس اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں کہ آپ کو معلوم ہو کیا پڑھا اور کتنا پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قد أفلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون۔ (وہ مومن کامیاب ہیں جو اپنی نماز میں خشوع قائم رکھتے ہیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنی نماز کی ادائگی اطمینان سے نہیں کر رہا تھا ارکان نماز کی ادائگی ٹھیک طور سے نہیں کر رہا تھا آپ نے اس کو اعادہ کا حکم دیا۔ اور فرمایا نماز کے لئے کامل وضو کر کے کھڑے ہو استقبال قبلہ کرو اور اللہ اکبر کہو اور قرآن کا جو حصہ آسان لگے اس کی قرات کرو، پھر رکوع کرو اور پوری طرح اطمینان کر لو پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو اور سجدہ میں اطمینان کر لو پھر سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر پورے اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر اسی طرح اپنی پوری نماز ادا کرو۔

اگر آپ کو یہ علم ہو جائے گا کہ آپ نماز میں اللہ کے روبرو کھڑی ہیں اور آپ اس سے سرگوشی کر رہی ہیں تو آپ کی نماز میں اس سے خشوع پیدا ہوگا آپ کی توجہ نماز میں ہوگی، شیطان دور بھاگے گا اور آپ اس کے وسوسہ سے محفوظ رہیں گے۔ اگر نماز میں آپ کے دل میں وسوسے زیادہ آنے لگیں تو تین مرتبہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر بائیں جانب تھتکھا لیں (پھونک ماریں) انشاء اللہ اس سے آپ کے دل کے وسوسے ختم ہو جائیں گے۔ بعض صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ شیطان ان کی نماز میں التباس پیدا کر دیتا ہے تو آپ نے ان کو اسی طرح کا حکم دیا۔

وسوسے کی وجہ سے آپ کو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اگر نماز میں کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جس سے سجدہ سہو

لازم آتا ہو تو سجدہ سہو کریں، مثلاً سہو کی وجہ سے تشہد اول چھوڑ دیں یا رکوع و سجود کی تسبیح بھول جائیں اور اگر آپ کو تعداد رکعت میں شک ہو جائے مثلاً ظہر میں کہ آپ نے تین رکعت پڑھی یا چار تو آپ اس کو تین رکعت مان کر نماز مکمل کر لیں۔ اور سلام سے پہلے سجدہ سہو کریں۔ اور مغرب میں دو اور تین شک ہو جائے تو اسے دو رکعت مان کر نماز مکمل کر لیں۔ پھر قبل السلام دو سجدہ سہو کریں۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے اور اپنی رضامندی کے مطابق عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

سوال — نوجوان پردہ دار عورت جو شرعی لباس کا التزام رکھتی ہو چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ پورا جسم چھپائے رکھتی ہو اگر اس کی خواہش ہو کہ تمام وقت کی نماز مسجد میں ادا کرے گی تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے و کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہمیشہ مسجد میں جا سکتی ہے ؟

جواب — عورت اگر شرعی پردہ کرتی ہے، اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں چھپائے رکھتی خوشبو استعمال نہیں کرتی بے حجابی نہیں کرتی ہے تو مسجد میں نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ لیکن اس کا گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے: وبیوتہن خیر لہن (ان کا گھر ان کے لئے بہتر ہے)

سوال — لوگوں کے لئے اجرت پر قرآن پڑھنے کا کیا حکم ہے جواب سے نوازیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے ؟

جواب — اگر لوگوں کو تعلیم دینا اور ان کو حفظ کرانا مقصود ہے تو اجرت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں علماء کی صحیح رائے یہی ہے کیوں کہ صحیح حدیث میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ سانپ کے ڈسے ہوئے شخص پر متعینہ اجرت کے بدلے میں قرآن پڑھا گیا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: تم جن چیزوں پر اجرت طلب کرتے ہو ان میں سب سے بہتر چیز اللہ کی کتاب ہے یہ حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہے، ہاں اگر آپ کی مراد کسی مناسبت میں قرآن کی تلاوت کرنا اور اجرت لینا ہے تو یہ ہرگز جائز نہیں ہے، ابن تیمیہؒ کا بیان ہے کہ اس کی حرمت کے سلسلہ میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔

جلد/۱۱ | صفر ۱۴۱۴ھ | اگست ۱۹۹۳ء | ہ ۸/

مدیر

الوہاب حجازی

پتہ

تالیف والترجمہ

ی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

دلِ اشتراک

۴۰ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

رہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے
ی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

اس شمارہ میں

۱۔ درس قرآن	مولانا اصغر علی سلفی	۲
۲۔ درس حدیث	" " "	۴
۳۔ افتتاحیہ	مدیر	۶
۴۔ مراسلہ بنام ایڈیٹر صاحبان	مولانا محمد یونس مدنی	۱۰
۵۔ وکالتِ صفائی سے متعلق ایک اچھوتا فلسفہ	جناب حافظ صلاح الدین یوسف	۱۲
۶۔ غلو، ایک ناسور	عبدالمعین سلفی ندوۃ السنۃ	۱۷
۷۔ مذہب اسلام میں مذہب بریلویت کا وجود	مولانا حبیب الرحمن مالدہی	۲۲
۸۔ فتاویٰ علامہ ابن باز حفظہ اللہ	ترجمہ: مولانا عزیز الرحمن سلفی	۲۷

درس قرآن بسم اللہ الرحمن الرحیم اصغر علی سلفی

سود کی لعنت

یاأیها الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسوله وان تبتم فلکم رؤس أموالکم لا تظلمون ولا تُظلمون۔

ترجمہ! اے مومنوں اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ کرو اور اگر تم توبہ کر لیتے ہو تو تمہارے لئے تمہارا اصل راس المال ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل عام ہے اسی لئے اس نے انسانوں کی بھلائی اور فوز و فلاح کے لئے بے شمار چیزیں پیدا کیں ہیں۔ اور انسان کی ترقی اور اس کے عروج کے لئے بے شمار حلال ذرائع و وسائل مہیا فرمائے ہیں۔ اور دنیا کی اکثر چیزوں کو اس کے لئے حلال قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی بعض چیزوں کو حرام گردانا ہے انہی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے ایک سخت حرام چیز ربا اور سود ہے جسے شریعت اسلامیہ نے گناہ کبیرہ قرار دے کر اس کے مرتکبین کو سخت دنیوی واخروی عذاب کی دھمکی دی ہے اور اس کی قباحت و شناعت اتنی زیادہ ہے کہ اس کے لینے اور دینے والوں کے ساتھ ساتھ اس کو لکھنے اور اس پر گواہ رہنے اور اس سلسلے میں ملوث تمام افراد کو لعنت الٰہی کا مستحق قرار دیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لعن اللہ آکل الربا وموکله وشاهدیه وکاتبه" اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے سود کھانے والے اور اس کے کھلانے والے پر اور اس پر گواہ رہنے والوں اور لکھنے والے پر" ایک اور طویل حدیث میں مروی ہے جس میں بعض معذبین کا ذکر ہے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک نہر جس کا پانی خون کی طرح سرخ ہے اور نہر میں ایک شخص تیر رہا ہے اور ایک دوسرا شخص نہر کے کنارے بہت سے پتھروں کو اپنے پاس جمع کئے ہوئے ہے۔ جب تیرنے والا شخص ساحل کے قریب ہونا چاہتا ہے

کہ کنارے پر بیٹھا ہوا شخص اس پر پتھروں سے حملہ آور ہو کر اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے یہ انسان سود خوار ہے جس کو اس قسم کا عذاب دیا جارہا ہے۔ نیز اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: الذین یاکلون الربا الآیۃ۔ اور وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے قیامت کے روز مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے چھو کر کے مجنوں اور خبط الحواس بنا دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ تعالی نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا ہے تو جس شخص کو اپنے رب کی طرف سے نصیحت پہونچے اور وہ اس سے رک جائے تو جو کچھ پہلے لے لیا ہے وہ اس کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ تعالے کے سپرد ہے اور جو لوگ پھر سود لیں تو یہی لوگ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہنے والے ہیں۔

الغرض سود خوار انسان اللہ تبارک وتعالی کا سخت نافرمان اور نافرجام انسان ہے۔ اللہ تبارک وتعالے نے حلال طریقہ سے جو اس کے لئے مقدر فرمادیا ہے اس پر راضی نہ رہ کر لوگوں کا مال باطل طریقے سے حاصل کرنے پر کوشاں ہے اور ناجائز ذریعے سے نجس، خبیث اور حرام مال کے پیچھے لگا ہوا ہے اسی لئے اللہ تبارک وتعالی نے سود کی برکت کو ختم کر دیا ہے۔ اور صدقات وخیرات میں برکت دے رکھی ہے۔ اور ہر ناشکر اور گناہ گار انسان اللہ تبارک وتعالی کو ناپسندیدہ ہے: "واللہ یمحق الربا ویربی الصدقات واللہ لایحب کل کفار اثیم۔"

درس کی آیات میں مومنوں کو سود کے سلسلے میں اللہ تعالی سے ڈرنے کی تلقین کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر واقعی تم مومن ہو تو بقیہ سود کو لینا چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہیں کرتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ کرو۔ یہ آیات کریمہ بنی عمرو بن عمیر ثقفی اور بنی مغیرہ المخزومی کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔ یہ لوگ دور جاہلیۃ میں آپس میں سودی کاروبار کرتے تھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن بنو ثقیف نے اسلام لانے کے باوجود بنی مغیرہ سے سود کا مطالبہ کیا جس پر بنی مغیرہ نے باہمی مشاورت کے بعد کہا کہ ہم اسلام میں سود نہیں دیں گے۔ چنانچہ عتاب بن اسید جو مکہ مکرمہ کے امیر تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکھ بھیجا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ لوگ سود لینے اور دینے سے باز آگئے۔ اور یہ وعید شدید سنائی گئی۔ قرآن پاک میں جو وعیدیں مذکور ہیں۔ اس میں سخت ترین وعید اس آیت میں سودی کاروبار کرنے والوں کے لئے ہے۔ چنانچہ حسن اور ابن سیرین فرماتے ہیں کہ سود کھانے والے اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ کرنے والے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس حدیث

اصغر علی سلفی

کبر و غرور کی مذمت

عن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر، ولا یدخل النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من ایمان۔" (رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر کبر و غرور ہوگا۔ اور وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

اس حدیث پاک میں تکبر و غرور اور گھمنڈ کی مذمت بیان کی گئی ہے اور کبر و غرور انسان کے اند اعجاب بالنفس، خود پسندی اور خود رائی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے انسان اپنے رب کے مقابلے میں تکبر کرتے ہوئے حق کے قبول کرنے سے باز رہے۔ انسان کا یہ تکبر اور زیادہ قبیح اور عظیم گناہ ہے اور کیا نہ ہو کہ متکبر اور متعال ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ صفت جلیل اسی کے شایان شان ہے۔ اب کوئی بندہ حقیر اس سے متصف ہونے کا مظاہرہ کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں ساجھی و شریک بن کر اس کے ردائے عظمت میں بٹہ لگانا چاہتا ہے، اس لئے ایسا انسان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور دنیا و آخرت میں بندۂ ذلیل و خوار۔

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

تاریخ انسانیت کے ساتھ سب سے پہلا واقعہ عزازیل کا ہے جو اللہ کا ایک مقرب بندہ تھا لیکن جب اس کو خود رائی کی سوجھی تو "خلقتنی من نار، وخلقتہ من طین" اے اللہ تم نے مجھے آگ سے

پیدا کیا۔ اور آدم کو مٹی سے۔ بھلا آگ مٹی کا کیوں کر سجدہ کرنے لگا؟ کا نعرہ لگاتے ہوئے حکم ربانی سے سرتابی کر گیا اور اسی تکبر کے نتیجے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار و راندۂ درگاہِ الٰہی ہوا۔ اور تاریخ عالم شاہد ہے کہ جب جب قوموں اور افراد کے اندر کبر و غرور کا مادہ پیدا ہوا تو وہ ذلیل و خوار ہوئے فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اور نمرود کا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اور قارون و ہامان کے تکبر کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ دور کیوں جائیے معرکۂ حنین کا معاملہ آپ کے سامنے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس جہاد میں شریک ہیں لیکن مسلمانوں میں تکبر و خود رائی کا آنا ہے کہ ایک کمزور دشمن کے مقابلے میں ان کا ٹڈی دل لشکر پسپا و شکستہ ہوتے ہوتے بچا۔ جب کہ اس سے قبل کتنے ہی معرکے ایسے گذرے جن میں مٹھی بھر صحابۂ کرام نے ٹڈی دل لشکروں کو ہزیمت اور شکست و ریخت سے دوچار کر دیا۔ ارشاد الٰہی ہے " ویوم حنین اذ اُعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئًا وضاقت علیکم الأرض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔ (التوبۃ)

اور رہا آخرت کا معاملہ تو وہ اور زیادہ سخت اور مشکل ہے کیوں کہ مغرور و متکبر کے لئے جنت کو گویا حرام کر دیا گیا ہے۔ اس درس کی حدیث سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ متکبر انسان کو جنت نصیب نہیں ہوگی۔ لیکن محققین علماء کا قول ہے کہ اگر تکبر کرنے والا شخص موحد ہے تو اپنے کئے کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہوگا گویا اس کو دخول اولین دیگر مومن صادقین کے ساتھ نہیں ہوگی۔ اور دوسرے جملے سے پتہ چلتا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ وہ جہنمی نہیں ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ متکبر آدمی ایمان سے عاری ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے۔ اور یہی صحیح بات ہے۔

اللہ تبارک و تعالے ہمیں صفت حلم و بردباری و تواضع و انکساری سے نوازے اور کبر و غرور اور تکبر جیسے رذیل اور ایمان سوخت اعمال سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

افتتاحیہ

طلاق ثلاثہ سے متعلق

جماعت اہلحدیث کے موقف پر خلجان

ایک وقت میں دی گئی تین طلاق ایک ہی طلاق رجعی مانی جائے گی اور رجوع کر لینے کے بعد دونوں پہلے ہی کی طرح میاں بیوی باقی رہیں گے، اس اصل شرعی پر عامل جماعت اہل حدیث کے ایک ذیلی ادارہ المجلس العلمی دہلی کا ایک فتویٰ ایک استفتاء کے جواب میں ۲۱ رمئی کے جریدہ ترجمان دہلی میں شائع ہوا تھا، اس مسئلہ سے متعلق اہل حدیث دارالافتاؤں اور علمی اداروں میں سال بھر اس کثرت سے مسلم معاشرہ کے مختلف حلقوں سے سوالات اور مقدمات آتے ہیں کہ تکرار عمل سے بچنے کے لئے کئی اداروں نے اس موضوع کا فتویٰ چھپوا لیا ہے اور سوال آنے پر اسی کو فی الفور ارسال کر دیا جاتا ہے، یہاں اگر میں اتنا مزید عرض کر دوں تو بے جا نہ ہوگا کہ اس موضوع کے اکثر سوالات و مقدمات حنفی حلقہ سے آتے ہیں اور اس موضوع سے متعلق لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں کی رحمت خیز ٹھنڈی چھاؤں میں اپنی عزت و حرمت کی پاسبانی پا کر لاکھوں پانے کا احساس لئے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں، خود جریدہ ترجمان میں سال بھر اس موضوع پر متعدد بار فتاوے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ۲۱ رمئی کے فتوی کے لئے اس قدر شہرت اور پذیرائی مقدر ٹھہری کہ تا دم تحریر تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گذر رہا ہے اور آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن نشریہ کے ساتھ تمام ذرائع ابلاغ ہندی، انگریزی اور اردو وغیرہ صحافت میں اس موضوع پر مضامین کی ایک لہر چل پڑی ہے اور عمومی طور پر سب نے جس میں مسلمان اور غیر مسلم خواتین کے ساتھ یونیورسٹیز کے پروفیسران وکلاء اور اصلاح پسند صحافی شامل ہیں اس مسئلہ سے متعلق اہلحدیث نقطۂ نظر کو کھل کر سراہا ہے۔ اگرچہ اس عمومی لہر میں بعض لوگوں نے اپنی لہریں بھی ملا کر چھوڑی ہیں مثلاً یہ کہنا کہ اہلحدیث نقطۂ نظر سے اب ایک دفعہ کی تین

طلاق واقع ہی نہیں ہو گی اور ۵؍جولائی کی ایک اخباری رپورٹ کے مطابق گوہاٹی ہائی کورٹ نے اہلحدیث فتوی کے مطابق ایک مقدمہ میں تین طلاق کو کالعدم قرار دیا ہے یا یہ کہ اب جماعت اہلحدیث کو کئی بیویاں رکھنے پر پابندی اور بچہ گود لینے کی اجازت پر بھی غور کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی باتیں زبردستی جماعت کے منہ میں ڈالنے کے مرادف ہیں، ان کوششوں کے علی الرغم یہ امر خوش آئند ہے کہ بالعموم مسلم خواتین کی عزت وعفت اور مسلم خاندانوں کے دینی وقار و حرمت کے تحفظ کے ساتھ دین اسلام کے ایک ثابت ومحکم اصول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رحمت خیز سنت صحیحہ ثابتہ کے تذکرے بھارت کے طول وعرض اور اہل بھارت کے گھر گھر میں ہو رہے ہیں۔ ہم اللہ مسبب الاسباب سے اس کی امید رکھتے ہیں اور شب وروز اس کے لئے دعا گو ہیں کہ وہ اسلام کی عائلی، اخلاقی، سیاسی، اقتصادی اور اعتقادی تعلیمات کو عام اہل بھارت کے لئے مانوس بنا دے۔

اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ اس وقت عالم اسلام کے بہت سے اسلامی ممالک اہل حدیث ہی کا نقطۂ نظر سرکاری طور پر اپنائے ہوئے ہیں خود ہمارے ملک بھارت میں طلاق ثلاثہ کے موضوع پر آغاز نومبر ۱۹۷۳ء میں اسلامک ریسرچ سینٹر احمد آباد گجرات کے اہتمام میں ایک سیمینار مختلف مسالک کے علماء پر مشتمل منعقد کرایا گیا تھا جس میں علماء احناف میں سے مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا سید حامد علی اور مولانا سید عروج احمد قادری جیسے افاضل شریک تھے، سیمینار کے مشترکہ اعلامیہ میں اہلحدیث نقطۂ نظر کی حمایت وتائید بالکل واضح ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے متعلق شوہر اگر کہے کہ اس کی نیت ایک طلاق کی تھی تو اسے ایک ہی مانا جائے گا، نیز اس بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقلدین کا نقطۂ نظر اجماعی وقطعی نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں سلف سے اختلاف چلا آرہا ہے، اسی کے ساتھ اس مسئلہ سے متعلق احناف کے ذریعہ طلاق ثلاثہ کی تنفیذ، عورت مرد کی قطعی تفریق یا پھر مروجہ حلالہ کے ملعون غیر شرعی، غیر عقلی اور غیر فطری دستور کی پابندی سے گھبرا کر مسلم عوام کا عزت وعفت کی راہ کی تلاش میں سنت صحیحہ کے دامن میں نہایت کثرت سے پناہ گزیں ہونا، یہ سارے امور نہایت واضح اشارے بلکہ کھلے آرڈر ہیں کہ اہل تقلید کو حلالہ کے ملعون اور عزت وعفت فروش راستہ کو ترک کر کے سنت صحیحہ محمدیہ کے عزت وعصمت کے پاسبان طریقہ پر کاربند ہو جانا چاہئے جس راہ کے پیرو بڑے بڑے تابعین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں حبر الاُمت

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت مذکور ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پورے عہد میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سالوں یا تین سالوں میں ایک وقت کی تین طلاق ایک ہی تسلیم کی جاتی تھی ، اس حدیث صحیح سے صاف واضح ہے کہ اسلام کا اصول ثابت اور رسولؐ کی سنت صحیحہ ہی ہے ، اور دین قرآن وسنت ہی کا نام ہے ، ان کے مقابل کسی امتی کا قول حجت شرعی نہیں ہے ۔ اور مروجہ حلالہ سے متعلق صحیح حدیثوں میں مذکور ہے کہ حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے پر اللہ کی لعنت ہے اور رسول کی بھی لعنت ہے ، زبانِ رسالت مآب نے حلالہ کرنے والے کو مانگا ہوا بکرا کہا ہے ۔ صحابیٔ رسول ابن عمر کہتے ہیں ہم لوگ حلالہ کو زنا سمجھتے تھے اور عمر فاروق کا اعلان تھا کہ حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے کو میرے پاس لایا گیا تو میں انھیں رجم کرادوں گا ۔

ان ساری باتوں کے باوجود ۴ر جولائی کے اخبارات میں ہمیں محترم مولانا اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علماء ھند کی ایک پریس کانفرنس کی رپورٹ پڑھنے کو ملی ، کانفرنس میں مولانا کے ساتھ مفتی دارالعلوم دیوبند کے علاوہ مزید مفتیوں کی ایک ٹیم تھی ، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے لیٹر پیڈ پر چھ صفحات پر مشتمل ایک فتویٰ بھی صحافیوں میں تقسیم کیا گیا ، اپنے مسلک کے اظہار وبیان کا ہر شخص کو حق ہے خواہ وہ کیسا بھی ہو ، البتہ ہمیں شکوہ اس لئے ہے کہ فتوی میں جماعت اہلحدیث پر کھلی چوٹ کی گئی ہے ۔ فتویٰ کو جمہور ائمہ سلف وخلف کا فیصلہ قرار دیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے ، اور مذکورہ بالا سیمینار کے مشترکہ اعلامیہ کے بھی خلاف ہے ، فتوی میں کہا گیا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ ملت اسلامیہ ہند اپنی جان ومال عزت وشریعت کے بارے میں انتہائی تشویش ناک صورت حال سے دوچار ہے اس مسئلہ کو چھیڑ کر اسلام اور مسلمانوں کے یہ نادان دوست ملت اسلامیہ کی نامعلوم کون سی خدمت انجام دے رہے ہیں ، مسلک اہلحدیث کے حامیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ درحقیقت یہ لوگ اپنے اس غلط رویے سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو تقویت پہونچا رہے ہیں ۔ میں اپنے ان مفتیان کرام سے نہایت احترام سے پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں کے فتوی طلب کرنے پر سنت صحیحہ ثابتہ کے مطابق فتوی دیدینا اور اسے اپنی کتابوں اور جرائد ومجلات میں شائع کردینا اگر غلط رویہ ہے اور اہلحدیث بالفرض آپ کے فرمان عالی شان کے مطابق اس غلط رویہ سے باز آجائیں تو آپ کے طلاق ثلاثہ کی جبری وناجائز تنفیذ اور حلالہ کے کاروبا

تحریر گری سے دشمنوں کو تقویت پہونچے گی یا اسلام کو ترقی اور مسلم معاشرہ کو امن وچین ملے گا؟ مجھے بہت دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت اہلحدیث المعروف قرآن اور احادیث صحیحہ اور سنت ثابتہ کی اشاعت تبلیغ کرے تو وہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے والی اور دشمنوں کو تقویت پہونچانے والی جماعت کہنے میں مولانا سید اسعد مدنی حفظہ اللہ جیسے باشعور لوگ بھی کچھ حیا نہیں دیکھتے جب کہ ہم اس بات کے اچھالنے کو بھی اپنے اصول کے خلاف سمجھتے ہیں کہ مولانا مدنی ہی کے دور مسعود میں دار العلوم دیوبند دو ٹکڑوں میں منقسم ہو گیا اور جمعیۃ علماء ہند تین ٹکڑوں میں، کیا یہ مسلمانوں میں تفریق نہیں یا اس کے ذریعہ دشمنوں کو تقویت نہیں پہونچی

مسئلہ زیر بحث سے متعلق مولانا مدنی کا رویہ بلکہ موقف اخباری رپورٹ کے مطابق نہایت متذبذب بلکہ متضاد ہے، ایک طرف مولانا مدنی کا یہ دعوی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی، اور تین طلاقوں کے بعد میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، اس کے ساتھ ہی پریس کانفرنس کے دوران مولانا مدنی نے تسلیم کیا کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاق کے نظریے پر اختلاف ہو سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر جاری کردہ فتوی کو جمہور ائمہ سلف وخلف کا فیصلہ قرار دینا کہاں تک درست ہوگا۔ ساتھ ہی مولانا مدنی نے دوران کانفرنس یہ بھی تسلیم کیا کہ اس نظریے کو خواتین کے لئے غیر منصفانہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن پھر بھی یہ طریقہ درست ہے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ہے"، یہ امر کسی بھی باشعور انسان کے لئے موجب حیرت ہے کہ ایک نظریہ غیر منصفانہ بھی ہو سکتا ہو اور وہ درست، عادلانہ اور مطابق شریعت بھی ہو، این چہ بوالعجبی ست ہے، جبکہ اللہ نے قرآن مجید میں اپنے کلام واحکام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے، اور پوری امت کا یہی اعتقاد بھی ہے کہ:

"وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا (الآیۃ) تیرے رب کے کلمات واحکام صداقت وعدل میں بالکل کامل ہیں۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ مولانا مدنی اس متذبذب اور متضاد موقف ونظریے کے ذریعہ دشمنوں کو کون سی زک پہونچا رہے ہیں، اور اسلام اور مسلمانوں کی کون سی تعمیری، پائیدار، معتدل اور تعمیری خدمت انجام دے رہے ہیں؟

مراسلہ بنام ایڈیٹر صاحبان

روزنامہ آوازِ ملک و قومی مورچہ

مکرمی ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عرض ہے کہ موقر روزنامہ قومی مورچہ کی ۴ر جولائی ۹۳ء کی اشاعت میں جماعت اہل حدیث کے متعلق امیر الہند مولانا اسعد مدنی صاحب کا ایک بڑا دل آزار بیان شائع ہوا ہے، معلوم نہیں اس نوعیت کے غیر ذمہ دارانہ بیان کی اشاعت کے پیچھے کیا مقصد کارفرما ہے؟ ابھی چند روز کی بات ہے کہ ہم لوگ مختلف مسلک کے مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق کے لئے واویلا کر رہے تھے، اور آج اس نوعیت کے بیانات جاری کر رہے ہیں کہ جن میں الزام تراشی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

کیا مولانا اسعد مدنی جماعت اہل حدیث کو یہ حق بھی نہیں دینا چاہتے کہ وہ اپنے پرچہ میں اپنے فتویٰ کی اشاعت کر سکے؟ جمعیۃ اہل حدیث نے نہ تو کوئی نیا فتویٰ جاری کیا تھا، اور نہ ہی کسی کے مسلک پر کوئی حملہ کیا تھا، اس کا "جرم" صرف یہ تھا کہ اس نے ایک مجلس کی تین طلاقوں سے متعلق اپنے قدیم فتوے کی اشاعت کردی تھی، اور یہ اشاعت بھی نئی نہ تھی، جمعیۃ اہل حدیث کے دفتر سے اور خود ہمارے جامعہ سلفیہ سے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اس نوعیت کے فتوے شائع ہوتے رہے ہیں اور اب تک ہو رہے ہیں، اور خود حنفی مسلک رکھنے والے افراد آکر یہ فتویٰ لے جاتے ہیں، ایسی صورت میں جماعت اہل حدیث یا اس کے علماء پر مولانا اسعد مدنی صاحب کی طرف سے انتشار پھیلانے کا الزام ایک دل آزار حرکت اور جارحانہ ونامناسب ردعمل کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

امیرالہند نے جماعت اہل حدیث پر انتشار پھیلانے کا جو الزام لگایا ہے اس کے پیش نظر کوئی پوچھ سکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء کے اندر جو تقسیم رونما ہوئی ہے کیا اس میں بھی جماعت اہل حدیث کا ہاتھ ہے؟ اور کیا بابری مسجد کے تعلق سے جو مختلف تنظیمیں مسلمانوں کی قیادت کا دعوی کر رہی ہیں اس میں بھی جماعت اہل حدیث ہی کا دخل ہے؟ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک ذمہ دار شخص ایک معتبر جماعت کو ملک کے موجودہ حالات میں اس طرح مطعون کر رہا ہے، اور کوئی شخص اس کے خلاف صفائی کے دو لفظ کہنے والا نظر نہیں آتا۔

اس مراسلہ کے ذریعہ ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں سے متعلق جماعت اہل حدیث کا فتوی قرآن وحدیث اور عصر نبوی، عصر صدیقی اور عصر فاروقی کے ابتدائی دور کے تعامل کے مطابق ہے، اس موضوع پر جامعہ سلفیہ نے ایک کتاب بھی "تنویر الآفاق" کے نام سے شائع کی ہے جو بڑے سائز کے آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، جسے مسئلہ کی حقیقت سمجھنا ہو، وہ اس کتاب اور موضوع کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کر سکتا ہے، اور اگر چاہے تو جامعہ سلفیہ یا جمعیۃ اہل حدیث کے دفتر میں آکر تسلی کر سکتا ہے تاکہ اس کو معلوم ہو سکے کہ علماء کا اتفاق کس بات پر ہے، قرآن کے سلسلہ میں کس کو غلط فہمی ہے اور کس نے اسے سمجھنے میں غلطی کی ہے؟ دوسرے انتشار یا پسپائی وغیرہ کے الزامات عائد کرنا نہ اسلام کے مطابق ہے نہ موجودہ حالات کے، اس لئے ہماری گذارش ہے کہ امیرالہند صاحب اور دوسرے حضرات اپنی ذمہ دارانہ حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیانات دیں، اور اتحاد بین المسلمین کے اپنے دعوی کی اپنے بیانات سے دھجی نہ بکھیریں۔

والسلام

(محمد یونس مدنی)
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

ہمارا مطالعہ آپ کے لئے

وکالت صحابہ سے متعلق ایک انوکھا فلسفہ

ہمارے پچھلے بیشتر علماء مشاجرات صحابہ پر لکھتے ہوئے بہت کچھ تامل کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں اس موضوع پر بہت کم مواد ملتا ہے۔ البتہ بعض حضرات نے ضرور اس موضوع پر اس وقت خامہ فرسائی کی ہے جب صحابہ کرام پر شیعہ حضرات کی طرف سے شدید نوعیت کے الزامات لگائے گئے۔ جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایک غالی شیعہ کے رد میں چار ضخیم جلدوں میں "منہاج السنۃ" تحریر فرمائی، شاہ عبدالعزیز نے "تحفہ اثنا عشریہ" اور قاضی ابوبکر ابن العربی نے "العواصم من القواصم" جیسی بے نظیر کتاب تحریر فرمائی۔ ان بزرگوں نے شیعیت کے تمام تار و پود بکھیر کر رکھ دیے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں صحابہ کرام کی طرف سے ایسا پر زور دفاع کیا ہے کہ شاید و باید، بالخصوص شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی "منہاج السنۃ" تو اس موضوع پر ایک مینارۂ نور ہے جس سے قیامت تک صحابہ کرام کی طرف سے مدافعت کا نیک فریضہ انجام دینے والے حضرات اکتساب نور کرتے رہیں گے۔ ان بزرگ حضرات کی یہ کوشش دین کی ایک بہت بڑی خدمت اور پوری امت مسلمہ پر احسان عظیم اور ان کے لئے ایک نمونہ ہے۔ لیکن مولانا مودودی صاحب نے مذکورہ بزرگوں کی ان جلیل الشان خدمات کا جس انداز سے ذکر فرمایا ہے اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے صحابہ کرام کی طرف سے مدافعت کا جو فریضہ سر انجام دیا وہ کوئی دین کی ایسی خدمت نہیں ہے جس سے ان کی تحسین کی جائے یا انہیں ان کی خدمات کی بنا پر خراج تحسین پیش کیا جائے۔ اس سلسلے میں مولانا نے جو گوہر افشانی فرمائی ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے، ملاحظہ ہو

مولانا نے ان سے اختلاف نہیں بلکہ ان پر سخت ظلم کیا ہے، چنانچہ مولانا لکھتے ہیں۔

"میں نے قاضی ابوبکر ابن العربی کی العواصم من القواصم، امام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اثنا عشریہ پر انحصار کیوں نہ کیا۔ مجھے ان بزرگوں کا نہایت عقیدت مند ہوں اور یہ بات میرے حاشیہ خیال میں کبھی نہیں آئی کہ یہ لوگ اپنی دیانت و امانت اور صحت تحقیق کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں ہے، لیکن جس وجہ سے اس مسئلے میں میں نے ان پر انحصار کے بجائے براہ راست اصل ماخذ سے خود تحقیق کرتے اور اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ ان تینوں حضرات نے دراصل اپنی کتابیں تاریخ کی حیثیت سے بیان واقعات کے لئے نہیں بلکہ شیعوں کے شدید الزامات اور ان کی افراط و تفریط کے رد میں لکھی ہیں جس کی وجہ سے عملاً ان کی حیثیت وکیل صفائی کی سی ہوگئی ہے۔ اور وکالت خواہ وہ الزام کی ہو یا صفائی کی، اس کی عین فطرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدمی اسی مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہو اور اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے، خصوصیت کے ساتھ اس معاملے میں قاضی ابوبکر تو حد سے گذر چکے ہیں جس کوئی ایسا شخص اچھا اثر نہیں لے سکتا جس نے خود بھی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو،" ص (۳۲۰)

مولانا کی اس نرالی منطق کا دوسرے لفظوں میں یہ مفہوم ہوا کہ اسلاف کے پورے ذخیرۂ علمی کو جانچنے کے لئے کہ وہ صحیح ہے یا غلط قرآن و حدیث معیار نہیں، بلکہ اصل معیار یہ دیکھنا ہے کہ ان علماء نے یہ کتابیں فرق باطلہ کی رد میں لکھی ہیں یا خود سے بطور اثبات لکھی ہیں، اگر وہ باطل کے رد میں لکھی گئی ہیں تو گویا انہوں نے حق کی وکالت کی ہے۔ اب ایسی تصنیفات میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ ان کا مواد قرآن و حدیث کے مطابق ہے یا نہیں! محض اس بنا پر کہ انہوں نے باطل کے شدید الزامات کے جواب میں حق کی وکالت کی ہے اور وکالت کی عین فطرت میں آدمی اسی کے مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہے، اور اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے، اسی لئے ان علماء کی تمام ایسی تصنیفات کو نظر انداز کر دیا جائے گا چاہے وہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہوں۔

مولانا پر اس استدلال کی غلطیت بہت ... غور فرما لیتے تو ایسی بات کبھی نہ کہتے واضح بات ہے کہ ہمارے اصل معیار قرآن و حدیث ہیں۔ جو مسائل ان کے مطابق ہوں گے چاہے ان کا اثبات کسی کو ... کے شبہات ... سمجھتے ہوئے کسی کی وکالت کرتے ہوئے کیا ہو یا کسی اور طریقے سے ان چیزوں سے اصل حقائق

پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مولانا مذکورہ بزرگوں کے متعلق اگر یہ ثابت کرتے کہ وہ باطل کا رد کرتے ہوئے خود بھی باطل کا شکار ہو گئے۔ اور قرآن و حدیث سے دور نکل گئے پھر تو ان کی تصانیف کو رد کرنے کی معقول وجہ تھی لیکن جب واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس پر موضوع پر قرآن و احادیث صحیحہ کو ہی تمام تر مدار دلیل بنایا ہے تو اس لغو اصول کی رو سے ہم کیوں کر انھیں گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔

پھر اس لغو اصول کو ذرا اور وسعت دیکر دیکھئے کہ اس طرح امام ابن تیمیہ کا وہ تمام ذخیرہ علمی ،، دفتر بے معنی ہو کر رہ جائے گا جو ہمارے لئے مایہ افتخار اور وراثت اسلاف کا بیش قیمت سرمایہ ہے ۔ امام ابن تیمیہ کی بیشتر تالیفات اسی انداز کی ہیں کہ ان میں اثبات کے بجائے منفی پہلو غالب ہے یعنی وہ اکثر گمراہ فرقوں کے رد میں لکھی گئی ہیں۔ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح عیسائیوں کے الزامات اور ان کی افراط و تفریط کے رد میں لکھی گئی ہیں "رد المنطقیین"۔ اور اس موضوع پر دوسری اور کتابیں فلاسفہ و متکلمین کے رد میں لکھی گئی ہیں،" اقتضاء الصراط المستقیم و کتاب التوسل وغیرہ پرستاران شرک و بدعت کے رد میں لکھی گئی ہیں اسی طرح ان کی دیگر تالیفات ہیں جو دیگر گمراہ فرقے۔ جہمیہ۔ قدریہ معتزلہ وغیرہ کے الزامات اور ان کی افراط و تفریط کے رد لکھی گئی ہیں۔ کیا یہ سارا بیش قیمت ذخیرہ ہم محض اس بنا پر ناقابل استعمال قرار دیں گے کہ یہ تمام کتابیں باطل کے رد میں حق کی وکالت کرتے ہوئے لکھی گئی ہیں۔

اس اصول کو مزید وسعت دیکر خود مولانا مودودی صاحب کی تالیفات پر ذرا ایک نظر ڈالیئے مولانا کی الجہاد فی الاسلام مستشرقین کے ان الزامات کے رد میں لکھی گئی ہیں جو انہوں نے نظریۂ جہاد پر کیئے ہیں۔ مولانا کی کتاب ،، سود ،، اور اسلام اور جدید معاشی نظریات ۔ ان ماہرین اقتصادیات کے جواب میں لکھی گئی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بینکنگ کے موجودہ سودی نظام کے بغیر موجودہ دور میں اقتصادیات کا ڈھانچہ قائم نہیں کیا جا سکتا تنقیحات اور پردہ وغیرہ مغربی تہذیب کے رد ۔ اور اسلام کی وکالت میں لکھی گئی ہیں ، کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم صرف اسی اصول کی رو سے مولانا کی ان دینی اور مستحسن کوششوں پر خط تنسیخ پھیر دیں؟! اور سب سے بڑھ کر مولانا کی زیر بحث کتاب "خلافت و ملوکیت" اس کی مثال ہے اس کے متعلق مولانا نے واضح طور پر صراحت کی ہے کہ میں نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ مغربی مستشرقین اور غیر مستقل ذہن و مزاج رکھنے والے مصنفین اسلامی تاریخ سے متعلق تنگ اور اسلام کے تصور خلافت کو مسخ کر رہے ہیں گویا مولانا کی کتاب ایک نقد و نظر کی تردید کرتے

ہوئے ایک دوسرے نقطۂ نظر کی وکالت کرتے ہوئے لکھی ہے اور وکالت کی جو فطرت مولانا نے بیان کی ہے وہ مذکورہ علماء کے اندر بیان میں کس حد تک پائی جاتی ہے ۔ یہ چیز پھر بھی محل بحث ہے لیکن مولانا نے اپنے نقطۂ نظر کی وکالت سو فی صدی اسی وکالت کا مظاہرہ کیا ہے جس کا الزام انہوں نے دوسرے پر دھرنے کی مذموم کوشش کی ہے مولانا نے کمزور سے کمزور سہارا بھی محض اس لئے قبول کرلیا ہے کہ اس سے ان کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہے اور وہ صحیح مواد جس سے مولانا کا مقدمہ کمزور ہوتا ہے ، مولانا نے نظر انداز کردیا ہے اس اصول کی رو سے "خلافت وملوکیت" آپ سے آپ پایہ اعتبار سے گر جاتی ہے ۔

مزید برآں مولانا نے ان مذکورہ بزرگوں پر تو یہ الزام بڑی آسانی کے ساتھ عائد کر دیا ہے کہ شیعوں کے افراط وتفریط کے مقابلہ میں ان کے اندر بھی جانبداری کا پہلو آگیا ، لیکن مولانا کو اپنا خیال نہیں کہ دعویٰ تو میں نے "آزادانہ تحقیق" کا کیا ہے لیکن عملاً اس سے بھی زیادہ جانب داری کا اہتمام کیا ہے ۔

علاوہ ازیں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ مذکورہ علماء کی تحقیقات کے کیا اثرات ظاہر ہوئے اور مولانا مودودی کی "آزادانہ تحقیق" نے دین کی کونسی خدمت انجام دی اور اس کے کیا نتائج نکلے اس سلسلے میں اولاً یہ دیکھئے کہ امام ابن تیمیہ نے جس وقت منہاج السنہ لکھی اس وقت سے لیکر آج تک تمام علماء نے اسے دیکھا اور پڑھا لیکن کسی نے آج تک یہ آواز نہیں اٹھائی کہ شیعوں کے افراط وتفریط کے مقابلہ میں امام ابن تیمیہ اس کتاب میں اعتدال وتوازن قائم نہیں رکھ سکے یا حضرت علی و حضرت حسین کے ساتھ اس کتاب میں انصاف نہیں کیا گیا ۔ حالانکہ ابن تیمیہ کے خیالات میں خود ان کے معاصرین نے ابن تیمیہ کی جتنی شدید مخالفت کی ہے اور جتنا منظم ان کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا ہے مولانا مودودی کے حصہ میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں آیا لیکن مولانا مودودی کا یہ سلسلۂ مضامین جس وقت "ترجمان القرآن" میں شائع ہوا تو ماسوائے جماعت اسلامی ، اہل سنت کے تمام حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی حتیٰ کہ شیعہ حضرات بھی اس سلسلۂ مضامین کو صحابہ کرام پر سب وشتم قرار دیا (دیکھئے ہفت روزہ ۔ رضاکار ۱۵ جولائی ۱۹۶۵ء)

نیز دونوں کا فرق اس نقطۂ نظر سے دیکھیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ نے دورۂ خیر القرون کی جو صحیح تصویر کشی کی ہے خصوصاً حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت معاویہ وغیرہم کی سیرت وکردار کے اصلی خدوخال جس طرح واضح کئے اس سے مسلمانوں میں ان سے بدظنی ونفرت کے جذبات پیدا ہونے کے بجائے ان سے

والہانہ عقیدت و محبت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ ان سے قرآنی نصوص اور احادیث صحیحہ کی تصریحات سے تصادم واقع نہیں ہوتا جو صحابہ کرام عدالت و عفت، اخوت و مساوات اور تراحم و تعاطف جیسے فضائل قاطعہ اور براہین ساطعہ ہیں، ان کی درخشاں اور تابناک ماضی کی عظمت و رفعت کے ترانے ساز دل سے پھوٹتے گئے ہیں۔ اس کے برعکس، خلافت و ملوکیت میں صحابہ کرام کے کردار کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اس کا نتیجہ اس پہلے نتیجہ سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں صحابہ کرام کی رفعت باقی رہتی ہے نہ ان کے لئے عقیدت و محبت کا کوئی نغمہ ہمارے دل سے پھوٹتا ہے۔ بلکہ اسے پڑھ کر اپنے اسلاف سے ایک گونہ بدظنی اور نفرت و حقارت کے جذبات انگڑائیاں لینے لگتے ہیں اس نقطہ نظر سے کس کی کوشش تحسین و آفرین کے لائق اور صحیح معنوں میں خدمت دین کہلائے جانے کی مستحق ہے؟ اس اعتبار سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ کی کتابیں زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ یا مولانا مودودی کی خلافت و ملوکیت اس کا فیصلہ ہر شخص خود کر سکتا ہے۔

(خلافت و ملوکیت، تاریخی و شرعی حیثیت ص ۱۷۵ تا ۱۸۲)

(از صلاح الدین یوسف)

قارئین محدث توجہ دیں

ماہنامہ محدث ہر ماہ پابندی سے آپ کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے، اور مدت خریداری کے ختم ہونے پر اطلاع بھی دی جاتی ہے، لیکن اطلاع ملنے پر بھی بعض خریداران توجہ نہیں دیتے ہیں۔ اس لئے خریداران سے گذارش ہے کہ اگر ان کے ذمہ خریداری کی رقم باقی ہے تو فوراً ارسال فرما کر مدت خریداری کی تجدید کرائیں۔

(دفتر محدث)

غلو، ایک ناسور

عبدالمعین سلفی، ندوۃ السنۃ

۱۔ غلو کی حقیقت:

افراط و تفریط، غلو اور تنقیص مذمومہ صفات میں سے ایک صفت ہے۔ افراط اور غلو کسی چیز کو ثریا تک پہونچاتی ہے تو تنقیص و تفریط کسی عالی منصب یا معتدل ذات کی صفات یا اس کے ملحقات کو قعر مذلت میں گراتی ہے۔ جس طرح افراط و تفریط، غلو و تنقیص کا یکجا ہونا محال ہے اسی طرح ہر ایک کا اپنی جگہ خوش آئند نتیجہ ثابت کرنا بھی ناممکن ہے۔ افراط اور غلو گرچہ کسی چیز میں رنگینی یا کروفر کی تاثیر پیدا کرتی ہیں لیکن یہ مشاہدہ وقتی ہوتا ہے ایسی رنگینی سے حقیقی رنگت مفقود ہوتی ہے۔ گویا کہ اسی شئی کی ابتدائی پروان ایک طلسم ہے جو چند لمحوں کے لئے تھی پھر ختم ہوگئی۔

دنیا کی مشاہدات، قوموں کے عروج و زوال کی داستان سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ کسی بھی چیز میں حد سے تجاوز اور اس کی ہلاکت و بربادی کے لئے پیش خیمہ رہی ہے۔ ایک انسان اگر معاشرہ میں متوسط درجہ پاتا ہے تو اسے اپنے درجہ کا لحاظ کر کے اپنی اور اہل و عیال کی زندگی کو اس طرز پر نبھانا چاہیئے کہ اتنا اوپر نہ جائے جس سے اس کا سر کانٹوں کا تاج پہننے پر مجبور ہو اور نہ اتنی سطحی زندگی بسر کرے کہ معاشرہ کے بلند اخلاق اور حقیقت شناش افراد اسے گری نگاہوں سے دیکھیں۔ اسلئے چاہیئے کہ اپنے دائرہ توسط میں رہ کر ہی ترقی کا سراغ لگاتے رہیں توسط، احتیاط اور اعتدال کا مرکز ہے، اخلاقی پستیاں اور طمع خیال، تواضع و خاکساری کی انتہا اور "ریا" شرک اصغر اسی کے ارد گرد چکر لگاتی ہیں، ہم ہوں یا کوئی غیر، ہر ایک اپنے حدود سے چھلانگ لگا کر جوں ہی آگے بڑھیں گے فوراً ہمارے لئے وہ روشنی تاریکی میں بدل جائے گی جس سے ہم مدد لے کر حد کی انتہا تک پہونچتے تھے، اسی "حد سے تجاوز کرنے" کا دوسرا نام "غلو اور افراط ہے" جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا تغالوا صدقات النساء" (سنن نسائی کتاب النکاح ۲۱۱۶) یعنی بوقت نکاح جب عورتوں کا مہر باندھو تو بہت زیادہ نہ باندھو، بلکہ شوہر کی معاشی اور اقتصادی حالت کی رعایت کرو۔

افراط اور غلو اس وقت اور کریہ منظر پیش کرتا ہے جب کہ وہ کسی دین میں رواج پا جائے۔ افراط اور غلو جب کسی دین میں داخل ہوتا ہے تو اس کی حقیقت کو مسخ کر دیتا ہے اور اسی دین کو انسان کا ازلی دشمن یعنی شیطان غلو سے مزین کرکے انسانوں سے ہدایت کا راستہ بند کر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ تبدیلی نسل انسانی کے آثار چڑھاؤ میں انسانوں ہی کی ایک جماعت اس بدلے ہوئے دین کو اصلی دین سمجھنے لگتی ہے۔ نتیجۃً ایسی جماعت ضلالت و گمراہی کے دہانے پر جا پہونچتی ہے۔ اسی لئے رحمۃ اللعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک من کان قبلکم بالغلو فی الدین۔ (سنن نسائی، بروایت ابن عباسؓ) یعنی اے لوگو! دین میں غلو کرنے سے اپنے کو بچاؤ، کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کرنے کے ہی وجہ سے ہلاک کئے گئے۔

یہ غلو ایک کینسر ہے کہ جس دین کے عقیدہ میں داخل ہوا اسے کھوکھلا کر دیا، عقیدہ کی اصلیت کو متعفن کر دیا۔ اور عبادات میں داخل ہوا تو اسے بے مزہ اور مسخ کر دیا۔ غلو کے ناپاک اثرات نے بے شمار انسانوں کی گردنیں کٹوائی ہیں اور بے شمار انسانوں کو خدا پرستی سے قبر پرستی کی جانب اور وادی جنت سے وادی جہنم میں ڈھکیل دیا ہے۔ اسی شیطانی فکر سے بچنے کے لئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صنفان من امتی لا تنالھما شفاعتی سلطان غشوم ظالم وغال فی الدین۔ (قال الألبانی اسنادہ ضعیف جدا، للحدیث شاھد من حدیث أبی امامہ مرفوعا۔ کتاب السنۃ ۱/۲۰) یعنی میری امت میں دو ایسے لوگ ہوں گے کہ جن کے حق میں بروز قیامت میری شفارش نہ ہوگی ایک وہ بادشاہ جو ظالم اور خائن ہو، اور دوسرا وہ شخص جو دین میں غلو کرنے والا ہو۔

عصر حاضر میں قرآن مجید اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، بدعات و ضلالات اور اوہام۔ خرافات کی تاریکیوں میں گم ہو کر رہ گئی ہیں، ہر چہار جانب نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ادیان وملل سے قطع نظر صرف دین اسلام میں شیطان نے غلو اور افراط کی ایسی بیج بوئی ہے جہاں سے بدعت اور شرک کی شاخیں ایک ساتھ نکلتی ہیں۔ شارح عقیدۃ الطحاوی ابن ابی العزؒ کہتے ہیں، حق اور توحید کی معرفت میں اکثر لوگ اس وجہ سے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے نبی اکرمؐ کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع، اور معرفت حق کے طریق میں افراط و تفریط سے کام لیا، کتاب اللہ سے اعراض کیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ ہو گئے (شرح العقیدہ الطحاویہ ۷) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں، افراط اور تفریط، غلو اور تقصیر، زیادتی اور نقصان دونوں چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے بے شمار جگہوں پر روکا ہے، جیسے کہ ارشاد الٰہی ہے: ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط (سورۂ بنی اسرائیل ۲۹) یعنی نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن تک باندھ کر رکھا کرو اور نہ

ہی بالکل چھوڑ دیا کرو۔ اور دوسری جگہ فرمایا: والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما۔ (الفرقان / ۶۷) اور وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی میں اتراتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں، ان کی روش اس کے درمیان ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت حد سے تجاوز کرنے اور بالکلیہ ترک کر دینے کے بین بین ہے۔ اور لوگوں میں بہتر وہ شخص ہے جو ہر اعتبار سے متوسط زندگی گذارتا ہو۔

(ذم الموسوسین والتحذیر من الوسوسۃ / ۹۳)

نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ھلک المتنطعون، قالہا ثلاثا" مسلم، ابن مسعود یعنی کسی بات یا مسئلہ کی تحقیق میں حد سے زیادہ کرید کرنے والا، عقلی تقاضے کو ادھیڑ بن کرنے والے ہلاک ہو گئے، آپ نے اس بات کو تین مرتبہ دہرایا۔

شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور برحق الفاظ، پھر اس کی تکرار سے ہم امت مسلمہ کو یہ نصیحت ملتی ہے کہ ہمارے ملی زوال، اخلاقی پستی، اور دینی انحراف میں غلو کا پہلو کافی حد تک موثر ہے۔ نیز یہ غلو اور افراط اس دور کی بے دینی اور الحاد پرستی میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے امت مسلمہ کو "امت وسط" کا لقب دیا، اور شریعت اسلامیہ کو "دین قیم" سے تعبیر کیا، امت مسلمہ کے لئے ایسے القاب رحمت الٰہی اور رضائے ربانی کے مظہر ہیں۔ اس کے برعکس یہود و نصاریٰ ہیں کہ ان کے اخلاقی انحطاط، معاشرتی مفاسد، اقتصادی زبوں حالی، حیاسوز جرائم کی ترویج میں جہاں بہت سے عناصر کارپرداز تھے انہیں میں سے ایک عنصر غلو اور تقصیر اور افراط و تفریط کا بھی تھا وہ اس بیماری میں اتنی شدت سے مبتلا ہوئے کہ قرآن مجید نے ان کو "مغضوب علیہم" اور "ضالین" کا خطاب دیا۔ دونوں عالم میں لعنت کا طوق ان کے گردن میں ڈال دیا گیا، ذلت وخواری فرش راہ بن گئی۔ انہوں نے غلو اور افراط کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔

اعتدال کی راہ وہی ہے جسے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے قولاً اور فعلاً کر دکھا افراط اور تفریط کے حدود سے ہمیں آگاہ کیا۔ اور مرکز عدل کی نشاندہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتدال کی راہ اپنانے کی تلقین کیا، اور ان اعما کو بہتر قرار دیا جو غلو اور تقصیر کی پلید گی سے پاک ہوں۔ خیر الامور اوسطہا، سب سے بہتر کام وہ ہے جو غلو و تقصیر سے بچ کر معتدل طریقہ پر انجام دیا جائے۔

غلو کا سبب :

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ ان کو صراط مستقیم سے روکنے کے لئے شیطان ملعون کی کوشش از آدم تا ایں دم جاری ہے، نیز اس سے بھی کسی مومن کو انکار نہیں کہ شیطان جب جنت سے نکالا گیا تھا تو اس نے ذات باری سے عرض کیا تھا کہ میں دنیا میں جارہا ہوں لیکن تیرے بندوں کو گمراہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ چنانچہ شیطان کی یہ کوشش جاری رہی اور اس نے اپنی کامیابی کے لئے ''غلو'' کا وہ حربہ اپنایا جس کے سم قاتل سے کم ہی لوگ بچ سکے۔

عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، اخلاقیات تک میں افراط و تفریط کا ایسا جال پھیلایا جس میں انسانوں کی بڑی تعداد الجھ کر رہ گئی۔ ترویج غلو کے اسباب میں سب سے اہم سبب شیطان کی مکر و فریب ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں! " اللہ تعالی جب کوئی حکم صادر کرتا ہے تو اس کے بارے میں شیطان کی دو خواہش ہوتی ہے یا تو اس میں کمی و کوتاہی کی جائے یا زیادتی اور غلو، اس کی بلا سے بندہ دونوں میں سے کوئی بھی غلطی کرے، شیطان انسان کے دل کے پاس آتا ہے اور اسے سونگھتا ہے اگر اس میں پست ہمتی، تن آسانی، اور سہل پسندی کی صفت ہوتی ہے تو وہ اس دروازہ سے انسان پر حملہ کرتا ہے چنانچہ اس کی حوصلہ شکنی کرکے فرائض کی انجام دہی سے روک دیتا ہے اس پر تن آسانی اور آرام طلبی مسلط کر دیتا ہے اور اسی کے لئے تاویل و توجیہ کا دروازہ کھول دیتا ہے پھر وہ وقت بھی آجاتا ہے جب انسان تمام احکام سے کلی طور پر آزاد ہوجاتا ہے۔ اگر انسان کے دل میں حقیقت پسندی، احتیاط جوش اور ولولہ ہوتا ہے اور شیطان کو اس پر اس دروازہ سے حملہ کرنے کی توقع نہیں رہتی تو وہ اسے ضرورت سے زیادہ اجتہاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس سے کہتا ہے کہ تمہارے لئے اتنا کافی نہیں، تم تو اس سے زیادہ بھی کر سکتے ہو تمہیں دوسروں سے زیادہ عمل کرنا چاہیے۔ اگر وہ سوتے ہیں تو تمہیں سونا نہیں چاہیے، وہ افطار کرتے ہیں تو تمہیں افطار نہیں کرنا چاہئے، ان کو سستی لاحق ہوتی ہے تمہیں سستی نہیں لاحق ہونی چاہئے، اگر کوئی اپنا ہاتھ اور چہرہ تین تین بار دھوتا ہے تو تمہیں سات سات بار دھونا چاہئے، اور اسی طرح کے دوسرے کام میں افراط و ناجائز زیادتی کی ترغیب دیتا ہے۔ غرض یہ کہ اسے غلو، انتہا پسندی، اور صراط مستقیم سے آگے بڑھا دیتا ہے جیسے کہ پہلے شخص کو صراط مستقیم سے دور رکھتا ہے، پہلی صورت میں انسان صراط مستقیم تک نہیں پہونچ پاتا، اور دوسری صورت میں آگے نکل جاتا ہے اکثر لوگ اس فتنہ کا شکار ہوئے۔ اس سے نجات کی صورت صرف اور صرف گہرے علم، مضبوط ایمان، شیطان کی مخالفت کی طاقت اور اعتدال کی راہ اپنانے میں ہے۔ (الوابل الصیب / ۱۹)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمان الٰہی (وقالوا لا تذرن آلہتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا۔ (نوح / ۲۳) کی تفسیر کرتے ہوئے محمد بن قیس کا قول نقل کیا ہے کہ "یغوث" یعوق، اور نسر، یہ نیک لوگ تھے، کچھ لوگ ایسے تھے جو ان کی اقتدا اور پیروی کرتے تھے جب یہ صالح لوگ مر گئے تو ان کے متبعین نے سوچا کہ اگر ان بزرگوں کی تصویر بنالی جائے، تو مستقبل میں ان کی تصویر دیکھ کر ہم زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی تصویر بنالیا۔ لیکن جب ان کا انتقال ہو گیا تو آنے والی نسل پر شیطان نے اپنا جال اس طرح پھیلایا کہ تمہارے آباواجداد انہیں کی عبادت کرتے تھے۔ ان سے پانی طلب کرتے تھے اور دیگر حوائج میں انہیں کی طرف رجوع کرتے تھے اس لئے تم بھی ان کی عبادت کرو (شیطان اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا) اور انہوں نے اپنے اسلاف کی تصویر بنا کر ان کی عبادت کرنا شروع کر دی (تفسیر ابن کثیر ۴/۴۲۶)

مذکورہ اقوال سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شئی میں غلو اور افراط اس کی حقیقت پر پردہ ڈال دیتا ہے اور ایک چیز جو ابتداء میں کسی غرض سے ایجاد کی گئی تھی بعد میں جب اس میں غلو کا دخل ہوا تو وہ چیز شرک کا سبب بن گئی۔ اور انسان نے اپنی جہالت ونادانی کے باعث شرک کا لبادہ خود اوڑھ لیا۔

اسعاد العباد بحقوق الوالدین والاولاد

تالیف : علامہ نواب سید صدیق حسن خاں بھوپالی رح
قیمت : بارہ (۱۲) روپئے
والدین اور اولاد کے حقوق پر ایک جامع کتاب
پتہ : مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس۔ ۲۲۱۰۱۰

مذہب اسلام میں مذہب بریلویت کا وجود

ناظرین کرام! مذہب بریلویت کے وجود پر غور کرنے سے پہلے اسلام کے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری ہے، اسلام کی اصل بنیاد توحید ہے۔ اور اسلام میں توحید کا اقرار کرنا فرض ہے۔ اس لئے اول اپنے اعتقاد کو صحیح بنانا اور توحید کا اقرار کرنا ازبس ضروری ہے

توحید کیا ہے؟

توحید یہ ہے کہ دل سے ماننا اور زبان سے اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور جملہ صفات کے لحاظ سے یکتا و احد مطلق اور لاشریک ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام صرف اللہ ہے۔ اور باقی ننانوے ۹۹ نام صفاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا موحد مسلمان ان صفات میں کسی کو شریک نہیں مان سکتا ہے

قرون ثلاثہ، عہد رسالت، عہد صحابہ، عہد تابعین کے تمام مسلمان عقیدہ توحید میں پکے موحد مسلمان تھے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ نہ استعانت اور استمداد میں کسی مقدس ہستی کو حاجت روا مشکل کشا سمجھتے تھے۔ نہ اس زمانہ میں کوئی درگاہ پرست، چلہ پرست، نہ وہ لوگ خانقاہ پرست تھے۔ نہ عباد القبور تھے۔ بلکہ یہ لوگ اعتقاد توحید میں پکے موحد اور رہبر راہ ہدیٰ تھے۔ بت شکن تھے، بت پرست نہ تھے۔ پھر ان قرون ثلاثہ کے بعد تبع تابعین اور ائمہ دین کا زمانہ آتا ہے۔ ان زمانوں میں بھی ہمارے اسلاف عقیدۂ توحید میں پکے مسلمان تھے۔

بلکہ زمانہ خیر القرون سے لے کر چار سو سال تک مسلمان پکے موحد مسلمان تھے۔ اور صرف ذات پاک اللہ تعالیٰ ہی کی خالص عبادت کرتے تھے۔ یہ لوگ کسی مقدس ہستی کے مقلد نہ تھے۔ کما قال ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فی کتابہ حجۃ اللہ البالغہ۔ اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجمعین علی التقلید۔ الخ ص ۱۵۲ ج ۱ -

اب پھر چار سو سال کے بعد ابتداع کا زمانہ آتا ہے۔ اور چار سو سال کے بعد سواد اعظم کے خلاف تقلیدی مذہب نے جنم لیا۔ اور تمام مسلمان چار فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کوئی حنفی۔ کوئی شافعی۔ کوئی حنبلی اور کوئی مالکی کہلانے لگا۔ ان مذہب میں سب سے پہلے ملت حنفیہ نے فرقہ بازی پر جنم لیا۔ اور اپنی نسبت کو محمدی سے ہٹا کر حنفی کہلانے لگے۔ اس لئے مذہب حنفیہ تمام مذاہب باطلہ کا اصل جڑ قرار پاتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ ملت حنفیہ کی اصل بنیاد چار گمراہ فرقوں سے وجود میں آتی ہے۔ شیعہ، معتزلہ، جہمیہ، مرجیہ۔ چنانچہ ملت حنفیہ کے چوٹی کے عالم علامہ عبدالحیٔ صاحب حنفی لکھنوی اپنی کتاب الرفع والتکمیل میں صاف فرماتے ہیں کہ:

"وبالجملة فالحنفية لها فروع باعتبار اختلاف العقيدة فمنهم الشيعة ومنهم المعتزلة ومنهم المرجية ومنهم الجهمية فالمراد بالحنفية هم الحنفية الذين يتبعون أبا حنيفة فى الفرع، الخ.

ملاحظہ ہو: (الرفع والتکمیل صـــ ۲۶)

چار سو سال کے بعد مذاہب اربعہ نے جنم لیا۔ اور تقریباً ساڑھے بارہ صدی تک چار ہی مذہب رہے۔ اب پھر تیرہویں صدی کے آخر میں ایک اور نیا پانچواں تقلیدی مذہب نے جنم لیا۔ اس پانچواں تقلیدی مذہب کا نام رضوی بریلوی ہے یہ بھی مذہباً غالی حنفی ہیں۔ اور ملت حنفیہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ عقائد میں دیوبندی حنفی اور بریلوی میں زمین و آسمان کا فرق ضرور ہے۔

چونکہ دیوبندی حنفی عقائد توحید میں پکے موحد مسلمان نظر آتے ہیں اگرچہ اصول و فروع میں جماعت اہل حدیث سے کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور یہ نیا تقلیدی مذہب بریلوی رضوی عقائد توحید میں پکے موحد مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ یہ نیا تقلیدی مذہب عقائد میں اکثر مشرک قبر پرست، چلہ پرست عباد القبور ہوتے ہیں۔ اور اپنی نسبت کو ملت حنفیہ سے ذرا ہٹا کر اہل سنت والجماعت اور رضوی بریلوی سے یاد کراتے ہیں۔ گو مسلک میں در اصل حنفی ہیں۔

بریلویت کیا ہے؟

اسلامی جماعت میں اپنا نام شمار کرنے والا نیا بدعتی فرقہ بریلویہ رضویہ ہے جس کے امام احمد رضا خان صاحب بریلوی

ہیں۔ یہ لوگ گو حنفی ہیں لیکن یہ لوگ حضرت امام ابو حنیفہ کو امام اصول فرع میں مانتے ہیں۔ اور عقائد میں بجائے امام ابوحنیفہ کے مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ اور ان کی تقلید کرتے ہیں۔

احمد رضا خانصاحب کی ولادت بریلی میں ہوئی آپ کے آبا و اجداد قندھار کے قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے۔ وہاں سے لاہور اور لاہور سے دہلی۔ اور دہلی سے بریلی پہونچے۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔

عقائد بریلویت کیا ہیں؟

ان کا خیال ہے کہ ہم ہی مسلمان اہل سنت والجماعت اور فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں۔ اور باقی تمام مسلمان خواہ وہ دیوبندی حنفی ہوں یا شافعی۔ یا مالکی۔ یا حنبلی ہوں۔ یا غیر مقلد اہل حدیث ہوں سب کافر ہیں۔ کیوں کہ یہ سب حضرات انبیاء اولیاء۔ اور بزرگان دین کی عزت نہیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ تمام انبیاء اولیاء کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔ اور تمام بزرگان دین سے استعانت واستمداد بالمیت کے قائل ہیں ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا طرز عمل ہمیشہ قبر پرستی، چلہ پرستی اور خانقاہوں پر مجاور بن کر قبروں کو سجدہ کرنا، عرس کرنا، چادر چڑھانا، چراغاں کرنا اور قبروں کا طواف کرنا اصل دین ہے۔ ان بریلوی حضرات کا عقیدہ ہے کہ مردے قبر میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور پکارنے والوں کی آواز سن کر ان کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ بایں وجہ یہ رضوی حضرات قبروں پر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ اور قبروں پر اہل میت کی طرف سے نذر و نیاز کرتے ہیں۔

مذہب بریلویت کا تبلیغی کارنامہ

بریلوی مذہب کے لوگوں کا کام عقیدہ توحید کے خلاف قبوری شریعت کو ترجیح دینا ہے۔ ہند و پاکستان میں کئی تبلیغی رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ایک تبلیغی رسالہ رضوان ہے جو پاکستان میں لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ مدیر رضوان سید محمود احمد صاحب بریلوی ہیں۔ جو کہ بریلوی حضرات کے چوٹی کے پیر ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم رضوی ہی اصل مسلمان اہل سنت والجماعت ہیں۔ اور ہمارا اخبار رضوان ہی صحیح طور پر اہل سنت والجماعت کا ترجمان ہے۔ ایک اور رسالہ ماہ لیہ ضلع سیالکوٹ سے شائع ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ایک رسالہ ھدیٰ بھی ہے جو کہ دہلی سے شائع ہوتا ہے۔ ان اخبارات نے عقیدہ توحید کے خلاف بدعتی مضامین جو خانقاہوں کی فضیلت اور بزرگان دین کی بے بنیاد کرامات کو شائع کرائیں۔

رساتھ ہی رضوی مجذوب صاحبان کے شعبدہ بازی کرامات اور وجد حال کو بھی عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں یہ لوگ
پرست مجذوب صاحبان کو پہونچے ہوئے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے تمام مجذوب صاحبان گانجا خور مستان ہوتے ہیں

مذہب بریلویت کی حقیقت

اگر آپ حضرات ان غالی بریلوی رضوی صاحبان کے جعلی مذہب کی اصلیت کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ان کی عبادت
ہ جیسے اجمیر، بغداد، کربلا، پنڈوا اور سیکڑوں درگاہوں پر جاکر ان کے طرز عمل پر غور کرتے ہوئے ان کے جعلی
منگھڑت مذہب کا جائزہ لیں۔ جب آپ ان کے ان عبادت گاہوں پر پہونچ کر ان کے مذہب کی جانچ پڑتال کریں
تو ان کے مذہب کی اصل حقیقت پر پہونچ جائیں گے کہ ان کے مذہب کا اصل دار و مدار صرف دنیا داری اور پیٹ
تی پر ہے۔ جہاں سیکڑوں حیلہ بہانہ سے شکم پری کرتے ہیں۔ بزم میلاد میں شکم پری کے لئے میت کے ایصال ثواب
مزے دار کھانے تیار ہوتے ہیں۔ اور ہر خواص و عوام کو دعوت دیکر قرآن خوانی کے بعد کچھ شیرینی فاتحہ پر تقسیم کی جاتی ہے
بڑی دھوم دھام کے ساتھ کھیر پلاؤ قورمہ کباب گوشت بھات دال روٹی کے ساتھ حلوے مانڈے تقسیم کئے جاتے ہیں
بلکہ قبروں پر نذر و نیاز کرنا تیجہ، ساتواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور برسی، شب برات کا حلوہ، رمضان
شب قدر کا حلوہ، عید میلاد النبی کی شیرینی، لکھدلے کا روٹ پکانا، امیر حمزہ کی نیاز کرنا، شیخ عباس کی کڑاہی حضرت
طمہ کا کونڈا کرنا، شیخ سدو کا بکرا ذبح کرنا، مار کنڈا اور کوئیں میں دلیا اور چاول چڑھانا، بڑے پیر کی گیارہویں کرنا،
پیری پلاؤ پکانا، پنڈوا شریف کا پلاؤ پر مرغ کباب مرغ مسلم کرنا، جہاں سیکڑوں گائیں اور ہزاروں مرغیاں ذبح کی
تی ہیں۔ یہ سب صرف شکم پری کرنے کے لئے ہے۔ حالانکہ رسومات بدعات کا ثبوت قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ہے نہ ان
ند بدعات کا التزام صحابہ کرام و ائمہ دین سے پتہ ملتا ہے۔ لیکن ان کے علماء ان رسومات بدعات پر سیکڑوں منگھڑت موضوع
ریات بیان کرکے ناجائز طریقہ سے عوام کا مال کھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں صاف فرمایا ہے کہ: لا
تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ یہ سب امور بدعات ان کے پیر مغان اعلیٰ حضرت مولوی احمد
رضا خانصاحب بریلوی ہی سے جاری ہوا ہے۔

چنانچہ ان بریلوی حضرات کے پیر مغاں اعلیحضرت مولوی احمد رضا خانصاحب مرنے سے دو گھنٹہ سترہ منٹ
بتر اپنے وصایا شریف میں بایں اسلوب وصیت کو قلم بند کراتے ہوئے یوں وصیت کر جاتے ہیں کہ اعزاء سے

اگر طیب خاطر ممکن ہو تو ہفتہ میں دو یا تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں (۱) دودھ کا برف خانہ اگرچہ بھینس دودھ کا ہو (۲) مرغ کی بریانی (۳) مرغ پلاؤ خواہ بکری کا ہو (۴) شامی کباب (۵) پراٹھے (۶) بلائی یعنی ملائی (۸) اردکی پھریری دال مع ادرک (۹) گوشت بھری کچوریاں (۱۰) سیب کا پانی (۱۱) انار کا پانی (۱۲) سوڈا کی بوتل ہو دصایا شریف اعلحضرت صـ ۱۲

آپ حضرات ان بریلوی رضوی کے پیر مغاں کے وصیت کو دیکھئے کس ڈھنگ سے ان لذیذ کھانوں پر وصیت ہیں۔ ایک درجن کھانوں کو بیک وقت ہضم کرنا مشکل تھا۔ اس لئے ہضم کا انتظام ساتھ ہی کر گئے۔ کہ سوڈے کی ان لذیذ کھانوں کے ساتھ بھیج دیں۔

انبیاء کی عزت کرنا

آپ حضرات پر کچھ مخفی نہیں کہ انبیاء اولیاء کی عزت کرنا شریعت میں واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور ان کا دشمن کا دشمن ہوتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں صاف وارد ہے: من کان عدوا للہ وملئکتہ ورسلہ جبریل ومیکال فان اللہ عدو للکافرین، الآیۃ اور انبیاء اولیاء کی عزت کرنا ان کی اتباع کرنا ہے۔ مگر حد اعتدال سے تجاوز کر کے ان کو ربوبیت تک پہونچا دینا ایک جرم عظیم ہے۔ یہ حضرات اپنے آپ کو باادب اور اہل توحید کو بے ادب کہتے ہیں یہ لوگ انبیاء اولیاء کی عزت کرتے ہیں کہ ان کو خدا کر دکھاتے ہیں چنانچہ یہ بریلوی رضوی حضرات اپنے محفل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مندرجہ ذیل اشعار کو کھڑے ہو کر جھوم جھوم کر گاتے ہیں۔ جو کہ ان کی شان کے بالکل خلاف ہے ؎

ہمارا نبی تو بشر ہی نہیں ہے	خدا ہے تجھے کیا خبر ہی نہیں ہے
مقام اس نبی کا تو عرش بریں ہے	خدا نہ کہے جو وہ کافر لعین ہے
وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر	اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر
حیات النبی اور حاضر ہیں ناظر	جو مومن ہیں با چشم سر دیکھتے ہیں

دیکھئے! یہ رضوی حضرات کے مجذوب صاحب کس قدر جرأت کے ساتھ اس شعر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ میں زندہ موجود اور ہر جگہ حاضر و ناظر بتاتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سر کی آنکھ سے حقیقت میں دیکھنے والے ہی اصل میں مومن ہیں۔ اور جو کوئی حیات النبی کو با در نہ کرے وہ کافر۔ حالانکہ انہیں

ن والجماعت کے اکابر علماء کرام نے فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ میں اس عقیدہ حاضر و ناظر پر صاف
ں کہ من اعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر فی الدنیا وھو عالم الغیب والناظر مافی العالم فھو کافر۔ الخ
کے تمام مسلمان خواہ وہ کسی مسلک کے ہوں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جز خدا
ضر و ناظر نہیں ہے ؎

جز خدا کے کوئی بھی خالق نہیں قادر نہیں
غیب کا عالم نہیں اور حاضر و ناظر نہیں

مگر رضوی بریلویہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء اولیاء حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہیں۔ اہل توحید ان رضوی بریلوی سے
ناد پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اس کا ثبوت دو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں حاضر و ناظر ہیں یہ صفت
پاک باری تعالیٰ رب العزت کے لئے خاص ہے۔ اور جملہ انبیاء اولیاء تمام انسان تھے۔ دنیا سے رخصت کر گئے
وہ کب حاضر و ناظر ہو سکتے ہیں۔ کیا تمہارے نبی نے تم کو بتا بھی دیا ہے کہ میں حاضر و ناظر ہوں؟ ۔ اگر نہیں بتایا۔ اور
ں بتایا تو پھر یہ رضوی حضرات کتنا شریر ہیں کہ اہل توحید کو بے ادب گستاخ اور کافر کہتے ہیں اور ٹوکنے پر اہل توحید
ی بتاتے اور صاف کہتے ہیں ؎

لگایا جو نعرہ تمہارا کسی نے — تو جلتا کسی کا جگر دیکھتے ہیں
بڑے بے ادب اور گستاخ ہیں جو — تجھے اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں
جہنم میں ہم وہابی کا گھر دیکھتے ہیں

اولیاء کی عزت کرنا

اول حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی عزت کرنا! آپ حضرات جانتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی
اہل حدیث موحد مسلمان تھے جیسا کہ ان کی کتاب غنیۃ الطالبین وغیرہ سے واضح ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت
جیلان ملک ایران میں یکم رمضان المبارک ۴۷۱ھ کو ہوئی۔ اور آپ کا وصال باختلاف تواریخ ۸۔ ۹۔ ۱۱۔ ۱۷ ر
ثانی ۵۶۱ھ کو بغداد میں ہوا۔ دنیا آپ کو اولیاؤں میں شمار کرتی ہے۔ اور بریلوی حضرات ان کو پیران پیر غوث اعظم
پیر سے یاد کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت المدد المدد یا غوث اعظم المدد اور صلوٰۃ غوثیہ پڑھی جاتی ہیں۔ یہ صلوٰۃ غوثیہ

بغداد کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں۔ اور آپ کا یوم وفات مختلف تاریخوں اور مختلف طریقوں سے منایا جاتا ہے۔ اور عرس غوثیہ میں محبوب سبحانی کی بے بنیاد کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ رضوی حضرات کا عقیدہ ہے کہ یہ صاحب مردوں کو زندہ کر دیتا ہے بے اولاد کو اولاد بخش دیتا ہے۔ حاجت روا مشکل کشا ہیں گویا یہ لوگ محبوب سبحانی کو خدائی درجہ دے کر ان کی پرستش کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم اولیاء کی عزت کرتے ہیں۔ اور ٹوکنے پر کہتے ہیں کہ اولیاء و انبیاء سے ہمارا مدد مانگنا گویا خدا تعالیٰ سے ہی مدد مانگنا ہے۔ کیونکہ انبیاء ؎

لگاتے ہیں توحید پہ جو ضرب کاری — وہ اہل سنت ہیں یا کہ بدعتی ساری

عمل جن کے ہیں اہل توحید کے خلاف بالکل — وہ مسلماں ہیں یا کہ مشرک و ناری

اب محبوب سبحانی کے بعد خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری کے بارے میں یہ رضوی حضرات کیا کہتے ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے کہ ان کی عزت کس طرح کرتے ہیں ؎

زمین و آسماں تیرا مکین و لامکاں تیرا
فلک پر دھوم ہے تیری معین الدین اجمیری

علاوہ ان دونوں بزرگوں کے اور سیکڑوں پیروں کی پوجا کرنا ان بریلوی کا شعار اسلام ہے۔ مثلاً خواجہ قطب جلال پنڈوا شریف جہاں ہر سال سیکڑوں گائیں اور ہزاروں مرغیاں قطب جلال کے مزاروں پر بطور نذر و نیاز ذبح کئے جاتے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیاری کاکی مرولی۔ شاہ نظام الدین اولیاء دہلوی۔ پیر بلھے شاہ قصوری۔ خواجہ بہاء الدین ملتانی خواجہ فرید الدین صاحب شکر گنج پاکپتن۔ داتا گنج لاہوری۔ حضرت شیخ احمد مجدد ثانی سرہندی۔ اور خواجہ کلیری وغیرہم کے مزار اور خانقاہوں پر عرس اور نذر و نیاز کے بنا پر یہ لوگ سیکڑوں روپئے فضول خرچ کر کے سفر کرتے ہیں اور ان کاموں کو کار ثواب سمجھتے ہیں۔ بلکہ کعبہ شریف سے بھی زیادہ عزت کرتے ہیں ؎

عبادت غیر کی کب ہو بھلا اللہ کے ہوتے — گداؤں سے بھی کیا مانگیں حقیقی شاہ کے ہوتے

تعجب ہے مسلمانوں پہ جو ہیں غیر کے طالب — کہ کیچڑ چاٹتے پھرتے ہیں شیریں چاہ کے ہوتے

کوئی اجمیر کلیر کو۔ کوئی دہلی کچھوچھہ کو — بھٹک کر کربلا کو جائیں بیت اللہ کے ہوتے

ہل توحید ان افعال مشرکانہ کو خلاف شریعت پاتے ہیں۔ اس لئے فاعل کو مشرک بے ایمان دائرہ اسلام سے خارج
بیوں کہ تمام رضوی بریلوی توحید کے خلاف بدعات کے بحر اجاج دریائے شعور کے خلاف دریائے شور میں غوطہ زن
اہل سنت والجماعت کے دعویدار ہیں۔

ارے آپ کو معلوم بھی ہے کہ۔۔۔۔۔؟

تک تو یہ رضوی حضرات اولیاء انبیاء کی عزت میں یہ سب بکواس کر رہے تھے اور ان کو حاضر و ناظر سمجھ کر
ار دا مشکل کشا کہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صاف کہہ رہے تھے کہ ؎

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ اگر قابل پرستش نیم گر قابل بخشش نیم جملہ گناہ عفو کن،
مشکل کشا۔ لیکن اب تو یہ حضرات ان سے ایک قدم آگے بڑھ کر صاف کہنے لگے کہ ؎

کون دیتا ہے مجھے کس نے دیا
جو دیا تو نے دیا احمد رضا

حضرات جانتے ہیں کہ یہ احمد رضا خانصاحب بریلوی مذہب بریلویت کے جڑ ہیں۔ پہلے تو آپ بانی مذہب
پیر مغاں تھے جس کو اعلیٰ حضرت سے یاد کیا جاتا ہے لیکن اب یہ اعلیٰ حضرت صاحب پیر مغاں سے ایک قدم
ربوبیت تک پہونچ گئے ہیں۔ چونکہ آپ اعتقاد بریلویت میں معبود برحق کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیوں کہ بریلوی رضوی
ہ اپنے عقیدہ میں رب مانتے ہیں اور یہی احمد رضا خانصاحب قبر اور حشر میں ان کے کام آئیں گے چنانچہ رضوی
کہتے ہیں کہ وہ ہمارا رب ہے ؎

مرقد میں جب پوچھیں گے منکر نکیر تمہارا رب کون ہے
سر جھکا کر ادب سے نام لوں گا احمد رضا خاں کا

کے تمام مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ قبر میں جب منکر نکیر پوچھیں گے من ربک تمہارا رب کون ہے، تو موحد مومن
، ربی اللہ میرا رب اللہ ہے مگر ہمارے رضوی بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ ہم تو ادب سے سر جھکا کر نام لیں
خاں کا۔ کہ میرا رب احمد رضا خاں ہے۔

ہم حیران ہیں کہ ہمارے رضوی صاحبان اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہوئے عقیدۂ توحید کے خلاف خرافات پر اتنا مصر کیوں ہیں؟ کیا ان کے اندر اہل علم صاحب فراست دیانت دار عالم نہیں ہیں؟ کیا یہ لوگ قرآن کو نہیں پڑھتے ہیں۔ جہاں ان کو ان خرافات اور عقیدۂ فاسدہ سے یکسر منع کیا گیا ہے بلکہ اس عقیدہ پر ان کو کافر مشرک قرار دیا ہے۔ پھر نتیجہ پر ان کو عذاب جہنم کی وعید شدید کا مرتکب بھی بتایا ہے۔ تعجب ہے کہ جن کو شریعت کبھی اجازت نہیں دیتی ہے۔ اس کے مرتکب کیوں ہیں؟ کیا رضوی حضرات مسلمان نہیں ہیں؟ بہرکیف ان رضوی حضرات کی ان خرافات مشرکہ پر کسی اہل توحید نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے ؎

جسے چاہیں معبود اپنا بنائیں — جہاں نفس چاہے وہیں سر جھکائیں
مزاروں پہ جا کر کریں التجائیں — وسیلے سے قبروں کے مانگیں دعائیں
انہیں کو یہ مشکل کشا جانتے ہیں
انہیں کو یہ حاجت روا مانتے ہیں
لگاتے ہیں وحدت پہ جو ضرب کاری — چلاتے ہیں جو نخل سنت پہ آری
مزاروں کے جو بن گئے ہیں پجاری — وہ خود سوچ لیں جنتی ہیں کہ ناری
ظاہر میں تو بنتے ہیں خدا کا بندہ
باطن میں لگاتے ہیں پیروں کا دھندہ

بشریت رسول پر گفتگو

ہمارے رضوی بریلویہ کا اعتقاد ہے کہ رسول خدا بشر نہیں تھے۔ بلکہ نور من نور اللہ تھے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام خود خدا تھے۔ کیونکہ جزسے جز جدا نہیں ہوتے ہیں۔ خدا نے آپ کو نور فرمایا ہے۔ اور ثبوت پر آیت کریمہ قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین کو معرض استدلال میں پیش کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کوئی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہے گا وہ کافر ہے اور ثبوت پر آیت کریمہ فقالوا أبشر یہدوننا فکفروا، الآیة کو پیش کرتے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں نور تھے یا بشر؟ چونکہ رضوی حضرات نے بشریت رسول کے متعلق بہت کچھ ثبوت پیش کر کے کہتے ہیں کہ آپ مجسم نور تھے۔ بشر نہ تھے۔ نبی کو بشر کہنے والا کافر ہے۔ اس لئے

زیر بحث عنوان پر غور کرنے سے پہلے یہ بتادینا ضروری ہے کہ تمام انبیاء کرام جو کہ بنی نوع انسانیت کی ہدایت کے لئے دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ وہ سب انبیاء کرام حقیقت میں انسان تھے یا اور کچھ ؟ ان کے اندر انسانی صورت سیرت قول و کردار خورد و نوش کے ساتھ جملہ انسانی حاجت مثلاً بیاہ شادی کرنا۔ اولاد ہونا۔ دنیا کے کاروبار کرنا۔ پاخانہ پیشاب کرنا۔ اور انسانی دکھ سکھ کے ساتھ وہ بھی دکھ سکھ کے حامل تھے یا نہیں۔ انسانی حاجت میں وہ بھی حاجت مند تھے یا نہیں۔ پھر امم سابقہ کے جملہ انسان جو کہ دنیا میں اگر اپنی زندگی ختم کر کے مرکھپ گئے تھے اسی طرح وہ سب انبیاء کرام اپنی زندگی کو ختم کر کے مرکھپ گئے ہیں یا ابھی تک زندہ حاضر و ناظر ہیں ؟

ہمارا پہلا جواب تو یہ ہے کہ سب سے پہلے بحیثیت مسلمان ہونے کے اس بات پر سب کا ایمان ہونا ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں ان جملہ انبیاء کرام کے متعلق جو کچھ ارشاد باری تعالیٰ وارد ہیں وہ سب بالکل صحیح ہیں۔ ایمان لانے کے بعد قرآن حکیم کے ارشاد پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق باقی نہیں رہتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کو ہر لفظی و معنوی تحریف و تبادیل سے مبرا پاک کردیا گیا ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی اعتراض کرکے انکار کرے گا یا تحریف کرے گا تو وہ بالکل کافر ہوگا۔ ان کو اسلامی نقطہ نظر میں کافر کہا گیا ہے۔ کیونکہ منکر قرآن مسلمان نہیں رہتا اب اگر خداوند تعالیٰ خالق ارض و سماء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم میں انسان قرار دے کر ان کو بشر کہے تو اس پر کسی کا مجال ہے کہ قرآن پر لب کشائی کر کے اس سے انکار کر سکے کہ وہ سب انبیاء کرام انسان نہیں تھے اگر انکار بھی کرے گا تو مسلمان رہے گا اور کچھ ہو جائے گا ؟

خیر اب دیکھنا چاہئے کہ قرآن حکیم میں جہاں کہیں ان انبیاء کرام کے ذکر ہیں۔ وہاں ان کو بشر کہا گیا ہے یا ان سب انبیاء کرام کو تخلیق انسان جو کہ خاکی ہیں سے ہٹا کر اور کچھ کہا ہے۔ چونکہ قرآن حکیم میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام بھی نبی تھے۔ تمام لوگ ان کو نبی مانتے ہیں اگر ہم اہل حدیث یا تمام اہل توحید حضرت آدم کو متعلق علیہ کے ساتھ بشر سے ہٹا کر نور کہہ دیں کہ نوری تھے خاکی نہ تھے۔ تو ہمارے رضوی حضرات اس کو نور تسلیم کریں گے ؟ یا جھٹ سے یہ شعر پڑھ کر ہی دم لیں گے کہ ؎

خدا تو انہیں بشر کہہ کر پکارے
یہ اندھے انہیں نور دیکھتے ہیں

کیوں جناب ! اس لیے کہ قرآن حکیم میں آدم علیہ السلام کو بشر کہا گیا ہے چونکہ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن حکیم

[illegible] ہے کہ آپ خاکی تھے : واذ قال ربک للملائکۃ انی خالق بشرا من طین، الآیۃ۔
یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میں نے آدم مٹی سے پیدا کیا ہے بس اگر آدم علیہ السلام بشر تھے اور یقیناً بشر تھے تو بلا ریب و شک تمام انبیاء کرام بھی بشر ٹھہریں گے۔ کیونکہ جملہ انسان اور تمام انبیاء کرام بھی ذریت آدم تھے اور ہیں چنانچہ ذریت آدم میں سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان ہے۔ چونکہ آپ ہی سے سلسلہ نبوت کا جاری ہوا ہے۔ اور تمام انبیاء کرام اور ابراہیم علیہ السلام کے ذریت ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ فی کلامہ المجید :
ولقد ارسلنا نوحا وابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب۔ الآیۃ۔

نبوت کا سلسلہ ذریت آدم سے

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام انبیاء ذریت آدم ہیں چنانچہ آیت کریمہ : یابنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم، الآیۃ : سے ثابت ہوتا ہے۔ اور سورہ انعام میں نوح علیہ السلام سے لے کر ابراہیم علیہ السلام تک اور ابراہیم ع سے نبوت کا سلسلہ خاتم النبی محمد مصطفےٰ علیہ الصلوۃ والسلام تک برابر جاری ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ فی قصۃ ابراہیم علیہ السلام سلسلہ نبوت کا بایں اسلوب وارد ہے : ونوحا ھدینا من قبل ومن ذریتہ داوٗد وسلیمان وایوب ویوسف وموسی وھارون وذکریا ویحیی وعیسیٰ والیاس واسمٰعیل ویونس ولوطا ومن اباءھم وذریاتھم واخوانھم واجتبینھم وھدیناھم الی صراط مستقیم۔ —— الآیۃ۔
دیکھیے یہاں تمام انبیاء کرام کا ذکر ہے وہ سب ذریت آدم ہیں اور تمام کے تمام خاکی بشر تھے بنا بریں ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا کہ تمام انبیاء کرام باپ شریک بھائی ہیں اور ماں فرق ہے چنانچہ وہ حدیث بایں اسلوب وارد ہے۔ الانبیاء اخوۃ من علات وامھاتھم شتی ودینھم واحد الحدیث متفق علیہ من حدیث ابی ھریرۃ کما فی المشکوۃ۔ صفحہ ۳۲

تخلیق حیوانی میں فرق

تخلیق حیوانی میں حیوان ناطق۔ اور حیوان غیر ناطق ہیں۔ حیوان ناطق میں جن، انسان، اور فرشتے ہوتے ہیں۔ تخلیق جنات آگ سے۔ اور تخلیق انسان مٹی سے۔ اور تخلیق ملائک نور سے ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں صاف وارد ہے : خلقت الملئکۃ من نور وخلق الجان من مارج وخلق آدم مما وصف لکم کما اخرجہ مسلم من حدیث عائشۃ مرفوعا۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے نوری ہیں اور جنات ناری ہیں۔ اور آدم علیہ السلام خاکی ہیں۔

ناظرین کرام! بشریت رسول پر میں نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ تمام انبیاء کرام بشر تھے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بنی آدم اور قرآن حکیم میں ان سب انبیاء کرام کو ذریت آدم قرار دیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين من ذرية آدم، الآية۔ اس مقصد پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔ جب تمام انبیاء ذریۃ آدم تھے اور یقیناً تھے تو پھر ان کے خاکی ہونے پر کیا شک باقی رہ جاتا ہے۔

منکر رسالت کا انکار

امم سابقہ کے تمام کافر و مشرکین کا عقیدہ تھا کہ بشر کا رسول ہونا محال ہے۔ یہ کہہ کر کافر ہو گئے اور ہمارے رضوی کا عقیدہ ہے کہ رسول بشر نہیں ہیں جو کوئی رسول کو بشر کہے گا وہ کافر ہے۔ یقیناً بریلوی رضوی کا عقیدہ اور تمام کافر و مشرکین کا عقیدہ یکساں ہے۔ وہ لوگ تمام انبیاء کرام کو بشر کہتے تھے کیونکہ تمام انبیاء کرام یقیناً بشر تھے جیسا کہ ان کافروں نے اپنے وقت پر بشر ہونے کی وجہ سے رسالت کا انکار کیا: قالوا ان أنتم إلا بشر مثلنا تريدون ان تصدونا عما كان يعبد آباؤنا فأتونا بسلطان مبين، الآية۔ یعنی ان کافروں نے کہدیا کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو۔ بشر ہو کر ارادہ رکھتے ہو کہ ہم کو روک دو ہمارے معبودوں کی عبادت سے جس کو ہمارے باپ دادے پوجتے آئے ہیں اگر تم لوگ اپنے دعویٰ پر سچے ہیں تو کوئی ظاہر دلیل لاکر ان کا ثبوت دیں کہ ہم رسول ہیں ؎

مرسلوں نے جب کہا انا الیکم مرسلون
کہہ دیا تب منکروں نے ان أنتم إلا تكذبون

جواب میں فرمایا گیا: قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم ولكن الله يمن على من يشاء من عباده وما كان لنا ان نأتيكم بسلطان إلا باذن الله الآية۔ ملاحظہ ہو سورہ ابراہیم رکوع ۲۔ ہم تو تمہارے جیسا انسان ہیں الخ۔ مگر مندرجہ بالا آیات کریمات کو خوب غور سے پڑھیں اور انصاف سے بتائیں کہ جتنے پیغمبر تھے وہ سب انسان تھے یا اور کچھ؟ اگر انسان تھے اور یقیناً انسان تھے تو پھر بشریت رسول پر انکار کی گنجائش ہے؟ ہرگز نہیں۔

خیر یہاں تک تو میں نے امم سابقہ کے تمام انبیاء کرام کی تخلیق حیوانی میں انسان ثابت کر دکھایا۔ اب خاص کر ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں یہ ثابت کر دکھانا ہے کہ آپ بھی تخلیق حیوانی میں تخلیق انسانی میں

...ریت آدم ہیں جس طرح تمام انبیاء کرام علیہم السلام ذریت آدم ذریت نوح اور ذریت ابراہیم علیہم السلام
...۔ ٹھیک اسی طرح ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تو ذریت ابراہیم تھے۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے
...ل سے تھے۔ جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے سلسلہ نسب میں حضرت اسماعیل سے لے کر عدنان تک بیان فرما
...اپنا نسب نامہ ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف باب ذکر الانبیاء فی قصۃ قریش وغیرہ۔

دیگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی خاندان میں بنی عبدالمطلب تھے۔ جیساکہ آپ نے صاف فرمایا۔ انا محمد بن عبداللہ بن
...دالمطلب الحدیث۔ بنابریں خداوند تعالیٰ نے آپ کو تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ وأنذر عشیرتك الاقربین۔
...ی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنے اہل وعیال اور اہل کنبہ کو پہلے ہدایت کرو۔ ان کو عذاب جہنم سے ڈراؤ۔ تب حضور صلی اللہ
...لیہ وسلم نے اپنے تمام اہل کنبہ کو یکجا جمع کر کے ایک جامع بیان میں ہر ایک کو مخاطب کر کے بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ
...ا پیغام سنا دیا۔ اور فرمایا: یا قوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون۔ الآیۃ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں اور کیا ہیں؟

تفسیر ابن کثیر میں زیر آیت کریمہ: إن اللہ یأمر بالعدل والإحسان، الآیۃ۔ ایک روایت میں
...ارد ہے کہ اکثم بن صیفی کو جب نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت کی خبر پہونچی۔ تو اس نے آپ سے ملنا چاہا
...رم نے اس کو روک دیا کہا تم ہمارے بڑے ہو۔ تمہارا جانا اچھا نہیں۔ اس نے کہا تو پھر کوئی جا کر اس کی خبر لائے۔ اس
...ر دو شخص کھڑے ہوئے کہ ہم جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے اور کہا کہ ہم اکثم بن صیفی
...ے قاصد ہیں۔ وہ آپ سے سوال کرتا ہے کہ آپ کون ہیں؟ اور کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابا فرمایا: اما
...ن انا فانا محمد بن عبد اللہ واما انا فانا عبد اللہ ورسولہ۔ الخ۔ میں تو محمد بن عبداللہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا رسول
...ور اس کا بندہ ہوں۔ یہ نہیں فرمایا میں نور ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی إن اللہ یأمر بالعدل والاحسان، الآیۃ
...ونوں نے یاد کر لی اور واپس اکر اکثم سے کہا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسب کے بارے میں سوال کیا کہ آپ کون
...سب سے ہیں تو آپ نے ...زکی النسب ... آپ بے شک شریف النسب ہیں۔ پھر سوال کیا کہ آپ کیا ہیں تو آپ
...ے صاف فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اور اس کا سچا رسول ہوں اور یہ کلمات پڑھ کر سنایا۔ اکثم نے کہا وہ
...پ حضرات تفسیر ابن کثیر کی پوری روایت سے معلوم کریں۔ ملاحظہ ہو ابن کثیر جلد ۲ ص۵۸۳۔ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ آپ قریشی

انسان تھے۔ اگر آپ انسان نہ ہوتے تو ان دونوں کے سوال پر کہ ما انت من انت صاف فرما دیتے کہ ما انا فانا نور من نور اللہ وما انا بشر مثلکم لان خلق اللہ نوری من نورہ ۔

بلکہ آپ بیشک بشر تھے اور آپ کے اندر بھی بشری حاجت مستقل تھی۔ مثلاً خورد و نوش کے ساتھ پاخانہ پیشاب کی حاجت۔ اور دنیاوی بشری حاجت نکاح بیاہ، شادی کرنا، عورت سے جماع کرنا۔ اولاد ہونا۔ انسانی دکھ سکھ کے حامل ہونا۔ اور دنیا سے انتقال کر جانا، قبر میں دفن ہونا۔ آپ کا صاحب ازداج اور صاحب اولاد ہونا دنیا میں مشہور ہے۔ ان سے کس کی مجال کہ انکار کر سکے۔

تخلیق حیوان ناطق میں بشر کا وجود

زیر بحث عنوان سے پہلے بیان میں آپ حضرات نے معلوم کر لیا ہوگا کہ قادر مطلق خالق ارض و سما نے تخلیق حیوانی پر حیوان ناطق کو تین اشیاء سے پیدا کیا ہے۔ فرشتوں کو نور سے۔ اور جنات کو آگ سے۔ اور انسان کو خاک سے۔ ان اقسام ثلاثہ میں مذکورالصدر کا وجود نوری ہونے کی وجہ سے ایک نرالہ ہے۔ کیونکہ نوری مجسم نور ہونے کی وجہ سے خورد و نوش اور حاجت بشریہ سے پاک صاف ہیں۔ نہ صاحب ازدواج اور نہ صاحب اولاد نہ پاخانہ پیشاب کی حاجت۔ نہ وہ نوری۔ انسانی دکھ سکھ اور موت و مصیبت کے حامل ہیں۔ نہ ان کے نسل جاری ہیں۔ نہ کوئی قبیلہ دار ہیں۔ البتہ ذکر اللہ میں مشغول ہیں ضرور مذکورالصدر کے بعد مذکور ثانی جنات اگرچہ تخلیق حیوان ناطق میں ناری ہیں۔ لیکن ان کے اندر خورد و نوش کے ساتھ حاجت بشری کی طرح وہ سب صاحب نسل کے حامل ہیں۔ البتہ یہ دونوں فریق نوری و ناری وجود میں جسم دار نہیں ہیں ۔

تخلیق ثلاثہ میں انسان کا وجود

اقسام ثلاثہ میں تیسرا درجہ انسان کا ہے جو کہ مجسم خاکی ہے۔ جس کو بشر کہا گیا ہے اور بشر اسی ہستی کا نام ہے جو ظاہر جسم والی ہو۔ اور صاحب فراست عقل اور ادراک ہو اور ساتھ ہی وہ صاحب نسب اور صاحب داماد ہو۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بشر کی تعریف میں فرمایا ہے ھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا، الآیۃ۔ یعنی بشر وہ ذات ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی اور پانی سے پیدا کیا۔ اور اس کو صاحب نسب اور صاحب داماد بنایا۔ قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ میں بشر کی تعریف جس وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ وہ بشر ہے جو صاحب نسب اور صاحب داماد ہو۔

یکھنا یہ ہے کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت کریمہ میں داخل ہیں۔ یا نہیں۔ آپ بھی ان اوصاف انسانی
نامل ہیں یا نہیں۔ یا آپ مذکور الصدر نوری کی طرح جسم نور غیر جسم خورد و نوش سے پاک اور صاحب نسب اور رضا
نہ تھے۔ کیونکہ نوری کو کوئی دیکھ نہیں سکتا ہے۔ اور نوری صاحب نسب اور صاحب داماد نہیں ہیں۔

آئیے حقیقت کے آئینہ میں دیکھ لیا جائے کہ آپ کیا ہیں؟

دنیا جانتی ہے کہ آپ صاحب نسب تھے اور صاحب داماد بھی تھے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آپ صاحب
اور صاحب داماد نہ تھے۔ نسب کے لئے بنی عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم کا ہونا کافی ہے۔ اور صاحب داما
ئے آپ کو حضرت علی اور حضرت عثمان کو پیش کر دینا کافی ہو سکتا ہے۔ اور آپ جسم خاکی تھے کہ آپ کو بچپن
کر جوانی تک اور جوانی سے بوڑھاپے تک لوگوں نے دیکھا ہے۔ پھر مرنے کے بعد لوگوں نے آپ کو غسل دیکر
میں کفن دفن بھی کیا ہے۔ آپ کی قبر مبارک اب بھی مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ اس سے کون انکار
کتا ہے کہ یہ سب غلط ہے۔

آپ صاحب ازواج اور صاحب اولاد بھی تھے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ اور کس کی مجال ہے کہ آپ
ب ازواج اور صاحب اولاد نہ تھے کہدے۔

باطل جو صداقت سے الجھتا ہے تو الجھے
ذروں سے خورشید چھپا ہے نہ چھپے گا۔

دیکھئے! نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا کفو قریش تھے جن میں آپ نے متعدد خود شادی کی۔ اور اپنے چاروں صاحب
وں کی شادی کرائی۔ کسی نے کبھی بھی یہ کہہ کر انکار نہیں کیا کہ آپ تو نوری ہیں۔ بشر نہیں ہیں۔ اور ہم سب بشر ہیں
سے رشتہ داری کیوں کر ہو سکتا ہے؟ کیا نوری اور خاکی برابر ہو سکتا ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

اگر رضوی بریلوی صاحبان کے اندر ہمت ہے تو دیانت داری سے ان سب لوازم بشری کا انکار نصوص قرآنیہ
حادیث رسول اللہ سے ثابت کر کے دکھائیں کہ آپ ان اوصاف انسانی سے بالکل پاک تھے۔ خاکی نہ تھے نوری
یا کم از کم یہی ثابت کر دکھائیں کہ آپ نوری ناری کی طرح انسان کے نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہتے تھے ہیں

طرح رضوی بریلوی کا پیشوا ابلیس علیہ اللعنۃ ہم انسانوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ اور پوشیدہ طور سے ہم کو دیکھتا ہے انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم۔ الآیۃ۔ کی طرح ثابت کر دیکھائیں تب جانیں کہ بریلوی حضرات اپنے دعوی میں پکے سچے ہیں۔ ورنہ ہم اہل توحید ان کو جھوٹا ہی سمجھیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ قیامت تک یہ لوگ اس کا ثبوت نہ دے سکیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوری تھے۔ اور لوگوں کے نظروں سے اوجھل رہتے تھے یا شکل بدلتے تھے اور شکل بدلنے کے بعد غائب ہو جاتے تھے۔ جب نہیں اور یقینا نہیں تو دعوی کہ آپ نوری تھے بالکل باطل ہے۔

باقی رہی آیت کریمہ قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین، الآیۃ۔ سے ان لوگوں کا دعوی ہے کہ اس آیت کریمہ میں آپ کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہاں نور سے مراد اسلام اور ایمان ہے۔ چونکہ قرآن حکیم میں نور سے متعلق تقریباً ۳۰ مقامات پر متعدد آیات کریمہ وارد ہے۔ جہاں نور حقیقی اور مجازی طور پر نور کا بیان ہے۔ کہیں تمثیل ایمان اور کہیں نور سے مراد اسلام ہے۔ اور کہیں حقیقی نور جو کہ قیامت کو مومنوں کو عطا ہوگا۔

مجھے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ قرآن حکیم میں بشریت رسول پر سیکڑوں آیات کریمات کے ہوتے ہوئے یہ رضوی حضرات اس آیت کریمہ سے بیجا استدلال پیش کرتے ہیں کہ آپ نوری تھے۔ اگر کسی روایت سے صراحت ہوتی تو بجا تھا: واذ لیس فلیس۔

بہر کیف یہاں بشریت رسول پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اور بریلوی رضوی حضرات کے اعتراض پر بحث ہو رہی ہے کہ جو کوئی رسول کو بشر کہے گا وہ کافر ہے۔ بلکہ رسول کو بشر کہنے پر یہ لوگ اہل توحید کے چودہ گرہوں کو کافر قرار دے کر جہنم رسید کر دیتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے بریلوی حضرات کے اعتراض پر آیت کریمہ فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا الآیۃ پر ایک سرسری نظر ڈال کر گفتگو کرنا ضروری ہے۔ تاکہ بریلوی غور کر کے اس کا جواب دے کر اعتراض کو دفع کریں۔ خیر میں ان رضوی حضرات کے اعتراض پر جو کہ آیت کریمہ فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا الآیۃ۔ سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ جو کوئی رسول کو بشر کہے گا وہ کافر ہے۔ پر چونک اٹھا اور دوڑ کر طاق پر سے کلام مجید کو اٹھا کر لایا۔ پھر کھول کر سورۂ تغابن کی ایک درمیانی آیت کا ٹکڑا جس میں فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا، الآیۃ۔ مذکور ہے۔ بریلوی ترجمہ۔ پس کہتے تھے کیا بشر ہو کر ہم کو ہدایت دیتا ہے۔ پس کافر ہو گئے۔ اور بریلوی نتیجہ اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص رسول خدا کو بشر کہتا ہے وہ کافر ہے۔ پر نظر ڈال کر غور کرنے لگا تو رضوی ترجمہ اور نتیجہ کو منشاء قرآن کے بالکل خلاف پایا۔ کیونکہ آیت کریمہ میں امم سابقہ کے کافروں کا ذکر ہے کہ وہ لوگ از راہ تعجب کہا کرتے تھے کہ ہم بھی بشر اور یہ رسول بھی

نو کیا بشر ہو کر بشر کو ہدایت کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ کافر ہو گئے۔

بہرکیف میں ان رضوی حضرات کے اس نتیجہ پر حیران ہو کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا۔ پھر اپنے ذہن میں لال بکڑ بن کر دور کی کوڑی لایا۔ کہ شاید کسی تفسیر قرآن میں ہو سکتا ہے کہ ان کا بیان موجود ہوں۔ دوڑ کر تفسیر قرآن میں تفسیر ابن کثیر سے لے کر چودہ سو تفاسیر قرآن کو چھان بین کر کے دیکھا۔ اور رضوی ترجمہ کے ساتھ ان کے نتیجہ کو تلاش کیا مگر کہیں نہیں ملا۔

خیر اب ہم ہمارے رضوی حضرات سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ حضرات نے جو آیت کریمہ فقالوا ابشر یہدوننا فکفروا سے نتیجہ نکالا ہے کہ جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہے گا وہ کافر ہے۔ اور ترجمہ کیا ہے کہ پس کافر ہو گئے تو کون کافر ہو گئے؟ تو آپ حضرات جواب میں ضرور کہہ دیں گے تم اہل توحید۔ وہابی۔ نجدی۔ دیوبندی اور غیر مقلد اہل حدیث تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے ہو تم ہی کافر ہو گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے رضوی حضرات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے پر ہمیں کافر بتاتے ہیں۔ وہ کہاں تک صحیح ہے۔ اگر ہم اہل توحید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے سے کافر ہو گئے ہیں۔ تو اب پھر ہمارے بریلوی حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ حضرات پھر ایک بار اپنے ترجمہ بریلوی کے شروع پر ایک نظر ڈال کر انصاف سے بتائیں کہ۔ پس کہتے تھے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کہتے تھے؟ بریلوی رضوی کہتے تھے؟ یا آپ کے ہم مشرب قوم نوح۔ قوم عاد۔ قوم ثمود۔ یا اور کوئی اہل مشرک اہل مکہ؟

اگر ہمارے بریلوی رضوی حضرات کے اندر اہل علم عربی داں ہوتے۔ اور ان کو قرآن و حدیث پر عبور حاصل ہوتا تو دیانت داری سے ضرور بالضرور صاف کہہ دیتا کہ اس آیت کریمہ میں پس کہتے تھے کا فاعل شروع ہی آیت میں موجود ہے کہ وہ سب کافر قوم نوح۔ قوم عاد۔ وثمود اور کفار مکہ ہیں۔ اور مخاطب اہل مکہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے الم یاتکم نبوء الذین کفروا من قبل الآیۃ یعنی اے اہل مکہ کیا تمہارے پاس تم سے پہلے قوم نوح اور قوم عاد وثمود کی خبر نہیں آئی جو کہ کافر ہو گئے تھے۔ یعنی پہلی امتوں کے کافروں کے انجام کا حال تم کو معلوم نہیں؟ یہ سارا واقعہ امم سابقہ ماضیہ کا ہے۔

افسوس یہ لوگ عداوت اہل توحید میں قرآن مجید کی آیت کریمہ سے غلط استدلال کر کے مسلمانوں کو کافر کہنے لگے ہیں۔ اور خلاف منشاء قرآن بیجا تاویلات بلکہ تحریف بالقرآن سے اہل توحید کو کافر کہتے ہیں۔ پھر دعویٰ کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔ اگر یہ لوگ اہل قرآن اور اہل سنت والجماعت ہوتے تو تحریف بالقرآن کے مرتکب نہ ہوتے۔ قرآنی تحریف اور تاویلات

رنا تو فعل یہود اور شیوہ مذہب آریہ دھرم کا ہے ۔ نہ مسلمانوں کا؟

ہم حیران ہیں کہ یہ لوگ اہل توحید کو کافر کیوں کہتے ہیں۔ جب کہ قرآن حکیم میں سیکڑوں آیات کریمات سے بشریت رسول کا ۔ت ملتا ہے کہ آپ بلا ریب و شک بشر تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عداوت اہل توحید میں قرآن حکیم کو بھول گئے ہیں۔ اگر ۔وی بریلوی اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ اور ان کو قرآن یاد ہے۔ اور قرآن پر ایمان ہے تو پڑھیں لقد جاءکم رسول منکم ۔ر لقد جاءکم رسول من أنفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم - الآیۃ -

دیکھئے جناب! اس آیت کریمہ میں کن کا ذکر ہے؟ آیت ہذا کا ایک ایک جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے خصوصاً ۔ظ "لقد جاءکم رسول من أنفسکم" کا لفظ نہایت ہی قابل غور ہے۔ کہ اہل مکہ جو کہ آپ کے خاندان ۔ش تھے سے خداوند تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ یہ رسول جن کو تم لوگ جھٹلاتے ہو وہ تو تمہارے خاندان کے آدمی ۔ جنہیں تم نے پالا پوسا اور تمہاری برادری میں شادی بیاہ کیں۔ مدت تمہارے پاس امین ہو کر زندگی بسر کیا۔ اب ان ۔پیغمبر ہونے کی وجہ سے تم جھٹلاتے ہو حالانکہ وہ تمہارے نزدیک عزیز اور رؤف و رحیم تھے اور ہیں۔ بتائیے پھر بھی آپ ۔ بشر ہونے پر شک باقی رہ جاتا ہے؟ ؎

بشر کا انکار کرتے ہو لیکن سوچ لو — بات چھوٹی سی نہیں انکار ہے قرآن کا
بس نہیں یہ سلسلہ کھینچتا طول اور بھی — انکار ہو جاتا ہے نادان عربی سلطان کا

بس محمد کی بشر کا ہو گیا انکار جب
منکر قرآں ہو جاتا ہے خادم شیطان کا

پھر بھی رضوی حضرات بشریت رسول سے انکار کریں ۔ اور کہدیں کہ آپ بشر نہ تھے ۔ تو یہ لوگ انکار بشریت ۔ول پر منکر قرآن ہو کر پورے خادم شیطان بن جاتے ہیں، اور اس کی تبلیغ کرتے ہیں جس سے شیاطین مطئین ہو جاتے ہیں۔ ۔ر بفحوائے قولہ تعالیٰ شیاطین الانس والجن یوحی بعضہم إلی بعض زخرف القول غرورا - ۔آیۃ - میں داخل ہو جاتا ہے۔ آہ سچ ہے ؎

شیاطین مطئین ہو گئے ہیں ان رضویوں کو بہکا کر
اب وہ پھر دنیا میں مسلمانوں کو بہکانے کہاں جائیں

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اور نصرانیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بشریت رسول سے ہٹا

کہ خدا کا بیٹا قرار دے کر ان کو خدا کہتے ہیں۔ اور ہندؤں نے رام چندر جی کو اور کرشن جی کو اوتار کہکر ان کو خدا او
بھگوان کہتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح مسلمانوں کے اندر ایک نیا فرقہ قبر پرست رضوی بریلوی حضرات نے بھی ہمارے ن
کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مراتب رسالت اور بشریت رسول سے ہٹاکر نور من نور اللہ قرار دے کر ان کو خدا کا
جز قرار دیتے ہیں۔ اور جرأت کے ساتھ کہتے ہیں ؎

ہوا ساری خدائی سے محمد مصطفےٰ پہلے
فرشتے تھے نہ آدم تھا نہ تھا ظاہر خدا پہلے

اور ثبوت پر ان کے منگھڑت روایت سے ایک جملہ أنا نور من نور اللہ اور اوّل ما خلق اللہ نوری وخلق کل شئ من نوری ۔ جیسے زٹیل بکواس کو معرض ثبوت پر پیش کرتے ہیں کہ جملہ کائنات سے پہلے خدا نے اپنے نور سے نور محمدی کو پیدا کیا۔ پھر نور محمدی سے جملہ کائنات کو پیدا کیا۔ حالانکہ سب بکواس بالکل جھوٹا ہے اور شرک ہے۔ جھوٹ تو اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا تھا۔ اور مقادر کائنات کو لکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ جیساکہ مشکوٰۃ شریف میں ہے، اول ما خلق اللہ القلم۔ ملاحظہ ہو: مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر۔ اور شرک اس واسطے ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خالق کل شئ لاشریک ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں۔ اور مراتب رسالت میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندہ برگزیدہ سچے رسول ہیں۔ اور آپ بنی نوع انسان میں سے خاندان ابن عبد اللہ بن عبد المطلب ہاشمی قریشی ہیں۔ ان کو ذات پاک رب العزت کا جز قرار دینا صریح شرک اور کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان خرافات سے صاف منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ یوں ہے کہ وجعلوا لہ من عبادہ جزءً ان الانسان لکفور مبین الآیۃ یعنی ان رضوی جیسے حضرات نے میرے بندوں میں سے محمد مصطفےٰ کو جو میری مخلوق ہیں۔ اور حادث بالذات اور حادث بالزمان ہیں۔ میری ذات کی جو کہ قدیم غیر مخلوق لم یلد ولم یولد ہے۔ میرا جز بنا دیا ہے۔ بیشک ایسا انسان صاف کافر ہے۔

ہمارے رضوی حضرات اس آیت کریمہ کو خوب غور سے پڑھکر انصاف سے بتادیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا جز قرار دینا۔ اور ان کو نور من نور اللہ کہنا شرک بالذات باری تعالیٰ ہے کہ نہیں۔ اگر رضوی حضرات مسلمان ہیں اور قرآن مجید پر ان کا ایمان ہے۔ اس آیت کریمہ کا لحاظ کریں۔ اور اپنے بدعقیدہ شرکیہ یکسر توبہ کر کے موحد مسلمان بن جائیں کہ ؎

چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ پکار ہو الٰہی
کہ مشرک نہ بخشا جائے گا روز بار محشر میں

یہ رضوی حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ انا احمد بے میم حدیث وجہ زمانے جانِ خبیث ذات محمد ذات خدا از ہم ہرگز نہیں
ایک ہی نور ایک ہی صفات ایک ہی نور اور ایک ہی ذات۔

چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ احمد میں جو میم ہے اس کو ہٹا دو احد ہو جائے گا اس بنا پر ذات محمد ذات خدا سے جدا نہیں ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ احمد سے میم ہٹ گیا تو احد ہو گیا۔ اور ایک نور کے صفات میں دونوں برابر ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ۹۹ ننانوے صفاتی ناموں میں ایک نام نور بھی ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی نور ہیں۔ تو دونوں خالق و مخلوق ایک نام ایک صفات میں واحد مطلق ہیں۔ جدا نہیں ہیں۔ ان دونوں کو جدا کہنے والے اہل خبیث ہیں۔ نعوذ باللہ

نور کی حقیقت پر ایک نظر

ناظرین کرام! آپ حضرات پر مخفی نہیں کہ ہمارے رضوی بریلوی حضرات نور محمدی پر مندرجہ ذیل آیت کریمہ: قد جاءکم من اللّٰہ نور وکتاب مبین۔ سے ثابت کر دکھاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم نور تھے۔ اور نور بھی عین خدا کا نور ہے۔ اس عقیدہ کا مظہر ہے کہ خدا نے اپنی ذات سے خدا کی ذات کو پیدا کر کے اپنا مثیل اور شبیہ دنیا میں بھیجا ہے جیسا کہ ہندو کے عقیدہ میں رام چندر جی اور کرشن جی اصل میں بھگوان تھے۔ دنیا میں اوتار کے روپ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور اب تک حاضر و ناظر ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے ماہیت نور پر گفتگو کرنا ضروری معلوم ہوا تاکہ نور محمدی سے پہلے نور کی اصل حقیقت سے عوام کو روشناس کرایا جا سکے۔

نورِ الٰہی

قرآن حکیم میں تقریباً ۳۰ مقامات پر متعدد آیات کریمات میں نور کا بیان ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے متعلق بھی سورہ نور میں کچھ بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں کہ ان سب آیات کو یکجا جمع کر کے نور پر غور کریں کیوں کہ تفصیل کے لئے دفتر کی ضرورت ہے۔ اور وہ محال بھی ہے۔ اس لئے یہاں صرف نور الٰہی
[illegible] واقعہ معراج میں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ [illegible]

ر نور کے پردوں میں ہے۔ اور وہ ذات پاک رب العزت سات آسمانوں کے اوپر عرش معلی پر مستوی عرش ہے چنانچہ
آن کہتا ہے کہ الرحمن علی العرش استوی الآیہ اور واقعہ معراج میں حضرت ابی ذر وغیرہ سے مروی روایت وارد
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے پروردگار عالم کو عرش پر دیکھا ہے۔ ہل رایت ربک آپ نے فرمایا
انی اراہ الحدیث۔ یعنی وہ ذات پاک تو نور ہے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ پس نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے
صراحت ثابت ہوگیا ہے کہ وہ ذات پاک مجسم نور ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ خدائے تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا
ان کہ وہ خود مجسم نور ہے اور ستر ہزار نور کے پردوں میں ہے۔

اب یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ خداوند تعالیٰ جب کہ خود نور ہے۔ تو پھر وہ نور کے پردوں میں کیوں ہے؟
جواب یہ ہے کہ وہ ذات پاک رب العزت کی عظمت اور
ت کی تجلی کی تاب مخلوقات نہیں لا سکتا ہے۔ نہ اس کو کوئی دیکھ سکتا ہے۔ بنابریں خداوند تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے کہ
تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ الآیۃ۔

ذات پاک رب العزت کو تو دیکھنا درکنار ان کا حجاب نور کا تاب لانا محال ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث
ہیت تجلی حجاب کے متعلق صاف ثابت ہے کہ حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ
انتہی الیہ بصرہ من خلقہ الحدیث یعنی ذات الٰہی جو کہ نور کے پردوں میں ہے۔ اگر خداوند
ان پردوں کو دور کر دے تو اس کی ذات کی تجلی تمام خلقت کو ایک دم جلا کر راکھ کر دے گی۔

حجاب نور کی ماہیت

حدیث اسرافیل میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ خلق اسرافیل منذ خلقہ صافا
یہ لا یرفع بصرہ بینہ وبین الرب تبارک تعالیٰ سبعون نورا ما منہا من نور یدنو منہ الا احترق المشکوٰۃ۔
(متفق علیہ)
یث جبرئیل میں وارد ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ آپ تو مقرب فرشتوں میں
زیادہ قربت حاصل کرنے والے ممتاز برگزیدہ رسول ہیں۔ آپ نے کبھی رب العالمین کو بچشم خود دیکھا بھی ہے۔ تو
یہ سوال سن کر مارے ہیبت کے کانپنے لگے۔ اور صاف فرمایا کہ ان بینی وبینہ سبعین حجابا من نور لو
بعضہا لاحترقت۔ الحدیث۔ پس حدیث اسرافیل اور حدیث جبرئیل سے خود اندازہ لگا لیں کہ نور الٰہی کی

کیا شان ہے۔ جب کہ مقرب فرشتے نور الٰہی کی نور حجاب کی تاب نہ لا سکتا ہو تو نور الٰہی کی دیدار کتنا دشوار ہو سکتا ہے
لیکن ہمارے بریلوی رضوی حضرات جرأت کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جا کر خود اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیا ہے۔ اور آپ زانو بزانو عرش معلی پر بیٹھ کر ہم کلام ہوئے ہیں۔ پھر محفل میلاد میں اس شعر کو جھوم جھوم کر گاتے ہیں ؎

جا کے خدا کو عرش پر آپ نے دیکھ بھی لیا
اور سنا کے کلیم طور پر لن ترانیاں

یعنی ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جا کے خود خدا کو دیکھ لیا ہے۔ اور حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام دیکھ نہ سکے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود خدا کو دیکھ لیا اور حضرت موسیٰ نے جب کوہ طور پر اپنے رب کو دیکھنے کے لئے خواہش کی تو جواب ملا لن ترانی الآیہ۔ حالانکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا کہ میں نے بچشم خود خدا کو نہیں دیکھا ہے۔ تو انصاف سے بتائی جائے کہ جھوٹا کون ہے۔ بریلوی یا ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
ہمارے اہل توحید کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی انسان خدا کو بچشم خود دیکھ نہیں سکتا ہے۔ خواہ وہ برگزیدہ رسول ہی کیوں نہ ہوں۔ اور نہ روبرو کلام کر سکتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن حکیم میں صاف فرمایا: وما کان لبشر أن یکلمه الله إلا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء انه علیّ حکیم، وکذلک أوحینا الیك روحا من امرنا۔ الآیة۔
دیکھئے! یہاں اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی انسان وہ کیسا ہی برگزیدہ رسول ہو۔ اللہ تعالیٰ سے رو برو کلام نہیں کر سکتا ہے یا تو پردے سے یا وحی سے یا جبرئیل کے معرفت ہم کلام ہو سکتا ہے۔ سامنے نہیں۔ کس کا مجال ہے کہ اس نور کی تاب لا سکے۔ مگر رضوی کہتے ہیں کہ شب معراج میں آپ عرش معلی پر تشریف لے گئے تھے۔ اور یہاں کہتے ہیں کہ ؎

شب معراج میں پہونچے تو پردے سے ندا آئی
آ و چلے آ و محمد بے پردہ ہو نہیں سکتا

یہ سب عقیدہ رکھنا بریلوی رضوی مذہب میں درست ہو سکتا ہے اسلام میں نہیں۔ جب کہ یہ سب خرافات قرآن مجید کے بالکل خلاف [illegible] ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ سامنے نہیں پردے کے باہر [illegible] بتاتے ہیں۔ [illegible] سے صاف معلوم ہوا کہ [illegible] بالکل [illegible] اور [illegible] کے پردے [illegible]

کسی کا مجال نہیں کہ وہاں تک پہنچ سکے۔ اور نور تجلی کی تاب لا سکے۔

اب دیکھا جائے کہ ہمارے رضوی حضرات جو کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجسم نور تھے۔ اگر آپ مجسم نور تھے۔ اور نور الٰہی کا جزو تھے تو آپ کے اندر بھی نور تجلی کا موجود ہونا چاہیے۔ اور آپ کی تجلی سے جہاں روشن ہو جاتا جو کوئی آپ کے سامنے حاضر ہوں تو نور تجلی سے جل کر راکھ بن جائے۔ جیسا کہ نور الٰہی سے تمام مخلوق جل کر راکھ بن جاتی ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو بقول رضوی نور الٰہی کی جزو ہیں۔ اور شمع سے شمع روشن کیا گیا ہے۔

ہم ان نادان رضوی سے پوچھتے ہیں کہ جب شمع سے شمع جلایا گیا ہے تو دونوں برابر ہوئے یا ان دونوں میں کچھ فرق بھی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ شمع سے شمع تو برابر کے لیے روشن ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ ذات و صفات میں دونوں برابر ہوتے ہیں اور دونوں میں حرارت تجلی موجود ہوتی ہے۔ طاقت حرارت میں ایک ذرہ فرق نہیں رہتا ہے۔ نہ آتا ہے۔ اس بنا پر نور محمدی جو کہ نور الٰہی کا جزو ہے۔ اور شمع سے شمع جلایا گیا ہے۔ تو بتاؤ جس طرح ذات پاک کی نور تجلی سے دنیا کے تمام مخلوق نور تجلی کی تاب نہ لا کر جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نور محمدی سے کوئی مخلوق جل کر راکھ بن گئی ہے۔؟

اور جس طرح ذات پاک ستر ہزار نور کے پردوں میں عرش معلی پر مستوی عرش ہے۔ کیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نوری ہونے کی وجہ سے کسی رضوی پردوں میں چھپ کر رہتے تھے؟ اگر ہمارے رضوی صاحبان کے اندر ہمت ہے۔ اور اپنے دعویٰ میں پکے سچے ہیں تو دیانت داری سے اس کا ثبوت دیں۔ ورنہ اس بدعقیدہ سے توبہ کریں۔ اور صاف کہہ دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جملہ انبیاء کرام کی طرح بشر تھے۔ نوری نہ تھے۔

بہرکیف اس موضوع پر قرآن حکیم کا ایک واقعہ جس میں آپ کو خداوند تعالیٰ نے بشر کہا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آپ کو بشر شمار کیا ہے کو پیش کر کے بشریت رسول کا ثبوت دے کر اسی بحث کو ختم کر کے آپ کے علم غیب پر گفتگو کرتا ہے۔

آپ بشر تھے خدا نہ تھے

تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں بیان ہے کہ جب یہودیوں اور نصرانیوں کے نجرانی علماء آپ کے پاس جمع ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تبلیغ رسالت پر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کیا آپ بھی یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصرانی حضرت عیسیٰ بن مریم کو ابن اللہ کہہ کر عیسیٰ بن مریم کی عبادت کرتے ہیں۔ ویسی ہی آپ کی عبادت کریں؟ تو نصرانی میں سے نجران کے ایک نصرانی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہا تب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا معاذاللہ نہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت کرتے ہیں نہ کسی کو خدا کے سوا دوسرے کو عبادت کے لئے کہتے ہیں۔ نہ میری رسالت اور پیغمبری کا یہ مقصد ہے نہ مجھے خدا کا یہ حکم ہے کہ مجھے لوگ پوجیں۔ میں تو تم جیسا ایک بشر ہوں۔ مجھے کہاں لائق ہے کہ میری عبادت کی جائے۔ اس پر خداوند تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیتیں نازل فرما کر صاف بتادیا کہ محمد تو ایک بشر ہے۔ انسان ہے۔ ان کو یہ لائق نہیں کہ وہ لوگوں کو عبادت کے لئے حکم دے سکے۔ بلکہ کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ ان کو کتاب اور حکمت اور نبوت پیغمبری ملنے کے بعد لوگوں کو اپنی پرستش کا حکم دے، چنانچہ وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادالی من دون اللہ ۔ الآیۃ۔ ملاحظہ سورہ آل عمران اور تفسیر ابن کثیر لیکن بریلوی ان نصوص قرآنیہ اور سیکڑوں حدیث رسول اللہ کے خلاف صاف کہتے ہیں ؎

بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے — یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا
یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے — بندہ اپنا کر لیا پھر تجھ کو کیا

کتنا سفید جھوٹ ہے کہ یہ حضرات حضرات اہل توحید میں نبی کو بھی جھوٹا بنادیا ؎

محیط ہو چکی ہیں ظلمتیں ان کے شعور پر
جھکا ہوا ہے سر ان کے مزار پر قبور پر

پھر بھی یہ رضوی بریلوی اپنے کو مسلمان تصور کرتے ہوئے صاف کہتے ہیں کہ ہم مسلمان اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں اور تمام اہل توحید کافر ہیں۔ ان پر ہم اہل توحید ان کو یہ کہتے ہوئے مبارک باد دیتے ہیں ؎

اہل توحید پر ہوں خدا کی رحمتیں — اور منکر توحید پر ہوں خدا کی لعنتیں
موحدین کو ہوں نصیب ہدایتیں — اور منکر توحید پر ہوں خدا کی زحمتیں

خدا نے دن دکھایا ہے موحدین کو ہدایت کا
ملا ہے اہل شرک کو راہ شیطانی ضلالت کا

بہرکیف میں نے اب تک بشریت رسول پر کافی بحث کرکے ثابت کردیا کہ آپ بشر تھے۔ نور نہ تھے۔ پیغمبر تھے۔ خدا نہ تھے۔ لیکن یہ رضوی وہی ہٹ دھرمی سے کہتے جاتے ہیں کہ نہیں آپ مجسم نور تھے۔ اور ثبوت میں ایک من گھڑت روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل کل الاشیاء نور نبیک من نورہ۔ الحدیث یہ سب ان رضوی حضرات کی فکر پرستی کے لئے بناوٹی کرشمہ سازی ہے۔ جن سے وہ لوگ خالق احد پر نعوذ باللہ شرک کرتے ہیں۔

قدم قدم پہ شہید جگہ جگہ کراتیں ۔ موحدین کی تھا ایک بزم میں شکایتیں
سرنیاز خم جو کردیں ان پہ بلائیں آتیں ۔ اڑا رہے ہیں پھر بھی جگہ جگہ ضیافتیں

کبھی زمین پہ ہیں قدم کبھی قریب عرش ہیں
فقیر ہیں مگر مکان میں تحتی سے فرش ہیں

یہ سب بریلوی مجذوب صاحبان عاشق رسول ہیں جو کہ نبی کو خدا کر دیکھاتے ہیں [illegible] خالق و مخلوق کو برابر سمجھتے پھر بھی مسلمان اہل سنت والجماعت ہیں۔

العبد العاجز

محمد حبیب الرحمن بن عبد العظیم مالدہی

کھیڑیا، کتلا ماری، مالدہ، مغربی بنگال۔

خاتون اسلام

نیا اضافہ شدہ ایڈیشن

تالیف : جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری۔
قیمت : چھتیس (۳۶) روپے۔
یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد اور ہر مسلمان گھر میں
رکھنے کے قابل ہے۔

پتہ ۔ مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس۔ ۲۲۱۰۱۰ ۔ یوپی، الہند

باب الفتاویٰ

ترجمہ: مولانا عزیز الرحمن سلفی

فتاویٰ علامہ ابن باز حفظہ اللہ

سوال ۱ : کیا کسی مسلمان آدمی کے لئے ایسے شخص کی مصاحبت جائز ہے جو کبھی کبھی بلکہ اکثر اوقات نماز ترک کر دیتا ہے ؟

جواب : کسی مسلمان کے لئے ایسے آدمی کی مصاحبت جائز نہیں اسے نصیحت کرنی چاہیے اور اس کے اس برے عمل پر نکیر وارد کرنی چاہیے۔ اگر توبہ کرے تو بہتر ہے۔ ورنہ اس کا ساتھ قطعی طور پر چھوڑ دے۔ اس سے للہی بغض رکھے یہاں تک کہ اپنے برے عمل سے توبہ کرے۔ اسلئے کہ نماز ترک کرنا کفر اکبر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور لوگوں کے درمیان عہد و میثاق نماز ہے جس نے نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا۔ یہ حدیث امام احمد اور اہل سنن نے روایت کی ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر سے روایت بیان کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان اور کفر و شرک کے درمیان سب سے بڑا امتیاز نماز ہے۔

پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ فی اللہ محبت رکھے۔ اور فی اللہ بغض رکھے۔ اللہ کے لئے دوستی کرے اور اسی کے لئے دشمنی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں جن کی اللہ کو چھوڑ کر تم پرستش کرتے ہو برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم نے تمہاری باتوں کا انکار کر دیا۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے بغض اور دشمنی پیدا ہو گئی جب تک تم تنہا اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

پھر اس غیر شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ جائے اس قسم کے معاملات کو حکام تک پہونچانا

[illegible] توبہ کرائی جائے اگر توبہ کر لیتا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اس لیے کہ نماز ترک کرنے اور توبہ نہ کرنے کی حد قتل کرنا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ اگر وہ لوگ توبہ کر لیں نماز قائم کریں اور زکاۃ کی پابندی کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

یہاں یہ بات بھی [illegible] ہے کہ اگر کسی نے نماز ترک کر [illegible] اور اپنے اس فعل سے توبہ نہیں کرتا تو اسے یونہی آزاد نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ اسے قتل کر دینا چاہئے [illegible] اس کا قتل کفر کی حالت میں ہوگا جیسا کہ دونوں سابقہ روایتیں دلالت کرتی ہیں۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے نمازیوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو نماز نہیں پڑھتا اس کا قتل کرنا منع نہیں ہے بلکہ اگر توبہ نہیں کرتا تو اس کا قتل کرنا واجب ہے کیوں کہ اس جرم عظیم سے باز رکھنے کا طریقہ یہی ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے احوال درست کر دے اور ہم سب کو دین پر ثبات قدمی عطا فرمائے۔ آمین۔

سوال ۲: بعض نوجوان ایسے ہیں جو دوسروں کو نماز کی پابندی اور دین کی محافظت کرتا دیکھ کر استہزا کرتے ہیں اسی طرح بعض نوجوان دین کی بے حرمتی کرتے اور دین سے لاپرواہی برتتے ہیں ان کے سلسلے میں کیا حکم ہے۔ اوقات نماز کے علاوہ میں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اسلام یا کسی اسلامی حکم کا استہزا کفر اکبر ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے، اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ، اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا استہزا کرتے ہو۔ تم آج بہانہ بازی مت کرو تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے (توبہ)۔ جو شخص کسی دیندار، پابند صلاۃ کی، دین پسندی اور محافظت پر استہزا کرے۔ اسکی مجالست و مصاحبت جائز نہیں بلکہ اس سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہئے، اس کی مصاحبت سے احتراز کرنا چاہئے۔ صحیح توبہ کی ترغیب دلانی چاہئے اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ عادل گواہوں کی شہادت کے ساتھ معاملہ حکام وقت تک پہونچائے اور عدالت شرعیہ کے ذریعہ اللہ کا حکم اس پر نافذ کیا جائے۔

بہرحال اس قسم کے مسائل بہت اہم ہیں ہر طالب علم اور دین شناس کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے اور مذاق کرنے والوں کو ڈرانا چاہئے تاکہ استہزا بالحق و استہزا بالمخلص کا عقیدہ [illegible] نہ ہو۔ دعا ہے کہ [illegible] منافقین کے شر سے محفوظ رکھے۔

شمارہ/۹ | ستمبر ۱۹۹۳ء | ربیع الاول ۱۴۱۴ھ | جلد/۱۱

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک
۴۰ روپئے فی پرچہ ۴ روپئے

○ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

۱۔ درس قرآن — مولانا اصغر علی سلفی — ۲
۲۔ درس حدیث — 〃 〃 〃 — ۴
۳۔ افتتاحیہ — مدیر — ۶
۴۔ فریضۂ حج و مقدس مقامات — مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری — ۱۳
۵ برصغیر پاک وہند میں شیعیت کی اشاعت کیونکر ہوئی
مشتاق احمد چوہدری — ۲۱
۶۔ عورتوں کے مسجد اور عیدگاہ جانے کا مسئلہ — مولانا احمد مجتبیٰ سلفی — ۳۷
۷۔ حج شماری کا ہنر — ۴۵
۸۔ باب الفتاویٰ — علامہ ابن باز حفظہ اللہ — ۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن

اصغر علی امام مہدی سلفی

جیسے کو تیسا

وإن تخافن من قوم خيانة فانبذ إليهم على سواء إن الله لا يحب الخائنين.

(الانفال : ۵۸) اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے بدعہدی و دغا کا تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف اس طرح کہ دونوں برابر ہو جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اسوقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جن چند امور کو اہمیت دے کر انجام فرمایا اس میں سے ایک اہم کام حالات وظروف کو مدنظر رکھ کر مدینہ منورہ کے اردگرد اور اس کے اندر موجود قبائل سے باہمی معاشرت کو بحسن و خوبی نبھانے کے لئے آپ نے ان سے چند باتوں پر معاہدہ کیا، اس میں سے ایک اہم معاہدہ آپ کے اور یہود کے کے درمیان یہ طے پایا کہ باہر کا کوئی دشمن ہم میں سے کسی ایک پر حملہ آور ہو تو ہم سب مشترکہ طور پر اس کا دفاع کریں۔ اس معاہدہ میں یہودِ مدینہ کے تمام قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ شریک تھے، لیکن انہوں نے اسلام اور مسلمانوں سے ازلی دشمنی ہونے کی وجہ سے بظاہر معاہدہ تو کر لیا تھا مگر ان کے دل بغض وحسد کی وجہ سے مسلمانوں کے درپے آزار رہے، اور یہ معاہدہ ابن الوقتی طالع آزمائی اور موقع کی تلاش کے لئے کیا، چنانچہ حق و باطل کا پہلا معرکہ جب بدر کے میدان میں رونما ہوا تو مدینے کے یہود اور منافقین مسلمانوں کی قلت تعداد اور بے سروسامانی کو دیکھ کر اندر اندر پھولے نہیں سماتے تھے کہ اب اسلام اور مسلمانوں کا بدر کے میدان میں خاتمہ ہونا ہی ہے، چنانچہ جب تک اپنے آنکھوں سے قریش کے سورماؤں اور سرداروں کو پابند قید وسلاسل مسلمانوں کے ہاتھوں میں دیکھ نہیں لیا ہر غازی کی مدینہ منورہ واپسی پر آوازیں کستے اور مذاق اڑاتے مزید معاہدے کا پاس ولحاظ نہ کرکے ایک مسلم انصاری خاتون کی جو اپنی ضرورت سے بازار بنی قینقاع میں تشریف لے گئی تھیں، یہود نے ان کے ساتھ استہزاء اور چھیڑ خانی کی جس پر ایک موجود مرد مومن کو غیرت آئی اور اس نے بدتمیزی کرنے والے یہودی کو کیفر کردار تک پہونچا دیا اور خود یہودیوں کے نرغے میں آکر جام شہادت

نوش فرمالیا۔ رضی اللہ عنہ۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنو قینقاع کے پاس اصلاح حال اور معاہدے کے خلاف ورزی کرنے کے سلسلہ میں دریافت کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو یہود نے مزید غداری، خیانت اور نقض عہد کا ثبوت دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح جوئیانہ سرگرمی کو ناکام بنایا ہی مزید یوں دھمکی دی کہ "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس خیال خام میں مبتلا ہیں ہم آپ کی قوم قریش کیطرح جنگ کے معاملہ میں اناڑی اور فنونِ حرب سے کورے نہیں ہیں کہ میدان میں مارے جائیں، ہم سے پلہ پڑے گا تو پھر آپ کو اچھی طرح پتہ چل جائے گا کہ ہم کون ہیں" یہ کہنا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جبرئیل علیہ السلام ابھی اس آیت کی وحی سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بنی قینقاع سے اندیشہ ہے چنانچہ معرکۂ بدر کے بعد ابھی مہینہ بھی پورا نہ ہونے پایا کہ ان کا محاصرہ کرلیا اور انجام کار بنی قینقاع کو وہاں سے جلاوطن ہونا پڑا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوۂ حسنہ سے یہ روشنی ملتی ہے کہ جہاں بہت سے اقوام بستے ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ ان تک اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے ہوئے ان سے امن وامان کی بقاء کے لئے معاہدہ کریں اور جو لوگ مسلمانوں کے درپے آزار ہوں ان کے خلاف دفاعی معاہدے بھی کئے جائیں اور معاہدوں کی پوری پوری پابندی ونگہداشت کی جائے، اور عہد کرنے والوں اور دشمنوں سے ساز باز کرنے والے معاہدوں کے ساتھ بنی نضیر و بنی قریظہ کے حالات وواقعات کی روشنی میں کام کیا جائے، جنہوں نے مختلف اوقات میں مختلف طور سے بدعہدی کی۔ ایمان کا یہی تقاضہ ہے ورنہ مسلمان، بحیثیہ ایمان ہمیشہ دھوکے میں رہیں گے، اور لا یلدغ المومن بحجر مرتین کے صفت سے عاری ہوکر ہمیشہ اقوام عالم سے ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ اگر ان کا ایمان اتنا ہی کمزور ہے اور وہ اس پوزیشن میں اپنے کو نہیں پاتے تو کم از کم کیا وہ ان عہد کرنے والوں کی ریشہ دوانیوں اور کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھ ان کے خلاف ساز باز کرنے والوں سے بھی ناواقف ہیں کہ پھر ان کا ساتھ دیئے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ وہ عہدوں اور نقض عہد کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا مگر مسلمانان عالم خصوصا مسلمانان ہند ہیں کہ ان سے محبت کا دم بھرتے جارہے ہیں۔ ؎ ہم کو ان سے وفا کی ہے امید، جو نہیں جانتے وفا کیا ہے۔

درس حدیث

اصغر علی امام مہدی سلفی

ایسا علم! اللہ کی پناہ

عن زید بن ارقم قال: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اللھم إ
أعوذبك من علم لاینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لایستجا
لہا۔" (مسلم) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دع
کرتے تھے کہ: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، اور ایسے دل سے جو نہ پسیجے، او
ایسے نفس سے جو آسودہ نہ ہو سکے، اور ایسی دعا سے جو شرف قبولیت سے نہ نوازی جائے۔

علم کی بڑی اہمیت ہے، کتاب وسنت میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، علم جو بھی ہو انسان کو
روشنی عطا کرتا ہے، اسے جہالت کی تیرہ وتاریک دنیا سے نکال کر روشن اور تابناک عالم میں اعلیٰ مقا
عطا کرتا ہے، بشرطیکہ علم حاصل کرنے والا اس کے تقاضوں کو بحسن وخوبی پورا کرے، اور اس کو کامل اخلا
سے حاصل کرے اور عمل سے مزین کرے تو ایسا علم نافع ہے ورنہ اگر علم کے ذریعے انسان اخلاقی قدروں سے
بیگانہ اور حقوق وفرائض کی سمجھ اور اس کی ادائیگی سے کنارہ کش ہے تو علم سے بجائے نفع کے نقصان ہے

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کر بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

علم دین کی فضیلت واہمیت بے شمار ہے، کیونکہ اسی کے اوپر آخرت کی کامیابی وناکامی کا دار
مدار ہے، اور ایک مؤمن کے لئے اصل چیز آخرت ہے، اس لئے علم دین حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے
اللہ تعالیٰ کے فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر فرش راہ کر دیتے ہیں، خلق خدا اس کے لئے دعا کرتی ہے حتیٰ
مچھلیاں بھی پانی کے اندر اس کے لئے استغفار کرتی ہیں، اور اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ طالب علم نبوی کے
لئے جنت کا راستہ آسان وہموار فرما دیتے ہیں۔

ایک طرف تو علم کی یہ فضیلت ہے، دوسری طرف کچھ ایسے بھی علم ہیں جس سے اللہ کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم پناہ مانگا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس علم سے پناہ مانگتے تھے وہ غیر نافع علم ہے اور کیوں نہ

کہ ایسا علم عالم کے لئے حجت بننے کے بجائے اس کے خلاف حجت بنے گا، لہذا علم کے لئے ضروری ہے کہ نافع ہو، اور وہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کو اللہ کی رضا جوئی و خوشنودی کے لئے حاصل کیا جائے، اور اس پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کو اس کی تعلیم دی جائے۔ ورنہ بلا عمل کے علم غیر نفع بخش بلکہ وبال جان ہے، اور ایسے بے عمل عالم کا علم کی نشر و اشاعت کرنا سبب ثواب تو در کنار عتاب و عقاب کا ذریعہ ہے جس آدمی کا قول عمل کے خلاف ہے، کہتا ہے ایسے شخص کو پروردگار: یأیہا الذین آمنوا لما تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔ بلکہ عالم بے عمل مثل اس گدھے کے ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو اور وہ سمجھ تک نہ سکے کہ یہ نمک کی بوری ہے یا کتابوں کا صندوق۔ ؎

ہے تو عالم عابدوں میں جیسے انجم میں قمر ۔۔۔ بے عمل نکلا تو پھر وہ مولوی خر ہو گیا

اور وہ علم بھی غیر نفع بخش ہے جو محض دنیا طلبی اور حصولِ مال کے لئے حاصل کیا جائے جو شخص علم دین کو دنیا طلبی کے لئے استعمال کرتا ہے اس کے لئے قرآن و حدیث میں وعید شدید آئی ہے: یشترون بآیتی اللہ ثمنا قلیلا ایای فاتقون، ناقص علم بھی غیر نافع علم ہے، اس سے بسا اوقات ناقابلِ تلافی حد تک ضرر بھی پہونچتا ہے۔ مثل مشہور ہے: نیم حکیم خطرۂ جان، نیم ملا خطرۂ ایمان۔ وہ علم بھی نقصان دہ ہے جسے لوگوں کو بتانے سے گریز کیا جائے اور کتمانِ علم کا مرتکب ہو یا جائے، کیونکہ علم کا چھپانا بھی عظیم گناہ اور بڑا جرم ہے؛ ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وأنتم تعلمون۔ اور جس علم کے ذریعے انسان کبر و غرور، فخر و مباہات، تعلی اور گھمنڈ کا شکار ہو جائے وہ علم بھی صاحب علم کے لئے غیر نفع بخش بلکہ لعنت ہے، علمی طنطنے اور غرور میں مبتلا ہو کر ہم چنیں دیگرے نیست کی بات کرنا اور اپنی علمی برتری جتاتے ہوئے لوگوں کو کم علم سمجھ کر ان پر دھونس جمانا، نیز اہل علم سے مقابلہ و مناظرہ کرنے کے لئے علم حاصل کرنا بھی باعث مدح و توصیف اور مفید نہیں بلکہ سبب زحمت و بلائے جان ہے، اور اسی طرح وہ علم بھی غیر نافع ہے جو ریاء و نمود اور حصولِ شہرت اور عالم کہلانے کے لئے حاصل کیا جائے گا نیز دنیاوی جاہ و حشمت و سیادت و قیادت نیز حصولِ اقتدار اور حصولِ مراتب دنیا کے لئے حاصل کیا جائے۔

افتتاحیہ

نئے عالمی نظام کی چھاؤں میں

مسلمان بچوں کی مقبول عالمی تجارت

جدید برقی دور اور اس کی تمدنی چمک دمک سے متاثر ہو کر عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نوع انسانی اپنے قدیم بہیمانہ اور وحشیانہ اطوار واخلاق سے نجات پا چکی ہے، لیکن کرۂ ارضی پر رو نما ہونے والے احوال و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خیال غایت درجہ سادہ ہے، میں یہاں روئے عالم پر بالادستی رکھنے والی اقوام مغرب کا ذکر کرتا ہوں کہ تمدنی عروج وازدھار کے باوجود یہ قومیں قدیم طرز فکر وعمل اور پرانے وحشیانہ اطوار واخلاق سے بہت ہی کم نجات پا سکی ہیں، مغرب کی منا حکومت ویٹیکان کی فصیلوں کے نیچے بوسنیا کے مسلمان مردوں اور عورتوں حتی کہ بچوں کے ساتھ جو بہ اور وحشیانہ کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ ہمارے اس خیال کی واضح دلیل ہیں، اگر ظاہری چمک دمک انسانیت اور شرافت کی دلیل ہے تو پھاڑ کھانے والے چیتوں کو اول نمبر کا انسان تسلیم کرنا چاہئے اس کہ ان کی آنکھوں میں غایت درجہ چمک ہوتی ہے اور ان زہریلے سانپوں کو متمدن انسان کہنا چاہئے کی چمڑیاں نہایت حسین ہوتی ہیں، آخر بڑے بڑے شہروں کے عجائب گھروں اور ان میں پلنے والے درا اور سانپوں کے مسکنوں میں برقی جگمگاہٹ اور تمدنی چمک دمک کی کون سی کمی ہوتی ہے، سچی بات تو کہ انسان غایت درجہ متمدن ہو جانے کے باوجود اس وقت تک وحشی ہی رہے گا جب تک اس کے اف وخیالات اور اعمال واخلاق پر آسمانی رسالت کی بالادستی نہ ہو جائے۔ بیسویں صدی کی اس دنیا م اہل مغرب کی طرف سے حقوق انسانی کے تحفظ کے ڈھنڈھورے بڑی بلند آہنگی سے پیٹے جا رہے ہیں، ا

شور شرابے کے پسِ پردہ ان کروڑوں مسلم بچوں کی معصوم آہوں کو چھپا دیا جاتا ہے جنہیں ان کے گھروں، ن کے والدین، ان کے خاندانوں، ان کے شہروں اور ان کے ملکوں سے جدا کر دیا جاتا ہے، اور پھر مغربی ملیساؤں اور بڑے بڑے تجارتی اداروں کے ذریعہ ان کی نہایت مقبول اور نفع بخش تجارت شروع کر دی جاتی ہے۔ ہم ذیل میں جریدہ " الدعوۃ " ریاض مجریہ ۶ر ۵ر ۱۹۹۳ء کے سیاسی محرر کی مختلف ذرائع ابلاغ سے مرتب کردہ ایک باوثوق رپورٹ کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جس سے اہل مغرب کے طرزِ فکر عمل اور اخلاق و عادات کے معیار کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ انسانیت و شرافت پر مبنی ہے یا بہیمیت اور وحشت و درندگی پر۔

مذکورہ رپورٹ میں منقول ہے کہ ہم نے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے متعلق پڑھا اور سنا تھا کہ یورپی آتے تھے اور افریقیوں کے بچوں اور عورتوں کو لے کر یورپ چلے جاتے تھے اور ان کی تجارت کرتے تھے ننگِ انسانیت تجارت آج پھر لوٹ آئی ہے جب کہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے قریب ہیں، یہ مسلمان بچوں کی تجارت ہے، ہم اس قضیہ کو اس کے حقیقی اور ثابت واقعات کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

صومال سے متعلق خبروں میں بتایا گیا ہے کہ وہاں ایسے صہیونی ادارے قائم کئے گئے ہیں جنہیں "موساد" کا تعاون حاصل ہے، یہ ادارے بعض غیر سماجی صومالی حلقوں کے اشتراک سے قائم کئے گئے ہیں، یہ ادارے صومالی دارالسلطنت مغدیشیو اور کینیا کے حدود پر واقع پناہ گزین کیمپوں سے درجنوں بچے تل ابیب منتقل کرنے کا کام انجام دیتے ہیں، اس سلسلہ کے متعدد واقعات دیکھے گئے ہیں، صہیونیوں نے ان واقعات کی تکذیب نہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے غرض بھوکوں کو پناہ دینا اور صہیونی اسپتالوں میں ان کا علاج کرنا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان بچوں کے دماغوں کو دھل کر اور ان کی عقلوں کو مسخ کر کے انھیں صہیونی تنظیموں میں داخل کرنا اور اعلیٰ ڈگریاں دلاکر مسلم صومال میں انھیں صہیونی ذہن و دماغ کے ساتھ واپس بھیجنا مقصود ہے۔

عظیم بوسنیائی مسلم قوم کو جو اہل یورپ کے غیر انسانی رویہ کے سبب مظلوم و مقہور ہے، چند ملین افراد تباہ و برباد کر رہے ہیں، ان کے مکانات کو ان کے مکینوں پر ڈھا دیا جاتا ہے، اور ہر چیز میں آگ

لگادی جاتی ہے، اس کے بعد کلیسائی ادارے بوسنیا جاتے ہیں اور یورپ کی ریل گاڑیوں، موٹروں، اور ہوائی جہازوں میں مسلم بچوں کو بھر کر کلیساؤں اور راہبوں کی خانقاہوں میں منتقل کر دیتے ہیں، پھر ارتھوڈکس اور پاپا کی قیادت کے حامل کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نیز انجیلی کلیسے بوسنیائی مسلم بچوں کو نصرانی بنانے کے لئے اس تجارت میں شامل ہوتے ہیں اور اس میں پوری مادی قوت صرف کرتے ہیں۔

یہ مسلم بچے جب دیر و کلیسا میں داخل کر دیئے جاتے ہیں تو پوری دنیا سے ان کے رابطے کاٹ دیئے جاتے ہیں، حتی کہ انھیں ممالک میں پناہ گزیں ان کے خویش و اقارب کا بھی داخلہ وہاں ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، اسلامی ممالک پر ان سے ملاقات اور ان کے احوال کی خبر گیری کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں جرمنی کے مرکز اسلامی نے کوشش کی کہ جرمنی کے بعض کلیساؤں اور دیروں میں جو مسلم بچے ہیں ان سے ملاقات کرے لیکن نہایت سختی سے اس کی درخواست رد کر دی گئی۔

البانیہ کے سرکاری حلقہ نے البانیہ میں ایسے ادارہ کے قیام کی خبر دی ہے جو بوسنیائی بچوں کی تجارت کرتا ہے، ذرائع ابلاغ کے مطابق اس ادارہ نے کم از کم دو ہزار بوسنیائی بچوں کو یورپی کلیساؤں اور دیروں کے ہاتھوں فروخت کیا ہے، ہر خریدار کے لئے دروازے کھلے ہیں۔

کرواٹ کے دار السلطنت زغرب کا سفر درجنوں ایسے مغربی اداروں نے کیا ہے جو بچوں کی تجارت کرتے ہیں تاکہ سڑکوں، گلیوں، اور کھیل کود کے میدانوں میں منتشر پناہ گزینوں کے بچوں کو حاصل کریں، وہ وہاں سے بچوں کو لے کر یورپ بھیج دیتے ہیں، وہاں دس لاکھ ملک بدر لوگ ہیں، سربیوں کے ذریعہ سربنشا شہر کے محاصرہ اور پھر انھیں کے ہاتھوں اس کے سقوط کے وقت بوسنیا میں بین الاقوامی فوج کا قائد فلپ مریون یہ شہر دیکھنے گیا، واپس آکر پھر جب دوبارہ گیا تو اپنے ساتھ موٹریں لے گیا تاکہ بچوں کو اس شہر سے جلاوطن کیا جائے، یہ موقع ان اداروں کے لئے جو بچوں کی تجارت کرتے ہیں بڑی غنیمت کا تھا، اس شہر میں ستر ہزار سے زائد لوگ بستے تھے۔

خلاصہ یہ کہ بوسنیا کے مسلم بچے کسی شناخت، ناموں کے اندراج اور اعداد و شمار کے بغیر بعض پناہ گاہوں میں منتقل کر دیئے جاتے ہیں، پھر انھیں پناہ گاہوں سے ان مسلم بچوں کی تجارت شروع ہو جاتی ہے ان کا بڑا حصہ کلیساؤں کے ہاتھ لگتا ہے، ایک حصہ یورپی خاندانوں کے ہاتھوں اعلیٰ قیمت

پر بیچا جاتا ہے، اور ایک حصہ کارخانوں اور کمپنیوں میں نہایت بدحالی کے ساتھ کام کرنے کے لئے خاص کر دیا جاتا ہے۔

فلپائن میں ایسے اداروں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، یہ بظاہر انسانی رفاہ و ریلیف کا خواہن کر آتے ہیں لیکن درحقیقت یہ تنصیری ادارے ہیں، جنوبی فلپائن کے اسلامی جزیروں میں سب سے پہلے جس شخص نے ان اداروں کو رواج دیا وہ ڈکٹیٹر فرڈیننڈ مارکوس کی بیوی امیلڈا مارکوس ہے۔ امیلڈا نئی کالونیاں بسانے کی وزیر تھی، اس نے جنوبی مسلم فلپائن میں یہودی کالونیاں تعمیر کرائیں اور مسلم جزیروں کی آبادی کو منتشر اور کمزور کرنے کے لئے کئی ملین ڈالر مختص کئے تاکہ ان جزیروں کی آزادی کے لئے رائے شماری کی تمہید کا آغاز کیا جاسکے، امیلڈا کی جدوجہد مسلم بچوں پر مرکوز تھی، ان کا ایک حصہ صہیونی کالونیوں میں منتقل کر دیا گیا تاکہ انھیں نصرانی بنایا جائے، ایک حصہ باہر تجارت کے لئے بیچ دیا گیا، اور ایک حصہ کو مجبور کیا گیا کہ مع اپنے خاندان کے مسلم علاقہ ترک کر دے، بیان کیا جاتا ہے کہ اس بدترین تجارت میں امیلڈا نے بہت بڑی رقم حاصل کی جس کے لئے صہیونی اس کی معاونت کرتے تھے امیلڈا اور صہیونیوں کے گہرے روابط ہی کے نتیجہ میں جنوبی فلپائن کے دورہ کے لئے صہیونی دشمنوں کے وزیر اعظم کو امیلڈا نے دعوت دی تھی، تاکہ جو کالونیاں وہاں اس نے آباد کی ہیں انھیں وہ بچشم خود دیکھے جو بڑی حد تک فلسطین کی مقبوضہ سرزمین میں یہودی کالونیوں کے مشابہ ہیں۔

بچوں کے تاجران اداروں نے انھیں ملکوں اور خطوں کے مسلم بچوں پر اکتفا نہیں کیا ہے جہاں جنگ برپا ہے یا نزاع و فساد اور اضطراب و انتشار ہے، بلکہ ان کے ہاتھ پرامن اسلامی ملکوں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں، البتہ انہوں نے راستے مختلف اختیار کئے ہیں۔

انڈونیشیا میں سات سو سے زیادہ تنصیری ادارے ہیں جن کا پہلا نشانہ مسلم بچے ہیں، اور اب تو تنصیری کلیساؤں نے اتنا توسع اختیار کر لیا ہے کہ وہاں کے ہر گاؤں میں ایک کلیسا اور اس کے بغل میں طبی ڈسپنسری اور ہر کلیسا میں تنصیری مدرسہ کھولا جا رہا ہے، انڈونیشی قوم کے ذہین ترین لڑکوں کو یورپ بھیجنے کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، کلیساؤں کو یہ طریقہ بہت اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلم انڈونیشی قوم کی مادی مشکلات و آفات کے مواقع اپنے حق میں استعمال کر کے ان کی اولاد کی بہت بڑی تعداد کو نصرانیت کی

طرف کھینچ لیتے ہیں، جب کہ یہ مشکل مادی احوال دعوتی اداروں کی حرکت و نشاط کو روک دیتے ہیں۔

پاکستان کے مشہور ہفت روزہ مجلہ "تکبیر" کی ایک رپورٹ کے مطابق مسلم پاکستان کے ساحلی شہر کراچی میں تنصیری مساعی زوروں پر ہیں، سیکڑوں مسلم نوجوان، بچے اور خصوصاً نوجوان لڑکیاں نصرانی بن چلے ہیں، اور اس وقت صرف کراچی میں پندرہ کلیسائی اداروں کے تحت ایک سو پچاس تنصیری مراکز کام کر رہے ہیں۔

کیتھولک کلیسے جو بلا واسطہ ویٹیکان کے تابع ہوتے ہیں، درجنوں تنصیری تنظیموں اور مراکز کی سرپرستی کرتے ہیں، ان میں سے بیشتر مراکز نوجوانوں اور کمسن بچوں میں کام کرتے ہیں، چنانچہ یہاں سے پاکستان کے درجنوں بچے کلیسا کے سیاحتی سفر پر یورپ جاچکے ہیں۔

نزاعی خطوں میں نزاع ختم ہونے کے بعد بھی کلیسے مسلم بچوں کو نہیں چھوڑتے، مثلاً فتح کابل اور افغان جنگ کے خاتمہ کے بعد بھی درجنوں تنصیری ادارے سرحدوں پر افغان پناہ گزینوں کی خیمہ گاہوں میں کام کرتے ہیں، بعض ادارے افغانستان تاجکستان سرحدوں پر منتقل ہو گئے تاکہ کمیونسٹ حکومت سے بھاگے ہوئے تاجک لڑکوں کا استقبال کیا جاسکے، ان تنظیموں نے فوری طور پر مدارس اور اسپتال بھی قائم کرلئے ہیں اور سری لنکا میں تین لاکھ مسلم پناہ گزینوں کے چودہ ہزار بچوں کو کلیسا نے اپنے مفاد میں استعمال کیا ہے، جدہ کے اسلامی ریلیف ادارے میں موصول ایک رپورٹ کے ذریعہ شرقی و شمالی سری لنکا میں تاملوں کے جہنم زار میں اور بھاگے ہوئے مسلم لڑکوں کے درمیان تنصیری عمل کی وسعت اور خطرناکی سے خبردار کیا گیا ہے، خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ کلیساؤں نے سیکڑوں مسلم بچوں کو سری لنکا سے باہر منتقل کر دیا ہے۔

سنیغال ترانوے فیصد مسلم آبادی کا ملک ہے، نصرانیوں نے سنجر نصرانی کی صدارت کا فائدہ اٹھایا در جنوب میں نصرانی فوج قائم کرلی ہے، وہ اس وقت سنیغال سے علیحدگی کی سعی کر رہے ہیں، اسی فوج سے تنصیری نشاطات بھی روبعمل ہیں، مشیر سوار الذہب نے پچھلے دنوں ایک صحافتی بیان میں کہا تھا کہ سیاہ براعظم افریقہ میں نوالاکھ لوگ نصرانی بنائے جاچکے ہیں، جن میں بیشتر بچے ہیں، پچھتر تنصیری مجلات سیاہ براعظم سے نہایت تسلسل سے نکل رہے ہیں، اس براعظم میں تنصیری بجٹ تیس بلین ڈالر تک پہونچ چکا ہے۔

ان بنیادوں پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت تنصیری اداروں، کلیساؤں اور صہیونیت نے مسلم بچوں

پر اپنی خصوصی توجہ صرف کر رکھی ہے، درجنوں اداروں اور کلیساؤں کا کام ہی یہی ہے کہ وہ بچوں کو ادھر سے ادھر منتقل کرتے اور ان کی تجارت کرتے ہیں، اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ پہلے خریدار یہی کلیسے ہی ہوتے ہیں، کلیساؤں کو نزاع اور مصائب کے مواقع سے فائدہ اٹھانا بہت اچھی طرح آتا ہے، اور اس طرح کے مواقع پر وہ فی الفور پہونچتے ہیں، اور صہیونی مسلمان بچوں کی عقلوں کو مسخ کرنے کا کام کرتے ہیں، کیونکہ صہیونی یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے مذہب میں داخل ہو، بلکہ وہ انسانوں کے اس گروہ پر غالب آجانا چاہتے ہیں اور انھیں ان کے عقیدہ سے پھیر دینا چاہتے ہیں۔

ادارہ یونسیف جو بچوں کی بہبود سے متعلق اقوام متحدہ کا ذیلی ادارہ ہے، اس کے سکریٹری جیمس گرانٹ نے اسلامی وزراء خارجہ کانفرنس منعقدہ کراچی کے پاس بھیجے گئے اپنے پیغام میں کہا ہے کہ جدید جنگوں اور نزاعات میں سب سے زیادہ بچے ہی مصائب کا شکار ہوئے ہیں، گذشتہ دس سالوں میں پندرہ لاکھ سے زیادہ بچے قتل ہوئے ہیں اور چالیس لاکھ سے زیادہ بچے اپنے اعضاء سے معذور ہو چکے ہیں، اور اس وقت جنگوں کے سبب پناہ گزینوں کے کیمپوں میں پچاس لاکھ بچے موجود ہیں، جب کہ بے گھر ہونے والے بچوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ سے زیادہ ہے۔

گرانٹ نے مزید کہا کہ مؤتمر اسلامی کے پچپیس رکن ملکوں میں سالانہ پچاس لاکھ بچے ایسے امراض سے مر جاتے ہیں جن سے تحفظ ممکن ہے، جب کہ مزید کئی ملین مسلم بچے خراب غذا کے سبب بہت سے امراض کا شکار ہوتے ہیں، اور صحت کی خرابی بچوں کی زندگی پر جسمانی، فکری، اور روحانی ہر اعتبار سے مؤثر ہوتی ہے۔

شاید یونسیف کے سکریٹری کے پیغام نے مسلم بچوں کی زندگی کے المیہ کی گہرائی سے پردہ اٹھادیا ہوگا، نزاعی علاقوں میں صرف مسلم بچے ہی اس مصیبت کے شکار ہوتے ہیں!؟ بوسنیا، فلپائن، کشمیر، ہندستان صومال، لیبیریا اور برما میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر نظر ڈال جائیے!؟ خشک سالی اور فقر کے خطے جیسے ایتھوپیا انڈونیشیا اور بنگلہ دیش میں بھی مسلم بچے ہی مصائب کے شکار ہیں!؟ اور پاکستان وغیرہ میں کلیسا اور دیگر اداروں کی طرف سے بھی وہی شکار کئے جاتے ہیں!؟ پس مسلمان بچے بھوک سے مرتے ہیں یا قتل سے!؟ یا کلیسا انھیں پکڑتے اور نصرانی بناتے ہیں!؟ یا بچوں کی تجارت کے ادارے ان کی تجارت کرتے ہیں!؟ موجودہ وقت میں بوسنیائی قوم کے المیہ کے بعد قلب یورپ میں بڑی ترقی پسے، یہی اصل سوال ہے؟؟

یہ امت محمدیہ کے بہت سے حصوں میں صرف ایک حصہ کی بربادی اور ضیاع کی داستان ہے ، ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم ، کا منظر ہے اور امت محمدیہ ہے، ملت بیضاء کے ضائع ہونے والے ان نونہالوں کے لئے دل میں محبت و اضطراب کی جو موجیں اٹھتی ہیں، افسوس صد افسوس انھیں کوئی ایسا ساحل بھی میسر نہیں جہاں سر پٹک کر تسکین پالیں ، اگر ہم اتنے ناکارے ہوگئے کہ اپنی ریوڑوں کی گلہ بانی اور حفاظت ہم سے نہیں ہوسکتی تو اے آدم کی اولاد آخر تجھے اللہ کے آخری رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ترین اسوہ پر عمل کے لئے کب رغبت ہوگی ، ذرا حیوانوں کے ساتھ اس رسول برحق کا اسوہ ملاحظہ کرو، اور انسانی بچوں کے ساتھ اپنی اس بے رحمی اور سنگدلی کا موازنہ کر کے عبرت حاصل کرو، جہاں کے ایک سفر میں صحابہؓ آپؐ کے ساتھ تھے، صحابہؓ چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے، محبت و اضطراب میں چڑیا ان کے اُس پاس منڈلانے لگی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ اس چڑیا کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اسے اضطراب و بے قراری میں مبتلا کر دیا ہے، اس کے بچوں کو چھوڑ دو ، اونٹوں ، گھوڑوں ، دنبوں، بکریوں چیونٹیوں اور بہت سے دیگر جانوروں کے متعلق آپؐ کا یہی اسوہ رہا ہے ۔ افسوس اس رسول کی امت کے بچوں کے حقوق و حرمت کا لحاظ اولاد آدم کو کچھ بھی نہیں رہا، وہ جانوروں کی طرح خریدے اور بیچے جا رہے ہیں، امت محمدیہ کے ملوک و حکام اپنی اپنی قوم کے پیٹ بھرنے میں مگن اور اسی کو سب سے بڑا کارنامہ تصور کر رہے ہیں ہر طرف سناٹا ہے! الٰہی ! کیا تیرا عدل اور تیری رحمت اب کسی ایسے عمر فاروق کو پیدا نہیں کرے گی جو اپنی پیٹھ پر اپنے غلام کے ہاتھوں بوری لدوا کر امت محمدیہ کے بچوں کی حفاظت و رعایت کو اپنا کارنامہ اور اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ، کوئی شیر دل معتصم یا حجاج بھی نہ اٹھے گا جو امت محمدیہ کے بچوں عورتوں کی فریاد لے معتصم ! فریاد اے حجاج کو سن کر بے تاب ہو جائے اور سرکاری افواج کے ذریعہ ان کی حفاظت کرے، تیرے آخری رسول برحق کا فرمان صادق ہے، " ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، الخ " مگر عجب دور آیا ہے کہ راعی اور رعیت سب بھیڑیوں کی نگرانی میں ہیں ، الٰہی ہم تجھ سے خیر کا ، صبر کا اور شکر کا سوال کرتے ہیں ۔

فریضۂ حج و مقدس مقامات

پہلے دور حکومت کی زحمتیں اور دشواریاں اور سعودی دور حکومت کی راحتیں و آسانیاں

از: حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کیر آف پوسٹ آفس بڑھنی ضلع سدھارتھ نگر
(نیپال)

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے جو بہت افادیت کا حامل
ہے، اس فریضہ کی ادائیگی میں بندہ مؤمن کو مال، جسم، وطن اور اعزہ واقربا چار طرح کی قربانی پیش کرنی پڑتی ہے
ں کو زاد وراحلہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے میسر ہو جائے اُس مسلمان مرد و عورت پر حج فرض ہے، اس مقدس
ریضہ کی ادائیگی پر بڑا اجر و ثواب قرآن و حدیث میں وارد ہے، بالخصوص حج مبرور کا شریعت اسلامیہ میں بڑا
قام ہے، حج مبرور کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بڑے ہی خوش بخت ہیں وہ لوگ جو زیارت حرمین سے
شرف ہو کر دین و دنیا کی سعادتوں سے ہمکنار ہوتے ہیں، اور جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اس
ریضہ کو ادا نہیں کرتے ان کے لئے بڑی وعیدیں ہیں، ان کا خدا حافظ و ضامن نہیں ہوتا جس وادی میں مریں
رجس طرح بھی ہلاک ہوں خدا کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی، ایسے لوگوں کی موت یہودیت و نصرانیت وغیرہ پر ہوتی
ہے اسلام پر نہیں ہوتی، ہمیشہ اور ہر زمانے میں اس فریضہ کی ادائیگی کرنے والوں کو بڑی عزت و احترام کی نگاہ
ے دیکھا جاتا رہا ہے، اور حجاج کرام کی خدمات اور ان کے لئے راحت رسانی کو باعث فخر و سعادت تصور کیا
اتا ہے، حتی کہ زمانہ جاہلیت میں بھی مشرکین حاجیوں کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ لات جو عرب کا مشہور
ا تھا، وہ در اصل ایک نیک آدمی تھا جو زمانہ حج میں حجاج کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، اسی مناسبت سے
ا کا نام لات پڑ گیا تھا، عربی لغت میں لت یلت کے معنی گھولنے کے ہوتے ہیں۔

اسلام نے حج کو جو مقام بخشا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں "الحج" کے نام سے ایک مکمل سورت ہے، مگر صلوٰۃ و صوم یا زکوٰۃ کے نام سے کوئی سورت نہیں ہے، یہ محض حج کی مشقت اور چار طرح کی قربانیوں کی وجہ سے اس کو یہ مقام خدا نے دیا ہے۔

زمانۂ اسلام میں ہمیشہ حجاج کی راحت رسانی کا سامان بہم پہونچایا جاتا رہا، سعودی حکمران اپنے اپنے وسائل کی حد تک اس باب میں انتظام کرتے رہے لیکن موجودہ سعودی حکومت نے جو اعلیٰ انتظامات نئے ڈھنگ سے (سائنٹفک طریقہ سے) کئے گئے ہیں اس کی نظیر دیگر دور حکومت میں نہیں ملتی ہے۔

سعودی حکومت سے قبل جو بدامنی پھیلی ہوئی تھی اس کی وجہ سے زائرین حرم کو بڑی دشواریاں پیش آتی تھیں، رہزنی وغارت گری کے واردات اکثر ہوا کرتے تھے، حجاج اپنے کو غیر مامون پاتے تھے، آنے جانے کا پہلے کوئی معقول بندوبست نہیں تھا، لوگ پاپیادہ یا اونٹوں پر سوار ہو کر آتے جاتے تھے، پانی وغیرہ کے سلسلہ میں کوئی معقول اور وافر انتظام بھی نہیں تھا، لوگوں کو پانی کے سلسلہ میں تمام مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، روشنی اور بجلی کا بھی کوئی عمدہ نظم دور حاضر کی طرح نہیں تھا جس سے بڑی دشواریاں تھیں لیکن خدا جزائے خیر عطا فرمائے شاہ عبدالعزیز مرحوم کو کہ ان کی حکومت میں رہزنی اور قتل وغارت گری کا خاتمہ ہوگیا۔ شاہ سعود مرحوم کے دور میں کچھ سڑکوں کی تعمیر ہوئی اور شاہ فیصل و شاہ خالد مرحوم کے عہد میں تو تمام عمدہ عمدہ سڑکیں بنوائی گئیں، پلوں اور سرنگوں کا انتظام کیا گیا۔

اور اب موجودہ سعودی حکمراں خادم الحرمین شریفین فہد بن عبدالعزیز حفظہ اللہ وخلد ملکہٗ کی اولوالعزمی وسخاوت سے جو حیرت انگیز سہولیات وانتظامات ہوئی ہیں اور دن بدن مزید نوع بنوع ہوتی جارہی ہیں ان کو دیکھ وسن کر دل باغ باغ ہوجاتا ہے اور بے ساختہ منہ سے اس حکومت رشیدہ کے لئے دعائے خیر نکلتی ہے۔

ہمارے وہ خوش نصیب اخوان جو وہاں زمانۂ حج میں پہونچ کر بچشم خود مشاہدہ کرکے اپنی آنکھوں کو نور اور دل کو فرحت وسرور بخشتے ہیں، وہ تو موجودہ انتظامات وسہولیات سے بخوبی واقف ہیں لیکن جو حضرات اب تک اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوئے ہیں ان کے افادہ کے لئے مقدسے ہم روشنی ڈال رہے ہیں۔ ان تمام انتظامات وسہولیات کا رابطہ کے اجلاس میں آتے جاتے اور زیارت کے بہرہ ور ہوتے وقت بار ہا مشاہدہ کیا ہے اور اخبارات میں ان کی تفصیلات بھی پڑھی ہے۔ ان خدمات جلیلہ کو ہم بالتفصیل حوالہ قلم کرتے ہیں اور ساتھ

آثار کے شمارہ ماہ اپریل ۹۳ء میں یہ مضمون الحمدللہ شائع ہوچکا ہے۔
آج سے ۶۳ سال قبل حج کے بارے میں جو صعوبات و پریشانیاں تھیں اور آج کی طرح سہولیات کے نہ ہونے کی بناء پر جو دقتیں اور دشواریاں تھیں ان کا اندازہ کرنے کے لئے ہم ایک حاجی عبدالسبحان صاحب شاہجہاں پوری کی داستان و سرگذشت پیش کررہے ہیں یہ حاجی صاحب موصوف ۶۳ برس پہلے اپنے والد صاحب کے ہمراہ حج کو گئے تھے اور ۱۴۰۳ھ میں بھی تشریف لے گئے تھے۔
محترم ڈاکٹر عبدالصمد عباس صاحب ندوی نے پہلے اور آج کی سہولیات کے بارے میں حاجی صاحب موصوف سے ایک انٹرویو لیا تھا جسے ہم اخبار المدینہ شمارہ ۲۳ ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۸۳ء کے حوالے سے ناظرین کرام کو دلچسپی اور معلومات کے لئے پیش کر رہے ہیں۔

شریف مکہ کے دور حکومت میں حاجی عبدالسبحان صاحب کے حج کی سرگذشت:

حکیم حاجی عبدالسبحان شاہجہاں پوری ۶۲ سال بعد سرزمین حرمین شریفین میں تشریف لائے ہیں، عمر ۸۳ برس ہے، ۱۹۰۰ء کی پیدائش ہے، اس سوال کے جواب میں کہ ۶۲ سال پہلے اور آج کے مکہ میں کیا فرق ہے؟ حاجی صاحب نے جو ایک ذی علم اور باذوق بزرگ ہیں، برجستہ فرمایا: کوئی فرق نہیں، زمین وہی آسمان وہی، کعبہ مشرفہ وہی، انوار و تجلیات وہی، کعبے کے گرد پروانوں کا طواف وہی، قرآن وہی اسلام وہی، پھر فرق کیا ہوسکتا ہے؟ ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا۔ حاجی صاحب نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ ہاں! اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری حالات، انتظامات، اور فریضے کی ادائیگی کی سہولیات میں کیا فرق ہے؟ تو عرض کروں گا کہ زمین و آسمان کا فرق ہے، یہاں کا جغرافیہ ہی بدل گیا ہے، نہ وہ محلے ہیں نہ وہ بازار، نہ وہ سڑکیں ہیں نہ وہ گلیاں، نہ وہ دوکانیں ہیں نہ وہ دوکاندار، پہلے تو بدامنی کا زمانہ تھا کہ آدمی کو قدم قدم پر جان و مال کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ آج امن کا ایسا دور دورہ ہے کہ لاکھوں کی مالیت کا سامان لے کر رات دن چلئے کوئی کھٹکا نہیں، قیمتی سے قیمتی دوکانیں نماز کے اوقات میں دوکاندار بغیر تالا لگائے چھوڑ کر مسجد میں چلا جاتا ہے کوئی لوٹنے کھسوٹنے والا نہیں۔

حاجی عبدالسبحان صاحب کے پہلے حج کی روداد انھیں کے لفظوں میں :

محترم حاجی صاحب موصوف سے جب یہ گذارش کی گئی کہ اپنے پہلے حج کی روداد سنائیں تو انہوں نے یہ دلچسپ کہانی یوں شروع کی :

۱۹۲۱ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد جب حج کا راستہ کھلا اس وقت ہمارا قافلہ حج کے لئے بمبئی سے روانہ ہوا، میری عمر ۲۱ سال کی تھی اور تندرستی کے لحاظ سے پہلوانوں میں شمار ہوتا تھا، میرے والد ماجد خان بہادر عبدالحمید خاں ضلع کے کلکٹر تھے، انہوں نے ریٹائر ہونے کے بعد فیصلہ کیا کہ خواہ کوئی بھی خطرہ مول لینا پڑے، حج کا فریضہ ضرور ادا کرنا ہے، قافلہ میں میری والدہ اور دیگر اعزہ بھی تھے ایک خادم بھی ساتھ تھا، جہاز میں کھانے پکانے کا سامان ہم لوگ لے کر چلتے تھے، غلّہ جنس سب ساتھ تھا، میری والدہ کھانا پکاتی تھیں، جہاز چھوٹا تھا، کبھی کبھی پانی کی بوچھارے سب کے چولھے سرد ہو جایا کرتے تھے، میٹھا پانی بھی مقررہ مقدار میں ملا کرتا تھا، خدا خدا کرکے چودہ دن بعد جدہ آیا، ہاں یہ کہنا ہی بھول گیا کہ جدہ سے پہلے ہم سب کو کامران اتارا گیا اور وہاں قرنطینہ ہوا، یعنی سب کے کپڑے بھاپ دینے کے لئے لئے گئے، وہاں کی تکلیف کا تصور بھی آپ نہیں کر سکتے، انگریزوں نے مسلمانوں کو ایذا دینے کے لئے طرح طرح کے قوانین بنا رکھے تھے، کامران میں ہزارہا حاجی جاں بحق ہو گئے۔

جدّہ اس وقت ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں ایک گلاس میٹھا پانی بڑی نعمت تھا، مچھر، مکھیاں اور کیڑے مکوڑے اس قدر تھے کہ پوری پوری رات جاگ کر گذارنا پڑتی تھی، ہم لوگوں کو جو گھر ملا تھا اس کی چھت پھونس کی تھی اور وہ پھونس بھی اس درجہ شکستہ حال تھی کہ دن کی دھوپ براہ راست ہم لوگوں پر پڑتی تھی دن کو دھوپ کی شدت اور رات کو مچھروں اور کیڑوں مکوڑوں کی بہتات ایک ایک منٹ گذارنا قیامت کا سامنا تھا اسی حال میں ہم لوگوں کو ۵ روز وہاں رہنا پڑا۔

جدہ کے قیام کے دو واقعات حافظے میں اب بھی موجود ہیں، ایک تو حضرت حوّا کے مزار پر جانے کا واقعہ اور دوسرا واقعہ بھی اسی طرح کہیں جانے کا تھا جگہ کا نام یاد نہیں ہے، حضرت حوّا کے مزار پر تین گنبد تھے ایک سر کی جانب دوسرا وسط میں اور تیسرا گنبد پیروں کی طرف، مزار کے گرد ایک بڑا احاطہ تھا، اس کے کئی

دروازے تھے، ہم لوگ فاتحہ خوانی سے فارغ ہو کر باہر نکلنے لگے تو بجائے اس دروازے کے جس سے داخل ہوئے تھے دوسرے دروازے سے نکل گئے اس رخ پر فوجی بیرک تھی، ہم لوگوں نے دیکھا کہ راستہ کھلا ہوا ہے تو اس طرف چل پڑے، وہاں چند بدو پہرے دار تھے انہوں نے نہ جانے عربی میں کیا کہا اور بغیر کچھ پوچھے مارنے کو دوڑے، میں اس وقت نوجوان اور طاقت ور تھا جم کر مقابلہ کیا بعد میں ترک آفیسر تک معاملہ پہنچا اس نے پہرے داروں کو مجرم قرار دیا اور اسی وقت حکم دیدیا کہ ان کی چھ ماہ کی تنخواہیں ضبط کر لی جائیں اور بید کی سزا دی جائے کیونکہ انہوں نے ناواقف حجاج کرام کے ساتھ زیادتی کی ہے مگر میرے والد صاحب نے اس ترک آفیسر سے کہا کہ اس طرح میراج خراب ہو جائے گا کیونکہ اس بدو کے بچے چھ ماہ تک روزی سے محروم رہیں گے لہذا براہ کرم اس کی سزا معاف کر دیجئے، والد صاحب کے کہنے پر اس نے تنخواہ ضبط کرنے کی سزا معاف کر دی اور ڈسپلن قائم رکھنے کے لئے معمولی بید کی سزا دے کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ کسی جگہ جا رہے تھے تانگے جیسی ایک سواری تھی جو چاروں طرف سے بند تھی، اس وقت سواریوں میں اونٹ، گدھے، خچر اور گھوڑوں کے تانگے ہوا کرتے تھے، کچھ دور جانے کے بعد کوچوان نے گھوڑے کو اتنا تیز کیا کہ سواری قد آدم تک اچھلنے لگی اور گھوڑے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے لگے، ہم لوگوں نے بہت چیخ پکار مچائی مگر بے سود، جب کچھ دور جا چکے اور سواری معمول کے مطابق چلنے لگی تو کوچوان نے بتایا کہ میرے پیچھے جو تانگہ آ رہا تھا اسے لوٹ لیا گیا اگر میں ذرا بھی چوکتا تو آپ سب قتل کر دیئے جاتے اور آپ کے جسموں سے کپڑے تک اتار لئے جاتے۔

اس واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ اس وقت جدہ میں بدامنی کا کیا حال تھا؟ اور حجاج کس طرح غیر مامون تھے؟ اس دور کی طرح موٹروں، ہوائی جہازوں، بسوں اور بہترین ایر کنڈیشن کاروں کا سواری کے لئے کوئی انتظام نہیں تھا، لوگ پریشان ہو جاتے تھے۔

ہم لوگ پانچ روز کے بعد مکہ آئے، جدہ سے مکہ تک کی مسافت دو تین دنوں میں پوری ہوئی تھی، سواری اونٹ کی تھی، اونٹ پر ہودج رکھا جاتا تھا جس کے دونوں جانب مسافر بیٹھا کرتے تھے، اور ان کو توازن قائم رکھنا ہوتا تھا ورنہ ساربان چابک لگاتا کہ توازن قائم رکھو اس لئے سونا تو الگ رہا کوئی اونگھ بھی نہیں سکتا تھا۔

مکہ مکرمہ میں میرے معلم شیخ سید انیس عاصم عطاس تھے جو بہت خلیق، دیندار اور مخلص عرب تھے والد صاحب کو شریف حسین والی حجاز نے اپنا مہمان بنالیا اس لئے ہم لوگ قصر شاہی کے ایک بیرک میں ے گئے، کھانا بھی وہیں سے آتا تھا، پینے کے لئے میٹھا پانی ملا کرتا تھا، جب ہم لوگ منی پہونچے اس وقت ں والدہ کی صراحی میں تھوڑا سا پانی بچ رہا تھا، انہوں نے دیکھا کہ پیاس کی شدت سے ایک حاجی کی زبان نکلی ہوئی ہے اور وہ جاں کنی کے عالم میں مبتلا تھے، والدہ صاحبہ نے جھٹ صراحی کا سارا پانی اس کے منہ ، انڈیل دیا، خدا کے فضل سے وہ موت کا شکار ہونے سے بچ گیا، مگر ہمارے چھوٹے سے قافلہ کے لئے ایک بوند ، باقی نہ رہا، جب کہ پانی کی فراہمی کا یہ حال تھا کہ نہر زبیدہ میں کوئی خرابی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے پانی کل بند تھا، حاجی پیاس کی شدت کم کرنے کے لئے نہر میں جاکر مٹی اور ریت منہ میں لے کر چوستے تھے، اس ل سینکڑوں حاجی پیاس سے مر گئے، مجھ کو لوگوں نے بتایا کہ کچھ فاصلے پر بدوؤں کی جماعت کھڑی ہے ں پانی مل جائے گا، وہ لوگ اپنے مشکیزوں سے پانی دے دیں گے، میں ایک ساتھی کے ہمراہ ادھر چل پڑا دوؤں نے اهلاً وسهلاً کہہ کر ہمارا استقبال کیا جب ان کو اپنی پیاس کی شدت کا حال اشاروں سے سمجھایا نہوں نے پانی پیش کیا ہم نے کہا کہ نہیں پہلے اپنے والدین کو پانی پلائیں گے جو پیاس کی شدت سے تڑپ ہے ہیں، انہوں نے مشکیزہ ساتھ لیا اور ہمارے ساتھ چل پڑے، جب ہم لوگ اپنے خیموں کے قریب پہونچے علوم ہوا کہ حکومت کی طرف سے پانی آگیا ہے، شریف حسین نے اونٹوں پر لدوا کر پانی کے مشکیزے بھجوا دیئے ، جو ہر حاجی کو ایک ایک صراحی تقسیم کیا گیا۔

کعبہ مشرفہ کے گرد اس زمانے میں کالے پتھر کا فرش بچھا تھا، یہ پتھر ناہموار بھی تھے اور سخت گرم بھی ہم نے پہلا طواف کیا تو گرمی سے بخار آگیا، والدہ صاحبہ نے گاؤ زبان کا عرق پلایا خدا کا شکر ہے اس دوا سے ا اتر گیا۔

گرمی کی شدت سے پانی کی کمی، روشنی کی کمی، راستے ناہموار اور افلاس کی شدت کا حال بیان سے رہے، میرے والد صاحب نے اس زمانہ کے ۵۰ ہزار روپئے اہل حرم میں تقسیم کئے لیکن ان تمام مصائب تکلیفوں کے باوجود حرم شریف اور کعبہ مشرفہ سے سب کو عشق تھا اور اس کو چھوڑنے کا جی نہیں چاہتا تھا، ریف مکہ کے عہد کے آخری دن تھے اور بدامنی اپنے عروج پر تھی، اس کے بعد حکومت آئی میرے والد اس حج

کے بعد سعودی دور میں بھی حج کے لئے آئے تھے، سب سے اچھا کارنامہ اس حکومت کا یہ دیکھا کہ یہاں امن و امان قائم ہوگیا، اور ہزاروں حاجیوں نے رو رو کر ملتزم پر جو حکومت سعود سے دعائیں کی تھیں وہ قبول ہوئیں کہ اس سرزمین پر حاجیوں کے جان و مال کا تحفظ ہوگیا، میرے والد صاحب پر مرحوم جلالۃ الملک عبدالعزیز بن سعود کا خاص کرم تھا ان کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے اور حسب طلب مشورے بھی دیتے تھے۔

اگر میرے بڑے بھائی کی علالت کا تار نہ آتا تو شاید وہ اپنے عزم کے مطابق مستقل ہجرت کر کے یہیں رہ جاتے مگر یہ اللہ کو منظور نہ تھا، حکیم حاجی عبدالسبحان صاحب آج کل شیخ محمد سعید رحمت اللہ چیف رجسٹرار مکہ کے دولت کدہ پر بحیثیت مہمان مقیم ہیں اور پچھلے حج کی یہ روداد بڑے ذوق و شوق سے سناتے تھے۔

ناظرین کرام! مذکورہ سفر نامے کی تفصیلات سے آپ کو سعودی دور حکومت سے پہلے حج کی مشقتوں، سفر کی صعوبتوں، پانی کی نایابی اور سواری وغیرہ کے صحیح انتظامات نہ ہونے کا، نیز راستے کی بدامنیوں کا بخوبی اندازہ ہوگیا، مگر سعودی دور حکومت میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے لے کر اب تک بالخصوص خادم الحرمین الشریفین ملک فہد کے دور حکومت میں جو توسیعات واضافات اور حجاج کرام کی راحت رسانیوں کے جو نت نئے نرالے انتظامات جگہ جگہ عمدہ عمدہ مسافر خانوں اور سرایوں کی تعمیر، تمام سڑکوں کا بنوانا، پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر سرنگوں اور بیت الخلاؤں کی تعمیر، ہر طرح کی بہترین سے بہترین سواریوں کا قدم قدم پر انتظام، وافر مقدار میں ہر جگہ واٹر سپلائی اور پانی کی سہولیات، اسی طرح جدید طرز پر ہر مقام پر ہوا اور بجلی روشنی صفائی ستھرائی پانی اور عمدہ عمدہ پھلوں اور فواکہات و مشروبات کے جو انتظام و اہتمام اور روز بروز ہوتے جا رہے ہیں ان کے پیش نظر اب یہ مبارک فریضہ بڑے آرام سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

پورا عالم اسلام، الجزائر، مراقش، ترکی، مصر، افغانستان، پاکستان، سوڈان سعودیہ عربیہ کی عظیم خدمات کے معترف و ثنا خواں ہیں۔

سعودیہ عربیہ کے ملک فہد المعظم حفظہ اللہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی دعاؤں کے بجا طور پر مستحق ہیں، نوع بنوع خدمت خلق، خدمت علم، خدمت حرمین شریفین، خدمت حجاج کرام،

نہ ان کی طرح کسی بادشاہ نے کی ہے اور نہ بظاہر کوئی دوسرا مستقبل میں نظر آرہا ہے۔
سعودیہ عربیہ میں خدمتِ خلق اور خدمتِ حرمین شریفین کے یہ عظیم وزریں کارنامے تاقیامت جاری وساری رہیں گے، اور تاقیام قیامت مملکت سعودیہ کا ذکر خیر باقی رہے گا۔
شاہ فہد کی شانِ منقبت میں متنبی کا یہ شعر بالکل صادق ہے ؎

مضت الدهور وما اتين بمثله
ولقد اتى فعجزن عن نظرائه

ہماری دعاء اور تمنا ہے بلکہ سیکڑوں، ہزاروں دلوں کی یہ دعائیں ہیں کہ سعودی خاندان کا سایۂ عاطفت اس ملک کے بقاء وتحفظ کے لئے ہمیشہ قائم رہے اور زائرین حرمین شریفین اس سعودی حکومت کے زیر سایہ اسی طرح مستقبل میں بھی نوع بنوع خدمات وسہولیات سے مستفید ہوتے رہیں،
وما ذلك على الله بعزيز۔

غاية التحقيق في تضحية ايام التشريق

تالیف: مولانا محمد رئیس ندوی — قیمت: بارہ (۱۲) روپئے
بقرعید کے دن دس ذی الحجہ کے بعد گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ
کو قربانی کرنے کے جواز پر مدلل کتاب ••
پتہ: مکتبہ سلفیہ، جامعہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس ۲۲۱۰۱۰

برصغیر پاک و ہند میں شیعیت کی اشاعت کیونکر ہوئی

(عہدِ مغلیہ)

از مشتاق احمد چوہدری

مغلیہ خاندان کے حکمرانوں کی اکثریت سنی بلکہ بعض تو ان میں "پرجوش" سنی عقیدہ رکھتے تھے، اور یہ بھی دلچسپ حقیقت ہے کہ شیعیت کا خمیر بھی انہی کے دور میں اٹھا۔ شیعیت نہ صرف شاہی درباروں میں پروان چڑھی بلکہ زیرزمین شاہی خانوادوں کی عورتیں تک حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے لگیں بابر مغلیہ خاندان کا بانی جب ہندوستان آیا تو ایران کے صفوی حکمرانوں نے اس شرط پر اس کی مدد کی تھی کہ وہ شیعی عقائد کو ہندوستان میں فروغ دے گا اور اس کے جانشینوں نے اس "عہد" کی سختی کے ساتھ پابندی کی۔ مغلیہ خاندان کے حکمرانوں کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ بابر سنہ ۱۵۲۶ء سنہ ۹۳۳ھ
۲۔ ہمایوں سنہ ۱۵۳۰ء سنہ ۹۳۷ھ
۳۔ اکبر سنہ ۱۵۵۶ سنہ ۹۶۴ھ
۴۔ جہانگیر سنہ ۱۶۰۵ء سنہ ۱۰۱۴ھ
۵۔ شاہجہاں سنہ ۱۶۲۷ء سنہ ۱۰۳۷ھ
۶۔ اورنگ زیب سنہ ۱۶۵۸ء سنہ ۱۰۶۸ھ
۷۔ بہادر شاہ سنہ ۱۷۰۷ء سنہ ۱۱۱۹ھ
۸۔ جہاندار شاہ سنہ ۱۷۱۲ء سنہ ۱۱۲۴ھ
۹ فرخ سیر سنہ ۱۷۱۳ء سنہ ۱۱۲۵ھ
۱۰۔ دو دعویٰ دار سنہ ۱۷۱۹ء سنہ ۱۱۳۲ھ
۱۱۔ محمد شاہ سنہ ۱۷۱۹ سنہ ۱۱۳۲ھ
سنہ ۱۷۴۸ء سنہ ۱۱۶۱ھ

ظہیر الدین بابر کا سلسلہ نسب باپ کی طرف سے پانچویں پشت میں تیمور لنگ (جسے تیمر لین اور فاتح ایشیاء بھی کہا جاتا ہے) سے جا ملتا ہے اور ماں کی طرف سے پندرہویں پشت میں چنگیز خاں سے ملتا ہے۔ تیمور نے ایک

وسیع سلطنت قائم کی تھی جو اس کے مرنے کے بعد بہت جلد سکڑ گئی۔ گیارہ سال کی عمر میں ۱۴۹۴ء بطور میر
فرغانہ اپنے والد کا جانشین ہوا ۔ ۱۴۹۷ء میں ازبک نے اسے عملی طور پر بے ملک بادشاہ
کے طور پر چھوڑ دیا۔ پھر بھی بابر نے اسے نہ چھوڑا خوش قسمتی سے بابر نے ۱۵۰۴ء میں کابل (غزنہ) اور بدخشاں کو فتح
کر لیا۔ یہ وہی وقت ہے اسماعیل ایران میں صفوی خاندان کی نیو اٹھا رہا تھا۔ اگرچہ تیمور کے بارے میں کہا جاتا
کہ وہ شیعہ تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے آباؤ اجداد سنی عقیدہ رکھتے تھے اور سنی عقائد ہی کی انہوں نے ترویج
کی۔ ۱۳۸۰ء کے بعد تو تیمور اسلام کا محافظ پشتیبان بن گیا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت ریاست میں
شیعیت نے مضبوط جڑیں پکڑ لیں۔ جیسے ہرات میں جہاں سلطان ابن بایقرا نے ایران کے اتباع میں شیعیت
کو ریاست کا مذہب بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ بابر نے اپنی خود نوشت میں اور برا اُ
نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ "سزاؤں کے نفاذ یا پالیسی بناتے وقت اس نے شیعہ فرقے کی بہت حمایت کی ا
اس چیز نے وسطی ایشیا کی سنی رعایا کی نظروں میں اسے غیر مقبول بنا دیا" ۳ے
۱۵۱۱ء میں جب بابر نے سمرقند کو دوبارہ اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہا تو شاہ اسماعیل صفوی
مدد کا طلب گار ہوا۔ بابر کی اس شرط پر مدد کی گئی کہ شاہ اسماعیل صفوی کو مفتوحہ علاقہ میں "محدود فرمانروائی
کے اختیارات حاصل ہوں گے۔ محدود فرمانروائی کیا تھی کہ بابر ایرانی حکمرانوں کا عطا کردہ شیعی عقائد کی نمائندگی
کرنے والا لباس بشمول ٹوپی کے پہنے گا۔ اور ٹوپی میں بارہ نقطے لگے ہوئے تھے جو اثنا عشری عقیدہ کے مطابق بارہ
اماموں کو ظاہر کرتے تھے۔ یہ شرط بھی درج تھی کہ ساری سپاہ ہی یہ لباس پہنے گی۔ جس میں ٹوپی کی پابندی
بہت لازمی قرار دی گئی۔ ۴ے

اس طرح کچھ دیر تک تو بابر نے اپنے آباء کی سرزمین پر قدم جمائے رکھا۔ مگر جلد ہی یہ زمین اس کے پاؤں تلے
سے کھسک گئی۔ اور وہ کابل روانہ ہو گیا۔ قندھار کو اس نے حکومت میں شامل کر لیا۔ وہ شاہ اسماعیل صفوی کا
وفادار رہا اور بظاہر تو وہ شیعہ عقائد ہی کا پیرو رہا۔ شاہ اسماعیل صفوی کا وہ اس قدر مشکور و احسان
مند تھا کہ شاہ کے متوسل کی حیثیت سے اس نے اپنے عالی قدر کے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا۔ ۵ے
بابر نے ہندوستان پر ایک ابتدائی حملہ کیا جسے صرف "تمہیدی جائزہ" ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں
اسے یہ ملک پسند آیا۔ ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں شمالی مغربی ہندوستان کا کنٹرول سنبھال لیا

کئی سالوں بعد شاہ اسماعیل صفوی ایرانی بادشاہ نے عادل شاہی حکومت کو خود مختار ریاست تسلیم کر لیا۔ بابر نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی فتوحات کو مشرق کی جانب بنگال اور وسطی ہندوستان تک بڑھانا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے ایک تیموری دوست کے توسط سے سندھ کو بھی ایک حد تک اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ جب بابر نے اپنی حکومت مستحکم کر لی تو مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ لاہور میں ڈھلنے والے سکوں پر خلفاء اربعہ کا نام کندہ کیا جانے لگا۔ جس کے متعلق (Buckler) بکلر کا کہنا ہے کہ اب بابر ایرانی شہنشاہ اور ترکی سلطان کے لئے "خطرے کی گھنٹی" بن گیا اور دونوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر گیا۔ صفوی حکمران کے لئے تو بابر نے اپنی اطاعت سے روگردانی کر لی۔ اور ترکی سلطان کے لئے تو گویا بابر نے اس سے حق حکمرانی چھین لیا۔ ے ڈاکٹر عبدالرحیم نے اپنے ایک مضمون "مغل۔ ایران حکمرانوں کے تعلقات" میں نشاندہی کی ہے کہ کس طرح عثمانی سلطان نے ہند۔ ایرانی دوستی کو توڑنے کی کوشش کی۔ اور ایران شیعیت کے خلاف محاذ بنانے کی ناکام کوششیں کیں۔ مغل بادشاہ نے اس امید پر سنیت سے انحراف" کا الزام قبول کر لیا کہ شاید ہمیں اس طرح مغرب و شمال کی اپنے آبا کی سرزمین دوبارہ مل جائے بہرحال قسطنطنیہ بہت دور تھا۔ دہلی اور ایران کے درمیان قندھار وجہ تنازعہ بن گیا مگر چوں کہ صفویوں کے تیموریوں پر احسانات تھے جس نے پہلے ہی سے تیموریوں کے دل میں شیعی عقائد کے لئے نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا اور اس وجہ سے یہ قضیہ ختم ہو گیا اور تیموری ایران کے دوست بن گئے۔

ریاست بھوپال کی لائبریری میں محفوظ بابر کی اپنے بیٹے کے لئے ایک وصیت ملی ہے جس میں ایک ہدایت اس طرح ہے جس کے متعلق یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی زندگی کا نچوڑ ہے۔

"شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرنا کر نہ یہ اسلام کو کمزور کر دیں گے"۔ ۸ بابر نے آگرہ میں ۱۵۳۰ء میں وفات پائی اور کئی سال بعد اس کی لاش کابل منتقل کر دی گئی اور اپنے موجودہ مزار یعنی کابل کے باغوں میں سے ایک باغ میں اسے دفن کیا گیا۔ ۹

شیعیت عہد ہمایوں میں

بابر نے خصوصی طور پر ہمایوں کو اپنے بعد اپنا جانشین نامزد کیا ہمایوں کی ماں ایک ایرانی شیعی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی ہمایوں کے اذواق، اور تعلیم خاص ایرانی تھی۔ اس کے بھائی اس کے خلاف تھے بشیر خاں نے بابر کی حکومت کو تسلیم کیا

مگر ہمایوں کو رد کر دیا اور دو مرتبہ اسے شکست دے کر ایران بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ہمایوں اپنی خواہش کے برعکس ایران گیا وہ وہاں سیستان کے گورنر کے ہاں ٹھہرا اور ایرانی بادشاہ کی طرف سے کسی امید افزا بات کا انتظار کرنے لگا۔ اس عرصے میں اس کے شب و روز گورنر سیستان کے بھائی حسین قلی خان کے ساتھ گزرتے۔ یہاں اس نے شیعیت کے متعلق بہت کچھ سیکھا۔ ہمایوں شاہ کی طرف سے عدم التفات پر حسین قلی کے ساتھ مشہد اور ہرات کی طرف روانہ ہو گیا۔ آخر کار شاہِ ایران کی طرف سے فرمان جاری ہوا کہ ہر صوبہ میں ہمایوں کے ساتھ شاہی آداب بجا لائے جائیں۔ ہمایوں چالیس دن تک مشہد میں ٹھہرا اور امام علی رضا کے مقبرے پر حاضری دی۔

حج سے واپسی پر شاہ ایران کی طرف سے ہمایوں کو خلعت شاہی عطا ہوا۔ ہمایوں نے شاہی لباس زیب تن کیا مگر ٹوپی نہ پہنی۔ شاہ سے ملاقات پر شاہ نے سب سے پہلے "تاج شاہی" کے متعلق پوچھا۔ ہمایوں فوراً سمجھ گیا اور بولا کہ یہ تو عظمت کی نشانی ہے اور میں اسے ضرور پہنوں گا۔ اس پر شاہ نے خود اپنے ہاتھ سے ہمایوں کے سر پر تاج رکھا۔ کہنے کو تو یہ رسم پوری ہو گئی مگر تاج جو اثنا عشری عقیدے کی نشانی تھا۔ ہمایوں کے نہ پہننے سے شاہ کے دل میں ہمایوں کے متعلق گرہ بندھ گئی۔ اور ہمایوں نے بھی دل سے اسے قبول نہ کیا۔ ہمایوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ طہماسپ شاہ صفوی اس حیلے سے اسے آزمانا چاہتا تھا کہ ہمایوں کس حد تک ان کے زیر اثر آسکتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے کہ شاہ کے بیٹے بیرم مرزا کے دل میں ہمایوں کے لئے شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ اور وہ ہمایوں کے متعلق شاہ کے کان بھرتا رہا۔ نوبت یہ ایں جا رسید کہ ہمایوں کو اپنی قید یا موت کا یقین ہو چلا۔ حتیٰ کہ شاہ کی بہن سلطانہ بیگم نے اس کی جاں بخشی کروائی۔ سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی حضرت علی سے محبت و عقیدت پر ایک نظم بھی لکھی۔ شاہ مان گیا اور نہ صرف جان بخشی کی بلکہ اسے اس شرط پر کہ اگر ہمایوں شیعیت قبول کرے اور شیعی عقائد کی اشاعت و فروغ کا وعدہ کرے تو اس کے تخت کی بازیابی کی کوشش میں مدد کی جائے گی۔ ہمایوں نے سلطانہ بیگم پر اپنی رضامندی کر دی اور مزید کہا کہ وہ تو پہلے ہی سے لوگوں کو شیعیت کی ترغیب دیتا رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کے بھائی اس کے دشمن ہو گئے۔ نلہ

بالسٹر کے مطابق ہمایوں کو شیعیت کی ترغیب دینے کے دوران شاہِ ایران کی طرف سے اسے دھمکی دی گئی کہ اگر وہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر نہ کرے گا تو اسے ساتھیوں سمیت آگ کے الاؤ میں پھینک دیا جائے گا۔

اس دھمکی کے بعد ایک وزیر اس کے پاس آیا۔ ہمایوں چاہتا تھا کہ اسے لکھ کر بتایا جائے کہ اسے کیا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد خود شاہ کی ہمایوں کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اور لکھ کر معاہدہ طے پایا [۱۱]

مارش مین (MARSH MAN) نے اس پر مزید لکھا ہے کہ جب ہمایوں نے معاہدے کے لئے خلعت اور سرخ ٹوپی پہنی تو فتح مندی کے طور پر شاہ کے بینڈ نے فتح کی دھن بجائی [۱۲] اور الفنسٹن نے زور دے کر کہا ہے کہ ہمایوں نے نہ صرف شیعی عقائد کو قبول کیا بلکہ قندھار کو شاہ کے حوالے کرنے اور ہندوستان میں شیعیت کی اشاعت و فروغ کا پکا وعدہ کیا۔ ہمایوں کے شیخ صفی کے مزار پر زیارت کی غرض سے جانے کی اجازت چاہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خود سپردگی معمولی بات نہ تھی۔ اسے اس بات کی توقع تھی کہ شاہ اسے ایسا کرنے سے ہر طرح کی سہولت دے گا۔ شاہ کو خوش کرنے کے لئے ہمایوں نے مقبرہ پر بیش قیمت تحائف بھی اسی غرض سے چڑھائے۔

سلطانہ بیگم کے مطابق تو ہمایوں کے بھائیوں کی دشمنی ہمایوں کے شیعی عقائد کی طرف جھکاؤ تھی اگر یہ خیال درست ہے تو "تبدیلی مذہب" ہمایوں کے لئے چنداں مشکل نہ تھی کیوں کہ وہ شاہ ایران کا آلہ کار نہ بننا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح تو جس مخالفت نے اسے تخت سے اتارا تھا اس کی واپسی پر یہ مخالفت مزید بڑھ جائے گی مگر دہلی کو واپس لینے کا خیال ہمایوں کو چین نہ لینے دیتا تھا۔

ہمایوں نے جب معاہدے پر دستخط کر دیئے تو بیرم بیگ جو ہر وقت ہمایوں کے ساتھ لگا رہتا کو بیرم خاں کا خطاب دے کر فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا اور ہمایوں نے پندرہ سال بعد دوبارہ ۹۶۲ھ میں ہندوستان کا رخ کیا۔ بیرم خاں اس عرصے میں شاہ اور ہمایوں کے درمیان رابطہ افسر اور ہمایوں کا ایک طرح سے وزیر اعظم رہا۔ ہمایوں دہلی میں صرف چھ ماہ زندہ رہا اور اپنی لائبریری کی سیڑھیوں سے پھسل کر مر گیا

عہد اکبری میں شیعیت کا اثر و نفوذ

اکبر کی ماں بھی شیعہ تھی۔ ہمایوں کی وفات کے وقت اکبر ابھی بچہ تھا۔ اکبر کے بلوغت کو پہونچنے تک بیرم خاں (جو ایک متشدد شیعہ تھا اور اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں) قائم مقام بادشاہ رہا۔ اس نے عبداللطیف کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا۔ عبداللطیف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب یہ ایران میں تھا تو اس پر سنی ہونے کا الزام تھا اور ایران چھوڑ کر ہندوستان آگیا تو اسے شیعہ سمجھا گیا۔ بیرم خان بابر اور ہمایوں دونوں کی ملازمت میں رہا تھا۔ اور دونوں کی ہندوستان کی بازیابی کی کوششوں میں شریک رہا تھا۔ اس کی طویل رفاقت سے اخذ کیا جا سکتا ہے

کہ اکبر نے اس سے کس قدر اثر قبول کیا ہوگا۔ بدایونی نے اکبر کی بدعتوں کے متعلق لکھا ہے کہ۔
"یہ خیالات اس کے ذہن میں ایک عرصے سے پرورش پاتے رہے جو آہستہ آہستہ پختہ ہو کر یقین کے درجے تک پہونچ گئے"۔

HOLLISTER — لکھتا ہے کہ ۱۵۶۴ء میں اکبر کے ہاں جڑواں بیٹے پیدا ہوئے اور اس نے ان کا نام حسن اور حسین رکھا۔ صدر الصدور سلطنت کا سب سے بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا جو ایک سنی شیخ عبدالنبی کے پاس تھا۔ اس عہدے کو لامحدود اختیارات حاصل تھے کسی بدعت پر سخت سزا دیتے۔ شاہی زمین کو عطا کرنے کے اختیارات بھی انہیں حاصل تھے۔ جو کہا جاتا ہے کہ وہ صرف سنی لوگوں ہی کو دیا کرتے تھے بیرم خاں نے شیخ عبدالنبی کو ہٹا کر ایک شیعہ کو یہ عہدہ دے دیا۔ بیرم خاں کے اس "عمل" نے ہندوستان و خراسان کے سنیوں کے دلوں میں بے چینی پیدا کر دی اور بلوے شروع ہو گئے۔ بیرم خاں کو آخر کار اپنے عہدے سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بعد میں یہ انتظام اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بیرم خاں کے نفرت اس قدر زور پکڑ گئی کہ انہوں نے اکبر کے ایک علاتی بھائی کو کابل میں ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور اکبر نے اسے شکست دے دی۔

۱۵۶۷ء میں اکبر پہلی مرتبہ شیخ فیضی سے چتوڑ میں ملا اس کا دادا نسلاً عرب تھا۔ سیستان سے ناگور آیا بعد میں یہاں سے فیضی کا باپ ملاّ مبارک آگرہ چلا آیا۔ ملا مبارک کا دوسرا بیٹا ابوالفضل فیضی سے چار سال چھوٹا تھا۔ اس نے شاعری میں بڑا نام پایا اور اپنی روزی طب کے پیشے سے حاصل کرتا۔ فیضی نے شہزادی کو اعلیٰ علمی مدارج تک تعلیم دی تھی۔ اور ۱۵۶۸ء میں دربار اکبری سے منسلک ہو گیا۔ اور ابوالفضل ۱۵۷۴ء میں دربار سے متعلق ہوا۔ ان دونوں بھائیوں اور ان کے والد نے مل کر اکبری دربار میں نہایت اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔ ان دونوں کا باپ ملا مبارک انتہائی عمیق مطالعہ والا شخص تھا۔ وہ شیخ علائی کا پیروکار بھی رہا تھا جو کہ مہدی موعود کے مدعی تھے اور انہوں نے معاشرتی اصلاح کا کام شروع کر رکھا تھا۔ شیخ علائی کو سلیم شاہ کے زمانہ میں مخالف علماء نے سزائے موت دلوائی تھی۔ جسے سلیم شاہ نے جلا وطنی میں تبدیل کر دیا۔ مگر شیخ نے یہ سزا قبول نہ کی اور آخر کار کوڑے کھاتے ہوئے ان کی موت واقع ہوئی۔

شیخ مبارک نے آگرہ میں ایک مدرسہ کھول رکھا تھا جس میں اس کے مخصوص مذہبی خیالات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بایں وجہ اسے سنی علماء کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک موقع پر اس کے بیٹے نے قاضی

ں شیخ عبدالنبی سے جاگیر مانگی جو صرف اس بنا پر رد کردی گئی اور اسے دھکے دے کر بے عزت کر کے باہر نکال
گیا کہ وہ شیعہ تھا۔
اکبر سے ان تینوں باپ بیٹوں کی ملاقات تک اکبر ایک خالص سنی مسلمان تھا۔ ملا مبارک اور اس کے
وں نے عمومی طور پر مذہب میں "جدت پسندانہ" رویہ رکھا۔ اور اکبر میں ہر کام میں جدت پسندی کے رجحانات
تقویت دی۔ بدایونی نے فیضی کے متعلق لکھا ہے۔
"ایک مصنف کی حیثیت سے کبھی وہ سنجیدہ کبھی خوش طبع ظریف اور مسخرہ کبھی خود پسند متکبر بد باطن د
ذاہ ہوتا ہے۔ وہ مکار و ریاکار حب جاہ کا دلدادہ خبیث و منافق تھا۔ اس کی خود پسندی عداوت بدزبانی
ے اس کے اسلاف داخلاف محفوظ نہ تھے۔
وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء صحابہ کرام آباد اجداد صلحا و مقدس ترین ہستیوں اور تمام مسلمانوں
ے عقائد کا کھلے عام مضحکہ اڑاتا۔ اس کا رویہ اس قدر مکروہ اور نفرت انگیز ہوتا کہ مسلمانوں سے تو یہودی
ند عیسائی اور صابی تک ہزار درجہ بہتر حالت میں ہوتے اس نے ہر کام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف کیا"
ابوالفضل نے ایک ایسا رویہ بنانے میں "قائدانہ رول ادا کیا جس میں مذہب کی کوئی قید نہ ہوا اور آزاد
بالی د بے لگامی کو رواج دیتے ہیں اہم کام کیا۔ فتح پور سیکری میں تمام مذاہب کے علماء کو اکٹھے کر کے آزادانہ
ث و مباحثہ شروع کیا۔ اس مباحثے میں شریک ہونے والوں میں صوفی طبیب دانشمین قانون داں سنی
شعیہ برہمن، جین مت اور بدھ مت کے پیرو چاربک (ہندوؤں کا مادہ پرست فرقہ) عیسائی یہودی اور
عقیدے کے پڑھے لکھے لوگ تخت شاہی کے سامنے بیٹھتے اور مباحثہ ہوتا جو علمی دنگل کی شکل اختیار کر لیتا
۱۵۷۵ء میں اکبری عہد کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب ایران سے مبتدعانہ خیالات کے حامل
فراد جوق در جوق ہندوستان آنے لگے۔ ایران میں ایک عظیم تبدیلی آئی کہ شاہ اسماعیل صفوی نے شیعی
قائد کو خیر آباد کہہ کر سنی عقائد قبول کر لئے۔ اس سے ایران میں صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی ان لوگوں کے
لئے ایران میں جائے پناہ نہ تھی۔ یہ لوگ ہندوستان آئے تو ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ ان کی اکثریت دربار شاہی سے
منسلک ہو گئی۔ یہ گویا ہندوستان پر ایران کا ہتھیاروں کی بجائے فکری و ذہنی حملہ تھا۔ ان میں بہت سے
مذہبی لیڈر شعرا سکالرز اور فلاسفرز تھے جنہوں نے ہندوستانی تہذیب پر گہرا اور دیرپا اثر چھوڑا کچھ کو

خاص قسم کی بدعتوں سے دلچسپی تھی اور کچھ اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے "مباحثے" میں بڑے جوش وجذبے سے شریک ہوتے ذیل میں ایک سنی معاصر کے دو اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ اساس سنی مسلمان اس کو کس نظر سے دیکھتے تھے پہلا اقتباس گیلان سے دہلی آنے والے تین بھائیوں کے متعلق ہے۔

"بڑا بھائی اپنی انتہائی غیر معمولی چاپلوسی سے بادشاہ پر حاوی ہوگیا۔ وہ کھلے عام خوشامد سے باز نہ رہتا موقع کی مناسبت سے بادشاہ کے مذہبی رجحانات کے مطابق اپنے آپ کو بدل لیتا۔ اور بادشاہ کے بدعی خیالات کو مزید آگے بڑھاتا وہ بہت جلد اکبر بادشاہ کا گہرا دوست بن گیا۔ بعد میں ایک اور شخص یزد سے ملا محمد آیا شاہی درباریوں میں شامل ہوگیا۔ ملا محمد یزدی نے بہت سے جھوٹے قصے گھڑے اور صحابۂ کرام سے منسوب کرنے شروع کر دیئے اس طرح ملا محمد یزدی نے بادشاہ کو صحابۂ کرام سے بدظن کرنے اور اسے شیعہ بنانے کی کوششیں کیں لیکن جلد ہی اسے بیربل شیخ ابوالفضل اور ابوالفتح نے پیچھے ڈھکیل دیا۔ اس اتحاد ثلاثہ نے تو اکبر کو مذہب ہی سے برگشتہ کر دیا۔ ان کی وجہ سے اکبر کا وحی والہام معجزات وکرامات اور شریعت اسلامیہ سے ایمان اٹھ گیا۔ انہوں نے معاملات کو اس حد تک طول دیا کہ یہ بیان کرنا میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔ ان باتوں سے اکبر کا ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے اٹھ گیا۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ نماز پنجوقتہ روزہ وحی والہام کو برسرعام مجہول اشارہ کیا جانے لگا۔ جو خلاف عقل ہیں۔ مذہب کی بنیاد وحی کے بجائے عقل قرار پائی"[۲۷]

ملا احمد ٹھٹھوی جو مرتد ہوگیا تھا اور عراق میں بدعتی ایرانی شیعوں کے ساتھ رہا، ان کی بدعتوں کو کس خوبصورتی کے ساتھ آگے بڑھایا۔

" وہ بائیس سال کی عمر میں مشہد گیا یزد اور شیراز گیا وہاں سے اس نے طب کا علم حاصل کیا۔ "کلیات قانون" Avicenn اور شرح تجرید معہ تمام شروح کے پڑھیں۔ وہاں سے قزوین گیا۔ شاہ طہماسپ سے ملا اور شاہ اسماعیل جو اب سنی ہو چکا تھا ملا۔ عراق عرب مکہ بھی گیا ان مختلف جگہوں پر نامور علماء سے ملنے کے بعد دکن آیا۔ اور گولکنڈہ کے قطب شاہ کے دربار سے منسلک ہوگیا اکبر کے ۲۲ جلوس میں فتح پور سیکری آیا ... یہاں ملا احمد نے دیکھ لیا کہ فضا سازگار ہے کوئی مزاحمت نہیں تو اس نے اپنی لغو اور بیہودہ شیعی تعلیمات کو پھیلانا شروع کر دیا۔"[۲۸]

اکبر کے دربار میں یہ رائے عام تھی۔ کہ ملت اسلام جاہل بدوؤں میں پیدا ہوئی تھی۔ کسی مہذب و شائستہ قوم کے لئے وہ موزوں نہیں، نبوت وحی حشر و نشر دوزخ و جنت ہر چیز کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ قرآن کا کلام الٰہی ہونا مشتبہ وحی کا نزول عقلاً مستبعد مرنے کے بعد ثواب و عذاب غیر یقینی البتہ تناسخ ہر آئینہ ممکن واقرب الی الصواب کہ شیعیت کے قریب تھا۔ معراج کو علانیہ محال قرار دیا جاتا ذات نبوی پر اعتراضات کئے جاتے خصوصاً آپ کی ازواج کے تعدد پر اور آپ کے غزوات سراپا پر یہاں تک کہ لفظ احمد اور محمد سے بھی بیزاری ہو گئی اور جن کے ناموں میں یہ شامل تھا ان کے نام بدلے جانے لگے دنیا پرست علمائے اپنی کتابوں کے خطبوں میں نعت لکھنی چھوڑ دی اور شیعوں میں تو ویسے بھی کوئی نامور نعت نویس نہیں گذرا . . . . . ابوالفضل نے نماز روزہ حج اور دوسرے شعائر دینی پر سخت اعتراضات کئے اور ان کا مذاق اڑایا۔ شعرا نے ان شعائر کی ہجو لکھی جو عوام کی زبانوں تک بھی پہونچی۔[۱۱]

ان علمی مجالس کے "مباحثوں" کے دو نتائج برآمد ہوئے ایک تو یہ کہ بڑے بڑے علماء اور مفتیوں نے ایک محضر پر دستخط کئے جو اس بات کا اقرار تھا کہ اکبر معصوم عن الخطاء ہے امام عادل ہے۔ اللہ کا برگزیدہ ہے مجتہد مطلق ہے۔ تمام مذہبی مناقشوں میں اس کی رائے آخری فیصلہ ہوگا اور سب مسلمانوں پر اس کا ماننا واجب ہوگا۔ دوم یہ کہ اس نے ایک نیا مذہب دین الٰہی کے نام سے جاری کیا جس میں محمد اور قرآن سے انکار کر دیا گیا اور خود اکبر نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا۔[۱۲] یہ دونوں باتیں بظاہر شیعیت سے متعلق نظر نہیں آتیں مگر ہم نے اس وجہ سے اس کا ذکر کیا ہے کہ ان مباحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے نئے دین پر اکسانے اور اس کی ترغیب دینے والے سب شیعہ تھے (Buckler) بکلر اپنے مضمون "اکبر کے دین الٰہی کی نئی توجیہ" میں کہتا ہے کہ یہ مذہبی سے زیادہ سیاسی تھا۔ اکبر اور اس کے مشیر تو اپنے آپ کو ایران کے چنگل سے آزاد کرانے کی فکر میں تھے جو ایرانی، ہندوستان میں مغلوں کا زور توڑنے کے لئے ان پر ڈال رہے تھے۔ ایک براہ راست دوسرے دکن کی شیعی ریاستوں کی طرف سے۔ اکبر نے کبھی بھی اپنے آپ کو شیعہ یا سنی ظاہر کرنے کے لئے آزاد نہ پایا اگر وہ اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتا تو ایرانی اور دکنی قوتیں مخالفت میں شدید تر ہو جاتیں۔ اور اگر شیعہ ظاہر کرتا تو اپنے باپ دادا کی خود مختار سلطنت کے دعوے سے گویا دست بردار ہو جاتا۔ اکبر نئے دین کے اجرا اور امام عادل کا لقب اختیار کرنے کے بعد ایران کے شہنشاہ کے اختیارات سے بڑھ گیا۔ اور ایران

مغل بادشاہوں کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا۔ ایران کا بادشاہ اصل میں خود مختار نہ ہوتا تھا وہ شیعہ علماء مجتہدین کا دست نگر ہوتا اور ان کی سرپرستی کے شاہ ایران کو صورت حال کا علم ہوگیا۔ شاہ ایران نے والی مسقط کو دھمکی آمیز خط لکھا کہ اکبر کو فوراً میرے حوالے کردو دگرنہ فوج کشی کی جائے گی۔ شاہ ایران نے اکبر کی بہت مہمان نوازی کی مگر اسے اپنے باپ کو شکست دینے کے لئے فوج نہ فراہم کرسکا۔ اکبر ۱۷۰۴ء میں ایران ہی میں مرگیا۔ شاہ ایران نے اس کے مرنے پر کہا کہ " اس کا انجام بہت اچھا ہوا کہ امام رضا کے مقبرے کے احاطے میں لیٹے ہوئے اس کی موت واقع ہوئی "۔

شیعی اثرات ہندوستان میں ایرانی بادشاہوں کے توسط سے ہوتے تھے۔ یہ بات ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اکبر کے دین الٰہی ایجاد کرنے کی وجہ محض تجدد پسندی نہ تھی بلکہ وہ اپنے آپ کو ایرانی بادشاہوں کے تحکم اور تغلب سے آزاد رکھنا چاہتا تھا۔ جہاں گیر کے عہد میں شیعی اثرات دکنی ریاستوں میں بڑھ گئے تھے۔ اکبر کی موت پر شاہ عباس (شاہ ایران) نے افسوس کے لئے ایک سفارت بھیجی اور ساتھ ہی دوسری طرف جہاں گیر کو پیغام تہنیت بھی جہانگیر نے مغلیہ دور کا سب کا بڑا اسفارتی مشن شاہ کے دربار میں بھیجا۔ اس کا سفیر خان عالم تھا۔ ایران کے بادشاہ نے خان عالم کا والہانہ استقبال کیا۔ اور اس موقع پر خان عالم نے کہا کہ " میرے اور جلا وطن بادشاہ کے درمیان دوستانہ روابط ابھی تک موجود ہیں اور جیسا کہ شاہ نے آپ کو بھائی کہا ہے تو یہ قدرتی امر ہے کہ بھائی کا بھائی میرا بھائی ہوا۔"

شاہی ضیافت اور شکار کا بندوبست کیا گیا یہ سفیر ۱۶۱۹ء تک ایرانی دربار میں رہے، یہ وہی وقت ہے جب ایرانی شاہ کے پاس بیجاپور احمد نگر اور گول کنڈہ سے سفارتیں آرہی تھیں۔ اور یہ اپنے نمائندے وہاں بھیج رہے تھے یہ یقین کرنے میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ احمد خاں کے سامنے ہورہا تھا۔ وہ اس کے نتائج و عواقب اور ان سفارتوں کے مقاصد سے بھی آگاہ تھے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ جہاں گیر جانتا تھا کہ شاہ ایران ان ریاستوں کی مکمل آزادی و خود مختاری کے لئے سازشیں کررہا ہے۔ اس میں شیعہ سنی کا کیا رشتہ ہے۔ یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ جہانگیر کا قاصد بھی شیعہ تھا۔ یہ ایلچی جب ایران سے ہندوستان کے لئے رخصت ہوا تو شاہ نے دور تک اس کی مشایعت کی۔ مصافحہ و معانقہ کیا۔ دیر تک بغل گیر ہوا۔ حتی کہ جب عباس اور جہاں گیر کے درمیان تعلقات نہایت معنوی سے رہ گئے تو بھی شاہ ایران خان عالم کو محبت بھرے خطوط لکھتا رہا۔

شاہ ایران دکنی ریاستوں کی مدد صرف اس صورت میں کر سکتا تھا کہ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کو بدل دیا جائے اس مقصد کے حصول کے لئے پہلے اس نے قندھار پر چڑھائی کی پھر مکران اور کچھ کے حکمرانوں کو جو اس سے قبل جہاں گیر کو خراج ادا کیا کرتے تھے۔ زیرنگیں کر لیا۔ نظام شاہ کا ایلچی شاہ ایران کے ساتھ مل گیا اور دکن میں بغاوت کے لئے شاہی افواج کا دستہ ہندوستان بھیجا۔ سقوطِ قندھار کے بعد شاہ ایران نے جہانگیر کو تحکم آمیز خط لکھا کہ اسے دوبارہ واپس لینے کی خواہش اپنے دل سے نکال دے یہ تو میرے لئے سیرگاہ اور شکارگاہ ہیں۔ اور ان کو میں اپنے بھائی کی طرف سے تحفہ سمجھتا ہوں [۵۱]

۱۶۳۵ء میں شاہ جہاں نے دکن پر حملہ کیا۔ تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گول کنڈہ میں شاہِ ایران کے نام کا خطبہ پڑھا جا رہا ہے اس نے نہ صرف خطبے کو موقوف کیا بلکہ ان پر خراج عائد کر دیا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ کرنے کے قابل بھی نہ تھا۔ اورنگ زیب کے دل میں اگرچہ قندھار کو واپس لینے کی خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی مگر وہ وسط ایشیا کی سیاست میں ملوث نہ ہونا چاہتا تھا اس کی شدید خواہش تھی کہ دکن کی شیعی ریاستوں سے شیعیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دے مگر اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ مغلوں کے خلاف طاقت کے توازن کو بدل دے۔ ویسے بھی یہ بات اورنگ زیب کے ذہن میں اس وقت آئی ۱۶۸۶ء جب مغلوں کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کو تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے دیگر کاموں نے مغل حکومت کی رگوں سے اقدام کا خون نچوڑ دیا ہے اور وہ اس قدر تھک چکا ہے کہ دوبارہ بحالی ناممکن ہے۔

مغلیہ سلطنت کے زوال میں سادات بارہہ کا کردار

باقیماندہ مغل دور میں اقتدار کی باگیں۔ عملاً سادات بارہہ کے ہاتھوں میں تھیں یہ ایک شیعہ خاندان تھا جس کا تعارف ہم اکبر کے دور میں کرا چکے ہیں جب وہ سورت کے محاصرہ میں مصروف تھا۔ کچھ مرزا خاندانوں نے مل کر گجرات کا اس امید پر کہ وہ اکبر کو نکال باہر کریں گے محاصرہ کر لیا۔ اکبر کے پٹن (گجرات) کے کمانڈر سید احمد خاں نے ان باغیوں کو اس وقت تک روک رکھا۔ جب تک کہ اکبر نے تازہ دم فوج نہ بھیج دی۔ اس پر سید احمد خان کو گجرات کا صوبیدار مقرر کر دیا گیا۔

سید احمد خاں کا خاندان صدیوں سے ہندوستان میں آباد تھا وہ اپنا سلسلہ نسب سید عبدالفرش واسطی سے

ملاتے ہیں جو ۳۹۱ھ میں سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آیا اس کے بیٹے پہلے سرہند میں آباد ہوئے بعد میں انہوں نے اپنا رسوخ دہلی سورت اور دواب تک بڑھالیا۔ ۱۳۵۰ء میں ان کا صدر مقام مظفر نگر تھا۔ انہوں نے سید خاندان کی بنیاد ڈالی (۱۴۵۰-۱۴۱۴) اپنے آپ کو سلطان تیمر لین کا نمائندہ کہنے والے قادر خاں نے سید سلیم کو جو اس وقت اس خاندان کا سربراہ تھا کو سہارن پور کا کنٹرول دے دیا۔ اکبر کے عہد تک اس خاندان کی سیکڑوں شاخیں پھیل گئیں۔ یہ لوگ صوبے کے بڑے زمین دار بن گئے۔ اس خاندان نے بارہا اپنی بہادری اور شجاعت کا شاندار مظاہرہ کیا۔

اکبر چاہتا تھا کہ جہاں گیر (سلیم) کی بجائے خسرو کو اپنا جانشین نامزد کرے مگر اس وقت کے بادشاہ گر سید خاں نے دیگر سادات کے ساتھ مل کر سلیم کی حمایت کی۔ ان لوگوں کے دباؤ کے تحت اکبر کو سلیم کو تاج شاہی پہنانا پڑا اسی وجہ سے خسرو نے بغاوت کر دی۔ خاندان سادات نے اس بغاوت کو ختم کر دیا۔ اس خاندان کا رسوخ دن بدن بڑھتا گیا اور یہیں ان کی بہادری کے قصے بھی جابجا ملتے ہیں۔ اورنگ زیب کی حکومت کے خاتمے پر تقریباً اسی خانوادے (یعنی سید عبداللہ خاں اور سید حسین علی خاں) کا مکمل طور پر حکومت پر کنٹرول ہو چکا تھا۔

بہادر شاہ اول یا عالم شاہ اول (۱۷۱۲-۱۷۰۷) ان دونوں سیدوں ہی کی مدد سے تخت شاہی پر اپنا حق جتا سکا تھا۔ جب کہ فرخ سیر کو بھی تخت شاہی کے لئے انہی کا دست نگر ہونا پڑا تھا۔ وہ صرف کٹھ پتلی حکمران تھا۔ جب کہ اصل حکمران تو یہ دونوں سید تھے۔ (۱۷۱۹-۱۷۱۳) پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس کٹھ پتلی کو راہ کا کانٹا سمجھ کر راستے سے ہٹا دیا گیا۔ اور دوسرے دو کٹھ پتلیوں کو جانشین نامزد کر دیا گیا۔ آخر کار محمد شاہ کو بادشاہ بنا دیا گیا۔

سادات اگرچہ ہندوستان کے باہر سے آئے تھے۔ مگر وہ اتنی دیر سے ہندوستان میں آباد تھے کہ اپنے ہندوستانی ہونے پر انہیں فخر بھی تھا۔ مغل حکمرانوں کی مدد و حمایت کی۔ انہیں ضرورت نہ تھی۔ ان کے شیعی عقائد نے انہیں حکمرانوں سے اور بھی بیگانہ کر دیا۔ اورنگ زیب کی جزیہ عائد کرنے کی پالیسی نے بھی انہیں رنجیدہ کر دیا۔ اس پالیسی نے سادات اور ہندوں کو باہم اکٹھا ہونے کا ایک موقع فراہم کر دیا۔ سید حسین نے مرہٹوں سے ایک معاہدہ کیا جو آخر کار مغلوں کی مخالفت پر منتج ہوا۔

سادات بارہہ اگرچہ وطناً ایرانی نہ تھے لیکن ان کا مسلک چونکہ وہی تھا جو ایرانیوں کا تھا قدرتی طور پر ہی ان کے زمانہ اقتدار میں ایرانی امرا کو تورانی یا دوسرے لفظوں میں سنی امرا پر برتری حاصل ہونے لگی اور اتنی برتر

کہ بعض بعض بڑے تورانی امیر تو حکومت اور حکومت کے تعلقات سے دست کش ہو کر گھر بیٹھ گئے جن میں حضرت آصف جاہ اول بانی حکومت آصفیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

" نئے امیروں کی گرم بازاری اور پرانے قدیم امرا کی کساد بازاری کو دیکھ کر حضرت آصف جاہ اول مغل حکومت کی ملازمت سے مستعفی ہو کر شاہ جہاں آباد پہنچے اور درویشانہ لباس اختیار کر کے خانہ نشین ہو گئے۔" [۱۱]

سادات بارہہ کی مخالفت میں ترکمانی وائسرائے دکن جناب نظام الملک آصف جاہ پیش پیش تھے۔ آصف جاہ کو سادات نے ہی جہاندار شاہ کی معزولی اور فرخ سیر کی تعیناتی کے لئے غیر معمولی تعاون کے صلے میں اس مقام پر پہونچایا تھا۔ اس وقت آصف جاہ کے ساتھ ایک ایرانی سعادت خاں نامی شخص تھا جو شیعوں کا سرگروہ تھا۔ سید احمد حسین علی خاں کو ۱۷۲۰ء میں قتل کر ڈالا گیا لیکن اس کے بعد صرف سید عبداللہ ہی ایسا شخص تھا جو محمد شاہ کی جگہ کسی اور کٹھ پتلی حکمران کو لا سکتا تھا لیکن چند ہی ماہ بعد عبداللہ کو ایک جنگ میں شکست ہوئی قید ہوا عمر بھر کے لئے زندان میں ڈال دیا گیا۔ محمد شاہ کے دور تک (۱۷۳۷) سادات بارہہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے حتیٰ کہ وہ ایک فوجی ایکشن کے ذریعے وسیع طور پر تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ یہ واقعہ جنستہ ضلع مظفر نگر جو اس تاریخی خاندان کا مسکن تھا پیش آیا۔ اس خاندان کی باقیات ابھی تک جنستہ میں آباد ہیں۔

شیعیت کے اثرات ہندوستان پر

اس میں شک نہیں کہ سادات بارہہ سیاست میں اس حد تک موثر تھے کہ وہ جو چاہتے کرتے شیعیت کا فروغ ہی انہوں نے اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ شیعوں اور شیعیت نے اس خاندان سے بڑا عروج پایا۔ اورنگ زیب ایک کٹر سنی تھا۔ اس کے امرا کی اکثریت سنی تھی [۱۲] مگر اس کی سنیت کے خوف سے ان لوگوں نے اپنے آپ کو تقیہ کی آڑ میں چھپائے رکھا۔ بہادر شاہ جو ایک شیعہ تھا۔ اور سادات بارہہ ہی نے اسے بادشاہ بنایا تھا نے جزیہ معاف اور محصول ختم کر دیا۔ اور پوری سلطنت میں دوران اذان علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اللہ اور وصی رسول اللہ ہو نے اور خطبہ کو شیعی طرز پر پڑھنے کا فرمان جاری کر دیا۔ لاہور اور آگرہ میں سخت کشیدگی پھیل گئی۔ اس کشمکش میں بعض سنی رہنماؤں کو گوالیار کے قلعہ میں عمر قید کی سزا بھی سنائی گئی۔ احمد آباد میں خطیب مسجد کو آئندہ سنی طرز کے خطبہ پڑھنے سے روک دیا گیا۔ اس نے احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے شیعی خطبہ پڑھا جونہی خطیب کے

منبر سے لفظ ... رسول اللہ نکلا ایک پنجابی اٹھا اس نے خطیب کو گردن سے پکڑا منبر سے نیچے پٹخ دیا اور ٹھڈوں اور مکوں کی بارش کردی ایک تورانی مغل آگے بڑھا اپنا چاقو نکالا اور خطیب کے پیٹ میں گھونپ دیا بعد میں اس کی لاش کو قلعہ کے باہر گھسیٹا گیا اور اس طرح وہ خطیب مرگیا۔

یہ بلوے اس قدر پھیل گئے کہ بادشاہ کو اپنے احکامات واپس لینے پڑے چند دنوں کے بحث ومباحثے کے بعد شوال کے آخر میں خطبہ کے موضوع پر ایک اپیل دائر کی گئی اس پر بہادر شاہ نے خود اپنے ہاتھ سے فیصلہ لکھا کہ آئندہ سے خطبہ جمعہ اسی طرح پڑھایا جائے گا جس طرح اورنگ زیب کے دور میں پڑھا جاتا تھا۔

فرخ سیر کے اور شکل دور میں بھی یہ بلوے جاری رہے سعادت کا بھانجا صفدر جنگ احمد شاہ کا وزیر بنا اس کے دور میں بھی دہلی میں شیعہ سنی فسادات ہوئے نادر شاہ نے ۱۷۳۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی کو برباد کرنے کے بعد ایران واپس چلا گیا۔ ایران کی طرف سے دوسرا حملہ عالمگیر ثانی (۱۷۵۴۔۱۷۶۰) کے دور میں ہوا مرہٹوں نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی جنگ میں دہلی کو فتح کرلیا جس نے آخر کار مغلیہ حکومت کا خاتمہ کر ڈالا اور یہ حکومت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی اس سب بربادی کے باوصف مغلوں سے شیعیت کا اثر زائل نہ ہوسکا۔ حتی کہ ۱۸۵۳ء میں بہادر شاہ ثانی نے خفیہ طور پر ایرانیوں کو اپنے شیعہ ہونے کا یقین دلایا۔[۱۲]

علاوہ پانی کے اس چھوٹے سے بھنور کے جو درباری حلقوں میں چکر کھا رہا تھا۔ اس وقت کے شاہی فیصلے بہت سے دیگر واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں جس سے شیعی اثرات کے گہرے نفوذ واثر کا پتہ چلتا ہے مثال کے طور پر یہاں صرف دو واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلا تو یہ کہ جتنے شیعہ امڈ امڈ کر سیلاب کی مانند ہندوستان آئے وہ سب کے سب دربار شاہی ہی سے منسلک نہ ہوگئے تھے بلکہ ان کی اکثریت یہاں چپ چاپ خاموشی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ جس کی عمدہ مثال سید محمد[۱۳] مجتہد شیعان لاہور کی ہے وہ امام موسیٰ کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ جو قم چھوڑ کر کشمیر میں آبسے تھے۔ ان کی نسل پنجاب اور متحدہ صوبہ جات میں منتشر ہوگئی تھی۔ سید علی الحیری مجتہد کی اولاد لاہور میں ابھی یہ دہی وقت تھا۔ جب ایک قزلباش خاندان افغانستان سے ہندوستان آیا قزلباشی نوابوں اور مجتہد خاندانوں کے تعلقات بڑھتے رہے۔ اور دونوں شیعہ ہونے کی وجہ آپس میں شیر وشکر ہوگئے۔ اور پوری سوسائٹی میں شیعی اثرات نمایاں ہونے لگے۔

اور دوسری مثال قاضی نور اللہ ابن شریف الحسن امراشی شوستری کی ہے جو ۱۵۶۹ء میں ایران کے ایک

شہر شوستر میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸۴ء میں ہندوستان آئے۔ اس کے متعلق ہم شیخ محمد اکرام کی کتاب رود کوثر سے ایک اقتباس درج کرتے ہیں جو انہوں نے شیعہ ہی کی کتاب نجوم السماء فی تراجم العلماء سے نقل کیا ہے۔

"سید صاحب ہمیشہ مخالفین کے درمیان تقیہ کرتے تھے اور اپنے مذہب کو ان سے مخفی رکھتے تھے انہیں اہل سنت کے مذاہب اربعہ کے فقہی مسائل پر ید طولیٰ حاصل تھا اس لئے اکبر بادشاہ اور عام لوگ انہیں سنی المذہب سمجھتے تھے اور جب اکبر بادشاہ کو ان کے علم وفضل اور لیاقت سے آگاہی ہوئی تو انہیں قاضی القضاۃ مقرر کیا جناب سید نے فرمایا کہ میں ایک شرط پر اس خدمت کو قبول کرتا ہوں کہ مذاہب اربعہ یعنی شافعی حنفی حنبلی اور مالکی طریقوں میں سے جس کے موافق میری رائے اور اجتہاد ہوگا اسی کے مطابق میں فتویٰ دوں گا اور چونکہ غور ونظر اور استدلال کی قوت حاصل ہے اس لئے تمام مسائل واحکام میں ایک فقہی مذہب کا پابند نہیں ہوں۔ لیکن اپنے اجتہاد میں اہل سنت کے چار فقہی مذاہب سے باہر نہیں جاتا۔ بادشاہ نے یہ بات مان لی چنانچہ قاضی علیہ الرحمہ نے تمام مسائل قضا واحکام میں امامیہ مذہب کے مطابق فتوے دینا شروع کردیا اگر کوئی اعتراض کرتا تو جناب قاضی صاحب ثابت فرما دیتے کہ میرا یہ فتوی اہل سنت کے چار فقہی مذاہب میں سے فلاں کے مطابق ہے۔ چنانچہ ان کے بعض فتوے مذہب شافعی بعض حنفی بعض مالکی بعض حنبلی مذہب کے مطابق ہوتے۔ قاضی تقیہ کی اس حالت میں شیعہ احکام کو جاری کرتے۔" رود کوثر ص ۱۰۴۔

حواشی

۱ : ہیگ کیمبرج کی تاریخ ہند
۲ : انسائیکلوپیڈیا اف اسلام "تیمور"
۳ : ای جی براؤن "تاریخ ادبیات فارسی"
۴ : ایرسکن (Erskine) "تاریخ ہند"
۵ : بکلر (Buckler) اکبر کے "اختیار مطلق" کی نئی توجیہ
۶ : دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی

۷: بکلر (Buckler) اکبر کے "اختیار مطلق" کی نئی توجیہ۔
۸: ہندوستانی اسلام از ٹائی ٹس
۹: دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی
۱۰: تاریخ فرشتہ
۱۱: ایرسکن (Eriskane) تاریخ ہندوستان
۱۲: مارشن مین (Marsh man) تاریخ ہند
۱۳: ہولسٹر شیعانِ ہند
۱۴: منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی۔
۱۵: "
۱۶: تجدید واحیائے دین از مودودی
۱۷: ہولیسٹر (HollisTer) شیعانِ ہند
۱۸: "
۱۹: تذکرہ شاہ ولی اللہ از مناظر احسن گیلانی
۲۰: ہولیسٹر (HollisTer) شیعانِ ہند
۲۱: " و انڈین اسلام از ٹائی ٹس

عورتوں کے مسجد اور عیدگاہ جانے کا مسئلہ

از احمد مجتبیٰ سلفی

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین، وبعد:

فان خیر الکتاب کتاب اللہ، وخیر الہدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلا" وقال نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین"

عورتوں کے مسجد اور عیدگاہ جانے کا مسئلہ برصغیر ہند و پاک میں علماء کے دو فریقوں کے درمیان متنازعہ فیہ مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے، ایک فریق صحیحین میں مروی حضرت ابن عمر اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی احادیث کی روشنی میں جواز کا قائل ہے، اور دوسرا فریق حضرت عمر فاروق اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کی ناپسندیدگی (بسبب خدشہ فتنہ) کی بنیاد پر عدم جواز کا قائل ہے۔ یہاں پر یہ واضح رہے کہ ان دونوں حضرات کو واضح طور سے منع کر دینے کی ہمت نہیں ہو سکی، ہوتی بھی کیوں؟ ان کے سامنے فرمان نبوی جو موجود تھا اور فرمان نبوی فرمان الٰہی ہوتا ہے (وما ینطق عن الھوی ان ھو وحی یوحی)[1] یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر خلیفۂ وقت اور شوہر ہونے کے باوجود اپنی اہلیہ کو مسجد جانے سے منع نہیں کر سکے، جب کہ ان کی اہلیہ نے کہہ بھی دیا تھا کہ "مجھے مسجد جانے سے منع کر دینے سے انھیں کون سی چیز روک رہی ہے"[2]

---

[1] سورۃ والنجم آیت ۱، ۲ — [2] حوالہ آگے آرہا ہے۔

فرمان نبوی کو کسی کی ذاتی ناپسندیدگی یا خیال سے بدلا نہیں جا سکتا اس لئے اس سلسلے میں حضرت عائشہ کے اس خیال کہ :

لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن، كما منعت نساء بني اسرائيل ۔" علہ	اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ حالات دیکھ لیتے جو فی الوقت عورتوں نے پیدا کیا ہے تو ان کو مسجد جانے سے منع فرما دیتے

کو عدم جواز کی دلیل بنانا ایک مومن کو زیب نہیں دیتا ۔

حافظ ابن حجر نے اس خیالِ عائشہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا ہی خوب فرمایا ہے :

تمسك بعضهم بقول عائشة في منع النساء مطلقا، وفيه نظر إذ لا يترتب على ذلك تغيير الحكم لأنها علقته على شرط لم يوجد، بناءً على ظن ظنته فقالت : لو رأى لمنع، فيقال: لم ير ولم يمنع فاستمر الحكم حتى أن عائشة لم تصرح بالمنع وإن كان كلامها يشعر بأنها كانت ترى المنع، وأيضا فقد علم الله سبحانه ما سيحدثن فما أوحى إلى نبيه بمنعهن ولو كان ما أحدثن يستلزم منعهن من المساجد	بعض لوگوں نے حضرت عائشہ کے اس قول کو عورتوں کو مسجد جانے سے مطلقاً منع کر دینے کی دلیل بنایا ہے، ان کی یہ بات قابل اعتراض ہے کیونکہ اس طرح کے اقوال سے کوئی حکم نہیں بدلا جا سکتا، اسلئے کہ انہوں نے ایک ایسی شرط کو مدار بنایا جو وجود پذیر نہیں ہو سکی، اس کی بنیاد ان کے ایک گمان پر ہے جو ان کا اپنا گمان ہے، انہوں نے کہا کہ " اگر آپ دیکھتے تو منع کر دیتے " تو نہ آپ نے دیکھا نہ منع کیا پس حکم باقی رہا، خود حضرت عائشہ صراحتاً منع نہیں کر سکیں، اگرچہ ان کے اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ وہ منع ہی کی مؤید تھیں نیز اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ عورتیں کیا حالات پیدا کر دیں گی لیکن پھر بھی اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

علہ صحیح بخاری : کتاب الآذان، باب انتظار الناس قیام الامام العالم ۔

لکان منعهن من غيرها أولى، وايضا فالاحداث إنما وقع من بعض النساء لا من جميعهن۔
(الفتح ج ۲/ص ۳۵۰)

کو بذریعہ وحی منع کر دینے کا حکم نہیں دیا۔ نیز عورتوں کے پیدا کردہ حالات اگر مسجد سے ممانعت کو مستلزم ہیں تو دیگر مقامات سے ممانعت کو بدرجۂ اولیٰ مستلزم ہیں۔ نیز یہ حالات صرف بعض عورتوں نے پیدا کئے تھے نہ کہ تمام نے۔

حافظ کے اس تبصرہ پر ہماری طرف سے یہ اضافہ فرمالیں کہ: "جب علیم وخبیر کو یہ معلوم تھا کہ فتنہ و فساد کا بھی ایک زمانہ آئے گا، تو کیوں نہ عورتوں کے مسجد و عیدگاہ جانے کی اجازت کو عہد نبوی تک محدود کر دیا۔؟

امت محمدیہ کو سنت محمدیہ پر عمل سے محروم کر دینے کے لئے شیطان نے بہت سے حربے استعمال کئے ہیں، عورتوں کے مسجد اور عیدگاہ جانے کے حکم محمدی پر عمل سے امت محمدیہ کو روکنے کا یہ حربہ کتنا باریک ہے کہ ایک طرف تو اہلحدیث علماء یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کی نماز گھر کی تنہائی میں افضل ہے، اور دوسری طرف عورتوں کے مسجد اور عیدگاہ جانے پر زور دیتے ہیں۔ (خصوصاً عیدگاہ جانے پر)

اس بدبختانہ حربے کو استعمال کرنے والے، اور اس کے ذریعہ بھولے بھالے عامۃ المسلمین کو گمراہ کرنے والے کیا یہ نہیں جانتے کہ "عورتوں کی نماز کو گھر میں افضل قرار دینے والے صاحب شریعت نے خود ہی عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت اور عیدگاہ جانے کا حکم دیا ہے" ضرور جانتے ہیں مگر کسی چیز نے انھیں اندھا کر دیا ہے۔

اب ہم عورتوں کے مسجد اور عیدگاہ جانے سے متعلق وارد شدہ احادیث پیش کر رہے ہیں، اور یہ احادیث صرف عامۃ المسلمین کو حکم محمدی سے واقف کرانے کے لئے پیش کر رہے ہیں، علمائے کرام تو ان سے واقف ہی ہیں مگر۔

(الف) احادیث متعلقہ مسجد

۱۔ عن ابن عمر: قال: كانت امرأة لعمر تشهد صلاة الصبح والعشاء الآخرة في الجماعة في المسجد

ابن عمر فرماتے ہیں: حضرت عمر کی ایک اہلیہ مسجد میں فجر اور عشاء کی جماعتوں میں شریک ہوا کرتی تھیں، ان سے کہا گیا کہ: عمر اس کو

فقيل لها: لم تخرجين، وقد تعلمين ان عمر يكره ذلك و يغار؟ قالت: وما يمنعه أن ينهاني؟ قال: يمنعه قول رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تمنعوا إماء الله مساجد الله۔ (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب ۱۳)

ناپسند کرتے ہیں تو آپ کیوں مسجد جاتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: عمر کو مجھے روک دینے سے کون سی چیز روک رہی ہے؟ عرض کیا ان کو اس فرمانِ رسولؐ نے روک دیا ہے کہ "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے منع نہ کرو"

صحیح مسلم (کتاب الصلوٰة، باب خروج النساء إلی المساجد) سنن ابی داؤد (کتاب الصلاة، با[ب] ماجاء فی خروج النساء إلی المسجد) اور مسند احمد (ج ۲ ص ۱۶، ۳۶، ۴۵) میں بھی یہ روایت ہے [مگر] ان کے یہاں واقعہ درج نہیں ہے، صرف فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم "لاتمنعوا......" پر اقتص[ار] کیا گیا ہے، البتہ سنن ابی داؤد میں "وبیوتھن خیر لھن" (ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں) کا اضافہ ہے

۲۔ صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن ترمذی (کتاب الصلاة، باب ماجاء فی خروج النساء إلی المسا[جد]) سنن ابن ماجہ (مقدمہ باب ۲) اور مسند احمد (ج ۲ / ص ۳۶، ۴۳، ۹۰، ۱۲۷، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۵۱) میں اس روایت کے ساتھ حضرت ابن عمر کے ایک لڑکے (بلال) کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ بلال نے اپنے با[پ] کے بیانِ حدیث پر کہا کہ "ہم تو روکیں گے کیونکہ وہ اس اجازت کو خیانت کا ذریعہ بنالیں گی، اس پر حضر[ت] ابن عمر نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مت روکو، اور تم کہتے ہو "ہم روکیں گے" مسند احمد کی ایک روایت (۲/۳۶) میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے بلال سے تاحیا[ت] بات نہیں کی۔

فتنہ وفساد کے خدشہ کو بنیاد بناکر عورتوں کو مسجد جانے سے روکنے والے ذرا اس جلیل القدر صحا[بی] کے ردعمل پر غور کریں۔

۳۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں اِس حدیث کے الفاظ ہیں:

لا تمنعوا النساء حظوظهن من ... عورتوں کو ان کے مسجد سے مستفید ہونے

المساجد اذا استأذنوكم۔ — کے حق سے مت روکو اگر وہ اجازت طلب کریں۔

۴۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں :

ائذنوا للنساء باللیل إلی المساجد۔ (بخاری ومسلم) — رات میں عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دیدو۔

لیکن یہ اجازت مشروط ہے، حضرت ابوہریرہ (ابوداود واحمد ج ۲ ص ۴۳۸، ۴۷۵، ۵۲۸) اور حضرت زید بن خالد جہنی (احمد ج ۵ ص ۱۹۲، ۱۹۳) کی روایت کے الفاظ ہیں :

۵۔ لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولیخرجن تفلات۔ — اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو، مگر وہ تیل اور خوشبوئے عاری ہو کر نکلیں۔

یہ چند احادیث پنجوقتہ نمازوں کے لئے عورتوں کے مسجد جانے کے جواز سے متعلق ہیں، اس اجازت کے باوجود صاحب شریعت نے گھر ہی کے اندر ان کی ادائیگی نماز کو افضل قرار دیا ہے، اجازت اور افضلیت میں آخر کون سا تضاد ہے ؛ کوئی تضاد نہیں، اگر ہے تو اہلحدیث علماء کو اس تضاد کے مرتکب گردانتے والے خود صاحب شریعت .... أعاذنا اللہ من ذلک۔

(ب) احادیث متعلقہ عیدگاہ

پنجوقتہ نمازوں میں عورتوں کے مسجد جانے کی اجازت دے کر افضل یہ قرار دیا گیا کہ گھروں ہی میں نماز ادا کرلیں۔ مگر عیدگاہ جانے کا معاملہ جداگانہ ہے۔ عیدگاہ جانے کا حکم دیا گیا یہ نہیں کہ جانے کی اجازت ہے۔ اس سلسلے کی معروف حدیث ام عطیہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

۱۔ عن حفصة (بنت سیرین اخت محمد بن سیرین) قالت کنا نمنع عواتقنا أن یخرجن فی العیدین فقدمت امرأة فنزلت قصر بنی خلف، حدثت — محمد بن سیرین کی بہن حفصہ بن سیرین کہتی ہیں ہم لوگ اپنی نوجوان لڑکیوں کو عیدین میں (عیدگاہ) جانے سے منع کرتے تھے، اسی درمیان ایک عورت (بصرہ) آئی اور قصر بنی خلف میں قیام پذیر ہوئی

عن أختها، (وكان زوج أختها غزا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثنتي عشرة وكانت هي معه في ست) قالت: فسألت اختها النبي صلى الله عليه وسلم، أعلى إحدانا بأس اذا لم يكن لها جلباب ألا تخرج؟ قال: لتلبسها صاحبتها من جلبابها ولتشهد الخير ودعوة المسلمين فلما قدمت أم عطية سألتها: أسمعت النبي صلى الله عليه وسلم؟ قالت: بأبي، نعم، - وكانت لا تذكره إلا قالت: "بأبي" سمعته يقول: يخرج العواتق وذوات الخدور - أو العواتق ذوات الخدور - والحيض وليشهدن الخير ودعوة المسلمين، ويعتزل الحيض المصلى" قالت حفصة: الحيض؟ فقالت: أليست تشهد عرفة وكذا وكذا.

اس نے اپنی بہن کے واسطے سے ایک حدیث بیان کی۔ اس کے بہنوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کر چکے تھے جن میں چھ کے اندر اس کی بہن بھی شریک ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ میری بہن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو کیا عیدگاہ نہ جانے میں کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی سہیلی اپنی چادر میں سے اس کو بھی اوڑھا دے، خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہونا چاہئے۔ جب اُم عطیہ (بصرہ) آئیں تو میں نے ان سے دریافت کیا: کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا سنا ہے؟ بولیں: ہاں میں نے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: نوجوان لڑکیاں اور پردہ نشین عورتیں (یا نوجوان پردہ نشین عورتیں) اور حائضہ عورتیں بھی (عیدگاہ) نکلیں اور خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں حفصہ نے کہا: حائضہ؟ اُم عطیہ بولیں: کیا حائضہ عورتیں میدان عرفات اور فلاں فلاں جگہوں پر نہیں جاتیں؟۔

(صحیح بخاری : کتاب الحیض باب ۲۳ ، شہود الحائض العیدین، وکتاب العیدین، باب إذا لم یکن لها جلباب فی العید، والحج ، باب تقضی الحائض المناسک کلها إلا الطواف بالبیت)

۱۔ صحیح بخاری کی کتاب العیدین ہی کے باب التکبیر أیام منیٰ .... کے الفاظ ہیں :

عن أم عطیة : کنا نؤمر أن نخرج یوم العید ، حتی نُخرِجَ البکر من خدرها ، حتی نُخرِجَ الحیض ، فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرهم ویدعون بدعاءهم ویرجون برکة ذلك الیوم وطهرته ۔	اُم عطیہ کہتی ہیں : ہم کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ عید کے دن نکلیں، حتی کہ باکرہ لڑکیوں کو ان کے پردہ سے نکالیں، یہاں تک کہ حائضہ عورتوں تک کو نکالیں ، حائضہ عورتیں لوگوں کے پیچھے رہیں، ان کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں بولیں، اور ان کی دعاؤں میں شامل ہوں اس بابرکت دن کی برکت اور پاکی سے بہرہ ور ہوں۔

اس حدیث سے عورتوں کو عیدگاہ لے جانے کی حکمت ظاہر ہوتی ہے ، یہ شوکتِ اسلام کا اظہار کا ایک شرعی ذریعہ ہے ، مگر روڈ پر مارچ کے ذریعہ شوکتِ اسلام ظاہر کرنے والوں کو یہ کیوں پسند آئے ؟ ۔

۳۔ صحیح بخاری کی کتاب العیدین ہی کے ایک اور باب (خروج النساء والحیض إلی المصلی) کے الفاظ ہیں :

اُمِرْنَا أن نخرج العواتق و ذوات الخدور ۔	ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم نوجوان لڑکیوں اور پردہ نشین عورتوں کو نکالیں ۔

۴۔ نیز اسی کتاب العیدین کے ایک باب (اعتزال الحیض المصلی) کے الفاظ یوں ہیں :

اُمرنا ان نخرج فنُخرِج الحیض والعواتق وذوات الخدور ۔	ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم نکلیں، اور حائضہ نوجوان لڑکیوں اور پردہ نشین عورتوں کو نکالیں ۔

۵۔ صحیح مسلم (کتاب العیدین باب ذکر اباحة خروج النساء إلی المصلی) اور مسند احمد (ج ۵ ص ۸۴)

میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں :

أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نخرجهن	ہم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم ......

۶ ۔ صحیح مسلم اور مسند احمد (ج ۵ / ص ۸۵) کے ایک دوسرے طریقۂ سند میں اس روایت کے الفاظ یوں ہیں :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرنا	ہم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیا کرتے تھے کہ ہم .....

نمبر ۲ سے نمبر ۶ تک کی روایات میں " أُمِرْنَا " (ہم کو حکم دیا گیا) " أَمَرَنَا " (ہم کو حکم دیا) " کُنّا نُؤمر " (ہم کو حکم دیا جاتا تھا) اور " کان یامرنا " (ہم کو حکم دیتے تھے) کے الفاظ پر جذبۂ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطۂ نظر سے غور کیا جائے ، کیا کسی شرعی مسئلہ میں حکم شریعت ثابت ہونے کے لئے مذکور الفاظ سے بھی بڑھ کر کسی لفظ کی ضرورت ہے ؟ کیا عورتوں کے عیدگاہ جانے کے مانعین کے تمام مسائل کے دلائل مذکورہ الفاظ سے بڑھ کر واضح الفاظ کے ساتھ وارد ہوئے ہیں ؟ بلکہ معاملہ تو بہت حد تک اس کے برعکس ہے ۔ (تمام نہیں تو بہت سے مسائل مختلف فیہ ہیں) ان کے بعض مسائل کے دلائل تو تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں ، لیکن منہ زوری کا کوئی جواب نہیں ۔

أعاذنا الله من التاويلات الباردة المانعة من العمل بالسنة المحمدية على صاحبها الف الف سلام ، ووفقنا للتمسك بالكتاب والسنة بدون تاويل ولا تعطيل ، وهو ولي التوفيق ۔

●●●

حج شماری کا ہنر

چاند اپنی ہی شعاعوں کا پرستار رہا
آدمی ذوقِ نمائش میں گرفتار رہا
پاک دل پاک نگاہوں کی ضیا کچھ بھی نہیں
زندگی فلسفۂ زر کے سوا کچھ بھی نہیں

اسلام کا حکم ہے کہ عمل میں اخلاص ضروری ہے، مسلمان نیکی کا جو کام کرے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کرے، اور نمائش و دکھاوے کا قصد نہ کرے، اور نہ اپنے اعمال کا لوگوں کے سامنے اس خیال سے تذکرہ کرے کہ اس کی تحسین کی جائے، شریعت کی اصطلاح میں دکھاوے کے لئے عمل کا نام ریاء ہے، اور قرآن میں اسے منافقین کی صفت بتایا گیا ہے۔ صحیح احادیث میں بھی اس سے روکا گیا ہے صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک متفق علیہ روایت میں ہے کہ جو لوگوں کے سامنے اپنے عمل کا اظہار کرے گا اسے قیامت کے دن رسوائی کا سامنا ہوگا، اور اس کے برے اعمال دنیا میں ظاہر کر دیئے جائیں گے جس سے وہ رسوا ہوگا۔

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ فرائض کے علاوہ تمام نیک اعمال کو بقدر امکان مخفی رکھنا ضروری ہے، فخر و مباہات کے طور پر ایسے اعمال کا اظہار اچھی بات نہیں، اس سے نیک عمل کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے، اور انسان کو دنیا و آخرت میں ندامت و رسوائی ہوتی ہے۔

موجودہ زمانہ اظہار و نمائش کا زمانہ ہے، ہر چیز کی تشہیر کی جاتی ہے، یہ حالت دنیوی امور تک محدود ہوتی تو حرج نہ تھا، لیکن لوگوں نے اسے دینی معاملات میں بھی داخل کر لیا ہے، حج کے لئے روانہ ہوتے ہیں تو اعلان ہوتا ہے، جب واپس آتے ہیں تو اس کا بھی چرچا کیا جاتا ہے، اور اس سے بھی تسلی

نہیں ہوتی تو جرائد و مجلات میں مختلف عنوان سے سفر حج کا ذکر کیا جاتا ہے، بلکہ تعداد بھی ذکر کی جاتی ہے کہ یہ ہمارا دسواں حج ہے، اور ہماری اہلیہ کا پانچواں حج ہے، اسی طرح نیکی کے دوسرے کاموں کی بھی تشہیر کی جاتی ہے، رپورٹیں تیار کی جاتی ہیں اور لوگوں سے خراج تحسین کی توقع کی جاتی ہے، بلکہ اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے، جسے وسعت ہو وہ ایک سے زائد بار حج کر سکتا ہے، اعمالِ نافلہ کی شریعت میں کوئی تحدید نہیں، لیکن یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اگر اس پر دوسروں کے مالی حقوق واجب ہوں تو ان کی ادائیگی مقدم ہے نہ کہ نفلی حج، لیکن حج میں چونکہ نمائش کا موقع زیادہ رہتا ہے اس لئے انسان دوسرے حقوق کو نظر انداز کر کے اسے ادا کرتا ہے، اور قرآن وسنت کی تعلیمات کی تاویل کر کے اپنے نفس کو مطمئن کر لیتا ہے۔ ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کے افراد میں ہمیں ایسے مخلصین کی بڑی تعداد نظر آتی ہے جن کی زندگیاں نمود وریا سے بالکل پاک تھیں، وہ اپنے عمل کی تشہیر نہیں کرتے تھے، اور اگر دوسرا ایسا کرتا تھا تو اسے سختی سے روکتے تھے، لیکن اب یہ حال ہے کہ ہر عمل کی موقع بے موقع تشہیر کی جاتی ہے اور لوگوں سے ستائش وثنا کی امید رکھی جاتی ہے، اس طرح کے معاملات میں اگر جاننے والے بے احتیاطی وغفلت برتیں گے تو نہ جاننے والوں کا کیا حال ہوگا؟ اس ملک میں ملت وجماعت دونوں بے وزن نظر آتی ہے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا دامن عمل سے خالی ہے لیکن ہمارے عمل کی تاثیر البتہ مفقا ہے، کیا اس صورت حال کا یہ تقاضہ نہیں کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں اخلاص پیدا کریں، اور قرآن وحدیث میں دکھاوے سے بچنے کی جو تاکید ہے اس پر عمل کریں، جماعت اہل حدیث تاویل وحیلہ سازی سے دور رہنے والی جماعت ہے، پھر ہم کس دلیل سے ان وعیدوں سے بچ سکتے ہیں جو ریاکار ونمائش پسندوں کیلئے وارد ہیں؟ ہمیں عوام کے سامنے ایسا کردار پیش کرنا چاہیئے جو قرآن وحدیث کی کھلی خلاف ورزی کا نمونہ نہ شمار کیا جائے، تحدیث نعمت کی بات کہہ کر جذبۂ نمائش کی تسکین دینے والے فریب نفس میں مبتلا ہیں، اس سے باز آنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی توفیق عطا فرمائے، اور ریا ونمود سے دور رکھے، آمین۔

●●●

باب الفتاویٰ

فتاویٰ علاّمہ ابن باز حفظہ اللہ

ترجمہ : مولانا عزیز الرحمن سلفی

سوال : جو آدمی اپنی اور اپنی اولاد کی دلبستگی کے لئے پرندہ پنجڑے میں رکھتا ہے اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب : پرندے کے لوازمات یعنی کھانا پانی وغیرہ اگر دیتا رہے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اس قسم کے معاملات میں اصل حلت ہے میرے علم میں اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔

سوال : کیا مسجدوں میں فرش کے کنارے مصلی کے لئے سترہ کا کام دے سکتے ہیں؟

جواب : فرش کے کنارے مصلی کے لئے سترہ نہیں بن سکتے سنت یہ ہے کہ سترہ کوئی نصب کی گئی چیز ہو جیسے کجاوہ کے پیچھے کی لکڑی یا اس سے اونچی کوئی چیز جیسے دیوار، ستون، کرسی وغیرہ۔ اگر کچھ نہ ملے تو کم از کم سونٹا وغیرہ آگے ڈال دیا جانا چاہئے امام ہو یا منفرد، اور اگر کچی زمین ہو اور کوئی چیز سترہ کے لئے نہ ملے تو خط ہی کھینچ دے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی نماز پڑھے تو سترہ آگے رکھ لے، اور اس سے قریب کھڑا ہو یہ روایت امام ابوداؤد نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اپنے سامنے کجاوہ کے پیچھے والی لکڑی جیسی کوئی چیز سامنے نہیں رکھتا تو اس کی نماز عورت، گدھا اور کالا کتا باطل کر دیتے ہیں یہ روایت صحیح مسلم کی ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی آدمی نماز پڑھے تو اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے اگر کچھ نہ ملے تو لاٹھی ہی نصب کر لے اور اگر وہ بھی نہ ملے تو خط کھینچ لے۔ پھر سامنے گذرنے والی کوئی چیز نقصان نہیں پہونچائے گی، یہ روایت امام احمد، ابن ماجہ، اور صحیح ابن حبان کی ہے۔ امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں فرمایا ہے جن لوگوں نے اسے مضطرب قرار دیا ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے بلکہ یہ حدیث حسن کے درجے میں ہے۔

سوال : جمعہ کا غسل واجب ہے یا مستحب؟

جواب : جمعہ کے دن غسل کرنا سنت موکدہ ہے اس کے سلسلے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں، مثلاً ۱۔ غسل یوم جمعہ،

مسواک کرنا اور خوشبو لگانا ہر مسلمان پر واجب ہے ۲۔ جس نے غسل کیا پھر جمعہ کے لئے آیا پھر جتنا ممکن ہو سکا نماز پڑھیں اور پھر خاموشی اور سکون کے ساتھ بیٹھا یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو گیا۔ پھر اس کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی تو اس کے گناہ اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور اس سے بھی تین دن زیادہ کے گناہ بخش دیئے جائیں گے یہ روایت امام مسلم نے ذکر کیا ہے، ۳۔ جس نے اچھی طرح وضو کیا اور جمعہ کے لئے آیا پھر خاموشی اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر امام کی بات سنی تو اس کے دس دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی نے کنکریوں سے بھی چھیڑ چھاڑ جاری رکھی تو اس نے لغو کام کیا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں ہیں۔

واجب علی کل محتلم کا معنی اکثر اہل علم کے نزدیک متاکد (تاکید) کا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں: العدة دين وحقك علی واجب، یعنی متاکد، اس معنی پر وہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں جس میں خالی وضو پر اکتفا کیا ہے۔ اسی طرح خوشبو لگانا، مسواک کرنا، اچھا کپڑا پہننا، اور جمعہ کے لئے اول وقت میں جانا یہ سب سنتیں ہیں، ان کی رغبت دلائی گئی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں۔

سوال: نماز میں شک اور وسوسہ کے ازالہ کے لئے دعا کیا ہے؟

جواب: آپ زیادہ سے زیادہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا کیجئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واما ينزغنك من الشيطان نزغ فاستعذ بالله انه سميع عليم۔

سوال: میری ایک دادی تھیں جو اب مرحومہ ہو چکی ہیں ان کی شخصیت میرے لئے بہت اہم تھی میں انہیں کبھی بھول نہیں سکتا میں ان کیلئے کیا کروں کہ جس سے میرے دل کو یہ احساس ہو جائے کہ میں نے ان کا ایک معمولی سا حق ادا کر دیا ہے؟

جواب: آپ ان کے لئے دعا، استغفار کیجئے، ان کی طرف سے صدقہ کیجئے، حج و عمرہ کیجئے یہ سب چیزیں ان کے لئے نفع بخش ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی یہ ساری چیزیں قبول کرے۔ آپ کا یہ بھی حق ہے کہ اگر ان کی کوئی شرعی وصیت ہو تو اس کا نفاذ کریں، ان کی سہیلیوں کی عزت کریں ان کے اقربا اور اولاد سے صلہ رحمی کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم سے سوال کیا والدین کے وفات کے بعد ان کے اوپر احسان کرنے کی کیا سبیل ہے آپ نے جواباً فرمایا ان کے لئے دعا و استغفار کرو۔ ان کے عہد و میثاق کو پورا کرو، ان کے دوستوں کی عزت اور اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔
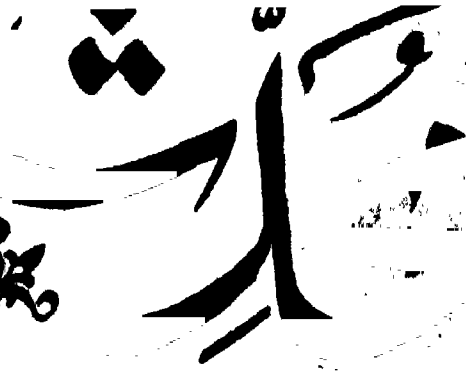
ماہنامہ
بنارس

شمارہ / ۱۰	اکتوبر ۱۹۹۳ء	ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ	جلد / ۱۱

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک
سالانہ ۴۰ روپئے فی پرچہ ۴ روپئے

اس شمارہ میں

۱۔ درس قرآن — مولانا اصغر علی السلفی — ۲
۲۔ درس حدیث — ″ ″ ″ ″ — ۴
۳۔ افتتاحیہ — مدیر — ۶
۴۔ منشیات جرائم کی ماں — مولانا عبدالمتین سلفی — ۱۷
۵۔ مجلس مذاکرہ: دارالدعوۃ لال گوپال گنج، الہ آباد
ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری — ۳۱
۶۔ باب الفتاویٰ — انتخاب / مولانا محمد مستقیم سلفی — ۳۹

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

درسِ قرآن — بسم اللہ الرحمن الرحیم — مولانا اصغر علی سلفی

صحابہ کرامؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سانحہ

وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل أفإن مات أو قتل انقلبتم على أعقابكم، ومن ينقلب على عقبيه، فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين ۔ (آل عمران ۱۴۴)

نہیں ہیں محمد مگر رسول ہی، ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں، تو کیا اگر ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑی کے بل پلٹ جاؤ گے اور جو شخص الٹے پاؤں لوٹ جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا، اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

یہ سورہ کریمہ غزوۂ احد میں چند مسلمانوں کی رائے وقیاس اور عقل کو نص صریح کے مقابلے میں بروئے کار لانے کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ کے شکست میں تبدیل ہونے اور نتیجتاً بہت سے مسلمانوں کے پسپا ہو جانے کے وقت نازل ہوئی، جب بہت سے مسلمانان شہید کر دیئے گئے اور شیطان نے یہ افواہ پھیلا دی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اس پر بہت سے مسلمانوں کے اندر ضعف اور کمزوری پیدا ہو گئی اور سوچ کا رخ منفی پہلو اختیار کرنے لگا کہ جب پیغمبر اسلام ہی زندہ نہ رہے تو پھر ہم رہ کر کیا کریں گے، انہی کی تنبیہ کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر اپنی طبعی موت سے دوچار ہو جائیں یا ان کو قتل ہی کر دیا جائے تو کیا تم اس دین حق کا دامن چھوڑ دو گے؟ اگر ایسا کرنا ہو تو گویا ان کے پیغام پر تم کو یقین نہیں اور اللہ تعالیٰ کے حی وقیوم اور اس کے دین کے برحق ہونے پر تمہارا ایمان صحیح نہیں ہے، اگر تم اس افتاد کی وجہ سے دین سے پلٹ گئے تو تم خود اپنا گھاٹا اٹھاؤ گے، ہاں اسلام کی اس نعمت کو پا کر کچھ لوگ ایسے حادثات پر بھی صابر وشاکر رہے کہ اللہ نے گرچہ اپنے نبی کو موت سے دوچار کر دیا مگر وہ ان کے ذریعہ دیئے ہوئے دین پر کاربند رہ کر اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے رہے، چنانچہ بہت سے صحابہ کرام نے اس افواہ کے بعد دشمنوں سے قتال کرتے ہوئے میدان احد

میں اپنے آپ کو شہید کر دیا اور کہا کہ آپ نے جس طرح اس دین کے لئے جان دیدی ہمارے لئے یہ بہترین اسوہ ہے۔ حضرت ابونجیح فرماتے ہیں کہ میدان احد میں ایک مہاجر شخص نے انصاری صحابی سے پوچھا جو خون میں لت پت تھے کہ کیا تمہیں خبر ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ؟ انصاری صحابی نے جواب دیا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہی کر دیئے گئے (جیسا کہ سننے میں آرہا ہے) تو پھر انہوں نے پیغام حق کو ہم تک پہونچا دیا ہے لہذا اب اس دین و پیغام کی حفاظت و بقاء کے لئے جنگ جاری رکھو، اور ہوا یہی کہ مسلمانوں نے شکست اور اپنے شہداء کا خیال کئے بغیر مردانہ وار مقابلہ کیا اور دشمن کو میدان چھوڑنا پڑا۔

اس آیت کریمہ میں درس وعبرت کی کئی باتیں مذکور ہیں، لیکن سب سے اہم بات یہ بتائی گئی ہے کہ حالات کے ہاتھوں اپنے آپ کو سپرد نہیں کرنا چاہئے خواہ حالات وظروف جتنے خراب ہوں، مقصد سے سرِ موانحراف نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہمت شکن حادثات واقع ہونے پر شکستہ دل اور بددل ہونا چاہیئے، دوسری اہم ترین بات یہ بتائی گئی ہے کہ انبیاء کرام جو کہ انسان تھے ان پر بھی موت طاری ہوتی ہے، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی موت سے دوچار ہوں گے " انك ميت وانهم ميتون " کہ اے نبی آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں، سارے کے سارے لوگ موت سے دوچار ہوں گے، لہذا یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل انسان ہونے کے باوجود انتقال فرما گئے، چنانچہ غزوہ احد میں تو یہ خبر دی گئی کہ ابھی آپ مرے نہیں ہیں مگر اور انبیاء کرام کی طرح آپ پر بھی موت آئے گی، چنانچہ ماہ ربیع الاول سلہ میں جب آپ کے انتقال کا سانحہ پیش آیا تو بہت سے مومنین صادقین کے لئے اتنا بڑا حادثہ فاجعہ اور جاں گسل ثابت ہوا کہ ان کے اوسان خطا کر گئے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس اندوہناک خبر سے اتنے نڈھال ہو گئے کہ آپ کو ہوش نہ رہا اور انہوں نے آپ کی موت کا تقریبا انکار ہی کر دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب آپ کے موت کی خبر ہوئی تو مقام سنح سے تشریف لائے آپ کے چہرۂ مبارک کو کھول کر بوسہ دیا، خیر کے کلمات کہے اور حضرت عمر کو سنبھلنے کی تلقین کی اور مزید تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو ہوش میں آؤ، اگر تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتے تھے تو سو جان لو کہ وہ انتقال فرما گئے اور اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو پھر اللہ تعالی زندہ ہے اس پر کبھی بھی موت نہیں آئے گی پھر اس درس کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی جس کا بالکل واضح ہے کہ جس طریقہ سے پچھلے تمام انبیاء موت سے دوچار ہوئے، اسی طرح آپ بھی مریں گے، اب آپ کے انتقال کے بعد جو کوئی مرتد ہوگا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ وہ خود گھاٹے اور خسارے میں رہے گا۔

درسِ حدیث

مولانا اصغر علی سلفی

بہترین متاعِ حیات

عن أبي هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تنكح المرأة لأربع، لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك. (متفق عليه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے نکاح چار باتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب ونسب کی وجہ سے، اس کی خوبصورتی سے متأثر ہوکر اور اس کی دینداری کا خیال کرکے۔ تو دیندار عورت کو اختیار وانتخاب کرکے کامیاب ہوجاؤ ورنہ تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہیں۔

صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کی بھلائی اور ہر میدان اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی رہنمائی کے لئے تشریف لائے تھے، وہ انسانی میلانات ورجحانات سے بخوبی واقف تھے اللہ تعالی کی تعلیم و تربیت سے آراستہ تھے۔ لہذا شریک حیات کے انتخاب میں کارفرما عوامل کو پوری جامعیت سے بیان فرماکر بتادیا کہ کسی بھی عورت سے نکاح کرنے کے لئے یہی چار ترغیبات ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک خوبی عورت کے اندر دیکھ کر مرد کے اندر رغبت انتخاب پیدا ہوتی ہے، چنانچہ دنیا میں بہتیرے لوگ ایسے ہیں جن کو مال سے بے انتہا رغبت بلکہ حرص وآز ہوتی ہے، لہذا وہ اپنے لئے ایسی عورت کو تلاش کرتے ہیں جو مالدار ہو، اپنے ساتھ ڈھیر سارا جہیز لا۔ اور متمول ہوکر اس سے ظاہری شان وشوکت بھی نظر آئے، اور اس مال غنیمت سے آج کل کے زمانہ کی ریت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس غصب شدہ ڈکیتی کے مال سے گنج قارون میں زیادتی کی جائے، بصورت دیگر اپنی تہی دا اور مفلس بن کو دور کیا جائے اور اس مال کے ذریعے سامان رزق اکٹھا کیا جائے، حالانکہ اللہ تعالی نے ہر متنفس کے رزق کا ذمہ خود لے لیا ہے "وما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها"۔

دوسری چیز جس کی وجہ سے لوگ عورت سے نکاح کرتے ہیں، عورت کا عالی حسب ونسب والا ہونا ہے، یعنی ذاتی طور سے عورت خود بہت سے اوصاف سے متصف ہو اور خاندانی مجد وشرافت اور جاہ وحشمت سے مالا مال ہو ایسی عورت کی طرف لوگوں کا رجحان ہوتا ہے۔

تیسری چیز جس کی وجہ سے عورت سے شادی کی جاتی ہے، حسن وجمال ہے۔ بہت سے لوگ عورت کی خوبصورتی دیکھ کر اس قدر متاثر ہوتے ہیں بلکہ ریجھ جاتے ہیں کہ اس کی بنیاد پر شادی کر لیتے ہیں۔

اور چوتھے قسم کے وہ لوگ ہیں جو دیندار عورت کا انتخاب کرتے ہیں۔ عورت کے اندر اصل جوہر جو دینداری ہے وہ ان کو مطلوب ومحبوب ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامیاب ازدواجی زندگی اسی کی ہے جس نے اپنے لئے نیک عورت کا انتخاب کیا۔ وہ شخص کامیاب نہیں جو دیندار کے علاوہ کسی چیز کو عورت کے اندر شادی میں اپنا معیار قرار دیتا ہے۔ کیونکہ دیگر امور ثلاثہ فانی ہیں، حسب بھی بسا اوقات ختم ہو جاتا ہے، خوبصورتی اور مال آنی جانی چیز ہے، بلکہ بسا اوقات عورت کے نخوت وغرور اور نشوز کا سبب بھی یہی امور ثلاثہ بنتے ہیں خصوصاً جبکہ دین مفقود ہوتا ہے تو ان چیزوں کا اظہار اکثر ہو جایا کرتا ہے جو بیشتر حالات میں اس رشتۂ ازدواجیت کے خاتمہ وطلاق کا سبب ہوتا ہے اسی لئے آپ نے اس کی تعبیر ہاتھوں کے خاک آلود ہونے سے کی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: "لا تزوجوا النساء لحسنہن فعسیٰ حسنہن اُن یردیہن ولا تزوجوھن لأموالہن فعسی اموالہن ان تطغیہن، ولکن تزوجوھن علی الدین، ولأمۃ سوداء ذات دین أفضل" (ابن ماجۃ) یعنی عورتوں کی خوبصورتی اور ان کے حسن وجمال کی وجہ سے ان سے شادی نہ کرو ہوسکتا ہے کہ ان کا حسن انہیں ہلاک وبرباد کردے، اسی طرح سے عورتوں سے ان کے مال کی وجہ سے شادی نہ کرو ممکن ہے کہ ان کا مال ان کو سرچڑھا کردے، البتہ دین داری اور تقویٰ شعاری کی بناء پر ان سے شادی کرو، اور دوسرے صفات کے مقابلہ میں کالی کلوٹی دیندار لونڈی بہتر اور افضل ہے۔

نیک عورت کے ذریعہ شوہر کو ہر طرح اطمینان وسکون اور راحت حاصل ہوتی ہے جو ازدواجی زندگی کا اہم ثمرہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: الدنیا کلہا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ، دنیا کل کی کل فائدہ کی چیز ہے اور امور دنیا کی سب سے زیادہ بھلائی وفائدہ والی چیز نیک عورت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس دور میں لوگ مال یا حسن وجمال کا خیال زیادہ رکھتے ہیں اور دیگر امور ثلاثہ خصوصاً دین ان کے مطمح نظر نہیں ہوتا جس سے عموماً ازدواجی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

افتتاحیہ

صحافت کے ذریعہ دعوت إلی اللہ کی خدمت میں

جامعات و مدارس کا متوقع کردار

۶،۷ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ، ۲۶،۲۷ اگست ۱۹۹۳ء روز جمعرات، جمعہ کو قصبہ لال گوپال گنج الہ آباد میں "مدارس اسلامیہ کی دعوتی ذمہ داریاں" کے موضوع پر ایک سیمینار ہوا، جس میں ملک کے مختلف گوشوں سے علماء اور مقالہ نگار حضرات نے شرکت کی، اس قصبہ کی دعوتی تاریخ کا یہ سب سے اہم اجتماع تھا، جامعہ سلفیہ بنارس سے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب کی سرکردگی میں علماء کے ایک وفد نے شرکت کی، یہ مقالہ اسی سیمینار میں پیش کیا گیا تھا، جسے قارئین محدث تک پہونچانے کے لئے شائع کیا جا رہا ہے، تاکہ علماء و دعاۃ إلی اللہ صحافت اسلامی کو بھی اپنی دعوت کا ایک مہتم بالشان وسیلہ تصور فرمائیں، اور ایک پاکیزہ و زندہ جاوید اسلامی صحافت کی طرف قدم بڑھائیں۔

میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ہمارے علماء اور دعاۃ صحافت سے مثبت کام لینے کے سلسلہ میں بڑی حد تک بے نیاز ہیں جبکہ دوسرے حلقے اسی ذریعہ سے اپنے مہلک نظریات اور انسانیت سوز کردار کو منظر عام پر لا رہے ہیں، ملک کی موجودہ اردو صحافت پر نظر ڈالئے تو اس میں شرک و بدعت فحاشی و بداخلاقی اور الحاد و بیدینی کے تمام مواد نظر آئیں گے، لیکن قرآن و حدیث کی تعلیمات اور صحابہ کرام و ائمہ دین سے متعلق بہت کم چیزیں ملیں گی اور جو ملیں گی وہ اس انداز کی ہوں گی کہ ان سے کوئی اثر پذیر نہ ہو۔ اس صورت حال میں ہمارے علماء کا فرض ہے کہ وہ

> خطابت سے اپنی دلچسپی کے ساتھ ساتھ صحافت پر بھی توجہ فرمائیں تاکہ یہ شعبہ دین کی خدمت کے سلسلہ میں کوئی مؤثر کردار ادا کر سکے ۔
>
> (ع ، د ، ح)

عصر حاضر وسائل اعلام کے تنوع دا زدھار کا دور ہے ، ریڈیو ، ٹیپ ریکارڈر ، سنیما ، تھیٹر ، ٹیلی ویژن ، نمائش ، میلے ، کانفرنسیں ، اجتماعات ، نوع بہ نوع کتابیں اور جرائد ومجلات وغیرہ اعلام کے مختلف انواع ہیں ، اسٹار ٹیلی ویژن اور ڈش انٹینا کا نظام تو اعلام اور ابلاغ کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے ، یہ نظام مغربی دنیا کے طرز معاشرت کی تمام جزئیات اور اس کے ہر طرح کے پروگراموں کو کرۂ ارض پر بسنے والے ہر متنفس تک پہنچا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے ، مسلم خلافتوں کے سیاسی واقتصادی نظاموں اور مسلم تہذیب وثقافت کو پارہ پارہ اور تہ وبالا کرکے اہل مغرب کے سیاسی ، اقتصادی ، اور تہذیبی وتمدنی نظاموں کو سارے عالم کی اقوام پر بالادستی کے حصول کے مرحلہ تک پہونچانے میں مغربی وسائل اعلام کا کردار سب سے بڑا ہے ، اور تمام وسائل اعلام میں ان تمام میدانوں میں صحافت نے سب سے اہم رول ادا کیا ہے ۔ فرانس کے صنعتی انقلاب ، جرمن قوم کے شکست وریخت ، روس میں کمیونسٹ حکومت کے قیام ، خلافت عثمانیہ کی تباہی وبربادی ، فلسطین میں یہودیوں کے تسلط اور موجودہ وقت میں یکے بعد دیگرے مسلم ممالک کو دہشت گرد قرار دینے بلکہ پوری مسلم قوم پر دہشت گردی کے الزامات عائد کرنے کی عالمی مہم میں مغربی اور یہودی صحافت کا سب سے اہم کردار ہے ، اس بیان سے وسائل اعلام اور خصوصیت سے صحافت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

عصر حاضر میں مغربی اور غیر اسلامی وسائل اعلام اور صحافت اپنے محرف ادیان اور بگڑے ہوئے تہذیب وتمدن اور ثقافت کو سارے عالم میں پھیلانے کے لئے رات دن کو اس طرح ایک کئے ہوئے ہیں کہ ایک رات دن کو ہزاروں رات دن کی صورت میں استعمال کر رہے ہیں ، اور اربوں کی تعداد میں کتابیں اور جرائد ومجلات شائع کرکے سارے عالم میں پھیلا رہے ہیں ۔ مغربی اور غیر اسلامی صحافت کذب وافتراء ، رذائل اخلاق ، فحاشی وبے حیائی ، فسق ونفاق کفر وشرک ، مادہ پرستی ، شخصیت پرستی ، عداوت گر جنسی وقومی عصبیت ، اسلامی توحید واخلاق اور اسلامی تہذیب وثقافت سے کھلی کھلے اور کبھی مخفی اسالیب سے مسلسل جنگ کے عالمی شعار اور فاسد منہج کی حامل ہے ، اس

کے مقابل مضبوط اسلامی وسائل اعلام اور پاکیزہ اسلامی صحافت کا وجود نہایت ضروری ہے۔

صحافت کا استعمال جس عالمگیر پیمانہ پر دین واخلاق کے خلاف اور شر و فساد کے لئے ہو رہا ہے، اسی طرح عالمگیر پیمانہ پر صحافت کا استعمال خیر و صلاح اور دین واخلاق کے لئے بھی ہونا چاہئے۔ غیر مسلم صحافی اگر صحافت کو آگ اور بم کا کھیل بنا کر رحم و مروت کے ضیاع، انسانی اخوت اور امن و سلامتی کے اصول وضوابط کی بربادی اور انسانی بستیوں، شہروں اور ملکوں کو غارت کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے، تو اس کے مقابل مسلم صحافی کا فریضہ ہے کہ آگ اور بم کے اس تخریبی کھیل کو اسلام کے تعمیری آداب کا پابند کرے، جس سے رحم و مروت کا دور دورہ ہو، انسانی اخوت اور امن و سلامتی کے اصول وضوابط کو پائداری ملے، اور انسانی بستیاں، شہر اور ملک غارت ہونے کے بجائے آباد ہوں اور پھلیں پھولیں۔

غیر اسلامی صحافت انسانوں میں اثر آفرینی کے لئے بے قید آزادی کی راہ پر گامزن اور جائز و ناجائز کی تفریق سے الگ ہوتی ہے، اسلامی صحافت جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی فطری اور عقلی تفریق کے اصولوں پر سختی سے کاربند ہوتی ہے، اور یہی اس کی بے پناہ تاثیر کا راز ہے، اس موقع پر اگر میں خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرقل قیصر روم کے نام مراسلت ـ جسے صحافت کا ایک حصہ کہا جا سکتا ہے ـ کا ذکر کر دوں تو بے جا نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ اسلامی صحافت کی تاثیر کا ایک نادر نمونہ ہے، آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد تحریر فرمایا کہ "اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے ہرقل عظیم کے نام، اس پر سلامتی جو ہدایت کی پیروی کرے، اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے، اسلام لاؤ اللہ تمہیں تمہارا اجر دوبارہ دے گا، اور اگر اعراض کرو گے تو رعایا کا گناہ بھی تم پر ہوگا، اے اہل کتاب ایک ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، کہ ہم سب اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی اور چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا بہت سے رب نہ بنائے، پھر اگر اعراض کریں تو کہدو کہ تم لوگ گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔" مکتوب گرامی شاہ روم کو موصول ہوگیا، وہ بیت المقدس میں اپنے دربار میں بڑے بڑے رومی سرداروں کے ساتھ فروکش تھا، اس نے ابوسفیان کو کچھ قریشی لوگوں کے ساتھ دربار میں بلوایا، یہ لوگ وہاں تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے، ساتھ ہی اپنے ترجمان کو بلوایا اور کہا کہ نبوت کا دعوی کرنے والے شخص سے جو زیادہ نسبی قربت رکھتا ہو اسے میرے قریب بٹھاؤ اور بقیہ لوگوں کو اس کے قریب پیچھے بٹھاؤ، اس طرح ابوسفیان

پ ؐ سے نسبی قربت کی بنا پر ہرقل کے قریب بیٹھ گئے، ہرقل نے کہا میں اس نبیؐ کے متعلق اس سے کچھ باتیں پوچھوں گا
ر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اسے ٹوک دینا، ابوسفیان نے عبداللہ بن عباسؓ سے بیان کیا کہ واللہ اگر بدنامی کا ڈر نہ
وتا تو میں آپ کے متعلق ضرور جھوٹ بولتا، صداقت تک پہونچنے کے لئے ہرقل کا یہ انتظام اور ابوسفیان کا جھوٹ
ں بدنامی کا خوف دونوں غیر مسلم صحافت کے لئے نمونۂ عبرت ہیں، پھر شاہِ روم نے ابوسفیان سے گیارہ سوالات کئے،
ور انہوں نے ان کے صحیح صحیح جوابات دیئے، البتہ ہرقل نے ایک سوال کیا تھا کہ کیا وہ مدعیٔ نبوت بدعہدی کرتا ہے؟
ا ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں، البتہ اس وقت ہمارے اور اس کے درمیان صلح ۔ صلح حدیبیہ ۔ کی ایک مدت
ذر رہی ہے، معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا۔ ابوسفیان کہتے ہیں اس ایک جملہ کے سوا مجھے کچھ اور ملانے کا موقع
ہیں ملا۔ ہرقل نے آخری سوال یہ کیا تھا کہ وہ تم لوگوں کو کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ جس کا جواب ابوسفیان نے یہ دیا
ہ وہ کہتا ہے: صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے
سے چھوڑ دو، وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچائی اختیار کرنے، پرہیزگاری و پاک دامنی کی راہ چلنے اور قرابت داروں سے
سن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، پھر شاہ روم نے اپنے ترجمان کے واسطہ سے ابوسفیان کے سامنے اپنے سوالات کا
جزیہ کیا اور کہا کہ میں نے تم سے اس نبی کا نسب معلوم کیا تو تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے، اور طریقہ یہی ہے کہ
ی اپنی قوم کے اونچے نسب میں مبعوث کئے جاتے ہیں، ہرقل نے کہا میں نے تم سے پوچھا تھا کہ یہ بات تم میں سے کسی
نے اس سے پہلے کہی تھی تو تم نے کہا کہ نہیں! اگر یہ بات کسی نے پہلے کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ پہلے کہی گئی بات کی
قل کر رہا ہے۔ ہرقل نے کہا میں نے پوچھا تھا کہ اس کے آبا و اجداد میں کوئی بادشاہ گذرا ہے تو تم نے کہا کہ نہیں!
گران میں کوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ اپنے آباء کی بادشاہت کا خواہاں ہے، ہرقل نے کہا میں نے پوچھا تھا
ہ یہ بات کہنے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ تو تم نے کہا نہیں، اور میں خوب جانتا ہوں کہ ایسا
ہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے، ہرقل نے کہا میں نے پوچھا تھا کہ بڑے لوگ اس
ی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ تو تم نے بتایا کہ کمزور لوگ، اور یہ حقیقت ہے کہ کمزور لوگ ہی نبیوں کے متبع ہوا
کرتے ہیں، ہرقل نے کہا میں نے پوچھا تھا کہ اس دین میں داخل ہو کر کوئی پھر بھی جاتا ہے تو تم نے کہا کہ نہیں، اور
حقیقت ہے کہ ایمان کی بشاشت جب دلوں میں داخل ہوجاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے، پھر شاہِ روم نے اپنا آخری
سوال بیان کرنے کے بعد کہا: تم نے جو کچھ بتایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی

ڈ کا مالک ہو جائے گا، مجھے علم تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا، اگر مجھے یقین
ذتا کہ میں اس کے پاس پہونچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا، اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے
ونوں پاؤں دھوتا، ابوسفیان کہتے ہیں کہ پھر ہمیں باہر کر دیا گیا، باہر آنے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا
مد کی طاقت بڑھتی ہی جا رہی ہے، اس سے تو رومیوں کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے، اس کے بعد مجھے یہ یقین ہونے لگا
محمدؐ کا دین ضرور غالب آئے گا، یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا کر دی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اس مراسلت کا جو اثر شاہ روم پر ہوا اسے ابوسفیانؓ نے وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ رسولؐ کے نامہ بر حضرت
حیہ کلبیؓ کو ہرقل نے بہت سے تحائف دے کر بڑے اعزاز سے رخصت کیا، یہ بھی اس مراسلت سے بادشاہ کے متاثر
ونے کی واضح دلیل ہے۔

اسلامی صحافت کی بے مثل تاثیر ایک حقیقت ہے، لیکن عصر حاضر میں غیر اسلامی خصوصاً صہیونی یہودی
ر نصرانی صحافت وسائل و ذرائع، فن اور تاثیر ہر پہلو سے اسلامی صحافت کے مقابل اتنا ہی زیادہ غلبہ
ھتی ہے، جتنا یہ اقوام مسلم اقوام پر غلبہ رکھتی ہیں، اور اسلامی صحافت مغربی صحافت کے مقابل اتنا ہی زیادہ
پیچھے اور کمزور ہے جتنا مسلم اقوام مغربی اقوام کے مقابل کمزور ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس کمزوری کے مد نظر بہت سے مسلم ممالک جیسے سعودیہ عربیہ، مغرب، الجزائر، تونس
ر شام و عراق وغیرہ نے اپنی جامعات میں " اعلام و صحافت کے شعبے " قائم کئے ہیں، جن میں طلباء کو ذرائع ابلاغ
ر صحافت کے علوم پڑھائے سکھائے جاتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ہر اسلامی ملک اور ان کی تمام جامعات میں اس
شعبے ہونے چاہئیں، ہندستان اور اس جیسے دیگر ممالک میں جہاں مختلف اسباب کی بنا پر مسلمان زندگی کی
ام سطح سے بہت پیچھے ہیں، ان جامعات میں جہاں مسلمانوں کا تھوڑا بہت عمل دخل اب بھی باقی ہے، مسلم طلباء کو
سائل اعلام اور صحافت کے فنون کی تعلیم دینے کے لئے مخصوص شعبہ کے قیام پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے، اس سلسلہ میں
امعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے، بلکہ اس مقصد کے لئے
سائل و ذرائع رکھنے والے پرائیویٹ اسلامی مدارس و کلیات کا ان جامعات کے ساتھ تفاہم اور باضابطہ منصوبہ بندی
ونی چاہئے۔ ذرائع ابلاغ اور صحافت کے تعلق سے مسلم صحافی اور اسلامی صحافت کو جس طرح فن اعلام و صحافت
ر علوم اسلامیہ دونوں کی سخت ضرورت ہے، مدارس اسلامیہ اور عصری جامعات کے تفاہم اور منصوبہ بندی سے اس

کی حقیقی تکمیل ہو سکتی ہے، اور اس عمل کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، اور اس عمل مستقبل میں ایسے ماہرین فن مسلم صحافی پیدا ہو سکتے ہیں جو ہندستان میں اسلامی صحافت کے ذریعہ دعوت إلی اللہ کا فریضہ معیاری اور مؤثر طور پر انجام دے سکتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بھارت کی غیر اسلامی صحافت مغربی صحافت کے سارے امراض بلکہ ان سے بھی دو چند اوصاف سیئہ کی حامل ہے، اس کی تطہیر مضبوط، پاکیزہ اور مؤثر اسلامی صحافت ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

بے شبہ ہندستان کے طول وعرض میں آج بھی مختلف زبانوں میں دعوت دین کے نام سے سیکڑوں جرائد ومجلات شائع ہوتے ہیں، اور ان کی ظاہری و مادی حالت پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہے، وسائل و ذرائع کی بہتری و فراوانی کے ساتھ نئے نئے جرائد و مجلات صحافت کے اُفق پر طلوع ہو رہے ہیں مگر نیت اور مقصد کی بہتری کے باوجود جس کا ٹھیک حساب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، دعوت دین کا کام روز بروز غیر مؤثر ہی ہوتا جا رہا ہے امت محمدیہ اپنی مشکلات کی بھنور میں مزید پھنستی جا رہی ہے، اور بھارت کی تلوث اور کثافت زدہ صحافت میں پاکیزگی اور طہارت کی کوئی لہر نہیں اٹھ رہی ہے، اس کی متعدد وجوہات میں سے ایک ظاہر و باہر وجہ یہ ہے کہ ہندستان کی اسلامی صحافت مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر، دائروں اور چھوٹی چھوٹی احزاب کی نمائندگی کرتی ہے، حزبی اور گروہی مفادات سے بالاتر ہو کر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے منہج و طریق پر چلتے ہوئے دعوت إلی اللہ کا فریضہ انجام دینے والے جرائد و مجلات شاذ و نادر ہی مل سکیں گے، اس لئے ہندستان کی موجودہ اسلامی صحافت میں گروہی اور حزبی تاثیر تو موجود ہے لیکن ایسی اسلامی تاثیر جو امت محمدیہ کی مشکلات کو رفع کرے شریعت محمدیہ کے عزت و وقار میں اضافہ ہو اور اللہ کا کلمہ بلند ہو مفقود ہے، مثال کے طور پر بھارتی صحافت کے اسلامی اور غیر اسلامی اُفق پر کئی مہینوں سے چھایا ہوا طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ہے، بھارت کے طول و عرض بلکہ اس سے بڑھ کر سارے عالم میں غیر مسلم صحافت نے اہل حدیث موقف کی تائید میں بے شمار مقالات اور مراسلے مختلف زبانوں میں شائع کئے، یہ بات یقینی ہے کہ اہل حدیث کا موقف ٹھیک وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کا تھا، ایسے سنہرے موقع پر اگر ہندستان کی اسلامی صحافت بلکہ سارے عالم کی اسلامی صحافت گروہی اور حزبی دائروں سے نکل کر اس موضوع پر اپنے رسول ﷺ اور اپنے صحابہؓ کے موقف پر عمل کا دامن اور وہ لوگ اعلان کر دیتی تو میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہیں سے سارے

عالم میں مسلم معاشرہ سے اس جھگڑے کے خاتمہ کی بنیاد پڑجاتی اور ہندستان میں اسلام اور مسلمانوں کی سعادتمندی کے نئے دور کے آغاز کی ایک اینٹ نصب ہوجاتی۔

ہندوستان میں موجودہ اسلامی صحافت کی اصلاح اور اس میں گروہی نہیں بلکہ اسلامی تاثیر پیدا کرنے کے لئے اسلامی مدارس وکلیات میں تدریس کے لئے کتاب وسنت کے علوم کو اولیت دینی چاہئے اور اس کے ذریعہ گروہی عصبیت کی حدت وشدت میں کمی پیدا کرنی چاہئے، وسائل وذرائع رکھنے والے مدارس کو "ذرائع ابلاغ اور صحافت کی تعلیم کے شعبے" کھولنے چاہئیں، اور طلباء کو عصرحاضر کے ان مہتم بالشان علوم وفنون کے سیکھنے پر مامور کرنا چاہئے، مدارس کی انتظامیہ اور ذمہ داران کو حزبی اور گروہی عینک اتار کر امت محمدیہ ھندیہ کے مشاکل کو آفاقی انداز میں سوچنے اور حل کرنے، دعوت الی اللہ کے فریضہ کو درست منہج پر چل کر ادا کرنے اور بھارتی معاشرہ کو امن وراحت کی خوشگوار فضا مہیا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ امت کو ایسے با اعتماد اور ماہر مسلم صحافی دیں جو اپنی پاکیزہ اسلامی صحافت کے ذریعہ غیر اسلامی صحافت کے تلوث وکثافت کو ختم کریں، اس ضمن میں مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کو کتب درس اور طریقہ تدریس میں بنیادی اصلاح کے لئے قدم اٹھانا چاہئے، مغلق اور مشکل عبارت کی کتابوں کے بجائے سہل اور فطری زبان میں کسی فن اور مضمون کے کثیر علوم ومباحث پر حاوی کتابوں کو پڑھایا جائے اور طریقہ تدریس محاضراتی ہونا چاہئے، جس میں کتاب یا مادہ کی تفہیم کے لئے سہل اور فطری زبان استعمال کی جائے نہ کہ مغلق، ثقیل اور اصطلاحات واصول کے دبیز پردوں میں لپٹی ہوئی، اس سلسلہ میں استاذ محترم علامہ شائق مرحوم ایک مولانا صاحب کے "ماضی پر قد داخل ہوگیا ہے" کے واقعہ کا ذکر بطور مثال کیا کرتے تھے، جو ایسے سامعین کے سامنے تقریر کررہے تھے جنہیں ماضی اور قد کی اصطلاح سے کوئی واقفیت نہ تھی اور مولانا کا حال یہ تھا کہ تقریر کے دوران ماضی پر قد کے داخل ہونے کی تاثیر سے خود ہی پیچ وتاب کھائے جارہے تھے، اور مدارس کے حلقہ میں ایک معروف استاذ کے متعلق میرا یہ خود مشاہدہ ہے کہ منطق کی ایک بحث میں وارد کلمہ "انحلّت" کا ترجمہ انہوں نے "انحلال اختیار کرنا" سے کرایا اور جب طالب علم نے انحلال کا معنی پوچھا تو "اس کا منحل ہونا" سے اس کی تعبیر کی، طالب علم نے پھر "منحل ہونے" کا معنی پوچھا تو استاد نے پھر کہا، "انحلال اختیار کرنا" میں نے یہ دو مثالیں اس لئے دی ہیں کہ میرے خیال سے مذکورہ اصلاح سے طلبہ مدارس میں عموماً قوت تعبیر وبیان کا ملکہ پیدا کیا جا سکتا ہے، اور یہ چیز طلبہ میں اسلامی صحافت کا ذوق وشوق پیدا کرنے کے لئے غایت درجہ ممد ومعاون

ہوگی، دعوت الی اللہ بذریعہ تقریر و خطابت ہو یا بذریعہ تحریر و صحافت عصر حاضر میں طلباء مدارس اسلامیہ میں اس سے جو مایوس کن حد تک بے رغبتی پائی جاتی ہے، اس کی متعدد وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ درس کی مغلق کتابیں اور ثقیل و مغلق زبان میں ان کی تدریس بھی ہے۔ اسلامی صحافی کا مقام داعی کا ہے اسلئے مدارس اسلامیہ کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ معیاری مدرس اور مستند خطیب کے ساتھ امت کو وہ مستند اسلامی صحافی بھی دیں، ماہر اور با اعتماد اسلامی صحافی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ وسائل اعلام کے علوم و فنون سے واقف ہو، وہیں اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علوم قرآن و تفسیر، حدیث و علوم حدیث، ادیان و مذاہب مثلاً ______ یہودیت و نصرانیت اور ہندو مت وغیرہ اور معاصر مذاہب و نظریات جیسے صیہونیت اور کمیونزم وغیرہ، عقائد اسلامیہ، احکام شریعت سیرت نبویہ، اسلامی اخلاق، دعوت کے مناہج اور اسالیب و وسائل کا بخوبی علم رکھتا ہو، اپنی دعوت میں پوری بصیرت رکھتا ہو، اس کے اندر اخلاص اور صداقت کا وصف بدرجۂ اتم پایا جاتا ہو، وہ اللہ کی اطاعت و رضا، اور معاصی سے اجتناب اور مصائب و مشکلات پر صبر کے جوہر خاص سے متصف ہو، اسلامی مدارس و کلیات اپنے طلباء کو ان اوصاف اور تعمیری اسلحوں سے مسلح کر کے مستند، ماہر اور معیاری اسلامی صحافی بنا سکتے ہیں اور ایسے صحافی دعوت الی اللہ کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے جب میدان صحافت میں اتریں گے تو اسلامی دعوت کی تاثیر اور اسکے عز و وقار میں ایسا اضافہ ہوگا کہ اہل زمانہ اپنی معروف غیر اسلامی ڈگر کو ترک کر کے اس راہ پر چلنے کے لئے تیار ہو جائیں گے

ہندستان میں مسلم صحافت کا دائرہ بہت وسیع ہے، مسلم صحافت اپنے امکان کی حد تک وہ سب کچھ کرتی ہے جسے لبرل، لادینی اور جمہوری صحافت بے قید و بند انجام دے رہی ہے۔ ظاہر ہے اس سے دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام نہیں پا سکتا، بلکہ لادینی اور فحش مواد سے بھرے ہوئے پچاسوں نہایت اعلیٰ درجہ کے مسلم ڈائجسٹ اور جریدے اسلامی دعوت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں، اس لئے وسائل و ذرائع کے حامل مدارس و کلیات کو نیز باعزیمت اسلامی صحافیوں کو اردو، اور مختلف زبانوں میں خاص طور سے ہندی زبان میں ایسے ہفتہ وار، پندرہ روزہ اور ماہانہ جرائد و مجلات شائع کرنا چاہیے جو خالص اسلامی صحافت کا نمونہ ہوں، یہ جرائد و مجلات توحید، رسالت، ملائکہ، یوم آخرت شریعت اسلامیہ کے اوامر و نواہی، فضائل اخلاق معاملات، اسلامی تاریخ، سیرت نبویہ، اسوۂ صحابہ، عالم اسلام اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے مشکلات و مسائل کے اسلامی حل جیسے امور کو پاکیزہ اور صاف ستھرے اور سچے اسلوب میں پوری وقت پسندی، صداقت و امانت کے ساتھ موضوع اور منہج کی رعایت اور پابندی کے ساتھ پیش کریں، اسلام

دعوت کی کمزوری اور صحافت کی حزبیت پسندی کی بنا پر مسلم معاشرہ سے اسلامی رنگ غائب اور مغربی اور ہندئی رنگ غالب آرہا ہے، مسلم معاشرہ میں ایسے لوگ ہیں جو اشتراکیت، قادیانیت، بہائیت، رافضیت اور متعدد باطل مذاہب پر عامل ہیں، اور مسلم معاشرہ میں انتشار کے لئے وہ بہت سی تنظیمات اور مختلف مقاصد کے کلب قائم کئے ہوئے ہیں، اسلامی صحافت، اسلام کے اصول و مبادی کی روشنی میں بہتر اسلوب اور احسن طریقہ سے ان سے مجادلہ و مقابلہ کی مکلف ہے، مسلم معاشرہ پر ظلم، فساد اور طغیان و عدوان کے مصائب اندر باہر ہر سمت سے ہر آن اتر رہے ہیں اس میں بڑا سبب اسلامی تربیت سے ناآشنائی اور اللہ اور اس کے دین سے دوری ہے، اسلامی صحافی چونکہ مسلم معاشرہ کا باشرف داعی اور مربی ہے اس لئے مسلمانوں کی اسلامی تربیت ایک امانت ہے جو اسلامی صحافت کے تعلق سے اسے سونپی گئی ہے، اسلامی صحافت کو تربیت کے فرائض جسمانی، ایمانی، اخلاقی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور خانگی ہر پہلو سے انجام دینے چاہئیں، کتاب و سنت میں ہر پہلو کی تربیت کے لئے رہ نمائیاں موجود ہیں ۔

عصر رواں میں ہندستان میں اسلامی صحافت کے لئے زبان کا مسئلہ بھی اہم ہے، ہندستان کے طول و عرض میں اسلامی مدارس میں اردو زبان ہی عموماً ذریعہ تعلیم ہے، بیشتر اسلامی کتابیں اور اسلامی صحافت اسی زبان میں ہے، اب تک اردو زبان پر فارسی الفاظ و تراکیب کا غلبہ چلا آرہا ہے، ملک کی تقسیم اور ہندی کے قومی زبان بنائے جانے کے بعد سے اردو سے فارسی کا رنگ آہستہ آہستہ غائب ہو رہا ہے، مسلمان عوام کی دلچسپیاں ہندی سے مختلف ضرورتوں کے تحت بڑھ رہی ہیں، اور مختلف صوبوں کی علاقائی زبانوں سے بھی وہاں کے مسلمانوں کی دلچسپی میں اضافہ ہو رہا ہے، ان وجوہات سے ٹکسالی اردو کا سمجھنا مسلم عوام کے لئے اب دشوار ہو رہا ہے، انہیں کی نئی نسلیں عربی مدارس میں پڑھنے آرہی ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ عربی مدارس کے آج کے طلبار کا معیار اردو پڑھنے، لکھنے اور بولنے میں پہلے کے طلبار کے مقابلہ میں پست اور عوامی بولی سے بہتر ہے، اور اب تک مدارس اسلامیہ میں عربی کے بعد اردو ہی سب سے مقدم زبان ہے، ان مدارس میں ملک کے طول و عرض سے مختلف علاقائی زبانیں بولنے والے طلبار بھی بغرض تعلیم آتے ہیں؛ زبان کے یہ مسائل مدارس کے ذمہ داران بلکہ مدرسین کے بھی غور کے ہیں، اس سلسلہ میں چند باتوں پر دھیان دینا بہت ضروری ہے۔ تدریس کی زبان سہل، فطری لیکن صحیح و فصیح ہونی چاہئے، ثقیل اردو میں اب تدریس ہو یا صحافت اس پر یقیناً یہ مصرعہ صادق آتا ہے کہ ؎

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

مجھ سے متعدد لوگوں نے بارہا ماہنامہ محدث کی ادارت کے تعلق سے بعض مضامین کی زبان کی ثقالت کا شکوہ اور زبان کو مزید سہل بنانے کی گذارش کی، اس کے ذریعہ دعوت إلی اللہ کا کام یقیناً زیادہ اثر انگیز ثابت ہو سکتا ہے، مزید یہ کہ دوسری علاقائی اور قومی زبانیں بولنے والے جو طلباء اسلامی مدارس میں بغرض تعلیم آتے ہیں، انہیں اسلامی صحافت کے مذکورہ بالا تعمیری اسلحوں سے مسلح کرنے کے ساتھ اگر یہ مدارس ان کی علاقائی زبانوں میں اسلامی جرائد و مجلات کے اجراء اور ان کی تقویت میں ان نوجوان اسلامی صحافیوں کو ہر نوع کا تعاون دیں تو دعوت اسلامی کا دائرہ ملک کے طول وعرض میں نہایت مؤثر اور پائدار شکل میں وسیع ہو سکتا ہے۔

اگرچہ ہندستان میں اسلامی دعوت کی راہ میں بڑی دشواریاں ہیں، آثار و قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی دعوت کے حاملین کے ساتھ یہاں بھی اہل مغرب کے اثر سے دہشت گردوں کی طرح کا معاملہ کیا جانے والا ہے، لیکن باعزیمت دعاۃ کے لئے یہ کوئی غریب و نادر چیز نہیں، تاریکیوں سے ہی عموماً روشنی کی قدر پہچانی جاتی ہے، اور تاریکیاں جس طرح گھنی ہوتی جاتی ہیں طلوع فجر و صبح صادق کا وقت اتنا ہی قریب ہوتا جاتا ہے، اسلام کے باعزیمت دعاۃ کبھی ظلمات کے منادی نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی سکون سے بیٹھنے کی غیر طبعی زندگی پر قانع ہو سکتے ہیں، وہ بہر صورت اور بہر حال دعوت إلی اللہ کا فریضہ انجام دیں گے، اور اسلامی صحافی اور اسلامی صحافت کا کردار یقیناً قابل قدر اور اثر انگیز ہوگا، اور تاریکیوں میں روشنی بکھیرنے کے مرادف ہوگا، کبھی شمع کی نازک لو کی طرح، اور کبھی آفتاب و ماہتاب آسا، البتہ اسلامی صحافت کی کامیابی کے لئے مقالہ میں مذکور متعدد امور کے علاوہ قارئین صحافت اسلامیہ کا دینی فریضہ اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ صحافت جس دعوت کی علمبردار ہے اسے وہ اپنے ایمان وعمل کے ساتھ قبول کریں، ایک اللہ کی عبادت کریں، شرک سے بچیں اور حتی الوسع شریعت کے اوامر و نواہی اور حلال و حرام پر مبنی احکام کی پابندی کریں اور دوسرے لوگ جو اس فضل سے محروم ہوں انہیں اسی راہ پر چلنے کی دعوت دیں، اسلامی صحافت کی کامیابی یہی ہے کہ اس کی دعوت کی روشنی کا دائرہ برابر بڑھتا اور پھیلتا جائے، اور مدارس اسلامیہ کے قیام کا اصل مقصد دعوت إلی اللہ کے سوا اور کچھ نہیں، مدارس اسلامیہ اگر صرف اپنی بقا پر قانع ہوں تو عصر رواں میں اسے بھی غنیمت شمار کیا جاتا ہے، لیکن جو مدارس دعوت إلی اللہ اور صحافت اسلامیہ کے مہتم بالشان اور طالب عزیمت فریضہ کی ادائگی کے لئے اپنی زندگی کا باضابطہ ثبوت پیش کریں تو دنیا میں یہ ان کے عظمت و فضل کی دلیل اور آخرت میں ان کے کارپردازوں کے لئے اجر جزیل کی پر امید سبیل ہے۔

مذاکرہ کی یہ مہتم بالشان مجلس جس مقام پر اپنے اعمال میں مصروف ہے، وہ گلزار اودھ کے نام سے موسوم ہے، ہمیں بے پایاں مسرت کا احساس ہو رہا ہے کہ یہاں دعوت الی اللہ کے فریضہ کی ادائگی کے لئے "دار الدعوۃ" کے نام سے برسوں سے ایک ادارہ قائم ہے، جس سے اس خطہ میں دعوت اسلامی کا کام انجام دیا جا رہا ہے، اس کے تحت ایک مدرسہ بھی چل رہا ہے، ہمیں قوی امید ہے کہ صدیق گرامی ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی کی دعوتی حس اور توجہ خاص سے یہاں سے اسلامی صحافت کا نمائندہ جریدہ مستقبل قریب میں شائع ہوگا، ان شاء اللہ

اکبر الہ آبادی مرحوم کو یہ شکوہ تھا کہ :

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

لیکن اکبر الہ آبادی مرحوم کو اگر اللہ تعالیٰ اور لمبی حیات عطا کرتا، اور وہ گلزار اودھ کے ان نوشگفتہ پھولوں کو دیکھتے تو باغ باغ ہو جاتے، وہ پیغمبر اعظم کی راہ کے تو پہلے ہی سے دلدادہ تھے، کہتے ہیں :

کوئی شوقِ تحقیق میں غرق ہے — کوئی راہِ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضمون نگاری کی دھن — کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق — کسی کو نمود و نمائش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں — سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات — مسلماں کو ہے فرض ادھر التفات

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ علی نبینا محمد وسلم وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ۔

عبدالوہاب حجازی، جامعہ سلفیہ، بنارس
۵/۳/۱۴۱۴ھ = ۲۴/۸/۱۹۹۳ء

تحریر
مولوی عبد المتین سلفی،
بنارس

منشیات جرائم کی ماں

نشہ ایک دینی، اخلاقی، سماجی اور اقتصادی جرم ہے، دنیا کے تمام بڑے مذاہب نے اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، اسے انسانیت کے لئے سم قاتل قرار دیا اور اپنے اتباع کو اس سے باز رہنے کی تلقین کی ہے، چونکہ انسان اپنی تسکین خاطر کے لئے ساری تگ و دو صرف کرتا ہے مگر وہ جب ناکام ونامراد ہوتا ہے تو وہ زہر کو بھی قند سمجھ کر وقتی تسکین کے لئے استعمال کرنے میں دریغ نہیں کرتا۔ اور جس نشہ کو وہ مستی و سرشاری اور کیف و سرور کی علامت سمجھتا ہے، وہی اس کی تباہی و ہلاکت کا ساخشانہ ہوتا ہے۔

اس وقت انسانی معاشرہ جن مسائل سے دوچار ہے اور جو اس کے اخلاقی اقدار و عزت و ناموس کے لئے خطرہ بن رہے ہیں ان میں منشیات سرفہرست ہے۔

وہ عناصر جو اس جرم میں ملوث ہیں، عہد قریب میں انہیں متعدد ممالک میں ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا اور معاشرہ انہیں ہدف نفرت و ملامت بناتا رہا مگر اب پیمانہ تبدیل ہوگیا کیونکہ معاشرہ کے سفید پوش اور معزز افراد بھی ان مجرموں کے دوش بدوش نظر آنے لگے اور وہ بھی اس حمام میں ننگے ہوگئے

نشہ کے فروغ کے اسباب

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرہ کے کمزور و ناتواں افراد جب کسی جرم میں ملوث ہوں تو وہ جرم بظاہر وہیں تک محدود رہتا ہے اور معاشرہ انہیں مجرم گردانتا ہے مگر جب معاشرہ کے قدآور افراد اپنا دست و بازو اس میں سیاہ کر دیتے ہیں تو وہ جرم پھر رسم یا فیشن میں تبدیل ہوجاتا ہے اور اسے علانیہ بلکہ تقاریب میں ادا کیا جاتا ہے، اس کے انتشار کی رفتار

تیز تر ہو جاتی ہے کیونکہ عوام امراء کی ہر خیر و شر میں تقلید کرتے ہیں تاکہ ان کے شانہ بشانہ چل سکیں۔ امرا بدعملی کی وجہ سے مجرم عناصر کو نشہ ملتی ہے بلکہ پھر وہی سماج کے ہیرو قرار پاتے ہیں اور سر بازار اپنے جرم نمائش کرتے ہیں۔ یہ ایک مشاہداتی تجزیہ ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

۲۔ نشہ کے فروغ کے سلسلہ میں یورپ کا کردار بہت ہی گھناؤنا ہے، ایک طرف تو وہ نشہ مٹا کی زبانی مہم چلا رہا ہے اور اس زد میں جتنے کمزور ممالک آتے ہیں ان کے خلاف اسی بنیاد پر وہ ایک نیا تیار کر رہا ہے تو دوسری طرف خود اسی ملک میں اس پر کوئی پابندی نہیں بلکہ وہاں اسے آب حیات کا د حاصل ہے بلکہ اس کے خلاف اس کے وسائل اعلام نے جو نام نہاد مہم چھیڑ رکھی ہے اس سے اس جرم کا فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ ہم یورپ کی تقلید کرنا اپنی زندگی کا سب سے گراں سرمایہ سمجھتے ہیں، یورپ سے آنے والا ہر فیشن ہماری تہذیب کا حصہ بن جاتا ہے، لباس، سامان آرائش وزیبائش، م کی طرز تعمیر، تفریحی وسائل الغرض یورپ سے آنے والا ہر فیشن اپنے ساتھ فساد و بگاڑ کا ایک سیلاب لا ہے، نشہ کے جدید طریقے بھی اسی یورپ کی دین ہیں اور اس کے فروغ میں وہی یورپی تقلید کا اندھا کارفرما ہے۔

۳۔ نشہ کے فروغ کا سب سے اہم سبب صحبت بد ہے یقیناً صحبت و رفاقت کا انسان کی زن پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، اسی لئے صحیح حدیث میں آتا ہے: لا تصحب الا مؤمنا ولا یـا طعامك الا تقی (سنن ابی داؤد) صرف مومن کی صحبت اختیار کرو اور صرف خدا ترس و دین تمہارے کھانے میں شریک ہوں۔

سیرت سازی میں صحبت کا کردار کلیدی ہوا کرتا ہے اسی لئے نیک و صالح کی صحبت اختیار ک کا حکم دیا گیا تاکہ اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوں۔

اسی طرح صحبت بد کے بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور چونکہ انسان کی فطرت کچھ اس طرح ترکیب پا کہ وہ برائی پر جلد فریفتہ ہو جاتا ہے اور پھر ہر مجرم کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ افراد شر کا بن جائیں تاکہ ملامت کا بار صرف اسی کے دوش ناتواں پر نہ پڑے، نیز اس گناہ کے سلسلہ میں اسے م

...رت وحوصلے، اس لئے وہ مختلف حیلوں سے اپنے رفقاء کو اس کا عادی بناتا ہے اور اس طرح تالاب کی ایک مچھلی
...م مچھلیوں کو گندی کر دیتی ہے۔

۴۔ نشہ کے فروغ کی ایک اور اہم وجہ ذہنی انتشار و اضطراب اور کرب و بے چینی ہے اکثر اس میں ایسے
...دملوث ہوتے ہیں جو ذہنی سکون کے لئے سرگرداں پھرتے ہیں اگرچہ ان کے اضطراب کا سبب عموماً حالات و حوادث
...تے ہیں۔ اس کے بجائے کہ وہ ان حوادث کا عزم و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کریں۔ وہ ان کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں
...ن کے لئے وبال جان بنتا ہے اور پھر وہ اپنے ہوش و خرد کو ان افکار و خیالات سے وقتی طور پر محفوظ رکھنے کے لئے منشیات
...سہارا لیتے ہیں جو انہیں جنون و دیوانگی کی دوسری دنیا میں منتقل کر دیتا ہے۔

الغرض نشہ کے فروغ کے اسباب متعدد ہیں اور جب نشہ مٹانے کی مہم چلائی جائے تو اس کے اسباب کو مدنظر رکھ
...وئی اقدام کیا جائے تاکہ اس کے نتائج مفید ثابت ہوں ورنہ اگر یہ اسباب باقی رہ گئے تو اس مہم میں وقتی کامیابی مل
...ن ہے مگر اس کی بیخ کنی ناممکن ہوگی۔

...شہ کے اضرار و مفاسد

نشہ کی روک تھام کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ نشہ باز کے شخصی و عائلی حالات کا بغائر مطالعہ کیا جائے تاکہ اس کے اسباب کا پتہ چل سکے وہیں اسے اس کے اضرار
...مفاسد کی طرف توجہ دلانا بھی مفید ہوگا کیوں کہ انسان تاجرانہ ذہن رکھتا ہے اسے جب یہ احساس ہوگا کہ فیھما
...م کبیر و منافع للناس کہ اگرچہ اس میں وقتی تسکین کا سامان ہے مگر اس کے مفاسد اس سے بہت زیادہ ہیں تو
...بلد وہ اسے ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

نشہ کے اضرار و مفاسد متعدد ہیں کچھ ایسے اضرار ہیں جو فوری طور پر مرتب ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو رفتہ
...کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔

نشہ کے اضرار جسمانی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور دینی ہیں۔

...شہ کے جسمانی اضرار

اطباء کے بقول نشہ انسان کے جسم کو کھوکھلا کر دیتا ہے، قوت دفاع اور فکر و شعور کو سلب کر لیتا ہے، قوت حافظہ اور قوت باہ کمزور ہو جاتے ہیں اور معدہ متعدد
...امراض کا مسکن بن جاتا ہے، کینسر اور دوسرے امراض جنم لیتے ہیں، جسم کمزور و لاغر ہو جاتا ہے۔ دوران خون متاثر ہوتا
...رگ و ریشہ میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے۔

نشہ کی حالت میں وہ خیر و شر اور سود و زیاں کی تمیز نہیں کر پاتا کبھی تو وہ شیر پر حملہ کرتا ہے اور کبھی بلی سے بھی کتراتا ہے۔

فرانس کے ایک ادارہ کی رپورٹ کے مطابق صرف ۱۹۵۵ء میں ستر ہزار باشندے منشیات کے استعمال کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے جب کہ تپ دق سے بارہ ہزار افراد لقمۂ اجل ہوئے۔ جب یہ اڑتیس سال پیشتر کی رپورٹ ہے تو اس وقت یہ لعنت فیشن بن چکی ہے اور اس کی متعدد قسمیں اور جدید و سہل طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔ اس کی ہلاکت کا کیا عالم ہوگا۔

نشہ کے اقتصادی اضرار

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان جب نشہ کا عادی ہوتا ہے تو اس کے حصول کے لئے وہ اپنا سب کچھ بیچ دیتا ہے اس کی اقتصادی حالت سب سے پہلے متاثر ہوتی ہے اور وہ بے روزگاری اور اقتصادی بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کے اہل و عیال فقر و فاقہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور اسکی صحت زار روز افزوں ابتر ہوتی جاتی ہے اور اس کا اثر معاشرہ اور ملک پر پڑتا ہے اس لئے کہ جب اس کے دست بازو ناکارہ اور سرمایہ ختم ہو جائے گا تو وہ کسب معاش کیسے کرے گا اور معاشرہ اور ملک کی تعمیر میں کیسے اپنا کردار ادا کرے گا۔

قاہرہ سے شائع ہونے والا اخبار "الاہرام" نے ۳ مئی ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں لکھا کہ سات کروڑ بیس لاکھ آدمی منشیات کے شکار ہیں اور ان میں ۲۰ کروڑ افراد کی وجہ سے ہر سال حکومت کا دو بلین ڈالر خسارہ ہوتا ہے کیونکہ وہ ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوتے۔ ہمارے ملک کے بعض اہم اداروں کے ملازمین نیز یونیورسٹی و کالج کے طلباء میں نشہ کا میلان بڑھ رہا ہے اس سے ملک کی تعمیر و ترقی پر جو اثر پڑے گا وہ محتاج بیان نہیں۔

نشہ کے اخلاقی اضرار

جب انسان اپنا ہوش و خرد کھو دے تو پھر خیر و شر کی تمیز کہاں؟ اسی لئے نشہ فواحش و منکرات کی راہ ہموار کرتا ہے، اسلام نے اسے جرائم کی ماں (ام الخبائث) اسی لئے قرار دیا ہے۔ جھوٹ، چوری، بزدلی، بے حیائی، بدگوئی نشہ باز کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے، ظلم و زیادتی اور قتل و غارت گری پر وہ آمادہ نظر آتا ہے۔ فاسق و فاجر کے ہمراہ ناز یبا حرکتیں اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ منشیات کو خریدنے کے لئے وہ ہر ممکنہ وسائل کو اختیار کرتا ہے مگر جب اس کے وسائل ختم ہو جاتے ہیں تو وہ چوری وڈاکہ اور ظلم و قتل پر آمادہ نظر آتا ہے گویا یہ جرم اسے تمام جرائم کے لئے جری بنا دیتا ہے اور پھر اس کے نزدیک اچھے اخلاق و کردار کی اہمیت تو کجا بلکہ اس کی تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔

نشہ کے معاشرتی اضرار

معاشرہ اپنے افراد سے ترکیب پاتا ہے جب معاشرہ کے افراد اچھے ہوں تو اسے اچھا معاشرہ تصور کیا جاتا ہے اور جب اس کے افراد بدکردار ہوں تو اسے خراب معاشرہ اور جس معاشرہ میں دونوں طرح کے افراد پائے جائیں تو وہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان جب شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو اپنے اردگرد اپنا معاشرہ پاتا ہے جو اس کی کردار سازی میں اہم رول ادا کرتا ہے اگر معاشرہ میں منکرات عام ہوں تو یقیناً وہ اسی روش کو اپنائے گا اسی لئے معاشرہ میں پنپتے ہوئے مسائل نئی نسل کو بہت جلد اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور نئی نسل خودنمائی کے نشہ میں ہر "نشہ کو قبول کر لیتی ہے جو اس کی اور معاشرہ کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔

نشہ مذاہب عالم کی نظر میں

مذہب افراد کی اصلاح کا داعی ہوا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے مذاہب نے نشہ کو مذموم قرار دیا ہے بطور مثال چند مذاہب کا ذکر کر رہا ہوں۔

عیسائی مذہب میں نشہ و شراب شرعاً ممنوع و مذموم ہے بائبل میں تحریر ہے: "شہوت پرستی" بری خواہشوں مےخواری، ناچ رنگ، نشہ بازی اور مکروہ بت پرستی میں جس قدر ہم نے پہلے وقت گذارا وہی بہت ہے۔ اسی پر وہ تعجب کرتے ہیں کہ تم اس سخت بدچلنی تک ان کا ساتھ نہیں دیئے اور لعن وطعن کرتے ہیں انہیں اسی کو حساب دینا پڑے گا۔ جو زندوں اور مردوں کا حساب کرنے کو تیار ہے" (۱۔پطرس ۴: ۳۔۵) یہودیت نے بھی شراب کو قبیح و مذموم قرار دیا کتاب مقدس کے عہدنامہ قدیم میں مرقوم ہے۔ "کس کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ وہی جو دیر تک مے نوشی کرتے ہیں، وہی جو ملائی ہوئی مے کی تلاش میں رہتے ہیں، جب مے لال لال ہو، جب اس کا عکس جام پر پڑے، اور جب وہ روانی کے ساتھ نیچے اترے، تو اس پر نظر نہ کر کیوں کہ انجام کار وہ سانپ کی طرح کاٹتی اور افعی کی طرح ڈس جاتی ہے (امثال، ۲۳: ۳۱۔۳۲)

ہندوستان کے مذاہب بھی نشہ کو جرائم کا ساخشانہ قرار دیتے ہیں اگرچہ ان کے اتباع کا عمل اس کے برخلاف ہے۔ ہندو مذہب کی مقدس کتاب منوسمرتی کہتی ہے "مختلف قسم کے منشیات گانجا، بھنگ، افیم وغیرہ سے پرہیز کرنے (منوسمرتی ۲۔۱۷۷) "جو اشیاء عقل کو زائل کرنے والی ہیں انھیں منشیات کہتے ہیں" شارنگ دھر ۴۔۲۱) گویا ہر وہ مادہ جو عقل کو متاثر کرتا ہو وہ ہندو مذہب میں ممنوع ہے۔

خالصہ (سکھ) دھرم کے بنیادی اصول میں نشہ استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ تحریر ہے "تمباکو کا استعمال نہ کریں" (صاحب کمال گرو گوبند سنگھ جی ص۱۹۳)

اور ایک جگہ مؤلف صاحب کمال گرو گوبند سنگھ کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں "شراب نوشی اور نشی چیزوں سے خالصہ کو منع کیا حتیٰ کہ تمباکو تک پینے کی اجازت نہیں ہے" (صاحب کمال ص۲۴) اسی طرح دیگر مذاہب نے بھی شراب ونشہ کو ممنوع قرار دیا ہے۔

نشہ اسلام کی نظر میں

اسلام دین برحق ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کے لئے نازل کردہ مذہب ہے اس لئے یہ محال ہے کہ نشہ جیسی مذموم وقبیح چیز کے بارے میں اس مذہب میں ذرا بھی نرمی اختیار کی جاتی بلکہ آیات واحادیث اور آثار سلف سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے نشہ کو جس شدت کے ساتھ حرام قرار دیا اور اس کے جو اضرار بتلائے، جو سزا تجویز کی اس کی نظیر دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔

نشہ کے سلسلہ میں اسلام کا موقف اسلام کی صداقت وحقانیت کی زندہ دلیل ہے اور یہ اس بات کی بھی دلیل کہ جو چیز جتنی زیادہ مضر وقبیح ہوتی ہے اسلام اس کے متعلق اتنا ہی شدید موقف اختیار کرتا ہے۔ اسلام میں نشہ کو یکبارگی حرام نہیں کیا گیا بلکہ اسے بتدریج حرام کیا گیا۔ تاکہ طبیعت کے اندر کسی طرح کی کدورت پیدا نہ ہو، شراب عرب کی مرغوب غذا تھی اور جو چیز جتنی زیادہ مرغوب ہو، اس کا ترک کرنا اتنا ہی دشوار گذار ہوتا ہے اور اسے شدت سے یکبارگی منع کرنا عموماً تنفر وانحراف کا سبب بنتا ہے اسی لئے اسے تین مرحلہ میں حرام کیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب تین مرحلہ میں حرام کی گئی جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ شراب نوش اور جواخوار تھے چنانچہ ان لوگوں نے اللہ کے رسولؐ سے ان دونوں کے متعلق دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یسألونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس (سورہ بقرہ ۲۱۹) اے نبی وہ آپ سے شراب وجوا کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہیے کہ اس میں گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں تو لوگوں نے کہا کہ شراب حرام نہیں کی گئی ہے البتہ یہ کہا گیا کہ ان میں گناہ بہت ہے مگر تھوڑے فائدے بھی ہیں اور وہ شراب پیتے رہے یہاں تک کہ ایک روز مہاجرین اپنے ساتھیوں کو مغرب کی نماز پڑھا رہا تھا تو کسی آیت میں اسے اختلاط ہوا تو اللہ تعالیٰ نے شراب کے بارے میں اس سے سخت آیت نازل کی، یاایہا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون۔ (نساء ۴۳) اے مومنوں نشہ کی حالت میں نماز کا قصد نہ کرو یہاں تک کہ تمہیں یہ شعور حاصل ہو جائے کہ تم کیا کہتے ہو تو لوگ شراب پیتے رہے یہاں تک کہ جب کسی کو نشہ سے افاقہ ہوتا تب نماز پڑھتا پھر اللہ تعالیٰ نے شراب کے

سلسلہ میں اس نے سخت آیت نازل کی: "یاأیھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والأنصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ہ انما یرید الشیطان أن یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللّٰہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون" (مائدہ ۵/ ۹۰ - ۹۱) بیشک شراب، جوا، بت اور بدفالی گندا شیطان کا کام ہے تو تم اس سے پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پاؤ، بیشک شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب و جوا کی وجہ سے بغض وعداوت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے تو کیا تم اس سے باز رہنے والے ہو" تو صحابۂ کرام نے کہا کہ اے رب ہم باز آئے تو بعض صحابہ نے کہا کہ اے رسول اللہ بعض لوگ جوا اور شراب پیتے ہوئے شہید ہوئے حالانکہ اللہ تعالی نے اسے گندا اور شیطان کا کام قرار دیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کی: لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا۔ مائدہ ۹۳ ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان چیزوں میں جو وہ کھا چکے جب وہ متقی رہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان پر بھی وہ حرام قرار دیا جاتا تو وہ اس سے باز آجاتے جس طرح تم نے اسے چھوڑ دیا (مسند احمد)

اس طویل روایت سے معلوم ہوا کہ شراب کی قطعی حرمت سورہ مائدہ کی اسی آیت انما الخمر والمیسر سے ہوئی۔

نشہ کی حرمت کے دلائل

نشہ کی حرمت کے سلسلہ میں متعدد احادیث اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل مسکر خمر وکل خمر حرام ومن شرب الخمر فی الدنیا فمات ولم یتب منھا وھو لا یدمنھا لم یشربھا فی الآخرۃ ہر نشہ آور شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے اور جو کچھ دنیا میں شراب پیئے گا اور اس حال میں مرا کہ اس نے اس سے توبہ نہیں کی بلکہ اسے برابر پیتا رہا تو آخرت میں اس سے محروم کردیا جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے خواہ وہ ماکول ہو یا شراب، جاف ہو یا سیال جدید شکل ہو مثلاً نشہ کا انجکشن، ہیروئن وہسکی وغیرہ یا قدیم شکل مثلاً افیم گانجا دیسی شراب، کوکین وغیرہ۔

اس کی تائید ایک دوسری حدیث کرتی ہے: نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر۔ (ابوداؤد)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور جسم کو کمزور کرنے والی سے منع کیا ہے۔ نشہ کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے علامہ قرافی اور علامہ ابن تیمیہ رحمہما اللہ حشیش کی حرمت کے سلسلہ میں اجماع امت کے قائل ہیں بلکہ علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ من استحلھا جو شخص حشیش کو حلال سمجھتا ہے اس نے کفر کیا۔ گویا نشہ کی قطعی

قدیم وجدید شکلیں ہیں سب اسلام کی نظر میں حرام ہیں۔

نشہ کی حرمت کا مفہوم

اسلام نے نشہ کو بعینہ حرام قرار دیا ہے اس لئے اس کا استعمال، تجارت اور اس سلسلہ کا ادنیٰ تعاون بھی شرعاً ممنوع ہے اور تعاون کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ حدیث قدسی ہے: أتاني جبريل عليه السلام فقال يا محمد ان الله لعن الخمر وعاصرها ومعتصرها وبائعها ومبتاعها وشاربها وآكل ثمنها وحاملها والمحمولة اليها وساقيها ومستقيها (مسند احمد، ابن ماجہ) میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر فرمایا اے محمد بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب اور اس کا نچوڑنے والا اور جس کے لئے نچوڑا گیا اور اس کا فروخت کرنے والا اور جس کے ہاتھ فروخت کیا گیا اور اس کا پینے والا اور اس کی کمائی کھانے والا اور اسے ڈھونے والا، اور جس کے لئے اسے ڈھویا جائے اور اس کا پلانے والا اور اس کے پلانے کا حکم دینے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شراب کے سلسلہ کا ادنیٰ تعاون بھی حرام ہے اور یہی حکم عام نشہ کا ہے۔ علماء کہتے ہیں جو شراب پیتا ہے اس پر ایک لعنت ہوتی ہے اور جو اسے خرید کر پیتا ہے اس پر دوہری لعنت ہوتی ہے اور جو دوسروں کو بھی پلاتا ہے اس پر تہری لعنت۔ اس سے اس شخص کے جرم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو اس کی تجارت کرتا یا اسی کے فروغ کے لئے تگ و دو کرتا ہے۔

نشہ بازی کی وعید

نشہ بازی کی وعید و تہدید مختلف احادیث میں مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے ایک حدیث میں فرمایا گیا: اجتنبوا الخمر فانها ام الخبائث، شراب سے بچو کیوں کہ یہ گناہوں کی ماں ہے (سنن بیہقی) ایک روایت میں کہا گیا فانها مفتاح كل شر (حاکم) یہ ہر برائی کی کنجی ہے کچھ حدیثوں میں شراب نوشی کو بت پرستی کے ساتھ جوڑا گیا جس سے اس کی قباحت و خطرہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک حدیث میں کہا گیا مدمن الخمر كعابد وثن (مسند احمد) شراب نوش بت پرست کے مانند ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب شراب حرام کی گئی تو صحابۂ کرام نے ایک دوسرے سے کہا: "حرمت الخمر وجعلت عدلا للشرك" (طبرانی) شراب حرام کر دی گئی اور اسے شرک کے مساوی قرار دیا گیا۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مومن (صحیح مسلم) اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ حالت ایمان میں نہیں رہتا۔

اس کی تفسیر ایک حدیث میں آئی ہے کہ نزع الله منه الایمان کما یخلع الانسان القمیص من راسه (حاکم) اللہ تعالیٰ اس سے ایمان اس طرح کھینچتا ہے جس طرح انسان سر سے قمیص کھینچتا ہے۔

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اکبر الکبائر (یعنی سب سے بڑا گناہ قرار دیا (طبرانی، حاکم) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے کہا کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ برابر شراب پیتا رہا ہو تو گویا وہ لات و عزیٰ کی عبادت کرتے ہوئے مرا، آپ سے پوچھا گیا کہ برابر شراب نوشی کا یہ مطلب کہ پے در پے شراب پیتا رہے آپ نے کہا لا ولکن هو الذی یشربها اذا وجدها ولو بعد سنین ۔ نہیں لیکن اس کا یہ مطلب کہ وہ جب اسے پائے نوش کرے اگرچہ سالوں بعد (کتاب الکبائر) نشہ باز صرف دنیا میں ذلیل و رسوا نہیں بلکہ روز محشر میں بھی ذلیل و خوار ہوگا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ لا یدخل الجنة عاق ولا مدمن الخمر (سنن نسائی) جنت میں نافرمان اور شرابی نہیں جائے گا۔

شراب نوش جنت کی شراب سے محروم رہے گا بلکہ وہ جہنم کی گندگی پلایا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان علی الله عهدا لمن یشرب المسکر ان یسقیه الله من طینة الخبال قیل یا رسول الله وما طینة الخبال قال عرق اهل النار او عصارة اهل النار۔ (صحیح مسلم)
جو نشہ باز ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اسے طینۃ الخبال پلائے گا صحابہ کرام نے پوچھا کہ طینۃ الخبال کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جہنمیوں کا پسینہ یا پیپ۔

اور دوسری حدیث میں اس سے شرمناک اور قبیح چیز کا ذکر کیا گیا ہے من مات وهو یشرب الخمر سقاه الله من نهر الغوطه وهو ماء یجری من فروج المومسات ای الزانیات یؤذی اهل النار ریح فروجهن۔ (مسند احمد) جو شخص شراب نوشی کی حالت میں مرا اللہ تعالیٰ اسے نہر غوطہ سے پلائے گا۔ اور نہر غوطہ وہ پانی ہے جو زانی عورتوں کے شرمگاہ سے جاری ہوگا جن کے شرمگاہ کی بدبو سے جہنمی اذیت محسوس کریں گے۔ ذلت و رسوائی اور قباحت و تحقیر کی یہ انتہا ہے۔ فهل من مدکر؟ (کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے)

منشیات بعینہ حرام ہیں : ہو سکتا ہے کہ شیطان کسی کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ یہ ساری وعید و تہدید ان افراد کے لیے ہے جو نشہ آور مادے استعمال کرتے ہیں اور اس کا ان پر اثر مرتب ہوتا ہے وہ ہوش و خرد کھو دیتے ہیں مگر وہ لوگ جو ذہنی سرور کے لیے اسے استعمال کرتے ہیں اور بظاہر اس کا اثر مرتب

نہیں ہوتا وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یہ گمراہ کن وسوسہ ہے کیونکہ نشہ خواہ اثر انداز ہو یا نہ ہو بعینہ حرام ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"من شرب الخمر ولم یسکر اعرض اللہ عنہ اربعین لیلۃ ومن شرب الخمر و سکرلم یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا اربعین لیلۃ فان مات مات کعابد وثن ،

(سنن ترمذی سنن نسائی) جو شراب پیتے ہیں مگر اس پر نشہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالی اس سے چالیس روز تک منہ پھیر لیتا ہے اور جس پر نشہ طاری ہوا اللہ تعالی چالیس روز تک اس کی کوئی فرض ونفل نیکی قبول نہیں کرتا اور اگر اس حالت میں مرا تو گویا بت پرستی کی حالت میں مرا۔

اور اس کی توضیح ایک دوسری حدیث کرتی ہے : ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ، (سنن ابی داؤد) جو چیز زیادہ استعمال کرنے کی وجہ سے نشہ کا باعث ہے اس کا تھوڑا سا استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ منشیات بعینہ حرام ہیں خواہ اس کا فوری اثر مرتب ہو یا نہ ہو۔

نشہ بطور دوا

نشہ کو بطور دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس کی صراحت متعدد احادیث میں کی گئی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان اللہ لم یجعل شفاء امتی فیما حرم علیہ (بیہقی) اللہ تعالی نے میری امت پر جو چیزیں حرام قرار دیں ہیں ان میں ان کے لئے شفا نہیں، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا : ان اللہ انزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام ۔ (سنن أبی داؤد) اللہ تعالی نے مرض اور اس کا علاج دونوں اتارا اور ہر مرض کے لئے علاج بنایا تو تم علاج کرو مگر حرام چیزوں سے علاج مت کرو۔

ایک حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ شراب دوا نہیں ہے سأل رجل عن الخمر فنہاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عنہا فقال انما اصنعہا للدواء فقال علیہ السلام انہ لیس بدواء ولکنہ داء (صحیح مسلم) ایک شخص نے آپ سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اسے منع کیا، اس نے کہا کہ میں اسے دوا کے لئے بنا رہا ہوں تو آپ نے فرمایا یہ علاج نہیں بلکہ یہ مسلم مرض ہے۔ ان تمام روایتوں کا ماحصل یہ ہے کہ نشہ کو بطور علاج استعمال کرنا بھی جائز نہیں ، بلکہ حرام ہے کیوں کہ اس میں شفا کا کوئی پہلو نہیں بلکہ یہ مسلم مرض ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور حساس مسئلہ قابل ذکر ہے کہ ان دواؤں کے استعمال کا کیا حکم ہے جس میں بعض

ی و تجارتی مصالح کی وجہ سے الکحل ملایا جاتا ہے علماء ان دواؤں کے استعمال کے جواز کی تین شرائط ذکر کرتے ہیں
۱۔ اگر مریض اس دوا کو استعمال نہیں کرتا تو اس کی حالت مزید ابتر ہو جائے گی۔
۲۔ اس دوا کا کوئی متبادل نہ ہو۔
۳۔ اس دوا کے سلسلے میں کوئی نیک مسلمان ڈاکٹر سے مشورہ لیا جائے۔
اگر یہ شروط معاً پائے جائیں تو اس کا استعمال درست ہوگا کیوں کہ شریعت کی بنیاد یسر و سہولت پر قائم ہے۔ اس میں جبر و مشقت نہیں۔

نشہ کی بیخ کنی کے طریقہ کار

زخم کو ناسور بننے سے پہلے ہی مندمل کر دینا عقل مندی و فراست کی علامت ہے معاشرہ میں مجرم جب چند افراد ہوں تو انہیں سزا دینا آسان ہوتا ہے مگر ب پورہ معاشرہ اس میں ملوث ہو تو کون کسے سزا دے۔ نشہ چونکہ وبائی مرض ہے اس لئے جس تیزی سے یہ عام رتا ہے اس کی روک تھام کے لئے اس سے زیادہ سرعت و چستی درکار ہے تاکہ معاشرہ اس سے حتی الامکان محفوظ ہے۔ نشہ کی بیخ کنی کے تین اہم وسائل ہیں (۱) نیک و صالح تربیت: بچوں کی تربیت علم و تقویٰ پر کی جائے اس کے ذہن و دماغ میں یہ عقیدہ جاگزیں کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر عمل پر نگراں و محاسب ہے کوئی ذرہ سی پل اس سے مخفی نہیں۔ اس ایمانی تربیت کا اس کے اخلاق و کردار پر گہرا اثر مرتب ہوگا۔
عرب ایمان لانے سے پہلے شراب نوشی میں کس قدر ملوث تھے۔ اس کا اندازہ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے مگر جب ایمان ان کے دل میں راسخ ہو گیا تو شراب کی حرمت کے بعد وہ کتنی خوش دلی سے اس سے باز آگئے۔ اور اس فرمان الٰہی کے آگے بلا تردد و بلا تاخیر سر تسلیم خم کر دیا یہاں تک کہ ظرف توڑ دیئے گئے اور مدینہ کی گلی کوچہ میں شراب بہنے لگی یہ ایمان کی قوت تھی جس نے اطاعت و بندگی کی یہ محیر العقول نظیر پیش کی۔ آج ہمارا معاشرہ اس ایمانی قوت اور صالح تربیت کا کس قدر محتاج ہے۔

۱- اسباب کی روک تھام

گذشتہ صفحات میں منشیات کے فروغ کے اسباب ذکر کئے جا چکے ہیں جب تک ان اسباب کا سدباب نہیں ہوگا تب تک اس لعنت کی بیخ کنی محال ہے کچھ افراد ایسے ہیں جن کے اصلاح کی ذمہ داری معاشرہ کے سرکردہ افراد کے سر ہے اور ان کی تگ و دو سے ان میں تمام کی بیخ کنی ہو سکتی ہے جن کی وجہ سے وہ افراد اس گناہ میں ملوث ہوئے لیکن بعض اسباب ایسے ہیں جن کی بیخ کنی

کے لئے قوت سلطہ کی ضرورت پڑے گی۔ اس سلسلہ میں حکومت کے اس محکمہ سے جو اس سے متعلق ہیں اگر وہ "معتمد" اور کارآمد ہو تو تعاون لیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری حکومت وانتظامیہ خود اس جرم میں ملوث ہے ورنہ منشیات کے بڑے ٹھیکہ داروں کو پرمٹ کیوں دی جاتی۔

باوثوق ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ علاقے جو اس کی تجارت کے مراکز ہیں اس علاقے کے تھانہ دار اور منشیات کے اسمگلروں سے خفیہ معاہدہ ہوتا ہے، جو انہیں تحفظ فراہم کرتے ہیں اور جکی جزا انہیں کمیشن یا ماہانہ تنخواہ کی شکل میں دی جاتی ہے۔ اس لئے حکومت اگر اس معاملہ میں سنجیدہ ہے تو اسے اپنی پالیسی تبدیل کرنی ہوگی ورنہ صرف زبانی دعوے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو اگر وہ اس سلسلہ میں سنجیدہ ہیں تو انہیں اس کے لئے ٹھوس حکمت عملی وضع کرنی ہوگی اور انہیں مل جل کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں سب سے اہم ذمہ داری ان افراد کی ہے جن کے اعزا اس جرم میں ملوث ہیں اس لئے انہیں چاہیئے کہ وہ پہل کریں۔

۴۔ عتاب وبائیکاٹ : انسان کی اصلاح وصلاح میں مناسب سزا کا کردار بہت ہی اہم ہوتا ہے اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ لیدرأ بالسلطان مالم یدرأ بالقرآن۔ اللہ تعالیٰ حاکم سے ایسے کام لیتا ہے جو قرآن سے نہیں لیتا اسلام نے مختلف جرائم مثلاً قتل، چوری، آبروریزی وغیرہ کے لئے حدود مقرر کئے اور بعض جرائم کے لئے تعزیر مقرر کی، جس کے تعین کی ذمہ داری ولی الامر کے سر ہے۔ نشہ خصوصاً شراب نوشی کی شرعی سزا حد ہے یا تعزیر۔ اسی سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طریقے منقول ہیں، حضرت ابوبکر وحضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں چالیس کوڑے لگائے گئے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں شرابی کو اسی کوڑے رسید کئے گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی الامر جو قرین مصلحت سمجھے اسے اختیار کرے ہاں یہ اجماع امت ہے کہ شراب نوش قتل نہیں کیا جائے مگر علماء نے اس کی استثنائی صورت ذکر کی ہے مثلاً اگر کسی کو چار مرتبہ سزا دیا جائے اس کے باوجود وہ اس پر مصر رہے تو اسے قتل کردیا جائے، یا پانچ مرتبہ سزا دیا جائے اور چھٹی مرتبہ اسے قتل کیا جائے یا کوئی شراب کی حرمت کا انکار کردے اور توبہ نہ کرے تو اس پر حدّ الارتداد نافذ کی جائے گی جو قتل ہے۔

مگر منشیات کا تاجر سب سے بڑا مجرم ہے کیونکہ وہ ایک قوم کو تباہ کررہا اور زمین میں فتنہ وفساد بپا کر

رہا ہے اسی لئے اس پر آیت محاربہ کا نفاذ ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الحیوۃ الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم۔" (مائدہ/۳۳)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے برسرپیکار ہیں اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں بیشک ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کا ہاتھ پیر برعکس کاٹ لیا جائے یا انہیں شہر بدر کر دیا جائے یہ دنیا میں ان کے لئے باعث ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لئے بھیانک عذاب ہوگا۔ بعض عرب ممالک میں منشیات کے اسمگلر کو قتل کیا جاتا ہے یہ مناسب ترین اقدام ہے جس کے لئے وہ ممالک قابل ستائش ہیں۔ کسی جمہوری ملک میں حدود یا تعزیر کا نفاذ دشوار ہے کیوں کہ اس کے لئے اسلامی حکومت کا ہونا شرط ہے اس لئے ان ممالک کو ان مجرموں کے لئے کوئی مناسب سزا تجویز کرنی ہوگی۔ سماجی بائیکاٹ سب سے موثر اور قابل عمل سزا ہے اور اس بائیکاٹ میں سب سے بڑا کردار علماء اور سماج کے معزز افراد کو ادا کرنا ہوگا سماجی بائیکاٹ محنت طلب تو نہیں مگر ہمت طلب ضرور ہے اور اس کے لئے اتفاق و یگانگت شرط اول ہے ورنہ اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوگا۔

اس جرم میں ملوث افراد کے اقرباء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بائیکاٹ کرنے والوں کے ساتھ عداوت و حسد کے بجائے تعاون و مدد کریں کیوں کہ وہ افراد ان کے نیز معاشرہ کی صلاح و فلاح کے لئے یہ خطرہ مول لے رہے ہیں اس سے ان کا شخصی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں آپس میں تعاون کا حکم دیا ہے۔

سماجی بائیکاٹ کے دلائل: بعض احادیث و آثار سے سماجی بائیکاٹ کا حکم ملتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یقعد علی مائدۃ تدار علیھا الخمر (سنن ترمذی) جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ایسے دستر خوان پر بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو گویا اس حدیث میں ایسے پروگرام سے بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا گیا اگرچہ وہ اس جرم میں شریک نہ ہو جہاں تک ایسے لوگوں کے ساتھ نشست کا تعلق ہے تو سلف اس کے بھی قائل نہ تھے بلکہ وہ ان سے قطع تعلق کا حکم دیتے تھے خواہ ان کے اقرباء ہی کیوں نہ ہوں۔

خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دربار میں کچھ شرابی لائے گئے آپ نے انہیں سزا دینے کا حکم دیا آپ سے کہا گیا کہ ان میں فلاں روزے دار ہے تو آپ نے فرمایا: ابدؤا به اما سمعتم قول الله تعالىٰ " وقد نزل عليكم في الكتاب ان اذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره انكم اذا مثلهم ..... (نساء/ ۱۴۰)
پہلے اسی کو مارو! کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی کتاب میں یہ حکم نازل کر دیا کہ جب تم یہ سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا جارہا ہے اور ان کا انکار کیا جارہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں معروف ہو جائیں ورنہ تم بھی ان ہی جیسے ہو گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لا تسلموا على شربة الخمر (کتاب الکبائر) شرابیوں کو سلام مت کرو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ لاتعودوا شراب الخمر اذا مرضوا - (کتاب الکبائر) شرابی جب بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو۔

الغرض یہ کہ سلف شراب نوشی سے قطع تعلق کے قائل تھے۔ اور یقیناً اس ملک کے حالات کے پیش نظر اس جرم کی بیخ کنی کے لئے موثر طریقہ ہے۔ ایسے مجرموں کے ساتھ نہ تعلق رکھا جائے اور نہ ہی ان کے غم و خوشی میں شرکت کی جائے اور نہ ہی ان کے ساتھ خورد و نوش رکھا جائے اور انہیں یہ احساس دلایا جائے۔ یہ بائیکاٹ ذاتی عداوت و رنجش کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک جرم کیوجہ سے کیا جارہا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بائیکاٹ کرے گا اور اپنے مفادات اس راہ میں قربان کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کا بہترین بدلہ عنایت کر دے گا۔

...

مجلس مذاکرہ

بعنوان

"مدارس اسلامیہ کی دعوتی ذمہ داریاں"

زیر اہتمام دارالدعوۃ، لال گوپال گنج، الٰہ آباد

محترم ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی حفظہ اللہ استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض کی دعوت پر مورخہ ۷، ۸ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۶، ۲۷ اگست ۱۹۹۳ء دارالدعوۃ، لال گوپال گنج، الٰہ آباد کے زیر اہتمام جامعہ سلفیہ بنارس کے تعاون واشتراک سے ایک مجلس مذاکرہ بعنوان "مدارس اسلامیہ کی دعوتی ذمہ داریاں" کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا۔ اس دو روزہ پروگرام میں یوپی، بہار، مہاراشٹر اور دہلی سے مختلف جامعات و مدارس کے علماء وفضلاء کی ایک معتدبہ تعداد نے شرکت کی۔ اس کی مختلف نشستوں میں متعدد علمی مقالات پڑھے گئے، اور موضوع سے متعلق مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال اور مناقشے ہوئے، اس کے لئے پہلے ہی سے منتظمین کی جانب سے ۲۰ موضوعات تجویز کئے گئے تھے جن کی ایک فہرست دعوت نامہ کے ساتھ مدعوئین حضرات کے یہاں ارسال کردی گئی تھی، ان میں سے تقریباً ۱۵ موضوعات پر شرکاء سیمینار نے مقالات پیش کئے، اس مجلس مذاکرہ میں حصہ لینے والے مقالہ نگاروں اور دیگر شرکاء کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ مولانا حکیم عبیداللہ صاحب رحمانی، رائے بریلی

۲۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری، وکیل الجامعۃ السلفیہ، بنارس

۳۔ مولانا عبدالرحمن بن شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی صاحب مبارکپوری، ناظم جامعۃ المعارف مبارکپور

۴۔ " عبدالسلام صاحب رحمانی، وکیل جامعہ سراج العلوم، بونڈیہار، گونڈہ

۵۔ " محمد رئیس صاحب ندوی، استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

۶۔ " عبدالوہاب صاحب حجازی، مدیر ماہنامہ محدث، واستاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

۷۔ مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی، استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس
۸۔ ڈاکٹر حافظ عبدالعزیز بن شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی صاحب، استاذ دارالتعلیم مبارکپور
۹۔ " رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری، استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس
۱۰۔ مولانا احمد مجتبیٰ صاحب سلفی " " " " "
۱۱۔ " ابوالعاص وحیدی صاحب، استاذ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار
۱۲۔ " عبدالعلیم صاحب ماہر، ناظم مدرسہ شمس العلوم سمرا، سدھارتھ نگر
۱۳۔ " عبدالقادر انور صاحب بستوی، ناظم ریاستی جمعیۃ اہل حدیث یوپی
۱۴۔ " عبدالواحد صاحب مدنی، ناظم مدرسہ الصفا الاسلامیۃ، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر
۱۵۔ " راحت اللہ صاحب فاروقی، استاذ جامعہ محمدیہ، مالیگاؤں
۱۶۔ " عتیق الرحمن صاحب مدنی، مبعوث دارالافتاء، الہ آباد
۱۷۔ " ریاض احمد صاحب سلفی، استاذ جامعہ ابن تیمیہ، چندن بارہ، مشرقی چمپارن
۱۸۔ " ضیاء الرحمن صاحب، استاذ مدرسہ اسلامیہ راگھونگر، بھوارہ، بہار
۱۹۔ " عادل صاحب ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۰۔ ڈاکٹر عبدالحنان صاحب، طبی ریسرچ آرگنائزیشن، دھلی
۲۱۔ " محمد نجم بن محمد حقائیل صاحب، اورنگ آباد، مہاراشٹر۔
۲۲۔ جناب محمد حقائیل خان، امیر جمعیۃ اہل حدیث، اورنگ آباد، مہاراشٹر
۲۳۔ جناب محمد جمیل خان ٹکنیکل کالج، دہلی

بشمول ذمہ داران جمعیۃ اہل حدیث پرتاپ گڈھ، الہ آباد، سہرلوا، ہتھوہ۔ و مضافات الہ آباد و پرتاپ گڈھ۔

اس مجلس مذاکرہ کے انعقاد کا خاص مقصد جماعتی مدارس کے اندر دعوتی و تبلیغی روح کو بیدار کرنا ہے جو دن بدن زوال پذیر ہوتی جارہی ہے، اصحاب مدارس بشمول اساتذہ، طلبہ و ذمہ داران کے اندر ان کی اپنی حقیقی ذمہ داری کا احساس و شعور پیدا کرنا ہے، جس سے وہ بتدریج غافل ہوتے جارہے ہیں، اور یہ ایک

ایسا عمل ہے جس کو باہمی تعاون و اشتراک کے بغیر انجام دینا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے، اسی مقصد کے حصول کی جانب یہ پہلا قدم تھا جو دارالدعوۃ۔ لال گوپال گنج الہ آباد اور جامعہ سلفیہ بنارس۔ کے باہمی اشتراک سے اس عزم و حوصلہ کے ساتھ عمل میں لایا گیا کہ اس نوعیت کے مجالس مذاکرہ ملک کے حساس علاقوں اور خطوں میں وقتاً فوقتاً منعقد کرکے اسلامی مدارس سے منسلک دعاۃ و مبلغین کو دعوتی و تبلیغی ذمہ داری کا احساس دلانے کی کوشش کی جائے۔ دارالدعوۃ کے زیر اہتمام منعقد کئے جانے والے اس مجلس مذاکرہ میں مختلف مدارس و جامعات کے اساتذہ و ذمہ داران نے متعدد پُرمغز علمی مقالات پیش کئے۔ علماء کرام کی تقاریر ہوئیں۔ جن کی ایک مفصل رپورٹ پیش خدمت ہے:

افتتاحی اجلاس

مجلس مذاکرہ کا افتتاحی اجلاس بروز جمعرات ۷ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۶ راگست ۱۹۹۳ء ۹ ½ بجے صبح ایک بارونق و پروقار تقریب سے ہوا جس کی صدارت جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری، اور نظامت جناب مولانا عبدالواحد عبدالقدوس صاحب مدنی نے فرمائی۔ تقریب کا آغاز ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب مبارکپوری کی تلاوت کلام پاک اور مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی کے نعتیہ کلام سے ہوا، اس کے بعد عزیزم عبدالمحسن بن عبدالرحمٰن الفریوائی نے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کا ایک مقالہ بعنوان "علیٰ طریق العلم" خطیبانہ انداز میں پیش کیا، بارک اللہ فی عمرہ وعلمہ۔ بعدہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن الفریوائی نے افتتاحی خطاب کیا جس کی ابتداء موصوف نے آیت کریمہ " کنتم خیر امـة " کی تلاوت سے کی، اور شرکاء مجلس کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنی دلی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا، مجلس مذاکرہ کے انعقاد اور اس کی غرض و غایت کی وضاحت کرتے ہوئے نہایت دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا کہ اس کا مقصد باہمی نصح و تذکیر اور احتساب و محاسبہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے، کیونکہ محاسبہ سے اعمال میں درستگی پیدا ہوتی ہے، اسلامی مدارس کو ایک پاور ہاؤس سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح ایک پاور ہاؤس سے پورے شہر کو منور کرنے کے لئے طاقت اور انرجی حاصل کی جاتی ہے، بعینہٖ اسی طرح مدارس سے دعوت اسلامی کو عام کرنے کی قوت و صلاحیت حاصل ہوتی ہے، جس طرح پاور ہاؤس کی معمولی خرابی سے پورا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے، اسی طرح مدارس اسلامیہ کی کوتاہی دعوت کو ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار کرسکتی ہے۔ اور سنجیدگی کے ساتھ مسلسل غور اور احتساب کرتے رہنے، اور اس کے مطابق اپنے طریق کار میں مناسب تبدیلی لانے میں مدد ملے گی۔ نظام تعلیم

پر گفتگو کرتے ہوئے موصوف نے مزید کہا: نصاب پر بہت زیادہ بحثیں ہوئی ہیں لیکن مدرس اور ذمہ دار مدرسہ پر بہت ہی کم بحثیں منظر عام پر آئی ہیں، اس لئے مدرس و ذمہ دار کے کردار پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ موجودہ مدارس کے دعوتی کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے جماعت اہل حدیث کی سابقہ جہود کا مختصر انداز میں تذکرہ کیا، اس کے بعد مدارس دینیہ کے بعض نقائص کی نشاندہی فرماتے ہوئے اس میدان میں بعض مفید وبار آور وسائل وطرق کی جانب توجہ دلائی۔ اس ضمن میں درج ذیل امور کا خاص طور سے ذکر کیا:

۱ ۔ سعودی جامعات کے ۵۰ سالہ تجربات سے استفادہ۔

۲ ۔ نصاب تعلیم کو بہتر سے بہتر اور منظم ومنسق کرنے کے لئے جامعہ سلفیہ کی زیر نگرانی اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کی تشکیل۔

۳ ۔ مدارس کے شعبہ صحافت اور نشر واشاعت پر نظر ثانی۔

۴ ۔ بلاد عربیہ میں دعوت وتبلیغ کی جو تحریکیں کامیاب ہوئیں ان سے استفادہ کے لئے ایک بورڈ کی تشکیل۔

۵ ۔ مساجد جمعہ وجماعات میں فلاحی تنظیموں کے تعاون سے دروس کا انتظام۔

۶ ۔ پرائمری درجات کے دینی مکاتب کے قیام اور ان کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی ضرورت، کیونکہ بنیادی تعلیم کا فقدان ہوتا جارہا ہے۔

اخیر میں موصوف نے سیمینار کی کامیابی کی دعاء کرتے ہوئے دوبارہ شرکاء وحاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

افتتاحی خطاب کے بعد شرکاء مجلس مذاکرہ کے نام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی (متعنا اللہ بطول حیاتہ) کا مکتوبہ پیغام مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری نے پڑھ کر سنایا، آں موصوف نے اپنے پیغام میں سیمینار کے انعقاد پر اپنی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے اس کے موضوع کی اہمیت پر خصوصی توجہ دلائی اسی طرح اسلامی مدارس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ان کو مسلمانان ہند کے لئے دینی وفکری غذا کی فراہمی میں ریڑھ کی ہڈی قرار دیا، اور فرمایا کہ ماضی میں بالخصوص آزادیٔ ہند سے پہلے ان مدارس نے صرف مسلم نسل ہی کی نہیں بلکہ ایک حد تک غیر مسلموں کی بھی فکری نشوونما اور تربیت کی تھی، مگر افسوس آزادی کے بعد مختلف وجوہات سے ان کی وہ افادیت محدود بلکہ ختم ہوتی جارہی ہے، مدارس اسلامیہ کی افادیت کے فقدان پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے اس کے سدباب اور کھوئی حیثیت کو دوبارہ واپس لانے کے لئے بعض وسائل وطرق

کی نشاندہی فرمائی اور اس ضمن میں اسلامی مدارس کی دعوتی ذمہ داریوں کو اسی وقت مفید اور کارآمد قرار دیا جب کہ ان مدارس کا ربط و تعلق عوام کے مختلف طبقات کے ساتھ مسلسل بغیر کسی انقطاع کے قائم ہوا اور برابر اس کی متابعت کی جاتی رہے۔ ان مدارس میں زیر تعلیم طلباء کی تعلیم کے ساتھ اخلاقی وعملی تربیت نیز ان کے اندر دعوتی جذبہ کو پروان چڑھانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے نصاب تعلیم میں بحیثیت لازمی مادہ کے "الدعوۃ وطرقہا" کے اضافے کو بہت مناسب بتلایا اور توقع ظاہر کی کہ شرکاء مجلس کسی اچھے نتیجہ پر پہونچیں گے، پاس کردہ توصیات وقرارداد کو بروئے کار لانے کیلئے کوئی مستقل اور ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا جائے گا اور اس پر عمل درآمد کی برابر متابعت کی جاتی رہے گی۔

اس تہنیتی پیغام کے بعد شرکاء کے تأثراتی کلمات کا سلسلہ شروع ہوا، سب سے پہلے بزرگ مہمان حضرت مولانا حکیم عبیداللہ صاحب رحمانی نے اپنے تأثرات کا اظہار فرمایا، موصوف نے اپنے تأثراتی خطاب میں اس امر پر اپنے اطمینان وسکون کا اظہار کرتے ہوئے اسے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت قرار دیا کہ اسلام کے نام لیوا اب بھی موجود ہیں جو اس کی سربلندی کے لئے سوچتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین اب بھی باقی ہے۔ اس مجلس مذاکرہ اور اس جیسے دیگر دینی اجتماعات کو بطور ثبوت پیش کرتے ہوئے مدارس اسلامیہ کو آج کے دور میں بہت بڑی غنیمت قرار دیا جو حد درجہ بگڑی ہوئی حالت میں ہونے کے باوجود کسی نہ کسی طرح دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس سے زیادہ موصوف نے اس امر پر اطمینان ظاہر کیا کہ لوگوں کے دلوں میں یہ احساس وشعور پیدا ہوگیا ہے کہ اسلامی مدارس کے پچھلے کی بہ نسبت نمایاں تبدیلی آگئی ہے۔ مدارس کی کثرت کے باوجود دعوت وتبلیغ کا وہ کام نہیں ہو پارہا ہے جو ہونا چاہئے، وہ متعدد کمزوریوں کے شکار ہوگئے ہیں، اس کے ازالہ کے لئے لوگ کوشاں نظر آتے ہیں۔

آزادی ھند کے ماقبل ومابعد کے مدارس اسلامیہ کے مابین موازنہ کرتے ہوئے موجودہ مدارس کے بارے میں خیال ظاہر کیا کہ وہ برابر اپنی اہمیت وافادیت کھوتے چلے جارہے ہیں، اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ ذہین طلبہ کو شیطانی مدارس میں دھکیل دیا جاتا ہے جہاں جاکر نہ وہ صرف اپنے دین سے بیگانہ ہوجاتے ہیں بلکہ اپنی فطرت کو بھی مسخ کردیتے ہیں، اور اس عمل کو عمل مشرکین سے مشابہ قرار دیا جو اللہ کی پیدا کردہ چیزوں سے بہت سی اشیاء کو غیراللہ کے لئے خاص کردیتے، اسی طرح سرکش وشریر بچوں کو دینی تعلیم میں لگانے کی ضرورت پر

کافی زور دیا۔

اس کے بعد مولانا عبدالقادر صاحب انور بستوی اپنے تأثرات پیش کئے، مجلس مذاکرہ کے انعقاد پر دارالدعوۃ اور اس کے ذمہ دار اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا، سیمینار کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے طلباء کو نوعمری ہی میں ان کی ابتدائی درسگاہوں سے ہی صحابہ کرام کی سیرت سے آگاہ کرنے، دعوت و تبلیغ کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح اور اس کے لئے لٹریچر کی بکثرت فراہمی پر کافی زور دیا، اسی ضمن میں ریاستی و مرکزی جمعیت کے بعض دعوتی و سماجی کارناموں کا تعارف کرایا۔

آپ کے بعد مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری تشریف لائے جنہوں نے اپنے تأثراتی کلمات میں سب سے پہلی اسلامی درسگاہ صفہ اور اس کے طلبہ اصحاب صفہ کے طرز تعلم، پھر ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ، اور حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی درسگاہوں کا ذکر جمیل کرتے ہوئے واضح کیا کہ مدارس اسلامیہ کے سامنے صرف تدریسی افراد تیار کرنا نہیں ہونا چاہئے بلکہ کتاب اللہ اور اس کی تفسیر سنت نبویہ کی تعلیم اس طرح دی جانی چاہئے کہ وہ عملی طور پر بھی طلبہ کے دلوں میں پیوست ہوجائیں، دینی مدارس کی ذمہ داری ہے کہ ایسے افراد تیار کرے جو علمی اعتبار سے اس طرح مسلح ہوں کہ مخالفین کا بروقت دندان شکن جواب دے سکیں اور ان کی عملی زندگی ایسی ہو کہ لوگ خود بخود ان کی طرف کھینچتے چلے آئیں، اس کے بعد موصوف نے مدرسین کے کردار پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا کہ آج کے مدرسین تدریس کا کام صرف ڈیوٹی کے طور پر انجام دیتے ہیں اور ان کی علمی و عملی عدم پختگی کی شکایت کی، طلبہ کے تعلق سے بعض امور کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے ہفتہ واری اجلاس کا تذکرہ کیا جن میں وہ خطابت کی عملی مشق کرتے ہیں اور کہا کہ جب تک ان کو درس میں خطابت کی اہمیت و افادیت سے آگاہ نہیں کیا جائے گا اور تبلیغ دین کا احساس نہیں دلایا جائیگا وہ خاطر خواہ مستفید نہیں ہوسکتے، بلکہ موصوف نے دعوت و تبلیغ کا ایک پیریڈ خاص کرنے کی اپیل کی۔ بعدہ مولانا ریاض احمد صاحب سلفی استاذ جامعہ ابن تیمیہ، چندن بارہ مشرقی چمپارن تشریف لائے اور اپنے تأثرات سے سامعین کو آگاہ کیا، مجلس مذاکرہ میں شرکت کی دعوت پر منتظمین مجلس خصوصاً ڈاکٹر الفریوائی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فریضۂ دعوت و تبلیغ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے دور حاضر کی اہم ضرورت قرار دیا، متعدد تحریکات و تنظیمات کا جو عقیدہ و عمل کے اندر غیر سلفی منہج کو اپنا کر رواج حاصل کر رہی ہیں کا ذکر کرتے ہوئے جماعت اہل حدیث کو

ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا، جس سہل پسندی و سرد مہری کا وہ شکار ہو رہی ہے اسے ترک کر کے میدانِ عمل میں آنے کی ضرورت پر کافی زور دیا، اور توقع ظاہر کی کہ یہ مجلس مذاکرہ ایسی قرارداد و تجاویز پاس کریگی جو مستقبل میں مفید اور بارآور ثابت ہوں گی۔

اس کے بعد صدر جلسہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری نے اپنے صدارتی خطاب سے سامعین کو نوازا، جسے موصوف نے خطبۂ مسنونہ کے بعد آیت کریمہ " قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون " کی تلاوت سے شروع کیا، مجلس مذاکرہ کے مقصد کو عظیم قرار دیتے ہوئے اس قسم کے پروگراموں کی اہمیت، اور ان کے بار بار انعقاد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے واضح کیا کہ اس سے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنے، اور اپنے نقائص کو دور کرنے میں کافی مدد ملے گی، ان پروگراموں کے ذریعہ ہم زمانہ کو بتلا سکیں گے کہ اسلام کیا ہے؟ اور ہماری دعوت کیا ہے؟ اور اس ضمن میں علماء سابقین کی جہود کا تذکرہ کرتے ہوئے جماعت اہل حدیث کی موجودہ سرد مہری اور سہل پسندی پر اپنی گہری تشویش کا اظہار فرمایا اور اسے موت کی جانب پیش قدمی کے مترادف قرار دیا، اس کے بعد مجلس مذاکرہ کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس کے انعقاد پر دارالدعوۃ کے ذمہ داران خصوصاً ڈاکٹر عبدالرحمٰن الفریوائی کو مبارکباد پیش کیا۔ دین اسلام کی نظر میں علم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ اس کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی پہلی آواز علم ہی سے متعلق ہے، اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے مزید فرمایا: اسلام کو علم سے کوئی دشمنی نہیں ہے چاہے وہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ اس میں دین و دنیا کی تفریق کسی طرح درست نہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ علم کے درجات ہیں، سب سے اہم اور ضروری علم وہ ہے جس سے خدا کی معرفت، اور جذبہ اطاعت و فرماں برداری کو تقویت حاصل ہوتی ہو، اس ضمن میں ایک نہایت اہم اور قابل توجہ امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ علم کو دریوزہ گری کے ساتھ نہیں بلکہ علم کو تفوق و برتری کے ساتھ حاصل کرنا چاہئے کہ دوسرے ہمارے پاس آئیں۔

اسی طرح تبلیغ دین کی جو امانت ہمارے سپرد کی گئی ہے اس سے علم و عمل ہی کے ذریعہ عہدہ برآ ہوسکتے ہیں، آج ہم نے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے جو منہج اپنا رکھا ہے وہ زمانہ کے مزاج کے بالکل مخالف ہے، لہذا ہمیں اپنے منہج اور طریق کار کو زمانہ کے مزاج سے ہم آہنگ اور اس کے مطابق بنانا ہوگا، اور ساتھ ہی ساتھ طلب، ارادوں اور اعمال کی تصحیح پر بھی توجہ دینی ہوگی، ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی خدمات

کے ضمن میں علماء اہل حدیث کی عظیم علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی بعض خدمات کا سرسری جائزہ بھی لیا۔ دینی ادارے جس طرح علمی و عملی بحران کا شکار ہو رہے ہیں ان کے سدباب اور ازالہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے موصوف نے کہا کہ دینی مدارس کو معاشرہ کی ضرورت بنانا چاہئے۔ علماء و دعاۃ کے کردار پر بحث کرتے ہوئے اس جانب توجہ دلائی کہ آج علماء کو دہشت گر اور رجعت پسند قرار دیا جا رہا ہے، اور زور دے کر کہا کہ اس تناظر میں علماء و دعاۃ کے کردار پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔

بعدہ "عربی زبان و ادب کی تدریس کا صحیح منہج" کے عنوان پر تیار کئے ہوئے اپنے مقالہ کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے اس کے بعض اہم نقاط کی جانب اشارہ کیا، اس ضمن میں موصوف نے ہر مدرس کو بغیر مطالعہ کے تدریس سے اجتناب کی نصیحت فرمائی، عبارت خوانی اور اس کی تصحیح پر مکمل توجہ صرف کرتے ہوئے دقت کے ساتھ ترجمہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا، اور حل لغات و تراکیب جمل کو بھی نہایت ضروری قرار دیا، ان تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد عبارت کی تشریح کو مفید بتلایا۔

اخیر میں اس اجلاس کو فاتحۃ الخیر قرار دیتے ہوئے معذرت کے ساتھ بقیہ اجلاسوں میں عدم شرکت کی رخصت چاہی۔ صدارتی تقریر کے بعد افتتاحی تقریب کے اختتام کا اعلان کیا گیا، یہ پروگرام ظہر کی نماز تک چلتا رہا، بعد نماز ظہر دارالدعوۃ کی درسگاہ اور مدرسہ دعوۃ الاسلام کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

دوسرا اجلاس

مجلس مذاکرہ کا دوسرا اجلاس ۴ ½ بجے بعد نماز عصر زیر صدارت جناب مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری وزیر نظامت مولانا عبدالواحد صاحب مدنی منعقد ہوا، واضح ہو کہ یہ اجلاس مقالات کے لئے مخصوص تھا۔ اس نشست میں سب سے پہلے ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری نے اپنا مقالہ بعنوان: "مدارس اسلامیہ کے اندر عقیدۂ سلف کی تدریس: اہمیت اور جائزہ" پڑھ کر سنایا، مقالہ نگار نے مدرسہ اور نصاب تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اسلام میں عقیدہ کے مقام اور انفرادی و اجتماعی زندگی پر اس کی تاثیرات کو واقعات و حقائق کی روشنی میں واضح کیا ہے، پھر عقیدۂ سلف کی تدریس کی اہمیت و ضرورت پر بحث کرتے ہوئے عقیدہ کے تعلق سے ہندوستان کے قدیم و جدید نصاب کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا ، اور عرصہ سے ملک کے مدارس میں غیر سلفی عقائد کی تدریس سے عوام و خواص پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کی نشاندہی کی کوشش کی ہے، اہل حدیث مدارس کے موجودہ نصاب اور مروجہ طریقہ تعلیم پر ایک ناقدانہ تبصرہ کیا۔

بعدہ مولانا عبدالواحد صاحب مدنی نے اپنا مقالہ پیش کیا۔

موصوف نے اپنے مقالہ میں تعلیم ونصاب تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے ہندوستان کے قدیم وجدید نصابِ تعلیم کا مفصل جائزہ لیا، حسن وقبح کے دونوں پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے موجودہ اسلامی مدارس میں رائج نصابِ تعلیم کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، جس میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ وقت کے لحاظ سے بعض ضروری مضامین مثلاً ریاضیات، جغرافیہ، تاریخ جیسے اہم مضامین کو داخل نصاب کرنے پر زور دیتے ہوئے ماحول اور زمانہ کے اعتبار سے مختلف زبانوں کی تعلیم وتدریس کو نہایت ضروری قرار دیا، اسی طرح تربیت اور عملی تدریب و ٹریننگ پر بھی کافی زور دیا۔

آپ کے بعد مولانا ریاض احمد صاحب سلفی نے " اسلامی دعوت میں منہج سلف کی اہمیت " کے عنوان پر ایک مفصل مقالہ پیش کیا، موصوف نے دعوت وتبلیغ کو شریعت اسلامیہ کا لازمی عنصر اور دین متین کا اہم مطالبہ قرار دیتے ہوئے اس کی اہمیت وحقیقت پر روشنی ڈالی۔ داعی کی شخصیت کو کتاب وسنت کے آئینہ میں واضح کرتے ہوئے دعوت کے مراحل اور اس کے شرائط پر سیر حاصل بحث کی، اسی ضمن میں اسلاف کرام کے دعوتی اسالیب اور مناہج پر گفتگو کرتے ہوئے بعض مصلحین ودعاۃ کے دعوتی کارناموں کا سرسری جائزہ پیش کیا، اور جماعت اہلحدیث کو موجودہ حالات میں سرد مہری اور سہل پسندی ترک کرکے میدان عمل میں اترنے، اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دی۔

موصوف اپنا مقالہ پیش ہی کر رہے تھے کہ مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا اور درمیان ہی میں توقف کرنا پڑا، اور اس عزم کے ساتھ کہ بعد نماز مغرب مقالات کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے گا، ولکن الریاح تجری بما لا تشتھی السفن کے مصداق بعد نماز مغرب مقالات کے سلسلے کو دوسرے دن کے لئے ملتوی کرکے اس کی جگہ لال گوپال گنج اور پریوا نرائن پور کے دینی مکاتب کے بچوں نے اپنے رنگارنگ پروگرام پیش کئے، جن میں تلاوتِ کلام پاک، حمد ونعت اور اسلامی مکالمات وغیرہ کا مظاہرہ کرکے حاضرین سے داد تحسین حاصل کی۔

اسی رات ۹ ½ بجے ایک اجلاس عام زیر صدارت مولانا احمد مجتبیٰ صاحب سلفی اور زیر نظامت مولانا عبدالواحد صاحب مدنی منعقد ہوا، جس میں مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی نے بعنوان " دعوت اسلامی " اور مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب نے بعنوان " خوشگوار ازدواجی زندگی " عوام سے خطاب کیا، اس اجلاس عام میں اطراف وجوانب

سے ہر دو صنف کی ایک کثیر تعداد شریک جلسہ ہو کر علماء کرام کی تقاریر سے مستفید ہوئی، رات گئے تک یہ پروگرام چلتا رہا۔

تیسرا اجلاس

مجلس مذاکرہ کی تیسری نشست بروز جمعہ ۹ ½ صبح زیر صدارت حکیم مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی وزیر نظامت رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری منعقد ہوئی، اس نشست میں چھ مقالات اور دارالدعوۃ جس کے زیر اہتمام مجلس مذاکرہ کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ کا تعارف پیش کیا گیا، سب سے پہلا مقالہ مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب نے "عربی ادب کی تدریس کا صحیح منہج ..." کے عنوان سے پیش کیا، موصوف نے اپنے گرانقدر مقالہ میں منتہی طلبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ان اساسی امور کی نشاندھی فرمائی جو عربی ادب کی سودمند و نتیجہ خیز تدریس کے لئے ناگزیر ہیں۔

دوسرا مقالہ مولانا عبدالعلیم صاحب ماہر نے پیش کیا جس کا عنوان تھا "دعوت اسلامی میں موجودہ مدارس اسلامیہ کا رول"۔

دعوت کو مختلف پہلوؤں میں تقسیم کرتے ہوئے موصوف نے اولاً دعوت کو دو حصوں میں تقسیم کیا: (۱) مشرکین کو دعوت۔ (۲) مسلمانوں کو دعوت۔ پھر دوسرے حصے کو دو حصوں میں تقسیم کیا: (۱) بدعقیدہ مسلمانوں میں دعوت۔ (۲) بے عمل و بے عقل مسلمانوں میں دعوت۔ ہر ایک کے ساتھ کیا اسلوب و طریقہ اپنانا چاہیئے اس کی وضاحت کرتے ہوئے موجودہ دینی مدارس کے عملی کردار پر امر واقع کے اعتبار سے روشنی ڈالی۔ چنانچہ موصوف نے بتلایا کہ غیر مسلمین کے مابین دعوت کا جملہ مدارس میں بغیر کسی استثناء کے فقدان پایا جاتا ہے اور اس جانب سرے سے کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ بدعقیدہ مسلمانوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے موصوف نے بتلایا کہ اس میدان میں بھی ذمہ داران مدارس بشمول اساتذہ و طلبہ کوئی قابل ذکر خدمت انجام نہیں دے رہے ہیں، بے عمل و بے عقل مسلمانوں میں دعوت کا کام محدود پیمانہ پر ہو رہا ہے، لیکن اس میں مطلوبہ اخلاص وللّٰہیت کا فقدان نظر آتا ہے، اور اس ضمن میں موصوف نے مدارس کے تینوں عناصر منتظمہ، اساتذہ اور طلبہ کے کردار کا ایک معروضی جائزہ لیا۔

اس کے بعد دارالدعوۃ لال گوپال گنج جس کے زیر اہتمام مجلس مذاکرہ کا انعقاد ہوا تھا کا ایک مختصر تعارف مولانا محمد حسان صاحب سلفی نے پیش کیا، ۱۵ سال کے اندر دارالدعوۃ نے صفر سے شروع ہو کر جو نمایاں ترقی حاصل کی اس پر مختصر روشنی ڈالی، اسی ضمن میں مدرسہ دعوۃ الاسلام جس میں ڈھائی سو بچے فی الحال بغیر کسی تفریق مذہب

جونیر ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور لب سڑک شاندار جامع مسجد کی تعمیر جس کا افتتاح ۱۴۰۲ھ میں ہوا کا خاص طور سے ذکر کیا، موصوف نے اپنے تعارفی کلمات میں واضح کیا کہ ابھی تک دارالدعوۃ کے سامنے زیادہ سے زیادہ قطعۂ اراضی کی خریداری تھی جس میں بحمداللہ اس نے کافی پیش رفت حاصل کی ہے، اس سے فراغت کے بعد تعمیری کام کی جانب توجہ دی جائے گی، ان شاء اللہ۔ اور بعض دیگر تعلیمی و ثقافتی پروگراموں کا ذکر کیا۔

اس تعارف کے بعد مولانا احمد مجتبیٰ صاحب سلفی نے " دعوت و تبلیغ میں خطبۂ جمعہ کا رول " کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا جس میں موصوف نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ اور تواصی بالحق کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے خطبہ جمعہ کی اہمیت کو واضح کیا۔ اور بتلایا کہ خطبہ جمعہ کے ذریعہ دعوت دین کے میدان میں نمایاں رول ادا کیا جاسکتا ہے، پھر خطبہ جمعہ کو مفید سے مفید تر بنانے کے لئے چند قابل توجہ حقائق کی جانب توجہ مبذول کرائی۔

بعدہ مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی نے " دعوتی ذمہ داریاں اور موجودہ مدارس دینیہ " کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا، موصوف نے اس مجلس مذاکرہ کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا بشرطیکہ وہ مثمر و بارآور ثابت ہو اس کے بعد دعوت و تبلیغ کی اہمیت و ضرورت پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا کہ امت محمدیہ کو خیر امت اور امت وسط کے لقب سے جو نوازا گیا ہے تو اسی فریضہ دعوت و تبلیغ کی امانت کی بناء پر اس کو یہ لقب عطا ہوا ہے، اور جو افضلیت اس امت کو حاصل ہے وہ غیر مشروط نہیں بلکہ بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جن کے فقدان کے ساتھ افضلیت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا، پھر موصوف نے افکار و نظریات کے اعتبار سے موجودہ مدارس کے اقسام کا ذکر کرتے ہوئے صرف انہی مدارس سے صحیح نہج پر دعوت إلی اللہ اور اصلاح امت کی توقع ظاہر کی جن میں تعلیم و تربیت پانے والے اور ان کے معلمین و دعاۃ خالص اسلام پر عمل پیرا ہونا اور قرآن واحادیث کے دائرہ میں اپنے اعمال و عقائد کو محدود رکھنا چاہتے ہیں، لیکن موصوف کے کہنے کے مطابق کچھ ان مدارس کی عملی حالت ایسی سقیم ہو چکی ہے اور اس کے بیشتر علماء و طلبہ اپنی ذہنیت و کردار، اخلاق و اعمال کے لحاظ سے ایسی سطح پر آگئے ہیں کہ ان سے دعوت و اصلاح کا کام مؤثر و مثمر انداز میں نہ ہو رہا ہے اور نہ ان حالات میں ہونے کی کوئی خاص توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد موصوف نے ان مدارس کا کئی ناحیوں سے جائزہ لیتے ہوئے ان کی دعوتی و تبلیغی میدان میں بعض خامیوں کی

نشاندہی فرمائی جن کا ازالہ ان مدارس کو فعال بنانے کے لئے اشد ضروری ہے ۔

آپ کے بعد ڈاکٹر عبدالحنان صاحب نے " مدارس اسلامیہ اور حفظان صحت " کے عنوان پر مقالہ پیش کیا، حفظان صحت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس جانب مدارس اسلامیہ کی عدم توجہی کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، حفظان صحت سے متعلق بعض اصول کی جانب تعلیمات قرآنیہ و ہدایات نبویہ کی روشنی میں رہنمائی فرمائی اور انہیں طب جدید کے اصول و مبادی کے مطابق قرار دیا ۔

اس نشست کا آخری مقالہ مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی نے بعنوان " صحافت کے ذریعہ دعوت الی اللہ کی خدمت میں جامعات و مدارس کا متوقع کردار " پیش کیا ۔ موصوف نے وسائل اعلام کی غیر معمولی ترقی کا تذکرہ کرتے ہوئے صحافت کی خصوصیت واہمیت کو واضح کیا، اور عصر حاضر میں مغربی اور غیر اسلامی وسائل اعلام اور صحافت جس طرح اپنے محرف ادیان اور بگڑی ہوئی تہذیب و تمدن اور ثقافت کو سارے عالم میں پھیلانے کیلئے لگی ہوئی ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اسلامی و غیر اسلامی صحافت کے مابین تقابلی جائزہ لیا اور ہر ایک کے الگ الگ اثرات کو بیان کیا ۔ موصوف نے اپنے مقالہ میں ہندوستان کے طول و عرض میں شائع ہونے والے جرائد و مجلات کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے ان کی عدم تاثیر اور اس کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی، اور اس کی سب سے ظاہر و باہر وجہ یہ بتلائی کہ ہندوستان کی اسلامی صحافت گروہی و حزبی مفادات سے وابستہ ہے ۔

موصوف نے اسلامی صحافی کو داعی کا مقام دیتے ہوئے مدارس اسلامیہ کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ امت کو معیاری مدرس اور مستند خطیب کے ساتھ مستند اسلامی صحافی بھی دیں، ماہر اور با اعتماد اسلامی صحافی کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہئے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے زبان کے مسألہ کو بھی زیر بحث بنایا، اور اپنے تجربات کی روشنی میں مزید سہل بنانے کی ضرورت پر زور دیا ۔

آپ کے مقالہ کے بعد نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے توقف کیا گیا، مختلف علماء کرام خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ کے لئے اطراف کی مختلف مساجد میں منتشر ہوگئے، دارالدعوۃ لال گوپال گنج کی جامع مسجد میں مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی نے خطبہ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی اور لوگوں کو دین کے مختلف مسائل سے روشناس کرایا ۔

آخری اجلاس مجلس مذاکرہ کا چوتھا اور آخری اجلاس زیر صدارت مولانا محمد رئیس احمد ندوی صاحب وزیر نظامت مولانا عبدالواحد صاحب مدنی ۴ ½ بجے بعد نماز عصر منعقد ہوا، جس میں

ا رمقالات اور تجاویز و قرارداد پڑھے گئے، سب سے پہلے مولانا حافظ صغیر احمد صاحب مدنی کا مقالہ " اسلامی دعوت
ں موجودہ وسائل کا استعمال " مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب استاذ مدرسہ اسلامیہ راگھونگر بھوارہ نے پڑھ کرسنایا
وصوف نے اپنے مقالہ میں اسلامی دعوت سے مراد اور اس کے حکم پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے اس میدان میں موجود وسائل
ے استعمال پر سیر حاصل بحث کی، اور واضح کیا کہ شرعی حدود کے اندر رہ کر ان تمام جدید وسائل کا استعمال عزوری
ہے جو دعوت اسلامی کو ہر چہار سو عام کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو، لیکن ساتھ ہی ساتھ قدیم وسائل کے استعمال کو
بھی ضروری قرار دیتے ہوئے ان کے ترک کو ضرر رساں اور نقصان دہ بتلایا۔

بعدہ مولانا رئیس احمد ندوی صاحب نے اپنا مقالہ بعنوان " اسلامی دعوت میں منہج سلف کی اہمیت " پڑھ
ر سنایا جس کو قرآنی آیت " اولئك الذين هدى الله فبهدا هم اقتده " سے شروع کرتے ہوئے تمام
مور دینیہ میں اپنی عقل و سمجھ اور اپنے فہم و قیاس سے کوئی اختراعی طریق کار اور منہج ایجاد کرنے کے بجائے اسلاف کے
ے چھوڑے ہوئے موروثی علمی و دینی سرمایہ و ذخیرہ سے راہ عمل متعین کرنے کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی، اور
کتاب و سنت سے استدلال کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام نے اسی کا حکم دیا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی
نبیاء و مرسلین کے طریق ہدایت کی اقتدار و پیروی کی طرف توجہ دلائی ہے، لہذا ہمیں دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی
نبیاء و رسل سمیت امت کے جملہ سلف صالحین کے طریق کار اور منہج سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے، اور اسی ضمن
یں واضح کیا کہ تمام انبیاء کرام اور ان کے طریق پر چلنے والے جملہ اسلاف کا مرکزی نقطہ توحید پرستی کی دعوت اور اس کی
ضد شرک و کفر سے دور رہنے کی دعوت رہا ہے، اس لئے اسلامی دعوت سے شغف و لگاؤ رکھنے والوں پر اس بنیادی
ت پر ہر حال میں لحاظ رکھنا لازم ہے۔

آپ کے بعد مولانا اصغر علی امام مہدی صاحب سلفی مدنی استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کے مقالہ بعنوان " کیا مدارس
سلامیہ ہند حقیقی معنی میں دعوت اسلامی کے تقاضے پورے کر رہے ہیں " کا خلاصہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب
نے پیش کیا، واضح ہو کہ مولانا اصغر علی صاحب بوجہ شرکت ریفریشر کورس جامعہ امام محمد بن سعود ریاض منعقدہ دھلی
جلس مذاکرہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ موصوف نے اپنے مقالہ میں دعوت الی اللہ کی تعریف اور فریضۂ دعوت و تبلیغ
کی ادائیگی میں قیام مدارس کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہندوستان کے اسلامی مدارس کو مختلف انواع میں تقسیم
کیا ہے، مثلاً مدارس اہل حدیث، مدارس دیوبند، مدارس ندوۃ العلماء، مدارس جماعت اسلامی۔ ہر نوع کے مدارس کا

اتفاقی تجزیہ کرتے ہوئے ان کے اندر پائی جانے والی کوتاہیوں کی نشاندھی کی، اس کے بعد مشترکہ عیوب کا ذکر کرتے ہوئے صحیح تربیت کے فقدان اور احساس کمتری کا بطور خاص تذکرہ کیا۔

بعدہ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب مبارکپوری کے مقالہ بعنوان " اساتذہ کی تربیت عقیدۂ سلف کی روشنی میں " کا خلاصہ بھی مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری نے پڑھ کر سنایا۔ موصوف نے اپنے مقالہ میں اساتذہ کی تعلیم کے ساتھ ان کی دینی و اخلاقی تربیت پر زور دیا کیونکہ ایک صالح مدرس ہی صحیح طور پر تعلیم و تربیت کا کام انجام دے سکتا ہے۔

اسی پر مقالات کا سلسلہ ختم ہوگیا اور تجاویز و قرارداد کا مسودہ پڑھ کر سنایا گیا جس پر حاضرین نے بالاتفاق اپنی منظوری ظاہر کردی۔ تجاویز کے بعد حکیم پروفیسر مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی نے اختتامی تقریر کی، جس میں موصوف نے پڑھے گئے مقالات اور ان میں پیش کیے گئے خیالات پر اپنے اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے اور جماعت اہل حدیث کے ماضی پر ہلکی سی روشنی ڈالتے ہوئے بتلایا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جماعت اہل حدیث کو سب سے زیادہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ضمن میں دارالحدیث رحمانیہ دھلی کی تباہی کا تذکرہ کرتے ہوئے اہل حدیث طلبہ کی پریشانی خصوصا دارالعلوم دیوبند سے اخراج کے بعد جس کسمپرسی کے وہ شکار ہوئے اس کی جانب توجہ دلائی، لیکن اللہ تعالیٰ نے جس دین کو انبیاء و رسل کے ذریعہ بھیجا ہے وہ اس کا ضامن و کفیل ہے، جس سے چاہے جس طرح چاہے اپنے دین کا کام لے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ آج بحمداللہ اہلحدیث مدارس کی کثرت ہے، وسائل کی کوئی کمی نہیں، اس کے بعد حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کی درس گاہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتلایا کہ آج ہندوپاک میں کتاب و سنت کا جو غلغلہ ہے وہ میاں صاحب ہی کی درسگاہ عظیم کے طفیل ہے۔ دعائیہ کلمات پر اپنی تقریر ختم کی۔

سب سے اخیر میں ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار صاحب الفریوائی نے شرکاء مجلس مذاکرہ کی ہمت افزائی اور ان کی تشجیع پر شکریہ ادا کرتے ہوئے اس اجتماع کو علاقہ کا علماء کے اجتماع اور موضوع بحث کے اعتبار سے سب سے پہلا قدم قرار دیا، مدارس کی اہمیت، پڑھے گئے مقالات اور ان میں پیش کیے گئے خیالات کی افادیت و اہمیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ان کو احتساب نفس کی حیثیت دی۔

قلت وقت کی وجہ سے انتظام میں بعض کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی طرح کی تقصیر پر معذرت ظاہر کی، شرکاء کی نیتوں کی اصلاح اور گناہوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے مجلس مذاکرہ کے اختتام کا اعلان کیا۔

واضح ہو کہ اس شب میں بھی اجلاس عام کا اہتمام کیا گیا تھا جو زیر صدارت حکیم عبید اللہ صاحب رحمانی زیر نظامت رضاء اللہ مبارکپوری ۹ ½ بجے سے شروع ہو کر تقریبا پونے بارہ بجے اختتام پذیر ہوا۔ اس اجلاس عام میں مولانا ابوالعاص وحیدی مولانا عبدالوہاب حجازی، جناب عبدالسلام قدوسی صاحبان نے حمد باری تعالیٰ اور نعتیہ کلام سے سامعین کو محظوظ کیا، اور مولانا احمد مجتبیٰ صاحب سلفی نے "اتباع سنت اور انکار حدیث" اور مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی نے "ھندوستان کے حالات حاضرہ میں مسلمانوں کا فریضہ" کے عنوان پر ایمان افروز تقریریں کیں۔ گذشتہ شب کی طرح اس شب میں بھی اطراف وجوانب سے وافر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، اور علماء کرام کے خطاب سے مستفید ہوئے۔

(ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری)

مکتبہ سلفیہ، بنارس کی تازہ ترین پیش کش

مختصر

تاریخ ادب عربی

حصہ چہارم

دورِ عباسی

از، مقتدیٰ حسن ازہری

قیمت: ۶۰/ روپئے

پتہ: مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، وارانسی۔ ۲۲۱۰۱۰

انتخاب : محمد مستقیم سلفی

باب الفتاویٰ

کپڑوں پر ذی رُوح کی تصویریں بنانے سے متعلق

استفسار اور اس کا جواب

از عبدالصبور نئی مسجد اہل حدیث نیا پورہ مالیگاؤں ضلع ناسک ۔

مسئلہ مندرجہ ذیل میں علمائے دین و مفتیان شرع متین کا کیا فتویٰ ہے ؟

شہر مالیگاؤں اور تقریباً ان تمام مقامات پر جہاں کپڑوں کی بُنائی ہوتی ہے وہاں کپڑوں پر بعض نقشیاں بطخ اور مور وغیرہ کی شکل میں تیار کی جاتی ہیں چونکہ عام بیوپاری ایسی ہی قسم کی نقشیاں زیادہ پسند کرتے ہیں اور بازار میں ایسے کپڑوں کی مانگ بہت زیادہ رہتی ہے۔ اس لیے بنکر حضرات کنار وغیرہ پر اسی قسم کی نقشیاں تیار کرنے پر بسا اوقات مجبور ہو جاتے ہیں، پس ایسی صورت میں ان کا یہ عمل شرعی حیثیت سے درست ہے یا نہیں ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں!

یہ بات ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس میں مور یا بطخ وغیرہ کی تصویروں کی تعظیم مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت فقط عام نقشیوں کی سی ہے،

نیز ہمیں اس کا بھی یقین ہے کہ تمام مسائل شرعیہ خاص خاص مصلحتوں پر مبنی ہیں اور ان میں مفاد عامہ کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، جواب سے جلد مشکور فرمائیں۔

فقط والسلام

الجواب : بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بکثرت ایسی صحیح، مرفوع حدیثیں بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی وغیرہ تمام معتبر و مستند

کتب احادیث میں مروی و منقول ہیں جن سے کسی جاندار چیز کی تصویر بنانے کی حرمت اور ممانعت ثابت ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تصویر بنانے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اور ان کے حق میں قیامت کے دن شدید عذاب میں مبتلا کئے جانے کی وعید سنائی ہے، اسی لئے علماء سلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسی تصویر بنانا بالکل حرام اور گناہ کبیرہ ہے، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانہ متوعد علیہ بھذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث وسواء صنعہ بما یمتھن او بغیرہ فصنعتہ حرام بکل حال لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالیٰ و سواء ما کان فی ثوب او بساط او درھم او دینار او فلس او اناء او حائط او غیرھا واما تصویر صورۃ الشجر ورحال الابل وغیر ذلک مما لیس فیہ صورۃ حیوان فلیس بحرام ...... ج ۲ ص ۱۹۹ -

جس مسلمان کے دل میں مواخذہ اخروی کے خوف سے حلال روزی ہی تلاش کرنے کی فکر ہوگی، اور اسی پر قناعت کر لینے کا ایمانی جذبہ موجود ہوگا، وہ کبھی نفس کے اس دھوکے میں مبتلا نہیں ہوگا کہ "اس قسم کی نقشوں کو بیوپاری زیادہ پسند کرتے ہیں، اور بازار میں ایسے کپڑوں کی بہت زیادہ مانگ ہے" یہ زیادتی کی ہوس "مجبوری" کی بات نہیں ہے بلکہ الھاکم التکاثر (کثرت حرص نے تم کو (یاد خدا سے) غافل کر دیا، ثنائی ترجمہ) کی مصداق ہے۔

سچ فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاتی علی الناس زمان لایبالی المرء ما اخذ منہ امن الحلال ام من الحرام (بخاری ج ۱ ص ۲۷۶) یعنی ایک زمانہ ایسا لوگوں پر آئے گا جس میں آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ جو مال اس نے حاصل کیا ہے یہ حلال (طریقہ) سے حاصل ہوا ہے یا حرام سے، اس کا مطمح نظر بس مال ہوگا خواہ جیسے بھی حاصل ہو۔

یہ بھی ایک باطل وسوسہ ہے کہ "اس میں مہر یا بطخ وغیرہ کی تصویروں کی تعظیم مقصود نہیں ہے" گویا سائل کا مقصد یہ ہے کہ اگر تعظیم مقصود ہوتی تو البتہ ان تصویروں کا بنانا ممنوع ہوتا، جب ایسا نہیں ہے تو یہ کام ناجائز نہ ہونا چاہیئے۔
لیکن یہ کہنا تو اس وقت صحیح ہوتا جب یہ ثابت کر دیا جاتا کہ حدیثوں میں جن تصویروں کے بنانے کی ممانعت وارد ہے وہ صرف وہی تصویریں ہیں جن کی تعظیم مقصود ہو، حالانکہ اس تخصیص کی کوئی دلیل شریعت میں موجود نہیں ہے، شریعت میں صرف ذی روح اور غیر ذی روح کی تصویروں کا فرق کیا گیا ہے، تعظیم مقصود ہو یا نہ ہو، اس کے لحاظ سے حدیث

یں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے،

یہ صحیح ہے کہ "مسائل شرعیہ مصلحتوں پر مبنی ہیں اور ان میں مفاد عامہ کا لحاظ رکھا گیا ہے"۔ لیکن اس کا فیصلہ
ون کرے کہ مصلحتوں کی رعایت اور مفاد عامہ کا لحاظ، ذی روح چیزوں کی تصویریں بنانے کی عام اجازت دینے
یں ہے؟ یا دین وایمان، اخلاق وکردار کو تباہ کرنے والے اس فتنے کو روکنے میں ہے؟ صلحائے امت، اتقیائے ملت
ند ماہرین اسرار شریعت کا خیال تو یہ ہے کہ انسانیت کی فلاح اس کے روکنے ہی میں ہے، اور اگر یہ دیکھ کر کہ بہت
سے لوگوں نے اس کو اپنا ذریعۂ معاش بنالیا ہے، اس لئے ان کے ذاتی مفاد کو "مفاد عامہ" قرار دے کر اس کام کے
جائز کا فتویٰ دینا چاہیئے، تو پھر کیوں نہ کہا جائے کہ :۔

(الف) بہت سی عورتوں نے عصمت فروشی کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا ہے اس لئے ان کے لحاظ سے "مفاد عامہ" کا تقاضہ
یہ ہے کہ اس کام کو جائز قرار دیا جائے۔

(ب) اسی طرح بہت سے لوگ گرہ کٹی کے ذریعہ روزی کماتے ہیں اور اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں، اسی لئے "مفاد
عامہ" کی رعایت اس میں ہے کہ اس کام کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا جائے۔

(ج) نیز بہت سے آدمیوں نے چوری، ڈاکہ زنی، فریب دہی کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا ہے تو ان کے لحاظ سے "مفاد عامہ"
کی رعایت چاہتی ہے کہ ان سب کاموں کو شرعاً جائز اور درست کہا جائے۔

الغرض ایسے بہت ناجائز کام ہیں جن کو لوگوں نے اپنا ذریعہ معاش بنالیا ہے، وہ سب سائل کی مذکورہ بالا
منطق کی رو سے جائز ہونے چاہئیں۔ ایسے "اجتہاد" سے اللہ کی پناہ۔

الحاصل مور، بطخ وغیرہ جاندار چیزوں کی تصویریں کپڑوں میں بننا اور اس کا کاروبار کرنا شرعاً جائز نہیں ہے
واللہ أعلم بالصواب۔

نذیر احمد رحمانی
جامعہ رحمانیہ، بنارس
۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ
۱۷ اگست ۱۹۶۳ء

ماہنامہ

شمارہ/۱۱ | نومبر ۱۹۹۳ء | جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ | جلد/۱۱

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے • فی پرچہ ۴ روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

۱۔ درسِ قرآن — مولانا اصغر علی سلفی — ۲

۲۔ درسِ حدیث — " " " — ۴

۳۔ افتتاحیہ — مدیر — ۶

۴۔ تحفظ شریعت کانفرنس کی تخریبی روش — مولانا اصغر علی سلفی — ۱۶

۵۔ طلاق ثلاثہ سے متعلق فتویٰ پر نامناسب ردِعمل — محمد ارشد سلفی، جامعہ سلفیہ — ۲۰

۶۔ طلاق ثلاثہ کی ناخوشگوار بحث • چند مراسلے — ۲۸

۷۔ نظم — پروفیسر حفیظ بنارسی — ۳۷

۸۔ رپورٹ سالانہ میٹنگ مجلسِ منتظمہ جامعہ سلفیہ بنارس — ۳۸

۹۔ جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے ایک لائق خادم کی رحلت — محفوظ الرحمٰن سلفی، جامعہ سلفیہ — ۴۰

۱۰۔ باچشم نم — مولانا محمد مستقیم سلفی — ۴۴

۱۱۔ باب الفتاویٰ — علامہ نذیر احمد رحمانی ؒ — ۴۶

درس قرآن　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا اصغر علی السلفی

شریعت عادلہ ازتکاب جرم کی متحمل نہیں

الطلاق مرتان فامساك بمعروف أو تسريح باحسان - الأية (۲۲۹)

رجعی طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی کے ساتھ روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

اسلام میں ازدواجی زندگی کی بڑی اہمیت ہے اسی لئے نکاح کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور بسا اوقات اس کو فرض قرار دیا گیا ہے اور ازدواجی زندگی کو سنوارنے بنانے اور اس کو حسن وخوبی چلانے کے لئے بہترین اصول، اچھے ضابطے اور قوانین داخلاق کے ربانی تعلیمات بتائے گئے ہیں جس کو بروئے کار لاکر ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور بابرکت بنایا جا سکتا ہے بعض ناگزیر حالات جس میں اس مقدس رشتہ کے اندر دراڑیں پڑنے لگتی ہیں اس کے خاتمے اور رفع خلاف کے لئے متعدد کارگر باتوں کی تلقین کی گئی ہے، مثلاً بیوی کی خوبیوں پر نظر رکھنا اور اس کی خامیوں سے چشم پوشی، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے اندر خیر کے پیدا ہو جانے کی امید و یقین رکھنا، پھر نصیحت کرنا، ناراض ہو کر بستر پر منھ پھیر لینا، اور بستر تبدیل کرنا، ہلکی سزا دینا، زوجین کی طرف سے بہی خواہ بزرگوں کی طرف سے مصالحت اور تلخی دور کرنے کی مخلصانہ سعی بلیغ کرنا، طلاق وجدائی کے بعد پیش آنے والے مشکل حالات اور پریشانیوں کا تصور کرنا، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے باوجود مباح ہونے کے مبغوض ہونا اور انسان کے ابدی دشمن شیطان کی خوشنودی کا سبب ہونا وغیرہ امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر بناؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئے اور میاں بیوی کے شکل میں دونوں کے باقی رہنے میں نقصان کا یقین ہو تو شوہر کو اجازت ہے کہ اپنی بیوی کو طہر کی حالت میں ایک طلاق دے اور تین ماہ تک اپنے گھر میں رہنے دے جس میں تھی۔ اس مدت میں دماغ ٹھیک ہونے کے بعد یا حالات میں سدھار اور طلاق کے بعد تلخ زندگی کے حقائق کو محسوس کرنے کے بعد اگر وہ رجوع کرنا چاہے تو کرے ورنہ تین ماہ کے بعد بیوی بائنہ ہو جائے گی دوبارہ نکاح جدید سے ہی اس کی زوجیت میں آسکتی ہے۔

پھر یہی حال دوسرے طلاق کے وقت بھی ہوگا یعنی عدت کے اندر رجوع کا حق صرف دو طلاقوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیا ہے

چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا قانون اور حد متعین کیا گیا ہے کہ دو رجعی طلاقوں کے بعد تم چاہو تو اپنی بیوی کو بھلائی اور اچھائی کے ساتھ رکھ لو یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دو۔ اب ایسی صورت میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی متعین کی ہوئی حدوں کو پامال کرتے ہوئے بیک وقت تین طلاق دیتا ہے تو وہ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے اس لئے ایسے ظالم کا عمل قبول نہیں مردود ہے۔ لہٰذا ایک طلاق ہی واقع ہوگی بقیہ کا شرعاً عمل نہ ہونے کی وجہ سے لغو اور رائیگاں ہو جائے گی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والے کو صاف طور پر فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کے کھلواڑ کرنے والا ہے اس کی بات کا اعتبار نہیں لیکن ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ اور اسی پر خیر القرون میں عمل تھا اور بعد کے محققین نے بھی اسے اپنایا ایسے لعاب اور لایعنی اور بکواس کرنے والے کے قول کا اتنا اعتبار ہو اور اس کو اتنی اہمیت دی جائے۔ اس کے ان دونوں لغویات کو حق مان کر یا باطل اور جرم مانتے ہوئے مظلوم عورت کے سر اسے منڈھ دیا جائے ظلم اور تعدی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں "بندر کی بلا طویلے کے سر" ہاں کسی کمبخت ناعاقبت اندیش پر تعزیزا ایسا کسی نے کر دیا تو اسے قانون الٰہی تصور نہ کیا جائے گا۔ یہ ایک قاضی، حاکم، اور ولی الامر کا اجتہادی فعل ہوگا۔ اس قسم کے لوگوں کے حق میں اور اگر ایسا نہیں کیا گیا اور حدود الٰہی سے تجاوز کرتے ہوئے تینوں کو تین مان کر بیوی الگ کر دی گئی تو پشیمانی کے بعد اللہ اور رسول اور مومنین کی جانب سے ملعون قرار دی گئی، حلالہ جیسی گندی اور حیا سوز حرکت کا ارتکاب کرنا ہوگا۔ جو حقیقت میں شیعوں کے متعہ سے صورۃً ومعنیً مشابہ ہے بلکہ اس سے بھی قبیح کہ اس کی قباحت بے دینی اور رفض کے نام پر ہے۔ اور یہ سراپا دین اور مذہب اسلام کے نام پر درحقیقت حلالہ عذاب ہے۔ اس گناہ کا جسے بیک وقت تین طلاق دینے کی اجازت اور اسے نافذ کرنے کے سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مقلدین جامدین پر مسلط کر رکھا ہے، اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والے کو اللہ کسی نہ کسی عذاب میں ضرور مبتلا کرتا ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حلالہ کرنے والے منگنی کے سانڈھ پر حد جاری فرمائے تھے، اور حلالہ جیسے فعل شنیع اور امر حرام کو زنا قرار دیا تھا۔ خلیفۂ رابع حضرت علیؓ بھی یہی کرتے تھے۔

درس میں مذکور آیت کے بعد کچھ احکام بیان ہوئے ہیں پھر بتلایا گیا ہے کہ اگر کبھی دو رجعی طلاقوں کے بعد شوہر رجوع کرلے اور پھر کبھی تیسری طلاق بھی دیدیتا ہے تو اس کی بیوی اس کے لئے جائز نہ ہوگی، تاآنکہ اس کا شرعی نکاح کسی دوسرے شوہر سے ہو جائے اور اس شوہر سے بھی مذکورہ عام کوششوں کے بعد نباہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق واقع ہو جائے تو عدت کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہو سکتا ہے۔

...

درسِ حدیث

مولانا اصغر علی السلفی

حیلہ سازی و مکربازی شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں

عن أم سلمة رضی اللہ عنہا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنہ سمع خصومۃ بباب حجرتہ فخرج إلیہ فقال: إنما أنا بشر وانہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم أن یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ صادق فاقضی لہ بذلك، فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار۔ (الحدیث)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے دروازے پر جھگڑا اور تکرار ہوتے سنا آپ ان کی طرف فیصلہ کے لئے نکلے اور فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں اور میرے پاس فیصل کے لئے جھگڑنے والے آتے ہیں اور شاید بعض اپنے مخالف سے زیادہ بلیغ اور اپنے مدعا کو بہتر طور پر پیش کرنے والا ہوتا ہے جس سے میں سمجھتا ہوں کہ وہی سچا ہے چنانچہ اسی کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیتا ہوں (اور وہ خوب جانتا ہے کہ وہ اس کا حقدار نہیں صرف اس کی چرب زبانی کی وجہ سے اس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے) تو میں جس شخص کو اس کے بھائی کا حق دیدوں تو وہ اس کے حق میں جہنم کا ایک ٹکڑا ہے یا تو اسے لے کر جہنمی ہوجائے یا چھوڑ کر اعتراف حق کرے۔

اس حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی چیزیں انسانوں کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے بیان فرمایا ہے جو شخص صاحبِ قدرت اور اُولی الامر میں سے ہو اسے کسی بھی نزاع کے فیصل کے لئے فوراً کوشش کرنی چاہئے، اس حدیث اور فیصلہ سے قبل فریقین کو سچائی کی نصیحت کرنی چاہیئے۔ خاص طور پر اس دنیا زمانی میں حق بات ہی کہنے کی تلقین اور غلط بات کے ذریعے دوسروں کی حق تلفی کی سزا اور اس پر وعید کا ذکر بھی ہونا چاہیئے، اس حدیث میں ان لوگوں کی سخت تردید ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہیں مانتے کوئی اور مخلوق مانتے ہیں حالانکہ آپ ہی افضل البشر ہیں، اس میں ان لوگوں پر بھی رد شدید ہے جو کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ اور غیب کی ہر بات آپ کو معلوم تھی اور ان لوگوں کی بد عقیدگی بھی اس حدیث کی روشنی میں ظاہر ہوتی ہے جو بزرگ پرست ہیں، اور اپنے بزرگوں کے حق میں ایسے ایسے من گھڑت قصے سنا کر ان کی فضیلت و کرامت ثابت کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بزرگ جھگڑنے والوں

اور اپنے پاس آنے والے متابعین و مریدین کے احوال ان کے بیان کرنے سے پہلے بیان کر دیتے ہیں اور دل کا چور بھانپ لیتے ہیں۔ اس قسم کے قصے تصوف پرستوں کے یہاں بہت زیادہ ہیں۔ یہ قصے شرکیات و خرافات کے ڈھیر ہیں اور عقیدہ کے لئے میٹھا و نشیلہ زہر ہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان اپنے حق و ناحق ہونے کے بارے میں اکثر جانتا ہے کہ وہ صحیح حقدار ہے یا نہیں اس لئے صرف فیصلہ کی بنیاد پر وہ حاکم کے فیصلہ کر دینے سے اصل حقدار نہیں ہو جائے گا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے کسی کے حق میں فیصلہ فرما دیں اور وہ جانتا ہے کہ میں اس کا اصل مستحق نہیں ہوں تو وہ اس کے لئے سخت حرام ہے اور ان لوگوں کے عذاب کا کیا حال ہوگا جو دوسروں کے حق مارنے اور غلط ثابت کرنے کے لئے رشوت دیتے ہیں اور مختلف تحریفات اور فتنوں اور دروغ گوئیوں کے ذریعے اپنے کیس کو بنانے کی کوشش کرتے ہیں، نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم فریقین کی باتیں اور گواہی سن کر اس کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا مکلف ہے اصل حال اللہ تعالی کو معلوم ہے اور بسا اوقات صاحب امر کو اس لئے حاکم و قاضی کو اس کے اجتہاد اور فیصلے کا ثواب ملے گا غلط فیصلہ صادر ہونے کے باوجود، اور فیصلہ درست نکلا تو دہرے ثواب کا مستحق ہے، لیکن اس کی بنیاد پر جس کے حق میں فیصلہ ہوا اسے اس کے لئے وہ مال یا بات وہ چیز حرام ہی ہوگی جب کہ وہ جانتا ہو کہ حقیقت میں اس نے غلط بیانی اور جھوٹے گواہوں کے ذریعے یہ مقدمہ جیتا ہے اور اصحاب الحیل نے مکر و حیلہ کے ذریعے اللہ تعالی کی حرام کی ہوئی چیزوں کو جائز کرتے ہوئے کہا کہ اگر کسی نے کسی کی بہن، بیٹی یا ماں پر غلط دعوی کر دیا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس پر دو جھوٹے گواہ بھی کھڑا کر دیئے اور قاضی صاحب اس کی بنیاد پر اس عورت کو اس کی بیوی قرار دیدیں تو عورت انکار کے باوجود اس کی بیوی ہو جائے گی، البتہ مال کے سلسلے میں ان لوگوں میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ مال کے بارے میں اگر فیصلہ ہوا تو جائز نہ ہوگا، ان کے نزدیک مال زیادہ محبوب اور اہمیت کا حامل ہے۔ عزت و ناموس کے مقابلے میں۔ ان اصحاب رائے نے دوسری جگہ بھی شریعت میں نقب زنی کی، چنانچہ ان کا یہی مکر و حیلہ اسقاط زکوٰۃ کے سلسلے میں بھی ہے۔ اللہ تعالی نے ابلیس اور پہلی قوموں پر حیلہ و مکر کے وجہ سے عذاب مسلط کیا تھا۔ اور ان کو ملعون قرار دیا، شہادت زور عظیم ترین گناہ ہے مگر وہ بھی یہاں مرغوب شی ٹھہرا، شریعت اسلامیہ نے عورت کے حقوق اور اس کے مفادات کے تحفظ کے لئے نکاح میں ولی کا ہونا شرط قرار دیا ہے کہ وہ اپنے دور رس نگاہوں اور طویل تجربوں کی روشنی میں اس ابدی رشتہ کے لئے بہتر شخص کے سلسلہ میں فیصلہ کرے تو یہ حق بھی عورت کی خود مختاری کے نام پر سلب کر لیا گیا۔ لیکن لگے ہاتھوں یہ حق بھی غصب کر کے لچوں لفنگوں اور قصاہ کے نذر کر دیا گیا۔ ...

افتتاحیہ

توجہ کا مرکز طلاقِ ثلاثہ یا اہم مسائل؟

سنت وشریعت محمدیہ کی اشاعت وتحفظ اور امت محمدیہ کی اجتماعیت واتحاد کا لحاظ جماعت اہل الحدیث کا اس وقت سے منہج ومشن ہے، جب ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے منسوب تقلیدی مذاہب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور آج بھی اس جماعت کا یہی منہج ہے اور قیامت تک رہے گا ان شاء اللہ، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ امت محمدیہ خیر امت ہے ہی اس بنا پر کہ وہ تمام بنی آدم کو سنت وشریعت محمدیہ کے معروف کا حکم دیتی اور منکرات سے روکتی ہے، اگر وہ اس فریضہ کی ادائگی سے غافل ہو جائے تو خیر امت نہیں، جماعت اہل حدیث کے اس مقام ومنصب سے متعلق جن حضرات کو کچھ شک وشبہ ہو انھیں دور رسالت اور دور صحابہؓ وتابعینؒ سے لے کر آج تک صحابہ وتابعین کے منہج وطریق کے مطابق سنت وشریعت کی اشاعت وتحفظ کرنے والے لاکھوں کروڑوں مجاہدین واتقیاء وابرار کی تاریخ پڑھنی چاہئے یہی اہل الحدیث اور سلفی ہیں جو قرآن وسنن رسولؐ اور منہج اصحابؓ رسول وتابعین وتبع تابعین کو دینِ اسلام اور اس کی تنفیذ کا پاکیزہ ترین سرچشمہ گردانتے ہیں، اور قیامت تک آنے والے تمام ادوار اور ان کے ائمہ ومشایخ کے لئے اسے اسلام کا آئیڈیل زمانہ قرار دیتے ہیں۔

پچھلے مہینوں میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ جب دینی مدرسوں اور دار الافتاؤں کی حدود پھاند کر بھارت بلکہ دنیا کے عام انسانی معاشرہ کے لئے موضوع سخن بن گیا تو اس سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرنے والے مسلمانوں کے طبقہ میں جو احناف اور حنفی کہلاتے ہیں، اور اہل السنۃ والجماعۃ میں شمار ہوتے ہیں بڑی بوکھلاہٹ اور غم وغصہ کی لہر پیدا ہو گئی جس کی متعدد وجہات ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے امام مقلد کی طرف جو مذہب معروف طور پر منسوب ہے یعنی ایک وقت کی تین طلاق تین بائنہ مانی جائے گی غالباً بھارت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اہل حدیث کے علاوہ عام انسانوں کی اتنی بڑی تعداد نے اسے مسلمان عورت کے لئے زیادتی اور ظلم قرار دے دیا کہ حلقہ احناف کے

کثرت تعداد کے غرور نے انہیں بوکھلاہٹ اور غم و غصہ میں مبتلا کر دیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں مسلک اہل حدیث کو بہت سے مسلمان علماء و فضلاء نیز دوسرے پڑھے لکھے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے سب سے بہتر اور مسلمان عورتوں کے لئے عین انصاف قرار دے دیا، اور یہ امر مقلدین احناف کے لئے اس حد تک ناگوار ہے کہ وہ سنی ہوتے ہوئے فقہ جعفری کی اشاعت کی بات کر سکتے ہیں لیکن فقہ الحدیث کے ذکر سے ان کو لرزہ اور غصہ آتا ہے، جب کہ احناف جن روایتوں سے اپنے مذہب کی تقویت کے لئے استدلال کرتے ہیں ان کا ضعیف ہونا علماء محققین کے یہاں ثابت شدہ امر ہے، اور اہل الحدیث نے جن حدیثوں پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے، وہ ثابت اور اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں پھر حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں پھر حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت کے دو یا تین سالوں میں ایک وقت کی تین طلاق ایک طلاق رجعی مانی جاتی تھی، حضرت عمرؓ نے تین طلاق کو تین ازراہ مصلحت و اجتہاد قرار دیا تھا جس کے ساتھ وہ کوڑے بھی لگواتے تھے، نیز بعد میں اس سے حضرت عمرؓ کا رجوع کر لینا بھی ثابت ہے، لیکن تقلید کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے کہ امام کے قول کے آگے امام الانبیاء والرسل خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت و صحیح حدیثوں کو بھی مقلدین رد کر دیا کرتے ہیں، منہج اعتقاد و عمل کا یہی وہ نقطہ ہے جہاں احناف و مقلدین اہل الحدیث کی روشن اور سیدھی شاہراہ سے کترا کر اوبڑ کھابڑ پگڈنڈیوں پر چلنا شروع کر دیتے ہیں، اور اپنے ساتھ خلقت کی ایک بڑی تعداد کو بھی پریشان کرتے ہیں، احناف کی بوکھلاہٹ اور غم و غصہ کی ایک تیسری وجہ بھی ہے کہ اس مسئلہ کے ساتھ جماعت اہل حدیث کا نام، کام اور مقام مدرسوں اور دارالافتاؤں کی چہار دیواری سے نکل کر عام اہل بھارت کے سامنے کسی حد تک نمایاں ہو گیا ہے، لوگ جماعت اہل حدیث کی تاریخ، اس کے رجال، اس کے کارناموں، اس کے منہج اعتقاد و عمل اور اس کی دعوت کو جاننے کی طرف راغب ہو رہے ہیں، ظاہر ہے کتاب و سنت کی دعوت کو تمام بنی آدم تک پہونچانے کے لئے انسانوں کی یہ رغبت جماعت کے لئے جہاں نیک فال ہے وہیں دعوت اسلامی اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائگی کے لئے کامل تیاری اور اس راہ میں استقلال کی عظیم قوت بھی درکار ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جماعت اہل حدیث نے جس طرح ہر دور میں پورے عزم و استقلال اور ایمانی بصیرت و جرأت کے ساتھ سنت کی اشاعت و تحفظ میں اپنا تاریخی کردار ادا کیا ہے، اس موقعہ پر بھی یقیناً وہ اپنا فریضہ ادا کرے گی اور ہر دور میں جس طرح اس نے مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتحاد کا لحاظ کیا ہے آج بھی وہ اس کی رعایت اور

تحفظ کرے گی مگر قرآن وسنت اور اعتقاد وعمل میں منہج سلف صالحین کی قیمت پر نہیں بلکہ ان کی اتباع کرتے ہوئے اور ان کی اتباع کی برملا دعوت دیتے ہوئے، طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کے نمایاں ہوجانے کے ساتھ اگر جماعت اہل حدیث بھی نمایاں ہوگئی تو اس سے احناف برادری کو اپنے تشخص اور مفادات کے لئے تشویش کا کیا وجہ ہے اور بوکھلاہٹ اور غم وغصہ کیوں ہے، یقین رکھنا چاہئے اور اطمینان بھی کہ جماعت اہل حدیث جس تشخص کے لئے ہر دور میں کوشاں رہا کی ہے اسی کے لئے کوشاں رہے گی یعنی سنت وشریعت محمدیہ کا تشخص، سرزمین وطن پر اعلاء کلمۃ اللہ اور دنیا کی متاع قلیل کی جگہ برادران وطن کو آخرت کی دائمی نعمتوں اور اللہ کی رضا کے حصول کی ترغیب۔

ہندوستان میں امت مسلمہ جس صورت حال سے دوچار ہے یقینا وہ بہت نازک اور ابتلاء انگیز ہے، ملک کو تقسیم کرنے والوں نے اسے متعدد ٹکڑوں میں بانٹا، لیکن بھارتی مسلمانوں کے لئے مصائب کا بند ٹوٹ پڑا، نصف صدی ہونے کو آرہی ہے وہ مسلسل پیچھے ہی ڈھکیلے جارہے ہیں، وسائل حیات سے محرومی اپنی جگہ تھی ہی کہ بابری مسجد کی ظالمانہ مسماری کے ذریعہ انھیں رنج والم کے تاریک غار میں ڈھکیل دیا گیا پھر ساتھ ہی بھیانک فسادات کے ذریعہ انھیں غم بالائے غم کا مزہ چکھایا گیا، اس عظیم سانحہ سے مسلمانوں میں اجتماعیت کی ایک لہر اٹھی، مگر مختلف سطحوں پر رونما ہونے والے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم معاشرہ کی روز بروز بڑھتی ہوئی پراگندگی اور شخصی، گروہی، اور ذات برادری کے تشخص اور مفادات کے تحفظ کی کشمکش مسلم معاشرہ میں باہمی نزاع کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، جس سے اجتماعیت کی اس لہر کے تحلیل ہوجانے کے شدید اندیشے پیدا ہورہے ہیں، مسلمانوں میں اجتماعیت کی سب سے مضبوط بنیاد سنت وشریعت محمدیہ پر عمل ہے، مگر مسلمانوں میں سنت وشریعت سے دوری برابر بڑھتی جارہی ہے، نئی نسلیں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی پابندی سے دور ہورہی ہیں، اور ان کے مسائل سے واقفیت کم سے کم تر ہورہی ہے، ٹی، وی اور ڈش انٹینا مسلم معاشرہ سے اس کی اسلامیت کا ایک ایک رنگ مرتج کرنئی نسلوں میں بے حیائی، عریانیت، فحاشی، زنا اور تمام منکرات کا سیلاب لارہے ہیں، منشیات نوجوانوں تباہی کے راستہ پر لے جارہی ہیں، علماء، ائمہ اور مشائخ کا احترام اور ان سے عقیدت بڑھتے بڑھتے غلو کی آخری حدوں کو پار کرکے انھیں امام معصوم کے درجے تک پہونچا چکی ہے، توسل اور وسیلہ کے عقیدہ میں فساد، انحراف اور لو بیز بت پرستی کے سارے مراسم کو اسلامی رنگ دے کر مزار پرستی اور پیر پرستی کو ایک مستقل شریعت بناڈالا گیا ہے، یہاں تک کہ امام الانبیاء کی سنت وشریعت کی جگہ کروڑوں مسلمانوں کو یہ باور کرایا جاچکا ہے کہ مزار پرستی اور ائمہ پرستی

ہی اصل شریعت محمدیہ ہے، اعاذنا اللہ من ذلک۔ اشعریت، ماتریدیت اور جہمیت واعتزال کے جراثیم اور وحدت الوجود و وحدت الشہود کے خالص عجمی ملحدانہ اعتقادات و نظریات نے اسلام اور سلف صالحین کے سیدھے سادے اعتقادات کے پھلنے پھولنے کے مواقع ختم کر رکھے ہیں، نہ معلوم کتنے فاروق عبداللہ اور جعفر شریف ہندو مذہب پر ایمان کا اقرار کرتے ہوئے بتوں کا درشن کر رہے ہیں، اس لئے کہ وحدۃ الوجود کا کا فرانہ عقیدہ صدیوں سے مسلمانوں کو یہی سبق پڑھاتا آرہا ہے ؎

گہ معتکفِ دیر گہے ساکن مسجد
شاید کہ بہ بینم رخِ لیلیٰ بہ بہانہ

بیع و شراء میں اسلام کی پابندی کی جگہ سود و قمار لے رہا ہے، سنت محمدیہ میں کفو کا معیار دین ہے لیکن اس کی بجائے مصنوعی فقہی معیارات کفو نے مسلم معاشرہ کو ہندو معاشرہ سے زیادہ بدتر اور قبیح صورت میں اونچ نیچ کے اندر مبتلا کر رکھا ہے، اور یہ صورت حال مسلمانوں میں اتحاد اور اجتماعیت کی دشمن ہے، بلکہ کتنی مسلم لڑکیاں اسی سبب سے ہندو لڑکوں سے شادی کر لیتی ہیں، بابری مسجد کے نام پر کتنے قائدین باتمکین نے ملی و دینی غیرت کو ٹھوکر مارتے ہوئے لاکھوں کی رقمیں ان بدترین ہاتھوں سے کھائی ہیں جو آگے چل کر بابری مسجد کو مسمار کرانے میں شریک ہوئے، اور آج جب کہ مسجد کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر کہیں اور بنانے کے لئے حکومت وقت کو کچھ ٹرسٹیوں کی ضرورت ہے تو سگ صفت لوگوں کی ٹولیاں دُم ہلاتے ہوئے اس کے دروازے کا چکر کاٹ رہی ہیں، نمازوں کی امامت کا منصب خالص دینی اور نہایت درجہ معزز اور عالی شان ہے، اتنا عالی شان کہ اس کے لئے مسلمانوں سے بھی اُجرت لینا محل نظر اور مختلف فیہ ہے مگر مسلمانوں کی اس دینی اور اجتماعی بے غیرتی کو کیا کہیے کہ باضابطہ تنظیم بنا کر اور ملت سے منہ موڑ کر اتنے عظیم منصب، خالص دینی اور تعبدی عمل کی اجرت غیر مسلموں سے طلب کر رہے ہیں، اس طرح کے ایک دو مسائل نہیں بلکہ پوری شریعت مصطفویہ زیر و زبر کی جا رہی ہے، یہاں میں ایک بات اور عرض کر دوں کہ بھارت میں یہ سب کچھ کرنے والے تقریباً سب ہی احناف مقلدین ہیں، گو وہ سب دیوبندی حنفی نہیں ہیں، مسلم معاشرہ کے حد درجہ انتشار کی یہی وہ نوعیت و کیفیت تھی جس نے تاتاریوں کو عالم اسلام اور بغداد کو تباہ و برباد کرنے کی دعوت دی تھی خود ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد اب دینی اعتبار سے ان کے تشخص اور انفرادیت کو بالکل ختم کر دینے کے لئے رہ رہ کر جو قیامت خیز طوفان اٹھتے رہتے ہیں ان کا داعی بھی مسلم معاشرہ کا یہی

انتشار ہے مگر افسوس اس کا ہے کہ بھارتی حنفیت اور تقلید اتنی محرومیوں اور انتشار و افتراق کے باوجود یہ ماننے کے لئے آمادہ نہیں کہ سارا جرم سنت و شریعت محمدیہ سے دوری ہے، اور امت محمدیہ ھندکی سعادت اور سربلندی سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے منہج اعتقاد و عمل کی ٹھیک ٹھیک پیروی میں ہے۔

ہمیں حیرت ہے کہ طلاق ثلاثہ سے متعلق جماعت اہل حدیث کے روشن موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے اخبار دعوت نے بھی ایک مراسلہ کے ذریعہ جماعت پر پسپائی کا الزام لگا دیا، ہمیں یقین ہے کہ یہ اخبار، اس کا حلقہ اور اس کے مراسلہ نگار اگر اسلام کی اس اصل شکل وصورت سے آگاہ ہوتے جیسے دور رسالت سے لے کر دور تبع تابعین تک پیش کیا گیا ہے تو طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ہو یا کوئی اور مسئلہ انھیں اس کی روشن بصیرت ہوتی کہ اس کے بعد جو تقلیدی مذاہب کا دور آتا ہے وہی دراصل پسپائی کا دور ہے، اور تقلید و پسپائی دونوں مترادف الفاظ ہیں، اور ہندستان میں خود طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں اہل الحدیث نے نہیں بلکہ خود جماعت اسلامی اور عام احناف نے پسپائی کا جو مظاہرہ کیا ہے اس کی ایک تصویر بنظر عبرت دیکھئے، ۱۹۷۳ء کے احمد آباد سیمینار میں احناف اہل الحدیث اور جماعت اسلامی وغیرہ کے چیدہ علماء کا جو مشترکہ بیان شائع ہوا تھا کہ اگر کسی طلاق دینے والے کی نیت تین طلاق سے ایک ہی ہو تو اسے ایک ہی طلاق تسلیم کیا جائے گا، اہل حدیث حلقہ میں اس فیصلہ کو اس لئے بنظر استحسان دیکھا گیا کہ اصل سنت صحیحہ محمدیہ سے کچھ تو قریب ہوئے، دراصل امت محمدیہ کا اصل تقدم و ازدھار یہی ہے کہ وہ پلٹ کر خیر القرون اور سلف صالحین کے دور میں پہونچ جائے، مگر اس بار طلاق ثلاثہ کا مسئلہ اس زور شور سے جب اٹھا تو جماعت اسلامی پسپا ہو کر حنفیت کے خول میں دبک گئی جب کہ سنت و شریعت محمدیہ کی دعوت اور اتباع کا تقاضا تھا کہ جماعت اسلامی اس پر باضابطہ بیان دیتی اور مسلم پرسنل لا بورڈ اور جمعیۃ العلماء کو آواز دیتی کہ وہ حنفیت اور تقلید کے بوسیدہ آہنی خول سے باہر آکر صحیح سنت کی اتباع کی طرف قدم بڑھائیں اور کم از کم دونوں پلیٹ فارموں سے احمد آباد کے مشترکہ اعلان کی تائید میں بیان جاری کرواتی، مگر اس قضیہ میں جماعت اہل حدیث پر پسپائی کا الزام لگانے والی جماعت آگے بڑھ کر کچھ نہ کر سکی، اور جمعیۃ العلماء نے اپنی پریس کانفرنس میں بغیر کسی استثناء کے ایک وقت کی تین طلاقوں کے تین واقع ہو جانے کا بیان اور فتویٰ جاری کر دیا اور نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ جماعت اہل حدیث پر مسلمانوں میں انتشار پھیلانے اور دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کا الزام بھی عاید کر دیا، یہ پریس کانفرنس تقلیدی پسپائی کی بدترین علامت ہے، اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے اور دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی راہ

میں بھارتی حنفیت نے کون سی کسر باقی رکھی ہے جس کی تکمیل کے لئے جماعت اہل حدیث اپنے ہاتھوں کو گندا کرے گی اور مسلم پرسنل لا بورڈ کا رویہ اس قضیہ سے متعلق اس سے کم افسوسناک نہیں ہے، اس حیثیت سے کہ یہ بورڈ مسلمانوں کے مختلف مذاہب ومسالک کا نمائندہ ادارہ ہے، طلاق ثلاثہ کے قضیہ میں اس کے لئے یہ کم سلامتی کی راہ نہیں تھی کہ احمد آباد سیمینار کے مشترکہ اعلامیہ کی تائید میں باقاعدہ بیان جاری کرتا، لیکن بورڈ نے طویل سکوت کے بعد اس مسئلہ میں جب کچھ حرکت شروع کی تو وہ حنفیت کے تحفظ ودفاع کے لئے تھی نہ کہ صحیح وثابت سنت رسول کے لئے، خبروں سے معلوم ہوا کہ بورڈ کی ذمہ دار ترین شخصیتوں نے جمعیۃ اہل حدیث کے موجودہ ذمہ داروں سے قومی پریس کے خلاف بیان دینے پر زور ڈالا جو اگرچہ غیر ضروری تھا لیکن مسلم اجتماعیت کے لحاظ میں جمعیۃ کے ذمہ داروں نے بیان شائع کرایا جس میں طلاق ثلاثہ سے متعلق جماعت اہل حدیث کے موقف کو واضح طور پر پھر سے دہرایا گیا تھا، اس کے بعد بورڈ نے ایک بیان تیار کیا جس میں تحریر تھا کہ ایک وقت کی تین طلاق تین ہی مانی جائے گی اور اسے جمعیۃ اہل حدیث کے موجودہ امیر کے پاس دستخط کے لئے پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، اس خبر کی تصدیق جمعیۃ کے دفتر سے کرائی گئی ہے کہ بورڈ کا جو بیان پریس نے شائع کیا ہے اور جس پر موجودہ امیر جمعیۃ اہل الحدیث کا دستخط ہے اس میں وہ جملہ مذکور نہیں ہے کہ ایک وقت کی تین طلاق تین ہی مانی جائے گی، اس سے حنفیت کے تحفظ ودفاع کے لئے بورڈ کی جانب دارانہ کارروائیوں کی کھلی تصویر سامنے آتی ہے، ساتھ ہی یہ روش مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتحاد کے لئے بھی بڑی مضر ہے کیونکہ مسلمانوں کا حقیقی اتحاد صحیح وثابت سنت وشریعت کی اتباع ہی میں ہے جس کی نمائندگی اور اثبات سے بورڈ قاصر اور پسپا رہا، ساتھ ہی یہ کارروائیاں اس وقت دجل وفریب اور تلبیس کی صورت میں سامنے آتی ہیں جو ایسے ذمہ دار دینی وشرعی ادارے کے ہرگز شایان شان نہیں جب بنارس کے اردو روزنامہ قومی مورچہ نے ۱۳؍ستمبر کے ایڈیٹوریل میں بورڈ کی میٹنگ کی رپورٹ کے کچھ حوالے اور ان پر اپنا تبصرہ شائع کیا جس میں تحریر تھا کہ "بورڈ کی میٹنگ میں شامل علماء نے بڑے دوٹوک لفظوں میں کہا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں دینا اسلامی شریعت کی رو سے مجرمانہ حرکت ہے، لیکن بہرحال اگر کوئی اس طرح تین طلاقیں دیتا ہے تو شریعت اسے تین طلاق ہی مانتی ہے اگرچہ غیر شرعی عمل قرار دیتی ہے، اس بیان کے جاری کرنے والوں میں بورڈ کے صدر حضرت مولانا علی میاں اور جنرل سکریٹری قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے علاوہ اور بہت سے علماء کے نام بھی شامل ہیں جن میں جماعت اہل حدیث کے بھی کئی ممتاز علماء شامل ہیں، مثلاً مولانا مختار احمد ندوی"۔ غور فرمائیے کیا مسلمانوں کے مختلف گروہوں

یں اجتماعیت اور اتحاد پیدا کرنے کی عملی کردار اور علم بردار شخصیات اور اداروں کا کردار اسی طرح کے مکروفریب
پر مبنی ہونا چاہیئے یا انھیں اسوۂ نبوی کی اتباع کی راہ اختیار کرنی چاہیئے جو کہ مسلمانوں کو جوڑنے کی راہ ہے نہ کہ توڑنے
کی ، ان سطور کی تحریر کے وقت اتفاق سے طلاق ثلاثہ کے متعلق لکھنؤ سے ایک حنفی مسلمان فتویٰ لینے کے لئے جامعہ سلفیہ
نارس کے دارالافتاء میں آیا ، افتاء کے ذمہ داروں نے اس مسلمان سے کہا کہ لکھنؤ میں تو احناف کی نگرانی میں چلنے
الا بہت بڑا ادارہ ہے جس کے سرپرست مسلم پرسنل بورڈ کے صدر ہیں وہاں سے فتویٰ نہیں لیا ، اس شخص نے کہا :
ہاں سے مایوس ہو کر آیا ہوں وہ لوگ حلالہ کرانے کے لئے کہتے ہیں ، صحیح سنت سے اعراض اور حنفیت کے لئے جمود اور
سپائی کے اس شرمناک رویہ کے مقابل اس قضیہ سے متعلق ممتاز حنفی عالم مولانا اخلاق حسین قاسمی کا موقف بڑا قابل
در ہے ، اور بنارس کے اردو روزنامہ قومی مورچہ کی ۲۸ جولائی کی اشاعت میں طبع ان کے مضمون سے اندازہ ہوتا
ہے کہ واقعتاً گروہی تشخص اور گروہی مفادات سے دامن کش ہو کر وہ اسلام کا تشخص اور اس کی سربلندی چاہتے
یں ، مولانا نے لکھا ہے کہ اگر مذہبی قیادت اسلام کی فطری توسیع پسندی کا لحاظ رکھے اور فرقہ بندی کے تعصبات
کو پس پشت ڈال دے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلم خواتین کے لئے کوئی دشواری پیدا ہو ، علماء احناف نے کئی مسئلوں میں پریشانی
ور اضطرار کے تحت فقہاء کے اختلاف کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا ہے ، انہوں نے اپنا ایک تازہ واقعہ نقل کیا ہے
۔ ایک سرکاری ملازم نے اپنی تین بچوں والی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں ، لڑکی والوں نے پریشان ہو کر دفعہ ۱۲۵
ہوا دکھایا اور تاحیات نان نفقہ کا مطالبہ کیا ، سرکاری حلقوں کا رجحان لڑکی کی طرف تھا ، طلاق دینے والے کو
پی نوکری بھی خطرہ میں محسوس ہوئی ، وہ میرے پاس آئے بیوی ، بچے ، روزی روٹی سب کے چلے جانے کا خطرہ پیدا
ہو گیا ، میں نے انھیں مسئلہ کی اونچ نیچ سمجھا کر مدرسہ ریاض العلوم اردو بازار دلی ۔ اہل حدیث مدرسہ ہے ۔ جانے
پر رضامند کر لیا اور وہاں جا کر ان کی جان میں جان آئی ، مولانا نے مزید لکھا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم مادہ پرستی
کے اس غلبہ میں رخصت اور حیلہ کی گنجائشوں پر چل رہے ہیں ، پھر ہمارے عوام عزیمت واستقامت کی راہوں پر
چل کر اسلاف کرام کی کرامتیں کس طرح دکھا سکتے ہیں ؟ مولانا نے لکھا ہے کہ حضرت عمر تین طلاقیں تین کے فیصلہ کے
ساتھ طلاق دینے والے پر سزا بھی جاری کرتے تھے ، حضرت عمر کے ہاتھوں دُرّوں کی سزا پانے کے بعد کون تین طلاق دینے
کی جرأت کر سکتا تھا ، دو چار واقعے اس جلد بازی کے پیش آگئے ہوں گے اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا ہو گا ۔ اس وقت
تعزیری فیصلہ مصلحت کے مطابق تھا اور وہ کامیاب ہوا ، لیکن آج یہ ملت تعزیری قوت سے محروم ہے اس لئے اخلاقی

رخصت سے کام لینا ہی قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت رجوع کرلنے اور اس خاندان کو بربادی سے بچانے کی ضرورت واضح ہوتی ہے، اس کی تائید میں مولانا نے علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے واقعات کا تذکرہ بھی کیا ہے، مولانا نے مزید لکھا ہے کہ آج کے ماحول میں کسی حلقہ کے علماء کو کسی ایک فقہی نقطۂ نظر پر مسلمانوں کو جمع کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے، یہ اختیار امیر اسلامی کو حاصل ہے، ہندوستان تو ایک سیکولر ملک ہے، پاکستان کی پڑوسی مسلم حکومت اپنے قائدین مذہب کو ایک مکتب فکر پر متفق کرنے کی جرأت نہیں رکھتی، مولانا نے لکھا ہے کہ اخبارات کی ادھم بازی کو زیادہ اہمیت دینے اور اس سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں، اگر کسی اچھے پہلو کی طرف قومی پریس توجہ دلاتا ہے تو ہمیں اس سے عار محسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر ہم چھوئی موئی کا پودا کیوں بن گئے ہیں، مولانا نے مزید لکھا ہے کہ تین طلاق ایک کے سلسلہ میں اس پس منظر کو سامنے رکھنا ضروری ہے، جو اس مسئلہ کے بڑے محقق امام ابن تیمیہ حرانی کے عہد میں تھا، امام کے عہد ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاری حادثہ کی قیامت خیز ہلاکت واقع ہورہی تھی، اور امام محترم نے اس دور کے بیرونی اور اندرونی حوادث کا ایک مجاہد کی طرح مقابلہ کیا تھا، قید وبند کی تکلیفیں اٹھائی تھیں، باہر کے مصائب کے ساتھ مسلم معاشرہ اندرونی خلفشار سے دوچار تھا، جو صورت آج درپیش ہے، امام قوم نے اندرونی الجھنوں سے ملت کو نجات دلانے کی غرض سے تین طلاق ایک کی سنت نبوی کو ترجیح دی جو حضرت رکانہؓ کے واقعہ میں نظر آتی ہے، امام محترم نے مسلمانوں کو شفاعت اور وسیلہ جیسے مسائل میں حقیقت پسندی کی راہ دکھائی اور ختم شریف اور بزرگوں کی دعاؤں کے سہارے جینے کی عادت سے چھٹکارا دلایا کیونکہ ان کاموں میں بہت غلو پیدا ہوگیا تھا۔" مولانا کی یہ تحریر حنفیت اور اس کی تقلید کے لئے جمود، پسپائی اور جانبداری اختیار کرلینے والے مسلم پرسنل بورڈ، اور بوکھلاہٹ میں حنفیت کے دفاع و تحفظ کے لئے پریس کانفرنس کرڈالنے والی امیر الہند کی جمعیۃ العلماء نیز وقتاً فوقتاً جماعت اہل حدیث کے خلاف دل آزار تحریریں شائع کرنے والے حنفی تقلیدی اداروں کو آئینہ دکھاتی ہے، حنفی علماء کی تحریروں میں عموماً تقلیدی جمود اور پسپائی موجود ہوتی ہے، اور اس تعصب اور تصلب نے ان سے اس حد تک نور بصیرت سلب کرلیا ہے کہ انھیں صحیح سنت رسول کی سچی طلب مفقود معلوم ہوتی ہے، انہوں نے تقلیدی روش ہی کو اصل شریعت محمدیہ سمجھ رکھا ہے، ان علماء کی شائع ہونے والی تحریروں میں ایک بات قدر مشترک کے طور پر ادا موجود رہتی ہے کہ اہل حدیث مسلک پر عمل کرنے والوں کی تعداد بہت قلیل ہے، یہ بات کہنے والے اگر سکولر سیاسی لیڈر ہوں تو سیاسی مفادات کے

عوام کے لئے اس کی گنجائش سمجھی جاتی ہے، لیکن یہ لب ولہجہ علماء کے شایان شان نہیں، علماء کو یہ بات اچھی
طرح جاننی چاہیئے کہ حق اور باطل کے معاملہ میں اسلام میں تعداد کی قلت وکثرت کا کوئی معیار وپیمانہ نہیں ہے،
علماء کو " وقليل من عبادي الشكور " اور " كم من فئة قليلة غلبت
فئة كثيرة باذن الله " کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں یہ
بات یقینی ہے کہ جماعت اہل حدیث کا موقف ہی سنت محمدیہ اور شریعت اسلامیہ کا ترجمان ہے، اور یہ
بات لازم ہے کہ وقت اس مسئلہ میں حنفیت کا محاسبہ کرکے رہے گا، ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ یکساں سول
کوڈ کی حامی قوتیں گھات میں لگی ہیں، اور ہم یہ بات بھی تسلیم کرسکتے ہیں کہ پریس میں اس مسئلہ کو زیادہ اسی
مقصد سے اچھالا گیا ہے، لیکن بقول مولانا اخلاق حسین قاسمی اگر کسی اچھے پہلو کی طرف قومی پریس توجہ
دلاتا ہے تو ہمیں اس سے عار محسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" ہم نہایت اخلاص سے یہ بات عرض کریں گے کہ
ملک کی عدالتوں میں مسلم پرسنل لا کے متعلق جو ضابطے موجود ہیں ہمیں بڑھ کر خود ٹھیک ٹھیک کتاب وسنت
کے صحیح دلائل کے ساتھ ان کی اصلاح کردینی چاہیئے، اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرنی چاہیئے،
درحقیقت ہماری ملی پیش قدمی اور دینی ترقی کی راہ یہی ہے۔

امیر الہند نے جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ سے متعلق پریس کانفرنس کرکے اور
۳/۴ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو تحفظ شریعت کانفرنس کے انعقاد کے ذریعہ جو راستہ اختیار کیا ہے وہ
حقیقت میں تحفظ شریعت کا راستہ نہیں ہے بلکہ تحفظ حنفیت کا راستہ ہے۔ کیا شریعت صرف ان چند
قوانین ہی کا نام ہے جو ملکی عدالتوں میں مسلم پرسنل لا کے نام سے موسوم ہیں، آج جب کہ مسلم معاشرہ خود
ہمارے ہاتھوں، ہماری بداعمالیوں اور مفاد پرستیوں کے ذریعہ سنت وشریعت محمدیہ کے ایک ایک حکم سے آزاد
روز بروز انتشار کا شکار ہوتا جارہا ہے، ہمیں تحفظ شریعت کانفرنس اس عزم وحوصلہ، وسیع القلبی، اخلاص
اور اعتقاد وعمل میں منہاج سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع کے جذبۂ صادق کے ساتھ
منعقد کرنی چاہیئے جس سے مسلم معاشرہ کے انتشار اور شریعت سے دوری کے فتنہ کو ختم کیا جاسکے، اور زندگی
کے تمام مراحل اور گوشوں میں اسلامی احکام وفرامین کو نافذ کیا جاسکے، مگر تحفظ شریعت کانفرنس کے
جلسے بیان میں بقلم خویش امیر الہند صاحب نے جماعت اہل حدیث پر یہودیوں اور نصرانیوں کے شاگرد ہونے کا

الزام لگاکر نہ صرف اپنی حیثیت عرفی کو نمایاں کیا ہے بلکہ امت محمدیہ اور شریعت محمدیہ کے متعلق اپنے مشبوہ عزائم سے بھی پردہ اٹھا دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کو مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتحاد نیز سنت وشریعت محمدیہ کے تحفظ کی فکر تو کجا وہ اول وہلہ میں دوسروں پر کیچڑ اچھال کر اسی کے پس پردہ انگریزوں سے وظیفہ خواری کی اپنی قدیم سنت کو آزاد بھارت میں بھی پیہم جاری و ساری رکھنا چاہتے ہیں اگر ملت کے امیر اور قائد کہلانے والوں کا کردار اسی قدر پست اور سطحی رہا تو اس کا اللہ ہی نگہبان ہے : عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ۔ ---

القول الجمیل

فی الکشف عن الدلیل

قراءتِ فاتحہ، رفع یدین اور سنتِ فجر کے مسائل پر مدلل بحث

تصنیف

احسن جمیل بن عبد البصیر سلفی

قیمت : ۴۲ روپئے

مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب وارانسی،

تحفظِ شریعت کانفرنس کی تخریبی روش

اسلام میں امارت کا منصب بڑا محترم اور ذمہ دارانہ ہے، اس منصب کا حق ادا کرنے کے لئے حد درجہ بے نفسی اور ایثار و قربانی کی ضرورت ہے، اور ساتھ ہی انانیت، عصبیت جانبداری اور تنگ نظری سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اسلام کے دوسرے شعائر و تعلیمات کی طرح یہ منصب بھی خود مسلمانوں کے ہاتھوں پامال ہو رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس بات کا کھلا حکم موجود ہے کہ خود سے امارت طلب نہیں کرنا چاہئے، اور اگر کوئی طلب کرے تو اسے دینا نہیں چاہئے، بلکہ امت کے اہل علم و نظر اپنی صوابدید اور باہم مشورے سے جس کو مناسب سمجھیں امیر مقرر کریں۔ لیکن افسوس کہ اب مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو امارت کے منصب کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، ووٹ کراتے ہیں، اور اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے سو جتن کرتے ہیں، اور اگر یہ بھی مشکل نظر آتا ہے تو اپنی ہی طرف سے اپنی امارت کا اعلان کر دیتے ہیں۔ یہ صورت حال ایسی ہے کہ ملت کا کوئی فرد اسے پسند نہیں کرتا، اور نہ اس کے نتائج اچھے ہوتے ہیں۔ اگر امارت طلب کرنے والے یا اپنے وسائل کے ذریعہ امیر بننے والے افراد اپنے کردار و اخلاق کے ذریعہ کوئی اچھا نمونہ قائم کرتے، اور ملت اسلامیہ ہند کی خدمت انجام دیتے نیز اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ امت میں اتحاد و اتفاق کی کوشش کرتے تو خوشی ہوتی کہ کسی کار خیر کی تکمیل کے لئے انہوں نے امارت کے منصب کو طلب کر کے حاصل کیا ہے، لیکن افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ اس طرح امارت کو قیادت حاصل کرنے یا اس کا دعویٰ کرنے کے بعد انسان فرقہ پرستی و گروہ بندی کو فروغ دیتا ہے اور کسی محدود نظریہ و مسلک کی چہار دیواری میں بند ہو کر دوسروں کو مطعون کرتا ہے، اور جب اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی تو سب و شتم اور افترا پرداری و کذب بیانی پر اتر آتا ہے، اور ان ناپسندیدہ اعمال و اقدامات کے لئے ذرائع ابلاغ کا ناروا استعمال کرتا ہے۔

پچھلے دنوں امیر الہند مولانا اسعد مدنی صاحب کی طرف سے اسی طرح کے ایک ناپسندیدہ رویہ کا نمونہ سامنے آیا ہے

مولانا موصوف کے پاس متعدد بڑے بڑے منصب ہیں، لیکن پچھلے دنوں آپ نے جس غیر ذمہ دارانہ اقدام کا ثبوت دیا ہے اس سے مجبوراً انسان یہ سوچتا ہے کہ یہ تمام مناصب ملت کی خدمت کے بجائے کسی اور مقصد کے لئے سمیٹے گئے ہیں۔

اس وقت ملک میں طلاق ثلاثہ کی بحث چل رہی ہے، اس کو کس نے کب کس مقصد کے لئے اٹھایا ہے اس کی تفصیل بہت سے اخبارات میں آچکی ہے، اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، لیکن یہ کہنا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کا سہارا لیکر مختلف طبقہائے احناف کی طرف سے جماعت اہل حدیث کو برابر کذب بیانی وافترا پردازی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور جن غیر اہل حدیث حضرات کی طرف سے اہل حدیث موقف کی حمایت کی جاتی ہے انھیں بھی جلی کٹی سنائی جارہی ہے۔ اس مسئلہ میں امیر الہند کی پریشانی کچھ زیادہ نظر آرہی ہے، آپ جمعیۃ علماء ہند کے سربراہ اور امیر الہند کہے جاتے ہیں، لیکن ان دونوں مناصب سے بہت نیچے اتر کر آپ نے جماعت اہل حدیث پر ناروا حملے کئے ہیں، ایک اخباری بیان میں انتہائی غیر ذمہ دارانہ طور پر آپ نے جماعت اہلحدیث پر انتشار پھیلانے کا الزام عائد کیا، حالانکہ اگر یہ وصف کسی فرد پر صادق آتا ہے تو وہ آپ ہیں، کیونکہ آپ ہی کی سربراہی میں دار العلوم دیوبند کی تقسیم عمل میں آئی، اسی طرح آپ کے پیدا کئے ہوئے حالات میں جمعیۃ علماء ہند کی بھی تقسیم در تقسیم کا منظر دنیا نے دیکھا، ایسی صورت میں جماعت اہل حدیث پر تفریق وانتشار کے الزام میں جو صداقت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

امیر الہند صاحب کو مذکورہ الزام واتہام سے تسلی نہ ہوئی تو آپ نے دہلی میں تحفظ شریعت کانفرنس منعقد کی، اس کانفرنس کے ابتدائی بیانات میں جو غیر ذمہ دارانہ بلکہ سوقیانہ انداز ہمارے سامنے آیا اس پر ہمیں آج تک حیرت ہے، امیر الہند نے اس کانفرنس میں نام لئے بغیر جماعت اہل حدیث کو "گونگے پہلوان" سے تشبیہ دی ہے، اور اس جماعت کو یہود ونصاریٰ کا شاگرد بتایا ہے۔ قارئین سوچیں کہ جب کسی امیر الہند کی حیثیت یہ ہو جائے تو پھر کوئی کیا کہہ سکتا ہے! مذکورہ دونوں باتیں صرف حق وصداقت ہی سے عاری نہیں بلکہ ذہنی وفکری افلاس اور بدزبانی کی بھی دلیل ہیں، امیر الہند کے عظیم منصب کا دعویٰ اگر کوئی شخص بقلم خود بھی کرے تو اسے اس منصب کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے، لیکن افسوس کہ مدنی صاحب نے منصب کے اس احترام کو بری طرح پامال کر دیا ہے۔ مدنی صاحب کا گھرانہ آزادی کے پہلے سے جمعیۃ علماء سے وابستہ ہے، اور اس جمعیۃ نے مسلمانوں کے مفادات اور حقوق کی پرواہ کئے بغیر جس طرح کانگریس پارٹی کی ہمنوائی بلکہ کفش برداری کی ہے اس سے ماضی قریب کی تاریخ پر نظر رکھنے والا ہر شخص واقف ہے، اس کے باوجود جماعت اہل حدیث کو گونگے پہلوان جیسے بازاری لقب سے یاد کرنا شیشہ کے محل میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر چلانے کا مصداق ہے۔ ہند کی امارت اور جمعیۃ علماء کی سربراہی کا تقاضا

یہ تھا کہ مدنی صاحب ملت کی آزمائش کے مواقع پر میدان میں نظر آتے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا، جب آزمائش کی گھڑی گذر جاتی ہے تو یہ مخلص قائدین سامنے آتے ہیں، اور میدان عمل میں کوئی کرشمہ دکھانے کے بجائے دوسروں کو مطعون کرتے ہیں، ملک میں جب ایمرجنسی نافذ ہوئی تھی اسوقت بھی جمعیۃ علماء کا جو کردار سامنے آیا اس سے تمام لوگ واقف ہیں بلکہ اس وقت مدنی صاحب کے رویہ پر بعض عربی مجلات بھی اظہار خیال کے لئے مجبور ہو گئے تھے۔

جہاں تک یہود ونصاریٰ کی شاگردی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں بھی جماعت اہلحدیث کو کسی صفائی کی ضرورت نہیں انگریزی سامراج کے عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو مسلم تنظیمات وشخصیات کا کردار خود بتلائیگا کہ اس شاگردی کا شرف کن لوگوں کو حاصل ہے، الزامی طور پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کی شاگردی پر لب کشائی سے پہلے مشرکین اور بت پرستوں کی شاگردی پر اظہار خیال کرنا ضروری ہے، دارالعلوم دیوبند کی عالمی کانفرنس کا افتتاح جس شخصیت سے کرایا گیا تھا وہ کلمہ گو نہیں تھی، اسی لئے جب دارالعلوم کی تقسیم کا عمل شروع ہوا تو خود بہت سے احناف کی زبان سے یہ بات سننے میں آئی کہ یہ اسی افتتاح کی نحوست ہے۔ مدنی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کی تاریخ ہی انگریز دشمنی سے شروع ہوتی ہے، اس لئے شاگردی کے مذکورہ الزام کی مصداقیت کیلئے مدنی صاحب کو کسی اور جماعت کی طرف دیکھنا چاہیئے، اور اگر کامیابی نہ ہو تو پھر اپنے حلقہ ارادت میں تلاش کرنا چاہیے، ہمیں امید ہے کہ موصوف کو مایوسی نہ ہوگی۔

مدنی صاحب کیلئے غور کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں صرف جماعت اہلحدیث ہی کا وہ موقف نہیں ہے جس پر وہ برہم ہو رہے ہیں، بلکہ متعدد علماء حنفیہ بھی یکجائی تین طلاق کو ایک طلاق ہی مانتے ہیں، اور اس مسئلہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ نے احمد آباد کے اپنے سیمینار میں جو فیصلہ کیا ہے اس میں بھی متعدد علماء کی تحریروں میں یکجائی تین طلاق کو ایک ماننے کی حمایت ہے، اب مدنی صاحب ان علماء احناف پر معلوم نہیں کس نوعیت کا حکم لگائیں گے۔

مدنی صاحب نے خود کو یا ان کے متبعین نے ان کو امیر الہند کا لقب دیا ہے، اس لقب میں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ موصوف ملک کے امیر ہیں یا یہاں کی آبادی کے، اور اگر آبادی کے امیر ہیں جیسے مولانا آزاد کو امام الہند کا لقب دیا گیا تھا، پھر مسلم آبادی کے ہیں یا غیر مسلموں کے بھی؟ اس لقب سے ذہن کا تبادر اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ موصوف خود کو ملک مسلم آبادی کا امیر تصور کرتے ہیں، اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی وہ کون سی جماعتیں ہیں جو آپ کو امیر تسلیم کرتی ہیں؟ کیا سنی جماعتوں میں جماعت اسلامی یا بریلوی آپ کو امیر تسلیم کرتے ہیں؟ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مدنی صاحب تمام

مسلمانان ہند کے امیر ہیں، اور یہ مسلمان انھیں امیر تسلیم بھی کرتے ہیں، تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں کا کونسا مفاد طلاق ثلاثہ کے مسئلہ سے وابستہ ہے کہ مدنی صاحب اس کو اس طرح کانفرنسوں اور بیانات سے حل کرنے کیلئے کوشاں ہیں؟ ان مسلمانوں میں جہالت وپسماندگی ہے، غربت وافلاس ہے، دشمنی وعداوت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شرک وبدعت ہے، کیا ان امور پر بھی مدنی صاحب اسی طرح توجہ دیتے ہیں جیسے اہلحدیث کی مخالفت پر دے رہے ہیں؟ مدنی صاحب اس بات کو سمجھ رہے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے مفاد کیلئے صحیح طور پر کام کرنے میں وہ سیاسی مقاصد اور لیڈرانہ شہرت حاصل نہ ہوگی جس کے وہ متلاشی ہیں، اسی لئے صحیح راہ چھوڑ کر دل آزاری وافترا پردازی کی راہ پر چل رہے ہیں، اور ان کے مریدین ان کا مزاج پہچاننے کے بعد اسی طرح کے منفی کاموں پر ان کے سامنے اظہار عقیدت کرتے ہیں اس لئے مدنی صاحب کو اپنے رویہ پر نظر ثانی کی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوتی۔

اخیر میں مدنی صاحب سے ہماری گذارش ہے کہ سیاسی مقاصد اور ہیں، اور مذہبی مقاصد کچھ اور، دونوں کیلئے مسلم قائدین اپنی اپنی بساط کے مطابق طالع آزمائی کر رہے ہیں، موصوف اگر دونوں مقاصد کو ایک ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں یا کسی ایک مقصد کے حصول کی تمنا رکھتے ہیں تو اس کے لئے اپنے مریدین کے ساتھ کوشش کریں، اور جس سے چاہیں خراج عقیدت وصول کریں، لیکن اہل حدیث جیسی جماعت سے الجھنے میں موصوف کا کوئی فائدہ نہیں، یہ جماعت میدان سیاست میں آپ کی حریف نہیں، البتہ مذہبی میدان میں یہ جماعت آپ کو اس بات کی آزادی نہ دے گی کہ: آپ جو چاہیں کہہ دیں' آپ اسلام کے تنہا ترجمان نہیں، یہ غلط فہمی آپ کے والد محترم کو پیدا ہوئی تھی تو علامہ اقبال کو اس کا تدارک کرنا پڑا تھا، آپ ایسا کوئی زعم اپنے دماغ میں نہ پیدا کیجئے کہ آپ کا حنفی مسلک یا دیوبندی مکتب فکر یا جمعیۃ علماء مسلمانوں کی رہنمائی اور اسلام کی تشریح وتعبیر کی تنہا مالک ہے، اس سلسلہ میں ملک کی دوسری جماعتوں کو بھی حق دیجئے، دوسرے اگر آپ کو برداشت کرتے ہیں تو آپ بھی دوسروں کو برداشت کیجئے، ایسا نہ ہو کہ ماہنامہ تجلی کی طرح کے طنز وتعریض کی نوبت آجائے، اور دوسروں کو ہنسنے کا موقع ملے، اور اگر شوق نیش زنی بہت زیادہ ہو تو پھر ملک کی ان غیر مسلم جماعتوں کی طرف رخ کیجئے جن کا سب سے پہلا چیلنج آپ کی جمعیۃ علماء اور آپ کی امارت کو ہے، جماعت اہل حدیث کی راہ بالکل الگ ہے، لہذا اس سے الجھنے میں آپ کا کوئی فائدہ نہیں، والسلام علی من اتبع الہدی۔ •••

(اصغر علی سلفی)

طلاقِ ثلاثہ سے متعلق فتویٰ پر نامناسب ردّ عمل

تحریر: محمد ارشد سلفی، شعبۂ تصنیف وترجمہ، جامعہ سلفیہ

بابری مسجد کی شہادت کے بعد ملک کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کی طرف سے یہ آواز اٹھی کہ ہر طرح کے اختلافات اور بالخصوص فروعی اختلاف کو فراموش کر کے تمام مسلمانوں کو متفق و متحد ہو جانا چاہیئے، اور پوری یکجہتی وہوشمندی کے ساتھ ملک کی فرقہ پرست طاقتوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کے مابین اتفاق و اتحاد کی یہ آواز مختلف جرائد و مجلات میں اور علماء کرام کی تقریروں میں بار بار دہرائی گئی اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ اور ملی کونسل کے ذمہ داران نے مسلمانوں کو پیغام اتحاد دینے کے لئے مختلف شہروں کے دورے کئے اور اجتماعات میں عوام وخواص کو وقت کی نزاکت کا احساس دلایا۔

خود ہمارے شہر بنارس میں شیعہ وسنی فرقوں سے تعلق رکھنے والے مختلف مسلک کے علماء وعوام متعدد بار جمع ہوئے، جس کے نتیجہ میں ایک کونسل کی تشکیل عمل میں آئی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ باہمی اتحاد و تعاون سے ملت کی فلاح وبہبود کے پروگرام بنائے جائیں اور سب لوگ مل کر انھیں عملی جامہ پہنائیں۔

ملت کے لئے بابری مسجد کا سانحہ بڑا شدید اور آزاد ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی جارحیت تھی جس سے ملت کا ہر فرد بری طرح متاثر ہوا تھا، اس لئے توقع تھی کہ اس سانحہ کے بعد ملت کے اتحاد واتفاق کے لئے اٹھنے والی آوازیں مؤثر ثابت ہوں گی اور مسلمان بہت کچھ کھونے کے بعد ہی سہی متحد ہو جائیں گے۔

لیکن مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے صدر دفتر واقع دہلی سے طلاق ثلاثہ کے بارے میں جاری ہونیوالی

ایک چھوٹی سی تحریر نے ہماری آرزوئے اتحاد و اتفاق کے حدود اربعہ کو واضح کر دیا اور پورے ملک کے لوگوں کو بتایا کہ اتحاد کی ہماری تمنا اور تعاون و یک جہتی کا نعرہ زبانی جمع خرچ کے علاوہ اور کچھ نہیں، دلوں کی دوری اپنی جگہ قائم ہے، متبادل احترام اور باہمی رواداری سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں، عداوت و حسد اور بغض و کینہ ابھی ہمارے دلوں سے دور نہیں ہوا، ہم دوسرے کو سمجھنے اور برداشت کرنے کی قوت سے عاری ہیں، زبان سے ہم جو بھی دعوی کر لیں لیکن ہمارا عمل گروہ بندی کے حصار سے باہر نہیں جا سکتا، اپنی حیثیت دوسروں سے تسلیم کرانے کے لئے ہم سب کچھ کر سکتے ہیں، لیکن دوسرے کی حیثیت کو تسلیم کرنے میں کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔

مذکورہ تحریر نئی نہ تھی، نہ اس میں بیان شدہ مسئلہ نیا تھا، جماعت اہل حدیث کا شروع سے یہ فتویٰ ہے کہ ایک مجلس اور ایک وقت کی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں، اور شوہر کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے، اس کے برخلاف حنفی مذہب کہتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور شوہر کو رجعت کا حق نہیں رہتا۔

مسلمانوں کی مذہبی معلومات اس ملک میں قابل افسوس حد تک کمزور ہیں، اس لئے وہ غصہ میں یا کسی اور وجہ سے ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیدیتے ہیں، جب غصہ فرو ہو جاتا ہے اور اپنے فعل کے عواقب کا احساس ہوتا ہے تو رجعت چاہتے ہیں، حنفی فقہ ان کو حلالہ کا مشورہ دیتا ہے، یعنی وقتی طور پر کسی مرد کے ساتھ اس مطلقہ عورت کی شادی کر دی جائے پھر اس سے طلاق دلوا کر پہلا شوہر اس سے نکاح کر لے۔ حنفی علماء جب بات کرتے ہیں تو "حلالہ شرعیہ" کا نام لیتے ہیں، لیکن ان کا عمل شرعی حلالہ کے بجائے مذکورہ حلالہ پر ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موجب لعنت ٹھہرایا ہے۔ عجلت میں طلاق دینے والا شخص اپنی غلطی پر نادم ہو کر رجعت چاہتا ہے لیکن حنفی فقہ کی رو سے جب اسے یہ سہولت نہیں ملتی تو وہ اہل حدیث مسلک کے علماء کے پاس آتا ہے اور فتویٰ لے کر رجعت کر لیتا ہے۔ اس طرح کے لوگ اہلحدیث علماء کے پاس بکثرت آتے ہیں، خود جامعہ سلفیہ سے اب تک ہزاروں فتوے جاری ہو چکے ہیں، آنے والے مختلف شہروں، قصبوں اور دیہاتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور مختلف حیثیت و منصب کے لوگ ہوتے ہیں۔ دہلی میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے دفتر میں بھی مذکورہ نوعیت کے سوالات آتے رہتے ہیں اور وہاں کی مجلس تحقیق علمی ان کے جوابات دیتی ہے۔

پچھلے دنوں اسی طرح کا ایک سوال آیا اور اس کا جواب جمعیۃ کی طرف سے دیا گیا جس میں قرآن و حدیث کی

روشنی میں رجعت کا حق ثابت کیا گیا تھا۔ جمعیۃ کا یہ فتویٰ کسی طرح ملکی ذرائع ابلاغ تک پہونچ گیا، ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ اس میں عورت کے لئے سہولت اور اس کی عزت کا تحفظ ہے، لہٰذا اپنے طور پر اس کی اشاعت کی۔ حنفی مذہب کے مقلدین کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ان کے مسلک کے مقابلہ میں جماعت اہل حدیث کے مسلک اور فتویٰ کو پسند کیا جائے، چنانچہ حنفی علماء میدان میں اتر پڑے، اور پہلے در پردہ اور پھر علانیہ طور پر جماعت اہلحدیث اور اس کے مذکورہ فتویٰ کے خلاف بے سروپا باتیں کہنے لگے، حد تو یہ ہوئی کہ "امیر الہند" مولانا اسعد مدنی صاحب بھی میدان میں اتر آئے، اور دیوبند کے مختلف علماء کے سہارے فقہ حنفی کی مدافعت کا فرض ادا کیا۔

مذکورہ فتویٰ جاری کر کے جمعیۃ اہلحدیث نے نہ تو کوئی نئی بات کہی تھی نہ کسی کے خلاف کوئی اقدام کیا تھا، البتہ اس کا طلاق ثلاثہ سے متعلق فتویٰ ملک کے غیر مسلم لوگوں کو پسند آگیا تھا اور انہوں نے اس کو سراہا تھا۔ اگر ملکی ذرائع ابلاغ اور غیر مسلم عوام کے مذکورہ رویہ پر مسلمانوں اور بالخصوص احناف کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی جاتی تو اس میں کوئی قباحت نہ تھی، لیکن تقلیدی ذہن رکھنے والوں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کے فتویٰ کے خلاف اہلحدیث کے فتویٰ کو مقبولیت حاصل ہو، اس لئے مختلف علماء سمیت خود امیر الہند میدان میں آگئے اور اپنی پریس کانفرنس میں یہاں تک کہہ دیا کہ جماعت اہل حدیث کے علماء امت میں انتشار پھیلا رہے ہیں!!

اس موقع پر ملک کے حنفی مقلدین اگر خاموش رہتے یا صرف یہ وضاحت کر کے چپ ہو جاتے کہ جمعیۃ اہلحدیث کا جاری کردہ فتویٰ حنفی مذہب کا فتویٰ نہیں بلکہ حنفی مذہب اس طرح کی طلاق کو تین غیر رجعی طلاق مانتا ہے تو بات خوبصورت طور پر ختم ہو جاتی اور مسلمانوں کے مابین کسی طرح کا اختلاف بھی ظاہر نہ ہوتا۔ لیکن کثرتِ تعداد کے زعم میں جماعت اہل حدیث کو نشانہ بنایا گیا اور اس پر انتشار پھیلانے کا الزام لگایا گیا، وہ بھی امیر الہند کی طرف سے جن کی سربراہی میں دارالعلوم دیوبند تقسیم ہوا، اور جمعیۃ العلماء تین حصوں میں بٹ گئی اور انتشار و مخالفت کی یہ صورت اب بھی قائم ہے۔

قومی مورچہ کی سرخی

" ایک مجلس کی تین طلاق پوری طرح جائز " (اسعد مدنی)

" علماء اہل حدیث پر ملت اسلامیہ میں انتشار پھیلانے کا الزام "

معلوم نہیں یہ سرخی قومی مورچہ کی ہے یا اسے اسی طرح موصول ہوئی ہے۔ اگر قومی مورچہ نے "صحافتی فن" کا مظاہرہ کرتے ہوئے

نہ تھی اسے اس نے اپنی کسی مصلحت کے لئے واضح کیا ہے، مگر " الزام " کا لفظ استعمال کر کے اس نے علماءِ اہل حدیث کی یک گونہ حمایت کی ہے، یعنی مدنی صاحب کا الزام دراصل الزام ہی ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اور اگر قومی مورچہ کے پاس یہ سرخی اسی طرح آئی ہے تو سرخی لگانے والے حضرات سے ہماری گذارش ہے کہ قرآن و حدیث سے جو مسئلہ ثابت ہو اس کا بیان و اظہار انتشار پھیلانے کے گھناونے حکم کا متحمل نہیں ہو سکتا بلکہ جو لوگ اس حکم کی تردید کے درپے ہیں وہ انتشار پھیلانے کے مرتکب ہیں، اور جن لوگوں نے ائمہ کی تقلید کے نام پر مسلمانوں کو چار فرقوں بلکہ اس سے زائد فرقوں میں بانٹ رکھا ہے وہ انتشار پھیلانے کے مرتکب ہیں، اور جن لوگوں نے حرم مکی میں چار مصلوں کو قائم کیا تھا وہ انتشار پھیلانے کے مرتکب ہیں، علماء اہل حدیث کی تو یہ کوشش ہے کہ تمام مسلمان قرآن و سنت پر متفق ہو جائیں اور امتیوں کی پیروی سے اپنے آپ کو آزاد کر لیں۔

" اس فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب ملت اسلامیہ ہند اپنی جان و مال اور عزت و شریعت کے بارے میں انتہائی تشویش ناک صورت حال سے دوچار ہے، اس مسئلہ کو چھیڑ کر اسلام اور مسلمانوں کے یہ نادان دوست ملت اسلامیہ کی نامعلوم کون سی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مسلک اہل حدیث کے حامیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا (ہے) کہ درحقیقت یہ لوگ اپنے اس غلط رویّے سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ کانفرنس کے دوران مولانا مدنی نے تسلیم کیا کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاق کے نظریے سے اختلاف ہو سکتا ہے، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ اس نظریے کو خواتین کے لئے غیر منصفانہ قرار دیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی یہ طریقہ درست ہے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ہے۔" (قومی مورچہ ۴/۷/۹۳ء)

سہ روزہ دعوت دہلی کی ۱۶ر جون ۹۳ء کی اشاعت میں ایک صاحب نے اپنے مراسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ: جماعت اہلحدیث نے اس معاملہ میں پسپائی اختیار کر لی ہے۔ اس تبصرہ پر افسوس اور تعجب ہوتا ہے، جماعت اہل حدیث شروع سے اپنے موقف پر قائم ہے، ملک کی آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد جب مسلم پرسنل لاء کے مسائل موضوع بحث نہیں تھے اور آج جب کہ یہ مسائل زیر بحث ہیں ان تمام ادوار میں جماعت اہل حدیث اپنے فتویٰ پر قائم ہے، پھر موصوف کو پسپائی کہاں نظر آرہی ہے؟ کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح جماعت اسلامی نے الیکشن سے متعلق اپنے فیصلہ میں تبدیلی کی تھی اسی طرح جماعت اہل حدیث بھی طلاق ثلاثہ سے متعلق اپنے فتویٰ میں

تبدیلی کرکے اہل تقلید کی ہمنوا بن جائے؟ جماعت اسلامی کے لوگ قلبی وسعت اور ذہنی بیداری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اتحاد بین المسلمین کے تو یہ اس حد تک علمبردار ہیں کہ بعض مسلمانوں کے علاوہ دوسروں سے بھی ہاتھ ملا لیتے ہیں لیکن انھیں بھی یہ گوارا نہیں نظر آتا کہ طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں جماعت اہل حدیث کے فتویٰ کو قبول کرلیں یا اس پر خاموشی اختیار کرلیں جب کہ یہ فتویٰ قرآن وحدیث کے واضح دلائل پر مبنی ہے، اور عصر نبوی، عصر صدیقی اور عصر فاروقی کے ابتدائی دو سالوں میں اسی پر امت کا عمل ہوتا رہا ہے۔ اسی لئے جماعت اسلامی کے اس دعو پر شبہ کیا جاتا ہے کہ کسی مخصوص فقہی مسلک کے وہ حامی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جماعت کے لوگ سختی کے ساتھ حنفی فقہ کے پابند وحامی ہیں اور اسی کی ترویج ودفاع ان کا مقصد ہے۔

تقلیدی مذاہب کی تاریخ پر غور کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ ان مذاہب کے ماننے والے بری طرح جمود وتعصب کا شکار ہوتے ہیں، اپنے امام کی تقلید کے لئے ان کے پاس دلائل ہوتے ہیں، لیکن ان کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اسی طرح کے دلائل کی بنا پر دوسروں کو کسی دوسرے امام کی تقلید کا حق دیں۔ پھر تقلید کا جوش وتشدد اس حد تک بڑھا ہے کہ امام کی حمایت میں احادیث نبویہ کی تاویل وتوجیہ کرتے ہیں کہ وہ تقلیدی مذہب کے موافق ہوجائیں، اور جب اس کی بھی گنجائش نظر نہیں آتی تو احادیث کو چھوڑ کر اپنے امام کی بات پر عمل پیرا ہوجاتے ہیں۔ اس موضوع پر متعدد کتابیں عربی اور اردو میں لکھی جاچکی ہیں، ان کے مطالعہ سے تقلیدی مذاہب کے انحراف کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اتحاد کے پردے میں تفریق

ہفت روزہ نئی دنیا دہلی، شمارہ ۶۔ ۱۲ راگست ۹۳ء میں کسی مولانا محمد سلمان منصور پوری نائب مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد کا ایک مضمون بعنوان: "طلاق کے مسئلہ کی آڑلے کر تخریبی تحریک چلائی جارہی ہے" شائع ہوا ہے، مضمون سے تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کا مقصد اسلامی شریعت کا تحفظ اور اسلام کے خلاف رچی جانے والی سازش کا تدارک ہے، لیکن مضمون کو بغور پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے حنفی مذہب کی بالادستی و برتری ثابت کرنے اور جماعت اہلحدیث کو مطعون کرنے کے لئے زور قلم دکھایا ہے، مضمون کا معیار بھی نئی دنیا کے دیگر مضامین ہی کی طرح پست اور سطحی ہے، اس لئے اس پر کسی اظہار خیال کی ضرورت نہ تھی لیکن آج کل یہ بحث چل پڑی ہے اس لئے ایک سرسری نظر مذکورہ مضمون پر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے، مولانا سلمان صاحب کی اس عبا

پر غور فرمائیے اور پھر سوچئے کہ ان کے دل میں اتحاد کا کیسا جذبہ ہے اور اس کے وجود کے لئے وہ کس قدر سنجیدہ ہیں، لکھتے ہیں :

"اور اس سازش کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اسے پانی دیا ہے غیر مقلدین کے اس موقف نے جو امت کے اجماعی مسلک کے خلاف ہے، اور جسے امت نہایت قوی دلائل سے بار بار رد کرچکی ہے، حتیٰ کہ سعودی عرب کی مجلس کبار العلماء نے بھی پوری تحقیق و تنقید کے بعد جمہور کے مسلک کی تائید کی ہے، اور آج کل سعودی عرب کی عدالتوں میں یہی قانون رائج ہے، حالانکہ حکومت سعودیہ بڑی حد تک علامہ ابن تیمیہ کی رائے کی پابند رہتی ہے مگر اس مسئلہ میں اس نے علامہ کی رائے کو چھوڑ دیا ہے جو صریح طور پر ان کے موقف کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔"

اتحاد امت کو ختم کرنے کا الزام آپ دوسروں کو دے رہے ہیں، حالانکہ خود آپ کا حال یہ ہے کہ "غیر مقلدین" کے ناخوشگوار لقب سے جماعت اہل حدیث کو یاد کر رہے ہیں، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے خلاف سازش کا نام لے کر آپ حنفی مذہب کے دفاع کی کوشش کر رہے ہیں۔

تین طلاق کو تین قرار دینے کے مسلک کو آپ نے "امت کا اجماعی مسلک" بتایا ہے، یہ کذب بیانی اور تلبیس ہے، عصر نبوی و عصر صحابہ میں اس پر اجماع کا دعویٰ بے دلیل ہے، اس کی توضیح کے لئے تنویر الآفاق ص ۱۶۲ تا ۲۳۵ کا مطالعہ فرمائیے، اور مولانا شمس پیرزادہ کا یہ بیان پڑھیے: "کہا جاتا ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے پر اجماع ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ امت کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے اور دور صحابہ سے لے کر اب تک اس کے بارے میں اختلاف چلا آرہا ہے، حضرت ابن عباس کی حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی کا اجماع کس چیز پر تھا؟" (ایک مجلس کی تین طلاق ص ۴۴)

مصر سے شائع ہونے والی تقابلی فقہ کی مشہور کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ کی اس عبارت پر غور کیجیے:

"ولکن الواقع أنہ لم یوجد اجماع، فقد خالفھم کثیر من المسلمین، ومما لاشک فیہ أن ابن عباس من المجتھدین الذین علیھم المعول فی الدین فتقلیدہ جائز کما ذکرنا، ولا یجب تقلید عمر فیما رآہ لأنہ مجتھد وموافقۃ الأکثرین لہ لا تحتم تقلیدہ، علی أنہ یجوز أن یکون قد فعل ذلک لتحذیر الناس

من ایقاع الطلاق علی وجه مغائر للسنۃ ۔" ص ۴۵

ان دونوں اقتباسات سے نائب مفتی صاحب کے اس دعوی کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کو تین ماننا امت کا اجماعی مسلک ہے ۔ اس نوعیت کی تلبیس اور زبردستی کے ذریعہ دوسروں پر اپنی بات تھوپنے سے معلوم نہیں کیسا اتحاد قائم ہوگا ، اور اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کا کس طرح مقابلہ کیا جائے گا ؟ ۔

نائب مفتی صاحب کی مذکورہ عبارت میں سعودی عرب کا حوالہ دیا گیا ہے ، اس سلسلہ میں یہ گذارش ہے کہ کسی ملک میں کسی مسئلہ پر عمل مسلمان کے لئے حجت نہیں ہوسکتا ، شریعت کے مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرنا چاہیئے ، عہد رسالت وعہد صدیقی میں یکجائی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی بات اگر آپ کو تسلیم نہیں ہے تو پھر آپ دوسروں سے یہ توقع کیوں کرتے ہیں کہ سعودی عرب کے آج کے کسی فتوے کو تسلیم کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے ؟ جس طرح سعودی عرب میں طلاق ثلاثہ کو تین مانا جاتا ہے اسی طرح مصر ، سوڈان ، اردن ، شام ، مراکش ، عراق اور پاکستان میں اسے ایک رجعی طلاق قرار دیا جاتا ہے ۔ ص ۵۰ ۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اتنے مسلم ملکوں کے فتوے کو آپ خود تسلیم نہیں کر رہے ہیں ، اور یہ چاہتے ہیں کہ صرف ایک سعودی عرب کے عمل کی وجہ سے طلاق ثلاثہ کو تین مان لیا جائے ، اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی نظر میں اپنے فقہی مسلک کی اہمیت ہے کسی ملک یا عالم کے فتوے کی نہیں ۔ مولانا شمس پیرزادہ لکھتے ہیں : " اس طرح دیکھا جائے تو اسلام کا پورا نظام طلاق فقہیت اور قانونی الٹ پھیر کی زد میں آجاتا ہے جس سے شرعی احکام کی روح مجروح ہوجاتی ہے ، جو عظیم مصالح معاشرتی زندگی کی تعمیر میں اسلام نے ملحوظ رکھے ہیں وہ متاثر ہوجاتے ہیں ، اعتدال باقی نہیں رہتا ، اور مسلمانوں کے معاشرتی ڈھانچہ کو سخت نقصان پہونچتا ہے ، اس لئے اس انداز فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے " ص ۴۹ ۔

تقلید سے انسان میں ایسا تعصب پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ بدیہی باتوں کے انکار پر بھی اڑ جاتا ہے ، نائب مفتی صاحب تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے کی خرابیاں گناتے ہوئے ایک خرابی یہ بتاتے ہیں کہ " تین کو ایک ماننے سے حرام کاری کا دروازہ کھلنے کا قوی اندیشہ ہے ، بایں طور کہ شوہر کئی طہروں میں کئی مرتبہ متعدد الفاظ سے طلاق دے چکا ہوگا مگر ہر بار پچھلے واقعات بتائے بغیر مفتی سے ایک طلاق رجعی کا فتوی حاصل کرلے گا

حالانکہ تیسری طلاق کے وقوع کے بعد کسی کے نزدیک بھی رجعت کی گنجائش نہیں رہتی ۔"

اس عبارت میں "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" والا مسئلہ ہے، حنفی مذہب کے علماء نے کتاب الحیل پر عمل کرتے ہوئے یہ شرمناک طریقہ نکالا ہے کہ یکجائی تین طلاقیں دینے والا اگر اپنے فعل پر نادم ہو اور عورت سے رجعت کرنا چاہے تو حلالہ کر لے ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا کسی مرد سے وقتی طور پر نکاح پڑھا دیا جائے پھر ایک رات بعد اس سے طلاق لے کر عورت کو پہلے شوہر کی زوجیت میں واپس کر دیا جائے ۔

اس شرمناک حرکت میں ہمارے نائب مفتی صاحب کو کوئی حرام کاری نظر نہیں آتی ، اور تین طلاقوں کو ایک ماننے میں اپنے مفروضات کی بنا پر حرام کاری کا دروازہ کھلتا معلوم ہوتا ہے ۔ مفتی کے سامنے استفتار کی صحیح صورت پیش نہ کرنے کا احتمال تو کسی بھی مسئلہ میں پیدا ہو سکتا ہے ، تو کیا اس کی وجہ سے شریعت کے ثابت شدہ احکام کو چھوڑ دیا جائے گا ؟ نائب مفتی صاحب کو ان واقعات پر غور کرنے کے بعد حرام کاری کی بات کہنا چاہیئے ، جن میں ایسا ہوتا ہے کہ حلالہ کرنے والا شخص طلاق دینے پر تیار ہی نہیں ہوتا بلکہ عورت کو اپنے پاس مستقل رکھ لیتا ہے ، اور عورت بھی اسے قبول کر لیتی ہے ۔ اس طرح کی مضحکہ خیز و افسوسناک صورت حال آپ لوگوں کے فقہی مسلک کی وجہ سے پیش آتی ہے ، لیکن اس میں آپ کو کوئی قباحت نظر نہیں آتی ، اور جو فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس میں آپ کو حرام کاری کا اندیشہ محسوس ہوتا ہے ۔ نعوذ باللہ من ذالک ۔ مقلدین کے سلسلہ میں اسی لئے کہا جاتا ہے وہ اپنے مذہب پر عمل کے مقابلہ میں حدیث چھوڑ دیتے ہیں ! !

کیا اقلیم ہند میں اشاعت اسلام صوفیا کی مرہون منت ہے؟

تالیف غازی عزیر بن مولانا محمد امین اثری

قیمت ۴۵ روپیہ

برصغیر ہند و پاک میں اسلام کی اشاعت کن لوگوں کے ذریعہ عمل میں آئی ؟ آیا صوفیاء کے ذریعہ یا محدثین کرام کے ذریعہ ، مذکورہ کتاب میں اسی سوال کا مستند حوالجات کی روشنی میں جواب دیا گیا ہے ۔

طلاقِ ثلاثہ کی ناخوشگوار بحث

چند مراسلے

ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کی ترقی پر مسلمانوں کے کچھ فرقے یا ان فرقوں کے کچھ افراد بغض وحسد کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور جب موقع پاتے ہیں تو اہل حدیث جماعت کے افراد کو تنگ کرتے ہیں، اپنی مسجدوں کے دروازے ان پر بند رکھتے ہیں، اور ان کی مسجدوں پر قبضہ کرتے ہیں، انگریزوں کے دور میں مساجد سے متعلق متعدد مقدمات عدالت میں بھی گئے، اور وہاں سے اہل حدیث کے حق میں فیصلے صادر ہوئے۔

اس مکروہ تصویر کے ساتھ ہی ایسی خوشگوار مثالیں بھی موجود ہیں کہ غیر اہلحدیث علماء نے مختلف مواقع پر اہل حدیث جماعت اور اس کے علماء کی دینی، تدریسی، تصنیفی اور علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

لیکن بالعموم دیکھا جاتا ہے کہ اس جماعت کے سلسلہ میں دوسری مسلم جماعتوں کے افراد نفرت وعداوت ہی کا اظہار کرتے ہیں۔ عداوت کا یہ رویہ اس وقت زیادہ افسوسناک وتکلیف دہ ہوجاتا ہے جب کسی جماعت یا تنظیم کے مزعومہ سربراہ اس جماعت کے خلاف تحریکی رویہ اختیار کرتے ہیں۔

گذشتہ چند مہینوں سے یکجائی تین طلاقوں کے مسئلہ کو لے کر حنفی مذہب کے بعض حلقوں کی طرف سے اہل حدیث کے خلاف برابر کچھ نہ کچھ شائع ہو رہا ہے، اور اس دل آزار رویہ کی تازہ مثال ۲۰ر ستمبر ۹۳ء کے آواز ملک میں شائع ہونیوالا وہ مضمون ہے جس میں تحفظ شریعت کانفرنس میں شرکت

کی دعوت دی گئی ہے۔ دوسری مثال اسی کانفرنس سے متعلق ایک رپورٹ ہے جس میں جماعت اہل حدیث پر سخت قسم کے الزامات عائد کئے گئے ہیں بلکہ اس جماعت کے خلاف افترا پردازی کی گئی ہے۔ تیسری مثال بنارس کے روزنامہ قومی مورچہ کا وہ اداریہ ہے جس میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے کہ جمعیۃ اہل حدیث کے امیر اور دیگر علماء اہل حدیث نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس بیان پر دستخط کر دیئے ہیں جس میں یکجائی تین طلاقوں کو تین ہی تسلیم کیا گیا ہے۔

جامعہ سلفیہ کے اساتذہ نے جماعت اہل حدیث پر طعن وتشنیع کرنیوالی مذکورہ تحریروں پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اساتذہ کی ان تحریروں میں سے ایک تحریر روزنامہ آواز ملک میں شائع ہو چکی ہے، لیکن بقیہ تحریریں کہیں شائع نہیں ہوئی ہیں۔ ہم ان سب تحریروں کو محدث میں اکٹھا شائع کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کی قیادت کے مدعیوں کی حقیقت سامنے آجائے، اور جن لوگوں کو اہل حدیث جماعت کے موقف کا علم نہیں ہے وہ یہ جان لیں کہ یہ جماعت طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ میں کیا کہتی ہے۔

---

(۱)

تحفظِ شریعت یا دل آزاری؟

روزنامہ آواز ملک شمارہ ۲۰ر ستمبر ۹۳ء میں ایک مضمون بعنوان "تحفظ شریعت کانفرنس وقت کا اہم تقاضہ" شائع ہوا ہے۔

اس مضمون میں جمعیۃ علماء وارانسی کے سکریٹری صاحب نے نام لئے بغیر جماعت اہل حدیث پر طنز و تعریض کی ہے، نیز کذب بیانی اور تلبیس سے کام لیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف اسلامی شریعت پر حملہ کے خلاف واویلا مچایا جا رہا ہے، اور دوسری طرف اسی شریعت کے ماننے والوں کے خلاف کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔ مضمون نگار صاحب جس جمعیۃ علماء کی نمائندگی کر رہے ہیں وہ یا مسلم پرسنل لا بورڈ صرف حنفی مذہب کی نمائندہ تنظیم نہیں کہ اس کا کوئی نمائندہ

اس اسلوب سے بات کرے۔ مذکورہ مضمون میں جماعت اہل حدیث کی قلت کا تذکرہ بیحد دل آزار طور پر کیا گیا ہے، اور یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ یہ صرف دو فیصد لوگ ہیں، یہ خوش فہمی یا کذب بیانی ہے، جب سکریٹری صاحب شمار کریں گے تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے کہ دور رسالت میں ایک مجلس کی تین طلاقیں تین مانی جاتی تھیں، اس دعویٰ کی حقیقت تنویر الآفاق میں ملاحظہ فرمائیے۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ مضمون میں جماعت اہلحدیث کو مٹھی بھر اور دو فیصد کہا گیا ہے، پھر آخر میں یہ اپیل بھی ہے کہ کانفرنس میں بلا امتیاز مسلک و مشرب ہر مکتبۂ فکر کے علماء و مفتیان شرکت کریں، معلوم نہیں اس دعوت میں علماء اہل حدیث شامل ہیں یا نہیں ؟ دلچسپ امر یہ ہے کہ قلت کا جو طعنہ سکریٹری صاحب جماعت اہل حدیث کو دے رہے ہیں وہی طعنہ بریلوی مکتب فکر کے ان کے حنفی بھائی انہیں دے رہے ہیں، سوچنا چاہیے کہ حق و باطل کا فیصلہ کہیں قلت و کثرت سے ہوتا ہے ؟ کیا قرآن کریم اور احادیث نبوی میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اہل حق تعداد میں ہمیشہ کم ہوتے ہیں ؟ اسی طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں ایک دعویٰ یہ بھی کیا جا رہا ہے کہ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ھند کے امیر اور دوسرے علماء اہل حدیث نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس بیان پر دستخط کر دیئے ہیں جس میں یہ وضاحت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں گی۔ یہ دعویٰ سراسر کذب بیانی اور تحریف پر مبنی ہے، جمعیۃ اہل حدیث کے امیر نے جس بیان پہ دستخط کیا ہے اس میں مذکورہ نوعیت کا کوئی جملہ موجود نہیں ہے، تعجب ہے کہ کذب و افترا کے ذریعہ شریعت کے تحفظ کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ ...

اصغر علی امام مہدی السلفی

---

(۲)

عوام پر دھونس

مورخہ ۲۰ رستمبر ۹۳ء کے آواز ملک میں ایک مضمون جمعیۃ علماء وارانسی کے سکریٹری مولوی عبد المتین صاحب کا شائع ہوا ہے، اس مضمون میں اسلامی شریعت کے خلاف ہونے والی سازشوں کا رونا بہت زور و شور سے رویا گیا ہے لیکن اسی ضمن میں خود اسلامی شریعت پر حملہ کیا گیا ہے۔ موصوف نے لکھا ہے کہ عصر رسالت میں ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی مانی جاتی تھیں، یہ اتنی بے بنیاد بات ہے کہ کتب حدیث سے واقفیت رکھنے والا کوئی معمولی آدمی بھی

اسے زبان پر نہیں لاسکتا، کیا جمعیۃ علماء وارانسی کے سکریٹری صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ دور رسالت میں ایک مجلس کی تین طلاق تین مانی جاتی تھی ؟

جمعیۃ علماء کو موقر تنظیم بتانا اور اس کی خدمات کا مبالغہ آمیز تذکرہ کرنا ممکن ہے قابل گرفت نہ ہو، لیکن جب شریعت کی نسبت سے کوئی بات کہی جائے گی تو اسے ثابت کرنا ہوگا، جو لوگ مقلد ہیں ان کو ثبوت کی ضرورت ممکن ہے نہ ہو، لیکن جو دلائل سے واقفیت کے بعد عمل کرتے ہیں وہ ضرور پوچھیں گے کہ آپ کے دعویٰ کی بنیاد کیا ہے؟ لہٰذا مولوی عبدالمتین صاحب کا فرض ہے کہ وہ اپنے مذکور دعوی کو کسی صحیح اور معتبر دلیل سے ثابت کریں، میدان سیاست کی دھونس اور تعلی شریعت کے معاملات میں کام نہیں آسکتی۔ جمعیۃ علماء کی تقدیس میں آپ جو چاہیں کہیں، اس کے اندر جو تفرقہ بازی ہے اس پر جس قدر چاہیں پردہ ڈالیں، لیکن خدارا شریعت کے مسائل میں دجل و تلبیس سے کام نہ لیجئے، اور عوام پر دھونس جمانے کے لئے مبالغہ آمیز باتیں نہ کہئے، ہم خود علماء حنفیہ کے حوالہ سے آپ کو بتا سکتے ہیں کہ عہد رسالت میں طلاق ثلاثہ کا کیا حکم تھا، پہلے آپ اپنے موقف پر ایمانداری سے سوچئے۔

مذکورہ مضمون میں سکریٹری صاحب نے بڑا دل آزار اسلوب اختیار کرتے ہوئے طلاق ثلاثہ کو ایک ماننے والوں کو قلت تعداد کا طعنہ دیا ہے، اور مزعومہ تناسب بھی پیش کیا ہے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

موصوف کو معلوم ہونا چاہیئے کہ طلاق ثلاثہ کو ایک کہنے والوں کی تعداد کم ہو یا زیادہ اس سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بشرطیکہ وہ مسئلہ قرآن یا حدیث سے ثابت ہو، لہٰذا تعداد کی کمی کا تذکرہ طفل تسلی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

تعداد کی کمی کا جب ذکر آتا ہے تو فوری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تین طلاق کو ایک ماننے والے جب اس قدر تھوڑے ہیں تو پھر حلقۂ تقلید میں اس قدر کھلبلی کیوں ہے؟ جب سے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کا فتویٰ شائع ہوا ہے اس وقت سے جمعیۃ علماء کے ذمہ داران اور دوسرے حنفی علماء اجتماعات اور دورے کر رہے ہیں، انٹرویو دے رہے ہیں اور لوگوں کو تقلیدی مذہب پر جمے رہنے کی تلقین کر رہے ہیں، کیا کسی مٹھی بھر جماعت اور دو فیصد لوگوں سے اتنی زیادہ بوکھلاہٹ پیدا ہو سکتی ہے۔ مسلک کمزور ہے لیکن عوام سے اس کمزوری کو چھپانے کے لئے طنز و تعریض اور تلبیس و تحریف سے کام لیا جا رہا ہے، اور اس میں ذمہ دار و غیر ذمہ دار سبھی ملوث ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ آج کے دور میں کسی فرد یا جماعت پر کوئی نظریہ و مسلک تھوپا نہیں جا سکتا، جو شخص جس مسلک پر چاہے عمل کرے،

البتہ یہ کوشش ضروری ہے کہ ہر مسئلہ کی دلیل سامنے آجائے۔

——— عبدالوہاب حجازی

(۳)

تحفظِ شریعت کے نام پر دل آزاری

روزنامہ آوازملک شمارہ ۲۰ ستمبر ۹۳ء کے صہ۲ پر ایک مضمون بعنوان "تحفظِ شریعت کانفرنس وقت کا اہم تقاضہ" شائع ہوا ہے، اس میں طلاق ثلاثہ کے تعلق سے متعدد دل آزار جملے اور تلبیسات درج ہیں ایک مقام پر ارشاد ہے: "گذشتہ دنوں ایک مٹھی بھر جماعت کے ترجمان اخبار میں ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جو پوری دنیا کو معلوم ہے کہ امت میں اپنے اس مسلک میں وہ تنہا ہیں۔"

اس اقتباس میں غرور وتعلی اور کثرت تعداد کا جو زعم ہے، اور جس طرح جماعت اہل حدیث پر طنز کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھ کر اسی مضمون کے اقتباس پر غور کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ دونوں اقتباسات میں کتنا تضاد ہے: "ان دونوں پروگرام میں اس نے بلا امتیاز مسلک ومشرب ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام ومفتیان عظام کو شرکت (؟) کی پرخلوص دعوت دی ہے۔" پہلے اقتباس میں جو دل آزار طنز ہے اس کی روشنی میں مضمون نگار کے اس دعویٰ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ بلا امتیاز مسلک ومشرب ہر مکتبہ فکر کے علماء شریک ہوں؟ جن کو آپ مٹھی بھر ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں ان کے کسی تعاون کی آپ کو کیوں ضرورت ہے؟

کثرت تعداد کے جس غرور میں مضمون نگار مبتلا ہیں اس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے، احناف میں بریلوی مکتبہ فکر آپ کو تسلیم نہیں کرتا، جماعت اسلامی کے خلاف آپ کا محاذ کھلا ہوا ہے، شیعہ آپ کے ساتھ شریک نہیں ہیں پھر آپ کو کثرت پر کیوں ناز ہے؟ اور اس کثرت سے آپ نے کون سی گتھی سلجھالی ہے؟

ایک مقام پر مضمون نگار نے جماعت اہل حدیث کو دو فیصد بتایا ہے، یہ سراسر کذب بیانی ہے، موصوف اگر چاہیں گے تو ہم ان کو صحیح تناسب بتادیں گے، فی الحال یہ گذارش ہے کہ قرآن کریم میں اس بات کی صاف طور پر وضاحت ہے کہ تعداد کی کثرت وقلت حق پرستی اور کامیابی کا معیار نہیں، اچھے لوگ ہمیشہ کم ہی رہتے ہیں، اسی مضمون کی متعدد

احادیث بھی وارد ہیں۔

مضمون نگار جس جمعیۃ علماء کی نمائندگی کر رہے ہیں اور جس کی حقانیت کے طویل عریض دعوے کر رہے ہیں اس نے بھی اس مٹھی بھر جماعت کو نظر انداز کرنے کی جرأت نہیں کی بلکہ اس جماعت کے علماء کو اعلی منصب پر رکھا لیکن آپ آج دو فیصد کا من گھڑت تناسب نکال کر اس جماعت کو طعنہ دے رہے ہیں۔

کثرت وقلت کی جس اندھی منطق کو آپ پیش کر رہے ہیں اس کی بنیاد پر تمام شرک وبدعت اور کفر والحاد جائز بلکہ افضل ٹھہریں گے، اس لئے ہوش میں رہ کر قلم چلائیے۔

طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کو لے کر آپ جس تحفظ شریعت کانفرنس کی دعوت دے رہے ہیں اسے اصل میں تحفظ حنفیت کا نام دیجئے، کیونکہ جو لوگ تین طلاق کو ایک مانتے ہیں ان کے پاس قرآن وحدیث کی ٹھوس دلیلیں موجود ہیں۔ آپ کا یہ دعوی بالکل بے بنیاد ہے کہ دور رسالت میں تین طلاق کو تین مانا جاتا تھا، آپ اس کا ثبوت کبھی بھی پیش نہیں کرسکتے۔

اسی طرح امت کے اجماع کا دعوی بھی کذب بیانی اور عناد کی پیداوار ہے، پہلے اجماع کی تعریف معلوم کیجئے پھر دیکھئے کہ کیا کسی دور میں وہ طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر منطبق بھی ہوتی ہے؟ خود علماء احناف نے تسلیم کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امت کے اندر اختلاف موجود ہے۔

جمعیۃ علماء شریعت کے تحفظ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ساکھ بنانے کے لئے کانفرنس کر رہی ہے۔ جماعت اہل حدیث کے نقطۂ نظر کو دلائل سے رد کرنے کی اس میں ہمت نہیں، اس لئے پروپیگنڈے کا سہارا لے رہی ہے، شریعت کے خلاف آپ لوگ دشمنوں کی سازشوں کا ہوا کھڑا کر رہے ہیں، لیکن جماعت اہل حدیث کے مسلک کی مخالفت کرکے خود شریعت کی بیخ کنی کے ملزم بن رہے ہیں، اس اسلوب سے شریعت کا تحفظ نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔

محمد مستقیم السلفی

---

(۴)

مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران کی خدمت میں

ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہے یا تین؟ اس مسئلہ پر کئی مہینوں سے بحث چل رہی ہے، اس دوران متعدد

غیر اہل حدیث علماء اور مقالہ نگاران کے بیانات اور تحریریں شائع ہو چکی ہیں، ان لکھنے والوں میں ایک طبقہ تو ان لوگوں کا ہے جو حنفیت کے تحفظ و دفاع کے لئے قلم چلا رہے ہیں، یہ حضرات کبھی قومی پریس کو کبھی مسلم دانشوروں کو اور کبھی جماعت اہل حدیث کو سب وشتم اور لعن طعن کرتے ہیں، اس سلسلہ میں دو باتیں زیادہ دہرائی جاتی ہیں، ایک یہ کہ جماعت اہل حدیث انتشار پھیلا رہی ہے، اور دوم یہ کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک کہنے والے بہت تھوڑے مٹھی بھر اور ناقابل اعتناء ہیں۔

لکھنے والوں کا دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں جماعت اہل حدیث کے نقطۂ نظر کی تائید کی ہے اور حنفی مذہب کے رویہ کو غلط قرار دیا ہے، بالخصوص "حلالہ" کے نام پر جو حیا سوز حرکت ہوتی ہے اس کی مذمت کی ہے۔

دونوں طرح کے مباحث اخبارات میں کئی ماہ سے شائع ہو رہے ہیں، اس سلسلہ کی جن تحریروں میں حنفیت کا دفاع کیا گیا ہے ان میں سے بیشتر تجریح اور لعن طعن پر مبنی ہیں، اور ان میں جماعت اہل حدیث کو اس انداز سے خطاب کیا گیا ہے کہ گویا اصل جرم اسی جماعت کا ہے، اور جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاق کو تین مانتے ہیں اور پھر حلالہ کا مشورہ دیتے ہیں وہ بے گناہ ہیں!

اخباری بیان بازی کی اس یلغار اور بابری مسجد کے سانحہ کے پس منظر میں ہونا یہ چاہیئے تھا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ جیسے مسلمانوں کے تمام مسلکوں کا نمائندہ کہا جاتا ہے، کوئی ایسا حکیمانہ و دانشمندانہ اقدام کرتا کہ ہندوستانی مسلمان طلاق تین یا ایک کے چکر سے نکل کر دوسرے مفید کاموں میں مشغول ہو جاتے، لیکن تمام مسالک کی ترجمانی کا دعوی کرنے والا بورڈ بھی مسلکی عصبیت سے خود کو نہ بچا سکا، بہت عرصہ تک بورڈ کے ذمہ دار خاموش رہے، صرف مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کا ایک بیان آیا جس میں حنفی مسلک کا دفاع کرنے کی کوشش کی تھی، اور اہل حدیث جماعت پر چھینٹے تھے۔ البتہ بورڈ ہی کے زیر اثر متعدد حلقے اس دوران اپنی تحریروں میں جماعت اہل حدیث کو نشانہ بناتے رہے، دہلی کے اردو اخبارات و جرائد میں یہ معرکہ زیادہ گرم رہا، لیکن پرسنل لا بورڈ چپ سادھے رہا۔

ادھر چند روز پہلے یہ خبر آئی کہ مسلم پرسنل بورڈ نے کوئی بیان تیار کر کے جس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہی درج تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی مانی جائے گی، جمعیۃ اہل حدیث کے علماء سے اس پر دستخط طلب کیا، لیکن ان لوگوں نے اس پر دستخط سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ۱۲ رستمبر ۹۳ء کے قومی مورچہ بنارس کے شمارہ میں ایڈیٹوریل شائع ہوا

جس میں ایڈیٹر صاحب نے یہ صراحت کی کہ پرسنل لا بورڈ کے جس بیان پر امیر جمعیۃ اہل حدیث ھند اور دیگر اہل حدیث علماء کے دستخط ہیں اس بیان میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہوگی نہ کہ ایک۔

ایڈیٹر قومی مورچہ کی اس تحریر کے بعد میں نے دہلی میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے دفتر میں فون کر کے حقیقت حال سے آگاہی حاصل کرنا چاہی، دفتر کے ایک ذمہ دار حافظ شکیل احمد میرٹھی صاحب نے بتایا کہ امیر جمعیۃ نے جس بیان پر دستخط کیا ہے اس میں اس طرح کا کوئی جملہ موجود نہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہوتی ہے۔

جمعیۃ اہل حدیث کے دفتر سے اس نوعیت کا جواب ملنے کے بعد اندازہ ہوا کہ پرسنل لا بورڈ بھی مختلف مسالک کی نمائندگی کے اپنے مزعومہ دعویٰ کے باوجود حنفیت کے دفاع کے لئے آمادہ ہوگیا ہے، اور اب اس مقصد کے لئے اس نے تلبیس اور افتراء پردازی کی راہ اختیار کرلی ہے۔

اس مقام پر ایک قابل غور بات یہ ہے کہ اگر امیر جمعیۃ اہل حدیث ھند نے مذکورہ بیان پر دستخط کر دیا تھا تو پھر جماعت اہل حدیث پر لعن طعن کا سلسلہ ختم ہوجانا چاہیئے تھا، لیکن روزنامہ آواز ملک بنارس کے ۲۰ ستمبر ۹۳ء کے شمارہ میں ایک مضمون بعنوان: "تحفظ شریعت کانفرنس وقت کا اہم تقاضہ" شائع ہوا ہے جسے مولانا عبدالمتین سکریٹری جمعیۃ علماء وارانسی نے تحریر فرمایا ہے، اس مضمون میں جماعت اہل حدیث کو طرح طرح کے طعنے دیئے گئے ہیں، مثلاً "مٹھی بھر جماعت کے ترجمان اخبار ہیں"۔ "امت میں اپنے اس مسلک میں وہ تنہا ہیں" "معدودے چند افراد کو چھوڑ کر جن کا تناسب امت میں شاید دو فیصد سے زیادہ نہیں" "اب اگر دو فیصد کی قلیل تعداد جمہور امت سے اختلاف کرتی ہے تو یہ کوئی مسلک نہیں بلکہ صرف ان کی اپنی رائے ہے جس کے وہ خود ذمہ دار ہیں" مذکورہ مضمون میں یہ بھی دعویٰ ہے کہ دور رسالت سے آج تک امت کا اس پر اجماع ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔

یہ صرف ایک مضمون سے منتخب طنزیہ جملے ہیں، بنارس کے اردو اخبارات میں اس نوعیت کی دوسری تحریریں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔

چونکہ آپ پرسنل لا بورڈ کے ذمہ دار اور مسلکی اتحاد کے مدعی ہیں، اس لئے آپ کی خدمت میں ہم درج ذیل گذارشات پیش کر رہے ہیں، امید کہ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے:

۱۔ اس بیان کی فوٹو کاپی مرحمت فرمایئے جس پر امیر جمعیۃ اہل حدیث ھند اور دیگر علماء اہل حدیث کے

دستخط ہیں۔

۲۔ مسلم پرسنل لا بورڈ اگر کسی مخصوص مسلک کا نمائندہ نہیں ہے تو حنفیت کے دفاع کے لئے کوشاں کیوں ہے ؟

۳۔ تحفظ شریعت کے عنوان سے جو کانفرنس کی جارہی ہے کیا اس کا مقصد حنفیت کا تحفظ نہیں ؟

۴۔ طلاق کے مذکورہ مسئلہ میں جو موقف بورڈ نے اختیار کیا ہے کیا اس سے اتحاد بین المسلمین کی دعوت کو فائدہ پہونچے گا یا نقصان ؟

۵۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے موجودہ صدر محترم تحریک پیام انسانیت کے بھی قائد ہیں، اس تحریک کے مخاطب غیر مسلم بھی ہیں، اگر طلاق کے معمولی جزئیہ میں آپ جماعت اہل حدیث کو برداشت نہیں کرپارہے ہیں تو پھر غیر مسلموں کو آپ کس طرح برداشت کریں گے ؟

والسلام

عبدالوحید

شیخ الجامعۃ السلفیہ، بنارس

۹۳/۹/۲۲ء

دعاء کے آداب واحکام

تالیف — مولانا مزار حمٰن سلفی، استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعاء مانگنا علماء ہند وپاک کے مابین ایک برابر زیر بحث مسئلہ رہا ہے مذکورہ رسالہ میں فریقین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے مولف موصوف نے مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، اور موضوع سے متعلق دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

سُبحانَ رَبیَّ الاَعلیٰ

پروفیسر حفیظ بنارسی

خوشی کا راز ہے سُبحانَ ربیّ الاعلیٰ
چہ دلنواز ہے سُبحانَ ربیّ الاعلیٰ

مرا وظیفۂ شام و سحر ہے اِلّا اللہ
مری نماز ہے سبحانَ ربیّ الاعلیٰ

اَحَد وہی ہے وہی لم یَلِد وَلم یولَد
وہ بے نیاز ہے، سبحانَ ربی الاعلیٰ

جو چھیڑیئے تو دلِ کائنات جھوم اٹھے
عجیب ساز ہے سبحانَ ربی الاعلیٰ

وہی تو ہے جو بناتا ہے بگڑے کاموں کو
وہ کارساز ہے، سبحان ربی الاعلیٰ

صفِ ملائیکہ لوحِ جبینِ گردوں پر
رقم طراز ہے، سبحان ربی الاعلیٰ

حضورِ حق میں جو سجدہ گذار رہتا ہے
وہ سرفراز ہے سبحان ربی الاعلیٰ

مئے فرنگ میں نشۂ غرور و نخوت کا
مئے حجاز ہے، سبحان ربی الاعلیٰ

حفیظ ہم بھی ہیں اس کے نیازمندوں میں
ہمارا ناز ہے سُبحان ربی الاعلیٰ

رپورٹ

سالانہ میٹنگ مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ بنارس

بروز یکشنبہ مورخہ یکم جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۷/ اکتوبر ۱۹۹۳ء جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی مجلس منتظمہ کی سالانہ میٹنگ ہوئی، واضح ہو کہ جامعہ سلفیہ کی یہ مجلس منتظمہ بشمول مقامی معززین ملک کے اطراف وجوانب سے منتخب مؤقر شخصیات پر مشتمل ہے، اور یہی کمیٹی جامعہ کے تنظیمی، تعلیمی، تبلیغی اور تعمیری جملہ پروگراموں کو طے کرنے اور انھیں بطریق احسن پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی ذمہ دار اور نگراں تصور کی جاتی ہے، اور کم از کم سال میں ایک بار جمع ہو کر جامعہ کی سابقہ کارکردگی کا جائزہ لیتی اور اگلے سال کے لئے نئے پروگرام اور منصوبے منظور کرتی ہے، مذکورہ میٹنگ کا آغاز جناب مولانا عبدالقدوس صاحب مدظلہ العالی کی زیر صدارت جامعہ سلفیہ کے وسیع لائبریری ہال میں تلاوت کلام پاک سے صبح ۱۰ بجے ہوا، سب سے پہلے کمیٹی کے جملہ ممبران نے ملک کے مختلف حصوں میں رونما ہونے والے مختلف آلام ومصائب اور آفات پر اپنے گہرے رنج وغم اور متأثرین کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے لوگوں سے توبہ و استغفار اور دین کی طرف رجوع کی دعوت دی۔

اسی طرح ملک کی دھماکہ خیز صورت حال کے پیش نظر ہر طرح کے اختلافی فروعی مسائل سے گریز کرتے ہوئے ملت کے علماء اور افراد سے باہم اتفاق واتحاد کی فضا قائم کرنے کی پرزور اپیل کی، اس کے بعد ایجنڈے میں شامل دفعات کی رو سے ناظم اعلیٰ جناب مولانا شاہد جنید صاحب سلفی کی جانب سے سابقہ میٹنگ کی کارروائی کی خواندگی عمل میں آئی اور موصوف نے سال گذشتہ کی میٹنگ میں پاس شدہ تجاویز اور اس کی کارروائی سے ممبران کو آگاہ کیا جس کی جملہ ممبران نے توثیق کی اور اس پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا، بعدہٗ مختلف شعبہ جات کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا چنانچہ نائب ناظم مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی نے شعبہ تعلیم، تعمیرات اور دعوت وتبلیغ سے متعلق مفصل رپورٹ کا خلاصہ پیش کیا، موصوف نے اپنی رپورٹ کے اندر تعلیمی میدان میں کئے گئے بعض نئے اقدامات کا بھی تذکرہ کیا جن میں تربیتی کورس برائے اساتذہ مدارس بہار بورڈ کا خاص طور سے ذکر کرتے ہوئے اس کے بعض مفید نتائج کی جانب اشارہ کیا، اسی طرح موصوف نے

تعمیرات کے سلسلہ ٔ" امہات المؤمنین " کالج کے تکمیلی مراحل تک پہونچنے اور زیر تعمیر جنرل لائبریری کی جدید عمارت میں مسلسل تعمیری کام جاری رہنے کی اطلاع دی ۔

اس کے بعد وکیل جامعہ جناب ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری نے شعبہ تصنیف وتالیف سے متعلق ایک مفصل رپورٹ پیش کی جس میں موصوف نے مذکورہ شعبہ کے تحت سال گذشتہ کے دوران شائع ہونے والی عربی، اردو، ھندی اور انگریزی کتابوں کی فہرست اور زیر طباعت کتابوں کی فہرست سے کمیٹی کو آگاہ کرتے ہوئے تصنیفی میدان میں آئندہ کے بعض اہم پروگراموں کا خاکہ پیش کیا، جامعہ سلفیہ سے شائع ہونیوالے عربی واردو دونوں مجلوں کی کارکردگی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان پر مزید توجہ کی ضرورت پر زور دیا۔ مالیات سے متعلق جناب ناظم اعلیٰ صاحب نے گذشتہ سال کے آمد وخرچ کا حساب دیتے ہوئے اگلے سال کے لئے بجٹ کا ایک خاکہ پیش کیا ۔

وضاحت طلب امور سے متعلق سوال وجواب کے بعد جملہ ممبران نے تمام شعبوں کی کارکردگی پر من حیث الجملہ اپنے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے پیش کردہ بجٹ کو منظوری دی، یہاں یہ واضح کردینا مناسب ہوگا کہ کمیٹی نے اگلے سال کے بجٹ میں ایک ٹکنیکل ٹریننگ کالج اور ایک تجارتی سینٹر کے قیام کی تجویز پاس کی ہے جو حالات کے پیش نظر اشد ضروری ہے، ان دونوں عظیم منصوبوں کی تکمیل کی راہ میں حائل مادی ومعنوی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ارکان کمیٹی پر مشتمل متعدد وفود کی تشکیل بھی عمل میں آئی ہے جو افراد جماعت سے رابطہ قائم کریں گے ۔ چونکہ مجلس منتظمہ کے عہدیداران کی مدت تین سال ہوتی ہے جو امسال پوری ہوچکی تھی اس لئے نئے عہدیداران کا انتخاب بھی ایجنڈے کی دفعات میں شامل تھا، اور اس سلسلے میں کمیٹی نے موجودہ جملہ عہدیداران کو ان کے اپنے سابقہ منصب کے لئے منتخب کرنے پر اتفاق کیا ۔

دیگر امور باجازت صدر کے تحت دینی مدارس کی تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کو بہتر سے بہتر اور مؤثر وفعال بنانے کی خاطر بعض ٹھوس اور جامع منصوبوں پر بھی کمیٹی کے افراد نے غور وخوض کیا۔ اخیر میں خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری کے دعائیہ کلمات پر ۲ بجے میٹنگ کے اختتام کا اعلان کیا گیا ۔

•••

جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے

ایک بے لوث خادم کی رحلت

از محفوظ الرحمن مشتاق احمد السلفی ، بنارس

دنیا میں کچھ ایسی ہستیاں بھی ہوئیں جو ایسے اوصاف ومحاسن وبلند کردار کی حامل تھیں کہ ان کے کارنامے مستقبل کی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہیں اس مضمون میں ہم ایسی ہی ایک دور اندیش ، مخلص وبے لوث شخصیت کا ذکر خیر کرنے جارہے ہیں جو چند دنوں پہلے ہم سے جدا ہوگئی اور جسے ہم الحاج حافظ عبدالعلی انور بن الحاج محمد عثمان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ابتدائی حالات

مرحوم کا تعلق مئوناتھ بھنجن کے مشہور محلہ "ڈومن پورہ حبہ" سے تھا اور وہیں آپ کی پوری زندگی بھی گذری افسوس! سعی بسیار کے باوجود ان کی تاریخ پیدائش کا پتہ نہ چل سکا ، آپ کی ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ میں ہوئی ، ناظرہ اور اردو فارسی وغیرہ کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد قرآن مجید حفظ کیا ، حافظ قرآن ہونے کے ساتھ آپ ایک خوش الحان قاری بھی تھے۔

اخلاق وعادات

مرحوم ایک منکسر المزاج اور خاکسار شخص تھے ، طبیعت میں تعلّی اور تکبر کا معمولی سا شائبہ بھی نہیں تھا۔ خاکساری کا یہ عالم تھا کہ مکان سے متصل ایک صحن کی صفائی برسوں تک آپ نے اپنے ہاتھ سے کی اور اس پر کسی طرح کی نمائش کا اظہار نہیں کیا جیسا کہ آج کل یہ ایک فیشن بن گیا ہے کہ آدمی جب بھی کوئی رفاہی ، سماجی ، یا علمی کام کرتا ہے تو کام سے زیادہ اس کو نام کی خواہش ہوتی ہے اور اسی طرح مسجد کی صفائی اور ستھرائی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے ، بسا اوقات موذن کی عدم موجودگی میں اذان اور اسی طرح اکثر وبیشتر امامت کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔

اللہ نے مرحوم کو خلوص وللہیت اور دین داری سے بھی نوازا تھا۔ تحمل وبردباری آپ کی نمایاں صفت تھی ، وسیع النظری اور کشادہ قلبی کے پیکر تھے۔ نماز پنجگانہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ بالالتزام بعد نماز فجر قرآن مقدس کی تلاوت آپ کا شعار تھا۔

دینی معلومات کو حاصل کرنے کا جذبہ بھی آپ کے سینے میں پوشیدہ تھا اور یہ اسی جذبہ کا ثمرہ تھا کہ اکثر آیات کے تراجم یاد کرتے اور اس کو سمجھ کر حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ کی آواز شیریں اور دلکش تھی فن تجوید سے آگاہی اور قرأت کے شغف نے اس میں مزید جاذبیت اور کشش پیدا کر دی تھی، تلاوت کرتے تو سامعین پر ایک عجیب رقت طاری ہوتی، راقم الحروف مرحوم کا پڑوسی تھا اس لئے اکثر آپ کی قرأت سننے کا موقع نصیب ہوا، دل و دماغ آپ کی شیریں آواز سے اس قدر مانوس و متاثر ہوا کہ آج تک اس کی کیفیت محو نہ ہو سکی۔

فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مذہبی و ملی معاملات میں بھی پیش پیش رہا کرتے تھے اور ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔ اور یہ خدمت اور ملی امور سے وابستگی خالصاً لوجہ اللہ تھی، شخصیت سازی اور مفاد پرستی کی کوئی طمع نہیں تھی جب کہ آج کل لوگ عموماً ذاتی مفاد کے لئے ہی دینی اداروں اور رفاہی تنظیموں سے وابستہ رہتے ہیں۔

علماء نوازی اوران کی تعظیم

مرحوم کی پوری زندگی میں اسلامی تہذیب کی گہری چھاپ نظر آتی تھی۔ لیکن آپ کی زندگی کا امتیازی پہلو علماء نوازی اوران کی ضیافت واکرام ہے، علماء کرام کی ضیافت کرنا باعث فخر سمجھتے اور علماء کی توہین کرنے والوں اوران کے بارے میں سوء ظن رکھنے والوں سے سخت بیزار رہا کرتے تھے۔

چونکہ مئوناتھ بھنجن علمی کوششوں کی سرزمین ہے اس لئے یہاں پر اکثر علماء کرام کا آنا ہوتا ہے۔ باہر سے آنے والے علماء کے لئے مرحوم کا گھر ہمیشہ کھلا رہتا تھا خود راقم نے ملک کی بہت سی چیدہ شخصیتوں اور علماء کرام کو ان کے گھر پر مقیم دیکھا ہے مولانا عبدالمبین منظر رحمہ اللہ، ڈاکٹر عبدالسلام اسلم کانپوری رحمہ اللہ، مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی اور مولانا محمد دیندار خاں محمدیؔ جیسے مشہور زمانہ علماء کرام کی اقامت و ضیافت کا شرف مرحوم کو حاصل تھا اور اس کے علاوہ رمضان میں مدارس کے تعاون کے سلسلے میں مختلف سفراء آتے تو آپ ہی کے یہاں مقیم رہتے تھے۔

جامعہ عالیہ عربیہ

تعلیمی اداروں کو پروان چڑھانے اوران کو ترقی کی طرف لے جانے میں تقریباً سماج کے ہر فرد کا کسی نہ کسی پہلو سے تعلق ہوتا ہے اور بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جن کا وجود اداروں کے لئے سنگ و خشت کی مانند ہوتا ہے۔ ان کے وجود سے اداروں کو حیات جاوداں نصیب ہوتی ہے اوران کی مخلصانہ خدمات اور مساعی جمیلہ سے ادارے آگے بڑھتے ہیں، مرحوم کا تعلق بھی اسی نوعیت سے تھا۔ ۱۹۹۵ء میں جامعہ کی صد سالہ تقریب منعقد ہوئی، اس سے قبل جامعہ کو چند فعال اور متحرک قسم کے افراد کی ضرورت پیش آئی جو ہر موقع پر جامعہ کی خدمت

سے ... ہوں، ارباب جامعہ نے اپنی صواب دید کے مطابق مرحوم ہی کا انتخاب کیا۔ اور آپ جامعہ کے ممبر منتخب ہوئے اس کے چند سال بعد آپ کا خلوص اور سعی و محنت دیکھ کر نائب ناظم کا عہدہ سپرد کر دیا گیا جسے آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ مرحوم کا جب تک جامعہ سے ذمہ دارانہ تعلق رہا تعمیری کام آپ ہی کے ذمہ تھا۔ موجودہ دور میں تعمیراتی سامان کی فراہمی ایک مشکل امر ہے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کا کبھی اس سے سابقہ رہا ہو، لیکن مرحوم نے اس مشکل اور پیچیدہ کام کو بھی نہایت لگن، محنت اور صبر کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ اور کبھی بھی حرف شکایات زبان پر نہیں لائے، مرحوم کا یہ فعل ان کے اخلاص اور جذبۂ صادق کی نہایت بہترین عکاسی کرتا ہے۔

تعمیراتی امور کے علاوہ مرحوم طلبہ کے قیام وطعام کے نظم کو خوب سے خوب تر بنانے میں ہمیشہ سرگرداں رہتے، ان کی کوشش ہمیشہ یہی رہتی کہ طلبہ کو کسی طرح کی پریشانی اور دشواری لاحق نہ ہو، اس لئے کہ یہ لوگ والدین اور وطن کو چھوڑ کر محض دینی تعلیم کے حصول کے لئے اس ادارے میں آئے ہیں، جامعہ کی جانب سے جب کبھی کوئی اجلاس ہوتا تو اس وقت آپ کی سرگرمی اور محنت لائق دید ہوتی، باہر سے آنے والے مہمانوں کے لئے آپ فرش راہ بن جاتے اور حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتے کہ کسی طرح کی بدنظمی نہ پیدا ہو، اجلاس کو کامیاب بنانے اور اس کے حصول کے لئے آپ کی تگ ودو اور دوڑ دھوپ ناقابل فراموش ہے۔ جس سے ارباب جامعہ اچھی طرح واقف ہیں، اور امید ہے کہ وہ لوگ مرحوم کے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ جمال پورہ میں جامعہ کا دارالاقامہ ہے جس کے چاروں طرف ایسے لوگوں کی آبادی ہے جن کو جامعہ کی ترقی سے خدا واسطے کا بیر ہے اور وہ لوگ ہمیشہ جامعہ کو نقصان پہونچانے کے درپے رہتے ہیں، کبھی کبھار شدید نوعیت کا اختلاف پیدا ہوا تو مرحوم نے اس موقع پر بھی کافی بہادری اور خلوص کا ثبوت دیا۔ اور کسی طرح سے پیچھے نہ ہٹے۔

جامعہ سلفیہ بنارس

جامعہ سلفیہ بنارس جماعت اہل حدیث کا مرکزی ادارہ ہے اور اسے مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کی سرپرستی حاصل ہے، جماعت کے لاکھوں افراد کو اس ادارے سے حد درجہ عقیدت ومحبت ہے وہ جامعہ کی تعمیر وترقی کے لئے دعاگو رہتے ہیں اور بوقت ضرورت کسی طرح کے تعاون سے گریز نہیں کرتے مرحوم کا شمار بھی انہیں خوش نصیب افراد میں ہوتا تھا جن کو جامعہ سلفیہ سے سچی محبت اور عقیدت وشیفتگی تھی۔ یہاں کے تعلیمی نظام اور تعمیری امور کی بہت زیادہ تعریف کرتے تھے، ہم لوگ چھٹیوں میں جب گھر جاتے تو ملاقات کے بعد سب سے پہلا سوال جامعہ سلفیہ کے متعلق ہوتا، مولانا عبدالوحید صاحب مرحوم سابق ناظم اعلیٰ کی دل آویز شخصیت سے آپ کو بڑی عقیدت اور شیفتگی تھی، کبھی بنارس تشریف لاتے تو جامعہ سلفیہ ضرور آتے، ناظم اعلیٰ سے ملاقات کرتے اور جامعہ کے

آئندہ ترقیاتی منصوبوں کے بارے میں پوچھتے۔ جامعہ سے عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ چند سال قبل آپ کی اہلیہ محترمہ کا بنارس ہندو یونیورسٹی میں آپریشن ہوا تھا مرحوم ان کی دیکھ بھال کے لئے اسپتال میں رہتے تھے لیکن نماز کی ادائیگی کے لئے اتنی لمبی مسافت طے کرکے جامعہ ہی تشریف لاتے تھے، اسی دوران آپ نے مجھ سے ذکر کیا کہ جب تک میں جامعہ نہیں آتا ہوں مجھ کو تسلی نہیں ہوتی ہے، اور اس کے دیدار سے مجھ کو روحانی سکون نصیب ہوتا ہے۔

جماعت اہل حدیث

مرحوم مدرسہ عالیہ کے نائب ناظم ہونے کے ساتھ ساتھ جمعیۃ اہل حدیث مشرقی یوپی کے ممبر بھی تھے۔ جماعت اہل حدیث سے آپ کا بہت گہرا لگاؤ تھا۔ جامعہ سلفیہ یا کسی دوسرے مقام پر جب بھی صوبائی جمعیۃ کی میٹنگ ہوئی تو آپ پابندی کے ساتھ اس میں شریک ہوتے اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے۔ اکثر و بیشتر میٹنگ کا آغاز آپ ہی کی تلاوت سے ہوتا تھا۔

سیاست

دینی اداروں سے ذمہ دارانہ تعلق اور ان سے وابستگی کے ساتھ ملکی حالات سے بھی باخبر رہتے تھے اور سیاست سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اس کی وجہ سے ملک کے نامور لیڈران سے آپ کے اچھے مراسم تھے۔ میں نے بہت سی سیاسی شخصیتوں کو آپ کے گھر دیکھا ہے۔

آخری حالات

آٹھ سال قبل مرحوم بیمار ہوئے اور پھر اس بیماری نے ٹلنے کا نام نہ لیا جس کی وجہ سے آپ مکمل طور پر صحت یاب نہ ہوسکے، اسی دوران کبھی طبیعت ٹھیک ہوتی تو مسجد تک تشریف لاتے، تقریبا چار سال تک صاحب فراش رہنے کے بعد ۲۷ اور ۲۸ جون ۱۹۹۳ء کی درمیانی شب میں ہم سے جدا ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی تھی دوسری بیوی بقید حیات ہیں دونوں سے پانچ بیٹے اور سات بیٹیاں ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب کرے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

***

از: محمد مستقیم سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں ٭ کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

نہایت رنج وغم کے ساتھ یہ خبر قلم بند کی جاتی ہے کہ مورخہ ۶/ اکتوبر ۱۹۹۲ء مطابق ۲۰/ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ یوم چہارشنبہ کی رات میں استاذ محترم مولانا عظیم اللہ صاحب مئو (نور اللہ مرقدہ) رحلت فرماگئے انا للہ وانا الیہ راجعون.

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد عظیم اللہ بن حافظ احمد بن حافظ احمد اللہ بن حافظ عبدالرحمن اس سلسلہ نسب میں تین پشت تک ہر شخص حافظ بھی ہے ، اسی طرح آپ کی والدۂ ماجدہ بھی حافظ تھیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کا رجحان علم دین کی جانب کس قدر تھا، اسی دینی ماحول میں مولانا مرحوم کی پرورش اور تربیت ہوئی، مرحوم ایک صاحب نظر اور باذوق عالم تھے، علمی مسائل کے ساتھ ساتھ حالات پر بھی آپ کی نظر تھی شخصیات کے مزاج وافتاد سے خوب واقف تھے ، اس پیش آمدہ معاملات میں فیصلہ کن اور صائب رائے دیتے تھے، آپ کا تدریسی ملکہ پختہ تھا عبارت کو اس طرح حل فرمادیتے تھے کہ مفہوم ومدعا بالکل واضح ہوجاتا تھا، تدریس کی زبان اور اسلوب بڑا شگفتہ ودل نشین تھا اس لئے طلبہ کبھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے ، درس کے دوران علمی لطائف بھی ذکر فرماتے تھے، مئو کی علمی ودینی تاریخ کے اہم واقعات بڑی دلچسپی سے بیان فرماتے تھے، اگر یہ باتیں قلم بند ہو گئی ہوتیں تو اس تاریخ کا ایک اہم حصہ محفوظ ہوجاتا، آپ علم وفضل کے سمندر تھے ، سادگی ، بے نفسی ، شرافت اور خوش خلقی قابل رشک تھی۔

آپ مشرقی یوپی کے معروف ومشہور قصبہ مئوناتھ بھنجن میں ۱۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ نے تعلیم کی ابتداء ۱۳۲۸ھ میں فیض عام مئو سے کی اور وہیں سے ۱۳۵۰ھ میں سند فراغت بھی حاصل کی ، مدرسہ فیض عام مئو کے آپ کے اساتذہ میں مولانا ابوالفیاض نور محمد بن محمد بن اسماعیل کوٹھا قاسم پورہ (شاگرد حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی) (۱۲۷۳-۱۳۵۷ھ) مولانا احمد بن ملا حسام الدین (۱۲۹۰-۱۳۶۷ھ) مولانا محمد احمد صاحب ناظم فیض عام مئو (۱۳۱۰-۱۴۰۲ھ) مولانا عبداللہ صاحب شائق (۱۳۰۹ھ-۱۳۹۴ھ) اور مولانا عبدالرحمن صاحب نحوی مئوی (م ۱۳۸۳ھ) وغیرہ ہیں ۔

مدرسہ فیض عام مئو سے فارغ ہونے کے بعد آپ سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ مظاہر علوم کے دورۂ

مولانا ظہور الحق، مولانا محمد زکریا اور مولانا ظریف احمد صاحبان قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد اخیر عمر تک آپ کا مشغلہ درس وتدریس ہی رہا، مختلف مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، ۲۳/ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۳/مارچ ۱۹۶۸ء کو آپ بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس میں تشریف لائے، اور ایک سال سے زیادہ اس ادارہ کی خدمت کی، پھر صحت کی ناہمواری کی بنا پر ۲۰/جمادی الاخری ۱۳۸۹ھ مطابق ۵/اگست ۱۹۶۹ء کو جامعہ سلفیہ سے مستعفی ہوکر اپنے وطن چلے گئے، اور جامعہ اثریہ مئوناتھ بھنجن میں مسند تدریس پر فائز ہوئے، چند سال اس جامعہ میں رہ کر جامعہ سراج العلوم بونڈیہار (گونڈہ) تشریف لے گئے، اور تقریبا دس سال تک وہاں درس وتدریس اور افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے یہاں بھی صحت کی طرف سے کچھ الجھن شروع ہوئی تو مستعفی ہوکر گھر چلے آئے اور بقیہ وقت یہیں گذارا، کچھ دنوں تک صاحب فراش رہ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

کثرت مشاغل کی بنا پر تصانیف کی جانب آپ کی توجہ بہت کم رہی، پھر بھی آپ نے چند کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ کشف الظلام من روایۃ الاعلام (اردو) صفحات ۲۰۰، یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے رسالہ "الاعلام المرفوعۃ فی الطلقات المجموعۃ" کے رد میں ہے، مسئلہ مابہ النزاع طلاق ثلاثہ ہے،

۲۔ برہان عظیم (اردو) صفحات ۳۲، یہ کتاب نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنے کے ثبوت میں ہے،

۳۔ العروۃ الوثقی (اردو) یہ کتاب شرک وبدعت کی تردید میں ہے۔

۴۔ منہج الصحابہ (اردو) یہ کتاب صحابۂ کرام کے تمسک بالسنۃ اوران کے طریقۂ استدلال پر مشتمل ہے۔

جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلبہ مولانا کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر کرے!

اللہم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ جنۃ الفردوس۔ آمین

باب الفتاویٰ

انتخاب : از مولانا محمد مستقیم سلفی

مصارفِ چرمِ قربانی وزکوٰۃ کے متعلق

استفسار اور اس کا جواب

سوال ـــ چرمِ قربانی کی قیمت سے مدرسے کی عمارت از سرِ نو تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا مدرسین کی تنخواہ اور دیگر سامان ضروری متعلقہ مدرسہ مثلاً دری، چٹائی، ڈکس نیز بچوں کی تعلیم کے لئے کتابوں وغیرہ میں صرف ہوسکتی ہے یا نہیں؟

سائل ۔ محمد یونس کیتقل گنج، کانپور

الجواب: دینی مدرسے کی تعمیر اور اس کے مدرسین کی تنخواہ اور دیگر ضروری سامان متعلقہ مدرسہ اور اس مدرسے کے غریب بچوں کے تعلیم کے لئے کتابوں وغیرہ پر چرمِ قربانی کی قیمت صرف ہوسکتی ہے کیوں کہ یہ سب صدقے کی صورتیں ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ھدی کے جانوروں کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ان کے جھول اور چمڑوں کو صدقہ کر دو چنانچہ بخاری ج ۱ ص ۲۳۰ میں ہے۔

"عن علی قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن التی نحرت وبجلودھا"

اور یہ مسلم ہے کہ ان احکام میں قربانی اور ھدی دونوں کے حکم ایک ہی ہیں، جیسا کہ "سبل السلام" میں ہے:

حکم الأضحیۃ حکم الھدی فی انہ لا یباع لحمھا ولا جلدھا ولا یعطی الجزار منھا شیئاً،

اگرچہ مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ "ان ہدی کے جانوروں کے گوشت اور چمڑے اور جھول کو مساکین میں تقسیم کر دو" (وامرہ ان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا فی المساکین ص ۴۲۴ ج ۱) لیکن "مساکین" کا ذکر یہاں ایسے ہی ہے جیسے "فقراء کا ذکر حدیث معاذ میں حیث قال لہ حین بعثہ الی الیمن فاخبرھم ان اللہ قد افترض علیھم صدقۃ

توخذ من اغنیائھم وترد الی فقرائھم ، رواہ الشیخان ۔
یعنی جس طرح حدیث معاذ میں "فقراء" کا ذکر حصر اور تخصیص کا مقتضی نہیں ہے ویسے ہی حدیث علیؓ میں "مساکین" کا ذکر حصر کے لئے نہیں، بلکہ موقع کے لحاظ سے انواع صدقہ میں سے ایک نوع کا ذکر تمثیلاً فرمایا گیا، پس بقاعدہ اصول : "العبرۃ بعموم اللفظ" صدقہ کا لفظ اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے تمام مصالح دینیہ کو شامل ہوگا، لہذا چرم قربانی کی قیمت کو جیسے مساکین پر صرف کیا جا سکتا ہے ویسے ہی حسب ضرورت دوسری شرعی و دینی ضروریات و مصالح میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے۔

امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں: وکان ابن عمر اولا یکسوھا الکعبۃ فلما کسیت الکعبۃ تصدق بہا (مسلم ج ۱ ص۴۲۴) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی ہدی کے جھول کو کعبہ کا پردہ بناد یا کرتے تھے، بعد میں جب کعبہ کے پردہ کا انتظام ہوگیا تو پھر صدقہ کر دیا کرتے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر کے نزدیک اس کو مساکین پر صرف کرنا ضروری نہ تھا ورنہ اس کو وہ کعبہ کا پردہ نہ بناتے، اسی سے چمڑہ کے متعلق ان کا مسلک معلوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جلال وجلود یعنی جھول اور چمڑے دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہدی اور قربانی کے چمڑوں کو صدقہ کر دینے کا یہ حکم یا تو استحبابی ہے یا ایجابی ، اگر استحبابی ہے تو یہ نفلی صدقات میں داخل ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ نفلی صدقات کی جو ترغیب و تفصیل آیات واحادیث میں بیان کی گئی ہے وہ کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ جملہ وجوہ خیر کو شامل ہے ، وھو اظھر من ان یتصدی احد لاثباتہ۔

اور اگر ایجابی ہے تو یہ زکوٰۃ کے حکم میں ہوگا اور زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف قرآن میں بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک فی سبیل اللہ بھی ہے، جمہور اگرچہ اس کو قتال اور جہاد کے ساتھ خاص کرتے ہیں لیکن ایک جماعت علماء سلف کی اس کو عام مانتی ہے اور یہی مسلک میرے نزدیک راجح اور قوی ہے چنانچہ علامہ سید رشید رضا مرحوم قول بالتخصیص کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ھذا غیر صحیح بل سبیل اللہ ھو الطریق الموصل الی مرضاتہ وجنتہ وھو الاسلام فی جملتہ وآیات الانفاق فی سبیل اللہ تشتمل جمیع انواع النفقۃ المشروعۃ وماذا یقول فی آیات الصد والاضلال عن سبیل اللہ والھجرۃ فی سبیل اللہ بل لا یصح أن یفسر سبیل اللہ فی آیات القتال نفسہا بالغزو لأن القتال

هو الغزو فما يكون في سبيل الله اذا اريد به أن تكون كلمة الله هي العليا، ودينه هو المتبع فسبيل الله في الآية يعم الغزو الشرعي وغيره من مصالح الاسلام بحسب لفظه العربي ويحتاج التخصيص الى دليل صحيح ۔ (حاشیه مغنی لابن قدامة ج ۲ ص ۷۰۰)

اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کے مفہوم کو غزو اور قتال کے ساتھ خاص کر دینا صحیح نہیں ہے بلکہ لغت عربی اور دوسری آیات کی رو سے یہ لفظ ان تمام طریقوں کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حصول ممکن ہو، تخصیص پر کوئی صحیح دلیل قائم نہیں۔

نواب صدیق خاں علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: قيل ان اللفظ عام فلا يجوز قصره على نوع خاص و يدخل فيه جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الجسور وعمارة المسجد وغير ذلك۔ (فتح البيان ج ۴ ص ۱۴۲)

یعنی بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ (فی سبیل اللہ) عام ہے اس کو کسی خاص نوع کے ساتھ خاص کر دینا درست نہیں، اس میں غریب مردوں کی تکفین سے لے کر مسجدوں، قلعوں اور پلوں کے بنانے تک تمام نیکی کے کام داخل ہیں۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب ۔

راقم ۔ نذیر احمد رحمانی

استاد جامعہ رحمانیہ بنارس

ماہنامہ

بنارس

شمارہ ر ۱۲ | دسمبر ۱۹۹۳ء | جمادی الآخرۃ ۱۴۱۴ھ | جلد ر ۱۱

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱/۱۸ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک
سالانہ ۴۵ روپئے فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

۱۔	درس قرآن	مولانا اصغر علی السلفی	۲
۲۔	درس حدیث	〃 〃 〃 〃	۴
۳۔	افتتاحیہ	ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری	۶
۴۔	منکرات اور اسکے ازالہ کی شرعی تدابیر	مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری	۱۲
۵۔	حکومت سعودی عربیہ اور انسانی حقوق کا تحفظ	ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری	۲۷
۶۔	نظم	شوق اعظمی	۳۴
۷۔	جشنِ میلاد پر عوام الناس کے تبصرے	عبداللہ عبدالرؤف سلفی	۳۵
۸۔	مسلم بوسنیا کا خاتمہ ــــ	برطانوی وزیراعظم کا ایک خفیہ مکتوب	۳۹
۹۔	خیالات کا اثر صحت پر	عبدالسمیع محمد ہارون انصاری	۴۲
۱۰۔	جامعہ سلفیہ بنارس میں سعودی ناظم الامور کی تشریف آوری	ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری	۴۴
۱۱۔	باب الفتاوی	انتخاب ر مولانا محمد مستقیم سلفی	۴۶
۱۲۔	ہماری نظر میں		۴۸

درس قرآن | بسم اللہ الرحمن الرحیم | اصغر علی السلفی

دینِ کامل سب سے بڑی نعمت

قال تعالیٰ: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دینا۔ (المائدہ ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور ساتھ ہی اپنی نعمت بھی تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام
سے بطور دین راضی ہوگیا۔

اسلام کا پیغام کامل واکمل اور ابدی وسرمدی ہے۔ قیامت تک انسان کے ہر شعبۂ زندگی سے متعلق تمام امور
کا حل پیش کردیا گیا حتیٰ کہ اخروی زندگی جو انسان کی حقیقی اور ابدی زندگی ہے کے متعلق بھی بہت واضح طور پر تعلیم دے
دی گئی ہے۔ جو شخص زمرۂ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے وہ تمام خودساختہ اور وقتی اصول وقوانین اور ہر طرح کی بے مقصدگی
اور بے راہ روی سے نجات پاجاتا ہے وہ اب اس بات کا محتاج نہیں کہ تجارت وزراعت اور معاشرت ومعاملات میں کسی
قانون کے وضع کرنے اور پھر تجربات کی دنیا سے گذر کر اس کو اپنا اصول حیات متعین کرے۔ یا مشرق ومغرب کی کسی پالیسی
کو اپنائے بغیر کامیاب نہ ہوسکے بلکہ اس کے لئے کارزارِ حیات میں ہر آنے والے مشاکل ومسائل کا حل بدرجۂ اتم موجود ہے۔
اس میں کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے نہ نظرِ ثانی کی گنجائش ہے اور نہ ہی اس میں اس کا متبادل کوئی نظام اصول اور نظریہ
مذہب ہوسکتا ہے۔ لاتبدیل لکلمات اللہ ذلك هو الفوز العظيم۔ صحابہ کرام نے آپ
کے بعد گواہی دی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دنیا میں پائی جانے والی انسانیت کی بھلائی کی ہر بات بتا
دیا تھا اور نقصان پہنچانے والی تمام باتوں کی نشاندہی کرکے اس سے بچنے کی تلقین کردی تھی۔ اس کے بعد اس دنیائے
فانی سے تشریف لے گئے۔ اب جو شخص کامیاب ہونا چاہتا ہے اور دنیا وآخرت کی کامیابی کا طالب ہے۔ اسے چاہئے
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین وشریعت پر کاربند ہوجائے اور اسی سے راضی ہو اس کے
علاوہ کوئی دین وایمان اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ومن يبتغ غير
الإسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين۔ اسلام کے علاوہ دین
اگر کسی نے خواہش کی تو پھر اس کا یہ دین ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اور وہ آخرت میں سخت گھاٹے میں ہوگا۔ دین کا مفہوم

یہ ہے کہ اس کے تمام چھوٹے بڑے امور میں اس کی پیروی کی جائے اگر ایک جزئیہ میں بھی کسی اور شخص یا مذہب کی پیروی کی گئی تو وہ دین سے خروج کے مرادف ہوگا اس لیے ہر وہ شخص جو ایمان کا دعویدار ہے اسے چاہیئے کہ اپنا محاسبہ کرے نفس کو ٹٹولے اعمال کو سنت کی کسوٹی پر پرکھے غیر قول سے کٹ کر صرف اسلام کا ہو جائے ورنہ اسلام کا کھوکھلا دعوی کسی طرح بھی مفید نہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک آدمی اسلام کا دعوی کرتا ہے مگر دوسروں کی تقلید کو باعث نجات سمجھتا ہے۔ غیروں کو حاجت روا سمجھتا ہے۔ اور اسی سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے پھر بھی وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔ دین کے نام پر بے دینی پھیلانے والوں کی ہمنوائی کرتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کے باوجود کسی اور شخص کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ پھر بھی اپنے ہی کو ان کا امتی بتلاتا ہے۔ جھوٹے مدعیان نبوت کے ہرزہ سرائیوں اور ہرزہ سرائیوں کو اسلام کے بہترین تعلیمات کے مقابلے میں لاتا ہے اور اپنے آپ کو مومن کہتے نہیں تھکتا۔ حالانکہ اس کے نبی کا ارشاد ہے کہ "لوکان موسی حیا لما وسعہ الا اتباعی۔" کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس واضح ہدایت کے بعد بھی اگر امت میں کچھ جھوٹے نبی پیدا ہوں اور اپنے نبی ہونے کا دعوی کریں اور مسلمان اپنی سادہ لوحی اور لاعلمی میں ان کی اور ان کے اسلام مخالف تعلیمات کی پیروی کرے تو ایسے مسلمان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ جیسے بہت سے مسلمان مرزائیوں اور بہائیوں اور بابیوں اور منکر حدیث کے فاسد عقائد کو پورے طور پر نہ جاننے کی وجہ سے قبول کر لیتے ہیں ایسا دین عنداللہ و عندالمسلمین مقبول نہیں ہوتا ہے اور اسلام جیسی عظیم نعمت کی ناقدری ہے۔ اس دور میں خاص طور پر بہت سی اسلام دشمن تحریکوں اور فرقوں نے جنم لیا ہے جو اسلام کا نام لیتے ہیں اور مسلمانوں جیسا نام بھی رکھتے ہیں مگر وہ دشمنان اسلام کے ایجنٹ ہیں آج کل بہائی اور بابی فرقے کے مفسدین وحدت ادیان کی بات کرتے ہیں انہوں نے قرآن کو غیر موثر قرار دینے کے لئے کتاب "الاقدس" کے نام سے ایک کتاب اختراع کیا ہے اور اس کے بانی بہاءاللہ نے نبوت اور پھر الوہیت کا دعوی کیا تھا مسلمانوں کا قبلہ کعبہ شریف ہے اس کی بجائے اس کے دوسرا قبلہ متعین کیا جہاد اور تمام اسلامی احکام کو منسوخ قرار دے کر اپنے خودساختہ باتوں کو اکبر کے دین کی طرح ایک دین ایجاد کیا لیکن اس کے متبعین اتنے شاطر ہیں کہ ابتداء میں وہ اپنے اصل عقائد و نظریات منحرفہ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ چند خوشنما اصول پیش کر کے پہلے قریب کرتے ہیں پھر اپنا کلمہ پڑھاتے ہیں۔

درس حدیث

اصغر علی السلفی

عقیدہ ختم نبوت میں کذابین کی نقب زنی

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کانت بنو اسرائیل تسوسھم الأنبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی، وأنہ لانبی بعدی وسیکون خلفاء۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء کرام بنو اسرائیل کی سر براہی فرماتے تھے جب ایک نبی مر جاتا تو دوسرا نبی ان کا جانشین ہو جاتا اور میری امت میں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ہاں میرے خلفاء ہوں گے۔

دین اسلام تمام انبیاء کا دین تھا جس کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین بنایا جس کا مطلب ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ اسی لئے آپ پر جو کتاب اور احکام اصول اور قوانین نازل ہوئے وہ ہر دور ہر جگہ اور ہمیشہ کے لئے اتارے گئے۔ اس کا ایک لفظ بھی نہ منسوخ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی ترمیم اور رد و بدل کی گنجائش ہے۔ جو شخص اس کے خلاف کرے گا وہ دین اسلام کا منکر اور اسلام سے خارج ہوگا۔ مسلمان جن چیزوں پر ایمان لاکر مسلمان ہوتا ہے اس میں سے اہم چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننا بھی ہے۔ کوئی ایسا شخص جو کسی اور نبی کو آپ کے بعد مانے وہ کفر صریح کا مرتکب ہے۔ اسی لیے احادیث و قرآن میں آپ کے آخری نبی اور تمام لوگوں کے لئے مبعوث کئے جانے کا ذکر بکثرت اور تاکیداً موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ما کان محمد أبا أحد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ۔ یعنی آپ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: قل یا أیھا الناس انی رسول اللہ إلیکم جمیعا۔ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ارشاد نبوی ہے: کان کل نبی یبعث فی قومہ خاصۃ وبعثت إلی کل أحمر وأسود۔ (مسلم أحمد) ہر نبی صرف اپنی خاص قوم میں بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ مسند احمد کی ایک لمبی حدیث میں آپ نے فرمایا مجھے دیگر انبیاء کرام پر چھ باتوں سے فضیلت دی گئی ہے۔ منجملہ ان چھ باتوں کے ہر نبی صرف اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا۔ اور میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں مجھ ہی پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہے۔ ترمذی شریف کی ایک

روایت ہے آپ نے فرمایا میرے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اب میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہماری طرف نکلے جیسے اب آپ ہیں الوداع
کہنے والے ہوں آپ نے تین مرتبہ فرمایا میں نبی امی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ طبرانی اور بیہقی کی روایت ہے کہ میرے
بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ ہی تمہارے علاوہ کوئی امت ہوگی گویا قیامت تک صرف آپ کی امت محمدیہ ہوگی۔ خواہ
امت دعوت ہو یا امت اجابت کوئی اور نبی برحق نہ ہوگا جس کی کوئی امت پائی جائے۔ ابن ماجہ کی روایت ہے آپ
نے فرمایا اللہ تعالی نے جتنے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا سبھوں نے اپنی امت کو دجال سے خبردار کیا اور ڈرایا۔ اور میں
آخری نبی ہوں اور تم تمام امتوں میں آخری امت ہو تو دجال کا ظہور تمہارے ہی درمیان ہوگا۔ صحیحین کی روایت ہے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میرے ایسے ہی قریب ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام
کے تھے فرق اتنا ہے کہ ہارون نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

ان تمام احادیث میں تاکید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی برحق نہ ہوگا اسی لئے آپ نے اپنی ایک ایک
بات بعد میں آنے والوں تک پہنچانے کی تاکید کردی۔ "بلغوا عنی ولو آیة"۔ نیز آپ سے قبل جتنی کتابیں نازل فرما
گیئں سب میں آپ کے نبی مبعوث کئے جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے مگر قرآن جو آخری کتاب ہے اس میں یہ خبر
دی گئی ہے آپ آخری نبی ہیں چہ جائیکہ کسی اور نبی کے آنے کی خبر دی جاتی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت
کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ انه سیکون فی اُمتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم اُنه نبی، وأنا
خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (ابوداود) کہ میری امت میں تیس کذاب اور افتراء پرداز ہوں گے سب دعویٰ کریں
گے کہ میں نبی ہوں تو تم خبردار ہو جاؤ کہ میں تمام نبیوں میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات سچی اور اللہ تعالی کی جانب سے ہوتی تھی۔ اس لئے یہ پیشین گوئی بھی واقع ہوئی مسیلمہ
کذاب اسود عنسی، مرزا غلام احمد قادیانی اور بابی وبہائی فرقے کے بانی جیسے بہت سے نبوت کے دعویدار گذرے ہیں جن
کا کذاب و دجال ہونا ان احادیث وآیات اور مسلمانوں کے عقیدہ کی روشنی میں بالکل واضح ہے افسوس ہے کہ دین
سے بے بہرہ مسلمان ان کذابین کے پیروؤں کے ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر فریب کھا جاتے ہیں اور متاثر ہو جاتے
اور اپنے اسلام وایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

افتتاحیہ

ہزار پارہ ہے کہسار کی مسلمانی

کل مورخہ یکم نومبر ۹۲ء کی خبر ہے کہ افغانستان میں گلبدین حکمتیار اور احمد شاہ مسعود کی فوجوں کے درمیان
ابل میں گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے، ایسی سخت جنگ پچھلے چھ ماہ میں نہیں ہوئی تھی۔ دنیا میں چونکہ جنگ وجدال اور
تباہی وبربادی کے نئے نئے مناظر سامنے آتے رہتے ہیں، اس لئے اب اس طرح کی لڑائیوں کی خبروں پر عام لوگ کچھ زیادہ
توجہ نہیں دیتے بلکہ ایک معمولی واقعہ کی طرح سرسری طور پر پڑھ کر گذر جاتے ہیں۔ لیکن حساس دل رکھنے والوں اور
دینی اقدار واحکام کی سیادت وبرتری کی بات کرنے والوں کے لئے یہ کوئی ایسا معمولی واقعہ نہیں جس پر سوچنے اور
عبرت پذیر ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ دین ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور عظیم امانت ہے، اگر ہم اس کے نام
پر کوئی اقدام کریں تو ہمارا فرض ہے کہ پوری ذمہ داری وفرض شناسی کا ثبوت دیں، لیکن افسوس ہم اس مسئلہ میں بھی
سنجیدہ نہیں رہتے اور پھر دوسروں کو جملہ بازی وسخن سازی کا موقع دیتے ہیں۔ پاکستان کا وجود ہی دین کے نام پر ہوا
تھا لیکن پچھلے دنوں وہاں منعقد ہونے والے انتخابات میں دین کا نام لینے والوں اور اس کی نمائندگی کرنے والوں کا جو
حشر سامنے آیا اسے سب لوگ جانتے ہیں، اس خفت آمیز صورت حال پر مبصرین میں سے بعض نے کھل کر کہہ دیا کہ عوام
نے اس انتخاب میں ثابت کر دیا کہ وہ مذہب کا دعویٰ کرنے والوں کے حامی ومددگار نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ افسوسناک
صورت حال افغانستان کی ہے، اس ملک کے قائدین وعوام نے بڑے عزم وحوصلہ کے ساتھ روسی فوجوں سے ٹکر لی اور انہیں
افغانستان سے پسپائی پر مجبور کیا، پھر جلد ہی عظیم روسی حکومت کا شیرازہ بکھرا تو لوگ کہنے لگے کہ افغانستان میں روسیوں
کی ہزیمت سقوطِ ماسکو کا ظاہری سبب ہے۔ اسباب وعلل کی دنیا میں اس بات کے انکار کی کوئی وجہ نہیں کہ افغانستان
میں روسیوں کی پسپائی ان کے دائمی سقوط کا سبب ہے، لیکن یہ واقعہ کسی طرح کے فخر اور بے جا اعتماد سے زیادہ عبرت و
نصیحت کا موقع فراہم کرتا ہے، اور اس پہلو پر اگر توجہ دی گئی ہوتی تو شاید موجودہ افسوسناک صورت ہمارے سامنے نہ ہوتی۔

افغانستان کے عوام نے روسیوں کے خلاف اپنی پوری جنگ "اسلامی جہاد" کے نام پر لڑی، اور پوری دنیا کے مسلم ممالک اور بالخصوص چند عرب ممالک نے ان کی دل کھول کر مدد کی، اس مدد کا دائرہ صرف مالیات تک محدود نہیں تھا بلکہ سامان اور افراد بھی اس میں تھے، چونکہ کمیونسٹ نظریہ اصولی طور پر مذہب کے خلاف تھا اور عرب ممالک مذہبی دعوت کے علم بردار تھے، اس لئے انہوں نے دل کھول کر افغانیوں کی مدد کی، اور شانہ بشانہ ان کی جدوجہد میں ساتھ رہے۔ راقم سطور نے خود سعودی عرب میں افغانیوں کے ساتھ ہمدردی وحمایت کے ایسے مناظر دیکھے ہیں جن کا تصور کشی مشکل ہے، عرب قوم کے غیرت مند اصحاب ثروت نے بیک جنبشِ لب اتنی بڑی بڑی رقمیں نذر کردیں کہ لوگ مبہوت رہ گئے۔ افغانی لیڈر اور دینی عالم عبدالرسول سیاف (عرب والے ان کو عبدربّ الرسول کہتے تھے) حج کے موقع پر اپنی تقریروں میں عربی زبان میں ایسی شعلہ بیانی کرتے تھے کہ پورا مجمع تحسین وآفریں کی صدائیں بلند کرتا دیکھا جاتا تھا، ہوا کی تقریروں میں کمیونزم کی تردید، ان کی طاقت کو چیلنج اور جہاد کے لئے افغانیوں کے بے پناہ عزم وحوصلہ کے اظہار ساتھ ہی عرب قوم کی بھی خبر لی جاتی تھی، سیاف صاحب کھل کر کہتے تھے کہ ہم نے اسلام کی سربلندی اور کفر والحاد کی بیخ کنی کے لئے اس جہاد کا آغاز کیا ہے، جو لوگ ہمارا ساتھ نہ دیں گے وہ خود اپنے لئے ہلاکت کا سامان پیدا کریں گے۔ اس وقت ان تقریروں کا اتنا غلغلہ تھا اور مسلم عوام پر اس طرح جوش وجذبہ سوار تھا کہ افغانیوں کے لئے عقیدہ وعمل کے کسی اور پہلو پر توجہ نہ دی گئی، لوگ یہ سمجھتے تھے کہ روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد جنگ میں مصروف مجاہدین اپنے وعدہ کے مطابق شریعت الٰہی کی تنفیذ میں لگ جائیں گے اور پورا افغانستان اسلام اور امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے گا۔ عوام میں اس طرح کے تصور کو پھیلانے میں انقلابی جماعتوں کے ان لیڈروں کا زیادہ ہاتھ تھا جن کو جہاد افغانستان کے نام پر شہرت ودولت دونوں مل رہی تھی۔ اگر لوگوں کے تصور کے مطابق یہ سب کچھ ہو جاتا تو "چشم ما روشن" والی بات ہوتی، لیکن لڑائی آج تک جاری ہے، اور اب اس کا سبب اقتدار کی ہوس کے علاوہ اور کچھ نہیں، اسلام نے چھوٹے بڑے تمام کاموں کے لئے اخلاص اور نیت کی درستگی کو بیحد ضروری قرار دیا ہے، اگر افغانی مجاہدین کے پیش نظر اللہ کی رضامندی کا حصول ہوتا تو آج شریعت کے احکام کو پامال کرکے افغانی عوام کا خون نہ بہایا جاتا۔ ہم میں سے جوشیلے لوگ جب بات کرتے ہیں تو دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو اپنے سامنے خس وخاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے لیکن جب عمل کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو "زلف دراز میں پاؤں الجھنے" والا منظر سامنے آجاتا ہے۔

افغانستان کے صدر پروفیسر برہان الدین ربانی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ہم نے اسّی فیصد اصلاح

امن وامان بحال کر لیا ہے، لیکن کابل کا ایک حصہ اب تک بدامنی کا شکار ہے، ہم چونکہ طاقت کے استعمال سے پرہیز کر رہے ہیں، اس لئے صورت حال پر قابو نہیں ہو رہا ہے۔

یہ وضاحت کسی نہ کسی حد تک اطمینان بخش ہے، لیکن وقتاً فوقتاً گولہ باری کے جو واقعات پیش آ رہے ہیں ان سے ثابت ہو رہا ہے کہ صدر موصوف کا بیان بڑی حد تک حسن ظن پر مبنی ہے چنانچہ وزیر آباد کاری احمد شاہ زی نے اپنے ایک بیان میں اعتراف کیا ہے کہ ان کی وزارت کو سب سے اہم دشواری کابل والوں کے لئے رہائش کی فراہمی ہے، کابل کا تقریباً آدھا حصہ راکٹوں سے تباہ ہو چکا ہے، اور اس کے باشندے ہجرت کر کے کابل سے باہر چلے گئے ہیں یا بقیہ آدھے حصہ میں منتقل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ میرے پاس جلد ہی وزیر تعلیم آئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مدارس کی عمارتوں کا خالی کرانا ضروری ہے تاکہ تعلیم کا آغاز ہو سکے، لیکن میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ ان لوگوں کو کہاں منتقل کروں، افغانستان میں کام کرنے والی امدادی تنظیموں نے اب تک ہمیں اتنے خیمے بھی فراہم نہیں کئے ہیں جن میں ہم مدارس و مساجد میں رہنے والوں کو منتقل کر سکیں۔

صدر ربانی نے اپنے بیان میں یہ بھی واضح کیا ہے کہ ہمارے سامنے سیاسی دشواری سے بڑھ کر اقتصادی دشواری ہے حکومت کی آمدنی کے تمام ذرائع موقوف ہیں، ہمارا ملک قدرتی گیس کی سپلائی کے لئے مشہور تھا، لیکن دوسرے ممالک ہم سے اس وقت گیس بھی درآمد نہیں کر رہے ہیں، اسی طرح بجلی و پانی وغیرہ کے مسائل بھی حل نہیں ہوئے ہیں، مسلمانوں نے جہاد کے دوران ہماری جو مدد کی تھی اس سے زیادہ ہمیں اس وقت ان کی مدد کی ضرورت ہے، اور ہمیں امید ہے کہ دنیا کے مسلمان ہمیں فراموش نہیں کریں گے۔

ایک صدر کی حیثیت سے موصوف کا یہ بیان درست ہے، لیکن کابل میں لڑائی کی خبریں جب باہر کے لوگ سنتے ہیں تو ان کا احساسِ مایوسی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ •••

لفظِ اُمّت اور فرقہ

وعظ و تذکیر کی مجلسوں کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو دل نشین انداز میں عوام تک پہونچایا جائے، اور حاضرین کو ان پر عمل کے لئے ابھارا جائے، اس مقصد کے لئے واعظین قرآن و حدیث کے علاوہ

شعر و ادب، تاریخ و سیر اور لغوی تحقیقات وغیرہ مفید علوم کا سہارا لیتے ہیں، اگر ان علوم سے صحیح اور معتبر انداز میں استفادہ کیا جائے تو بلاشبہ وعظ کی تاثیر میں اضافہ ہوگا اور سامعین محظوظ بھی ہوں گے، لیکن اگر کسی ایسی بات کو لغوی تحقیق کے انداز میں ذکر کیا جائے جس کا کتب لغت اور اہل ادب کے استعمال میں سراغ نہ ملتا ہو تو اس سے وعظ اور واعظ دونوں کی حیثیت مجروح ہوتی ہے، اور سامعین پر اس کوشش کا برا اثر پڑتا ہے۔

وعظ کی بعض مجلسوں میں مذکورہ نوعیت کی ایک لغوی تحقیق سننے کا موقع ملا جس کی تائید کتب لغت سے اب تک نہیں ہو سکی، ایک صاحب نے دوران وعظ یہ فرمایا کہ: "ہم مسلمان "امت" ہیں، "فرقہ" نہیں، اس جملہ کو جس سیاق میں استعمال کیا گیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقرر کی نظر میں "امت" کے لفظ میں مدح کا پہلو اور "فرقہ" کے لفظ میں ذم کا پہلو ہے، اسی لئے امت کا اثبات اور فرقہ کی نفی کی جا رہی ہے لیکن کتب لغت کے مطالعہ سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی، امت میں نہ تو مدح کا پہلو ہے اور نہ فرقہ میں ذم کا، اس لئے مسلمانوں کو امت قرار دینا اور فرقہ کے اطلاق سے گریز کرنا کسی کی ذھنی اپج تو ہو سکتی ہے لیکن لغوی نکتہ نہیں۔

فرقہ اور امت کا مفہوم ہم بعد میں ذکر کریں گے، لیکن پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث پر غور فرمائیے جس میں امت اور فرقہ دونوں الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یوں ہیں: عن عوف بن مالک مرفوعا: لتفترقن أمتي على ثلاث وسبعين فرقة، فواحدة في الجنة، وثنتين وسبعين في النار۔ (ابن ماجه ۲/۴۷۹ وابن أبي عاصم في السنة (۶۳) واللالكائي في شرح السنة ۱/۱۰۱ وسلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني (۳/۴۸۰ رقم ۱۴۹۲) نیز یہ حدیث مختلف صحابہ اور مختلف طرق سے مروی ہے، ملاحظہ کیجئے: ابوداود (۵/۴ رقم ۴۵۹۶) ترمذی (۵/۲۵ رقم ۲۶۴۰)۔

مذکورہ حدیث کے بعد آپ فرقہ اور امت کے مفہوم کے لئے کتب لغت کی جانب رجوع کیجئے۔ طاہر احمد زاوی لکھتے ہیں:

الفرقة بالكسر، الطائفة من الناس ج فِرَق۔ (ترتيب القاموس المحيط ۳/۴۸۱) الفرقة: طائفة من الناس۔ (تهذيب الصحاح، القسم الثاني ص ۵۹۵) ابن منظور کہتے ہیں: الفرقة: طائفة من الناس (لسان العرب ۱۰/۳۰۰) محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں: ستفترق أمتي على ثلاث وسبعين، الخطابي: فيه دلالة على أن هذه الفرق غير خارجة من الملة والدين إذ جعلهم من أمته۔ (مجمع بحار الأنوار ۴/۱۳۲)

... پر آپ نے "تفترق" کا حکم لگایا ہے، جبکہ "فرقة" کو حدیث میں "فرقۃ ناجیۃ" سے تعبیر فرمایا ہے۔
ب ایک نظر "اُمۃ" کے مفہوم پر بھی ڈال لینا مناسب ہے تاکہ اندازہ ہوسکے کہ اس کے مفہوم میں کسی طرح کی مدح
فضیلت کا پہلو ہے یا نہیں۔

الأمة هي الشرعة والدين. قوله تعالىٰ: كان الناس أمة واحدة فبعث
لله النبيين مبشرين ومنذرين، أى كانوا على دين واحد. والأمة: الطريقة و
لدين، يقال فلان لا أمة له، أى لا دين له ولا نحلة له، قوله تعالىٰ: كنتم خير أمة،
ال الأخفش: يريد أهل أمة أى خير أهل دين. (لسان العرب ۱۲/۲۳ حرف میم)

الإمة، بالكسر: الحالة والشرعة والدين، ويضم. والنعمة، والهيئة، والشأن
السنة، والطريقة، والامامة۔ (ترتيب القاموس المحيط ۱۶۹/۱)۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۸ میں ہے: قوله تعالىٰ: (وأمة مسلمة لك) امام شوکانی فرماتے
ہیں: والأمة الجماعة فى هذا الموضع، وقد تطلق على الواحد، ومنه قوله تعالىٰ: (ان
براهيم كان أمة قانتا لله) وتطلق على الدين، ومنه قوله تعالىٰ: (انا وجدنا آباءنا
لى أمة) وتطلق على الزمان، ومنه (واذكر بعد أمة)(فتح القدير للشوكانى ۱۴۲/۱)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع فتاوی کی تیسری جلد میں اس حدیث کی تخریج کی ہے، ان کی
بارتوں سے بھی لفظ "امت" میں کسی مدح اور لفظ فرقہ میں کسی مذمت کا سراغ نہیں ملتا۔ بلکہ فتاوی میں درج
وال وجواب دونوں سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں مفہوم برابر ہیں، اور ان کی صفت میں دونوں طرح کے الفاظ
سکتے ہیں۔

ابن تیمیہ نے ابوداود، ترمذی اور نسائی وغیرہ کے حوالہ سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں اس جملہ پر غور
کیجئے: "ستفترق هذه الأمة على ثلاث وسبعين فرقة كلها فى النار إلا واحدة" وفى
فظ: "على ثلاث وسبعين ملة" وفى رواية: "قالوا يا رسول الله من الفرقة الناجية؟"
اس کے بعد ابن تیمیہ کہتے ہیں: "ولهذا وصف الفرقة الناجية بأنها أهل السنة والجماعة۔
زید لکھتے ہیں: "وبهذا يتبين أن أحق الناس بأن تكون هى الفرقة الناجية أهل الحديث

والسنة " (۳/ ۴۷ - ۳۴۵) ۔ صفحہ ۳۶۹ پر لکھتے ہیں : " وھذہ الفرقة الناجیة " أھل السنة " وھم وسط فی النحل "

امت اور فرقہ کا لفظ قرآن وحدیث میں اور مقامات پر بھی استعمال ہوا ہے لیکن ان استعمالات میں کا کسی جگہ امت کے لفظ میں مدح اور فرقہ میں ذم کا پہلو نہیں ہے ، بلکہ فرقہ میں یک گونہ مدح کا اشارہ ملتا ہے : فلو نفر من کل فرقة منھم طائفة - الآیة ، التوبة ۱۲۲ ، قابل توجہ ہے کہ مومنوں پر فرقہ کا لفظ بولا گیا ہے ۔

آیت کریمہ : " وإذ قالت أمة منھم لم تعظون قوما اللہ مھلکھم " - الأعراف ۱۶۴ - میں امت کی طرف ایک ناپسندیدہ فعل منسوب ہے ، یعنی وعظ ونصیحت سے روکنا ۔ سورہ أعراف ہی کی آیت نمبر ۳۸ میں جہنم میں داخل ہونے والوں پر امت کا لفظ بولا گیا ہے ۔ آل عمران کی مشہور آیت (۱۱۰) کنتم خیر أمة ، الآیة ۔ کی تعبیر سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں امتیں متعدد ہیں ، اور تم بہترین امت ہو ۔

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر افتراق کا حکم لگایا ہے ، جبکہ فرقہ کو " ناجیہ " کے وصف سے موصوف کیا ہے ، فرقہ ہونے کی نفی سے لازمی طور پر نجات کی بھی نفی ہو جائے گی جسے شاید کوئی بھی پسند نہ کرے

تفرق اُمتی پر ایک مفصل بحث علامہ ابو اسحاق الشاطبی نے الاعتصام (ج ۳/ ۳۸ وبعدھا) میں کی ہے قابل مطالعہ ہے ، اس میں بھی " فرقہ ناجیہ " کا ذکر آیا ہے ۔

امت مسلمہ کے سلسلہ میں حدیث رسول میں جس افتراق کی بات کہی گئی ہے اصل میں وہ افتراق مذموم ہے ، یعنی امت کو متفرق نہیں ہونا چاہئے ۔ لیکن حضور کی پیش گوئی کے مطابق امت متفرق ہوئی ، اور اس سے متعدد فرقے نکلے جن میں سے ایک فرقہ کو ناجیہ کہا گیا ، یعنی بقیہ امت کے لئے نجات نہیں ہے ۔ اب ہم اگر امت کا اثبات اور فرقہ کی نفی کریں صاف طور پر لازم آئیگا کہ ہم افتراق کے عمل میں شریک ہیں لیکن نجات سے متصف نہیں کیونکہ وہ فرقہ کے لئے ہے اور ہم فرقہ ...

بحث کے اندر ایک مقام پر امام شاطبی نے جو عبارت لکھی ہے وہ قابل توجہ ہے : " وعین فی الحدیث المحتاج الیہ منھا وھی الفرقة الناجیة لیتحراھا المکلف الخ " (الاعتصام ۳/ ۱۰۴) ۔ اس لغوی موضوع پر ایک قدرے مفصل مقالہ کا ارادہ ہے ، اللہ تعالی تکمیل کی توفیق بخشے ۔ ...

(ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)

منکرات

اور اسکے ازالہ کی شرعی تدابیر

ازقلم: (مولانا) عبدالرؤف رحمانی رناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر

صحیح مسلم میں ایک حدیث شریف وارد ہے: اذا رأی أحدکم المنکر فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذلک أضعف الإیمان۔ (صحیح مسلم)

یعنی جب کوئی شخص خلاف شریعت کام دیکھے تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ اپنے ہاتھ اور اپنی طاقت کے ذریعہ اس کی اصلاح اور ازالہ کی کوشش کرے اگر طاقت کے ذریعہ تغییر کی طاقت نہ رکھتا تو اپنی زبان سے اصلاح وتغییر کرے اور اگر زبان سے کہنے میں بھی خطرات محسوس ہوں تو پھر ادنی درجہ یہ ہے کہ دل میں برا جانے امت نے اس فرمان نبوت کی کس طرح تعمیل کی اس کی چند مثالیں سنئے:

تغییر بالید: کوفہ کے گورنر عتبہ بن غزوان تھے ان کے زمانہ میں ایک بارات ان کے شہر سے گذرنے لگی جس میں فیشن وآرائش کے طور پر کثرت سے چراغاں کیا گیا تھا آپ نے پہلے نوٹس بھیجا کہ یہ اسراف وفضول خرچی ہے روشنی بقدر ضرورت رکھکر باقی مشعلیں بجھادو بارات والے جب اس پر عمل پیرا نہ ہوئے تو آپ نے لاٹھی چارج کرا یا اور سب اہل برات تتر بتر ہو گئے (فتح الباری باب النساء بالنہار)

۲۔ خالد بن قسری گورنر کے زمانہ میں جعد بن درہم کو ذبح کیا گیا واقعہ یہ پیش آیا کہ جعد نے حضرت ابراہیم کے متعلق اس خیال کا پروپیگنڈا شروع کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل کیسے ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالی سراپا نور ہے اور ابراہیم آدم زاد خاکی ہیں ایک خاکی کو نور سے کیا مناسبت ان

میں باہمی دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟ خالد بن قسرین نے اس سر پھرے کو گرفتار کرایا جب گرفتار ہو کر بھی اپنے خیال کی اشاعت سے باز نہ آیا تو آپ نے اس کے متعلق عید الاضحیٰ کے دن مجمع عام میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا ”ضحوا بضحایاکم فانی مضح بجعد بن درہم“ کہ لوگو تم اپنی اپنی قربانیاں کرو اپنی قربانی کے جانور ذبح کر دو میں تو آج جعد بن درہم کو ذبح کر کے ایک اور طرز کی قربانی کرنا چاہتا ہوں (تفسیر جامع البیان)

۳۔ حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں جب کچھ اشخاص شجرۃ الرضوان کے پاس بغرض حصول برکت جمع ہونے لگے اور جب اطراف و جوانب سے آمد و رفت بڑھی تو حضرت عمر فاروق نے اس درخت کو کٹوا کر ختم کر دیا امر منکر ختم کرنے کے لئے سد ذریعہ کے طور پر درخت ہی کو جڑ سے کٹوا دیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری (تفسیر ابن کثیر)

۴۔ صبیغ نامی ایک شخص تھا جو مسلمانوں میں گھوم گھوم کر سورۂ ذاریات سے متعلق لوگوں کو اوہام و شکوک میں مبتلا کرتا تھا حضرت عمر کی طرف سے شہر کے ایک حاکم تھے انہوں نے اس کو گرفتار کر کے اپنے خاص قاصد کے ذریعہ حضرت عمر کی خدمت میں بھیجا اور خط میں اس کے جرم کے متعلق لکھا کہ قرآن کریم کی سورۂ ذاریات کے متعلق مسلمانوں میں شکوک و شبہات پھیلا کر لوگوں کو بدعقیدہ بنا رہا ہے حضرت عمر نے خط کو پڑھا تو مجرم کو سامنے بلوایا اور مارنا شروع کیا اور اس قدر مارا کہ سر سے پیر تک خون آلود ہو گیا اب اس نے چلانا شروع کیا قد ذهب الذی کنت اجده فی راسی۔ یعنی جو خبط میرے سر میں سمایا ہوا تھا اب وہ سب زائل ہو گیا اس کے بعد اس کو جلاوطن کر دیا اور مسلمانوں کے مجمع میں جانے سے سختی سے ممانعت فرما دی۔ (اصابہ لابن حجر)

۵۔ حضرت عمر فاروق کے بہنوئی قدامہ بن مظعون نے ایک بار بحالت مرض شراب پی لی جرم ثابت ہو گیا آپ نے شراب خوری پر چالیس کوڑے مارنے کا ارادہ کر لیا تو اصحاب مجلس نے ان کے مریض و بیمار ہونے کے سبب یہ سفارش کی کہ ابھی بہت کمزور و لاغر ہیں بیماری کی نقاہت اور کا سلسلہ قائم اس لئے تا صحت اس سزا کو ملتوی رکھا جائے یہ سب سن کر حضرت عمر نے فرمایا: ”لان یلقی اللہ تحت السیاط احب الی ان القاہ وھو فی عنقی“ یعنی سزا تو ابھی اس حال میں دی جائے گی اگر اسی سزا کے سبب ان کا انتقال ہو جائے تو یہ اس سے کہیں زیادہ اچھا ہے کہ میں ان سے پہلے اللہ سے جا ملوں اور میرے سر ان کی

ذمہ داری باقی رہ جائے یہ کہہ کر جلاد سے فرمایا "ائتونی بسوط تام" یعنی میرے پاس ایک مضبوط کوڑا لاؤ۔ (استیعاب ج ۲ ص ۵۳۹)

اللہ اکبر یہ خلفائے کرام کیسے خدا ترس ۔۔۔ سست انسان تھے کہ اپنی خاص قرابت بہنوئی ہونے کا بھی ذرا لحاظ نہ فرمایا یہ نہ سوچا ہے ان کے عقد میں ہے ایسا نہ ہو کہ یہ اس کو کچھ ایذاء پہونچائیں واہ کیسے اللہ والے تھے کہ منکرات شرعیہ کا ازالہ اور قانون الہٰی کا اجراء ضروری سمجھتے تھے یہ تسلیم و رضا یہ جذبۂ و ولولہ کاش آج بھی امت مسلمہ کو نصیب رہے۔

۶۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں ولید بن عقبہ کوفہ کے گورنر تھے ایک جادوگر اپنے جادو کے زور سے اور نظر بندی کے کرشمہ سے مردے کو زندہ کرنے کا تماشا دکھلاتا تھا جیسا کہ آج کل بھی بازی گر اپنے لڑکے کو چھری سے ذبح کر کے چھری کو خون آلود دکھاتے ہیں حضرت جندب صحابی پہونچے اور تلوار سے اس کی گردن اڑا کر فرمایا "احی نفسك الآن" اب مردہ ہو جانے کے بعد اپنے کو زندہ کر لے۔

(الخصائص ج ۲)

۷۔ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کے ایک صاحب زادہ تعلیم کے قابل ہو گئے تو خلیفہ نے ان کو وطن سے کچھ دور فاصلے پر ایک مکتب میں تعلیم و تربیت کے لئے ایک استاد کے سپرد کیا اور ساتھ ہی عام نگرانی کے تحت کچھ خفیہ نویس مقرر کر دئے ایک دن خلیفہ راشد کے پاس یہ رپورٹ پہونچی کہ آج آپ کے صاحب زادے نے حجامت میں مشغولیت کے سبب عصر کی نماز جماعت سے ادا نہیں کی خلیفۂ راشد نے استاد کے پاس رقعہ بھیجا اور اس میں لکھا کہ عصر کی نماز کی شریعت میں کس قدر تاکید واہمیت ہے میرے لڑکے نے جماعت سے عصر کی نماز ادا نہیں کی لہذا سزا مجھ پر واجب ہے آپ میری طرف سے نیابۃً اس فرض کو انجام دیں میں یہ درہ آپ کے پاس بھیجتا ہوں آپ اس لڑکے کو اس وقت تک مارتے رہیں جب تک یہ درہ ریزہ ریزہ نہ ہو جائے چنانچہ حکم شاہی کو تعمیل کی گئی اور فرمایا کہ حجامت اس وقت بنوایا کریں جب کہ نماز با جماعت چھوٹ جانے کا اندیشہ نہ ہو (طبقات ابن سعد در حالات عمر بن عبد العزیز)

۸۔ خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں ایک بار یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو کون سی ترکاری پسند تھی علماء نے بتلایا کہ حضور کو لوکی کی ترکاری زیادہ پسند تھی ایک درباری نے اٹھ کر سر مجلس کہا کہ لوکی

کی ترکاری تو کچھ اچھی چیز نہیں ہے اس سے بہتر تو کریلہ، آلو، پرور، بھنڈی وغیرہ وغیرہ ترکاریاں ہیں قاضی امام ابو یوسف اس وقت دربار میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدہ پر فائز تھے رسول اکرمؐ کی اس محبوب غذا اس درجہ گرا کر تذکرہ کرنے سے ان کی دینی غیرت کو جوش آیا تو انہوں نے فوراً جلاد کو حکم دیا کہ دربار میں نطع (خونی چمڑا) بچھا دو اور اس امیر کی گردن اڑا دو چنانچہ جلاد نے خونی چمڑا بچھا کر جب بالو ریت چھڑک دیا اور اس کے قتل کا انتظام ہونے لگا تو دیگر علماء و اراکین نے سفارش کی تو اس کے لئے جیل خانہ کی سزا تجویز ہوئی اور فوراً توبہ کرائی گئی اس کے بعد جان بخشی ہوئی۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ادنیٰ درجہ کا امر منکر یعنی خلاف ادب گفتگو بھی ہمارے علماء و قضاۃ نے برداشت نہیں کیا اور سرزنش و انسداد کی کارروائی پر فوراً عمل کا اہتمام کیا۔

۹۔ ایک بار سلاطین گجرات میں سے ایک سلطان نے ایک عالم حقانی سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ نبوت کوئی ایسی بری چیز نہیں تھی کہ اس کا انسداد و خاتمہ ہو جائے نبوت و رسالت تو ایک بڑا ہی نافع و مفید سلسلہ ہے اس کو تو جاری ہی رہنا چاہئے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں نبی کہے جانے کا مستحق ہوں کیوں کہ میں بھی شرعی منکرات سے روکتا ہوں یہ سنتے ہی اس عالم ربانی نے جوتہ اٹھا کر بادشاہ کی اچھی طرح مرمت کر دی بادشاہ نے غصہ میں آکر اس عالم دین کو فی الفور قتل کرا دیا۔

(نزہۃ الخواطر مطبوعہ حیدرآباد دکن)

کل تک ہمارے علمائے دین امر منکر قول منکر خلاف شرع گفتگو کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور غیرت دینی سے مجبور و بے تاب ہو جاتے تھے۔

۱۰۔ اکبر بادشاہ آغاز سلطنت میں بڑا دیندار تھا مسجد میں خود جھاڑو دیا کرتا تھا شیخ عبدالنبی صدر الصدور تھے ایک بار دربار میں اکبر بادشاہ زعفرانی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہن کر آیا تو شیخ عبدالنبی خلاف شرع لباس دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہوئے اپنی عصا سے بادشاہی جامہ کو چھو لگا دیا اکبر کو غصہ تو آیا مگر خاموش رہا حرم سرا میں جا کر والدہ سے شکایت کی والدہ نے کہا کہ یہ تمہارے لئے نجات کا باعث ہے تاریخوں میں لکھا جائیگا کہ ایک عالم شرع اور مفلوک الحال مولوی نے شہنشاہ ہند کو

عصا سے مارا اور اس نے شریعت کے احترام میں برداشت کرلیا (مآثر الکرام)

اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ اکبر کی آغاز سلطنت میں وہ حالت نہ تھی جو بعد میں پیدا ہوئی علماء سوء ابوالفضل فیضی وغیرہ کی بد صحبتوں سے اکبر برباد ہوکر رہ گیا ان درباری علماء سوء کے حالات کے بارے میں نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی کتاب "یاد ایام" کے آخری صفحات ملاحظہ کیجئے۔

اکبر کے درباری علماء میں سے فیضی کے حالات میں ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اس نے اپنی بے نقط تفسیر جنابت کی حالت میں اور اکثر کتوں وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر نجاست آمیز صحبت میں لکھی ہے اور اسکی تفسیری اوراق پر اس کے پالے ہوئے کتے دوڑا کرتے تھے ملا صاحب لکھتے ہیں "واو تفسیر بے نقط در عین حالت مستی و جنابت می نوشت وسگاں او آنرا از ہر طرف پائمال ساختند" (منتخب التواریخ ج ۳ ص ۳۰۰)

اسی طرح دیگر علماء سوء کی صحبت سے اکبر کا دینی مزاج بگڑ گیا اب چند واقعات اسی قسم کے پیش کئے جارہے ہیں جس میں امر منکر خلاف شرع کام کو زبان سے روکا گیا ہے۔

<u>برائی کو زبان سے روکنے پر چند مثالیں</u>: حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو دیکھا کہ وضو کر رہے ہیں اور اچھی طرح ایڑیوں وغیرہ کو نہیں دھو رہے ہیں تو فوراً ٹوک دیا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی "ویل للاعقاب من النار" کہ خشک ایڑیاں جہنم کی سزاوار ہیں (موطا امام مالک)

۲- حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک صاحب زادے بلال نے عورتوں کے مسجد کے جانے کے معاملے میں اپنے والد سے اختلاف کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے: "ایذنوا النساء باللیل الی المساجد" یعنی اللہ کی بندیوں کو رات میں مسجدوں میں نماز کے لئے جانے سے نہ روکو ان کو عبادت کے مقصد سے رات کے وقت مسجد میں آنے جانے دو تو ان کے صاحب زادے نے فرمایا کہ اب فتنہ کا زمانہ ہے شدت سے اہتمام کی ضرورت ہے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے سے فتنہ کا سد باب نہیں ہوسکے گا حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ ظالم میں تجھکو حدیث رسول سنا کر عورتوں کی اجازت کا شرعی مسئلہ بتارہا ہوں اور تو حدیث رسول کے مقابلے میں اپنی مصلحت و قیاس کو پیش کر رہا ہے مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ نے انھیں برا بھلا کہا اور

کہتا ہے تماسمعتہ یسبہ مثلہ قط " کہ اس طرح برا بھلا کہتے ہوئے میں نے ان کو کبھی نہ سنا تھا
(تحفۃ الاحوذی ج اول ص۳۹۷)

حضرت عبداللہ بن عمر کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ فتنہ کا زمانہ ہے مگر احتیاط اور پردہ کے ساتھ آرائش و زیبائش و عطر وغیرہ کے استعمال کے بغیر سیدھے سادے ڈھیلے ڈھالے برقع میں چھپ چھپا کر مسجد میں عبادت کے لیے آئیں تو آسکتی ہیں مگر ان کے صاحب زادے نے ان سب احتیاط کو غیر مفید تصور کیا

یہاں ایک اور بات ذہن میں آرہی ہے کہ جب اس پاکباز زمانہ اور خیر القرون کے دور میں اگر قدر فتنہ تھا کہ عورت کا مسجد تک میں جانا ایک بزرگ صحابی کے صاحب زادے تک کو گوارہ نہ ہوا آج اس شر القرون اور روحانی اعتبار سے اس تاریک ترین دور میں عورت کو فتنہ ہائے زمانہ کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے پردہ وغیرہ کا اہتمام رکھنا کس قدر ضروری ہوگا مگر افسوس کہ عورت کی آزادیاں، مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط، مخلوط تعلیم، مخلوط کلب اور مخلوط تفریح گاہیں ایسی چیزیں ہمارے زمانہ میں روز افزوں ہوتی جارہی ہیں اور پردہ برقع کا کہیں انتظام خال خال اگر ہے بھی برقع اس قدر چست و چکیلا ہوتا ہے کہ بدن نمایاں رہتا ہے، اور ظاہر کے چمکیلے پن سے لوگوں کو قیاس کرنے کا موقع مل جاتا ہے کہ جب باہر کا معاملہ ایسا ہے تو اندر جانے کیسی البیلی صورت ہو آج کل روشن خیال دنیا برقع پوشی اور پردہ کے خلاف جارہی ہے حالانکہ نسوانیت اور اسکی عصمت و عفت کی حفاظت اگر مقصود ہے اور ہونی بھی چاہئے تو پردہ یعنی چہرہ وغیرہ کا چھپانا از حد ضروری ہے ورنہ ایسی بے پردگی کے برے نتائج و خمیازے بھگتنے ہوں گے اکبر مرحوم نے ایک پردہ کے مخالف کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کی بیوی ان کے ساتھ بے پردہ گھوما کرتی تھی کسی حسین نوجوان کی طرف مائل ہوگیا اور شدہ شدہ عورت اپنے شوہر سے الگ ہوکر اور گھر کا اثاثہ و زیور وغیرہ لیکر اس نوجوان کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی تو اس مخالف پردہ نے آخر کار پولیس کو اس واقعہ کی رپورٹ دی اکبر مرحوم نے اس کو اپنے جاندار شعر میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

کل کیا گذری اک پردہ کے مخالف اور وہ کہہ پلیس سے کہتے تھے ـــ عزت بھی گئی دولت بھی گئی بیوی بھی گئی زیور بھی گیا

بہرحال پردہ پر تفصیلی گفتگو کے لئے کوئی اور موقع آئیگا یہاں اصل مبحث یہ تھا کہ خلاف شرع باتوں پر صحابہ کرام ٹوک دیا کرتے تھے اور جہاد باللسان اور تغییر بالبیان کا فرض انجام دینے میں انھیں کسی کی پرواہ نہیں ہوتی تھی اب اسکے چند نمونے اور ملاحظہ ہوں

۳۔ امام مالک بن انس کا واقعہ ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے مسجد نبوی میں امام مالک سے کچھ بات چیت کی تو خلیفہ ذرا تیز اور بلند آواز سے بولنے لگا امام مالک نے بڑی جرأت اور بہادری سے خلیفہ کو ڈپٹ کر مخاطب کیا اور کہا مالک یا أمیر المؤمنین لا ترفع صوتك فی ھذا المسجد " أمیر المؤمنین آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ مسجد نبوی میں اس قدر بلند آواز سے گفتگو کرتے ہیں اتنی تیز آواز سے ہرگز گفتگو نہ کریں اس کے بعد فرمایا کہ حضور کی عزت واحترام جو آپ کی زندگی میں قائم تھا وہ آج بھی قائم رہے گا زندگی میں آپ کے سامنے بلند آوازی کے لئے صحابہ کرام کو اجازت نہ تھی تو آج کیسے اجازت ہو جائے گی "وأن حرمة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میتا کحرمتہ حیا۔"

اس سارے واقعہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ امام مالک نے خلیفہ کو اس حال میں ٹوکا اور بلند آواز سے روکا جبکہ خلیفہ کے ساتھ پانچسو ننگی تلواریں جوانوں کے ہاتھوں میں چمک رہی تھیں امام مالک پر خلیفہ کی ناخوشی اور تلواروں کے ضرر کا بھی اندیشہ واثر نہ تھا چنانچہ امام مالک نے بے خوف وخطر "أفضل الجهاد کلمة حق" پر عمل کیا اور خلیفہ کو ساکت وخاموش کر دیا راوی کے الفاظ ہیں فاستكان له الخليفة، یعنی خلیفہ اکدم سناٹے میں آگیا۔ (الخصائص جلد ۲ صفحہ [illegible])

۴۔ عاشق کتاب وسنت صابر محسن نام سنن حضرت امام احمد بن حنبل اپنے زمانہ کا ایک بڑے فتنہ کے سد باب کے سلسلہ میں اس طرح مضبوطی سے اعلان حق کرتے رہے کہ مادی پہاڑ ہل جاتے تو ہل جاتے مگر یہ علم وعمل کا پیکر روحانی اپنی جگہ اعلان حق سے ہرگز نہ ٹلا حافظ ابن حجر اور علامہ ابن الجوزی نے جہاد باللسان کے حالات اور ان کے صبر واستقامت کے واقعات کو نقل کیا ہے کہ جب امام احمد بن حنبل رح کو خلق قرآن کے فتنہ میں گرفتار کر کے بغداد لایا گیا تو چار چار بھاری بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی تھیں خلیفہ معتصم کے سامنے امام کو پیش کیا گیا امام نے خلق قرآن کو تسلیم نہیں کیا تو تازہ دم بارہ جلادوں نے کوڑے آپ کی پیٹھ پر مارے ہر جلاد پوری طاقت اور شدت کے ساتھ صرف دو کوڑے لگاتا (مقدمہ مسند احمد ص ۱۰۸)

حافظ ابن حجر اس ضرب کی نوعیت کے متعلق لکھتے ہیں: "لو ضرب الفیل لھرب" کہ اگر ایسی مار ہاتھی کو مارا جاتا تو وہ چیخ کر بھاگ جاتا مگر وہ صبر و استقامت کا پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا جب تک ہوش حواس بجا رہے ہر کوڑے پر یہی فرماتے رہے "أعطونی شیئاً من کتاب اللہ أو سنۃ رسولہ حتی أقول بہ" میرے سامنے اللہ کی کتاب اس کے رسول کی سنت میں سے کوئی سند پیش کرو تو میں پھر اسی کے مطابق اعلان کروں امام احمد گویا بزبان حال اس مشقت آمیز مرحلہ پر فرماتے تھے ؎

خونے نہ کردہ ایم کسے را نہ کشتہ ایم　　جرمم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

خلیفہ معتصم کو آپ کے بھاری بھاری بیڑیوں کے جکڑے جانے پر اور کوڑہ کی سخت سزاؤں پر جب رحم آجاتا تو امام سے اگر کہتا کہ ویحک یا أحمد ما تقول یعنی اے احمد تم پر افسوس ہے کہ تم قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یعنی کیوں اختلاف رکھتے ہو امام کہتے "یا أمیر المؤمنین أعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی أقول بہ" یعنی مجھے کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کوئی سند دیجیئے میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اعلان کردونگا معتصم خاموش ہو جاتا کہ اس بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول سے کوئی سند نہیں تھی تو وہ پیش کیا کرے آخری بار پھر معتصم نے شفقت و محبت کے انداز میں کہا: "وانا انی علیک شفیق کشفقتی علی ھارون ابنی ما تقول" کہ میں تم سے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے وہی محبت ہے جو مجھکو اپنے ہارون سے ہے ذرا سوچ کر بتاؤ قرآن کے مخلوق ہونے کے معاملے میں اب تم کیا کہتے ہو علامہ ذہبی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ امام موصوف نے پھر یہی جواب دیا: "أعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ" پھر وہی کتاب اللہ و سنت رسول کا مطالبہ کیا تو آخر کار خلیفہ معتصم تنگ ہو کر چلا گیا اور آپ کو قید خانہ میں ڈالدیا پھر دوسرے دن خلیفہ معتصم نے امام کو طلب کیا اور کہا: "یا أحمد أجبنی شیئاً حتی اطلقک عنک بیدی" کہ اے احمد بن حنبل کچھ تو ہماری منشاء کے مطابق آپ گنجائش نکال کر جواب دیں میں آپکی بیڑیاں خود اپنے ہاتھ سے کھولدونگا آپ نے پھر وہی فرما "أعطونی شیئاً من کتاب اللہ أو سنۃ رسولہ" یعنی میں کتاب و سنت کی سند کے بغیر اس طرح کی کوئی بات کس طرح کہدوں بہر حال خلیفہ کا جاہ و جلال قید و بند اس کی محن و فتن امام کے عشق کتاب کو نہ ہلا سکے امام موصوف کے حال پر یہ شعر صادق آتا ہے گویا بزبان حال آپ یہ پڑھ رہے تھے

الم از مہر مہرویاں طریقے برنمی گیرد
زہر دو میدہم پندش ولیکن دعمی گیرد

حضرت امام احمد خلیفہ مامون کے زمانہ میں گرفتار ہوئے اور خلیفہ معتصم کے وقت تک مقید رہے
اٹھائیس مہینے آپ قید خانہ میں سخت تکلیف اٹھاتے رہے اسی اثنا میں بار بار نکال کر باہر لائے جاتے
زایاب ہوتے اور زبان حال سے یہ شعر پڑھتے :

هنيئاً لأرباب النعيم نعيمها وللعاشق المسكين ما يتجرع

مناظرے بھی ان سے کئے جاتے مگر آپ کا اعلان حق ہمیشہ بلند رہتا اور ہر بار آپ ہی مناظروں میں
میاب ہوتے بعض بعض علماء آپ کی سزاؤں کو دیکھ کر ترحم کے لہجے میں کہتے کہ آپ اپنے نفس پر عذاب
ے درپے کیوں ہیں ؟ فرمایا کیا میں معتصم کے منشاء کے مطابق بات کر کے اپنی راحت و آرام کو تو پیش
ظر رکھوں اور لوگوں کو گمراہی و بدعقیدگی میں مبتلا کر دوں اس سزا کی مدت اٹھائیس مہینے تک طویل
رگئی امام احمد بن حنبل یہ شعر پڑھتے تھے

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

آخر کار امام احمد بن حنبل کے چچا کو خلیفہ معتصم نے طلب کیا اور امام کو ظاہر بدن کے ساتھ صحت مند
پس کرتے ہوئے خلیفہ نے کہا أليس هو صحيح البدن یعنی کیا تندرست نہیں واپس کئے جا رہے
ں ؟ ان کے چچا نے اقرار کیا کہ ہاں تندرست ہیں راوی کہتا ہے کہ امام مذکور کے متعلق یہ شاہی اعلان
ر ان کے چچا کا یہ اقرار نہ ہوتا تو بغداد میں بہت بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا اور حکومت کے خلاف ایک عام بغاوت
یل جاتی لیکن جب لوگوں نے صحیح البدن سنا تو لوگوں کی شورش میں سکون و اطمینان کی فضا پیدا ہو گئی
م احمد بن حنبل کے صاحب زادے صالح نامی بیان کرتے ہیں کہ جب ابا جان مکان پر واپس آئے تو چوٹ
ر زخموں کے ایک ماہر معالج نے دیکھ کر کہا میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا اور ان کا علاج کیا ہے جن کو
ار ہزار کوڑے پڑے تھے لیکن ان ضربات امام احمد کی ضرب شدید اور کاری زخموں کے مقابلہ میں
ح تھے ان کو آگے سے پیچھے سے بے ہوشی کے عالم میں بری طرح گھسیٹا گیا ہے اور کھینچا گیا ہے بعض عمل

میں پوری پوری سلائیاں چلی جاتی تھیں ایک مدت تک ان کے علاج کا سلسلہ جاری رہا ایک زخم کے متعلق ان سے کہا کہ اس جگہ کا گوشت کاٹنا ضروری ہے اس زمانہ کا سادہ طریقۂ علاج دیکھئے بے ہوشی کی کوئی دوا کلوروفارم، معذرا انجکشن یا آسان طریقۂ آپریشن کچھ بھی رائج نہ تھا اسی معالج نے یہ بھی کیا کہ لوہے کا ایک سپاٹ ٹکڑا لیا اور اس پر گوشت کا قابل قطع وبرید حصہ کاٹا اور اس کو چھری سے کاٹتا جاتا تھا راوی لکھتا ہے "ھو صابر یحمد اللّٰہ" کہ امام اس سخت تکلیف کے دوران میں صبر و شکر میں مصروف رہے راوی کا بیان ہے کہ چوٹ کے اثرات مرتے دم تک قائم رہے اور اکثر مقامات کے درد سے تکلیف میں رہا کرتے تھے (مقدمہ مسند احمد مع تعلیق علامہ شاکر ص۱۰۳)

بہر حال میں نے "ما تلك بیمینك یا موسیٰ" کے جواب کی طرح اس سلسلہ کو ذرا طویل لکھ دیا ہے ۔ ؎ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

ورنہ مدعا گذارش تو صرف یہ تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل اس امر منکر اور خلاف شرع عقیدہ کا اپنی زبان سے ازالہ و تغیر فرماتے رہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں ہر طرح کی جسمانی تکلیف کو برداشت کیا اور "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر" پر عمل فرمایا

۵۔ امام مالک کے نزدیک جبری طلاق کا اعتبار نہیں تھا خلیفہ منصور کے گورنر نے امام مالک کو اس فتویٰ سے روکا اس کو خطرہ تھا کہ لوگ اس سے خلیفہ کے جبری بیعت کے غیر معتبر ہونے پر دلیل لائیں گے مگر امام مالک کی حق گوئی و حق پسندی نے اس پابندی کو گوارہ نہ کیا اور یہ اعلان حق کرتے رہے یہ دیکھ کر مدینہ کے گورنر نے حکم دیا کہ امام مالک کو نوّے کوڑے مارے جائیں چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور نوّے کوڑے ننگی پیٹھ پر مارے گئے (مرأۃ الجنان ج ۱ ص۳۷۴)

چنانچہ پیٹھ سے خون جاری ہو گیا لیکن گورنر کو اس سے تسکین نہیں ہوئی اونٹ پر بٹھا کر ان کی تشہیر کرائی امام مالک جب اسی حالت میں پابہ زنجیر سوار ہو کر مدینہ کے راستوں سے گذرتے تو اعلان فرماتے جاتے «من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا مالك بن انس» یعنی جو مجھ کو جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا ہے وہ پہچان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اس کے بعد یہ اعلان حق کرتے "اقول ان طلاق المکرہ لیس بشیٔ"

میں یہ سب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ زبردستی طلاق کا کچھ اعتبار نہیں۔
امام مالک نے ایسا اس لئے فرمایا تھا کہ ان کے چہرہ پر سیاہی پوت دی گئی تھی اس لئے وہ اپنا تعارف کرکے اعلان حق حکومت کے علی الرغم فرماتے جاتے تھے۔
اس کے بعد امام مالک اس حال میں مسجد نبوی تشریف لائے آپ نے سیاہی وغیرہ صاف کرکے دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا کہ جب حضرت سعید بن مسیب کو کوڑے مارے گئے تو انہوں نے بھی مسجد نبوی میں نماز ادا کی تھی خلیفہ منصور کو جب اپنے گورنر کی اس حرکت کا علم ہوا تو اس نے امام مالک سے معذرت کرتے ہوئے اپنی برأت پیش کی اور کہا کہ میں نے گورنر کے متعلق حکم دے دیا ہے کہ مدینہ سے بغداد تک گدھے پر سوار کرکے لایا جائے اور اسکی تذلیل و توہین کی جائے امام مالک نے فرمایا کہ گورنر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت حاصل ہے اسکی وجہ سے میں نے اسکو معاف کر دیا ہے اب آپ اس کو کوئی ایذا نہ دیں شیخ سعدی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا — دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

بہر حال گذارش ہے کہ کوڑوں کی سخت سزا اور تذلیل و تشہیر کے باوجود امام مالک جہاد باللسان اور اعلان حق کا فریضہ مسلسل انجام دیتے رہے۔
تغلق خاندان کے ایک بادشاہ نے ایک عالم دین سے کہا کہ میں نبی ہونے کا حق رکھتا ہوں آپ لوگ یعنی علماء میری نبوت کا اقرار کریں اور اس کے متعلق اعلان عام کر دیں تو ایک عالم دین کی ملی غیرت جوش میں آئی اور غصے سے بے تاب ہو کر انہوں نے بھرے دربار میں کہا "گوہ مخور" یعنی یہ کیسی گندی بات ہے ایسا کہنا گویا کھانا ہے بادشاہ نے سر دربار اس عالم دین کی زبان نکلوا دی وہ بے چارے آئندہ کے لئے گونگے تو ہو گئے لیکن تغییر باللسان و جہاد باللسان کا فرض انجام دے کر ہی خاموش ہوئے (نزھۃ الخواطر)
خلیفہ متوکل حضرت علیؓ سے سخت کینہ و دشمنی رکھتا تھا اور حضرت حسن و حسین پر بھی بدزبانی کرتا تھا ایک موقع پر امام نحو ابن السکیت نحوی دربار میں حاضر تھے بدتمیزی کے ساتھ حضرت علیؓ و حسینؓ کی شان میں گستاخانہ باتیں متوکل کر رہا تھا یہ امام نحو و امام لغت اس امر منکر کو برداشت نہ کر سکے اور کہا : واللہ

إن قنبر خادم علی خیر منك ومن أبنیك :

یعنی خدا کی قسم حضرت علیؓ کا غلام قنبر تم سے اور تمہارے دونوں لڑکوں سے افضل واعلیٰ تھا حضرت علیؓ کی رفعت شان کا ذکر ہی تو کیا ہے اس پر متوکل خفا ہو کر ان کی زبان گدی سے نکلوادی اور وہ اسی وقت شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ وارضاہ (مراۃ الجنان ج ۲ ص ۱۴۸)

۸۔ ایک واقعہ عہد نبوت میں ایک منافق کی بدزبانی کے جواب میں پیش آیا تفصیل یہ ہے کہ بعض اصحاب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ عبداللہ بن ابی کے یہاں تشریف لے چلیں اس میں اس کی عزت افزائی ہوگی اور شاید اسلام کی طرف اس کی رغبت بھی بڑھے حضور ایک گدھے پر سوار ہو کر اپنے اصحاب کے ساتھ اس کے پاس پہونچے اور جب قریب پہونچے تو عبداللہ بن ابی منافق نے کہا کہ ذرا ادھر ہی ہٹ کر رہئے آپ کی سواری کی بو سے مجھکو تکلیف ہو رہی ہے اس پر ایک انصاری صحابی سے ضبط نہ ہو سکا انہوں نے فی الفور جواب دیا "واللہ لحمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أطیب ریحا منك" یعنی خدا کی قسم حضورؐ کے گدھے کی خوشبو تیرے جسم کی خوشبو سے بڑھ کر بہتر ہے یہ سن کر عبداللہ بن ابی منافق کے طرفدار غصہ کے ساتھ آمادۂ جنگ ہو گئے ادھر اصحاب نبی بھی جواب پر آمادہ ہو گئے مار پیٹ، جوتہ لکڑی سے شروع ہو گئی آخر بمشکل تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کرام کو ٹھنڈا کیا اور فریقین میں اصلاح کی صورت پیدا ہو گئی (مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۷)

اس واقعہ سے ہر امر منکر اور خلاف شرع بدتمیزی و بدزبانی پر جرأت کے ساتھ جواب دینے اور تغییر باللسان پر عمل پیرا ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

۹۔ مولانا سید عبدالحئی صاحب مرحوم نزہۃ الخواطر میں ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں کہ تغلق خاندان کے ایک بادشاہ نے ایک عالم دین کو طلب کیا اور کچھ گفتگو کی اور عالم دین نے جو جو جواب دیا وہ سلطان کی مرضی کے خلاف تھا سلطان نے کہا "أما تخاف سیفی" کیا تم کو میری تلوار کا خوف نہیں جو تم کو ابھی دو ٹکڑے کر سکتی ہے عالم دین نے جو تغییر باللسان اور کلمۂ حق کی تبلیغ پر مجبور تھا جواب دیا: "نعم ولکنا أنتسب صاحبتی کفنی" ہاں آپ کی تلوار کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے اور اس وجہ سے اس پگڑی کو بطور کفن کے ساتھ رکھا لیکن کیا جائے کہ کلمۂ حق کا حق جان کے حق سے بھی کچھ زیادہ مقدم ہے (نزہۃ الخواطر)

قاضی ضیاء الدین سنامی اور حضرت نظام الدین اولیاء کے درمیان بڑی دوستی تھی، دونوں دلّی میں
تے تھے، قاضی صاحب ایک بار سخت علیل ہوئے اور ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو حضرت نظام الدین اولیاء ان
لئے آئے تو قاضی صاحب نے ملنے سے انکار کر دیا جب وجہ دریافت کی تو شیخ سنامی نے فرمایا کہ تم سماع مزامیر،
کو جائز سمجھتے ہو اور ایسی مجلس میں شریک ہوتے ہو، لہٰذا میں مرتے وقت ایک بدعتی سے ملاقات کر کے اپنی عاقبت
نہیں کر سکتا، حضرت نظام الدین اولیاء نے اسی وقت یہ الفاظ کہے کہ میرے دوست سے جا کر کہہ دو کہ "ان
بدع جاء تائبا" کہ بدعتی نے اپنی بدعت سے توبہ کر لی ہے، یہ سن کر شیخ مذکور بے حد خوش ہوئے اور اپنے
کو سر سے اتار کر نظام الدین اولیاء کے راستے میں بچھوا دیا کہ اب آپ اس پر چل کر تشریف لائیں، نظام الدین اولیاء
شیخ کی پگڑی اٹھالی اور شفقت و رقت سے رونے لگے۔ (نزھۃ الخواطر)

معلوم ہوا کہ اہل اللہ امر منکر سے ہمیشہ بیزار رہتے اور اپنی بیزاری کی وجہ ظاہر کر دیتے۔

۔ علماء دین نے رعایا کے حقوق شہریت اور ان کے عبادت خانوں وغیرہ کے متعلق جب کبھی سلاطین اسلام کو
راہ پر چلتے دیکھا تو فوراً ان کو برے ارادے سے باز رکھا اور اعلان حق کیا۔ اور ان کو حتی الامکان ایسے ارادوں
جامہ پہنانے سے باز رکھا، چنانچہ "مشتے نمونہ از خروارے" دو تین واقعات اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں:

ایک مرتبہ سلطان ملک الظاہر نے مصر کی زمینوں کے متعلق یہ قانون بنا کر نافذ کرنا چاہا کہ جو لوگ ان
ں پر قابض ہیں وہ اپنی ملکیت کا ثبوت پیش کریں، اگر ایسا ثبوت نہ پیش کر سکیں گے تو زمین بحق حکومت ضبط
ئے گی، اس زمانہ میں اہل شہر کے شہری حقوق اور لوگوں کی شخصی املاک اور ان کی ذاتی جائدادوں اور
داریوں کو بچانے کے لئے جس عالم دین نے ملک الظاہر کو اس کے ارادے سے روکا وہ شیخ الاسلام محی الدین
، (شارح مسلم) کی ذات گرامی تھی۔ امام موصوف نے سر دربار ملک الظاہر کو ایک اعلان حق فرما کر رد کر دیا
ہ ظاہر کو بالآخر یہ قانون واپس لینا پڑا۔ (شامی ج ۴ صـ[illegible])

۔ اسی طرح سلطان سلیم (ترکی) نے ایک بار ارادہ کیا کہ سب لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ و
کیا جائے اور اسلام نہ لائیں تو ہمارے ملک سے نکل جائیں، اگر سلطان سلیم کا یہ ارادہ پورا ہو جاتا تو
سلطنت ترکی میں عیسائیوں کا نام و نشان نہ ملتا، لیکن اس بڑے قاہر بادشاہ کے سامنے مفتی جمالی نے
ہو کر صاف لفظوں میں یہ اعلان حق کر دیا کہ "لا یحل لک ذلک" یعنی تمہارے لئے یہ اقدام کرنا

جائز نہیں، علامہ شکیب ارسلان لکھتے ہیں کہ مفتی جمالی نے اس قوت کے ساتھ اسلام کے اس مسئلہ کو بیان کیا کہ سلطان سلیم کا آہنی ارادہ موم بن کر رہ گیا۔ (تعلیقات بر مقدمہ ابن خلدون صکہ)

بڑے بڑے قاہر و جابر بادشاہوں کے سامنے زبان کے ذریعہ تبلیغ حق کرنے کا مقام ہی اور کچھ ہے جو پہلے اگلے علماء ربانی کو نصیب تھا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

بدعت و اصحاب بدعت سے اجتناب کے سلسلہ میں زبان سے بیزاری کے اظہار کے چند واقعات اور ملاحظہ فرمائیں :

۱۔ جلیل القدر تابعی محمد بن سیرین کے پاس اصحاب بدعت میں سے دو آدمی حاضر ہوئے اور کچھ سنانے اور کہنے کی انہوں نے خواہش ظاہر کی، فرمانے لگے تم کو قطعی اجازت نہیں ہے چنانچہ ان سے اجتناب قطعی پیدا کرنے کے خیال سے فرمایا " لتقومان عنی اولاقومن " یعنی تم دونوں میرے پاس سے نکل کھڑے ہو یا پھر میں ہی تمہاری صحبت سے نکل بھاگوں۔ چنانچہ یہ خفگی معلوم کر کے وہ دونوں نکل کھڑے ہوئے (مقدمہ مسند احمد)

۲۔ امام ایوب سختیانی سے ایک بدعتی آدمی نے کہا: " اسئلك عن كلمة " کہ حضور میں آپ سے ایک بات کے متعلق کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ راوی کہتا ہے: " فولی وھو یقول بیده ولا نصف کلمة " کہ انہوں نے اس شخص سے اعراض کر لیا اور پیٹھ پھیر کر فرمایا کہ بھائی ایک بات کون کہے یہاں آدھی بات بھی سننے سنانے کی گنجائش نہیں ہے۔ (مقدمہ مسند احمد)

۳۔ امام ابن طاؤس نے دیکھا کہ ان کے صاحب زادے سے ایک بدعتی آدمی کچھ بات کر رہا ہے تو فرمایا : " یا بنی ادخل اصبعیك فی اذنك حتی لا تسمع ما یقول " کہ صاحبزادے کانوں میں انگلیاں داخل کر لو تاکہ اس کی آواز و گفتگو تم نہ سن سکو، یہ کہہ کر فرمایا " اشدد اشدد " یعنی اچھی طرح سے کانوں کو بند کر لو۔

یہ واقعات تاریخ اسلام للذہبی سے منقول ہیں جو امام احمد بن حنبل کے ایک نصیحت نامہ سے اس میں شامل کئے گئے ہیں۔ (مقدمہ مسند احمد مع تعلیق علامہ محمد احمد شاکر ج ۱ ص ۱۲)

ان واقعات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ اصحاب بدعت اور اہل بدع سے گریز اور ان کی صحبت و مجلسوں سے علیحدگی قائم رکھنی کس قدر ضروری ہے، اور یہ حضرات کرام و محدثین عظام کس طرح اپنی زبان حق ترجمان سے ایسے اصحاب بدع کو بلا تامل دھتکار دیتے تھے اور کس طرح ان سے گفتگو ان کی یکجائی سے نفرت و بیزاری کا اظہار فرماتے تھے، آج ہمارا زمانہ ہے کہ ہر بدعتی کی تقریر اور اس کی میلادی مجلس، اس کی شیرینی، قیام، چہلم، عرس، قوالی وغیرہ وغیرہ خرافات و بدعات و رسوم میں ہم سب شرکت کرتے ہیں اور بدعتی مولوی سے سلسلۂ تعظیم روا رکھتے ہیں۔

القول الجمیل

فی الکشف عن الدلیل

قرأتِ فاتحہ، رفع یدین اور سنت فجر کے مسائل پر

مدلل بحث

تصنیف

احسن جمیل بن عبد البصیر سلفی

قیمت: ۳۲/ روپئے

مکتبہ سلفیہ ریوڑی تالاب وارانسی

حکومتِ سعودی عرب اور انسانی حقوق کا تحفظ

از ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جن نیک کاموں کا حکم دیا ہے ان میں ایک کام عدل وانصاف کا ہے، قرآن یہ چاہتا ہے کہ مسلمان ہر موڑ پر عدل وانصاف سے کام لیں۔ اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن مسلم اور غیر مسلم کسی کا بھی کوئی معاملہ ہو اس میں انصاف کے علاوہ کوئی دوسری راہ اختیار نہ کریں۔ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۸ کے ترجمہ پر غور فرمایئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اے مسلمانو! اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دو، کسی قوم کے ساتھ تمہاری دشمنی تمہیں عدل سے باز نہ رکھے، عدل کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر ہے، اور اللہ سے ڈرو، اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔)

قرآن کے اس واضح حکم کے باوجود مسلمانوں میں ایسے لوگ ملتے ہیں جو دوستی یا دشمنی کی وجہ سے انصاف کی راہ چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور بے جا حمایت یا مخالفت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سعودی عرب کی حکومت کے ساتھ بعض ہوا پرستوں کا یہی معاملہ ہے، چونکہ اس حکومت کے دینی واصلاحی کام اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے پروگرام ان کو اچھے نہیں لگتے اس لئے وہ اس حکومت کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس طرح کے نکتہ چیں اور عیب جو مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں پائے جاتے ہیں، لیکن سعودی حکومت کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اس طرح کی مخالفتوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے تعمیری واصلاحی پروگراموں کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ دشمنوں کی مخالفت اس طرح کے پروگراموں کی تکمیل کے بعد خود بخود ختم ہو جائے گی۔ یہ فکر بیحد صائب ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حرم مکی وحرم مدنی کے سلسلے میں بھی اس حکومت پر بعض اعتراضات کئے جاتے تھے، لیکن خادم حرمین شریفین شاہ

فہد بن عبدالعزیز حفظہ اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی توجہ اور بذل وانفاق سے جب مسجد حرام اور مسجد نبوی کی توسیع وتعمیر کو غیر معمولی [illegible] نے انجام تک پہونچا دیا تو آج سبھی لوگ اس عظیم خدمت پر خادم حرمین [illegible] تعریف کرتے [illegible] اور اس اعتراف پر [illegible] موصوف نے اپنی حکومت اور اپنے ملک کی عظیم روایات کے شایانِ شان خدمت انجام دی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ انھیں اجرِ جزیل سے نوازے گا اور ان کی حکومت کو قوت اور مقبولیت عطا فرمائے گا۔

سعودی حکومت اپنے قلمرو میں اسلامی قوانین وحدود کی تنفیذ کرتی ہے، اسے بھی مغربی پریس اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں اپنے جارحانہ تبصرے شائع کرتا رہتا ہے۔ مغرب میں انسانی حقوق کے نام نہاد تحفظ کی جو تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان کے خیال کے مطابق اسلامی حدود کی تنفیذ انسانیت کے خلاف ہے، اسلام پر یہ اعتراض قدیم ہے، اور علماء نے اس کا معقول ومدلل جواب دیا ہے۔ جدید دور کے مصری عالم شیخ عبدالقادر عودہؒ نے "التشریع الجنائی فی الاسلام" کے نام سے مستقل کتاب لکھ کر مخالفین کے اعتراضات کی قلعی کھولی ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ موجودہ دور جسے اپنی ترقی وتمدن کا زعم ہے اب تک کوئی ایسا قانون سامنے نہ لا سکا جس سے جرائم کے خاتمہ میں کوئی مدد مل سکے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ان کے شاگرد علامہ ابن القیمؒ اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور دیگر ائمۂ اسلام کی تحریروں میں بھی اس نوعیت کے اعتراضات کے مکمل جوابات موجود ہیں، اور ان تمام تحریروں کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی حدود کی تنفیذ ہی کے ذریعہ انسانی معاشرہ امن وآشتی کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکتا ہے، اور جو لوگ ان حدود پر اعتراض کرتے ہیں اور انھیں انسانیت کی پامالی تصور کرتے ہیں ان کا ذہن بیمار اور نظر کوتاہ ہے۔ سعودی حکومت میں امن وامان کی صورت حال پر جو کتابیں اور رپورٹیں شائع ہوئی ہیں ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جرائم کا انسداد اور معاشرہ کے امن وسلامتی کا تحفظ ان حدود کی تنفیذ سے کس طرح کامیابی کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ ہم موضوع کے اس پہلو پر فی الحال کچھ عرض کرنا نہیں چاہتے، بلکہ ہمارے سامنے سعودی وزیر داخلہ شہزادہ نایف بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو کا وہ حصہ ہے جس میں موصوف نے اس پہلو پر گفتگو کی ہے، اور اسے سعودی عرب کے روزنامہ "الیوم" نے اپنی ۱۵ رمئی ۹۳ء کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔ انٹرویو کرنے والے شخص نے حقوق انسانی کی مغربی تنظیموں کے اعتراضات

اسی کے پس منظر میں شہزادہ موصوف سے سوال کیا کہ مغربی ذرائع ابلاغ سعودی عرب میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے متعلق جو باتیں نشر کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے ؟

شہزادہ موصوف نے جواب میں فرمایا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے میں دنیا میں حقوق انسانی کے تحفظ کا دعوی کرنے والی تنظیموں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس وقت دنیا بھر کے گوشہ گوشہ کے مسلم باشندوں کے ساتھ جو انسانیت سوز برتاؤ ہو رہا ہے، اور ادیان سماویہ کی تعلیمات کو جس طرح پامال کیا جا رہا ہے، اور دنیا کی حکومتیں اور حقوق انسانی کی تنظیمیں جس بے بسی بلکہ بے رخی کا مظاہرہ کر رہی ہیں اس کے پیش نظر انسانیت اور انسانی حقوق کے تحفظ کے دعوے کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے ؟ کچھ حکومتیں اور تنظیمیں رپورٹیں اور اپیلیں شائع کرتی ہیں اور بعض حکومتیں اور تحریکوں پر اعتراض کرتی ہیں، لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اس تمہید کے بعد میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سعودی عرب میں ہمارے اسلامی عقیدہ کے مطابق کسی بھی معاشرہ اور حکومت کے مقابلہ میں زیادہ بہتر طور پر انسانی حقوق کا احترام و تحفظ کیا جاتا ہے، ہم کتاب و سنت کی تعلیمات کو نافذ کرتے ہیں، اور کسی بھی شخص پر کسی بھی طرح کی زیادتی نہیں کرتے، نہ کسی فرد یا ادارے کو اس بات کا موقع دیتے ہیں کہ وہ کسی پر کوئی زیادتی کرے، ہمارے ملک میں "سیاسی قیدی" نام کی کوئی چیز نہیں، میں ایک وزیر داخلہ کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اور اس ملک کے ولی امر اور عالم نیز سعودی عرب اور اسلامی معاشرہ کے سامنے ہر طرح کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ ہم پورے طور پر انسانی حقوق کا احترام کرتے ہیں، اور تحقیق و تفتیش میں کسی آدمی کے ساتھ جسمانی یا ذہنی بدسلوکی روا نہیں رکھتے، بلکہ حقیقت حال کو سمجھنے کے لئے انسانی دائرہ میں مناسب اقدام کرتے ہیں، ہمارے ملک میں تحقیق کے نام پر انسانی اذیت رسانی کا سلسلہ قطعا نہیں ہے۔

مشرق وسطی ٹیلی ویژن کے نمائندے نے جب شہزادہ نایف سے دہشت گردی و انتہاپسندی سے متعلق سوال کیا تو موصوف نے جواب میں فرمایا کہ: ہم عرب دنیا اور اسی طرح پوری دنیا میں موجود انتہاپسندی کی مذمت کرتے ہیں، مغربی و مشرقی ممالک میں انتہاپسندی کے اسباب مختلف ہیں، اور میں کسی دوسرے ملک کے حالات کے بارے میں کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا، البتہ اپنے ملک کا نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے یہ کہتا

چاہتا ہوں کہ انتہا پسندی کی اسلامی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، ایک مسلمان کبھی انتہا پسند نہیں ہو سکتا۔ اسلامی تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو ستانا حرام ہے، بلکہ اس مسئلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر وسیع ہے، چنانچہ اس نے انسانی بنیادوں پر لوگوں کی جان و مال کے تحفظ کو ضروری قرار دیتے ہوئے جانوروں کے ساتھ بھی نرم برتاؤ کی تاکید کی ہے۔

شہزادہ موصوف نے مزید فرمایا کہ انتہا پسندی اصل میں غلو و زیادتی سے پیدا ہوتی ہے، اور اسلام نے غلو سے روکا ہے، اس تعلیم کی روشنی میں کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس طرح زیادتی کرنا جیسا کہ آج کے دور میں ہم دیکھ رہے ہیں، بیحد تعجب انگیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کی تبلیغ کے سلسلہ میں یہ حکم فرمایا ہے کہ اچھا طریقہ اور مناسب اسلوب اختیار کریں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے معاملات میں بدرجۂ اولیٰ نرم روی اور ملاطفت کی ضرورت ہے۔ قرآن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر آپ سخت دل اور بد خلق ہوتے تو لوگ آپ کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتے۔ اس آیت میں دراصل مسلمانوں کے لئے یہ تعلیم مضمر ہے کہ انہیں بد خلقی و سخت دلی کے بجائے نرم دلی و خوش خلقی کی راہ اختیار کرنا چاہئے۔ ایک عرب ملک میں امن و سلامتی کے ذمہ دار کی حیثیت سے میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ فتنہ و فساد سے معاشرہ میں دوسری مہلک آفتیں اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے ہر ایسے کام سے پرہیز ضروری ہے جو فتنہ و فساد کے لئے راہ ہموار کرے۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بے اطمینانی و بدامنی کا نقصان سب سے پہلے اسی ملک کو لاحق ہوتا ہے جہاں بدامنی پیدا ہوتی ہے، تعمیر و ترقی کے کام رک جاتے ہیں، اور عوام غیر یقینی حالات کا شکار ہو جاتے ہیں، ہمارے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا نمونہ ہونا چاہئے جنہوں نے ہر قیمت پر ملک کے امن و امان کا تحفظ کیا۔

معاشرہ کے امن و امان کی اہمیت، انسانی حقوق کے تحفظ کی ضروریات اور انتہا پسندی و دہشت گردی کی مذمت کی بات چلی ہے تو ۱۴۱۳ھ کے حج میں عرفہ کے دن محترم شیخ عبدالعزیز آل الشیخ کے خطبۂ حج کی جانب اشارہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ عرفہ کا یہ تاریخی میدان وہی ہے جہاں آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کے اس اسلامی منشور کا اعلان فرمایا تھا جس کا ایک

ومعنویت کی معترف پوری دنیا ہے، اور جس کی برابری کا کوئی دوسرا منشور آج تک دنیا کے سامنے نہ آسکا حالانکہ انسانیت کا دم بھرنے والے بڑے بڑے مصلحین وقانون داں حضرات نے اپنی فکری توانائیاں صرف کیں اور قانونی نکتہ رسی کے ساتھ بہت سے منشور پیش کئے۔ عرفہ کے اسی میدان میں شیخ موصوف نے کھلے لفظوں میں اعلان فرمایا کہ دہشت گردی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، اسلام کبھی طاقت کے بے جا استعمال کی اجازت نہیں دیتا، اور کسی بھی دینی یا دنیوی معاملہ کو وہ زبردستی کے ساتھ حل نہیں کرنا چاہتا اس کی نظر میں معاملات کا حل سلامت روی اور طبعی اطمینان کے ساتھ ہوتا ہے، ظلم وتعدی اور قتل وغارت کسی مسئلہ کو حل کرنے کا اسلامی طریقہ نہیں، اس لئے جو لوگ دہشت گردی کا سہارا لے کر کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے اسلام میں کوئی جواز نہیں، ان لوگوں کو اسلام کا نام نہیں لینا چاہئے، اس سے دوسروں پر غلط اثر قائم ہوگا۔

دہشت گردی کے سلسلہ میں شیخ موصوف نے اسلام کا نقطۂ نظر واضح فرمایا تو مغربی دنیا کو اس سے حیرت ہوئی، کیونکہ اہل مغرب لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ اسلام دہشت گردی کا حامی ہے، اور مسلمان اس فعل قبیح کو جائز سمجھتے ہیں، ساتھ ہی ان کو یہ توقع بھی تھی کہ چونکہ مختلف مسلم ممالک میں دہشت گردی کے واقعات سننے میں آتے ہیں اس لئے سعودی عرب کے کسی عالم کی زبانی اس طرح کا صاف اعلان نہیں ہوسکتا۔ اس نوعیت کا تصور غلط فہمی پر مبنی ہے، اسلام میں شہادتِ حق کا جو معیار ہے اس سے یہ لوگ واقف نہیں ہیں، سعودی امام نے اسی معیار کی پیروی کرتے ہوئے مذکورہ اعلان فرمایا ہے، جب کوئی مسئلہ شریعت سے ثابت ہو جائے تو اس میں کسی فرد، حکومت یا مفاد کا لحاظ بالکل غلط ہے۔

اہلِ مغرب حقوق انسانی سے متعلق جس اعلیٰ معیار کی بات کرتے ہیں وہ سراسر نظریاتی بات ہے عمل کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اسی لئے ان کی مساوات وآزادی کی کوشش بے سود ثابت ہو رہی ہے۔ امریکہ میں سیاہ فام لوگوں کے ساتھ نسلی امتیاز موجود ہے، اسی طرح جنوبی افریقہ کے کالے عوام گورے حاکموں کے ظلم واستبداد کا شکار ہیں، فلسطین کے مظلوم مسلمانوں پر یورپ وامریکہ کی مدد سے اسرائیل نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے، بوسنیا میں پوری بین الاقوامی برادری کی آنکھوں کے تلے ظلم وجبر اور وحشت وبربریت کے ڈرامے کھیلے جا رہے ہیں، لیکن کوئی فرد، تنظیم یا حکومت ان ناانصافیوں کو

ظلم کرانے کے لئے سامنے نہیں آ رہا ہے، بلکہ جہاں امن و انصاف اور صلح و سکون ہے اس کا کسی نہ کسی انداز سے تذکرہ سامنے لایا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے دور میں بھی اس نوعیت کے حالات کا مشاہدہ کیا تھا اور ایک نظم میں اہلِ مغرب کے اس دوہرے معیار پر سخت طنز فرمایا تھا، اُن کی اس نظم کا عنوان ہے:

"مسولینی اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے"

اس نظم کے پہلے ہی شعر میں ایک طنزیہ سوال ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ مسولینی اپنے حریفوں سے پوچھتا ہے کہ تمہارے اور میرے کردار میں جب کوئی بنیادی فرق نہیں تو پھر مجھ پر ناراضگی کا سبب کیا ہے:

کیا زمانے سے نرالا ہے مسولینی کا جرم؟ بے محل بگڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج

ہمارے دور کی ایک روایت بدیہ بھی ہے کہ یہ اصطلاحات کے پیچھے دوڑتا ہے، اور ظلم کو انصاف کے نام پر قبول کرلیتا ہے، علامہ اقبالؒ نے اسی حقیقت کو ان دو شعروں میں واضح فرمایا ہے:

میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج

یہ عجائب شعبدے کس کی ملوکیت کے ہیں راجدھانی ہے مگر باقی نہ راجہ ہے نہ راج

اہلِ مغرب نے اس مفروضہ کی بنیاد پر قوموں کو غلام بنایا تھا کہ ان کے پاس علم و حکمت اور تہذیب و تمدن ہے، اور غلام اقوام ان اوصاف سے عاری ہیں، اس لئے اپنا نظامِ حکومت چلا نہیں سکتیں، لہذا انھیں مہذب دنیا سے استفادہ کی ضرورت ہے، ذیل کے دو شعروں میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے:

تم نے لوٹے بے نوا صحرا نشینوں کے خیام

تم نے لوٹی کشتِ دہقاں تم نے لوٹے تخت و تاج

پردۂ تہذیب میں غارت گری آدم کشی

کل روا رکھی تھی تم نے میں روا رکھتا ہوں آج

علامہ اقبالؒ کی اس نظم کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ کسی آمر کی آمریت کے لئے وجہ جواز فراہم کی جائے، بلکہ موصوف صرف اس دوہرے معیار اور خبث و نفاق کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان اپنے عیب کو ہنر اور دوسروں کے ہنر کو عیب ثابت کرنا چاہتا ہے۔ موجودہ دور کا بحران بھی یہی ہے کہ انسانیت کے تحفظ اور تہذیب کی ترقی کے نام پر انسانیت سوز حرکتیں کی جاتی ہیں اور جمہور عوام کو اپنی پالیسیوں اور

مفادات کے سامنے جھکایا جاتا ہے، پھر اس نوعیت کے قبیح اعمال کو خوبصورت ناموں اور دل کش اصطلاحات کے پردے میں چھپا لیا جاتا ہے اور جب اس پر بھی تسلی نہیں ہوتی تو ان لوگوں پر زبانِ طعن دراز کی جاتی ہے جن کا کردار ہمیشہ بے داغ رہا ہے! علم و حکمت کی ترقی کے اس دور میں کسی ایسے دعوے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے جس کے پیچھے عمل کا سرمایہ نہ ہو؟ حقوق انسانی کے تحفظ کے نام پر اہلِ مغرب نے جتنی بھی تگ و دو کی ہے ان سب کا حاصل انسان دشمنی کی صورت میں سامنے آیا ہے، اور پچھلے چالیس پچاس سال کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ مغرب کی طرف سے انسانیت کے ساتھ ہمدردی کا جو اظہار کیا جا رہا ہے وہ اس ڈھول کی آواز کی مانند ہے جو اندر سے خالی ہے، اگر اہل مغرب کو انسانیت کے ساتھ سچی ہمدردی ہوتی تو وہ کبھی بھی ایسے لوگوں کے خلاف زبان نہ کھولتے جو حقیقی معنوں میں انسانیت کے محافظ ہیں اور جن کے پاس پروپیگنڈے کی طاقت تو نہیں البتہ انسانی ہمدردی کے ان کارنامے روزِ روشن کی طرح واضح ہیں اہلِ مغرب کو ہم ان کے دعووں میں مخلص اس وقت مان سکتے ہیں جب وہ اپنی نام نہاد انسانی خدمات سے ان لوگوں کو مستفید ہونے کا موقع دیں جو حقیقت میں ان خدمات کے مستحق ہیں۔

چند ماہ پیشتر اسرائیل نے جن چار سو سے زائد پڑھے لکھے اور ہنرمند فلسطینیوں کو ملک بدر کر دیا ہے ان کے لئے مغربی دنیا کیا کر رہی ہے؟ بوسنیا میں مسلم نسل کشی کی جو مہم جاری ہے کیا اس کے خلاف آواز بلند کرنا انسانیت کے مفاد میں نہیں؟ اہلِ مغرب اس طرح کے مسائل کو حل کئے بغیر دوسروں کو کچھ کہتے ہیں تو اس کی حیثیت مذاق جیسی لگتی ہے، اس لئے انہیں سوچنا چاہئے کہ دنیا کو کب تک دھوکہ میں رکھیں گے!

●●●

شوق کا پیغام ارباب جماعت کے نام

شوق اعظمی

(یہ نظم ضلعی جمعیۃ اہل حدیث کے جلسہ بمقام حسین پورہ مئو پڑھی گئی)

ارباب جماعت کے آگے کچھ عرضِ سخنداں ہو جائے
شاید کہ دلِ مضطر کو ذرا تسکین کا ساماں ہو جائے

اسلاف سے نسبت ہے لیکن ہم ننگ سلف کہلاتے ہیں
اے کاش کہ اب سے دور اپنا یہ داغِ نمایاں ہو جائے

ارباب جماعت کو میرا پیغام یہ ہے دو لفظوں میں
بن جائیں اگر پابندِ سلف ہر درد کا درماں ہو جائے

آپس میں اگر سب مِل جُل کر اخلاص و وفا سے کام کریں
اجڑی ہے جماعت کی کھیتی صد رشکِ بہاراں ہو جائے

اسلاف کا یہ قولِ زرّیں نسخہ ہے ہماری عظمت کا
اک ہاتھ میں سنت کا دامن اک ہاتھ میں قرآں ہو جائے

گفتار سے پہلے لازم ہے کردار بھی ہو اخلاص بھی ہو
ہر فردِ جماعت کا خالص اک مردِ مسلماں ہو جائے

اخلاص و وفا سے ہر سینہ مخزن ہو رموزِ حکمت کا
ایمان کے جوہر سے ہر دل آئینۂ قرآں ہو جائے

تڑپے تو ثناء اللہ ہو کر گرجے تو ابو القاسم بن کر
بدعات چھپائے اپنا منہ الحاد ہراساں ہو جائے

اب شوق چراغِ سحری ہے پھر کون جگائے گا تم کو
اے کاش کہ صورِ بیداری پیغامِ سخنداں ہو جائے

•••

جشن میلاد پر عوام الناس کے تبصرے

عبداللہ عبدالرؤف سلفی
جامعہ سلفیہ بنارس

پچھلے دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کی ہوئی دو اسلامی عیدوں کے بعد ساتویں صدی عیسوی میں گورنر اربل ابوسعید مظفرالدین کی رائج کردہ ایک تیسری عید بڑی دھوم دھام، انبساط و اہتمام اور عقیدت و احترام کے ساتھ پورے ملک کے طول و عرض میں منائی گئی۔ سڑکوں اور بازاروں، مکانوں اور دکانوں، مسجدوں اور مدرسوں، خانقاہوں اور روضوں کو دلہن کی طرح سجایا بنایا اور سنوارا گیا۔ ٹیوب لائٹوں بجلیوں اور قمقموں کی چمک دمک سے آتش پرستوں اور دیوالی کے پجاریوں کو شکست خوردہ بنایا گیا۔ تاریخی عمارتوں اور قدیم یادگاروں کی مجسمہ سازی طرح طرح کی جھانکیوں اور عالیشان پھاٹکوں کی بناوٹ میں لاکھوں کروڑوں روپئے خرچ کرکے فرمان الٰہی "ولا تبذر تبذیرا" (ہرگز فضول خرچی نہ کرو) کو ٹھکرا دیا گیا۔

بنارس میں اس موقع پر نوجوانوں نے بابری مسجد، گیان واپی مسجد، جامع مسجد دہلی، تاج محل، جنتا منڈی اور لال قلعہ وغیرہ کی ماڈلنگ میں اپنے اپنے فن کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ ہر کس و ناکس اس پر تبصرہ کرتا نظر آیا۔

کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ جنم اشٹمی پر کنہیا جی کی طرح کیا اس طرح جنم لیتے ہوں گے جس طرح آج سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد ہو رہی ہے۔ کسی کو کہتے سنا فلاں علاقہ والوں نے دیوالی اور کرسمس کو بھی مات کر دیا۔ کسی نے جوش میں آکر یہاں تک کہہ دیا کہ ہم نے جشن میلاد منا کر ہندوؤں کی ناک کاٹ دی۔ ایک صاحب جو چپ چاپ بیٹھے یہ سب سن رہے تھے غصہ میں آکر بول پڑے تم لوگوں نے صرف ناک کٹنے والوں کی ناک نہیں کاٹی، بلکہ ملت اسلامیہ کی بھی ناک کاٹ دی اور مذہب اسلام کی عزت و عظمت کو پامال کر دیا۔

مذہب اسلام اور امت مسلمہ کی یہ کتنی بڑی اہانت ہے کہ مسلمان دوسرے دھرم والوں کی کچھ چیزیں چرا کر اسلام میں
خل کریں۔ اسلامی احکامات و ہدایات کو پس پشت ڈال کر اسلام کی طرف منسوب ان کاموں کو کرنے اور کرانے لگیں جسے رسول
ر صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کیا اور جس کے کرنے کا کبھی حکم دیا۔ اللہ و رسول کے خلاف یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ ہم رب
ئنات کے اس واضح اعلان " الیوم اکملت لکم دینکم " (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر
ا) کے باوجود اہل ایمان دین اسلام کو ناقص سمجھیں اور دوسروں کی ایجاد کردہ بدعات و خرافات اور تہواروں کو اس کا
ملہ و تتمہ قرار دیں۔

کیا احترام مذہب اور نبی ؐ کی محبت کا مطلب یہی ہے کہ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرائض و واجبات کو چاہے ترک
ردیں مگر ان چیزوں کے چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوں جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں، احادیث وسنن کے ذخیروں میں نہیں
ون خیر کی تاریخوں اور سیرت کی کتابوں میں نہیں، فقہاء مذاہب اربعہ کی تالیفوں اور صحیفوں میں نہیں، صحابۂ کرام اور تابعین
ظام کے زمانے تک جن کا اتہ پتہ نہیں، جماعت محدثین، ائمہ دین، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل
ہم اللہ کو جن کی خبر تک نہیں۔

کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ جشن میلاد اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ یہ ایک صریح بدعت، ایک عظیم دھوکہ،
ـ قبیح دینی جرم، اسلامی شریعت کو بلیک میل کرنے کی ایک خوبصورت سازش اور باطل مذاہب کے تہواروں کی ایک
فریب تلخیص ہے، اسی لئے بھارت کی کافر حکومت نے بلا کسی پرزور تحریک ایجی ٹیشن کے اس دن کی سرکاری تعطیل
ظور کرلی، اس سے یہ نہیں ہوسکا کہ نویں ذی الحجہ کو روزہ رکھنے کے لئے چھٹی کردے۔ عیدالاضحیٰ کے بعد ایام تشریق میں
ـت کردے یا قربانیوں کے لئے سرکاری دفاتر میں مسلمانوں کی غیر حاضری معاف کردے۔ نویں دسویں اور گیارہویں محرم
چھٹیوں کا اعلان کردے کہ مسلمان سکون و اطمینان سے عاشورہ کا روزہ رکھ سکیں۔ مگر ۱۲ ربیع الاول کو عام چھٹی ہے
رکاری دفاتر بند ہیں تمام کام کاج ٹھپ ہے۔ مگر کیوں کیا اس لئے کہ مسلمان نماز پڑھیں روزہ رکھیں، امر بالمعروف اور نہی عن
نکر کا فریضہ انجام دیں، غریبوں یتیموں اور بیواؤں میں خوشیاں بانٹیں، غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف کرائیں، مناظر صلوٰۃ
والاطاعت و اتباع رسول کی رغبت دلائیں یا خود اپنا محاسبہ کرکے صحیح اسلامی اور شرعی زندگی کو اپنائیں۔ نہیں بلکہ چھٹی
ن لئے دی گئی ہے کہ مسلمان بھی مہاویر جینتی، جنم اسٹمی، گرونانک جینتی، گنیش پوجا، دسہرہ اور کرسمس ڈے کی نقالی کرکے
رمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم " من تشبہ بقوم فھو منھم " (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے)

کا مصداق بن سکیں اور یہ ثابت کیا جا سکے کہ مذہب اسلام دنیا کے دیگر مذاہب کی طرح کوئی مستقل مذہب ہی نہیں، بلکہ انہیں سابقہ و قدیم ادیان باطلہ سے ماخوذ، مسلمانوں کا نچوڑا اور گوندھا ہوا ایک نیا اور دوسرے درجہ کا دین ہے، کیا یہ بات اس کی واضح دلیل نہیں ہے کہ مسلمان اپنے تہواروں کو برابر دوسروں کے تہواروں کے ہم شکل اور مشابہ بنائے جا رہے ہیں، دین اسلام کی اس کھلی بے حرمتی اور توہین کے باوجود یہی مسلمان اسلام کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہیں۔

مذہب اسلام نے ہمیں ایسے تہواروں سے نوازا تھا جو دیگر مذاہب کے تہواروں سے جداگانہ اپنی ایک الگ اور نمایاں امتیازی شان رکھتے ہیں، جن میں اللہ کی بڑائی کا اعلان، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وفاداری کا اثبات اور جذبۂ ایثار و قربانی اور انسانیت نوازی کا اظہار ہوتا ہے جو کھیل تماشے، دھوم دھڑاکے، شور شرابے، اور اسراف و تبذیر سے پاک ہوتے ہیں جن میں صرف ان ظاہری اعضاء کی خوشی و مستی کا سامان نہیں، سکون روح و قلب کا انتظام بھی ہے جن کے اندر متانت و سنجیدگی اور عظمت و وقار کے نقوش چمکتے ہیں اور جو ہر شخص کی طبیعت و فطرت کو سوٹ کرتے ہیں۔

مگر آج مسلمانوں نے اپنے کامل و مکمل مذہب میں ایسے تہواروں کا اضافہ شروع کر دیا جو دیگر ادیان و مذاہب کے تہوار در کا چربہ معلوم ہوتے ہیں جن سے مذہب اسلام دوسرے مذاہب کا دم چھلا محسوس ہوتا ہے جن سے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں ہمارے عظیم الشان مذہب کی شان گھٹتی ہے جن سے مسلمانوں کی دھاک بے بضاعتی، بے غیرتی اور حیا سوزی ٹپکتی ہے جن سے اللہ و رسول کی اہانت و گستاخی کا اشتباہ بلکہ اظہار ہوتا ہے جن میں اسلامی متانت و سنجیدگی اور عظمت و وقار کے اظہار کے بجائے کھیل تماشہ اور شور و ہنگامہ کا منظر دل فگار ہوتا ہے۔ جن میں انسانیت نوازی، اور غربا پروری کے مظاہر کے بجائے اسراف و تبذیر اور ریا و نمود کے ماثر ہوتے ہیں جن میں اللہ و رسول سے اپنی وفاداری کے اثبات و اظہار کے بجائے اس بات کے ثابت کرنے کی زیادہ کوشش کی جاتی ہے کہ ہم کٹر پنتھی، روڑھی وادی اور بنیاد پرست نہیں بلکہ روشن خیال، ایمان فروش اور جدت پسند ہیں جبھی تو مذہبی ممانعت کے باوجود اپنی بیویوں بیٹیوں کو ان نام نہاد مذہبی تہواروں کے ہنگاموں میں مردوں کے درمیان بے پردہ لئے پھرتے ہیں، اور ان کی ہنگامہ خیزی، جمال آرائی اور چمک دمک میں اضافہ کر دیتے ہیں جب کہ عیدین کی شرعی نمازوں کے لئے برقعوں میں چھپا کر انہیں اس لئے نہیں لے جاتے کہ کہیں اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری نہ ہو جائے۔

کیوں سنی مسلمانو! آپ کی محبتوں کے بھی کیا رنگ ہیں دنیا اسے دیکھ کر دنگ ہے کون ہے جو حبّ رسول میں آپ سے مقابلہ کر سکے اور پابندی شریعت میں آپ سے آگے بڑھ سکے، ایمان تو ابو بکر و عمر کے برابر رکھے ہو مگر محفل میلاد چوری کی بجلیوں سے سجاتے ہو، اے صادق و امین رسول کے امتیو! بتاؤ! کیا اس صادق و امین رسو

کی محبت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی محفل میلاد چوری اور ڈکیتی کی رقم سے منعقد کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ ایک چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے ایک ڈاکو جب ڈاکہ زنی کرتا ہے تو ایمان اس کے سینہ سے کھسک لیتا ہے مگر کتنا سخت جان ہے تمہارا اسلام اور کتنا اٹل و غیر متزلزل ہے تمہارا ایمان کہ اس کی طاقت سے تم بجلیاں چراتے، رات کو دن بناتے اور اس کے اجالے میں محفل میلاد جاتے ہو، لیکن اس سے نہ تمہارا اسلام ٹس سے مس ہوتا ہے اور نہ تمہارا ایمان اپنی جگہ سے ٹلتا ہے۔

او محب نبی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈھنڈورا پیٹنے والو! اگر غیر ایسا کرتے ہوں تو کریں مگر تمہارے لئے یہ کیسے روا ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر تم بھی ایسا ہی کرو، کیا اب دین دھرم کا کام بھی دوسروں کو دیکھ کر کیا جائے گا۔ کاش اسی ایک معاملہ میں تو تم اسلام اور اہل اسلام کی فوقیت و برتری ثابت کر سکتے۔

تردید حاضر و ناظر
تصنیف
مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری
پتہ
مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس

برطانوی وزیر اعظم کہتے ہیں :

مسلم بوسنیا کا خاتمہ

مستقبل میں ایک مستحکم یورپ کیلئے لازمی ہے

دنیا کے باخبر افراد بالخصوص مسلم مبصرین کی طرف سے یہ جو کہا جاتا ہے کہ بوسنیا ہرزے گووینا کے سوال پر امن مذاکرات اور اقوام متحدہ کی جانب سے قیام امن کی کوشش محض ایک ڈھونگ ہے تماشہ ہے، تو یہ یوں ہی نہیں کہا جاتا بلکہ اس کی ٹھوس بنیادیں موجود ہیں، حالات و واقعات کا سلسلہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ یورپ کے قلب میں واقع اس مسلم مملکت کے خاتمے کی کوششوں میں پورا یورپ اور امریکہ شریک ہے امن مذاکرات کو طول دینے کا مقصد صرف سربوں کو زیادہ سے زیادہ مسلح کر کے جارحیت کا موقع فراہم کرنا ہے۔ امریکہ کی دو نئی کالونیاں یعنی برطانیہ اور روس اس میں پیش پیش ہیں، خاص طور سے برطانیہ جس نے اپنے ایک سیاست داں کو "امن کوششوں" کے نام پر مسلمانوں کو کمزور سے کمزور تر کرنے اور سربوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی ذمہ داری سونپ رکھی ہے، مغرب کی اس سازش کے بارے میں یہ محض قیاس آرائی یا الزام تو پہلے بھی نہیں تھا، صورت حال خود گواہ تھی کہ وہاں درحقیقت کیا ہو رہا ہے مگر اب برطانوی وزیر اعظم کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا ہے، جان میجر کے ایک خط نے جو وزیر خارجہ ڈگلس ہگ کے نام لکھا گیا تھا مغرب کی سازش کو بے نقاب کر دیا ہے۔ میجر نے یہ خط اسی سال ۲ مئی کو لکھا تھا یہ خط برطانوی وزیر اعظم کے دفتر کے ایک ملازم کے ذریعہ باہر نکلا اور کسی طرح بوسنیا کی حکومت تک پہنچ گیا سب سے پہلے یہ خط بوسنیا کے اخبار "لیلین" میں شائع ہوا اور پھر عام ہو گیا کئی اخباروں نے اس کا عکس بلا تبصرہ شائع کیا ہے، ہم اس خط کی فوٹو کاپی ملیالم روزنامے "مادھیامم" نے فراہم کی ہے، متن کا ترجمہ پڑھئے اور دیکھئے ایک طرف مغرب کی عیاری و مکاری اور دوسری طرف مسلم حکمرانوں کی بے بسی۔

۱۰۔ ڈاؤننگ اسٹریٹ وزیر اعظم، لندن، SW-1-A2AA ۲ مئی ۱۹۹۳ء

بنام: ڈگلس ہاگ، وزیر مملکت، دفتر خارجہ و دولت مشترکہ، لندن SW-1-A2AA

ڈیر ڈگلس!

سابق یوگوسلاویہ کے علاقے "بوسنیا ہرزے گووینا" کی حالیہ اور ماضی کی صورت حال کے بارے میں آپ کی تفصیلی رپورٹ پر آپ کا شکریہ، آپ اس سلسلے میں کابینہ میں مباحث اور دیگر موقعوں پر طے شدہ نکات سے بخوبی واقف ہیں اور آپ کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ان مباحث کی روشنی میں مملکت عالیہ کی حکومت نے جو پالیسی طے کی تھی اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے، اس پالیسی کے نکات مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ ہم بوسنیا ہرزے گووینا کے مسلمانوں کو مسلح کرنے یا انہیں بھاری اسلحہ کی تربیت دینے کے کسی بھی پروگرام پر اب یا مستقبل میں متفق نہیں ہو سکتے۔

۲۔ ہم اس علاقے میں اسلحہ کی سپلائی پر عائد اقوام متحدہ کی پابندی کو نافذ کرنے اور اس مقصد کے لئے طاقت استعمال کرنے کے پروگرام پر مستقل عمل کرتے رہیں گے، ہمیں معلوم ہے کہ یونان، روس اور بلغاریہ کی طرف سے سربیا کو اسلحہ مل رہا ہے، اور جرمنی، آسٹریلیا، سلووینیا حتی کہ ویٹی کن (روم میں پوپ جان پال کا شہر کیتھولک عیسائیوں کی ریاست) کروشیائی افواج کے ساتھ ایسا ہی تعاون کر رہے ہیں اس کے باوجود ہم اقوام متحدہ کی طرف سے عائد کردہ پابندی پر عمل کرانے کی کوشش کریں گے، اس ضمن میں یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ ہم اس بات کو یقینی بنائیں کہ کسی بھی اسلامی ملک یا اسلامی گروہ کی طرف سے بوسنیا کے مسلمانوں کو اسلحہ فراہم کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکے۔

جب تک صورتحال کا واضح نتیجہ بوسنیا ہرزے گووینا کی تقسیم اور یورپ میں ممکنہ اسلامی حکومت (ریاست" کی وجہ ہرگز برداشت نہیں کیا جاسکتا) تباہی کی صورت میں نکل نہیں آتا ہم اس پالیسی پر عمل پیرا رہیں گے، مزید برآں سابق سوویت یونین کے خلاف افغان جنگجوؤں (فائٹرس) کو مسلح کرنے انہیں تربیت اور انہیں "اسلامی جنگجو" بنا دینے کی غلطی کو دنیا کے دیگر حصوں مثلاً بوسنیا ہرزے گووینا میں ہرگز نہیں دہرایا جائے گا، ایسا کرنے سے مستقبل میں وہ مسلم آبادی ہمارے لئے خطرہ بن جائے گی جو ہجرت کرکے مختلف یورپی ممالک یا شمالی امریکہ میں آباد ہو چکی ہے۔ میں آپ کو ایران کے حوالے سے ایک امریکی دستاویز بھی ارسال کر رہا ہوں، اسے ملاحظہ فرما لیجئے۔ یہ رپورٹ یکم ستمبر ۱۹۹۲ء کی تیار کردہ ہے موجودہ صورت حال میں اس رپورٹ میں درج ہدایات پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے، چنانچہ مغربی ممالک اور بالخصوص

برطانیہ میں مقیم آبادی پر ہمارے داخلی سلامتی کے محکمہ کو کڑی نظر رکھنی چاہیئے۔

۳۔ سابق یوگوسلاویہ میں جب تک صورت حال غیر یقینی ہے ہمیں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ کوئی اسلامی ملک مغرب کی اس متفقہ پالیسی کی مخالفت نہ کرسکے، ترکی پر بطور خاص نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ وانس اووین نمائشی امن مذاکرات کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے، یہ عمل اس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جبتک کہ بوسنیا ہرزیگووینا کا ایک آزاد ریاست کے بطور خاتمہ نہ ہوجائے اور اس کی آبادی کو اپنی زمین سے مکمل طور پر مٹا نہ دیا جائے، ہوسکتا ہے کہ یہ ایک سخت پالیسی محسوس ہو، مگر میں آپ سے اور پالیسی ساز ادارے ایف سی او، اور مسلح فورسز کو زور دے کر کہتا ہوں کہ یہی "ریئل پالیٹیکس" (حقیقی سیاست) ہے جو مستقبل میں ایک مستحکم یورپ کیلئے لازمی ہے جس کا اخلاقی نظام "عیسائی تہذیبی اقدار" پر قائم ہے، اور رہنا چاہیئے۔ میں آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ شمالی امریکہ اور یورپ کی تمام حکومتیں اس پالیسی پر عمل پیرا ہیں، لہٰذا ہم اس خطے میں مسلم آبادی کو بچانے کے لئے کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے اور نہ ہی اسلحہ پر عائد پابندی کو ختم ہونے دیں گے، مغرب میں مقیم مسلمانوں کو ہم یہ باور کرا دینا چاہتے ہیں کہ انہیں "نئے عالمی نظام" کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے نیز ہم ان پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ "نام نہاد" مسلم حکومتوں کی بے حسی و بے عملی کیوجہ سے دنیا کی کوئی طاقت بوسنیا ہرزیگووینا کو تباہی سے نہیں بچا سکتی، انہیں یہ بھی معلوم ہوجانا چاہیئے کہ وہ پندرہ جنوری ۹۳ء کے اسلامی کانفرنس کے منصوبوں پر عمل کرانے کے اہل نہیں ہیں لہٰذا وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرسکیں گے، انہیں یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر مغرب نے مسلمانوں کو بچانے کی کوئی کوشش نہ کی تو کوئی دوسرا انہیں نہیں بچا سکتا۔ ہم ان پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ان میں ہماری مخالفت کا دم نہیں ہے کیونکہ ہم ہی ان کی حکومتوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔

میں یہ جانتا ہوں کہ اس سلسلہ میں آپ کے احساسات میرے اور وزیر دفاع کے احساسات سے میل نہیں کھاتے یا آپ کا موقف اتنا واضح اور دوٹوک نہیں ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پارلیمنٹ میں ہمارے موقف میں ہم آہنگی پائی جائے اور ہم متحد الخیال ہوں عوام بھی اس کو محسوس کریں، اس کی ضرورت یوں بھی محسوس ہوتی ہے کہ سابق وزیر اعظم مسز مارگریٹ تھیچر اس کی مخالفت کرچکی ہیں، مجھے امید ہے کہ حکومت کے تمام ارکان کابینہ کے فیصلوں کی پابندی اور اس کا احترام کریں گے۔

•••

(سہ روزہ "دعوت" دہلی، ۱۰ اگست ۱۹۹۳ء)

خیالات کا اثر صحت پر

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری
مدھوبنی بہار

مشہور دانشمند اقلیدس کا قول ہے "انسان کے جیسے خیالات ہوتے ہیں وہ ویسا ہی بن جاتا ہے اس لئے انسان کو ہمیشہ پاک و صاف خیالات رکھنے چاہئے" یہی رائے ماہر نفسیات کی بھی ہے اور یہ رائے تجربہ و مشاہدہ کی کسوٹی پر بھی کھری اترتی ہے کہ یقیناً انسان کے خیالات کا اس کے دل، دماغ، ذہن، جسم اور صحت و تندرستی پر بہت ہی گہرا اور عمیق اثر ہوتا ہے اگر کسی کے خیالات منفی اور تخریبی ہوتے ہیں تو اس کا منفی اثر دیر سویر ذہن و دماغ اور جسم و صحت پر ضرور پڑتا ہے اس کے برعکس کسی کے خیالات مثبت اور تعمیری ہوں تو اس کا مثبت اور تعمیری اثر دل و دماغ اور تندرستی پر پڑتا ہے، ایک مثال سے اس کی توضیح یوں سمجھئے کہ حسد ایک منفی اور تخریبی شئی ہے اگر کسی کے دل و دماغ میں حسد اور بغض ہوتا ہے تو اولاً اس کے حسد کرنے سے حاسد کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی محسود کا کوئی نقصان ہوتا ہے البتہ اس حاسد کو یہ نقصان ضرور جھیلنا پڑتا ہے کہ وہ حسد کی آگ میں آپ ہی خود جلتا رہتا ہے اپنے دشمن کے غم میں اسے کسی سو کل نہیں پڑتا اسے غم، الم، حزن، یاس اور فکر ہمہ دم گھیرے رہتی ہے وہ کبھی بھی ذہنی جسمانی اور فکری طور پر مسرور اور ہلکا پھلکا خود کو محسوس نہیں کرتا، ہمیشہ متفکر مغموم و مضطرب و پریشان رہتا ہے، اور ان تمام چیزوں کا اثر لامحالہ اس کے دل و دماغ اور جسم و صحت پر پڑتا ہے۔ وہ اسی فکر و غم میں گھلتے گھلتے اپنی صحت برباد کر لیتا ہے اور پھر ذہنی، فکری اور جسمانی طور پر ضعیف و ناتواں ہو جاتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں جو دل و دماغ حسد اور بغض سے خالی ہو، دوسروں کے تئیں پریم اور محبت ہو اور ذہن و دماغ مثبت خیال کا محور ہو تو ایسا شخص ہمہ دم ذہنی و فکری تناؤ سے آزاد ہوتا ہے وہ گو مسرتوں کی آماجگاہ ہوتا ہے اور یہی ذہنی و فکری تناؤ سے آزادی اور سرور دل کا مثبت اثر اس کی صحت پر پڑتا ہے ایسے لوگوں کے لئے غم و الم بے معنی لفظ ہوتے ہیں فکر و غم اور تناؤ سے دور مسرور مخمور اور مست الست۔

درحقیقت آدمی کی ذہنیت اور خیالات کا اثر براہ راست جسم اور صحت پر پڑتا ہے اور یہ پڑنا ناگزیر ہوتا ہے اگر کوئی چنگا بھلا اور صحت مند شخص اس خیال اور وہم میں مبتلا ہو جائے کہ وہ بیمار ہے تو اس کا واقعی بیمار ہو جانا قیاس سے بعید نہیں ہے اور اگر اس کے برعکس کوئی بیمار آدمی یہ یقین کرے کہ وہ تندرست ہو رہا ہے تو یہ بعید نہیں کہ وہ تندرست ہو جائے خیالات اور ذہنیت کے اس ناگزیر اثر سے کوئی خبطی الحواس شخص ہی انکار کر سکتا ہے، اسی لئے ماہرین نفسیات کی رائے ہے کہ

انسان کو چاہیے کہ وہ خود کو ہمیشہ منفی اور تخریبی خیالات سے دور رکھے اور اپنے خیال اور ذہن و دماغ میں مثبت اور تعمیری باتوں کو جگہ دے کیونکہ دل و دماغ کے مثبت و منفی خیالات انسان کے جسم و صحت اور فکر پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔

کیونکہ جسم کا اپنا کوئی ارادہ نہیں، کوئی رائے نہیں، کوئی اختیار نہیں۔ دماغ سارے جسم کا بادشاہ ہوتا ہے اور وہی اس پر حکومت کرتا ہے گویا جیسا راجا ویسی پرجا۔ ایک ماہر نفسیات جسم میں ذہن اور دماغ کی اہمیت اور مرکزیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "دماغ جسے زندگی کا محور کہنا چاہیے جس انداز میں اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوگا جس مقدار میں یاس و معیبت اور مسرت و شادمانی قبول کرے گا اسی انداز و مقدار سے صحت جسمانی پر اچھا یا برا اثر پڑے گا۔ جس شخص کی دماغی صحت اچھی نہیں، جو ہمیشہ فکر و غم اور تشویش میں مبتلا رہتا ہو، جو زندگی کو رجائی نہیں بلکہ قنوطی زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہو، جو موہوم خطرات میں محصور رہتا ہو، جو آئندہ کے فرضی و امکانی مصائب سے خوفزدہ اور حواس باختہ رہتا ہو اس نے گویا جان بوجھ کر اپنے جسم میں ایسے جراثیم کو پرورش پانے کی اجازت دیدی ہے جو اسے گھن کی طرح کھاتے رہیں اس کی صحت کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی اگر اسے اپنی صحت و تندرستی عزیز ہے تو اسے لازماً اپنی ذہنی کیفیت کی اصلاح کرنا پڑے گی"۔

اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ جسمانی و روحانی طور پر صحت مند اور تنومند رہیں قلبی اور ذہنی و فکری طور مطمئن رہیں تو ہم کو چاہیے کہ اپنے دل، دماغ اور خیال کو گندے تخریبی اور منفی خیالات سے پاک و صاف رکھیں، اگر ہم کسی غم و الم سے دوچار ہوں تو اسے فراموش کر کے فرحت بخش اور سرور آور باتوں کو یاد کر لیا کریں، زمانۂ گذشتہ کی کبھی کوئی تلخی یا کڑوی یاد آجائے تو یاد دن کے دریچے میں جھانک کر خوشگوار واقعات اور خوشیاں بھرے دن یاد کرلیں۔ مستقبل میں کوئی امکان یا یقینی ہی غم و معیبت ہو تو اسے قطعی در خور اعتنا نہ سمجھئے اور اسے بالکل نظر انداز اور فراموش کر دیجئے اور دل کو یوں بہلا لیجئے کہ جو کچھ ابھی ہوا نہیں بلکہ آنے والا ہے اس کے غم میں یوں آخر کیوں رو دیا اور پریشان ہوا جائے۔ بہت ممکن اور خدا کے فضل سے یقین ہے کہ وہ آنے والی معیبت آپ خود ٹل جائے۔ اس طرح اگر آپ ذہنی کیفیت کی اصلاح اور صفائی کرتے رہیں گے اور اپنے خیال و فکر کو ہر منفی و گندے عناصر سے خالی رکھیں گے تو پھر کوئی شک نہیں کہ آپ جسمانی و روحانی ہر طور پر مسرور و مخمور اور شاداں و فرحاں نہ رہیں اور اس کا لامحالہ مثبت اثر آپ کی صحت پر پڑے گا۔ اس طرح آپ بیمار نہیں ہوسکتے نہ کسی فکر و غم سے دوچار ہوں گے مسرت بخش خیالات کے جمع ہونے کی وجہ سے آپ خود کو صحت مند اور تنومند محسوس کریں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ:۔ مصائب کو بھلا دینا، مسائل کو مستقبل کے خانے میں ڈال دینا اور حاصل شدہ مواقع کو کام میں لاکر اپنے مقصد کے حصول میں ہمہ دم جہد کناں اور معروف حرکت و عمل رہنا ہی کامرانی و خوشحالی اور ارتقاء و ترقی کا راز ہے۔

●●●

جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس میں سعودی ناظم الامور کی تشریف آوری

اتوار مورخہ ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو عزت مآب جناب شیخ عبد الرحیم الجروف سید ناظم الامور سعودی سفارت خانہ دہلی نے جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کو اپنی زیارت کا شرف بخشا۔ اس کے تمام شعبہ جات کا بنظر غائر معاینہ کر کے اس کی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اپنے گرانقدر مفید مشوروں سے نوازا

واضح ہو کہ موصوف جو نہایت متانت و سنجیدگی، فہم و فراست سے پر، متواضع، کم گو اور اسلامی کاز سے گہری دلچسپی رکھنے والی ایک قدآور شخصیت کے مالک ہیں۔ ایک روز قبل یعنی ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو سر سید سوسائٹی بنارس کی دعوت پر اس کے ایک اسکول کی تقریب سنگ بنیاد میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے بذریعہ طیارہ بنارس پہونچے تھے۔ آپ کی معیت میں جناب مولانا عبد الوہاب صاحب خلجی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند بھی تشریف لائے تھے۔ معزز مہمانوں کے استقبال میں ذمہ داران جامعہ و سر سید سوسائٹی پہلے ہی سے ایر پورٹ پر موجود تھے جنہوں نے ان کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔

دوسرے دن یعنی ۳۱ر اکتوبر کو سنگ بنیاد کی مذکورہ تقریب سے فارغ ہو کر معزز مہمانوں کا قافلہ بعض ذمہ داران جامعہ کی معیت میں جامعہ کے مختلف تعلیمی اداروں۔ جامعہ رحمانیہ (بنات) مدنپورہ و جامعہ رحمانیہ (بنین)، مالتی باغ امہات المومنین کالج پانڈے حویلی (جو تکمیل کے آخری مراحل سے گذر رہا ہے) اور اس کی دیگر عمارتوں کا معاینہ کرتے ہوئے اور ان کی تفصیل معلوم کرتے ہوئے تقریباً ڈھائی بجے جامعہ سلفیہ پہونچا جہاں ذمہ داران جامعہ و اساتذہ نے خوش آمدید کہتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔ اس مناسبت سے جامعہ کے دار الحدیث ہال میں ایک مختصر استقبالیہ تقریب کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ جہاں طلبہ مہمانوں کے انتظار میں پہلے ہی سے موجود تھے لہٰذا بغیر کسی تاخیر کے جناب مولانا عبد الوحید صاحب رحمانی شیخ الجامعہ کی زیر صدارت و جناب مولانا عبد الوہاب صاحب خلجی کی زیر نظامت تلاوت کلام پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔ مولانا عبد الوہاب صاحب خلجی نے اپنے تقدیمی کلمات میں معزز مہمان کی تشریف آوری اور جامعہ کو شرف زیارت بخشنے پر منسوبین جامعہ کی جانب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے جامعہ کے قیام، اس کے اغراض و مقاصد اور اس کی تعلیمی و تبلیغی و ثقافتی سرگرمیوں اور خدمات پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن صاحب ازہری

یل جامعہ نے معزز مہمان کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا جس میں موصوف نے معزز مہمانوں کی تشریف آوری پر
ں سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے جامعہ اور اہل جامعہ کے لئے باعث سعادت قرار دیا. اسی طرح موصوف نے جامعہ اور
لکت سعودیہ عربیہ کے مابین قدیم گہرے روابط کا تذکرہ کرتے ہوئے سعودیہ عربیہ کی اندرون ملک و بیرون ملک حکومتی
وامی سطح پر دینی، تعلیمی و رفاہی خدمات پر روشنی ڈالی اور ان غیر معمولی اور بے مثال خدمات پر حکومت سعودیہ اور
ام دونوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ جامعہ کی سرگرمیوں اور اس کے مختلف شعبہ جات کا تعارف کراتے ہوئے موصوف
نے یہ توقع ظاہر کی کہ جامعہ اور سعودیہ عربیہ کے درمیان تعلقات کو کسی ایک ناحیہ میں محصور نہ کر کے دین و عقیدہ کی
یاد پر ایسے وسیع و عمیق روابط قائم ہونے چاہئیں جو تعلیم و ثقافت سمیت مختلف میدانوں کو محیط اور شامل ہوں۔

سپاس نامہ کے بعد معزز مہمان نے حاضرین سے خطاب کیا. موصوف نے اپنی زیارت پر خوشی و اطمینان کا اظہار
رتے ہوئے اسے اپنے لئے باعث سعادت قرار دیا. مملکت سعودیہ عربیہ کی اسلامی و انسانی خدمات کو اس کا دینی فریضہ
قرار دیتے ہوئے بتلایا کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہم سے یہ کام لے رہا ہے، ہماری حیثیت صرف سبب کی ہے اللہ تعالیٰ اپنے
ن بندوں سے جو چاہے خدمت لے، چنانچہ قرآن کی حفاظت کے سلسلہ میں اس نے وعدہ کیا ہے "انا نحن
نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" اس وعدہ کے تصدیق کے طور پر قرآن کریم کی صحیح اور عمدہ ترین طباعت
رمنی میں غیر مسلموں کے ہاتھوں انجام پا رہی ہے۔ اسی ضمن میں موصوف نے اسلامی تاریخ کو قابل افتخار قرار دیتے ہوئے
ور سابق میں ہندوستانی علماء کی دینی و علمی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کیا، اور موجودہ دور میں مختلف
مالک کے اندر مختلف اسلامی جماعات کے ذریعہ انجام دی جانے والی اسلامی خدمات کا بھی مختصر تذکرہ کیا طلبہ کو گرانقدر
صائح سے نوازتے ہوئے ان کو دینی علوم کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ سے بھی استفادہ کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

موصوف کے اس مختصر مگر جامع خطاب کے بعد صدر محترم کی دعاؤں پر تقریب کے اختتام کا اعلان کیا گیا. تقریب کے
بعد معزز مہمان نے ذمہ داران جامعہ کے ساتھ جامعہ کی تعمیر و ترقی اور مختلف تعلیمی و ثقافتی امور پر تبادلۂ خیال کرتے
ہوئے اپنے بعض مفید و قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اور ۵ ½ بجے شام میں بغرض دہلی واپسی معزز مہمانوں کا وفد ایر
پورٹ کے لئے روانہ ہو گیا۔ الوداع کہنے کے لئے جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران و اساتذہ اور سرسید سوسائٹی کے ذمہ داران
بھی ایرپورٹ تک تشریف لے گئے۔

(د. ر. ض. مبارکپوری)

انتخاب: محمد مستقیم سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ

باب الفتاویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ جس پر حج فرض ہے اور وہ حج کو جانا چاہتی ہے مگر اس کا خاوند اپنی خانگی مصروفیت ودیگر اہم امور کی وجہ سے جانے سے مجبور ہے ایسی حالت میں وہ اجازت دیتا ہے کہ تم جا سکتی ہو حاجیوں کا ایک قافلہ حج کو جا رہا ہے اس میں ۴۔۵ عورتیں ۹۔۱۰ مرد ہیں جن میں ہندہ کی حقیقی بہن اور اس کا شوہر بھی ہے اور ہندہ کی عمر ۵۰ سے زائد ۶۰ سے کم ہے ہندہ نے اپنا سارا انتظام برائے حج کر لیا ہے۔

ایسی حالت میں زید کہتا ہے کہ ہندہ حج کو جا سکتی ہے کیوں کہ اس کے ساتھ عورتوں کا قافلہ ہے جس میں اس کی حقیقی بہن ہے اس کے علاوہ اور دوسری عورتیں ہیں ایسی حالت میں کسی بدگمانی کی گنجائش نہیں رہتی کیوں کہ اس طرح سے عدی بن حاتمؓ کا واقعہ مشہور ملتا ہے اور آثار صحابہ وائمہ کے اقوال ملتے ہیں لیکن بکر کہتا ہے کہ ہندہ حج کو قطعی نہیں جا سکتی ہے کیوں کہ صاف اور صریح حدیث ہے کہ: "لا تسافر امرأة الا معها زوجها او ذو محرم" اور اسی قسم کی جو حدیثیں ہیں ان کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر ائمہ واقوال رجال سے زید ثابت کرتا ہے تو ان احادیث صحیحہ کا کیا جواب ہوگا لہٰذا عرض ہے کہ مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں کہ ہندہ حج کو جا سکتی ہے یا نہیں اگر گئی تو اس کا حج قبول ہوگا یا نہیں اور اگر نہیں گئی اور مر گئی تو کون قصوروار ہوگا۔ بینوا وتوجروا۔

محمد یوسف
اناگپور

الجواب: ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا فتویٰ بے شک یہی ہے کہ عورت کے ساتھ اگر اس کا شوہر یا کوئی محرم نہ ہو، لیکن ثقہ، دیندار اور معتبر عورتوں کا ساتھ ہو تو ان عورتوں کی معیت میں وہ حج فرض ادا کرنے کے لئے سفر میں جا سکتی ہے، ان ائمہ کے نزدیک سفر حج کا معاملہ دوسرے اسفار کی طرح نہیں ہے۔ اس لئے فریضۂ حج کا سفر ان حدیثوں سے مستثنیٰ ہے جن میں کسی عورت کو شوہر یا محرم کے بغیر سفر کرنے

سے منع کیا گیا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ آیت: "وعلى الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا" اپنے عموم واطلاق کے اعتبار سے مرد وعورت سب کو شامل ہے۔

لیکن تحقیق کی رو سے یہ مسلک کمزور معلوم ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوحنیفہؒ ہی کا یہ مسلک قوی اور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر یا محرم کے بغیر حج کا سفر بھی نہیں کر سکتی کیونکہ عام سفر کے علاوہ خاص طور سے سفر حج کی ممانعت بھی حدیثوں سے ثابت ہے۔ اس لئے سفر حج کو ان حدیثوں سے مستثنیٰ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ امام شوکانی لکھتے ہیں: وايضا قد وقع عند الدارقطني بلفظ لا تحجن امرأة إلا ومعها زوج وصححه ابو عوانة وفي رواية للدارقطني ايضا عن أبي امامة مرفوعا لا تسافر المرأة سفر ثلاثة ايام أو تحج الا ومعها زوجها فكيف يخص سفر الحج من بقية الاسفار انتهى (نيل مع العون ص۱۷۱ ج ۴)

حافظ ابن حجرؒ نے الدراية في تخريج احاديث الهداية میں مسند بزار کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے: عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تحج امرأة الا ومعها محرم فقال رجل يا نبي الله اني اكتتبت في غزوة كذا وامرأتي حاجة قال ارجع فحج معها۔

اس روایت کے نقل کرنے کے بعد حافظ لکھتے ہیں: واخرجه الدارقطني بنحوه واسناده صحيح وهو في الصحيحين من هذا الوجه بلفظ لا تسافر المرأة الا مع ذي محرم، وروى الطبراني عن أبي امامة رفعه لا يحل لامرأة مسلمة ان تحج الا مع زوج او ذي محرم وفيه ابان بن ابي عياش وهو متروك واخرجه الدارقطني من وجه آخر بنحوه بلفظ لا تسافر امرأة ثلاثة ايام او تحج الا ومعها زوجها وفيه جابر الجعفي واصل الحديث بالنهي عن سفر بغير تقييد بالحج مشهور كما تقدم عن ابن عباس رضي الله عنهما انتهى (الدراية ص۱۸۲ وص۱۸۳) ۔ والله اعلم بالصواب ۔

کتبہ نذیر احمد رحمانی

یکم ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ

ہماری نظر میں

نام کتاب	اور ابراہیمؑ خلیل ہو گئے
نام مؤلف	ابوالبشریٰ حافظ عبدالحکیم گونڈوی
صفحات	چھوٹے سائز میں ۴۲ صفحات
قیمت	برائے مفت تقسیم
ناشر	جمعیۃ الشبان جھنڈا نگر کپل وستو نیپال
مطبع	الفضل نعیمی پریس مئو
سن طباعت	۱۹۸۴ء

زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف جناب حافظ عبدالحکیم صاحب شنکر نگری نے تصنیف و تالیف کی دنیا میں اس تصنیف کے ذریعہ قدم رکھا، مگر اس کتاب نے قارئین کے دلوں میں جو تاثیر چھوڑی ہے اس نے موصوف کو ایک حلقہ میں بحیثیت مؤلف معروف کر دیا ہے، یہ کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے تین اہم آزمائشی واقعات کے بیان پر مشتمل ہے، آگ میں ڈالا جانا، وادیٔ غیر ذی زرع میں بیوی اور شیر خوار بچے اسماعیل کی اقامت، اور ذبح اسماعیل کا عظیم واقعہ، مؤلف نے کتاب و سنت میں مذکور ان واقعات کے خاکہ میں اپنے تخیل کے زور سے ایسا رنگ بھرا ہے جس سے واقعات کے کردار قارئین کے سامنے متحرک معلوم ہوتے ہیں، ان واقعات سے عبودیت کا کمال ثابت کر کے مؤلف نے اپنا احتساب کیجئے کی سرخی لگا کر قارئین کو اسی طرح کی عبودیت اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، کتاب کی زبان بڑی سلیس رواں اور شگفتہ ہے نیز اسلوب تحریر خوب مؤثر ہے

(ادارہ)

MOHADDIS
THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE
Phone : *91 - 542 - 320958 | 322116*   *Fax* : *91 - 542 - 323980*

مکتبہ سلفیہ (بنارس) کی تازہ ترین پیش کش

کیا اقلیم ہند میں اشاعتِ اسلام صوفیاء کی مرہونِ منت ہے؟

تالیف

غازی عزیر

قیمت : Rs. 45 / ..

مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، وارانسی

Published by: Abdul Auwal Ansari, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
B, 18/1 G. Reori Talab, Varanasi. Editted by: A. W. Hijazi.
Printed at Salafia Press, Varanasi.